رجسٹرڈ ایل نمبر
۵۳۱۲

ٹیلیفون ۳۵۲۵
رہائش ۶۴۸۹۸

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

شمارہ ـ ۱۰۹

اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء

بیسویں سالگرہ

خطوط نمبر

مدیر :-

محمد طفیل

ادارہ فروغ اردو ، لاہور

قیمت موجودہ شمارہ ۶۰ روپے

اس شمارے میں

اس جلد میں موجودہ ادیبوں کے خطوط ہیں۔

عبدالستار صدیقی کے ۱۰۶ خطوط، امتیاز علی عرشی کے ۱۰۷ خطوط، مالک رام کے ۴۰ خطوط، میں نے ان حضرات کے اپنے خطوط اس لئے پیش کئے ہیں کہ میرے نزدیک ان کی بڑی اہمیت ہے۔ عبدالستار صدیقی کے ایک سو چھ خط نہیں بلکہ ایک سو چھ مضمون ہیں۔ اسی طرح امتیاز علی عرشی اور مالک رام کے خطوط، خطوط نہیں مضمون ہیں۔

اس حصے میں مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالماجد دریا بادی، رشید احمد صدیقی، جوش ملیح آبادی ایسے صاحب طرز لکھنے والوں کے خطوط بھی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھی، جو ابھی ادب کے میدان میں اتنے عمر رسیدہ نہیں چونکہ یہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ عنقریب آن نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے انھیں بھی جگہ دی تاکہ کل کلاں کو ان کا کچھ تو دیکھا جا سکے کہ یہ لوگ کون تھے اور ان کا ادبی مرتبہ کیا تھا۔ اگر میر امن کو اتنے عرصے کے بعد ڈھونڈھ نکالا گیا ہے تو کچھ عجب نہیں۔ ان میں سے بھی کچھ کو ڈھونڈنا پڑے۔

قرۃ العین حیدر نے ہمیں بڑے قیمتی خطوط بھجوائے مگر وہ بروقت نہ ملے۔ وہ خطوط سجاد حیدر یلدرم کے نذر سجاد حیدر کے نام اور نذر سجاد کے خطوط یلدرم کے نام تھے۔ ان کے علاوہ ان دونوں شخصیتوں کے نام دیگر مشاہیر ادب کے بھی متعدد خطوط ہیں۔ جن سے سرسید احمد خاں سے لے کر موجودہ دور تک کے ادبی، سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اب وہ سرمایہ مع تفصیلی حواشی کے آئندہ پیش کریں گے۔

کہیں زندوں میں مرحومین اور کہیں مرحومین میں زندہ لوگ آ گئے ہیں۔ اس سے کھلبلی تو مچی مگر میری جان قدرے عافیت میں رہی۔ ترتیب کی اس گڑبڑ کا سمجھاؤ بس یہی ہے اس لئے نہ رہا کہ خطوط وقتاً فوقتاً ملے۔ جو بعد میں ملے۔ انھیں ترتیب میں پہلے کیسے لاتا؟

اس جلد کے آخر میں، نقوش کے مضامین کا اشاریہ بھی دے دیا گیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کی بڑی ضرورت تھی۔ اس ضمن میں متعدد تقاضے تھے۔ چلو یہ ضرورت بھی پوری ہوئی۔

کسی افسانہ نمبر میں افسانوی حصے کا اشاریہ چھاپ دیں گے اور کسی غزل یا نظم نمبر میں غزلوں اور نظموں کا اشاریہ۔

جن دوستوں کے خطوط، اس نمبر میں شامل ہیں۔ وہ تو اس دور کے نمایاں لکھنے والے ہیں ہی، کچھ نمایاں ادیب ایسے بھی ہیں۔ جن کے خطوط، مجھے اس جد وجہد میں نہیں ملے۔ اگر ملے تو وہ ایسے نہیں جنہیں چھاپا جا سکے۔ بہر حال اسی کمی کو آئندہ پورا کیا جائے گا۔ ویسے بھی اب تھک گیا ہوں۔ چور چور ہو گیا ہوں۔

(محمد نقوش)

طلوع

میرا بچپن، میری خوشیوں کا دشمن تھا۔ جوانی آئی تو وہ بھی یوں کہ اُس کی آہٹ تک نہ سن سکا۔ اب میں ہوں اور میرا بڑھاپا۔۔۔ــــ دستک کی آواز تیز سے تیز تر ہو رہی ہے۔

یہ پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں کہ میں ۱۹۴۸ء میں مر گیا تھا۔ وہ یوں کہ زندگی و موت کے درمیان چند ساعتوں کا مرحلہ رہ گیا تھا۔ ایسے میں میں نے چیخ چیخ کر کہا۔ "اس دنیا میں جیسے آیا تھا، ویسا ہی چلا جا رہا ہوں۔ کسی کو بھی میری ذات سے، کوئی فائدہ نہ پہنچا ــــ مہلت دے دیجیے۔"

اللہ تعالیٰ نے کچھ سوچا اور مجھے نئی زندگی بخش دی۔

صحت یاب ہوا تو میں نے سوچا۔ خدا سے بہت بڑا وعدہ کر چکا ہوں۔ مگر وسائل؟

صحنِ دل امنگوں سے معمور تھا مگر حالات خندہ زن تھے۔ اس ماحول میں ذہن نے کئی پٹخنیاں کھائیں۔ غرض وسائل کی غریبی میں بھی ایک بات سُوجھ گئی۔ وہ یہ "اگر تو جھلسا دینے والی گرمیوں میں پیاسوں کو پانی ہی پلاتا رہے گا تو بھی اپنے خدا سے شرمسار نہ ہوگا۔"

دل مطمئن ہو گیا۔

جب سے ادب کی کڑی دھوپ میں پیاسوں کو "پانی" پلا رہا ہوں۔

میری کارگزاری کو سبھی نے سراہا۔ اس ضمن میں بڑے بڑے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود میں ہر وقت اس خوف سے لرزتا رہتا ہوں کہ اپنی مستعار زندگی کے بدلے، میں نے جو اپنے خدا سے عہد کیا تھا۔ وہ بھی پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟

محمد طفیل

تعداد

پہلی جلد	۶۹۴	خطوط
دوسری جلد	۸۶۵	خطوط
تیسری جلد	۶۹۴	خطوط
	۲۲۵۳	

عبدالستار صدیقی

(۱)

بنام امتیاز علی عرشی

جناب مکرم

تسلیم۔ قاضی عبدالودود صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ "غالب" کے فارسی خطوں کی ترتیب میں آج کل مصروف ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو مسالا میرے پاس ہو میں حاضر کروں۔

میرے پاس سچ پوچھیے تو کچھ نہیں۔ ایک پرانی بیاض کے کچھ ورق مل گئے تھے اس میں ایک خط "غالب" کا میر واجد علی خاں بلگرامی کے نام اور ایک خط "ناطق" مکرانی کا اور اس کا جواب "غالب" کی طرف سے۔ یہ بھی اصل خط نہیں۔ ان کی نقلیں ہیں۔ وہ اوراق اس عریضے کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ جو چیزیں آپ کے کام کی ہوں ان کی نقل لے کر اوراق مجھے واپس بھیج دیجیے گا مگر اس کی جلدی نہیں۔ ان ورقوں کو آپ جب تک ضرورت جانیں اپنے پاس رکھیں۔

میرے ایک شاگرد نے نیت کیا ہے کہ محمد افضل "سرخوش" کے تذکرے "کلمات الشعرا" کی تصحیح و ترتیب کر کے اسے شائع کریں۔ میں نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ اطلاع بخشیں کہ رام پور کے کتب خانے میں "کلمات" کے کے نسخے ہیں اور کتنے پرانے حیدرآباد میں کئی۔ نسخے ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

یہاں یونیورسٹی کے کتب خانے میں رام پور کی عربی کتابوں کی فہرست موجود ہے فارسی کی نہیں۔ اب ادھر نئی فہرست تیار ہوگی۔ اس کے حاصل کرنے کی کیا صورت ہے۔ قیمت سے مل سکتی ہے یا کوئی اور ذریعہ ہے۔ براہِ کرم قیمت سے اطلاع دیجیے گا تاکہ یونیورسٹی کے کتب خانے کے لیے ایک نسخہ منگوا لیا جائے۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۲)

مخدوم مکرم

تسلیم۔ عید مبارک۔ معافی چاہتا ہوں کہ گرامی نامے کا جواب دیر میں عرض کر رہا ہوں۔

"کلمات الشعرا" کے بارے میں جو اطلاع آپ نے بھیجی اس کا بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ شبیر احمد صاحب

کو جو "کلیات" پر کام کرنے والے تھے، میں نے اُس سے روک دیا اور کام اُنھیں بتا دیا ہے۔
کتب خانے کے عربی نسخوں کی فہرست جو آپ نے ترتیب دی ہے اُس کا نمونہ دیکھ کر جی بہت خوش ہوا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اُس صفحے کو میں نے دیر تک دیکھا، ہر پہلو پر غور کیا۔ اصلاح کی گنجائش دکھائی نہ دی۔ جس صورت سے یہ صفحہ چھپا ہے خدا کرے اسی طرح فہرست چھپ کر تیار ہو۔
ہاں صاحب! میں بھی مدت سے ایک آدھ چیز کے شائع کرنے کا خیال رکھتا ہوں۔ دو تین برس ہوئے میں نے شرف الدین کے کارخانے سے نرخ دریافت کیا۔ اُنھوں نے اس قدر گراں نرخ بتایا کہ اُس خیال کو کم سے کم اُس وقت تو ملتوی ہی کرنا پڑا۔ اگر کچھ قباحت نہ ہو تو مہربانی سے بتلائیے کہ آپ نے اُن سے کیا نرخ طے کیا ہے جس پر رام پور کے مطبوعات چھپتے ہیں؟

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء

(۳)

مخدوم مکرم،
تسلیم! آپ مجھ سے بیاض کے اوراق چاہتے ہیں۔ اُن ورقوں میں کچھ نہیں سوا چند غزلوں یا شعروں کے مثلاً ایک غزل غالب کی: "یہ نہ تھی ہماری قسمت الخ" دو ایک غزلیں خواجہ وزیر کی اُن کے علاوہ بحر اور صبا اور منشی مظفر علی اسیر کی (ان کے نام کے ساتھ "بلگرامی" لکھا ہے)۔ کچھ متفرق شعر ہیں سو وہ بھی معروف و معلوم۔
ایک دوسری بیاض میں سے کچھ حصے جو کام کے تھے میں نے رسالہ "ہندوستانی" الہ آباد میں شایع کر دیے تھے اور اُس کا حوالہ اس سے پہلے آپ کو دے چکا ہوں۔
بات یہ ہے کہ مجھے یہ بیاضیں پوری پوری نہیں ملیں صرف کچھ پراگندہ ورق ہر ایک کے مل گئے تھے۔ جن صاحب سے یہ ورق ملے تھے اُن سے تقاضا کیا کہ تلاش کر کے اور ورق دیں مگر اُنھوں نے کہا کہ اب کوئی ورق میرے پاس نہیں۔ ایک بیاض جس سے میں کام لے چکا تھا (یعنی جس کے مافیہ کو میں شائع کر چکا تھا) اُن حضرت کو واپس کرنی پڑی۔ خلاصہ یہ کہ بقیہ اوراق جو میرے پاس ہیں اُن میں کوئی چیز آپ کے کام کی نہیں۔ ورقوں کی تقطیع بھی مختلف ہے؛ اس لیے پورے اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلے کے اوراق موجود نہیں ہیں۔ جو ہیں اُن میں وہی چند غزلیں اور بیتیں ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کر دیا ہے۔
۲۔ فہرست کے بارے میں میری رائے یہ ہے: پہلے اُردو پھر انگریزی پھر فارسی یا عربی (جیسی ضرورت ہو) اُردو کو اس لیے ترجیح ہے کہ اُس سے ہمارے مُلک کے لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ انگریزی اس لیے کہ مستشرقوں کا گروہ اُس سے کام لے سکے گا یعنی مستشرقوں میں جو مبتدی ہیں وہ عربی یا فارسی کتاب سے اُتنا فائدہ نہ اُٹھا سکیں گے جتنا

انگریزی کتاب سے۔ پچھلے خط میں میں نے اس مسئلے پر جو کچھ نہیں لکھا وہ اس خیال سے کہ اب فہرست تیار ہو چکی اور چھاپے خانے کو جا رہی ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ابھی اتنی گنجائش ہے کہ زبان عربی سے اردو یا انگریزی کر دی جائے۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲ر نومبر ۱۹۴۱ء

(۴)

میرے کرم فرما،

گرامی نامہ ۹ر نومبر کا لکھا ہوا ابھی ملا۔ میں کل باہر جا رہا ہوں اس لیے، ۲۰ر نومبر کے بعد بیاض کے اوراق کے ہم پیمانہ ورق، جو مل جائیں گے، خدمتِ عالی میں بھیجوں گا۔

۲۔ فہرست کی زبان کا معاملہ حقیقت میں آپ کی پسند پر منحصر ہے۔ میں نے اپنی پسند کا حال آپ کو لکھ دیا تھا۔ اس پر مجھے کسی صورت، اصرار مطلق نہیں، اس لیے کہ دونوں پہلوؤں میں سے ہر ایک میں کچھ فائدے ہیں اور فہرست ہر صورت میں مفید ہی ہوگی۔ اصل چیز توصحت اور ترتیب ہے۔ آپ بسم اللہ کیجیے اور اس مسئلے میں پس و پیش نہ کیجیے۔

آج فرصت ذرا کم ہے۔ اس مجبوری سے انھیں چند سطروں پر بس کرتا ہوں۔ انشاء اللہ بعد ۲۰ر کے پھر آپ کو لکھوں گا۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۴۱ء

(۵)

بندہ پرور،

شرمندہ ہوں کہ آپ کے ارشاد کی تکمیل میں اتنی دیر ہوئی۔ دونوں بیاضیں اور دو نسخے ایک خلجے کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ ایک بیاض کے اندر دو لفافے ہیں ان میں جو کاغذ ہیں ان کو بیاض سے نکال کر لفافوں میں رکھ دیا تھا۔ یہ دو بیاضیں اسی صورت اور ہیئت سے مجھے ملی تھیں۔ ایک تیسری بیاض تھی جس پر نام "تحفۂ احباب" موٹے خط میں لکھا تھا۔ اس میں کچھ خط ہیں جو خلیل احمد "وجد" اور شیخ لطیف احمد عثمانی کے آپس کی خط و کتابت ہیں۔ لطیف احمد کے بیٹے نے اصرار کر کے "تحفۂ احباب" واپس مانگ لیا۔ اس میں کام کی جو چیزیں تھیں وہ رسالہ ہندوستانی کے ایک مضمون "کچھ بکھرے اوراق" میں آگئی ہیں۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳ر فروری ۱۹۴۲ء

———

—(۶)—

بندہ نواز،

مہربانی نامے کا شکریہ۔ مضمون آپکا فروری کے "اردو" میں کیسے چھپے گا؟ "اردو" تماہی رسالہ ہے۔ جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔ جنوری کا رسالہ ابھی نہیں آیا۔ پچھلے دسمبر کا اب فروری میں آیا ہے۔ اچھا ہے، آپ نے اطلاع کر دی۔ اب منتظر رہوں گا، جب شائع ہو گا ضرور پڑھوں گا۔ اگر کوئی بات ذہن میں آئی تو عرض کردوں گا۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دستور الفصاحت کو آپ شائع کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو شائع کرنا بہت ضروری ہے۔ بہتر ہے کہ جو جزو چھپے مجھے بھیجتے رہیے اس سے بڑی کیا عنایت ہوگی کہ کتاب کے شائع ہونے سے پہلے اسے پڑھ لوں گا، اور ہر جزو پر آپ کا شکریہ ادا کرنے کا بھی موقع ملے گا اور تبادلۂ خیالات بھی ہوتا رہے گا۔
یہ نہیں ظاہر ہوا کہ اصل کتاب کا چھپنا اس وقت ملتوی رہے گا یا اس کا شائع کرنا مقصود ہی نہیں، نیز یہ کہ مقدمہ اور خاتمہ الگ الگ یا ایک ساتھ شائع کیا جائے گا۔ بہرتقدیر یہ آپ کی سعی سے جو سلسلہ کتاب خانۂ رام پور سے مطبوعات کا شروع ہو گیا ہے بہت مفید ہے۔ خدا چاہے گا یہ سلسلہ جاری رہے گا
ادارے کے اجلاس میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور خوش ہوں کہ آپ سے وہاں ملاقات ہوگی۔ والسلام

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۱ فروری ۴۲ء

—(۷)—

بندہ پرور،

آپ کی مہربانی کا شکریہ کیوں کر ادا کروں؟ ان ورقوں کے پہچاننے میں مجھ کو سچ کہتا ہوں تکلف ہوا۔ اب یہ کتاب آپ کی ہوگئی اور آپ نے اپنی خاص عنایت سے مجھے عطا کی۔ میری طرف سے کورنش اور بندگی اس مرحمت کے جواب میں قبول کیجیے
ناانصافی ہوگی اگر آپکے صحاف کی استادی اور ہاتھ کی صفائی کی تعریف نہ کروں۔ اب یہ فن جٹ بندی کا اکثر جگہ سے اٹھ گیا مگر جہاں فقد رداں ہوں وہاں سے کیوں اٹھنے لگا۔ الہ آباد میں جلد بند ڈھونڈے نہیں ملتا۔ مجبوراً اناڑیوں کو کتابیں جلد باندھنے کے لیے دیتا ہوں اور جب جلدیں بندھ کے آتی ہیں سوا پچتانے کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر نہ بندھواؤں تو کہاں جاؤں؟ اب جو یہ جلد دیکھی تو ارادہ کرتا ہوں کہ جب کسی خاص کتاب کی جلد بندھوانا ہو گی آپسے امداد چاہوں گا لیکن اس شرط پر کہ وہ جلد بند اس زحمت کو بھی گوارا کرے کہ جلد باندھ کر قیمت طلب پارسل کے ذریعے وہ کتاب مجھے بھیجے

منشی بینی پرشاد نے مجھے بدنام کرنے کا اچھا ڈھنگ نکالا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں کوتوالی چبوترا اُن کی مخبری پر مجھے نہ دیکھنا پڑے۔ کتابیں رکھنا اور کبوتر پالنا ایک ہی سی بات ہے۔ وہ اسے سمجھتے نہیں۔ وہ نسخہ غالب کے دیوان کا موجود ہے پر اب دس بارہ دن میں لکھنؤ میں آپ سے ملاقات ہو دے گی۔ ساتھ لیتا آؤں گا اور آپ کو دے دوں گا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲ مارچ ۴۲ء

—(۸)—

حضرت سلامت!

ادا دے کا اہلاس تو اب نہ ہوگا " غالب " کا دیوان پارسل کر کے بھیجتا ہوں

کوئی دس بارہ برس ہوئے یہ کتاب ایک صاحب کے پاس بکنے آئی۔ اُنھوں نے یہ کہہ کر پھیر دی کہ اس میں کلام کم ہے اور چھاپا بھی اچھا نہیں ایک کتب فروش صاحب نے کوڑیوں مول خرید لی۔ یہ دیکھ کے کہ لوح پر لکھا ہے کہ " الہ آباد " میں چھپی ہے بہت خوش تھے کہ ایک نایاب چیز ہے۔ جلد بندھوا کے دکان میں رکھی۔ میرا گزر ہوا تو فرمانے لگے ایک بڑی نادر چیز آئی ہے۔ پوچھا تو معلوم ہوا " غالب " کا دیوان ہے الہ آباد کا چھپا ہوا۔ میں نے دیکھا تو وہ قصہ " نیاز کیشان " والا یاد آ گیا۔ اُن سے کہنے کی بات نہ تھی۔ یہ کہا کہ صاحب یہ وہ الہ آباد نہیں جہاں ہم آپ رہتے ہیں۔ یہ دلی کا ایک محلہ ہے کتاب کے آخر سے کچھ ورق غائب ہیں۔ اُن کو کسی قدر مایوسی ہوئی۔ دام پٹ گئے۔ نفع بُرا نہ رہا۔ اُن کو تگنے چوگنے دام مل گئے۔

دو ورق (ص ۳۷ - ۴۰) قلمی ہیں۔ یہ پہلے ہی سے تھے۔ مطبع دارالسلام کی چھپی ہوئی کوئی اور کتاب میں نے نہیں دیکھی۔ اس کے " بانی " عنایت حسین کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔ کہیں یہ وہی عنایت حسین تو نہیں جن کی تصویر " غالب " یوں کھینچتے ہیں:

" لو حضرت، میر عنایت حسین کل آئے۔ میر ارتضا حسین کا خط دے دیا۔ عینک لگا کر خوب پڑھا۔ کہہ گئے ہیں کہ اس کا جواب کل لاؤں گا۔ " انھیں بیچارے پر " گرگٹ " پھنکٹ کی پھبتی ہوئی ہے (خطوطِ غالب ج ۱ ص ۱۵۶ - ۱۵۷)

اس نسخے پر مہر یہ انگریزی میں لکھا ہے جس سے معلوم ہے کہ سید عنایت حسین نے یہ ہدیہ منشی امیر علی کو بھیجا جو کلکتے میں مہدی باغ میں رہتے تھے۔ ان حضرت کا کہیں نشان نہیں ملتا، بارے عجب نہیں کہ یہ سید عنایت حسین وہی مطبع دارالسلام کے " بانی " ہوں۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۵ مارچ ۴۲ء

———

—(۹)—

مخدوم مکرم،

کل جب کتاب بھیج چکا تو آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔ کتاب رجسٹری کرا کے بھیجی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی کل ہی بھیجا گیا، جس میں کچھ حال اس نسخے کا لکھا ہے۔

۱۴ مارچ کو باہر جانے والا ہوں ۱۹ یا ۲۰ کو لوٹ کر آؤں گا۔ ۲۷ مارچ کو پھر باہر جاؤں گا۔ ۳۱ کو واپس آؤں گا۔ یہ اس لیے لکھتا ہوں کہ دستور الفصاحت کے ورق میری غیر حاضری میں یہاں نہ پہنچیں۔ والسلام۔

نیاز مند عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۷ مارچ ۴۲ء

—(۱۰)—

حضرت سلامت،

"دستور الفصاحت" کے پہلے ۴۲ صفحے کا پروف دیکھ کر میں نے بھیج دیا تھا اور رجسٹری کروا کے بھیجا تھا، یقین تھا کہ پہنچا ہوگا۔ اس کے بعد آپ کے مہربانی نامے کا انتظار رہا۔ یہاں تک کہ مئی کے اوائل میں الہ آباد کی آتش فشاں گرمی سے گھبرا کر رانچی چلا آیا۔ کل تک یہی خیال آتا تھا کہ شاید میرے پروف دیکھنے کا ڈھنگ آپ کو پسند نہ آیا کہ کل شام کو لفافہ ملا جس میں کچھ آخری اوراق (ص ۴۵ - ۴۰) تھے۔ ان کو دیکھ لیا۔ اب بھیج رہا ہوں۔ اس سے قبل کے پروف میں میں نے جو تحریریں لکھی تھیں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ ان میں سے کن کن کو آپ نے پسند کیا، کن کن کو نہیں۔ براہ کرم اپنی رائے لکھیے تاکہ آئندہ پروف دیکھنے میں آسانی ہو۔

اس ورق کی پشت پر کچھ باتیں آپ کی توجہ کے لیے لکھتا ہوں۔ ان کے بارے میں بھی رائے عالی سے اطلاع ہو تو بہتر ہوگا۔

بعض اور باتیں بھی تصفیہ طلب ہیں :-

۱۔ اردو میں ذ کی جگہ ز لکھی جائے تو مجھے کوئی کلام نہیں، مگر فارسی عبارت میں گزشتن اور گزاشتن اور پزیرفتن لکھنا کسی طرح روا نہیں ؎

آنانکہ بفارسی سخن می‌رانند — در معرض ذال دال را نیشانند
ماقبل دے ار ساکن جز وای بود — دال است وگرنہ ذال معجم خوانند

پھر عربی سے مخصوص جو حرف ہیں ذال ان میں شامل بھی نہیں۔ وہ صرف یہ آٹھ ہیں ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، ق۔ "غالب" کی رائے سراسر خطا پر مبنی تھی۔ "گزاردن" البتہ ز سے ہے۔ گذشتن، گذاشتن، پذیرفتن،

آذر، تذرو، اور چند اور لفظ ذال ہی سے صحیح ہیں۔ آپ کے زیرِ نظر قلمی نسخے میں بھی غالباً یہ الفاظ ذال ہی سے لکھے ہوئے ہیں۔

۲۔ "ملاذمت"، "زناست" وغیرہ سراسر املا کی غلطیاں ہیں۔ ان کا ذکر ہر بار حاشیے میں ضرور نہیں۔ اپنے دیباچے میں آپ ان سب غلطیوں کی فہرست دے دیں اور بس۔ اسی فہرست میں "ادنے" اور "ادستے" وغیرہ بھی آ جانا چاہیے۔

۳۔ قایم اور دایم اور لایق وغیرہ میں ے (بجائے ہمزہ کے) بعضے ایرانی ضرور لکھتے ہیں مگر ان کا تتبع لازم نہیں۔ آگے آپ کی جیسی رائے ہو۔

۴۔ آپ کا کمپوزیٹر اکثر لفظوں میں فاصلہ غلط دے دیتا ہے۔ اگر اسے سمجھا دیجیے تو بہتر ہوگا۔

میں جون کی آخری تاریخوں میں الٰہ آباد واپس جاؤں گا۔ والسلام

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، ملانچی (بہار)، ۸ جون ۲۴۴م

چھاپے خانے کے چھپے جوڑنے والوں (یعنی کمپوزیٹروں) کو یہ چند باتیں سمجھا دی جائیں تو آئندہ ان کو بھی سہولت ہوگی اور تصحیح میں بھی آسانی رہے گی:

۱۔ جس لفظ کے بعد پورا وقفہ (۔)، سکتہ (،)، سوالیہ (؟)، ندائیہ (!)، یا نیم وقفہ (؛) ہو، اُس سے علامت بہت قریب رہے۔ بخلاف اِس کے اُس علامت کے بعد جو لفظ آئے وہ ذرا فاصلے سے رہے۔ مثالیں:

۱۔ ص ۲۵، س ۱: "دشوار ۔ اگرچہ ۔" ہونا چاہیے: "دشوار۔ اگرچہ"
۲۔ " " ۳۰: "است ۔ بیشتر ۔" " "است۔ بیشتر"
۳۔ " " ۴۰: "نمی یابند ، بخلاف ۔" " "نمی یابند، بخلاف"
۴ " " ۹۰: "اشتہار ۔ لہذا ۔" " "اشتہار۔ لہذا"
۵ " ۱۳۰: "می نمود ، بلکہ ۔" " "می نمود، بلکہ"

۲۔ "آنکھ"، "کچھ" وغیرہ میں صرف ایک ھ ہے مگر ٹائپ والے اُس کے آگے ایک ے اور جوڑ دیتے ہیں۔ یہ سراسر بے ضرورت ہے۔ مثالیں:

(۱) ص ۲۹، س ۲ نیچے سے: "آنکھے" ہونا چاہیے: "آنکھ"
(۲) " ۲۷، ۹: "مجھے" " "مجھ"
(۳) " " ۱۵: "تجھے" " "تجھ"

۳۔ "یہ"، "کہ" وغیرہ میں بھی صرف ایک ہی ہ ہے مگر ٹائپ چھاپنے والے اِن میں ایک جگہ دو ہ کر دیتے ہیں۔ ان صورتوں میں ایک ہی ہ (ہ) ہونا چاہیے۔ مثالیں:

ص ۲۷، س ۳: "یہہ" ۔ ہونا چاہیے "یہ"

جس لفظ کے آخر میں دو ہ ہوں اُس میں دو لکھی بھی جائیں جیسے جبہہ، بدیہہ، بالمشافہہ وغیرہ۔
ٹائپ میں ہو' جبہہ، بدیہہ، بالمشافہہ' وغیرہ

ص ۴۶ (حاشیہ): یہ حوالے میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ انھیں آپ سمجھ لیجیے گا۔

۱۔ طبقا (تیسری سطر میں "طبقات" ہے!)
۲۔ سراپائی: اگر تذکرہ "سراپا سخن" مقصود ہے تو "سراپائی" کی ی درست نہیں)
۳۔ سخن۔
۴۔ تقصار: تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اشپرنگر کو بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔

—(۱۱)—

۰ ر جون ۴۲ء

بندہ پرور کرم گستر

تسلیم۔ ۱۵ر جون کا الطاف نامہ ابھی ملا۔ شکریہ۔

یہاں ۱۴ جون سے بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے گرمی کی تکلیف بہت گھٹ گئی ہے۔ معلوم نہیں وہاں کا کیا حال ہے۔ ۱۲ر کا لکھا ہوا خط جو الہ آباد سے ایک دوست نے بھیجا تھا، گرمی اور لو کی شکایت سے بھرا ہوا تھا۔ میں اس انتظار میں ہوں کہ وہاں سے بارش کی خبر آئے تو یہاں سے بستر اٹھاؤں۔ خیال ہے کہ بہر تقدیر ۲۵، ۲۶ر تک الہ آباد پہنچ جاؤں۔

کمپوزیٹر کا اور ٹھپوں کی کمی کا حال معلوم ہوا۔ اس حال میں جو صورت آپ نے اختیار کی ہے بجا ہے۔ جب پہلے چالیس صفحوں میں تبدیل ممکن نہیں تو "ز" ہی کو چلنے دیجیے اور قائم دایم کو بھی قائم و دائم پڑھیے "م تکھاہ" میں مجھے تو کوئی حسنِ طباعت دکھائی نہیں دیتا۔ ایک تو تم ہے کہ ٹائپ میں لفظ کے آخر میں "ے" یا نہ "ی" بری معلوم ہوتی ہے۔ خیر اب چونکہ اتنے صفحوں میں ایک طرح پر یہ حرف چھپ چکا ہے آگے بھی اسی طرح رکھیے۔

وقفے وغیرہ کی علامت یہی تو ظاہر کرتی ہے کہ گزشتہ جملہ یا ٹکڑا ختم ہوا پس اُسے اُسی سے قریب تر ہونا چاہیے۔ اس کا التزام ہو سکے تو بہتر ہے۔ "؛" اور "[ ]" کو جانے دیجیے۔

حواشی غیر ضروری تو نہیں ہیں۔ شاید ممکن ہو کہ کہیں کہیں قدرے اختصار کیا جا سکے مگر جس انداز سے آپ نے کتاب کو شروع کیا ہے وہ قائم رہنا چاہیے۔ جہاں اختصار ضروری دکھائی دے کر دیجیے۔ میں نے اس نظر سے ان اوراق کو نہیں دیکھا کہ حوالوں وغیرہ میں اضافہ کیا جائے۔ خاص کر دوسری قسط یہاں رانچی میں بیٹھ کر دیکھی اور یہاں کوئی کتاب نہ میرے پاس ہے نہ کہیں سے مل سکتی ہے۔ پھر بھی یہ یاد پڑتا ہے کہ ایسی کوئی بات اُن چالیس صفحوں میں

نظر نہیں آتی جس کے متعلق میرے علم میں کوئی اضافہ یا استدراک ہو۔
استفہام اگر انکاری یا استعجابی یا تمنائی ہے تو بھی ہے تو سوال ہی ہے اور سوال کی علامت ایک ہی ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ ایک جملہ معنیٰ کی حیثیت سے استفہام بھی ہو اور استعجاب بھی۔ ایسی صورت میں آپ اپنی رائے کو کام میں لائیں۔ یہ صورت کم واقع ہوتی ہے۔ آپ کی رائے اس معاملے میں بہت صائب ہے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، رانچی (بہار)۔ ۱۷ جون ۴۲ء

—(۱۲)—

مخدوم و مکرم،
تسلیم۔ دستور الفصاحت کے اوراق ۱۸ - ۱۲۵ کل واپس بھیج چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ پلندا اس خط کے ساتھ ہی ساتھ پہنچے۔ اس مرتبہ اوراق کے دیکھنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ آج کئی دن سے فصلی تپ میں مبتلا تھا اب اچھا ہوں مگر ابھی کمزوری باقی ہے اور علاج بھی جاری ہے۔
۲۔ کئی مہینے سے میر شیر علی افسوس کی آرائش محفل کی تلاش ہے نہیں مل سکی۔ اگر کسی کتب فروش کے ہاں مل سکے تو قیمت طلب پارسل کے ذریعے میرے نام بھجوا دیجیے، نہیں تو کسی دوست یا کتب خانے سے مستعار لے کر پندرہ دن کے اندر واپس بھیج دوں گا۔
۳۔ میرے پاس ایک قلمی نسخہ "فرہنگ جہانگیری" کا ہے۔ اُس کی جلد بندی اور جلد بندی نئے سرے سے مقصود ہے۔ کام جلد بندی کا زیادہ ہے۔ اگر کوئی وقت تصور نہ ہو تو آپ کو بھیج دوں کہ آپ اپنے ماہر کاریگر سے اس کام کو کرا دیں۔ اُجرت جو آپ طے کریں گے مجھے منظور ہے۔ شکریہ پہلے ہی سے۔ اُمید کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔

نیازمند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۵ اگست ۴۲ء

—(۱۳)—

مخدوم و مکرم،
گرامی نامے کا بہت بہت شکریہ۔ فرہنگ جہانگیری، برسات ختم ہوتے تو بھیجوں۔ آپ کے کتب خانے میں اس کے متعدد نسخے ہوں گے۔ میر شیر علی افسوس کی آرائش محفل کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا۔
اُمید ہے کہ رام پور میں سب خیریت ہوگی۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۹ ستمبر ۴۲ء

—(۱۴)—

مخدوم مکرم،

وعلیکم السلام، کنور صاحب مجھ سے بڑے دن کی چھٹی سے ایک دن پہلے ملے تھے اور کتنے نسخے نقاع کے اختلاف کی وجہ سے تین یا چار پارسل الگ الگ بناتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ Director State Library Rampur کے پتے پر پارسل بھیجیں۔ خیر دو ایک دن میں دریافت کروں گا اگر پارسل روانہ نہیں ہوئے ہیں تو پرسوں ضرور روانہ کرا دوں گا۔

میں بنارس نہیں گیا۔ جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔

مولوی عبدالحق کا نادری حکم آ گیا ہے۔ ناگ پور جاؤں گا مگر ۱۹ کو میرا ناگپور پہنچنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ۲۰ کو ضرور پہنچ جاؤں گا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲ جنوری ۴۳ء

—(۱۵)—

مخدوم مکرم،

تسلیم۔ "فرہنگ جہانگیری" کی جلد بندی اور درستی میں جو زحمت آپ نے اٹھائی اس کا شکریہ کیوں کر ادا کر دوں؟ اس بوسیدہ کتاب کی چیٹ بندی اور درستی بہت تعریف کے قابل ہے۔ جلد بھی بہت اچھی ہے۔ نری کے کونے اور پشتہ اس ہر چیز کے قحط کے زمانے میں! یہاں تو معمولی چمڑا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ کس کس چیز اور کس کس بات کا شکریہ ادا کروں؟ اور ویسے تو بے عیب ذات خدا کی ہے۔ میں جلد بند کو ہمیشہ تاکید کرتا رہتا ہوں کہ جس کتاب کے حاشیے پر کچھ عبارت ہو اس کے ورق نہ کاٹو۔ ورق چھوٹے بڑے ہوں تو عیب نہیں مگر حرف جاتے رہے تو سراسر نقصان ہے۔ اس جلد میں تین یا چار جگہ حاشیے کی عبارت کو بچانے کے لیے ورق موڑ دیے گئے ہیں۔ اگر ورق نہ کاٹے جاتے تو اس کی ضرورت نہ پڑتی۔ خیر یہ ایک عیب اور بہت سی خوبیوں کے مقابلے میں بہت ہلکا رہ جاتا ہے۔

"مکاتیب غالب" کی دوسری اشاعت کی خبر سے مجھے دو طرح کی خوشی ہوئی۔ ایک یہ کہ پہلی اشاعت کے نسخے ختم ہو گئے، دوسرے یہ کہ آپ کو کتاب کی ترمیم کا موقع ملے گا۔ البتہ یہ خیال کسی قدر متفکر کرنے والا ہے کہ شاید دوسری اشاعت ویسے خوبصورت حرفوں میں نہ ہو سکے۔ پھر سوچتا ہوں کہ آپ تو ضرور کوشش کریں گے کہ ویسے ہی خوشنما حروف میں چھپے۔

"دستور الفصاحت" کے مقدمے کی اشاعت کی نوبت شاید ابھی نہیں آئی۔
آج کل فرصت کم ہے۔ کچھ فرصت ملے تو "مکاتیب" کو ایک بار پھر پڑھوں۔
کوئی بات ذہن میں آئے گی تو ضرور عرض کروں گا۔

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۰ اپریل ۴۲ء

—— (۱۶) ——

مخدوم مکرم،

تسلیم۔ مہربانی نامہ پرسوں ملا۔ امتحان کی نگرانی کا کام، جس قدر میرے سپرد تھا، آج ختم ہوگیا۔ یہ کام میرے لیے بالکل گوارا نہیں، مگر صاحب، بندگی بیچارگی۔ تین ساڑھے تین گھنٹے کی یہ خدمت ایسی تھکا دینے والی ہوتی ہے کہ پھر دن بھر کے لیے بے کار ہو جاتا ہوں۔ آج اطمینان ہے کہ کل یہ بیہودہ کام کرنا نہیں ہے، اس لیے اتنی تھکن محسوس نہیں، ورنہ اس خط کا لکھنا آج بھی کل پر اٹھا رہتا۔

یہ آپ کیا فرماتے ہیں: "اگر زیادہ حق رکھتا ہوتا؟" آپ کو پورا حق ہے کہ مجھے مجبور کریں۔ آپ کی فرمائش کے پورا کرنے میں مجھے ہرگز دریغ نہ ہوگا۔ ابھی دس بارہ دن اور فرصت کی کمی ہے، پھر مفصل لکھوں گا۔ کتاب کو ایک بار پھر پڑھنا ہوگا اور اس میں کچھ وقت لگے گا۔ میری معلومات وغیرہ کے بارے میں جو آپ نے فرمایا ہے، آپ کی عنایت ہے ورنہ آتا تو کچھ نہیں۔ بس فرمائش کی تعمیل کر دوں گا۔

چھپائی کے بارے میں ایک طرف آپ یہ فرماتے ہیں کہ دستور الفصاحت دلی ٹائپ میں چھپوا رہا ہوں اور دوسری طرف یہ کہ سرکاری چھاپے خانے میں حیدرآبادی ٹائپ خریدا جا رہا ہے۔ آخر اس کا انتظار کیوں نہ کیا۔ حیدرآباد ٹائپ سے مجھے بھی کسی قدر تعلق رہا ہے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک حیدرآباد میں تھا۔ اس زمانے میں نستعلیق ٹائپ بنانے کا خیال وہاں مردہ ہو چکا تھا۔ میں نے کوشش کر کے اسے نئے سرے سے چھیڑا، سرکار سے منظوری حاصل ہو گئی اور کام دار الطبع سرکار عالی میں شروع ہوگیا۔ اسی زمانے میں میں نے ناظم دار الطبع کو جتا دیا تھا کہ نستعلیق کی جب تک کرسی حل نہ کر لی جائے گی کام کا ٹائپ نہ بن سکے گا۔ ۱۹۲۲ء کے دسمبر میں کام شروع ہوا۔ کوئی پانچ چھ مہینے بعد میں ریاست سے قطع تعلق کر کے ڈھاکے چلا گیا۔ کئی برس بعد سرکار نظام نے ایک نستعلیق ٹائپ کانفرنس طلب کی۔ مجھے بھی بلایا۔ بہت بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ ایک کمیٹی بنا دی جائے۔ گیارہ رکنوں کی کمیٹی بنائی گئی۔ کئی مہینے بعد اس کا اجلاس ہوا جس میں میں نے تحریک کی کہ کار آمد ٹائپ بنانے کے لیے ضرور ی ہے کہ ایک کرسی کا ٹائپ ہو اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ نستعلیق کی کرسی توڑ کر نئے اصول پر ایسی کرسی بنائی جائے کہ سطر کے سب جوڑ ایک خط مستقیم میں ہوں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک تو ٹائپ کے ٹکڑوں کی تعداد گھٹ جائے گی، دار الطبع کے اس وقت کے

ٹائپ میں تقریباً سات سو ٹکڑے اور سات کرسیاں تھیں اور اس سے پہلے تقریباً بارہ سو ٹکڑے تھے (۱)، دوسرے چھپی ہوئی عبارت پاشاں نہ ہوگی، تیسرے نقطے حرفوں کے ساتھ ہوں گے، کمپوزنگ میں وقت کم صرف ہوگا۔ مختصر طور پر یہ بتایا کہ (۱) ج اور اس کے ہم شکل حرفوں نیز ہ کے ماقبل جو جوڑ آتا ہے اُسے بجائے اوپر سے لگانے کے نیچے سے لگانا ہوگا (۲) تم کا یہ جوڑ (سم) استعمال ہوگا، جو نستعلیق میں کبھی کبھی استعمال بھی ہوتا ہے، (۳) تے کے بجائے ی استعمال ہو (۴) باقی حرفوں کے جوڑوں کو بدلنے میں زیادہ تغیر کی ضرورت نہ پڑے گی۔ کمیٹی نے مجھ سے درخواست کی کہ میں سب حرفوں کے مکمل خاکے بنا کر پیش کروں۔ اگلے اجلاس میں (۱۹۳۱ء) میں نے پورے خاکے پیش کیے۔ اس درمیان میں ناظم دارالطبع نے یہ خیال کر کے کہ میرے بنائے ہوئے ٹائپ کی پسندیدگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کی نوکری پر (نالائقی کی علت میں) آفت آ جائے گی، کمیٹی کے دو اور ممبروں اور صدر کو بھی ہموار کر لیا تھا اور میری تجویز کے مخالف چار رائیں ہو گئیں سات میرے موافق؛ مگر صدر نے محکمہ سرکار میں اپنی رائے خاص طور پر بھیجی۔ یہ مجھے نہیں معلوم کہ اُنھوں نے کیا لکھا۔ خلاصہ یہ کہ کمیٹی کی رائے پر کوئی عمل نہیں ہوا۔ ناظم دارالطبع نے مشہور کیا کہ وہ تجویز سراسر نستعلیق کے خلاف تھی۔ نسخ کے ٹکڑے اور جوڑ نستعلیق میں ملا کر میرے کام کو خراب کرنا چاہتے تھے۔

کئی برس بعد ایک اور صاحب حشمت اللہ قریشی بروئے کار آئے۔ دلی میں رہ کر ایک نستعلیق کمپنی کے حصے بیچے اور Correct Nastaliq اپنے ٹائپ کا نام رکھا۔ کامیابی نہ ہوئی، تو حیدرآباد جا کر کوشش کرنے لگے۔ دارالطبع والوں سے مقدمہ بازی بھی ہوئی۔ قریشی مقدمہ ہار گئے تو حیدری صاحب مرحوم سے کسی نہ کسی طرح سرکاری امداد حاصل کر کے ٹائپ بنانے میں مصروف ہوئے۔ اب سرکار کی طرف سے صرف دو رکنوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی (ایک مولوی عبدالحق صاحب ایک میں) اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ قریشی صاحب کے اور دارالطبع کے ٹائپ کا مقابلہ کر کے حسن و قبح پر رائے دے۔ کمیٹی نے جو ایک اجلاس کیا (۱۹۳۹ء) اُس کی رُوداد ملفوف ہے دیکھ کر واپس کیجیے گا۔ بڑا لطیفہ یہ کہ ناظم دارالطبع نے میری اُنھی تجویزوں پر جن کو اُنھوں نے اس قدر ناپسند کیا تھا، چپ چپاتے عمل شروع کر دیا۔ اور ایک نوٹ انگریزی زبان میں لکھ کر کمیٹی کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بھی ملفوف ہے۔ اُسے بھی دیکھ کر واپس فرمائیے گا۔

رُوداد (اُردو) کے اخیر فقرے پر آج تک عمل نہ ہوا (!)

یہ حال میں نے آپ کو مفصل اس لیے لکھ دیا کہ آپ کو معلوم رہے کہ کن دقتوں اور کن غیر مساعد حالات میں یہ ٹائپ بنا ہے اور جو کسر اس میں رہ گئی ہے اُس کے اسباب ریاستوں کے جوڑ توڑ ہیں نہ خطاطی کے۔ پھر بھی نستعلیق کا یہی ٹائپ اس وقت سب سے بہتر ہے۔ آپ اس کو ضرور منگوائیں۔ چیز جب استعمال میں آتی ہے اور لوگوں کو اُس سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو کچھ لوگ اُس کی اصلاح پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ میں نے ناظم دارالطبع مسٹر پٹیل سے بار بار کہا کہ دو چار کتابیں عام دلچسپی کی چھپوا کر شائع کر دو تو ملک میں اس ٹائپ کی مانگ ہو جائے گی مگر اُس مردِ خدا نے کچھ نہ کیا۔

ٹائپ منگوانے وقت یہ خیال رہے کہ آپ اُس نستعلیق ٹائپ پر اصرار کریں جو صدیقی کی ہدایتوں کے مطابق بنایا گیا

ہے۔ یہ بھی اُن کو لکھیے کہ type Urdu Fount درکار ہے اور دو پیمانوں 24 point اور 18 point کا۔
مگر ۱۹۴۳ء تک میری ہدایت کے مطابق صرف ۱۸ پوائنٹ کا ٹائپ بنا تھا۔ ۲۴ والا ٹائپ وُہی پُرانا تھا۔ اس لیے
آپ اُن کو لکھیے کہ اگر نئے ۱۸ پوائنٹ والے ٹائپ کے اصول پر ۲۴ پوائنٹ کا ٹائپ بن گیا ہے تو بھیجیں ورنہ نہ بھیجیں
میری تجویز یہ بھی کہ ۲۴ پوائنٹ سرخیوں کے لیے، ۱۸ پوائنٹ متن کے اور ۱۲ پوائنٹ حاشیے کے لیے ہو۔ اور ۱۲ یعنی
بارہ پوائنٹ کا ٹائپ اگر بن گیا ہو تو وہ بھی منگوائیے گا۔ من جملہ اور خرابیوں کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حرف بدصورت
اور خطاطی کے نقطۂ نظر سے غلط ہیں، اور میرے تجویز کیے ہوئے جوڑ یا حرف خاص طور پر بُرے ہیں، مگر جیسا کہ میں
نے کہا ہے، اوروں کے مقابلے میں یہ ٹائپ، بسا غنیمت ہے۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۵ مئی ۴۳ء

—(۱۷)—

مخدومی،

دو رجسٹری شدہ خط بھیج چکا ہوں مگر رسید آپ کے پاس سے ایک کی بھی نہیں ملی۔ اس سے تشویش ہے۔
براہِ کرم خیریت سے اطلاع دیجیے۔ میں ایک اور امر میں بھی آپ کو لکھنا چاہتا ہوں۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۳ مئی ۴۳ء

—(۱۸)—

بنام امتیاز علی عرشی

مخدوم مکرم،

تسلیم۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا خط آنے کے بعد میں نے ابھی تک آپ کو خط نہیں لکھا۔
ایک شخص کے پاس ایک نسخہ دیوانِ حافظ کا ہے وہ اُسے بیچنا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن کو فی الحال اس خیال سے
روک دیا کہ اگر آپ کے کتب خانے میں اُس کے داخل ہونے کا امکان ہو تو کسی دُوسری جگہ کیوں جائے۔ پہلے
آپ کو اطلاع ہو جائے۔

ترقیمے کی عبارت یہ ہے:

تمت [کذا] الکتاب بعون الملک الوہاب بتاریخ نوزدہم شہر جمیدالاولے ۱۰۴۲ء این کتاب
دیوانِ حافظ حسب الفرمائش منبع مکان منبع جود و احسان جناب مستطاب معلی القاب سُلالۂ دودمان
صدق و صفا ان لطف و مکرمت مخزنِ عنایت و سخاوت مخدومی مطاعی جناب آقا محمد اسمٰعیل صاحب
مدظلہ العالی من ید [کذا] حقیر عبودیت ارتسام ما نظام بتاریخ نوزدہم شہر جمادی الاولے

۱۲۴۴ نسخہ دو خطہ کشمیر سمت تحریر یافت
کہ بہم بر زدہ بینی خطِ من عیب مکن
کہ مرا گردشِ ایام بہم بر زدہ است

دونوں جگہ سال کے عددوں میں سے سیکڑے کا ہندسہ چھیل کر صفر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ غالباً یہ ہندسہ (۲) تھا کسی حد تک یہ امکان بھی ہے کہ (۱) کو چھیل کر صفر بنایا ہے۔

ساری کتاب مطلا ہے اور کام اچھا ہے۔ پہلے دو صفحوں پر تذہیب مینا کاری کے ساتھ ہے۔ نقاش کی استادی تذہیب اور مینا کاری سے ظاہر ہے۔ بعضے شعروں کے مضمون زیادہ نمایاں کرنے کی غرض سے کچھ پورے صفحے کی رنگین اور طلا کار تصویریں ہیں اور یہ (۴) ہیں۔ سرسری طور پر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بیچ کے اوراق میں سے چار (یا چھے) ورق غائب ہیں۔ خطِ نستعلیق اچھا ہے۔

اگر آپ فرمائیں تو کتاب آپ کے معائنے کے لیے بھیج دوں؟

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۶ رجون ۴۳ء

—(۱۹)—

مخدوم میرے!

وعلیکم السلام۔ "برسات کا اندیشہ مانع آیا" اور دیوان حافظ کا نسخہ بھیجنا ملتوی رکھا۔ اب بھیجتا ہوں۔ مالک اس نسخے کے جب رخصت سے واپس آئے تو میں نے دریافت کیا کہ کم سے کم کتنی قیمت چاہتے ہیں۔ اُن کے خیالات تو بہت بلند تھے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ میں نے تو اس معاملے کو تیری رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ میرے کہنے سے وہ پچاس روپے پر نسخے کو الگ کرنے پر رضامند ہیں۔ اگر کتاب کو واپس کرنے کی ضرورت پڑے تو آپ میرے نام بیرنگ پارسل ڈاک سے بھیج دیجیے گا یا مجھے اطلاع دیجیے گا تو میں محصول ڈاک کے دام بھیج دوں گا۔ کچھ چیزیں ان صاحب کے پاس اور بھی ہیں اُن کے بارے میں اُس وقت لکھوں گا کہ یہ معاملہ طے ہو جائے۔ اُس وقت آپ کو ان بیچارے کا نام اور ان کے خاندانی حالات بھی معلوم ہو جائیں گے۔

اب آپ کے سوال کا جواب عرض کرتا ہوں: یعنی صم کے متعلق۔ یہ علامت غالب کی تحریروں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ تفصیل یہ ہے (۱) "تیغ تیز" ایک رسالہ بتیس صفحے کا (اردو میں) غالب نے خود ہی چھپوا کر تقسیم کیا تھا۔ رسالے کے آخر میں جو تین صفحے ہیں اُن میں سولہ سوال بہ طور استفتا کے ہیں۔ ہر سوال کے ختم پر صم بنا دیا ہے۔ اُس کے بعد جواب لکھا گیا ہے اور جواب کے آخر میں نواب مصطفیٰ خاں کا نام اس نہج سے ہے ——————
" محمد المدعو بہ مصطفیٰ "۔ پہلا سوال اور اُس کا جواب یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ آپ صحیح طور پر اندازہ کر سکیں۔

۔ سوال پہلا لغت فارسی کی خقیقت اور حروف کی حرکت میں فردوسی اور خاقانی سچے ہیں یا ہندستانی فرہنگ لکھنے والے ؟" مصؔ

" جواب: فردوسی و خاقانی سچے ہیں ہندوستانی ان کے مطابق لکھیں تو سچے' ان کے برخلاف لکھیں تو جھوٹے۔ محمد المدعو بہ مصطفیٰ"

یہاں ایک بات اور بھی توجہ چاہتی ہے۔ غالب کی عبارت میں "ہندستان" بلا واو' مصطفیٰ خاں کی تحریر میں مع واو آگے بڑھ کر سوال ۱۳ میں غالب نے "ہندستان" لکھا ہے وہ بھی بے واو کے' اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کاتب نے غالب کے سوال نامہ کو بعینہٖ لکھا اور یہ چھاپا بالکل اصل کے مطابق ہے۔

سولھویں جواب کے بعد تین اور صاحب کمالوں نے تصدیق و توثیق فرمائی ہے:

۱۔ " سب جواب مجیب کے صحیح ہیں الطاف حسین پانی پتی عفی اللہ تعالیٰ عنہ "

۲۔ " سب جواب دونوں مجیبوں کے باصواب ہیں محمد سعادت علی مدرس گورمنٹ اسکول دہلی۔"

۳۔ " ہر شانزدہ گانہ سوال کے جواب میں میں بھی نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب کا ہمزبان و ہمدستان ہوں الراقم الآثم محمد الملقب بہ ضیاء الدین عفی عنہ "

ان سوالوں میں سے بلا استثنا ہر سوال کے ختم پر مصؔ ہے اور ظاہر یہ لفظ "مصنّف" کا مکتوبی مخفف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر سوال مصنّفِ رسالہ کی طرف سے ہے۔ لفظ "مصنّف" کی علامت "مصؔ" عام ہے اور یقین ہے کہ آپ کو اور جگہ بھی ملے گی' خاص کر حواشی اور شرحوں میں جہاں بار بار مصنّف کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس مطبوعہ رسالے کے کاتب (کاپی نویس) کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اپنی طرف سے یہ علامت بڑھادی۔ یقین یہی ہوتا ہے کہ غالب کے ہاتھ کے مسودے کے مطابق اس نے کاپی لکھی۔

۲۔ جیسا کہ معلوم ہے "تیغ تیز" آغا احمد علی کی کتاب "مؤید البرہان" کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس لیے مجھے "مؤید" کی تلاش ہوئی۔ بہت تلاش کے بعد "مؤید" کا وہ نسخہ ہاتھ آیا جس کے حاشیے پر غالب نے جابجا یادداشتیں لکھ لی تھیں (جو اکثر اردو میں ہیں) اور انھیں یادداشتوں کو بعد میں "تیغ تیز" کی شکل میں ڈھال دیا۔ کئی برس ہوئے میں نے ان یادداشتوں کو بعینہٖ نقل کر لیا تھا۔ اب سنتا ہوں کہ وہ کتاب (جو ایک دوست کے توسط سے مجھے مستعار ملی تھی) سرکاری کتب خانے سے کوئی صاحب لے اڑے۔ اس کی جگہ "تعزیرات ہند" کا ایک نسخہ کتب خانے میں داخل فرمادیا! ("تیغ تیز" کو میں شائع کرنے والا ہوں اور بطور اس کے ضمیمے کے یہ یادداشتیں بھی۔ کاغذ کے نہ ملنے کے باعث اشاعت ملتوی ہے۔)

یہ کل ۱۲۰ یادداشتیں ہیں' جن میں سے ۲۶ کے آخر میں مصؔ بنا یا گیا ہے' ۲۱ کے آخر میں ع یا ۹ ہے "

الم (یہ نقطہ کی تخفیف اور تخفیف بعد تخفیف ہے) ''۲۳ یادداشتوں'' کے آخر میں جلیبا (x) ہے، دو کے آخر میں ////۔ باقی ۱۱ کے آخر میں کوئی علامت نہیں۔ حیرت ہے کہ (۱۲) کہیں نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان یادداشتوں میں یہ سب علامتیں ایک ہی مفہوم رکھتی ہیں یعنی ''یہ مطلب یہاں ختم ہوا''۔

۲۔ میرے پاس ایک اور قلمی چیز ہے۔ غالب کو خیال ہوا کہ صاحبانِ تازہ واردِ ولایت کے پڑھنے کیلئے ایک اردو کتاب بنائیں۔ چنانچہ اپنے لکھے ہوئے دو دیباچے اور کئی رقعے کاتب سے نقل کروائے شروع میں اس کتاب کا خطبہ لکھ کر لگایا، آخر میں کچھ لطیفے اور کچھ اپنے اردو شعر لکھوائے۔ اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں تقریباً ہر رقعے کی ابتدائی سطروں کے مقابل حاشیے پر ''نوشتہ شد'' اور لال روشنائی سے ''مقابلہ نمودہ شد'' لکھا ہوا ہے۔ کہیں کہیں کوئی عبارت قلمزد کی گئی ہے، کہیں کوئی لفظ، دو رقعے سرے سے کاٹ دیئے گئے، اس طرح* ایک اور رقعہ بھی کاٹ دیا گیا ہے اس کا ابتدائی حصہ جو ایک پورے صفحے پر آیا ہے اس طرح کاٹا گیا ہے:

مصم

اس کتاب میں جہاں کہیں حک اور اصلاح ہوئی ہے مرزا غالب کے قلم سے معلوم ہوتی ہے۔ اصلاح کے لفظ جو کہیں کہیں آئے ہیں، انھیں کے خط میں ہیں۔

ان تمام صورتوں پر نظر کرنے سے پایا جاتا ہے کہ غالب نے ''مصنف'' کے لیے مصم (م ص) کا استعمال نہیں کیا ہے بلکہ کہیں خاتمے کی علامت اور کہیں یوں ہی یہ علامت بنادی ہے۔ میرا خیال اس طرف بھی گیا کہ ممکن ہے مصم علامت ہو اس بات کی کہ یہاں اصل میں بیاض ہے یا اس بات کی کہ یہ حصہ مبیضہ ہو چکا ہے۔ اس

صورت میں اس علامت کو بغیر
اب کی مَنی، ماننا پڑے گا، گو
ایسا استعمال کہیں نظر سے نہیں
گزرا۔ خلاصہ یہ کہ غالب شناسی
کے اس مسئلے میں عاجز ہوں آپ
کے سوال کا جواب میری حد
وسع سے باہر ہے۔ اگر کسی
ذریعے سے آپ کو کچھ معلومات
بہم پہنچیں یا کوئی حل اس معمے
کا آپ کے ذہن وقاد پر القا
ہو تو امیدوار ہوں کہ میں بھی
اس سے فیض پاؤں۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۸ ستمبر ۴۲ء

―(۲۰)―

مخدوم مکرم،
میں نے وہ نسخہ دیوانِ حافظ کا بیمہ کرا کے آپ کے پاس بھیجا تھا ۴ ستمبر کو بیمے کی رسید آئی مگر اس میں نہ آپ کے دستخط نہ کسی اور کے جس نے آپ کی طرف سے دستخط کیے ہوتے۔ آج ڈاک خانے کو بھی لکھ رہا ہوں۔ براہِ کرم اطلاع دیجیے کہ وہ پارسل آپ کو پہنچا یا نہیں؟ اُسی میں میں نے آپ کے استفسار کا جواب لکھ کر رکھ دیا تھا۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۸ ستمبر ۴۲ء

―(۲۱)―

مخدوم مکرم،
آج آپ کی دستخطی رسید (ڈاک خانے والی) مل گئی۔ شکریہ عرض ہے۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۹ ستمبر ۴۲ء

—(۲۲)—

محترمی و مکرمی!

تسلیم۔ "دستور الفصاحت" کا نسخہ پہنچا۔ اس گراں قدر عطیے کا شکریہ عرض ہے۔

کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ "دریائے لطافت" سے آپ "دستور الفصاحت" کو متقدم بتاتے ہیں۔ پھر ہم تشنہ کاموں کو اس کے اصل مباحث سے کیوں محروم رکھتے ہیں؟ میں نے آپ کے دیباچے میں بہت تلاش کیا۔ کوئی حرف ایسا نہ پایا جس سے آئندہ کو امید بندھتی۔ اگر آپ کا ارادہ اس کے شائع کرنے کا نہیں ہے، تو یہ کیوں؟

۲۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ "مکاتیب" کی دوسری طبع کے اور "انتخاب غالب" کے شائع ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے، مگر "دستور" کے آخر میں جو اشتہار چار کتابوں کا چھپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں شائع ہو چکیں۔ "مکاتیب" کے متعلق پوچھنا ہے کہ آیا مجلّد ملتی ہے یا غیر مجلّد؟ اگر قیمت جو لکھی ہے غیر مجلد کتاب کی ہے، تو کیا میرے لیے ایک نسخے کی جلد وہیں باندھی جا سکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ جلد بندی کی اجرت، کتابوں کی قیمت میں شامل کر کے جو رقم ہو مجھ سے قیمت طلب پارسل کے ذریعے وصول کی جائے؟ "انتخاب" کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اس کی کچی جلد (یعنی ہاف باؤنڈ) مضبوط اور اچھی ہے؟ "چرمی" سے مراد پوری چرمے کی جلد ہے یا پشتہ چمڑے کا اور باقی کپڑا ہے؟

یہ باتیں معلوم ہو لیں تو آپ سے درخواست کروں کہ اس اس طرح کی جلد کا ایک ایک نسخہ دونوں کتابوں کا میرے نام قیمت طلب کے ذریعے بھجوا دیجیے۔ "کتاب الاجناس" میرے پاس موجود ہے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۴۔ اکتوبر ۴۳ء

—(۲۳)—

میرے کرم فرما!

تسلیم۔ رسالہ "اردو" کا حوالہ چونکہ آپ نے کتاب کے دیباچے میں نہیں دیا، میں سمجھا کہ اور مطالب کے شائع کرنے کا قصد نہیں ہے یا معاملہ زیرِ غور ہو۔ اس مطبوعہ حصے پر تبصرہ کرنے کا میرا ارادہ نہیں۔ اصل چیز تو سامنے نہیں؛ چند اوراق پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ "انتخاب غالب" کے بارہ روپئے والے ایک نسخے کا خریدار مجھے بھی لکھ لیجیے۔

۳۔ "مکاتیب" کی دوسری اشاعت کے نسخے کے عطیے کا شکریہ پیش از پیش قبول فرمائیے۔ بہ رسم

آپ کو معتبر جان کر پیشگی ادا کر رہا ہوں۔ ایسا نہ کیجیے گا کہ نسخے کا بھیجنا اب آپ ضروری نہ خیال کریں۔

۴۔ بھلا صاحب "پورب والوں کو میر صاحب نے نظم میں کھلی کھلی سنائی تھی! آپ نثر میں بند بند کہہ گئے: "پورب والوں کی زبانی معلوم ہوا ہے"۔ گویا پورب والے یوں ہی اُڑا دیا کرتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کی طرف ذہن گیا: بے پر کی اُڑانے والا یا تو فتنہ پرداز اور اس لیے ذہین ہوگا یا نِرا احمق۔ پہلی بات تو پورب والوں کے لیے آپ نے کاہے کو ملحوظ رکھی ہوگی؟ دوسری ہی ہم بدبختوں کے حصے میں آتی ہے۔ خیر، یہ پورب پچھاں کی لاگ ڈانٹ تو ہوتی ہی رہے گی۔ ہنسی ہو چکی۔ اب حقیقت سنیے:

ارادہ ہے کہ غالب کی "تیغ تیز" کو شائع کروں۔ نقل اس کی مرتب ہو چکی۔ یہ ارادہ قاضی عبدالودود صاحب کو لکھا تھا۔ اُنھوں نے بڑے اصرار سے لکھا کہ "لطائف غیبی" اور "سوالات عبدالکریم" کو بھی اس میں شامل کرو۔ میں نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا، اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں دوسروں کے نام سے چھپی ہیں۔ البتہ "لطائف" اور "سوالات" اگر ایک مجلد میں شائع ہوں تو بیجا نہیں۔ یہ لکھ کر اُن سے طالب ہوا کہ "سوالات" کا نسخہ اُن کے پاس یا پٹنے میں کہیں اور ہو تو بھیجیں۔ اُنھوں نے رام پور اور لاہور تک گھوڑے دوڑا دیے۔ خیر اب ایک نقل سوالات کی منشی مہیش پرشاد صاحب سے مل گئی۔ "لطائف" کی نقل میں نے خود کر لی ہے۔ مقابلہ بھی ہو گیا ہے۔

اب رہا مقدمہ، سو یہ مقدمہ پیچیدہ ہے۔ میں نے جو ان چیزوں کے شائع کرنے کا قصد کیا ہے سو محض اس لیے کہ غالب کی اُردو انشا پردازی کی (خطوں سے الگ) ایک صنف پیش ہو جائے اور اُن کے مناظرے کا ڈھنگ سامنے آ جائے، اس لیے کہ انشا پردازی کے کمال کے علاوہ غالب کے کمال کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ اب اگر مقدمہ جیسا کہ آپ چاہتے ہیں، لکھا جائے تو اصل کتاب کے پڑھنے والوں کا ذہن ادھر منتقل ہو جائے گا اور اصل مصنف کی تحریر شاید پھیکی پڑ جائے۔ اسی ششش و پنج میں میں نے ابھی تک کچھ لکھا نہیں۔ میری رائے زیادہ اس طرف جھکتی ہے کہ یہ چیزیں مختصر دیباچوں کے ساتھ شائع کی جائیں۔ رہی اصل بحث کہ غالب نے جو اعتراض "برہان" پہ کیے اُن کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک علاحدہ تالیف کا مضمون ہے۔ اس کام کو کوئی صاحب کر دیں تو بہت اچھا۔

چھاپے کے بارے میں بین الجبر والاختیار متردد ہوں۔ پتھر کے چھاپے میں فائدہ یہ کہ اصل میں جو حرکات ظاہر کیے گئے ہیں یا جن کی ضرورت میرے نزدیک ہے وہ آ جائیں گے، لوہے کے حرفوں میں یہ مصیبت کہ وہ نہیں آ سکتے۔ یہاں تک کہ اِس، اُس؛ اِدھر، اُدھر؛ اِتنا، اُتنا، تک کے لیے صرف ایک ہی ایک صورت ممکن ہے۔ اگر تاکید کی کہ حرکات لگائے جائیں تو حرف کی حرکت کبھی ماقبل کو پہنچ گئی کبھی مابعد کو۔ ایک اور مشکل یہ کہ نستعلیق چھپنے الہ آباد میں کسی چھاپے خانے میں نہیں۔ بس اچھے سے اچھے وہی ہیں جن میں ہندوستانی اکیڈمی اپنی اُردو کتابیں چھپواتی ہے۔ خیر اس کا بھی کچھ فیصلہ کر لیا جائے گا، کاغذ کہاں سے آئے؟ والسلام مع الاکرام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی۔ الہ آباد۔ ۱۴ر اکتوبر ۴۳ء

—(۲۴)—

مکرمی،

تسلیم۔ کنور مہندر بہادر اس نسخے کے مالک ہیں۔ یہ راجا درگا پرشاد مہر سندیلوی (مصنف گلستان ہندو بوستان اودھ وغیرہ) کے بیٹے ہیں۔ وہ اودھ کی تعلقداری اور راجا کا خطاب ان کے ساتھ گیا۔ یہ بیچارے یہاں یو۔پی۔ سپلائی کے دفتر میں ملازم ہیں۔ مطالبہ بابت قیمت دیوان حافظ ملفوف ہے۔

راجا صاحب علاوہ شاعر اور شاعر ہونے کے بڑے پائے کے خوش نویس تھے۔ اکثر کلام اُن کا خود انھیں کے ہاتھ کا (نستعلیق یا شفیعا میں) لکھا ہوا اور کچھ وصلیاں کنور مہندر بہادر کے پاس ہیں۔ میں نے اُن کو سمجھایا کہ اگر ان کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو رام پور کے سرکاری کتب خانے میں پہنچا دو۔ قیمت وہاں سے مناسب مل جائے گی۔ وہ ان چیزوں کی فہرست بنا رہے ہیں۔ جب مجھے دیں گے میں اُس فہرست کو آپ کے پاس بھیجوں گا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد ۲۵۔ اکتوبر ۴۴ء

—(۲۵)—

مخدوم مکرم،

تسلیم۔ آج صبح عندلیب شادانی صاحب تشریف لائے۔ دو ڈھائی گھنٹے اُن سے باتیں ہوئیں۔ آپ کا ذکر آنا لازمی تھا۔ دیر تک ذکر خیر رہا۔ یہ بھی ایک صورت ملاقات کی ہے! وہ تشریف لے گئے۔ میں روٹی کھا کر بیٹھ گیا تھا کہ آپ کا مہربانی نامہ صادر ہوا۔ اُٹھ بیٹھا۔ یہ عریضہ لکھنے لگا۔

کتاب کا شکریہ۔ مگر ابھی پہنچی نہیں۔ حساب سے تو سے کل پہنچنا چاہیے مگر کل دِوالی کی چھٹی ڈاک خانے میں ضرور ہوگی۔ خیر پرسوں تک اور انتظار کھینچوں گا۔ میں یونی ورسٹی میں یہ کتاب ضرور منگواؤں گا۔ اِس میں فارسی کا انتخاب بھی ہے: اس لیے شعبۂ فارسی اِسے منگوا سکتا ہے مگر چوں کہ اُردو کا شعبہ ایک اور صاحب کی نگرانی میں ہے دام اُن کے شعبے سے وصول کرنے کے لیے نمونے کے اوراق مدد دیں گے۔

جی ہاں۔ "برہان قاطع" والے مناظرے پر مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ارادہ بھی کچھ ہے۔ علاوہ خان آرزو کے "فضلائے کلکتہ" نے بھی برہان کے حاشیوں میں اُس کی لغزشوں سے خبردار کیا ہے اور غالب نے اپنی تحریروں میں بطور سند ان حاشیوں کا حوالہ دیا ہے۔ یہ بھی طرفہ ماجرا ہے خان آرزو تو ہندوستان زا، اور مثل غیاث الدین مکتب دار اور رشید ٹھٹوی کے منہ لگانے کے قابل نہیں۔ یہ "فضلائے کلکتہ" گویا سید سے ایران سے تشریف لائے تھے اور مثل عبدالصمد ہرمزد کے ساسان پنجم کی نسل میں سے تھے! ٹھٹوی کا لہجہ دل آزار

کیوں ہوتا؟ اس بیچارے کو تو تحقیق منظور تھی۔ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں کہ مرزا اگر اپنے اعتراضوں میں سخت کلامی کو دخل نہ دیتے تو بھی اُن کے مخالفین ایسے ہی ناسزا اسلوب میں اُن کو جواب دیتے۔ میری رائے اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ غالب اور اُن کے معترض تھے تو آخر اُسی دیار کے رہنے والے۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جھوٹی تمکنت اور سراسر اوچھا پن اُس دور میں لوگوں کی عام روش تھی۔ مؤیّد برہان ڈرتے اس لیے نہیں کہ وہ خطاکار تھا بلکہ اس لیے کہ ہم ترتم بازخاں ہیں۔ رضا قلی خاں ہدایت نے اپنی کتاب قاطع برہان کے کچھ ہی دن بعد لکھی۔ اعتراض اُس نے جہانگیری پہ اور برہان پر زیادہ سخت کیے ہیں ایک آدھ جگہ اُس کا ٹھٹا بھی اڑایا ہے مگر نا ملائم یا دل آزار لفظ کوئی نہیں لکھا۔ فرق وہی کہ وہ دلی میں نہ تھا۔

آپ ضرور سراج اللغات اور "برہان قاطع" (طبع اوّل و دوم) کے حاشیوں، نیز رضا قلی خاں کی "انجمن آرائے ناصری" میں جو اعتراض ملتے ہیں اُن پر مضمون لکھیے۔ بہت مفید ہوگا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۸ اکتوبر ۴۳ء

—(۲۶)—

مخدوم نیاز کیشاں،

تسلیم۔ کل ایک خط لکھ چکا تھا اور اُس میں عرض کیا تھا کہ دِوالی کی وجہ سے شاید کتاب کا پارسل نہ پہنچے بارے آج ڈاک خانے میں چھٹی نہ تھی، کتاب مل گئی۔

سبحان اللہ خوب چھپی ہے مگر جلد مجھے پسند نہ آئی۔ پارسل اُسی کاغذ میں اُسی طرح لپیٹ دیا اور ڈوری اُسی انداز سے اُس کے گرد باندھ دی۔ اُوپر پتا آپ کا لکھ کر رکھ دیا ہے۔ کل اور پرسوں ڈاک خانہ بند رہے گا اترسوں رجسٹری کرا کے بھیجوں گا۔ اِس کتاب کے عوض آدھے چمڑے کی جلد والی کتاب بھیج دیجیے تو بڑی عنایت ہوگی۔ میرے پاس اس نسخے کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے اسے بھی اگلے پارسل کے حساب میں شمار کر کے قیمت اور صرفے سے اطلاع دیجیے تاکہ منی آرڈر کے ذریعے روپیہ بھیج دوں گا یا اگر زحمت نہ ہو تو قیمت طلب پارسل بھیج دیجیے گا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۹ اکتوبر ۴۳ء

عزیزم شبیہ احمد سلمہٗ اپنی ایک ضرورت سے ایک عریضہ بھیج رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ زحمت فرما کر ان کا کام ذرا جلد کر دیں گے۔

حسن دہلوی کی نسبت سجزی (س ج ز ی) ہے۔ سنجری (س ن ج ر ی) صحیح نہیں۔

عبدالستار صدیقی

—(۲۷)—

مخدوم مکرم،

تسلیم۔ کنور مہندر بہادر کے پاس کُل تیرہ چیزیں ہیں۔ یہ سب خود راجا دُرگا پرشاد کے قلم کی لکھی ہوئی وصلیوں کے مجموعے ہیں۔ جیسا کہ میں آپ کو لکھ چکا ہوں، راجا صاحب خوشنویس تھے اور تصنیف تالیف کے مشغلے کے ساتھ ساتھ خطاطی کی مشق بھی جاری رکھتے تھے۔ ان مجموعوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں اپنے کلام اور اپنی نثر کی تصنیفوں میں سے اُنھیں پسند آئیں اُن کو وصلیوں پہ لکھ کر جلدیں بندھوالی ہیں۔ میں نے کنور صاحب سے قیمت کے بارے میں گفتگو کر کے ان ۱۳ مجلد کی مجموعی قیمت دو سو روپئے طے کر لی ہے۔ اُنھوں نے یہ کتابیں آپ کے دفتر کے پتے پہ کل روانہ کر دی ہوں گی۔ یا آج روانہ کرتے ہوں گے۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۵ دسمبر ۴۳ء

—(۲۸)—

مکرمی،

کنور مہندر بہادر صاحب نے وہ چیزیں ۱۰ دسمبر ۴۳ء کو یہاں سے ریلوے پارسل کے ذریعے روانہ کی تھیں اور ریلوے رسید (جسے بلٹی کہتے ہیں) خط میں رکھ کر آپ کو بھیجی (بنام ناظم صاحب کتاب خانہ)۔ یہ خط بھی ۱۸ دسمبر کو روانہ کیا گیا۔

براہِ کرم دفتر میں دریافت کیجیے غالباً وہ خط مل جائے اور نہ ملے تو بھی اسٹیشن پہ دریافت کیجیے اور پارسل وہاں سے حاصل کر لیجیے۔ مال خانے رکھا ہوگا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۴ جنوری ۴۴ء

—(۲۹)—

مخدوم مکرم،

۱۔ یقین ہے کہ کنور صاحب کی بھیجی ہوئی چیزیں آپ کو مل گئی ہوں گی۔

۲۔ پنج آہنگ کا نسخہ حفیظ صاحب سے لے کر میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ جو کچھ اُس سے متعلق آپ کو دریافت کرنا ہو۔ مجھے لکھیے تاکہ اُن کی امانت اُن کو واپس کر دوں۔

۳۔ ایک نسخہ "ساطع برہان" (مرزا رحیم بیگ میرٹھی) کا اور ایک نسخہ "مُحرق قاطع برہان" (سعادت علی) کا

اور ایک آدھ اور چیز اسی سلسلے کی میرے پاس آنے والی ہے۔ اگر ان میں سے کسی چیز کی آپ کو کتب خانے کے لیے یا خود اپنے لیے ضرورت ہو تو آپ کے لیے خرید کر بھیج دوں۔ قیمت کہاں تک لگاؤں؟

ان کا جواب جلد دیجیے۔ شاید "قاطع القاطع" بھی ہے (امین الدین)

۴۔ مکاتیب (دوسری اشاعت) کا نسخہ مجھے ابھی تک نہیں پہنچا۔ اطلاعاً لکھتا ہوں۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۹ر جنوری ۴۴ء

—(۳۰)—

بنام امتیاز علی عرشی

واہ حضرت، کیا کتاب چھپوائی ہے! اگر مطبع عالیہ ریاست رام پور کا اشتہار منظور تھا تو اور بھی اچھی چھپائی چاہیے تھی۔ مگر لطیفہ کی چھپائی بھی ہو تو بھی وہ مکاتیب کی پہلی اشاعت کے مقابلے میں ہیچ ہوتی۔

میری رائے میں ریاست اور مدت رام پور کو چاہیے کہ اس (دوسری) اشاعت کی اشاعت ممنوع قرار دے اور محض ممنوع قرار دینا کافی نہیں۔ اس کے بیچنے والوں اور مول لینے والوں کو سزا کا مستوجب قرار دے۔ الحمد للہ کہ مجھے اس کی خریداری کا مجرم بننا نہیں پڑا۔ اس پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور شکریہ یوں بھی واجب تھا کہ ہرچہ از دوست می رسد نیکوست۔ خلاصہ یہ کہ بہت بہت شکریہ۔

ناگ پور جانے کو تیار تھا کہ ریل کے نخروں نے ناچار کر دیا۔ اسٹیشن جا کر واپس آنا پڑا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۹ر جنوری ۴۴ء

—(۳۱)—

بنام امتیاز علی عرشی

جناب مکرم،

رضا اکادمی کی دعوت کا بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ میرا بہت دل چاہتا تھا کہ اس جلسے میں شریک ہوں لیکن بعض چیزیں یہاں درپیش تھیں۔ اُن کے فیصلے کا انتظار تھا۔ آج معلوم ہوا کہ صورت ایسی آپڑی ہے جس سے ۸ر مارچ سے پہلے الٰہ آباد سے باہر جانا میرے لیے ممکن نہ ہوگا۔ بندگی بے چارگی۔ بادل ناخواستہ یہ انکاری جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ سے اور ارباب اکادمی سے معافی کا خواستگار ہوں۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۰ر فروری ۴۴ء

—(۳۲)—

بنام امتیاز علی عرشی

مخدوم مکرم، تسلیم۔ کل آپ کا کارڈ ملا۔ شکریہ۔ آج کل کام کی زیادتی ہے اس لیے خط لکھنے کی نوبت کم آتی ورنہ

کئی بار ارادہ ہوا تھا کہ آپ کی خیریت دریافت کروں۔

ریاست بڑودہ کی طرف سے جس کتاب کو آپ فرماتے ہیں اُس کی مجھے خبر نہیں ہوئی۔ ۱۹۱۹ء میں میری کتاب جرمانی زبان میں (جرمانیا کے شہر گوٹن گن سے) شائع ہوئی تھی۔ اُس کا نام انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے یہاں لکھتا ہوں:

"Studies in persian Loan words in classical Arabic"

اس میں اُن فارسی الاصل لفظوں پر بحث ہے جو جاہلیت کے زمانے سے لے کر اسلام کے ابتدائی زمانے تک فارسی سے عربی میں داخل ہو چکے تھے۔ اس مقالے میں فرداً فرداً لفظوں سے بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ تعریب وغیرہ کے اصول سے بحث ہے۔ ممکن ہے کہ اسی کا حوالہ بڑودے والی کتاب میں ہو۔ اگر آپ وہ بڑودے والی کتاب میرے لیے بھیج دیں تو میں ضرور آرامی، اور عبرانی وغیرہ لفظوں کا تلفظ لکھ بھیجوں گا۔ اس بہانے سے وہ کتاب بھی دیکھ لوں گا کہ کیسی ہے "اور دیباچے اس کے شائع کرنے والے نے کیا زہر اُگلا ہے۔"

وہ جرمانی کتاب آپ کو دیکھنے کو بھیج دیتا لیکن وہ آپ کے کس کام کی؟ ۱۹۳۰ء میں ایک مقالہ ابن دُرید اور اُس کے معرّبات پر شائع کیا تھا اُس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔ اس کا ایک اور نسخہ کتب خانے کے لیے بھیجتا ہوں۔ کتابت کی غلطیاں اس میں بہت ہیں جو مقامات یاد رہ گئے ہیں اُن کی اصلاح کر دی ہے۔ باقی آپ سمجھ لیجیے گا۔ اُسی سال مولوی سید سلیمان اشرف مرحوم کی کتاب "المبین" پر میں نے ایک تبصرہ رسالۂ معارف میں لکھا تھا اُس کے کچھ نسخے الگ بھی چھپ گئے تھے جو بٹ گئے۔ یہ نسخہ اِس خیال سے آپ کو بھیجتا ہوں کہ شاید "معارف" کی جلدوں میں ڈھونڈنا زحمت کا باعث ہو۔ پڑھنے کے بعد، جب آپ کو اِس کی ضرورت نہ رہے، تو براہِ کرم (اس تبصرے کو) واپس فرما دیجیے گا۔

"عربی مبین" پر حرف آنے کا طوفان ہمارے بزرگوں ہی نے اُٹھایا تھا۔ اگرچہ اُسی زمانے میں بعضے محققوں نے اُس کی تردید کر دی تھی مگر وہ بات جو مذہبی عصبیت کی لے میں ایک بار کہہ دی گئی تھی لوگوں کے دلوں میں جم گئی۔ اُس کی تردید کو کوئی سمجھا کوئی نہ سمجھا۔ مولوی سلیمان اشرف کی کتاب "المبین" رام پور کے کتب خانے میں ضرور ہوگی۔ نہ ہو تو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر سے منگوا کر آپ دیکھ سکتے ہیں۔

میرے تبصرے کے آخیر صفحے میں ایک تلمیح ہے جسے شاید آپ معلوم نہ کر سکیں۔ اس لیے یہاں اُسے واضح کیے دیتا ہوں۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم نے اپنی وائس چانسلری کے زمانے میں ذرا دارو گیر کی تھی۔ "چنگیز خاں" مولوی سید سلیمان اشرف نے (خدا ان کی مغفرت کرے) صاحبزادے صاحب کا نام رکھا تھا!

ہاں صاحب، کنور مہندر بہادر کے معاملے کا آپ نے کچھ فیصلہ کیا یا نہیں؟ میں نے آج کئی دن ہوئے اُن سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو براہِ راست لکھیں۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۵ اپریل ۴۸ء

—(۳۳)—

مکرمی،

تین چار دن ہوئے میں نے آپ کو خط لکھا تھا، مل گیا ہوگا۔

آج ایک ضرورت پڑی کہ پھر آپ کو لکھوں۔ ہندوستانی اکیڈیمی میں کلیاتِ انشا کی تصحیح و ترتیب ہو رہی ہے مگر صرف ایک قلمی نسخہ اکیڈیمی کے کتب خانے میں ہے اور وہ ناقص الطرفین ہے۔ فارسی کلام اس میں نہیں ہے۔ براہِ کرم اطلاع دیجیے کہ رام پور میں انشا کے دیوان یا کلیات کے کئے نسخے ہیں اور ان میں سب سے اچھا کون سا ہے۔

اگر آپ کے وہاں سے مدد لی جائے تو کس طرح ممکن ہوگی؟

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۳۰ اپریل ۴۴ء

—(۳۴)—

مخدوم مکرم،

۳ مئی کا کارڈ ملا، شکریہ۔ انشا کا مطبوعہ نسخہ (نولکشوری) اب اکیڈیمی کے کتب خانے (میں) ہے اور مقامات سے قلمی نسخے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دو نسخوں کا پتا عثمانیہ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں لگا ہے۔

"سلکِ گوہر" کے نسخے کا علم مجھے نہیں۔ ۲۰ اپریل تک تو کنور صاحب کو رقم نہیں پہنچی تھی۔ اس کے بعد کا حال مجھے نہیں معلوم۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۶ مئی ۴۴ء

—(۳۵)—

حضرت سلامت،

سلام مسنون۔ مزاج عالی۔

آپ کے کتاب زار میں میر عبیدی طہرانی کا دیوان ہوگا۔ میں دیوان نہیں مانگتا۔ صرف ایک شعر کا متن چاہتا ہوں۔ شعر ہے:

آبروئی کہ بصد خونِ دل اندوختہ ام
بہ امیدِ کرم نیست بہ دربانِ شرم دش

اگر یہی صورت دیوان میں ہے تو صرف یہ لکھ دیجیے کہ یہی صورت ہے۔ ایک اور طرح بھی اس کا متن دیکھا ہے۔

آبرو‌یی کہ بصد خونِ جگر دست دہد
بہ امیدِ کرمِ خواجہ بہ دربان مفروش

یہ بھی لکھیے گا کہ نسخہ قدیم ہے یا جدید۔ اگر سالِ کتابت نسخے میں ہو تو وہ بھی۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲ر جون ۴۴ء

—(۳۶)—

مخدومِ مکرم!

آپ کی توجہ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ شعر کا متن میرے خیال کے مطابق نکلا۔

الہ آباد یونی ورسٹی گرمیوں کی چھٹی کے بعد ۱۷ر جولائی کو کھلے گی۔ ۲۱ر سے حیدرآباد میں اُردو کانگریس ہوگی اس لیے کم سے کم ۲۰ر کو وہاں پہنچنے کے لیے ۱۸ر جولائی کو یہاں سے روانہ ہونا چاہیے۔ آپ ہی بتائیے کہ یہ کیسے ممکن ہے یونی ورسٹی کھلنے پر طلبہ کا داخلہ شروع ہوتا ہے۔ متعدد ضروری کمیٹیوں کے اجلاس ہوتے ہیں۔ ایسے زمانے میں سخت مشکل ہے کہ یہاں سے چھٹکارا ہو۔ جی تو جانے کا بہت چاہتا ہے مگر جی تو یہ بھی چاہتا ہے کہ کروڑپتی ہوتا تو بڑے بڑے کام دنیا میں کر جاتا۔ سو کیا اس خواہش سے واقعی کوئی کروڑپتی ہو سکتا ہے؟

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲ر جون ۴۴ء

—(۳۷)—

میرے مکرم!

وعلیکم السلام: "درفش کاویانی" کا نسخہ کل ڈاک میں بھیجا جائے گا۔ رجسٹری جا نہیں سکتی۔ برسوں کی تلاش کے بعد ایک نسخہ، وہ بھی ناقص، "فرہنگ سروری" کا ہاتھ لگا ہے۔ بہت دن سے ارادہ کر رہا تھا کہ آپ کو لکھوں کہ اس کی جلد بندھوا دیجیے۔ معلوم نہیں اب جلد بندی کا سامان مہیا ہے یا نہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو اسے ڈاک میں بیمہ کروا کے بھیج دوں۔ کتاب بہت اہم ہے۔ علم کی خدمت ہوگی اور مجھ پر کرم۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۷ر جولائی ۴۴ء

—(۳۸)—

مخدومِ مکرم!

۵ر جنوری ۴۶ء کا گرامی نامہ مجھے ۸ر کو ملا۔ کنور صاحب سے ملاقات ہونے اور بات چیت کی نوبت اب کے آئی۔ پھر

ڈنڈوں کی آمد شنبہ ۱۲ تک رہی۔ اُسی دن میں الہ آباد سے باہر جا رہا تھا۔ آپ کو خط لکھنے کا وقت نہ ملا۔ کئی دن اعظم گڑھ اور پھر لکھنؤ میں رہا۔ دو ہفتے بعد واپس آیا ہوں۔

نظامی کی مثنوی، جو آپ کو پسند نہیں، کنور صاحب کو براہِ راست واپس بھیج دیجیے گا۔ باقی ۴۲ کتابوں کی قیمت کنور صاحب سے ۲۵۰ (دو سو پچاس) روپئے میں نے طے کی ہے۔ براہِ کرم اطلاع دیجیے کہ یہ رقم آپ کے کتاب خانے کے لیے منظوری کے ناقابل تو نہیں۔ اگر منظور ہو جائے تو روپیہ کنور صاحب کو بھیج دیجیے۔

فرہنگ سروری اور شرحِ گلستان کا پارسل پہنچ گیا تھا اور میں نے دس روپئے کا منی آرڈر بھی آپ کے نام بھیج دیا تھا۔ اُس کی جو رسید آئی اُس پر غالباً کسی اہلِ کارِ کتاب خانہ کے دستخط تھے۔

"باغ و دو در" کے مالک صاحب کے ایسے بزرگوار اب بھی دُنیا میں ہوتے ہیں؟ یہ کون صاحب ہیں؟ کیا ان سے نہیں کہا جا سکتا کہ ایٹم بم کی قوت اب علم و فن کی خدمت میں صرف ہوگی اور اس بم کی پہلی زد اُن کنجوسوں پر پڑے گی جو ایسی چیزوں پر مارِ گنج کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں؟

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۶، جنوری ۴۶ء

—(۳۹)—

مخدوم مکرم،

۲۹ جنوری کا گرامی نامہ ملا۔ کنور صاحب کو خبر کر دی۔

"باغ و دو در" کے معاملے میں ششدر ہوں۔ سخن مختصر۔ جلد الہ آباد میں بہت خراب بندھتی ہے۔ میری طرف سے آپ کی نفیس جلدوں میں نقص نکالنا ناشکری ہوگی بلکہ کفرانِ نعمت۔ البتہ فرہنگ جہانگیری کی جلد کے مقابلے میں یہ جلد اُنیس ہے۔ اُس میں بھی آپ نے ایک عیب دیکھ لیا تھا۔ میں کیا کہتا۔ ہر حسین چیز میں بھی کوئی نہ کوئی عیب نکل ہی آتا ہے۔ مگر خوبصورتی اُسے دبا لیتی ہے اور اُس عیب میں بھی ایک آن نکلتی ہے۔ بس یہی حال آپ کے کتاب خانے کی بنی ہوئی جلدوں کا ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ آپ نے لکھا تھا کتاب خانے میں کوئی نسخہ "درفش کاویانی" کا نہیں۔ یہ بات میرے لیے کچھ گوارا نہیں کہ رام پور کے کتاب خانے میں جو کتاب نہیں میرے پاس اُس کی "دو جلدیں ہیں۔ میرے پاس ایک تو وہ جو آپ کو بھیجی تھی آپ نے دیکھ کر لوٹا دی۔ اِس نسخے کو میں رکھنا چاہتا ہوں۔ دوسرا نسخہ "قاطع القاطع" کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اگر جلد توڑ کر "درفش" آپ کو بھیج دوں تو آپ تو اُس کی جلد فوراً بندھوا لیں گے۔ یہاں جلد بند کا توڑا ہے۔ "قاطع القاطع" کی جلد میں کس سے بندھواؤں گا؟ اگر حقیقت میں "درفش" کتاب خانے کے لیے درکار ہے تو وہ جلد جوں کی توں آپ کو بھیج دوں۔ "درفش" وہاں رکھ لی جائے اور "قاطع القاطع" کی بہت معمولی کپڑے ابری

کی، جلد بندھوا کر مجھے بھیج دی جائے۔ وہ کتاب ایسی نہیں کہ اُس کے لیے اچھی جلد کی خواہش ہو۔ اُس سے بہتر کتابوں کی جلد معمولی ہے۔ پھر اُن کے ساتھ اِس کی عمدہ جلد کو کیسے رکھوں گا۔ ہر وقت آنکھ میں کھٹکے گی۔

میں کل باہر جا رہا ہوں۔ ۱۰ فروری کو واپس آؤں گا۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳۱ جنوری ۴۹ء

(۴۰)

مخدوم مکرم،

ابھی تک اتنی فرصت نہیں ملی کہ "انشا" کی ترکی کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کروں۔ وہ جو ملاحوں کی بولی کی نقل اُتاری ہے وہ بنگال کے ملاحوں کی نقل ہے۔ بنگالی زبان کی بہت ہی عام چیز یہ ہے کہ آپ کا ہر فتحہ اُن کے ہاں ضمہ ہو جاتا ہے اور اکثر کسی قدر اشباع کے ساتھ اور کبھی پورا واو ہو کر اُن کی زبان سے نکلتا ہے۔ جیسے "گھر" کو "گھور" اور "گنگا" کو "گونگا" کہتے ہیں۔ انشا پیدا ہی بنگال میں ہوئے تھے۔ ملاحی کا پیشہ کرنے والے بنگال میں مسلمان ہی ہیں۔ اس لیے یہ بہت قرین قیاس ہے کہ بنگال کے ملاح مُراد ہیں۔

انشا کا دیوان، جسے اکیڈمی کے لیے ایک صاحب نے ترتیب دیا ہے، اُس میں سے اُنھوں نے فارسی دیوان، غیر منقوط وغیرہ سراسر خارج کر دیا ہے۔ یہ ترکی حصہ بھی خارج ہو گیا ہے۔ یہاں تین قلمی نسخوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ اِن نسخوں میں یہ چیزیں نہیں ہیں اور مطبوعہ نسخے اس کلام کے لیے اعتبار کے قابل نہیں۔

۲۔ عبدالجلیل بلگرامی کی "تعریب اللغات" کی دو تین ابتدائی سطریں اور دو تین کہیں بیچ میں سے اور پھر آخر میں سے براہ کرم نقل کر کے بھیج دیجیے۔

۳۔ کلیات شمس تبریز کو میں دو بار دیکھ چکا ہوں۔ آپ نے ناحق وقت کھویا۔ "روز روشن" کے قابلِ اعتماد ہونے میں مجھے شبہ نہیں۔

۴۔ وہ جو نصیر الدین حیدر شاہ لکھنؤ کے زمانے کے کاغذات آپ نے میرے ہاں دیکھے تھے اُن کے مالک سے بڑی مشکل سے یہ دریافت ہو سکا کہ وہ تقریباً سوا ڈیڑھ سو روپے اُن کاغذوں کے چاہتے ہیں۔ اگر اتنی قیمت پر آپ کی خواہش ہو تو اُن سے ایک قطعی بات طے کر لی جائے ورنہ وہ پُلندا اُن کو واپس کیا جائے۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲ جون ۴۹ء

(۴۱)

مخدوم مکرم، ابھی اُس دن آپ کو خط لکھ چکا ہوں۔ آج ایک اور ضرورت لاحق ہوئی۔ معاف کیجیے گا بار بار آپ

کو تکلیف دیتا ہوں۔

ایک صاحب ڈاکٹر محمود انصاری (بیطاری کے گریجویٹ) سُنا ہے، رام پور کے سٹڈ کے مہتمم ہیں۔ ان کے ایک عزیز کوئی ایچ۔ قریشی صاحب ہیں جنھوں نے "ہماری زبان" دہلی میں (ص ۱۱ یکم اپریل) ایک خط شائع کیا ہے۔ اس میں قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ منشی سجاد حسین "انجم" کسمنڈوی مرحوم کی تصنیف "کائنات" کا پہلا ایڈیشن ختم ہونے کے بعد مرحوم کے بھتیجے ڈاکٹر محمد محمود انصاری نے اُس کو پھر چھپوایا تھا۔" قریشی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ "کائنات" کا پہلا ایڈیشن نیر اعظم پریس مُرادآباد میں چھپا تھا اور یہ کہ انجم مرحوم اپنی تصنیفات نیر اعظم پریس میں چھپوانا پسند کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ اس لیے کہ پہلا ایڈیشن ۱۹۰۰ء میں نذر حسین کے اہتمام سے مطبع آفتاب ہند، کچہری گھاٹ، آگرہ میں چھپا تھا جس کا ایک نسخہ مجھے حال ہی میں ملا ہے۔ دُوسرے منشی سجاد حسین انجم مرحوم کی زندگی میں اُن کی تین تصنیفیں چھپیں۔ تینوں میں سے ایک بھی نیر اعظم کے مطبع میں نہیں چھپی۔ "نشتر" جہاں تک یاد ہے، نثار حسین نثار کے قومی پریس، لکھنؤ میں چھپی تھی، "کائنات" آگرے میں، "حیاتِ شیخ چلی" مطبع شام اودھ لکھنؤ میں۔ اخیر کتاب ۱۹۰۱ء میں شام اودھ میں چھپی اور دُوسری بار پھر اُس مطبع میں ۱۹۰۵ء میں (یعنی انجم صاحب کی وفات کے دو برس بعد) چھپی

خلاصہ یہ کہ اگر ڈاکٹر محمود انصاری نے "کائنات" کو دوبارہ چھپوایا تھا تو براہ کرم یہ فرمائیں کہ اُس کا کوئی نسخہ مل سکتا ہے تو کہاں سے مل سکتا ہے۔ مجھے اُس کی ضرورت ہے۔

مجھے معلوم تھا کہ ایک چھوٹی سی عربی کتاب کا انجم مرحوم نے اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ "سلک الدرر" کا ترجمہ تھا اور ۱۳۲۷ھ میں چھپا بھی مگر چھاپے خانے کا پتا نہیں چلا۔ شاید ڈاکٹر محمود صاحب اس امر میں بھی میری مدد کر سکیں۔

ایک صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود ڈاکٹر محمود صاحب نے ایک قصّہ "بگلا بھگت" کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ تینوں کتابیں اگر مل جائیں تو میرے نام قیمت طلب پارسل اِن کا بھجوا دیں یا تینوں جہاں سے مل سکیں وہاں کا پتا بتائیں کہ میں خود منگالوں۔ اگر اِن میں سے کوئی کتاب نہ مل سکتی ہو اور ڈاکٹر صاحب کے پاس ہو تو مجھے مستعار عنایت فرمائیں۔ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ "کائنات" کا نسخہ اگر وہ موجود آگرے میں ۱۹۰۰ء میں چھپا تھا تو اُس کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے پاس موجود ہی ہے۔

اُسی یکم اپریل ۴۶ء کے "ہماری زبان" کے پرچے میں (ص ۵۔۶) میری تحریر بھی ملے گی۔ اگر وہ پرچہ آپ کو نہ مل سکے تو میں بھیج دوں۔ اُسے ڈاکٹر صاحب پڑھیں گے تو اُن کو اطلاع ہو جائے گی کہ منشی سجاد حسین صاحب مرحوم اور اُن کے بیٹے حافظ عبدالقیوم مرحوم سے میرے کیا تعلقات تھے؟ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۴ر جون ۴۶ء

—(۴۲)—

مخدوم مکرم،

جو سطریں "تعریب اللغات" کی آپ نے نقل کر کے بھیجیں انھیں دیکھ کے میں حیران رہ گیا۔ لفظ بہ لفظ وہی جو "رسالۂ معربات" میں ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب ایک ہے نام دو۔ "رسالۂ معربات" کے سرورق پہ جلی قلم سے اور سرخ روشنائی سے لکھا ہے: "رسالۂ معربات تصنیف مولانا عبدالرشید تتوی" آخر صفحے پر صرف: "تمت تمام شد رسالۃ المعربات"۔
سرورق پر کتاب اور مصنف کے نام کے نیچے صفحے کے بیچوں بیچ ایک مہر ہے:

عظمت جنگ ۱۲۵۶

اس مہر نے اتنا تو بتا دیا کہ رسالے کی کتابت ۱۲۵۶ھ سے پہلے ہوئی۔ آپ کا نسخہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے یعنی کم سے کم ۳۸ برس بعد کا۔ لیکن کسی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں، جب تک کہ ان سے پرانے نسخے کتاب کے ہاتھ نہ آئیں۔ مجھے پوری طرح یقین نہیں آتا کہ یہ تالیف عبدالجلیل بلگرامی کی ہے۔

ایک بات پوچھنا ہے: کاتب کے نام "احمد بن نصیر" کے بعد کیا لفظ ہے؟ اِس نقل میں آپ کے قلم سے لفظ کا آخری حصہ بگڑ گیا ہے یا اصل میں بھی اسی ہیئت سے ہے؟

آپ نے جو تکلیف اٹھا کر یہ سطریں بھیجیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ میرا شکریہ اکثر تمہید ہو جاتا ہے، تازہ بتازہ تصدیع کا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ انسان ادھورا، اس کی ہر بات ادھوری۔ اور میں انسانوں میں بہت ہی گیا گزرا انسان۔ خدا رحم کرے۔ کہیے آمین۔ بھلا اگر میں اس رسالے کی نقل چاہوں تو کیا صورت ہو گی؟ کاتب وہاں لکھے اور آپ اصل سے اس کا مقابلہ فرما دیں یا آپ کے کتاب خانے میں روٹوگراف کا انتظام ہو تو کتاب کا عکس بن جائے؟ کاتب کی اجرت کیا ہو گی اور اگر روٹو ممکن ہے تو عکس کی اجرت کتنی؟

قصۂ سیاہ پوش میں نے ایک مجموعے میں دیکھا ہے: قصۂ سیاہ پوش و حکایت خر فروش ابلہ و حکایت طبیب۔ یہ مجموعہ گیارھویں ربیع الاول ۱۲۷۲ھ کو مطبع عزیزی کان پور میں چھپا تھا۔ ناظم ان دو قصوں کے دو شاعر ہیں: "شکوہ" اور "شمس"۔ "شکوہ" نے سیاہ پوش کا قصہ نظم کیا ہے۔ تخلص دو جگہ آیا ہے۔ تیسری جگہ پورا نام جس میں تخلص بھی آ گیا ہے شکوہ احمد۔ اب آپ نے اطلاع دی کہ "سیاہ پوش" نثر میں دہلی میں ۱۲۷۷ھ میں چھپا تھا۔ فی الحال اس کے متعلق مزید استفسار ضروری نہیں ہے۔

اب آپ کے مطلب کی ایک بات ہے جسے پہلے دونوں خطوں میں لکھنا بھول گیا تھا۔ قریب ۶یا ۷ ہفتے ہو گئے ایک دن ایک ہیڈ ماسٹر صاحب جو اب خدمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں تشریف لائے اور ایک دستی بغل

میں لائے۔ اُسے کھولا تو ایک مجموعۂ اوراق کا نکلا۔ اس تکلف سے کہ ہر ورق مومی کاغذ کے ایک لفافے میں۔ اُن کے حسنِ احتیاط کی داد دی۔ آغازِ کتاب :

"تا عنایت ربانی حجاب انتظار از پیش چہرۂ مراد محرر این سواد روبر داشت . . ."

دیباچے سے معلوم ہوا کہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی نے اُقلیدس کے پورے پندرہ مقالوں کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔

[محمود بن مسعود شیرازی 'محقق طوسی کے شاگرد تھے اور ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے فارسی ترجمے یا کسی فارسی تصنیف کا ذکر میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ بروکل من نے بھی صرف عربی تصنیفوں کی فہرست دی ہے]

یہ نسخہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ پہلے دو ورق اصلی نہیں ہیں۔ مالک کا بیان ہے کہ وہ بہت خستہ تھے اس لیے ضائع ہونے سے پہلے میں نے بہت احتیاط سے انھیں نقل کر کے کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ ورق ۳ سے ۵۵ تک خطِ نستعلیق ہے۔ ورق ۵۶ سے ۱۵۵ (آخر نسخہ) تک نسخ لیکن کاغذ روشنائی اور کاتب ایک ہی ہے۔ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ قیمت کے بارے میں مالک مجازی سے دریافت کیا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ کتاب اُن کے باپ کے پاس تھی اور اُنھوں نے بھی اب تک احتیاط سے رکھی۔ خیال اُسے صرف محفوظ کر دینے کا ہے مگر ایسی دو بھر بھی نہیں کہ اونے پونے بیچ ڈالوں۔ میری رائے میں پانچ چار سو تک قیمت دینا بیجا نہیں۔ آئندہ آپ کی نظر اور اُس کی تقدیر۔ اُن حضرت کا نام اور پتا میں نے لکھ لیا تھا پر وہ پُرزہ اِس وقت مل نہیں رہا ہے۔ ایک ہندو صاحب ہیں اور یہ دونوں کے علاقے میں رہتے ہیں۔ جن صاحب کے ساتھ میرے ہاں آئے تھے اُن سے پوچھ کر آپ کو لکھ سکتا ہوں۔

نصیرالدین حیدر والے خطوں کے بارے میں آپ نے کچھ نہ لکھا۔ ڈاکٹر محمد محمود صاحب سے ملاقات ہوئی ہو تو کچھ اُن کا حال بھی لکھ بھیجیے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲ جولائی ۴۶ء

——(۴۲)——

حضرتِ من! میرے۔

۱۸ جولائی کے خط کا شکریہ۔

نصیرالدین حیدر والے خطوں کے مالک کو میں نے اطلاع دے دی ہے کہ سو روپئے قیمت مل سکتی ہے۔ اگر یہ قیمت منظور نہ ہوگی وہ اوراق اُن کو بھیج دوں گا۔ اگر منظور کریں گے تو آپ کو بھیج دوں گا۔ مجھے تو اُن حضرت کا نام بھی معلوم نہیں جن صاحب نے وہ اوراق مجھے دیکھنے کو دیے تھے اُن کو لکھا ہے اور خطاتی

لکھنؤ بھیجا ہے۔ جب جواب آئے گا آپ کو لکھوں گا۔

قطب الدین شیرازی کے ترجمۂ اقلیدس کے مالک کو بھی اطلاع کر دوں گا کہ سو روپے مل سکتے ہیں مگر وہ غالباً اس قیمت پر کتاب نہ دیں۔

تعریب اللغات کی نقل کے متعلق غلام السیدین صاحب کو الگ لکھ رہا ہوں۔ وہ آپ کو جب لکھیں کتابت شروع کروا دیجیے۔

ڈاکٹر محمود انصاری صاحب کا میں بہت شکر گزار ہوا۔ البتہ میرا گھر سندیلہ (ضلع ہردوئی) ہے ممکن ہے کہ وہاں کہیں اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی ہو۔ یاد پر بہت زور دیا۔ یاد نہیں آتا۔ خیر اگر پہلے ملاقات ہوئی ہے تو آپ کے توسط سے اس کی تجدید ہوگئی ورنہ نئی شناسائی سہی۔ ایک اور دوست کے ذریعے سے مولوی محمد بقا صاحب (سابق پروفیسر مہاراجا کالج جے پور) سے بھی کچھ حالات معلوم ہوئے۔ موصوف نے "موتی کی لڑی" کے طبع ہونے کی تاریخ بھی کہی تھی جس کا بعض صرف مادّہ یاد رہ گیا ہے اور اس سے "۱۳۲۷" نکلتے ہیں۔ مصنف کا انتقال ۱۳۲۰ھ میں ہوگیا تھا۔ یعنی "موتی کی لڑی" مصنف کے مرنے کے سات برس بعد چھپی تھی۔

ڈاکٹر صاحب سے آپ کہہ دیں کہ منشی سجاد حسین مرحوم سے ہم لوگوں کے عزیزانہ تعلقات تھے۔ وہ میرے والد کے دوست تھے۔ اور حافظ عبدالقیوم مرحوم میرے دوست تھے ایک ہی مدرسے میں ہم دونوں پڑھتے تھے اور بعض کتابوں میں ہم سبق تھے۔ جناب انجم مرحوم کی عظمت جو میرے دل پر اس وقت مرتسم تھی ابھی تک تازہ ہے۔ اب یہ خیال مجھے بار بار تکلیف دیتا ہے کہ ان کے ذہن عالی کی پیداوار ناپید ہوتی جاتی ہے۔ "کائنات" کا ایک نسخہ ہاتھ آگیا ہے۔ "حیاتِ شیخ چلّی" کا جو نسخہ خود مصنف نے مجھے ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں بھیجا تھا افسوس ہے کہ وہ میرے پاس سے جاتا رہا تھا۔ پھر مہادیو پرشاد (تاجر کتب لکھنؤ) کا چھپوایا ہوا (تیسری اشاعت کا) ایک نسخہ (مطبوعہ ۱۹۲۱ء) ملا۔ اسے دیکھ کر میں نے افسوس کیا کہ بہت غلط ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک پرانے دوست کے پاس سے پہلی اشاعت کا نسخہ مل گیا۔ اس سے تیسری اشاعت کی تصحیح کی۔ دورانِ تصحیح ایک بات عجیب دیکھی کہ تیسری اشاعت کے آخر میں کچھ اضافہ ہے۔ اب یہ خلجان ہے کہ یہ اضافہ کس نے کیا ہے یہ تیسری اشاعت تو اس وقت ہوئی جب کہ مصنف کو مرے اٹھارہ برس بیت چکے تھے۔ شبہ ہوتا ہے کہ مہادیو پرشاد نے کسی اور سے یہ اوراق لکھوا کر کتاب میں شامل کیے ہیں۔ ایک امکان یہ ہے کہ پہلی اشاعت کے بعد مصنف نے کچھ لکھا ہو اور نظرِ ثانی نہ کر سکے ہوں، اور ان کے بعد کسی طرح وہ اوراق سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ کو پہنچا دیے گئے ہوں اور انھوں نے جو دوسری اشاعت ۱۹۰۵ء میں اپنے مطبع شام اودھ میں چھاپی اس میں ان اوراق کو بھی شامل کر دیا ہو۔ اس لیے اب "حیاتِ شیخ چلی" مطبوعہ شام اودھ (۱۹۰۵ء) کی تلاش ہے۔

خلاصہ یہ کہ ڈاکٹر محمود صاحب جو کچھ عطا کریں گے شکریے کے ساتھ لوں گا۔ "کائنات" موجود ہے اُس کی ضرورت نہیں۔ "حیات شیخ چلی" کے دُوسرے ایڈیشن کی تلاش ہے۔ "موتی کی لڑی" کے لیے بیتاب ہوں "بکلا بھگت" کا نسخہ جب ڈاکٹر صاحب دیں گے شکریے کے ساتھ قبول کروں گا۔ اُس کے دیکھنے کا بھی بہت اشتیاق ہے۔ خدا کرے جلد لکھنؤ جانے کا اُن کو موقع ملے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی الٰہ آباد۔ ۲۸ جولائی ۴۶ء

(۴۴)

مخدوم مکرم

ڈاکٹر صاحب کو آپ لکھ بھیجیے کہ "بکلا بھگت" کے اگر ممکن ہو، مجھے دو نسخے عنایت کریں اور جلد عنایت کریں۔

کتابت "تعریب الالفاظ" کی بعد ماہِ صیام ہی کے سہی شروع ضرور کروا دیجیے گا۔

نصیر الدین حیدر والے اوراق رجسٹری کروا کر بھیج رہا ہوں۔ اُس کے ساتھ میں "قاضی رفیع الدین فاروقی سیکرٹری دفتر صوبہ مسلم لیگ، گوین روڈ، لکھنؤ" انھیں کو بالواسطہ سو روپئے، جو اُن سے ملے ہوئے ہیں بھجوا دیجیے گا۔ رسید اُن سے منگوا لیجیے گا۔

یہاں جو انشا کے کلام کی ترتیب ہوئی ہے اُس میں فارسی اور ترکی اشعار نہیں شامل ہیں۔ قلمی نسخوں میں بھی ترکی شعر نہیں ہیں۔ اختلافات آپ نے ابھی تک نہیں بھیجے۔ میں تو اس قصے کو کب کا بھول چکا تھا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۳ اگست ۴۶ء

الٰہ آباد شریف میں کل سے کرفیو آرڈر ہے، کل اتوار ہے۔ اس لیے رجسٹری کے بندے کی روانگی ملتوی کرنا پڑی۔

الٰہ آباد: ۲۳ اگست ۴۶ء

(۴۵)

مکرم بندہ،

آپ کا خط مجھے اُس وقت ملا جب کہ میں الٰہ آباد سے پونا کو روانہ ہو رہا تھا۔

وہ اوراق اس لیے بھی آپ کو نہیں بھیجے کہ ابھی برسات کا موسم زور پہ ہے۔ اب میں جلد الٰہ آباد پہنچوں گا اور وہ کاغذات آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا۔

تعریب الالفاظ، جب کتابت ہو چکے مجھے بھیج دیجیے گا۔ کاتب کے معاوضے کی رقم سے اطلاع دیجیے گا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۳ ستمبر ۴۶ء

آج بمبئی جا رہا ہوں۔ ریل میں جگہ مل گئی تو آج ہی' نہیں تو جس دن جگہ مل گئی' وہاں سے الٰہ آباد کا رخ کروں گا۔

پونا۔ ۱۲ ستمبر ۴۶

—(۴۶)—

مخدوم مکرم،

خستہ بلکہ کوفتہ و افسردہ الٰہ آباد پہنچا۔ یہ خستگی جسمانی ایسی نہ تھی جیسی روحانی۔ ایک شخص "مسلمان" مع اپنی جورو اور بہو کے اُسی درجے میں تھا جس میں میری نشست ریزرو کی ہوئی تھی۔ رات بھر اُس نے شراب پی اور کسی کو سونے نہ دیا۔ دن کو بھی باوجود جورو کے منع کرنے کے پیتا رہا۔ معلوم ہوا کہ فلم کا کاروبار کرتے ہیں۔ خیر جبل پور پر اُتر گئے۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مُسافروں کا ریلا ہوا مگر وہ بسا غنیمت تھا۔ یہ مزے ہیں آج کل سفر کرنے کے۔

یہاں پہنچ کر دو تین اور کاموں میں اُلجھے رہنا پڑا۔ آج پارسل بنایا جا رہا ہے۔ اُسی کے ساتھ یہ کارڈ ڈاک میں جائے گا۔ ان کاغذات کے مالک یا بائع کا پتا نشان پہلے آپ کو لکھ چکا ہوں۔ قیمت اُن کو جلد بھجوا دیجیے گا۔ بہت مضطرب ہیں۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۹ ستمبر ۴۶ء

—(۴۷)—

مخدوم مکرم،

"تعریب اللغات" کی نقل جو آپ نے نہایت مہربانی سے اصل سے خود مقابلہ فرمائی ہے وصول ہوئی۔ آپ کی اس خاص توجہ اور تلطف کا میں نہایت ممنون ہوں۔

آپ نے اپنے پچھلے مہربانی نامے میں لکھا تھا کہ یہ نقل مجھے ایک تحفے کے طور پر بھیجی جا رہی ہے۔ اول تو یہی کیا کم تھا کہ سرکار عالی رام پور نے کتاب خانے کی نقل حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اُس کے اخراجات کا خزانۂ شاہی سے ادا ہونا ایک اور مرحمت ہے جس کا شکریہ ادا کرنا میری حدِ وسع سے باہر ہے۔ سوا اس کے کہ ریاست عالیۂ رام پور کو دُعا دوں اور کیا کر سکتا ہوں۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۳ ستمبر ۴۶ء

—(۴۸)—

بنام تمکین کاظمی

حضرت سلامت۔

رسم است کہ مالکان تحریر
آزاد کنند بندۂ پیر

اب میں بوڑھا ہوا اور مضمون لکھنا کام ہے جوانوں کا۔ آپ کہیں گے کہ جوانی میں کیا تیر مار لیا تھا۔ اب خود ہی انصاف کیجیے کہ جس نے جوانی میں تیر نہ مارا ہو بڑھاپے میں اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

پارسال ڈاکٹر تارا چند نے ایک آپ کا خط دیا تھا جس سے معلوم ہوا تھا کہ ایک تذکرہ آپ کو ایک دوست سے ملا تھا اور اس کا سر ورق اُنھوں نے الگ کر لیا تھا۔ اسی کے متعلق جو معلومات میں بہم پہنچا سکا اسی خط پر لکھ کر ڈاکٹر صاحب کو واپس کر دیا تھا۔ یقین ہے آپ کو وہ خط مل گیا ہوگا۔ آپ اس کتاب کو دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ کام کس نوبت پر ہے؟ والسلام

خیر طلب: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۶ راکتوبر ۱۹۴۴ء

—(۴۹)—

مخدوم مکرم

دونوں قلمی نسخے {(۱) اکھراوٹ، ملک محمد جائسی (۲) نیلا وتی، انتر جامی} پہنچے۔ ملک محمد کا کل کلام ہندی حرفوں میں "جائسی گرنتھاولی" کے نام سے رام چندر شکل نے شائع کر دیا ہے، جو ناگری پرچارنی سبھا بنارس نے شائع کیا ہے۔ پہلی بار یہ کلیات ۱۹۸۱ سمت میں اور دوسری بار ۱۹۹۲ سمت (مطابق ۱۹۳۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ ۲۷۱ صفحے کا مقدمہ ہے اور ۴۰۹ صفحے کا متن۔ اکھراوٹ ۳۴۲ صفحے سے شروع ہو کر صفحہ ۳۷۲ پر ختم ہوتی ہے اس میں (حاشیے پر) شرح بھی ہے۔ آپ نے جو کتاب بھیجی ہے اُس کا متن کسی قدر مختلف ہے۔

نیلاوتی کے متعلق ابھی دریافت کر رہا ہوں، ضروری مراتب معلوم ہوئیں تو آپ کے کل سوالوں کا جواب دوں اور کتابیں واپس کروں۔

ڈاکٹر محمد محمود صاحب نے اب تک "بگلا بھگت" کے دو نسخے جو میں نے مانگے تھے نہیں دیے۔ ان کے وعدے کو بہت دن ہو گئے۔ میں دس یا گیارہ نومبر کو دو تین دن کے لیے لکھنؤ جاؤں گا اور سید مسعود حسن صاحب کے مکان (دین دیال روڈ) میں ٹھہروں گا۔ اگر ڈاکٹر محمود صاحب لکھنؤ لکھ دیں کہ کتابیں بارہ نومبر تک سید صاحب موصوف کے گھر پہنچ جائیں تو وہ مجھے حفاظت سے پہنچ جائیں گی یا جن صاحب کو وہ لکھنؤ میں بتائیں وہاں پہنچ کر میں اُن صاحب

سے لے لوں۔ ذرا تکلیف کر کے یہ کام کر دیجیے۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۹ر اکتوبر ۴۶ء

(۵۰)

مخدوم کرم،

ایک لفافہ ۱۹ر دسمبر کا، ایک کارڈ اس کے ایک دن بعد کا لکھا ہوا، آگے پیچھے پہنچے۔ شکریہ اور پھر شکریہ۔

کل سے سارے دفاتر بند ہیں اب اگلے سال "نادرات شاہی" کے متعلق دریافت کر کے لکھوں گا۔

"نیلاوتی" اور اس کے مصنف کا کچھ حال ابھی تک نہیں ملا۔ ہندی والے بھی نہیں جانتے۔ مگر یونیورسٹی ۲ جنوری کو کھلے تو ایک کوشش اور کروں گا اور آپ کو نتیجے سے اطلاع اور کتابیں بھیج دوں گا۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد ۲۳ر دسمبر ۴۶ء

(۵۱)

مخدوم کرم،

آپ نے جو دو نسخے بھیجے تھے وہ واپس بھیج رہا ہوں۔ میری چھان بین کا نتیجہ یہ نکلا کہ "نیلاوتی" انترجامی [= انتریامی] کی نایاب ہے مگر نسخہ اب سے صرف ۶۰ برس (قمری) پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ شمسی کے حساب سے کچھ کم ۶۶ برس اس کی عمر ہوتی ہے۔ تصنیف اس سے پہلے کی ہوگی۔ شاعر کا نام نہیں معلوم صرف "انترجامی" لکھا ہے جو ظاہراً لقب ہے۔ اس لیے زمانہ متعین کرنا مشکل۔

بنارس کے ماہر کی (تصنیف کے متعلق) الٰہ آباد کے صدر شعبہ ہندی (یونیورسٹی) پروفیسر دھر کا خیال ہے کہ کتاب کی قیمت زیادہ سے زیادہ ۵۰ دی جا سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہندی قلمی نسخوں کے متعلق جتنی رپورٹیں شائع ہوئی ہیں اُن میں اس کتاب کا مطلقاً ذکر نہیں۔ کتاب کے مضمون کے بارے میں کہتے ہیں کہ جائسی کی پیروی نمایاں ہے۔ صوفی محبت کا راگ ہے مگر کوئی کہانی اس میں نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عشق نامہ ہے بلا عاشق و معشوق کے۔

دوسری جائسی کی "اکھراوٹ" ہے جو اس کے کلیات میں شامل ہے۔ جائسی کا کلیات ہندی خط میں ناگری پرچارنی سبھا، بنارس کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ میرے خیال میں دونوں کی یکجائی قیمت ساٹھ ستر تک مناسب ہوگی۔

وہ قاضی رفیع الدین (لکھنؤ) مجھ سے تقاضے پر تقاضا کیے جاتے ہیں۔ ادھر مہینے بھر سے تقاضا نہیں ہوا میں خوش ہوا کہ ٹکے مل گئے ہوں گے۔ کل پھر تقاضے کا خط پہنچا کہ روپیہ ابھی تک نہیں آیا۔ آپ خاص توجہ فرما کر اُن کا روپیہ بھجوا دیں مجھ پر بھی عنایت ہوگی اُن پر بھی۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۶ جنوری ۴۷ء

—(۵۲)—

واہ حضرت،

کوتاہ قلمی کا ملزم میں بھی کبھی کبھی ہوتا ہوں مگر آپ کا مرتبہ ماشاءاللہ بہت برتر ہے۔ وہ دو کتابیں ہندی کی جو واپس بھیجیں اُن کی رسید آج تک آتی ہے۔ خیر نہ سہی۔ کچھ وہاں کا حال لکھتے۔ کچھ یہاں کی خبر لیتے۔
وہ سُلطان اور وہ نصیرالدین حیدر کے دفتر دار الگ بگڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے تقاضوں سے قافیہ تنگ، نا طقہ بند ہے۔

"آج کل" میں آج پڑھا کہ وہ "باغ دو در" کے رکھوالے جن کا نام آپ نہیں بتلاتے تھے، کوئی سید وزیرالحسن ہیں۔ غلام امام شہید کو "اکبرآبادی" لکھتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ "شہید" نے روضۂ تاج گنج پر ایک نثر لکھی ہے! رسالے کے مدیر تو خود الٰہ آبادی ہیں اُنھیں بھی نہ یاد آیا کہ الٰہ آباد میں ایک "دائرہ امام شہید" بھی منجملہ کئی "دائروں" کے ہے۔
آگے کے صفحے پر جو غالب کی تضمین قدسی کی غزل پر دیکھی تو اُس میں ایک مصرع ملا "ساری کن دنمائی بمارا نجات" یا الٰہی یہ کون سی نئی بحر ہے؟ کیا غالب نظم آزاد بھی لکھ لیتے تھے؟ خیر غور کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے تین حرف اُچٹ گئے ہیں "ساری" نہیں "غمگساری" ہے۔ مگر یہ "بنمائی" یہاں کیا معنے دے گا۔ سمجھ لیا کہ کاتب صاحب نے اصلاح فرما دی ہے جن کو بچارے غالب رویا کرتے تھے۔ "بنمای" کی یہ گت بنائی گئی ہے۔
ایک مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے آثارِ قیامت کا کیا بیان کروں لوگ الحمد کو "الخمد" پڑھنے لگیں گے خیر عربی پہ قیامت تو ابھی اتنی قریب نہیں آتی دکھائی دیتی مگر ہم ہندیوں نے فارسی پر قیامت جلدی بُلا لی۔ والسلام۔
نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۸ فروری ۴۷ء

—(۵۳)—

کرم گستر،

۴، دسمبر ۴۴ء کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ۶، دسمبر کو مل گیا تھا۔ دوسرے ہی دن میں نے اشتیاق حسین صاحب ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر ڈاک میں ڈلوا دیا کہ ۱۹ صہ میں تینوں کتابیں دیتا ہوں تو کتابیں رام پور بھیج دو اور مجھے اطلاع دو کہ کتابیں بھیج دیں یا نہیں۔ اُس کا جواب آج تک آتا ہے۔ کچھ کھوئے ہوئے سے آدمی ہیں۔ اُن کا پتا صرف اتنا مجھے معلوم ہے کہ "رانی منڈی" الٰہ آباد میں رہتے ہیں۔
"فرہنگِ غالب" کی ابتدا کی خبر سُن کر بہت خوش ہوا تھا۔ دنوں اور ہفتوں کے گزر جانے سے وہ خوشی کا ولولہ سرد پڑ گیا۔ انتظار کی آگ اور تیز ہو گئی ہے۔ "دیر آید درست آید" کہہ کر دل کو بہلا دیا کرتا ہوں۔ مگر یہ کہاں تک؟

قاضی عبدالودود صاحب نے "خطوطِ غالب" کے تبصرے (معاصر) میں ایک جگہ صرف اتنا بتایا ہے کہ آپ نے اُنھیں اطلاع دی ہے کہ "سیک ملبر" یا "سکہ ملبر" فوج والوں کی اصطلاح ہے یہ اُس سے نہ معلوم ہوا کہ اِس اصطلاح کا مفہوم کیا ہے۔ براہِ کرم لکھیے۔ اِس اصطلاح کی بھی تشریح غالباً "فرہنگِ غالب" میں ہو گی۔ اگر یوں ہے تو علاحدہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کتاب ہی بھیجیے۔

رضی [الدین] نیشاپوری کا دیوان ضرور آپ کے کتاب خانے میں ہو گا۔ "خطوطِ غالب" صفحہ ۲۴۴ ملاحظہ ہو: "مطلع نکلا . . . . " مگر یہ مطلع نہیں ہے۔ فرد ہے۔ ردیف بھی یقینی طور پر معلوم نہیں "داریم" ہے یا "دارم"۔ دیوان دیکھیے تو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو کہ غالب نے "شعر" کی جگہ "مطلع" سہواً لکھ دیا یا کیا صورت ہے۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۹ جنوری ۴۸ء

(۵۴)

مخدوم میرے،

گرامی نامے کا اور "فرہنگِ غالب" کا بہت بہت شکریہ۔ یہ آپ نے کیا لکھا ہے۔ "کھویا ہوا سا ہوں" اِس فقرے نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ کچھ کھول کر کہیے تو تسکین ہو۔ یوں جانے کیا کیا خیال آتے ہیں اور ایک ایک کر کے اُن سب کو غلط کرنا پڑتا ہے۔ جبرانی وہی کی وہی۔ "سکہ ملبر" کی یہ تشریح تو میں بھی جانتا ہوں۔ قاضی صاحب نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔

- فرہنگ، صفحہ ۲۰۰ (حاشیہ): "یہی اعراب لغت فرس ۴ ۱۷" میں"۔ یہ "لغتِ فرس" کس کی تالیف ہے؟ اگر اسدی طوسی کی ہے تو اُس کے چھاپے کے نسخے میں متن کے کلھم ۱۲۰ صفحے ہیں۔ پھر اُس نے لفظوں کو ضبط نہیں کیا ہے۔ صرف لغت، معنی، شاہد سے کام رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ کوئی قلمی نسخہ ہو گا یا پھر کسی اور شخص نے اپنی تصنیف کو "لغتِ فرس" نام دیا ہو گا۔ اگر ایسا ہے تو اُس کا نام بتائیے۔

خوب یاد آیا۔ "دافع ہذیان" باوجود تلاش کے مجھے نہ ملی۔ غالباً آپ کے کتاب خانے میں ہے۔ ہو تو ہے اُس کے حجم سے اطلاع دیجیے یہ بھی لکھیے کہ کہاں اور کب چھپی تھی۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۶ جنوری ۴۸ء

(۵۵)

مخدوم مکرم

آپ کے گراں قدر تحفے "فرہنگِ غالب" کا شکریہ عرض کرتا ہوں۔ جس دن کتاب پہنچی اُسی دن لکھنؤ جا رہا تھا۔ اِس

لیے اتنی دیر میں رسید کی اطلاع دے رہا ہوں۔

لکھنؤ میں قاضی رفیع الدین فاروقی نے ایک بار پہلے مجھ سے منی آرڈر کا قصہ بیان کیا تھا مگر میں نے آپ کو لکھنا ضروری نہیں تصوّر کیا۔ خیال تھا کہ اب روپئے کی وصولی میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ لیکن پرسوں پھر معلوم ہوا کہ اُن کو روپیہ ابھی تک نہیں ملا۔ بیچارے آج کل بیمار ہیں اور سخت پریشان۔ آپ ہی ڈاک کے ڈاکوؤں پر پھر تقاضا کیجیے اور اُن کو اور مجھے اس قضیے سے رہائی دلوائیے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۸ جنوری ۴۸ء

—(۵۶)—

حضرت میرے،

آپ کا خط آیا۔ میں جواب لکھنے بیٹھا۔ گاندھی جی کے واقعے کی خبر اچانک آئی۔ وہ لکھنا پڑھنا رہ گیا۔ میں نے مناسب جانا کہ آپ کے خط کے جواب کو آئندہ موقع کے لیے اُٹھا رکھوں۔ کچھ دن بعد جواب لکھوں گا۔ اُس وقت تک کیا عجب کہ آپ کے خیالات میں کسی قدر تغیّر ہو جائے۔ ہیجان کے دنوں میں طبیعت کو سکون کی طرف مائل کرنے کی کوشش بہت کرنا چاہیے۔ بس اس وقت اسی قدر عرض کروں گا۔

آپ کا خط پہنچنے سے پہلے ہی میں نے ایک کارڈ لکھا تھا۔ ملا ہوگا۔ اُسی وقت میں رات بھر کے سفر کے بعد گھر پہنچا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ میں آپ کو اسدی کی لغت فرس کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ آپ کے اس خط نے اُس کو یاد دلایا۔ عباس اقبال کی کتاب کا اشتہار ایک بار کہیں دیکھا تھا اُس وقت یہ خیال نہ ہوا تھا کہ یہ وُہی لغت فرس ہے۔ اب اُس کی تفصیل معلوم ہوئی۔ براہِ کرم لکھیے کہ کہاں سے کس قیمت کو دستیاب ہو سکتی ہے۔ کتاب خانۂ دانش سے معاملہ کرکے اکثر پچھتانا پڑا ہے۔ دافع ہذیان کو نقل کروا دیجیے۔ اُجرت کتابت کی میں ادا کروں گا۔ سرکار پر بار کیوں پڑے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ یکم فروری ۴۸ء

اس وقت مولوی عبدالحق صاحب بھی یہیں ہیں۔ وُہی اطمینان وُہی خوش مزاجی وُہی قہقہے۔ کیا اچھی مثال سکونِ طبع کی ہے! کل صبح ہم دونوں یہاں سے روانہ ہوں گے۔ میں ایک دن کو علی گڑھ جا رہا ہوں۔ وہ اٹاوے میں ٹھہر جائیں گے دوسرے دن دِلّی جائیں گے۔

عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ یکم فروری ۴۸ء

—(۵۷)—

مخدوم نیازمنداں،

۴؍ کا کارڈ ملا۔ شکر ہے حالات وہاں سازگار ہیں۔ قاضی صاحب بیماری اور بڑھاپے کے سبب قابلِ رحم ہیں۔ یہ

تاخیر ان کے لیے اور بھی سخت ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ ڈاک خانے والوں کو یہ لکھ دیں کہ روپیہ منی آرڈر کا بھیجنے والے کو واپس دے دیا جائے۔ اور ریاست کی طرف سے اُن کو وہ روپیہ بنک ڈرافٹ یا چیک کے ذریعے بھیج دیا جائے۔ اس طرح بیچارے کی مصیبتوں میں کسی قدر کمی ہو جائے گی۔ براہِ کرم اس بات کا جواب جلد دیجیے گا۔

مسلمانوں کی اصلاحی کوشش میں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ نیچے سے نیچے طبقے میں بھی لکھنے پڑھنے کا رواج ہو جائے۔ جو لوگ کسی قدر تعلیم یافتہ ہیں ان کو آگے بڑھانے کی کوشش ہو۔ دُوسری بہت اہم چیز یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوئی فرد بیکار نہ بیٹھے جو پیشہ ممکن ہو اُسے اختیار کرے۔ اہلیت پیدا کرنے کے لیے جن ذرائع کی ضرورت ہو اُن کے لیے ضروری ادارے جلد سے جلد وجود میں لائے جائیں۔ جو غلط خیالات مسلمانوں میں شائع ہیں اُن کی بھی اصلاح نہایت ضروری ہے اِس کے لیے مختلف طبقوں میں الگ الگ سعی کی جائے۔ بہرصورت کام نچلے طبقوں سے شروع کیا جائے۔

"فرہنگِ غالب" کے متعلق جو بات ذہن میں آئے گی عرض کروں گا۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۶ فروری ۴۸ء

ڈاک خانہ سے تحریر سنٹرل ریونیو دہلی گئی ہے۔ منظوری آنے پر رقم واپس ہوگی اس معاملہ میں بالعموم تاخیر ہوتی ہے۔

(۵۸)

میرے کرم فرما،

آج کی ڈاک میں دافع ہذیان کی نقل وصول ہوئی۔ اس مہربانی کا نہایت شکرگزار ہوں۔

یقین ہے مزاجِ گرامی بخیر و عافیت ہوگا اور حالات بھی ناسازگار نہ ہوں گے۔ معلوم نہیں قاضی رفیع الدین صاحب کے زرِ مبادلہ کا کیا حشر ہوا۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۴ اپریل ۴۸ء

(۵۹)

مخدوم مکرم،

بہت دن سے آپ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی، پرسوں زیدی صاحب سے علی گڑھ میں ملاقات ہوئی مگر یونی ورسٹی کونسل کی نشست میں اتنا موقع نہ ملا کہ رام پور کے حالات تفصیل سے پوچھ سکتا۔ بعض باتیں اُن سے معلوم ہوئیں۔ اہم تھیں مگر میں کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ کتاب خانے کی کیا صورت ہوگی۔ آپ کچھ بتا سکیں تو بتائیے۔ یہ تو ایک عام بات ہوئی۔ خاص کر دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی خیر و عافیت۔ دُوسرے یہ کہ لغت فرس (مطبوعہ ایران) کے مقدمے میں لغت فرس کے کن قلمی نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ شرف الدین کو میں نے لکھا۔ جواب آیا کہ کوئی نسخہ باقی نہیں۔ دوبارہ ہم نے

ایران سے نسخے نہیں منگوائے۔ اس لیے کتاب الٰہ آباد نہیں منگوائی جا سکی۔ ایک اور بات یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کتابخانے میں شرف الدین علی یزدی کی تالیف "الحلل المطرزہ" کا کوئی نسخہ ہوگا۔ اُس کے مقدمے میں عروض وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ براہِ کرم وہ حصّہ نقل کرکے بھیج دیجیے جو دال اور ذال اور مختفی ہی سے متعلق ہے۔ مجھے ایک نسخہ ہاتھ آیا تھا مگر اُس میں سے مقدمے کا حصّہ سراسر غائب ہے۔ اصل کتاب کا بحث معمّا ہے سرسری طور پر اُسے دیکھا اس خیال سے کہ شاید اس میں ضمناً کچھ ذکر آگیا ہو۔ نہیں ملا۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۴ رمئی ۴۹ء

معارف میں آپ کے مضمون کا سلسلہ دل چسپ ہے۔ مئی کا پرچہ اب پڑھوں گا۔

——(۶۰)——

مخدوم مکرم،

۲۳ رنومبر کے الطاف نامے کا شکریہ۔ مایوسی ہوئی کہ آپ کے ہاں بھی بیاؔن کا دیوان نہیں۔ پٹنے اور علی گڑھ میں نہیں، حیدر آباد میں ہو تو ہو۔ میرے پاس آصفیہ کی صرف ایک فہرست ہے اور ایک فہرست جامعہ عثمانیہ کے کتاب خانے کی ان دونوں میں تو نہیں ہے۔ آصفیہ کی اور فہرستوں کے متعلق وہاں کسی کو لکھ کر پوچھوں گا۔ آپ کو خط بھیجنے کے بعد میں نے تذکرۂ حسن کا پہلا ایڈیشن (انجمن ترقی اُردو) جو دیکھا تو اس میں "پیچ نامہ" ہی نکلا۔ "بیان" کے ایک شاگرد تفضّل رائے گلاب چند ہمدم اور "دیوانِ ہمدم" کے دیباچے میں "بیان کی وفات کا یہ قطعۂ تاریخ درج ہے:

"ماہ صفر ز جمعہ از دھر چوں بیان رفت — صد نالہ از تہ دل تا اوج آسمان رفت

تاریخ رحلت او ہمدم چو جستم از دل — نالید و گفت ہاتف، اُستاد از جہاں رفت"

(۱۲۱۳)

یہ یادداشت ایک جگہ لکھی ہوئی مجھے ملی ہے۔ اور صرف مادۂ تاریخ آپ نے بھی نقل کیا ہے (دستور ۸۳) ہمدم کا ذکر کسی تذکرے میں مجھے نہیں ملا۔ تلاش میں ہوں۔ سودا کے کلیات (نولکشور) میں دو ثمنیاں ایسی ہیں جو بیان کے دیوان میں بھی ہیں۔ ان میں ایک سودا کے ہاں ۸ اشعر کی ہے اور ظاہراً ناتمام ہے۔ بیان کے ہاں پوری ہے اور کل ۲۳ شعر ہیں۔ باقی تفاصیل کے لیے کچھ توقّف کرنا ہوگا۔ والسلام۔

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۸ رنومبر ۴۹ء

——(۶۱)——

مخدوم مکرم، دیوان بیان کا بیشتر حصّہ دیکھ لیا۔ دیوان اس قدر مختصر ہے کہ پہلی نظر میں مجھے خیال ہوا تھا کہ شاید انتخاب

ہے مگر جب غور کیا تو اس کا امکان کم نظر آیا۔ غزل عموماً پانچ شعر کی ہے۔ سات شعر کی بہت کم اور نو کی اس سے بھی کم۔ رباعیاں کچھ ہیں۔ قصیدہ، مخمس، مثنوی، مرثیہ ایک ایک دو دو اور مختصر۔ ایک واسوخت بھی ہے۔ ایک آدھ اور چیز۔ یقین ہوتا ہے بیانؔ رو دُماد کو ناپسند کرتا تھا۔ نفیس مزاج آدمی تھا۔ طول پسند خاطر نہ تھا۔ گیارہ سطری مسطر کے کلھم ۶۸ ورق ہیں۔ اس کا بھی ثبوت میں نے بہم پہنچایا ہے کہ میرا نسخہ اصلاح شدہ ہے۔ غالباً شاعر نے اپنے کلام میں سے نظرِ ثانی کے وقت کچھ شعر کاٹ دیے ہیں جو تذکروں میں ملتے ہیں لیکن اس دیوان میں نہیں ہیں۔ کہیں کہیں شعر کو درست کر کے بلند تر کر دیا ہے۔ نظام علی خاں کی مدح میں ایک قصیدہ در مدح سالگرہ اور ایک غزل، ایک قطعہ اُن کی مدح میں، اور ایک یا دو رُباعیاں۔ ایک مطلع دُعائیہ۔ اپنے خداوند نعمت کو یوں ٹرخاتا ہے۔ میں نے حیدر آباد میں دوستوں کو لکھا اب تک نہ وہاں سے دیوان کا نسخہ ملا نہ کچھ بیانؔ کے وہاں کے قیام کے زمانے کا حال دریافت ہوا۔ وہاں لوگ آج کل آشفتہ پریشان ہیں۔ غرض کہ اس وقت تک تو ایک میں ہی ہوں کہ یہ نادر چیز رکھتا ہوں۔ دیوان میں بڑی دلچسپی کی یہ دو مثنویاں ہیں جو سودا کے نول کشوری کلیات میں دھری ہوئی ہیں۔ یہ سودا کی نہیں ہو سکتیں۔ اس میں ایک وہی چیک نامہ ہے جو کلیات سودا کے ص ۲۰۲ پر "ہجو چیک میرزا فیضو" کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ آخر میں سودا کا نام کس بے جوڑ طور پر لایا گیا ہے! مصرع یوں ہے:

"جوں بیاںؔ کرتا ہے قصہ مختصر"

دُوسری مثنوی ہے "تعریف چاہ مومن خاں"۔ کلیات میں کل ۱۸ شعر ہیں۔

غالباً کلیات سودا کے مرتب نے مہربان کے بہت سے مرثیوں وغیرہ کی طرح یہ مثنویاں بھی سودا کے نام ٹانک دیں۔ اب مہربانی فرما کر اپنے ہاں کے نسخ ہنگامانہ کو ملاحظہ کر کے یہ لکھیے کہ اُن میں سے کسی میں سودا کے نام یہ چیزیں لکھی گئی ہیں؟ اگر ہیں تو وہ نسخہ کب کا اور کس کا کتابت کیا ہوا ہے، یہ بھی عرض کر دوں۔ یہ مصرع "کون بھڑوا الخ (ص ۲۰۳ ح) بیانؔ کے ہاں یوں ہے: "ہم نہیں کھانے کے کچھ غیر از شکار۔"

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۰ دسمبر ۴۹ء

—(۶۲)—

مخدوم مکرم،

آج صبح سویرے ناگ پور سے واپس آیا۔ تھوڑی دیر بعد گرامی نامہ صادر ہوا۔ آپ کی مہربانی کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے اس تفصیل کے ساتھ سوداؔ کے مصطفائی کلیات کا حال لکھنے کی زحمت فرمائی۔

رائے گلاب چند ہمدمؔ (شاگرد بیان) کا دیوان ہاتھ آگیا ہے ۳۰۷ ورق / ۱۵ سطری مسطر کی قلمی کتاب ہے۔ بہت صاف نستعلیق میں لکھی ہوئی۔ مگر افسوس کیڑوں نے اسے بھی نہ چھوڑا۔ خاص کر اُس قصیدے کو مجروح کیا ہے جو "مدحِ اُستاد" میں ہے۔ پہلے تین شعر پورے پڑھے نہیں جاتے۔ اِسی وقت کتاب میرے ہاتھ میں آئی ہے۔ کوشش کروں گا کہ کچھ

لفظ قیاس سے نکل آئیں۔ دو تین بیت لکھتا ہوں:

لکھ ثنا گر چاہتا ہے حضرت استاد کی ۔۔۔ تا ترے دل کی نہ دل ہی میں ر[ہے] یہ آرزو

کون یعنی احسن الدین خاں بہادر کی جناب ۔۔۔ ہے بیاں جس کا تخلص فخر ذی [ ] کو

بے نظیر و عصر عالی طبع والا منزلت ۔۔۔ نکتہ سنجان [جہا]ں کو ہے اسی سے آبرو

گو بظاہر صورتِ انساں ہے وہ عالیجناب ۔۔۔ لیک باطن میں ملک سیرت ہے [ ] ہو بہو

۲۸ بیت کا قصیدہ ہے جس میں تین مطلعے ہیں۔

دیباچے میں سے یہ سطریں ملخصاً یہاں درج کرتا ہوں:

"آداب حمد و ثنای سخن آفرینکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و تسلیمات نعت متوافرہ شایان جنابی کہ دیوان قدرت عنوان ایجاد را ذاتش مطلع بودہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بادشاہ دین پناہ قدر دان، قدرشناس جوہر ہنرمندان آصفجاہ رستم دوران میر نظام علی خان وست [ ] وفت حسن اخلاقش اہل ہنران جہان را خلعت تفاخر دربر لطافت گرامی اشفاقش زمان بکامیابی مقاصد مشتہر علی الخصوص ذات منتظم الصفات نواب معلی القاب شمس الدولہ شمس الامرا بہادر سوائی تیغ جنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دریں روزگار فیض آثار ذات بابرکات رونق افزاے بزم سخنوری و زیب بخشای انجمن ہنر پروری سرآمد سخن آرایان جہان استاد زمان احسن الدین خان بہادر بیان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیاس از فیض بخشی کلامش از حال من ناتوان توان گرفت از روزیکہ این اضعف العباد خان ذوالکرام مسمّی بہ رائے گلاب چند ہمدم بہ ولولۂ شوق سخن پردازی باستنباط انوار فیوضات آن صدر نشین محفل دانشوری کامیاب گردیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آغاز این گلدستۂ گلستان سخنوری در ایام رونق افزای معسکر فیروزی بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد بوقوع آمدہ اگرچہ آرزوی دلی و تمنائی قلبی این نیازمند ازلی ہمگی این بود کہ این نسخۂ موزون بحیات آن خان موصوف مرتب با تمام شدہ از نظر والای شان مجلی و مزین می گشت لاکن ہنوز این مجموعۂ اشعار حسن ترتیب نیافتہ بود کہ دیباچۂ عمر آن سرآمد فضلای روزگار بہ ختم رسید غفر اللہ تعالیٰ عنہ این کمترین بالہام ملہم غیبی کو ہر اعداد وفات آن بر در چنین در سلک نظم کشیدہ

قطعۂ تاریخ

ماہِ صعنر بجمعہ از دہر چون بیان رفت ۔۔۔ صد نالہ از تہِ دل تا اوجِ آسمان رفت

تاریخ رحلت او ہمدم چو جستم از دل ۔۔۔ نالید و گفت ہاتف استاد از جہان رفت

۱۲۱۲ھ

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سال انتظام این کتاب بعون و تائید ایزد کریم الوہاب بعنوان غریب در فقرۂ تاریخ و ماہ کہ یازدہم جمادی الاوّل دیوان مرتب شدہ تحریر یافت"

۱۲۱۵ھ

اِن عبارتوں کو پڑھ کر کیا شبہ ہو سکتا ہے ؟ بیاں کی وفات کا سال ۱۲۱۳ھ ہی ہے۔

اِس قلمی نسخے کے اوراق میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاغذ کا رکھا ہوا ہے۔ کیڑوں نے اُسے بھی جا بجا سے چاٹ لیا ہے۔ قلم جلی ہے اِس لیے کیڑوں کی نقشہ کشی ایسی نہیں کہ عبارت پڑھنے میں دقت ہو۔ نقل مطابق اصل:

تمام شد کتاب دیوان رای گلاب چند متخلص بہ ہمدم در مطبع
سرکار فیض آثار نوابصاحب قبلہ خدا وندا یکان خداوند امیر کبیر شمس الامرا
شمس الملک شمس الدولہ ابوالخیر خان بہادر ناصر جنگ بہادر در شہر
ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۰ھ ہجری نبوی طبع شد۔

اس پرچے کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ مطبع کے کاتب کو یہی نسخہ دیا گیا تھا اور یہ پرچہ الگ سے لکھ کر اُس وقت طباعت کے منتظم نے اُسے دیا کہ کتابت ختم ہونے کو تھی ؛ اِس مُراد سے یہ پرچے پر لکھی ہوئی عبارت کتاب کے خاتمے پر لکھی جائے۔ چھاپے کا نسخہ اگر کبھی مل جائے تو غالب کہ اُس پر یہی الفاظ لکھے ملیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ نسخہ مستند معلوم ہوتا ہے اور بیان کی وفات کا جو سال اس میں لکھا ہے اُس میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ والسلام۔

نیازمند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۲ر جنوری ۵۰ء

—— (۶۴) ——

مخدوم مکرم،

۱۹ر جنوری کا مہربانی نامہ ملا۔ شیخ چاند بیچارے نے عمر ہی کیا پائی۔ ۱۹۲۱ء میں ایف۔ اے کی پہلی جماعت میں داخل ہوا تو کسی طرح ۱۸ برس سے زیادہ اُس کی عمر نہ ہوگی۔ ۱۹۳۰ء میں ایم۔ اے کیا۔ تھا جوہر قابل مگر مقالے پر غالباً نظرِ ثانی بھی نہ کر سکا کہ پیامِ اجل آپہنچا۔ میرے خیال میں مرحوم کو کچھ سہو ہوا۔ قاسم نے مجموعۂ نغز میں لکھا ہے کہ حکیم اصلح الدین نے دیوان سودا کا دیباچہ لکھا (ج ۱، ص ۳۰) مطبوعہ کلیات میں دیکھا " دیباچہ تصنیف یکی از تلامذہ الخ " یقین کر لیا کہ دیباچے اور قصیدے والا تلمیذ اور قاسم کا اصلح الدین خان، ایک ہی شخص ہے۔ " اقلیم معانی میں ہے راقم تراڈنکا الخ " سے صاف ظاہر ہے کہ راقم تخلص ہے۔ اگر یہ اُن کو کسی ذریعے سے معلوم ہوا ہوتا کہ اصلح الدین " راقم " تخلص کرتے تھے تو اُس ذریعے کا حوالہ دینا چاہیے تھا۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ نام چوں کہ " تلمیذ " کا ظاہر نہیں کیا گیا اُس نے نہ چاہا ہوگا کہ عام طور پر مشہور ہو، اس لیے یہاں " راقم " لکھ دیا اور اپنے کلام میں کچھ اور تخلص استعمال کرتا تھا۔ اگر آپ نے ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ یہ قصیدہ بر ندا ابن راقم کا ہے تو ظاہر ہے کہ شیخ چاند نے دھوکا کھایا اور بیان میں غلط بحث بھی کر دیا۔ نولکشوری نسخے کے صفحہ ۴۲ پر یہ شعر ہے۔ آمنہ خاتون نے تحقیقی نوادر کا نسخہ بھیجا ہے۔ رسید لکھ دی تھی۔ اب

تفصیل سے اُن کو لکھوں گا تو یہ بھی پوچھوں گا کہ یہ کیا کیا؟ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد - ۲۱ جنوری ۵۰ء

—(۶۴)—

حضرت،

میں جو ایک کارڈ اس سے پہلے لکھ چکا ہوں اس میں بات تشنہ رہی۔ مجھے اہر جاتا تھا کارڈ ختم کرنے کی جلدی تھی ایک صاحب یکایک آ گئے جوں توں اسے ختم کر کے ڈاک میں بھجوا دیا۔ اب لوٹ کے آیا ہوں اور یہ دوسرا کارڈ لکھ رہا ہوں۔ میرے پاس صرف نول کشور کا نسخہ ہے۔ دو تین قلمی نسخے دیکھ چکا ہوں اُن میں یہ چیزیں سرے سے ہیں ہی نہیں۔ نول کشوری اسی "مصطفائی" کی نقل ہے جو آپ کے پاس ہے۔ کارخانے کے تقریظ نگار تسلیم سہسوانی کا دیباچہ ص ۵ کی تیسری سطر کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ چوتھی "بسملہ" پانچویں سے "سطرے چند بطور دیباچہ تصنیف کی از تلامذۂ غا. . . . ." یہ دیباچہ ص ۶ س ۴ حاشیہ پر ختم ہوتا ہے اور قصیدہ شروع ہوتا ہے "کیا حضرت سودا نے کی اے مصحفیِ تقصیر" اور اس قصیدے کا اخیر مصرع "لعنت کا گلے طوق رہے پانوں میں زنجیر" ص ۳۳ (حاشیہ) کی سطر ۱ ہے۔ اگلی سطر "خاتمہ قصیدہ تمیذ سودا" پھر اس خاتمے کی عبارت ۷ ویں سطر پر ختم ہوئی ہے اور اسی میں کہا گیا ہے کہ اب رسالہ عبرۃ الغافلین درج کیا جاتا ہے یہ رسالہ ص ۱۷، س ۴ پہ ختم ہوتا ہے۔ یہاں تک اصلح الدین خاں سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس کے بعد ہی ایک دیباچہ ہے۔ اس میں حمد و نعت کے بعد ہے "صریر کلک فقیر عزلت گزین اصلح الدین بگوش اہل نیوش میرساند این دیوان رفیع بنیان . . . میرزا محمد رفیع سودا رحمۃ اللہ تعالیٰ است کہ از بام ریختہ کار . . . . ."

یہ دیباچہ ہے جو اصلح الدین کا لکھا ہوا ہے اور ص ۳۷، س ۶ پر ختم ہے اس کے بعد سودا کے قصائد (یعنی اصل کتاب) کا آغاز ہے۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد - ۲۱ جنوری ۵۰ء

—(۶۵)—

مخدوم میرے،

انشاء اللہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ آپ کے کتاب خانے میں سعید اشرف ماژندرانی کے دیوان اور کلیات کے متعدد نسخے ہوں گے۔ اس کی مثنوی "قضا و قدر" میں بعضے تذکروں نے لکھا ہے کہ ۷۰۰ بیت ہے۔ معلوم نہیں یہ عدد تخمینی ہے یا واقعی۔ میری نظر سے ایک نسخہ گزرا خوش خط اور سالم۔ اس میں یہ مثنوی ۵۱۹ بیت پر مشتمل ہے۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ اس کے کاتب نے کچھ شعر چھوڑ دیے ہوں۔ کتاب میں غزلیں، قصیدے، قطعے، رُباعیاں،

مثنویاں، فرد، سب کچھ ہے۔ ۲۸۰ ورق کل حجم ہے صفحہ گیارہ سطری ہے۔ براہِ کرم وہاں کے نسخوں کی ضخامت سے اطلاع دیجیے گا۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۲/ اکتوبر ۵۰ء

—(۶۶)—

مخدوم مکرم!

۱۹/ اکتوبر کا گرامی نامہ نہ صرف مسرت کا بلکہ اطمینان کا بھی موجب ہوا۔ آپ کی شکایت سر آنکھوں پر۔ البتہ اشرف ماژندرانی کے دیوان کے نسخے کمیاب ہیں۔ میں نے یہ اوّل بار اُس کا دیوان دیکھا ہے۔ ایک صاحب الہ آباد کے قریب کے رہنے والے جو بیچارے پریشان حال ہیں میرے پاس چار پانچ کتابیں لائے۔ میں نے اُن سے وعدہ کر لیا کہ ان کے بکوانے کی کوشش کروں گا۔ کتابیں یہ ہیں:

۱۔ دیوان سید اشرف۔ نسخہ سالم ہے۔ حجم ۲۸۰ ورق، تقطیع معمول سے بڑی۔ صفحہ گیارہ سطری۔ خط اچھا نستعلیق، جدول شنگرفی اور سبز۔ کاغذ مضبوط ہے اور مہین۔ کتابت کی تاریخ یا کاتب کا نام نہیں ہے یہ نسخہ کتاب خانے میں رکھنے کی چیز ہے۔ مالک کے خیال میں تو ہزاروں کی چیز ہے۔ میں نے اُسے سو روپے پر راضی کر لیا ہے مگر اور لوگ بھی تاک میں ہیں۔

۲۔ مجموعہ (۱۳ رسالوں کا)، (۱) رسالۂ حقیہ، (۲) مراتب ستہ (۳) مرآۃ المحققین محمود شبستری، (۴) من مناہج السالکین از شاہ محمد اکرم، (۵) وجود العاشقین از سید محمد گیسو دراز (۶) رسالہ در مراتب عالیہ (۷) مراتب الوجود، (۸) مراتب ستہ از مولانا جلال الدین (۹) مراتب ستہ، مولانا جامی، (۱۰) مراتب ستہ مع رسالہ از حضرت فضل اللہ، (۱۱) ایضاً از مولوی جامی، (۱۲) مراتب ستہ (نظم) از غلام فرید، (۱۳) رسالۂ حق نما۔ [کل ۱۱۵ ورق]۔

ترقیمہ:—

"این رسالہ حق نما باشد تمام ‏ ‏ ‏ از ہزار و نود و شش باشد کلام
ہست از قادر بدان از قادری ‏ ‏ ‏ آنچہ ما گفتیم فافہم والسلام تم تم"

خط صاف ہے۔ کیڑوں کی تاخت متن کے حوض تک کم بلکہ بہت کم پہنچی ہے۔ کتاب اچھی حالت میں ہے۔ نئی جلد کی ضرورت مثل ملا کے اس کے لیے بھی ہے۔ قیمت میری رائے میں ۳۰ اور ۴۰ کے درمیان ہونا چاہیے۔

۳۔ دیوان بیدل۔ رواں، صاف، پختہ خط۔ کیڑے کا اثر بہت ہی کم۔ آخر میں صرف ۶ رباعیاں ہیں۔ اور نسخہ "ایکا ایکی" ختم ہو گیا ہے۔ ۱۵ یا ۲۰ روپے مناسب ہوں گے۔ باقی ایک قلمی ایک چھاپے کی کتاب اس قابل نہیں کہ کتاب خانے میں رکھی جائے۔

خلاصہ یہ کہ ڈیڑھ سو میں سودا بُرا نہیں ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو اُن کو اطلاع کر دوں۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ قیمت فوراً ملنی چاہیے۔ آپ کے دفتر کی جانچ پڑتال کے قاعدے قواعد اور ادائی کے دستور کے باعث جو دیر ہوتی ہے اُس کا کچھ مداوا بھی ہے؟ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۲ر اکتوبر ۵۰ء

——(۶۷)——

مخدوم مکرم،

دستور الفصاحت (متن) ص ۷ کے حاشیے میں آپ فرماتے ہیں: "اما مستبعد نیست ...... در "آہ" یک الف اختیار کردہ باشند۔" مگر "آہ صد حیف شاہ حاتم مرد" میں سے ۱۱۹۷ "آ" کا ایک ہی عدد لینے پر برآمد ہوتے ہیں نہ کہ ۲ عدد فرض کر کے۔

اُمید ہے مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔

دیوان اشرف کے مالک کو جلدی تھی انتظار نہ کر سکے۔ خیر ایک اور جگہ وہ نسخہ بک گیا جہاں محفوظ رہنے کی اُمید ہے۔

——(۶۸)——

مخدوم مکرم،

سمجھ میں نہیں آتا وہ لفظ کہاں سے لاؤں کہ کچھ کلمے تعزیت کے کہوں۔ البتہ آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ہے۔ اس خبر سے جو قلق مجھے ہے میں ہی جانتا ہوں۔ خدا آپ کو صبر عطا کرے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، پھر بھی اس دُنیا کے رہنے والوں کو صبر مشکل ہی سے آتا ہے۔

میں الٰہ آباد سے باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ اسی سبب سے یہ تاخیر ہوئی۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۸ فروری ۵۱ء

——(۶۹)——

مخدوم مکرم،

لامیۃ الہند کے تحفے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے حسب عادت یہ کام بھی ایسا کیا ہے جسے دیکھ کر جی خوش

ہو جاتا ہے۔ اُمید ہے مزاجِ عالی قرینِ عافیت و صحت ہو گا۔

آپ کے کتاب خانے کا میزانیہ تو اب درست ہو گیا ہو گا۔ اگر کتابوں کی خریداری کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا تو دو ایک نسخے جو بعض لوگ الگ کرنا چاہتے ہیں اُن کا حال آپ کو لکھوں۔

مصر کے کُتب فروشوں سے آپ کے تعلقات ہوں گے۔ تقریباً دو برس ہوئے وہاں "المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم" لابی المنصور موہوب بن احمد بن محمد بن الخضر الجوالیقی کو کسی صاحب نے ایڈٹ کر کے چھپوایا ہے۔ بمبئی کے کُتب فروشوں کو لکھا ایک نے منگوا دینے کا وعدہ کیا مگر پانچ مہینے کی مہلت مانگی۔ نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ ایڈورڈ زخاؤ نے اس کتاب کو ۱۸۶۷ء میں لائپزگ میں شائع کیا تھا اور اُس کا نسخہ میرے پاس ہے لیکن کتاب میں کئی جگہ خرم ہے۔ نیا مصری ایڈیشن میرے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کوشش کریں شاید کامیابی ہو۔ والسلام۔

نیاز مند : عبدالستار صدیقی ، الٰہ آباد - ۱۴ / مئی ۱۹۵۱ء

—(۷۰)—

مخدوم میرے،

۴ / جون کا الطاف نامہ کئی دن ہوئے ملا تھا۔ اس سال کی گرمی نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ کل کچھ آندھی کچھ مینہ نے آکر رنگ بدل دیا۔ حواس بجا ہوئے آج یہ خط لکھنے کی ہمت پڑی۔ المعرب کے لیے آپ کی سعی کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس اشاعت کو احمد محمد شاکر القاضی الشرعی نے ترتیب دیا ہے اور مطبعۃ المعارف میں چھپی ہے۔

یورپ کا مطبوعہ نسخہ میں نے آپ کو یہاں دکھایا تھا۔ اسکوریال (ہسپانیا) میں جو نسخہ ہے سب سے پُرانا اور سندی ہے۔ اُس کا عکس میں نے جنگ سے پہلے منگوا لیا تھا۔ اُس کے علاوہ ایک نسخے کا حلب میں پتا لگا تھا۔ اُس کی قلمی نقل بھی حاصل کر لی تھی اور بھی بہت مواد میں نے جمع کیا ہے۔ اسی لیے میں احمد محمد شاکر کے مطبوعہ نسخے کے لیے بے چین ہوں۔ پارسال سعید نفیسی یہاں آئے تھے۔ اس نسخے کی بہت تعریف کرتے تھے مگر شنیدہ اور دیدہ میں بڑا فرق نکلا کرتا ہے۔ یورپ کا چھپا ہوا نسخہ بہت ناقص ہے۔ والسلام

نیاز مند : عبدالستار صدیقی ، الٰہ آباد - ۱۶ / جون ۱۹۵۱ء

ہاں صاحب ، آپ کے کتاب خانے میں دیوانِ ذوق (مرتبہ آزاد) کا پُرانے سے پُرانا چھپا کس سال کا ہے؟ میرے پاس بہت بعد کا چھپا ہوا دیوان ہے۔ بعض مقامات کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔

—(۷۱)—

مخدوم مکرم ، وہ جو بارش کا حال میں نے لکھا تھا وہ دولتِ مستعجل ثابت ہوئی۔ اب پھر گرمی کا دور دورا ہے

میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ شاید ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء تھا۔ پڑوس میں ایک صاحب کے ہاں دیوان ذوق (آزاد) تھا۔ خاصا صاف چھپا تھا۔ غالباً ابراہیم کا اشتہار بھی اُس میں تھا۔ مطبع عجب نہیں کہ "اسلامیہ" ہو۔ ٹھیک یاد نہیں۔ اب میرے پاس ۱۹۲۲ء کی اشاعت کا نسخہ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء والی اس اشاعت کے کاتب نے کہیں کہیں سہو بھی کیا ہے۔ کچھ شعر یہاں لکھتا ہوں اگر اختلاف ہو تو صرف اس اختلاف کو لکھ بھیجیے۔ ممنون رہوں گا۔

۱۔ کھینچ کر عشقِ جفا پیشہ نے شمشیرِ جفا پہلے اک ہاتھ مجھی پر تھا ازل میں مارا
۲۔ عشق کا جوش ہے جب تک کہ جوانی کے ہیں دن یہ مرض کرتا ہے شدت انھیں ایام میں خاص
۳۔ پھر دل میں آہ سرد ہوئی میرے شعلہ رو تو پھر بھڑک اٹھا یہ فتیلہ چراغ کا
۴۔ دیکھتا اُس بتِ مغرور کا گر جاہ و جلال کبھی فرعون نہ دعوائے خدائی کرتا
۵۔ فرہاد ضربِ تیشہ سے ہے سخت ضربِ غم سچ پوچھیے تو چوٹ ہمیں نے کڑی سہی
۶۔ فائدہ کیا کہ جو دیکھی کتاب ہر ملت (مشہور قصیدہ، شب کو میں اپنے سرِ بسترِ خواب راحت)
۷۔ تو اُس سے ایسی ہوں اشکال ہندسی پیدا مٹا دے دیکھ کے اقلیدس اپنی سب تحریر

والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲، جون ۵۱ء

—(۷۲)—

مخدوم میرے،

۲۸، کا الطاف نامہ ملا۔ مجھے شرمندہ کیا۔ "پیری و صد عیب" یہاں صد کا لفظ اپنے حقیقی معنے میں نہیں۔ مُراد ہے بہت یعنی ہزار لاکھ کروڑ۔ اور آج کل کی مغربی اصطلاح کے مُطابق ملین بلین، یہ سب کچھ اس "صد" کی لپیٹ میں آگیا۔ میں بھی اسی لپیٹ میں ہوں۔ لکھنا چاہتا کچھ ہوں قلم سے کچھ اور ہی نکلتا ہے۔ لکھنا تھا۔ "فتیلہ بجھا ہوا" لکھ گیا: "فتیلہ چراغ کا"۔ "شعلہ ور" لکھنا چاہیے تھا، "شعلہ رد" لکھ گیا۔ اور اس زمین میں کوئی غزل ہے ہی نہیں۔ آپ کو شعر کہاں سے ملتا۔ دیوان ذوق (مرتبۂ آزاد، مطبوعہ ۱۹۲۳ء) کے صفحہ ۶۹ پر یہ غزل ہے اور آزاد نے یوں تقریب کی ہے: "پرانی غزل تھی، میرے سامنے نظرثانی کی"۔ بانی طبیب دے گا ہمیں کیا بجھا ہوا الخ۔ کل صبح سے یہاں بارش کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑتی تھی، ہوا گوارا تھی۔ آج صبح کے دو بجے سے مینہ نے زور باندھا۔ لگاتار برس رہا ہے اور اب پونے گیارہ بجے ہیں یعنی ۹ گھنٹے ہو چکے، تھمنے کے آثار نہیں۔ "پھر دل . . . . . شعلہ ور . . . . . فتیلہ بجھا ہوا" چوتھا شعر ہے۔ حافظ دیوان، ظہیر اور انور کا ترتیب دیا ہوا

دیوانِ ذوق میرے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۵ پر یہ جملہ ہے۔ یہاں تو "فیلا" (الف سے) لکھا ہوا ہے لیکن اس کتاب کے صحت نامے میں اسے غلط بتا کر صحیح کے خانے میں "فیلتا" درج کیا گیا ہے۔ آپ کو جوان شعروں سے مقابلے کی زحمت میں نے دی ہے اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ ۱۹۲۲ء کے چھپے ہوئے نسخے کے کاتب نے تو کہیں ردّ و بدل نہیں کر دی۔

براہِ کرم یہ بھی لکھیے گا کہ آپ کا دیوانِ ذوق مرتبۂ آزاد کب کا چھپا ہوا ہے اور کس مطبع کا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۳۰ جون ۱۹۵۱ء

—(۷۳)—

مخدوم کرم،

انشاء اللہ مزاجِ سامی قرینِ عافیت ہوگا۔ دیوانِ ذوق کے بعض مقامات کی قرأتوں کا شکریہ قبول فرمایئے۔ گرمی کی شدت چلی جا رہی ہے۔ بارے کل اور آج قدرے کمی رہی۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ جون کی آخری تاریخوں اور جولائی کے اوائل میں یعنی چار پانچ دن کے اندر الٰہ آباد میں نو انچ مینہ برس گیا۔ مجھے مختلف ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سہارن پور سے اور میرٹھ سے لے کر لکھنؤ، کان پور بلکہ الٰہ آباد کے بعض مضافات تک میں بارش بالکل نہیں۔ الٰہ آباد میں اس ۹ انچ کا اب بہت کم اثر رہ گیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد جو بارش کا سلسلہ بکایک بند ہوا تو اب بادل تک دکھائی نہیں دیتے۔ دھان جو بویا گیا تھا خشک ہو رہا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ بادل جو ہلکے ہلکے کبھی آ نکلتے ہیں انھیں ہوا اڑا لے جاتی ہے۔

آج "معارف" (جولائی) ملا۔ اس میں ایک مضمون محمد علی خاں اثر رام پوری کا "کرم خان رامپوری اور ان کا کلام" (ص ۵۵۔۶۸) دیکھا۔ صفحہ ۵۸ میں کرم کے کلیات کی تفصیل درج ہے جس میں ایک مثنوی "سوداگر بچہ و وزیر زادی" بھی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس مثنوی میں ۳۲۰ شعر ہیں۔ تمہید میں محمد علی خاں صاحب نے یہ بھی بتایا ہے کہ کلیاتِ کرم کا قلمی نسخہ انھوں نے رام پور کے سرکاری کتاب خانے میں دیکھا۔ "انتخاب یادگار" (امیر) سے کرم کا سالِ وفات ۱۲۵۳ھ (مطابق ۱۸۳۶ء) نقل کیا ہے۔ جس کی تصدیق میں ایک قطعۂ تاریخی بھی نقل کیا ہے۔

۱۔ میں آپ کی تصدیق بھی چاہتا ہوں۔

۲۔ مثنوی کے چند ابتدائی اشعار (حمد و نعت میں) نقل کیے ہیں (ص ۶۷) لیکن قصے میں سے کوئی بیت نہیں لکھی۔ براہِ نوازش قصے کے آغاز کے پانچ سات شعر اور چار چار پانچ پانچ شعر بیچ میں سے اور آخر کے نقل کر بھیجیے۔

۲۔ اور کوئی بات جو کریم اللہ خاں کرم یا اس مثنوی کے متعلق آپ ضروری خیال فرمائیں لکھیے گا۔

میرے پاس کچھ قلمی کچھ مطبوع مسالا اس قصے کے متعلق جمع ہے اور اُسے جلد ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ عجب نہیں اُس سلسلے میں یہ بھی ایک اچھی کڑی ثابت ہو۔ والسلام۔

نیاز مند، عبدالستار صدیقی' الہ آباد۔ ۱۷ر جولائی ۵۱ء

اگر کرم نے قصے کا ماخذ بتایا ہو تو اس سے بھی مجھے آگاہ فرمائیے گا۔

پھر "کلیاتِ کرم" کی کتابت کی تاریخ سے بھی واقف ہونا چاہتا ہوں۔

—(۷۴)—

مخدوم من،

۲۰ جولائی کا الطاف نامہ آج ملا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ مالک رام صاحب کا خط دیکھا اور اُن کے دفتری معاملات کا حال پڑھ کر نہایت قلق ہوا۔ اللہ سے تو بہت کچھ امید کی جا سکتی ہے مگر افسر جب پیچھے پڑ جائے تو مشکل ہی سے بخشتا ہے۔ سوا اس کے کیا کہوں کہ بہت افسوس ہے۔ کتاب جب نہ ملے گی تو سوا دوسری اشاعت کی راہ دیکھنے کے اور کیا ہو سکتا ہے!

میں ضرور آپ کا حکم بجا لاؤں گا۔ اپنے مضمون کے اوراق آپ شوق سے بھیجیں۔ جو کوئی بات ذہن میں آئے گی آپ کو لکھوں گا۔ مضمون جب چھپا تھا میں نے پڑھا تھا۔ آپ نے بڑی تلاش سے لکھا ہے۔ یہ نہیں معلوم اور لوگوں نے کیا رائے ظاہر کی ہے اور بحث کا کیا پہلو اختیار کیا ہے۔ اس سے بھی مجھے آگاہ کیجیے گا۔

میرا خط ملا ہوگا۔ پرسوں لکھا ہے، کرم رام پوری کی "مثنوی" قصۂ سوداگر بچہ کے بارے میں۔

مالک رام صاحب کا خط اسی کاغذ کے ساتھ لپیٹتا ہوں۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی' الہ آباد۔ ۲۳ر جولائی ۵۱ء۔

—(۷۵)—

کرم فرمائے من،

۲۶ر جولائی کے مہربانی نامے کا شکریہ قبول فرمائیے۔

کرم کی مثنوی کے اقتباس کا نہایت شکرگزار ہوں۔ یہ جتنے شعر آپ نے بھیجے ہیں میری ضرورت کے واسطے کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہیں۔ اور کی ضرورت نہیں۔ اشعار کی صحیح تعداد بھی معلوم ہوگئی۔ کرم کے سال ولادت کی تصدیق ہوئی اور جو کچھ اثر صاحب نے کرم کی زندگی کے حالات لکھے ہیں، اُن کی بھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کرم نے

ماخذ بتانا ضروری خیال کیا ہوگا۔ وہی بات نکلی۔

"پشتو اور اردو" کے متعلق عرض ہے کہ میں پنجم اگست کی صبح کو علی گڑھ جا رہا ہوں۔ ممکن ہے وہاں سے کہیں اور بھی چلا جاؤں۔ بہر تقدیر ۱۱ اگست تک الٰہ آباد واپس پہنچوں گا۔ پھر ۱۶ کو ناگ پور جانا ہے اور ۲۲ یا ۲۳ تک الٰہ آباد پہنچ سکوں گا۔ اوراق آپ کے بھیجے ہوئے یہاں رکھے رہیں گے۔ اس لیے بہتر ہوگا اگر پہلے سید ضامن علی صاحب کو بھیج دیجیے۔ جب اُن کے پاس سے واپس آجائیں مجھے بھیج دیجیے گا۔ ضامن علی صاحب میرے گھر سے بہت دور رہتے ہیں۔ میں یونی ورسٹی جاتا نہیں۔ اس لیے ہم مقامی کا فائدہ بھی گویا حاصل نہیں۔

میری رائے میں سید مسعود حسن صاحب رضوی کا مشورہ بھی شامل ہو تو خوب ہوگا۔ ستمبر میں کسی تاریخ مجھے لکھنؤ جانا ہوگا اُنھیں کے ہاں قیام ہوگا۔ وہ کاغذ اُس وقت میرے پاس ہوں گے تو اُن کی رائے بھی لکھ لوں گا۔ اور سارا مواد آپ کو بھیج دوں گا۔ اگر آپ کو یہ تجویز پسند نہ ہو تو میں اپنی رائے میں جو بات ضروری سمجھوں گا صرف وہ آپ کو لکھوں گا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد، ۲۸ر جولائی ۵۱ء

—(۷۶)—

بنام مالک رام[۱]

میرے کرم فرما!

آپ کے محفے کا کس زبان سے شکر ادا کروں۔ المعرب کا نسخہ کوئی ایک مہینا ہوا مجھے ملا مگر پارسل پر آپ کا پتا دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ آپ نے مصر سے کتاب دہلی بھجوائی ہوگی۔ اس مقصد سے کہ وہاں سے مجھے بھیجی جائے۔ جب پلندے کو کھولا آپ کے قلم سے لکھی ہوئی عبارت دیکھی ۲۰ر فروری اُس کے آخر میں تاریخ۔ اب مجھے حیرانی ہوئی کہ شاید آپ کو عجلت تھی۔ ڈاکٹر بھردواج کو ہدایت کردی اور آپ ایک مختصر قیام کے بعد دلّی سے مصر روانہ ہوگئے ہوں گے۔ مگر یہ سب خیال بندی تھی جو بیشتر حقیقت سے دور ہوا کرتی ہے۔ مختارالدین احمد آرزو کو لکھا۔ وہ ان دنوں علی گڑھ تھے نہیں۔ جواب نہ آیا۔ اب میں علی گڑھ گیا تو معلوم ہوا کہ آپ صاحبزادے کے علاج کے سلسلے میں کسی پہاڑ پر تشریف لے گئے ہیں۔

سوا اس کے اور کوئی صورت نہ نکلی کہ آپ کے دہلی کے پتے پر خط لکھوں۔ اور یہ سطریں لکھ رہا ہوں دُعا کرتا ہوں صاحبزادے کو جلد آرام ہو جائے۔ خدا ان کو تندرست کرے اور عمر دراز کرے۔ خیریت معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔ والسلام مع الشکر والاکرام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۳ر اپریل ۵۲ء

---

[۱] عبدالستار صدیقی کے یہ جتنے خطوط ہیں وہ سب امتیاز علی عرشی کے نام ہیں، البتہ خطوط نمبر ۷۶، ۷۸، ۸۱، ۸۷، ۸۹، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶ مالک رام کے نام ہیں——

(۷۸)

بنام مالک رام

مخدوم مکرم!

ذرا میری اس نامعقولیت کو دیکھیے۔ وہ بلکہ تین مہینے بعد آپکے کرم نامے کا جواب دینے اور اپنے قصور کی معذرت کرنے بیٹھا ہوں۔ کیا کہوں ادھر کئی مہینے سے طبیعت اچھی نہیں رہی۔ اب پھر اچھا ہو گیا ہوں۔ پڑھنا تو ہوتا رہتا تھا لکھنا اب پھر جاری ہوا ہے۔ مگر معذرت اس تاخیر کی کہ دس پندرہ دن پہلے لکھنا تھا اور یہ قصور بڑا ہے۔

مجھے آپ سے ملنے کی بڑی آرزو تھی اور آپکے اس قدر جلد واپس چلے جانے پر اس آرزو سے زیادہ مایوسی ہوئی۔ پھر صاحبزادے کی علالت کا حال معلوم ہوا۔ اور بھی قلق ہوا۔ خیر شکر ہے کہ ان کی صحت قابل اطمینان ہے۔ اب شاید علاج معالجہ بھی ختم ہو گیا ہو۔ بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ ان کی کامل صحتیابی کی خوشخبری بلا تاخیر دیں۔

جس زمانے میں آپ سے ملنے کی فکر تھی اور اس میں ناکامی ہوئی تھی اسی زمانے میں آپ کی کتاب "عورت اور اسلامی تعلیم" کا تبصرہ ایک رسالے میں پڑھا اور اس کتاب کو حاصل کر کے اسی کو ملاقات کا قائم مقام تصور کیا۔ اس میں ناکامی نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ تھوڑے دن بعد آپ کی "آج کل" میں تصویر دیکھی۔ میں نے دل میں کہا یہ حضرت تو بہت شرمیلے ہیں۔ ملاقات میں سوا انکسار کے کسی وصف کا مجھ پر کھلنا کیا ممکن تھا۔ کتاب پڑھ کر معلوم ہوا کہ غالبیات سے برا ست اونچے نکل گئے ہیں۔ کیا کہوں کیسا جی خوش ہوا ہے۔ ماشاءاللہ۔

ہاں صاحب، اگست ۱۹۵۱ء میں میرے عزیز دوست الحاج قاضی عزیزالدین احمد بلگرامی (آنریری ٹریژرر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے بڑے بیٹے مولوی منظرالدین احمد لکچرر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، مزید تعلیم کے لیے مصر گئے اور اب وہ جامع ازہر میں داخل ہیں۔ میں آپ کا پتا ان کو لکھتا ہوں تاکہ وہ کسی موقع پر اسکندریہ جا کر آپ سے ملیں۔ خاص کر ان کے والد قاضی عزیزالدین احمد صاحب کی خواہش ہے کہ ان کے بیٹے آپ سے ملیں اور فیض یاب ہوں۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند!

لطیفہ سنیے۔ قاضی صاحب بڑے وسیع المشرب ہیں۔ قائم اللیل، دائم الصوم ہیں۔ مگر داڑھی کا جھگڑا کبھی نہیں پالا۔ بیٹے نے علم دین پڑھا۔ اور داڑھی بھی ایسی رکھی کہ بڑے سے بڑے رئیشائیل مولاناؤں کو بھی رشک آئے۔ اور ایسے ہی بیٹے کے لیے شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؎

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

میں نے ان کے قول کو دُھرا دیا ہے اور بس۔ یقین ہے میاں مظہر سے مل کے آپ مسرور ہوں گے۔ والسلام
نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۲؍ اکتوبر ۵۲ء

——(۷۹)——

بنام امتیاز علی عرشی

مخدوم مکرم دام مجدکم

بہت دن سے میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ معافی چاہتا ہوں۔ مزاج والا انشاءاللہ قرین عافیت ہوگا۔ سلام روستائی کے بعد کہتا ہوں:

اسدی کی لغت فرس کی یورپی اشاعت کا متن یوں شروع ہوتا ہے: "بسم ...... والسلام علی ...... محمد و آلہ الطیبین الطاہرین بعد این کتاب لغت فرس لسان اہل بلخ و ماوراءالنہر و خراسان وغیرہم واللہ الموافق ابتدای این کتاب بر حروف تہجی نہادہ شدا ما چند حروف ہست کہ لغت در آن نیست

باب الالف

والا بلند و با مرتبت بود و با گہر رودکی گوید ...."

پوچھنا یہ ہوں کہ آیا ایران کی چھپی لغت فرس میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے یا کچھ کم و بیش ہے اور ہے تو فرق کیا کیا اور کہاں کہاں ہے۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۸؍ دسمبر ۵۲ء

——(۸۰)——

مخدوم مکرم دام مجدکم

تسلیمات۔ گرامی نامے کا شکر بجالاتا ہوں۔ البتہ میری دیر نویسی شبہات کا باعث ہوسکتی تھی لیکن میرا حال تو سنیے۔ اس سال کے آغاز میں کچھ شکایت پیدا ہوئی۔ میں نے اُسے معمولی بات سمجھا۔ لیکن طبی امتحان کے بعد سوء مزاج قلب تجویز ہوا اور خون کے دباؤ کی کمی دریافت ہوئی۔ معالج (نے) دوا اور غذا کے علاوہ تاکید کی کہ فکر اور تفکر سے اپنے تئیں بچاؤں۔ گویا یہ بھی اپنے بس کی بات ہے۔ دو مہینے گزرے تھے کہ میری والدہ سخت بیمار ہوگئیں۔ اگرچہ میری حقیقی ماں نہ تھیں مگر مجھ پہ شفقت ویسی ہی تھی جیسی حقیقی ماں سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اپنی بیماری کو بھول گیا اور ہر وقت یہی فکر رہتی کہ انھیں زیادہ سے زیادہ آرام پہنچے اور حتی الوسع تکالیف مرض کم رہیں۔ تدبیر ہزار کچھ ہو نتیجہ سوا ناکامی کے ایسی صورت میں کچھ نہیں ہوتا لیکن امید دل کو اُبھارتی رہتی ہے۔ اس کشمکش کا خاتمہ ۱۵؍ نومبر کو ہوا۔ میں نے اپنا علاج بھی بُری بھلی طرح جاری رکھا اور اس سے خاصا نفع ہوا۔ دھیرے دھیرے کچھ کام

کر لیتا ہوں۔
کیا لکھوں آپ کی زحمت کا کس درجہ ممنون ہوں کہ آپ نے مانگے سے کہیں زیادہ مقدار میں میری مُراد پوری کی۔
میں نے بہت کوشش کی کہ ایک نسخہ لغت فرس (ایرانی) کا مل جائے لیکن یہاں کے کتاب فروشوں نے مجبوری ظاہر
کی۔ اب آپ کے مشورے پر عمل کروں گا اور براہِ راست طہران سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔
اب آپ کا مقالہ "پشتو اور اُردو" ضرور پڑھوں گا اور اس کے متعلق جو باتیں ذہن میں آئیں گی آپ کو لکھوں
گا۔ یہ مزید ممکن ہے کہ اس کام میں دو بیٹھے۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۲؍ دسمبر ۵۲ء

(۸۱)

بنام مالک رام

میرے عنایت فرما، تسلیم

آپ کا ۷؍ جولائی کا خط اگست کی ابتدا میں ملا اور نہایت ممنون کیا۔ جواب میں دیر بہت ہوگئی۔ اس کی معافی کا خواستگار ہوں لیکن وہ مختصر "عریضہ" جس میں آپ نے تصویر مانگی تھی مجھ غریب تک ہرگز نہیں پہنچا ورنہ کیا مقدور تھا کہ جواب نہ عرض کرتا اور فرمائش نہ بجا لاتا۔

جس دن آپ کا یہ جولائی والا خط ملا اسی دن اخبار اُٹھا کر دیکھا تو قاضی عزیزالدین احمد (خازن اعزازی مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کی مرگِ ناگہانی کی خبر پڑھی۔ مرحوم میرے بہت پُرانے دوست تھے۔ اور ان کے بڑے بھائی اسکول میں میرے ہم سبق رہے تھے۔ ایسے نیک نیت، پاک دل، بات اور کام کے دھنی اور دُھنی، مطلقاً بے طمع پیسے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والے۔ میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔ وہ خبر پڑھ کر میں سناٹے میں آ گیا۔ لیجیے اب مالک رام صاحب کا سلام اُن تک کیوں کر پہنچے گا۔ انسان کی زندگی بس چھوٹی موٹی ہے۔ دُوسری فکر یہ ہوئی کہ مظہرالدین کہیں باپ کی موت کی خبر پا کر بغیر کام ختم کیے واپس نہ آجائیں۔ ۹؍ ستمبر کو میں علی گڑھ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ اپنی جگہ پر ہیں۔ پھر واپس آکر پرسوں خود مظہرالدین کا خط ملا کہ ان کا ارادہ کام ختم کرکے دسمبر تک واپس آنے کا ہے۔

تصویر تلاش کرکے نکالی ہے۔ اس لفافے میں وہ بھی ہے۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۹؍ ستمبر ۵۳ء

(۸۲)

بنام امتیاز علی عرشی

مخدوم مکرم،

کئی دن سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کاہلی اور تساہل نے باز رکھا۔ آخر آج نوبت آرہی ہے۔

انشاءاللہ العزیز آپ ہر طرح عافیت سے ہوں گے۔
بہت دن ہوئے آپ نے صیدی طہرانی کے دیوان سے اُس کا ایک شعر تلاش کر کے لکھ بھیجا تھا۔ آج پھر اسی کے کلام میں سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میر غلام علی آزاد نے سرو آزاد (ص ۱۱۲) میں دو شعر درج کیے ہیں:

مارا ببرگ سبز کجا یاد می کند ۔۔۔ آں گل کہ منع بوی خود از باد
صیاد ما بنای ستم تازہ کردہ است ۔۔۔ مرغی کہ پر شکستہ شد آزاد

اس زمین میں جو کچھ اُس کے دیوان میں ہو براہِ کرم اُس کی نقل لکھ بھیجیے۔ ان دو شعروں کے نقل کرنے کی حاجت نہیں سوائے اس کے کہ نسخوں میں کچھ اختلاف ہو۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳؍ اکتوبر ۵۳ء

——(۸۳)——

مخدوم مکرم،

۵؍ اکتوبر کا الطاف نامہ یہاں چھ کو پہنچ گیا تھا لیکن میں لکھنؤ چلا گیا تھا وہاں سے آیا تو ملا۔ مقالہ آپ بھیج دیں۔ انشاءاللہ جلد واپس کر دوں گا اور آپ نومبر میں اُسے پڑھ سکیں گے۔ صیدی کے اشعار کا شکریہ۔

ایک شعر ہے جس کے کہنے والے کا نام جاننا چاہتا ہوں ؎

لطفی نکردہ کہ دلی شاد از آں کنم ۔۔۔ بر من عنت چو زور کند یاد از آں کنم

اگر بلا زحمت دریافت ہو جائے تو دیکھیے اگر غزل کا شعر ہے تو پوری غزل مل جائے تو اور اچھا ہے۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۶؍ اکتوبر ۵۳ء

——(۸۴)——

حضرت سلامت،

صبح آپ کا خط ملا، دوپہر پلندہ۔ معارف کے تین پرچوں میں آپ کے مقالے کے ابتدائی حصے ملے۔ مارچ اپریل، مئی ۱۹۴۹ء۔ ان کا کل حجم ۵۰ صفحے کا ہے جو اجزا ٹائپ کیے ہوئے آپ نے بھیجے ہیں اُن کا آغاز ص ۵۳ سے ہوتا ہے۔ غالباً دو صفحے کا جو فرق ہو گیا ہے وہ معارف کے کاتب کی کرسی بازی نے گھٹا دیے ہیں اور اگر میں یہ نتیجہ نکالوں کہ مقالہ سالم ہے تو صحیح ہوگا۔

مقالے کے پڑھنے میں مجھے دیر لگے گی۔ کوشش کروں گا کہ جہاں تک جلد ہو سکے اُسے ختم کروں۔

اُمید ہے وہاں سب خیریت ہوگی۔ والسلام
نیاز مند؛ عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲۶ ؍ اکتوبر ۵۳ء

—(۸۵)—

مخدوم مکرم،
میں نادم ہوں کہ اب تک میں بہت ہی کم حصّہ مقالے کا دیکھ سکا۔ بعض ایسی مصروفیتیں اچانک سر پہ پڑیں جن سے مفر نہ تھا۔ اب کل صبح علی گڑھ جانا پڑ رہا ہے اور ۷ ؍ نومبر کو واپس آؤں گا اور اُس کے بعد کچھ وقت مقالے پر صرف کر سکوں گا۔ میرے خیال میں طباعت میں عجلت کرنا زیادہ مفید نہ ہوگا۔ بجائے اس کے حکّ و اصلاح زیادہ ضروری ہے۔ والسلام۔
نیاز مند؛ عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۲ ؍ دسمبر ۵۳ء

—(۸۶)—

مخدوم مکرم،
۵ فروری کا والا نامہ آج پہنچا۔ میں نے مقالے کا ایک حصّہ دیکھ لیا تھا کہ پھر طبیعت خراب ہوگئی اور کچھ افکار بھی لاحق ہوگئے جن کے باعث کام ختم کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب کوشش کر کے جلد مقالہ واپس بھیجوں گا۔ طبیعت کا حال: آج اچھا ہوں تو کل بیمار۔ الحمد للہ علیٰ کلِّ حالٍ کہنے کے سوا کیا چارہ (ہے)۔ والسلام۔
نیاز مند؛ عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۸ ؍ فروری ۵۴ء

—(۸۷)—

بنام مالک رام

مخدوم مکرم،
یہ آپ نے کیا فرمایا کہ شکایت کرنے کا حق آپ کا نہیں۔ آپ کو البتہ حق ہے۔ شکوہ تو اپنے ہی سے کیا جا سکتا ہے، راہ چلتے سے نہیں۔ شکایت آپ کی بجا بھی ہے۔ میں اپنا قصور مانتا ہوں۔ میرا تساہل اس تاخیر کا باعث ایک حد تک ضرور تھا۔ ذرا حال بھی سُن لیجیے۔
مُنشی مہیش پرشاد مرحوم کے انتقال کے دُوسرے دن ان کی تینوں بیٹیوں اور دو دامادوں سے کہا کہ ان کے کاغذات اور کتابوں کو بہت احتیاط سے رکھنا جو چیزیں شائع نہیں ہوئیں، میں ان کے شائع کرنے کی کوشش کروں گا اور اُس سے تم کو کچھ نفع بھی پہنچے گا۔ چھوٹی بیٹی کی شادی کا مرحلہ سامنے ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان کا سارا اثاثہ

بنارس میں مقفل ہے۔ کچھ دن بعد ہم لوگ وہاں جا کر اُسے دُوسرے مکان میں منتقل کریں گے۔ طے پایا کہ جتنا ذخیرہ اُردو فارسی کا ہے اسے دیکھ کر میری رائے کے مطابق عمل کریں گے۔ اس کے بعد میں برابر تقاضا کرتا رہا اور ان کے ایک داماد جو یہیں الٰہ آباد میں رہتے ہیں اُن کو بار بار یاد دلاتا رہا۔ یہ بھی میں نے ان سے کہا کہ اُن کو جلدی کرنا چاہیئے لیکن بہت دن بعد بتایا کہ کچھ اعزہ گاؤں میں ہیں۔ کمیٹی کٹنے پر وہ آئیں گے سب چیزیں کھولی جائیں گی۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) کے سیکرٹری نے مجھے لکھا تھا کہ انجمن مرحوم کا سارا ذخیرہ لے کر شائع کرے گی۔ معقول معاوضہ دے گی اور جو کتابیں ان کے پاس قلمی یا چھپی ہوئی ہوں اُن کی مناسب قیمت دے گی۔ یہ سب باتیں میں نے اُن لوگوں سے کہہ دی تھیں۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ دُوسری جلد (خطوطِ غالب) کا مسودہ مرحوم مجھے سپرد کر گئے تھے، اُسے میں نے دیکھ لیا ہے اور اُن کی ہدایت کے مُطابق تصحیح میں کروں گا، دونوں جلدوں کی۔ مگر خدا کے واسطے جلدی کرو۔ پارسال ان کے داماد کو میں نے پھر لکھا کہ مجھ سے ملو اور معاملہ طے کرو، جواب نہ ملا۔ میں خود بنارس میں ان لوگوں کو ڈھونڈتا پھرا۔ گھر میں قفل پڑا تھا۔ میں واپس آگیا۔ آپ نے جب مجھے لکھا تو پھر میں نے ان لوگوں کو لکھا۔ بہت دن جواب کا انتظار کرکے مجبور ہو گیا۔ آپ کو یہ لکھنے ہی والا تھا کہ ایک دن مرحوم کی چھوٹی بیٹی (جس کی شادی اب ہو چکی ہے) مع اپنے شوہر کے اور ان بہنوئی صاحب کے (جو الٰہ آباد چھوڑ چکے ہیں) آگئی۔ یہ چھوٹا داماد بہت سمجھ دار ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک صندوق میں کتابیں اور کاغذات تھے وہ تو سارے کا سارا دیمک کھا گئی۔ کچھ چھپی ہوئی کتابیں رہ گئی ہیں اور کچھ کاغذات ہیں۔ وعدہ ہوا کہ فلاں تاریخ وہ کاغذ میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ کوئی ۶، ہفتے ہوئے ہوں گے کہ کاغذوں کا صندوق آیا۔ بیشتر ردّی کاغذ ہیں۔ کچھ کاغذ ایسے ہیں جن میں غالب کے خطوط وغیرہ کے متعلق یادداشتیں ہیں۔ کتابوں کی فہرست نہیں لائے ———— اب وہ فہرست بھی لائے ہیں مگر اُس میں کوئی کام کی چیز مُشکل ہی سے نکلے گی۔ یہ کہہ گئے ہیں کہ غالب کے قلم کے خط اور اسی قسم کے اور کاغذ ہیں وہ ہم بعد ۱۰ فروری کے بنارس جا کے لے آئیں گے۔ اب اُن کاغذوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ جب وہ بھی آ جائیں گے تو سارے ذخیرے کی اطلاع انجمن کو دے کر ان لوگوں کو خبر کروں گا تاکہ دُوسری جلد (اور پہلی جلد کی دوبارہ) اشاعت کا کام شروع ہو جائے۔ انجمن اس کام کے لیے آمادہ ہے۔

رقعاتِ غالب (انتخاب) میرے پاس بہت مدّت سے ہے۔ جب وہ نُسخہ میری ملک میں آرہا تھا اُسی دوران میں ایک صاحب نے اسے مُستعار لے کر نقل کر لیا (چھوٹا سا نور رسالہ ہے) اور چھپوا ڈالا۔ جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا اُس نے مجھے خبر کی۔ میں نے باوجود اس سانحے کے اُسے لیا۔ بعد کو چھپا ہوا نُسخہ دیکھا۔ غارت کر کے چھاپا تھا۔ پھر ایک شخص نے اُن حضرت کی "اجازت" سے لاہور میں چھاپا۔ صورت بہتر لیکن غلط جیسا وہ تھا ویسا ہے۔ اب میں خود چھپوانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

مزاج کیا پُوچھتے ہیں آپ؟ بُوڑھا ہوں بیمار بھی تھوڑا بہت رہ لیتا ہوں۔ پیری و صد عیب۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۸ رفروری ۵۴ء

—(۸۸)—

بنام متاز علی عرشی

مخدوم بندہ،

علیکم السلام۔ ۲۱ مئی کا لطف نامہ باعث ممنونیت کا موجب ہوا۔ اس سے پہلے کے مہربانی نامے کا جواب بھی ابھی تک عرض نہیں کر سکا۔ ان دونوں کا جواب اور مقالہ جلد واپس بھیجوں گا۔

"جلوۂ خضر" کی تلاش برسوں جاری رہی کوئی نسخہ ہاتھ نہ آیا۔ یقین ہے پٹنے کے کسی کتاب خانے میں ضرور ہوگا۔ قاضی عبدالودود صاحب کو لکھ کر کیوں نہ حال معلوم کیجیے۔ مقابلہ بھی وہ کر دیں گے۔

رسالہ "اردو" (اورنگ آباد) بابت اپریل ۱۹۲۳ء (جلد سوم) ص ۲۳۵-۲۵۴ میں میں نے ایک مضمون شائع کروایا تھا عنوان اس کا "احوالِ اسم" اگر یہ رسالہ وہاں ہو تو ضرور دیکھیے۔ اس میں آپ کو اکثر باتوں کا جواب مل جائے گا۔ بعد کو میں نے اس میں کچھ ترمیم تجویز کی ہے مگر ترمیم شدہ حالت میں وہ مقالہ ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔ اگر وہاں رسالہ نہ ملے تو لکھیے گا۔ میں اپنا نسخہ کچھ دن کے واسطے بھیج دوں گا۔ اس میں وہ ترمیمیں بھی مل جائیں گی۔ والسلام

نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۶ مئی ۵۴ء

—(۸۹)—

بنام مالک رام

مخدوم مکرم

بہت شرمندہ ہوں آپ سے کہ آپ کے مارچ کے خط کا جواب اس وقت لکھنے کی نوبت آئی اور اب بھی حیران ہوں کہ کیا جواب لکھوں۔ مرحوم کے داماد کا انتظار کھینچتا رہا۔ اُنھوں نے پھر صورت نہ دکھائی۔ وہ جو ردی کا صندوق مجھے سپرد کر گئے تھے رکھا ہوا ہے۔ ایک اور صاحب کو بھی بیچ میں ڈالا۔ اُنھوں نے ضرور کوشش کی ہوگی لیکن کچھ خبر نہ دی۔ مجبور ہو کر ان کو یعنی داماد کو لکھا کہ بھیا اب تم امتحان سے چکے ہو گے آ کر ملو یا خط بھیجو۔ دو مہینے ہو گئے کوئی جواب نہیں۔ اب جولائی کے وسط میں یونیورسٹی کھلے گی دونوں صاحب الہ آباد آئیں گے تو پھر ان سے بات چیت کرنے کی کوشش کروں گا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ جلد آ رہے ہیں اور دلی ہی میں قیام رہے گا۔ میں خود یہی سوچتا تھا کہ آپ اس کام کو اپنے ذمے لے لیں تو نہایت خوب ہو۔ اب مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ آمادہ ہیں امر واقع یہ ہے کہ اس کام کو آپ سے بہتر کوئی شخص انجام نہ دے سکے گا۔

اب آپ یہ بتائیے کہ آپ مصر سے کب روانہ ہوں گے اور دلی کب تک پہنچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

میری صحت ادھر دو تین برس سے خراب رہتی ہے۔ خیر جی رہا ہوں مگر کام کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ نقوش کے

سے کام سے تھک جاتا ہوں۔ خیر اب زبانی باتیں ہوں گی۔ یہ ورقچہ متحمل میرے دکھڑے کا نہیں ہو سکتا۔ والسلام
نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲ر جون ۵۴ء

—(۹۰)—

بنام امتیاز علی عرشی

حضرت!

آپ البتہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ ۲۴ر جون کو آپ پر کشف ہوا کہ ایک شخص الہ آباد میں تمہارے نام خط لکھ رہا ہے۔ بس آپ نے اسی وقت ایک رقعہ لکھ دیا۔ میں ٹھہرا سراسر بے بصیرت۔ ایک بصارت وہ بھی ادھوری کبھی تھی۔ اب وہ بھی ضعف کی جانب مائل دکھائی دے رہی ہے۔ مجھے بصیرت اور کشف یعنی دل کی ارزانی ہوتی ہوتی تو میں وہ ایک دن اور توقف کرتا تاکہ مسابقت کا سوال ہی نہ اٹھتا۔

۲۴ر کو میں نے خط لکھا۔ ورق تمام ہوا اور مضمون باقی رہا۔ اس لیے مقالہ اسی دن روانہ کر دیا۔ خط کل ۲۵ کو یہاں سے چلا۔

آج سنیچر آ پڑا۔ اب پرسوں وہ پرانے اوراق خدمتِ والا میں بھیجے جائیں گے۔ اس مضمون کے علاوہ جو مطلوب ہے کچھ اور چیزیں بھی ہم جلد ہیں۔ یہ سب محتاج ہیں نظرِ ثانی کے۔ والسلام
نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۶ر جون ۵۴ء

—(۹۱)—

مخدوم میرے،

شکریہ عرض ہے اس قندِ مکرر کا۔ کئی دن ہوئے رسید کی اطلاع آپ نے دی تھی۔

میرا مطبوعہ مضمون مع اور چیزوں کے جو اس سے ہم جلد ہیں آپ نے پڑھا ہوگا۔ آخری چیز آغازِ کار کے زمانے کی ہے اسے تو میں دوبارہ شائع کرنا پسند نہ کروں گا سوا اس کے کہ بہت کاٹ چھانٹ کی جائے۔ "احوالِ اسم" کے بارے میں بعض احباب کی رائے ہے کہ وہ پھر شائع ہو۔ میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ دیوانِ غالب (طبع برلین) پر جو تبصرہ ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ والسلام۔
نیاز مند، عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۲ر جولائی ۵۴ء

—(۹۲)—

مخدوم مکرم امید ہے انشاءاللہ مزاجِ سامی قرینِ صحت و عافیت ہوگا۔ میں نے جو مضمون اپنا بھیجا تھا

اُس کے ساتھ درخواست کی تھی کہ اُس کو از سرِ نو شائع کرنے کے بارے میں آپ کی جو رائے ہے اُس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ جواب کا اب تک انتظار ہے۔ اب اگر آپ اپنی رائے لکھیں تو عنایت ہوگی۔ وہ کتابچہ بھی بھیج دیجیے۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۸ر اکتوبر ۵۴ء

—(۹۳)—

مخدوم میرے!

مقالہ ملا۔ شکریہ عرض ہے۔ جی ہاں اور بھی کہیں کہیں ڈبیں، چڑیں وغیرہ بولتے ہیں۔ سبھوں قدیم زمانے میں عام تھا موجودہ دور میں اس کا رواج کم ہوگیا ہے۔ آپ کی رائے اس کی اشاعت کے حق میں ہے اور پرزور ہے۔ لیکن چھپوانا ذرا مشکل ہے۔ کاتب صاحب کے رحم و کرم سے کتاب چھپے گی مگر غلط اور بہت غلط۔ اس کا مُداوا کیا اور کیوں کر۔ جواب ضرور دیجیے گا۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۹ر نومبر ۵۴ء

—(۹۴)—

کرم فرمایم میرے،

یاد آوری کا شکر گزار ہوں۔ بجا فرمایا آپ نے باہیں مرداں بباید ساخت‘ قلم میرا ’مرداں‘ کے لکھنے سے ابا کر رہا تھا ’موذیاں‘ لکھنا چاہتا تھا۔ کاتب کا پُرانا قصہ ’آرد ترماند‘ والا مشہور ہے۔ وہ بیچارہ بھی مجبور ہے‘ غرض جیسی رُوح ویسے فرشتے۔

اب ایک مقامی چھاپے خانے سے کام لینے کا ارادہ ہے۔ کاپی میں خود ہی دیکھوں گا۔ ضرورت پڑی تو آپ کو بھیج دیا کروں گا۔ وہ آپ کا ہندوستانی چھاپہ خانہ رام پور والا ہے یا بند ہوگیا ؟

اچھا ہوں، کھاتا پیتا ہوں، چلتا پھرتا ہوں مگر کام نہیں ہوتا۔ الحمد للہ علیٰ کل حال۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳ر دسمبر ۵۴ء

—(۹۵)—

میرے مخدوم،

تسلیم۔ سوتے کو جگا سکتے ہیں۔ جاگتے کو کوئی کیا جائے گا ؟

اُن حضرت کو انھیں کے حال پر چھوڑیے۔ نفرت اُن کی اُن کو مبارک رہے۔ والسلام
نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۴ء

خار جانُشنا گیا کہ آپ نہج البلاغۃ پر کوئی کتاب لکھ رہے ہیں بلکہ وہ تیاری کے آخری مدارج میں ہے۔ کب شائع ہوگی؟

—(۹۶)—

بنام مالک رام

مخدوم میرے۔

ہولی کی عید مبارک ہو۔ آپ نے بہت دن سے یاد نہیں کیا۔ منتظر ہوں۔ اب مزاج کیسا ہے۔ کہیں پھر تو ہاکی کا تماشا دیکھنے نہیں گئے تھے۔ خیریت سے جلد اطلاع دیجیے گا۔

مُنشی مہیش پرشاد کے داماد نے وہ خط لا کر دکھایا تھا، جو وزارتِ تعلیم سے ان کے پاس آیا تھا۔ یہ خط پہلے ایک خط کے جواب کے تقاضے میں تھا۔ میں نے یقین کیا کہ آپ کی سعی سے یہ یاد دہانی کی گئی ہوگی۔ اس خط کے آنے سے پہلے وہ مرحوم کے خط اور متفرق کاغذات میرے پاس لائے جن کے لانے کا وعدہ سال ڈیڑھ سال سے وہ کرتے رہے تھے۔ اس ذخیرے میں دو تین خط غالب کے قلم کے لکھے ہوئے اور کئی لفافے ہیں۔ یہ سب چیزیں یا شائع ہو چکی ہیں۔ ایسی کوئی چیز اُس میں نہیں جو سرکاری مخزن میں رکھی جا سکے اور جس کا معقول معاوضہ وہاں سے مل سکے۔ وہ خود کہتے تھے کہ منسٹری کو ان چیزوں کا بھیجنا بے کار ہے، اب آپ ہی انجمن ترقی اُردو سے ان چیزوں اور خطوطِ غالب کا معقول معاوضہ دلوا دیجیے۔ ایک اور صاحب ان کے ساتھ تھے اُنھوں نے بھی اسی بات پر زور دیا کہ انجمن ہی سے معاملت کی جائے۔ میں نے وہ چیزیں اپنے پاس رکھ لیں۔ فروری کے اخیر ہفتے میں میں علی گڑھ گیا تھا انجمن کے لوگوں اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سے طے کر لیا ہے کہ انجمن معقول معاوضہ دے گی۔ قاضی عبدالغفار صاحب حیدرآباد میں ہیں مگر ان کا خط بھی آ گیا ہے کہ ضرور سب چیزیں حاصل کر لی جائیں۔ بعض مراتب باقی رہ گئے ہیں، اُنھیں بھی جلد طے کر کے تکمیل کر لی جائے گی۔ اس خصوص میں قاضی صاحب کو لکھ چکا ہوں۔ ان کے جواب کا انتظار ہے۔

اس لیے اب وزارتِ تعلیم میں پیروی کی ضرورت نہیں رہی۔ اب مارچ کے اخیر ہفتے یا اپریل کے پہلے ہفتے میں میں علی گڑھ جاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ معاملہ ہو جائے۔ والسلام

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۹ر مارچ ۵۵ء

—(۹۷)—

بنام امتیاز علی عرشی

مخدوم مکرم،

نہج البلاغہ پر آپ کا مضمون خوب ہے۔ میں نے ابھی پورا نہیں پڑھا ہے۔ پڑھ لوں تو واپس بھیجوں گا۔

اس وقت دو ایک باتیں دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱) آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ میں (میرزا محمد علی ماہر اکبرآبادی کے ترجمے کے ذیل میں) لکھا ہے کہ سید عبدالرشید ٹھٹوی صاحب منتخب و رشیدی فارسی کے مرنے کی تاریخ اس مصرع سے نکالی ہے:

"سید عبدالرشید باد بفردوس پاک" (۱۰۷۷)

اگر ماہر کے دیوان کا نسخہ کتاب خانے میں ہو تو براہِ کرم پورا قطعۂ تاریخ مرحمت فرمائیے۔ (۲) غالب علیہ رحمہ نے یہ خیال رشید ٹھٹوی سے اخذ کیا ہے کہ ذال معجمہ فارسی میں نہیں ہے۔ لیکن خان آرزو نے ٹھٹوی کے اس خیال پر اعتراض کیا ہے۔ آرزو کی سراج اللغۃ کی زیارت مجھے نصیب نہیں (سنا ہو چھپی تھی لیکن بہت غلط اور ناقص۔ یقین ہے آپ کے ہاں قلمی اور مطبوعہ دونوں طرح کے نسخے ہوں گے۔ غالباً اسی میں یہ بحث ہو یا آرزو کی کسی اور تصنیف میں شکریہ پیشگی عرض ہے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۰ مارچ ۵۵ء

رسالۂ معربات کا متن علی گڑھ میں چھپ رہا ہے۔ بروکلمن نے رشید کی وفات ۱۰۶۸ھ میں بتائی ہے۔ عجب نہیں کشف الظنون حاجی خلیفہ میں یہی لکھا ہو اور اس پر بروکلمن نے اعتبار کر لیا ہو ورنہ ۱۰۶۹ میں تو رشید نے عالمگیر کی تخت نشینی کی تاریخ کہی تھی۔ یہ کیوں کر ممکن ہوگا۔ علی گڑھ جاؤں تو دیکھوں۔

—(۹۸)—

مخدوم مکرم،

۲۶ مارچ کا مہربانی نامہ ۲۸ کو پہنچ گیا تھا مگر میں ۲۷ کی رات کو علی گڑھ چلا گیا تھا، کل واپس آیا تو ملا وہاں میں نے بھی کشف الظنون سے بہت سر مارا۔ حیرت ہوئی کہ نہ رشیدی کا ذکر ملا نہ منتخب اللغات یا معربات کا۔

آرزو کی "سراج" میں ذال کی تفصیلی بحث کی مجھے زیادہ امید نہ تھی۔ کسی اور تصنیف میں ہوگی۔ غالباً شمر میں۔ یہ درست ہے کہ ۱۰۶۸ھ رشید کا سال وفات نہیں ہو سکتا لیکن میں تلاش میں ہوں کہ کسی اور ماخذ سے ماہر کی تاریخ بہم پہنچ جائے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲ اپریل ۵۵ء

—(۹۹)—

مخدوم مکرم،

تسلیم، مزاج عالی انشاءاللہ قرین صحت و عافیت ہوگا۔ مگر پھر وہی بات کہ سلام روستائی بے غرض نیست۔ منتخب اللغات کے دیباچے میں رشید ٹھٹوی نے شاہجہان بادشاہ کا ذکر بڑی عقیدتمندی سے کیا ہے اور کتاب کا نام "منتخب اللغات شاہجہانی" رکھا ہے۔ تمہیدیے کی عبارت بھی بہت خوب ہے۔ لیکن فرہنگ رشیدی کے دیباچے میں (ان قلمی نسخوں میں جن تک میری پہنچ تھی نیز مطبوعہ نسخے، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال میں) سرے سے کسی بادشاہ کا نام نہیں۔ معلوم کرنا یہ ہے کہ آپ کے ہاں جو قلمی نسخے فرہنگ رشیدی کے ہیں ان کے دیباچے کی بھی یہی صورت ہے یا بادشاہ وقت کا نام آیا ہے۔ اگر آیا ہے تو کس طرح پر؟

پرسوں رات سے اس وقت تک برابر مینہ برس رہا ہے۔ کل دن کو صرف گھنٹے بھر کو رک گیا تھا۔ آج صرف پون گھنٹے نہیں برسا۔ آسمان کا رنگ کہہ رہا ہے کہ ابھی تین چار دن کھلنے کا قرینہ نہیں۔ والسلام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۸ر جولائی ۵۵ء

—(۱۰۰)—

بنام مالک رام

مخدوم مکرم

خوشی ہوئی کہ اب آپ فارغ ہیں۔ میرے علی گڑھ جانے کی تاریخ نومبر میں پڑے گی۔ آپ کو خبر کر دوں گا۔

مہیش پرشاد مرحوم کی کتابوں کا جو ارضی و سماوی آفتوں سے بچ گئی تھیں بیعنامہ انجمن کے ہاتھ ہو گیا یہیں الہ آباد میں۔ دستاویز سب رجسٹرار کے دفتر میں ہے۔ بعد دسہرے کی تعطیل کے مجھے ملے گی۔ سارا ذخیرہ علی گڑھ لے جاؤں گا۔ وہیں دیکھ لیجے گا۔

یہ لکھیے کہ قرول باغ کا سیلاب کے دوران میں کیا حال رہا اور اب کیا ہے۔ یہاں آج دن بھر بہت سرد ہوا چلتی رہی۔ گرم بنیائن، جو وسط نومبر میں صندوق سے نکلتی، آج ہی نکال کر پہن لی۔ شام کے ساڑھے پانچ بجے سے خنکی کچھ گھٹ گئی ہے۔ باقی خیریت اور سلام و اکرام۔

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۲۰ر اکتوبر ۵۵ء

مکرر: مجھے نسیان نے آن دبایا ہے۔ بہت ضروری چیز بھول گیا تھا۔ آپ کے پاس دستنبو (مطبوعہ بریلی) ہو گی۔ براہ کرم ذیل کی عبارتوں میں غالب نے اگر کچھ ردّ و بدل کیا ہو تو بلاتاخیر اس سے اطلاع دیجیے۔

مہربانی ہوگی۔

دستنبو (مفید خلائق)، ص ۳۹: "از دہم مئی ..... بودہ است ....." ص ۴۲: "کردار ہندستانیاں ..... بودہ باشد۔" ص ۴۴: "روز پنجم ..... باز آمدم۔" ص ۶۹-۷۰: "بدرستی کہ ..... وکیش آزادم ....."

—— (۱۰۱) ——

مخدوم مکرم،

۲۶ کے مہربانی نامے کا شکریہ۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کا محلہ سیلاب کی آفت سے بچا رہا۔ یہاں سردی اسی ایک دن ہوگئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک کچھ نہیں۔ البتہ آج شام سے ہوا کسی قدر خنک ہے لیکن گوارا۔

دستنبو کے اقتباسوں کا شکریہ۔ کچھ زیادہ فرق نہیں نکلا اور جو ہے وہ غیر اہم۔ مفید خلائق کے نسخے میں (ص ۴۲) "ہندستانیاں" بلا واو ہے اور ص ۴۴ میں "بخشنودی"۔ ان دونوں جگہ "د" کے اضافے کا ذمہ دار غالباً ۱۸۷۱ء کے نسخے کا کاتب ہے۔ غالب کے قلم کی لکھی ہوئی تحریروں میں ہر جگہ میں نے یہ لفظ بلا واو پایا ہے اور یقین نہیں آتا کہ یہ تبدیلی انھوں نے کی ہو۔ "ہمسایگان نکوکردار" پر میم کا اضافہ نحوی ممکن ہے کہ غالب نے کیا ہو، غالباً اس بنا پر کہ ہمسایہ اضافی لفظ ہے اور غمخوار اس کا معطوف علیہ ہے اس لیے معطوف کا میم بس کرتا ہے۔ کرم خوردہ (ص ۶۹-۷۰) آپ نے صحیح لفظ "نہفتن" نکال لیا۔ اسی طرح "آئین وکیش" میں واو عطف۔ البتہ مفید خلائق والے نسخے میں "رنج شکنج" ہے۔ قرین قیاس ہے کہ غالب ہی نے یہ اصلاح کی ہوگی گو معنی "رنج شکنج" سے بھی بن جاتے ہیں لیکن عطف کی صورت بہتر ہے اور صاف و رواں ہے۔

ہاں صاحب، منشی جی مرحوم کے ترکے کا قضیہ طے ہوگیا۔ بہت خوب ہوا۔ میرے سر پر سے جو بار چار برس سے تھا اترا۔ اب یہ مصرع زبان پر آتا ہے۔ خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے۔ طے کتنے پر ہوا۔ یہ زبانی بتاؤں گا لیکن وہ لوگ بھی خوش تھے۔ یہ تو میں آپ سے کہہ چکا تھا کہ خطوط غالب کی دوسری جلد میرے پاس ہے۔ اب سب چیزیں علی گڑھ پہنچاؤں گا۔ والسلام۔

نیاز مند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳۱ اکتوبر ۵۵ء

—— (۱۰۲) ——

مخدوم مکرم

بیچارے وہ قاضی صاحب یکایک چل دیے۔ اناللہ کے سوا کیا کہوں۔ آج صبح اخبار میں پڑھ کر میں تو دھک سے

رہ گیا۔ ان کے آخری خط کا جواب اور آپ کے خط کا جواب مجھے مجبوراً ملتوی کرنا پڑا تھا۔ دسمبر کی اخیر تاریخوں میں کئی دن طبیعت کچھ بے کیف رہی۔ ۲۷ یا ۲۸ کو چہرے کے داہنے حصے پر کچھ ننھے ننھے آبلے نکل آئے میں نے کچھ زیادہ خیال نہ کیا۔ ایک مرہم لگا لیا۔ دو دن کے بعد سارا منہ داہنی کنپٹی سے لے کر آنکھ اور ہونٹ تک سرخ ہو گیا۔ آنکھ کھولنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ ورم گلے کے قریب تک پہنچ گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا یہ ہرپیز (herpes) ہے۔ غرض علاج شروع ہوا۔ وہ آبلے ٹوٹ ٹوٹ کر اور پھیل گئے۔ آج ۱۹ دن کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ آپ کے خط کا جواب لکھنے بیٹھا۔

میری رائے یہ ہے کہ "خطوط" کی پہلی جلد کی دوسری اشاعت بعد ضروری ترمیم کے پہلے شائع ہو اور اس کے بعد (یعنی پانچ سات مہینے میں) دوسری جلد بھی شائع کر دی جائے۔ وجہ اس کی یہ کہ پہلی جلد میں کچھ غلطیاں اصولی ہو گئی تھیں جن کی طرف آپ نے مرحوم کے نام ایک خط میں توجہ دلائی تھی اور لوگوں نے بھی کچھ اعتراض کیے تھے میں نے بھی کچھ یادداشتیں لکھ رکھی ہیں۔ ان سب کی مدد سے ترمیم کر کے پہلی جلد شائع کرنا ضروری ہے۔ دوسری جلد کے صفحوں کے ہندسے تو بجائے خود رہیں گے لیکن خطوں کے ہندسے پہلی جلد کے سلسلے سے چلیں گے اور بھی بہت سے مراتب آپ سے تفصیلی گفتگو کے بعد طے ہو جائیں تو اچھا ہے۔ امید ہے فروری یا مارچ میں آپ اور میں دونوں علی گڑھ میں یکجا ہو سکیں تو یہ سب امور طے ہوں۔ اس کے بعد کام شروع کیا جائے۔ مکتوب الیہوں کے جو حالات مرحوم نے جمع کیے تھے وہ بہت ناکافی ہیں۔ آپ کے مضامین میں وہ سب کچھ آ گیا ہے۔

میں نے شروع ہی سے یہ طے کر لیا تھا کہ دو جلدیں متن کی ہوں اور تیسری جلد میں اور چیزیں اور انڈکس ہوں۔
میں اگلے اتوار کو ایک ہفتے کے لیے باہر جا رہا ہوں ۳۰ یا ۳۱ جنوری تک واپس آؤں گا۔ اس وقت آپ کو پھر لکھوں گا۔ آپ مجھے یہ لکھیے گا کہ علی گڑھ آ کر تین چار دن قیام کرنے کی فرصت آپ کو کس زمانے میں مل سکتی ہے۔

والسّلام!

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ ۱۹ر جنوری ۵۶ء

—(۱۰۳)—

مخدوم مکرم

۲۶ر جنوری ۵۶ء کے مہربانی نامے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قاضی صاحب کی موت ایسی اچانک ہوئی کہ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔ بیماریوں سے اُن کی کشتی روز ہی رہا کرتی تھی وہ دشمن کو برابر نیچا دکھاتے رہے تھے۔ اب کے اس کمبخت کا داؤ چل گیا۔ اِنّا للہ۔

"خطوط" کی پہلی جلد کی ترتیب طباعت کے متعلق مجھے بھی بہت کچھ عرض کرنا ہے۔ یقین ہے ان امور کے بارے میں ہمارے آپ کے درمیان بیشتر اتفاق رہے گا۔ لیکن ان کو بحث میں لانا ضروری ہے۔ امید ہے اس مہینے کے درمیانی زمانے میں علی گڑھ آؤں گا۔ اس وقت آل احمد سرور صاحب سے (جو اب جنرل سیکرٹری ہیں) گفتگو کر کے انجمن سے رجوع کرانے کا ڈول ڈالوں گا۔ اس وقت ان کے مشورے سے ایک مناسب وقت کا تعین کروں گا جب آپ اور میں بلکہ خود سرور صاحب بیٹھ کر ضروری مراتب طے کریں۔ اس کے بعد کام شروع کر دیا جائے گا۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۳ فروری ۵۶ء

—(۱۰۴)—

مخدوم میرے

علی گڑھ میں مجھے اتنی مہلت نہ ملی کہ میں کتب خانے جا کر مولوی ضیاء الدین دہلوی کی انشائے اردو نکلوا اور اس کی زیارت کرتا۔ یہاں آنے کے بعد "دہلی کالج اردو میگزین" (۵۳ء) میں آرزو صاحب کا مقالہ پڑھا اور قاضی مظہر الدین احمد صاحب کو لکھا کہ انشائے اردو کتب خانے سے لے کر مجھے بھیج دیں۔ اب ان کے دو خط آ چکے ہیں کہ کتاب بہت ڈھونڈی گئی۔ کوئی حوالہ اس کے موجود ہونے کا کتب خانہ میں نہ ملا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آرزو نے بجائے کتب خانہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ یونیورسٹی (سہواً) لکھا ہو۔ آپ نے وہ کتاب کہاں دیکھی تھی۔

ہاں صاحب انجمن کے جلسے کی تاریخ وہی ۲۵ مارچ رہی حالانکہ آپ کے اور میرے کہنے پر اُس دن سرور صاحب ۲۴ پر راضی نظر آتے تھے۔ میں نے ان کو کل لکھا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الہ آباد۔ ۱۹ مارچ ۵۶ء

—(۱۰۵)—

مخدوم میرے

کل کا دن علی گڑھ میں بسر کر کے آج صبح واپس آیا۔ ہندستانی کی تین جلدیں ساتھ لے آیا۔ اب ۶ اور ۷ اپریل کو پھر علی گڑھ میں رہوں گا۔ باقی جلدیں یعنی ۶، ۹ — الخ تین تین چار چار کر کے علی گڑھ پہنچاتا رہوں گا۔ جب آپ کو آسانی ہو خود لے جائیے ورنہ کسی آنے جانے والے دوست آشنا سے باربرداری (بلا محصول) کا کام لیجیے

میں انجمن کے گزشتہ جلسے میں نہ آ سکا، اس کا مجھے بھی افسوس بہت ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ میرے پوتے کو دو دن پہلے سے حرارت تھی عین ۲۳ مارچ کو بخار زیادہ تیز ہو گیا۔ لڑکا اپنی ماں کے ساتھ آج کل میرے پاس رہتا ہے اس موقع پر میرا دل کسی طرح راضی نہ ہوا کہ میں دو دن کے واسطے غیر حاضر ہو جاؤں۔ مجبوراً فسخ عزیمت کرنا

پڑا۔ دوسرے دن تشخیص ہوئی کہ نزلادی بخار ہے۔ کچھ اندیشے کی بات نہیں۔ مگر وقت نکل گیا تھا۔

خطوطِ غالب کے متعلق بعض ضروری باتیں لکھتا جاتا ہوں۔ آج کل کام بہت ہے۔ ذرا دیکھئے گی، دو باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے بیشتر پر میرا آپ کا اتفاق ہوگا، جس طرح پچھلے موقع پر آپ نے دیکھ ہی لیا۔

دستنبو کا جھم پہنچ جانا مبارک ہو۔ والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ یکم اپریل ۵۶ء

—(۱۰۶)—

مخدوم من، آداب

۹ مئی کا الطاف نامہ مسرت کا موجب ہوا۔ میں یاد کیا فرماتا۔ ۶ مئی سے جو بیمار پڑا تو اب تک بھگت رہا ہوں۔ تھا تو انفلوئنزا، پر ایسا سخت انفلوئنزا پہلے نہ ہوا تھا۔ کئی دن یہ خبر نہ تھی کہ میں کیا ہوں اور کہاں ہوں۔ خیر اب اچھا ہوں۔ معمولی غذا ہضم ہونے لگی ہے مگر بہت ڈر ڈر کے کھاتا ہوں۔ ایک ڈر بیماری کا ایک ڈر بڑھاپے کا۔ یہ حرج واقع نہ ہوا ہوتا تو مقدمے سے فارغ ہو گیا ہوتا۔ انشائے اردو انجمن سے منگوا کر دیکھ لی۔ پرسوں واپس بھیجی ہے۔ "پنج آہنگ" طبع اول کا ہاتھ آنا کسی کے اقتدار و اختیار میں نہیں۔ اتفاق سے مل جائے تو واہ واہ اور نہ ملے تو واہ واہ۔ مل جائے اور چھوڑ دوں تو میں گناہگار۔ مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں اس کا نسخہ ہے اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۵ جولائی کو یونیورسٹی کی ایگزیکیوٹیو کا اجلاس ہوگا اس میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ دوسری بار میں جو جلدیں لے گیا تھا یاد نہیں رہا وہ کون کون سی جلدیں تھیں۔ آپ نشان بتا دیں تو ان میں یہ جلدوں میں سے جتنی ہو سکیں گی جولائی میں ساتھ لاؤں گا۔ آپ کے پاس جو جلد ہے وہ ۱۹۲۴ء کی جلد ہے میری کوشش یہی ہے کہ "انشائے غالب" کی اشاعت جلد سے جلد ہو جائے۔ یہیں الٰہ آباد میں چھپواؤں گا۔

والسلام

نیازمند: عبدالستار صدیقی، الٰہ آباد۔ یکم جولائی ۵۶ء

امتیاز علی عرشی

مولانا امتیاز علی عرشی صاحب مدظلہ کے مکاتیب کی ایک قسط نقوش کے ذریعے شائع کی جا رہی ہے۔ تیس پینتیس سال کے عرصے میں مولانا نے بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے ہیں۔ ان میں بے تکلف دوستوں کے نام بھی ہیں، عزیزوں کے بھی اور مختلف علمی ادبی تحقیقی بحثوں سے استفسارات کے جواب میں بھی بے شمار حضرات کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر انداز کے خطوط اپنی الگ شان رکھتے ہیں اور ان میں شگفتہ، سنجیدہ اور باوقار طرزِ تحریر کے شاہکار چھپے ہوئے ہیں۔ یہ خطوط نہ معلوم کہاں کہاں ہوں گے، نہ جانے کتنے محفوظ ہوں اور کتنے ضائع ہو گئے ہوں۔ اگر ان کا ایک حصہ بھی اہلِ ذوق کے سامنے آجائے تو بالخصوص میدانِ تحقیق کی بہت سی گتھیاں سلجھانے میں ان سے مدد ملے گی۔ مکتوب نگار موصوف خطوط کے جواب التزام کے ساتھ دیتے ہیں اور ایسے خطوط کے جواب پر خصوصی توجہ دیتے ہیں جن میں اُن سے کسی علمی ادبی مسئلے میں کوئی سوال کیا گیا ہو۔ یہ خصوصیت اہلِ علم میں بہت کم نظر آتی ہے اور اسی لیے کبھی کبھی ایسے شکوے سننے میں آتے رہتے ہیں۔ جن میں تشنگانِ علم ہمارے اربابِ علم کی عدمِ توجہ کا رونا روتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں ہیں۔ ان میں تین نام خاص طور پر اس دور میں طالبانِ علم کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں اور وہ ہیں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود اور مولانا عرشی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے نوادر الالفاظ کے مقدمہ کے آخر میں لکھا ہے کہ:

"میری اس کوشش اور محنت میں مجھے سب سے زیادہ مخدومی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولانا امتیاز علی عرشی سے مدد ملی جن کی مراسلتوں کو اگر شائع کر دیا جائے تو دُنیا کے لیے بجائے خود غرائب اللغات اور نوادر الالفاظ بن جائیں۔"

سید صاحب کے اس بیان سے ان حضرات کے خطوط کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ادھر دو تین سال سے میں چوری چھپے مولانا عرشی مدظلہ، کے خطوط کی نقلیں تیار کرتا رہا ہوں۔ مدیر نقوش کے اصرار پر اُن میں سے کچھ اس بار شائع کیے جا رہے ہیں۔ میں نے ان خطوط میں کوئی تخصیص نہیں برتی ہے اور ہر قسم کے خطوط تاریخ وار مرتب کر دیے ہیں۔ آئندہ بھی میں کوشش کروں گا کہ اس سلسلے کو جاری رکھوں۔

ساتھ ہی عرشی صاحب کے مکتوب الیہم سے میری یہ درخواست ہے کہ اس سلسلے کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے میں میری مدد فرمائیں اور تھوڑی سی زحمت برداشت فرما کر اصل یا نقل عرشی صاحب کے خطوط کی مجھے عطا فرمائیں کہ یہ بہت بڑی علمی و ادبی خدمت ہوگی۔ میرا پتہ یہ ہے:

اکبر علی خاں۔ محلہ پھلوار ۔ رام پور ، یوپی

(۱)

بنام عشرت رحمانی دہلی

اپریل ۳۳ء

...... خدا آپ کی شادی کو حضرت آدمؑ کی سی شادی بنائے یعنی جس قدر آپ کے دماغ میں مضامین کے انڈے ہیں ان سے کہیں زیادہ آپ کو بچے دے مگر خدا نہ کرے آپ کی بیوی اپنی دادی حوا کی طرح فریضۂ زوجیت ادا کریں۔ ورنہ وہ دماغ جو دادا کے جنت سے نکلے جانے کے سبب دل پر آیا ہے بھائی کے نکلے جانے پر از سرِ نو ہرا ہو جائے گا۔ نہ معلوم آپ کہاں ہوں گے۔ دلّی یا بدایوں، بہر صورت یہ کاغذی مہمان نوں بہ تقدیر روانہ ہوتا ہے خدا کرے آپ کو خوش و خرم اور کامیاب و بامراد پائے۔

اپنی اہلیہ کو میری طرف سے اس امر پر مبارکباد پہنچا دیجیے کہ اس قحط الرجال میں انھیں ایک ادیب شریکِ زندگی میسر آیا۔ آہ یہ وہ تمنا ہے جو آج سے چند ہزار برس قبل مصر کی ایک وزیرزادی کے دل میں پیدا ہوئی اور مٹ کر رہ گئی۔

خط لکھتے لکھتے دل میں خیال آیا کہ لاؤ دیوانِ حافظ میں سے کوئی موزوں شعر نقل کر دو۔ چنانچہ سرہانے سے قلمی نسخہ اٹھا کر بطریقِ فال کھولا تو ارشاد ہوتا ہے۔

قومے بجد و جہد نہادند وصلِ دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر می کنند

سبحان اللہ حضرت لسان الغیبؒ نے کیا کہا! آپ سمجھے کیا فرمایا یہ ہمارے اور آپ کے متعلق ہے۔ موجودہ زمانہ مادہ پرست ہے کامیابی کا دار و مدار اس کے نزدیک جد و جہد پر ہے۔ اس لیے آپ سب قومِ مجاہدین میں سے۔ ماشاء اللہ سوچتا ہوں اور داد دیتا ہوں خدا ایسا جیادہ ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ اب لیجیے ہماری ہم ہیں اس قوم میں سے جو حوالہ بتقدیر می کنند، چنانچہ نتیجہ دیکھ لیجیے تقدیر کو کیا پڑی ہے جو پرائے کام میں محنت کوشش کرے۔ اس لیے ابھی تک کام درست نہیں۔

آپ کا ــــــــــ امتیاز

(۲)

بنام عشرت رحمانی دہلی

نومبر ۳۴ء

مبارک باد مرگِ نو بہ عرشی

ناپیدا کنار صحرا کی کسی خود رو جھاڑی کے سائے میں انسانی تہذیب و تمدن کے پہلے دو معماروں نے جو سنتِ تعمیر ادا کی تھی وہ یورپ زدگی کے طفیل فرسودہ خیال کی جا رہی ہے۔ ہمارا عرصے سے خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نوجوان طبقہ بھی مہذب دنیا کی دیکھا دیکھی اس روشِ عام سے بیزار ہو گیا ہوگا اور آئندہ کے لیے ع

در گلویم سنتِ پیغمبر بیست

کی شکایت مسموع نہ ہوگی لیکن گزشتہ سال کے موسم گرما میں یہ گل کھلا کہ نہیں عشرت جیسے انسان بھی، وہ انسان جو ہندی مسلمانوں کے نوجوان طبقے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اس امر میں نامہذب ہی ہیں، ہمارے عقیدے میں تزلزل تو اسی واقعے سے پیدا ہو چلا تھا لیکن ۲۴ نومبر ۳۷ء کو یکایک یہ خبر سنی کہ آج شب میں ایک دوسرے عشرت اسی غلطی کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ اس خبر کی تصدیق ہو جانے پر یقین واثق ہو گیا کہ ابھی مستقبل بعید تک بھی یہ رسم و راہ ہمارے نوجوانوں کے لیے گراہ کن رہے گی سبحان اللہ دونوں ذی ہوش اور خود فہم لیکن دونوں عاقبت اندیش این چہ بوالعجبیست

آپ کو یاد ہوگا کہ جب عشرت سے سوال کیا گیا تھا کہ جناب آپ نے یہ

ساعتے عیش و غصّہ سالے چند

والی نا عاقبت اندیشی کیوں برتی تو انھوں نے بزعم خویش اہم ترین دلیل فرائض ادارت میں امداد و اعانت پیش کی تھی۔ دانا دشمنوں نے مسکرا کر نیچی نگاہ کر لی تھی اور نادان مطمئن ہو گئے تھے۔ تاہم کہنے کو عذر تو تھا۔ اب ان عرشی کی سنیے آپ کے پاس کوئی عذر اور کوئی دلیل نہیں آپ کہیں گے کیا عشرت کا دلیل بھی نہیں تو سنیے ان کی دلیل گو قوی نہیں لیکن عشرت کا مرزو ہے یعنی "ہم نے اس لیے شادی کی کہ لوگ ایسا کرتے چلے آئے ہیں کر رہے ہیں اور کریں گے۔"

بتلائیے دلیل ہے یا نہیں۔ یعنی بالفاظِ دیگر وہ اپنی مجبوری رسم و راہ کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی کے متعلق غالب فرما گئے ہیں۔

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد

سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

حضرت اکبر کی خدمت میں آداب کہیے اور کہیے کہ عرشی کی تعزیت کے لیے آئیے۔ بیگم عرشی موجود نہیں ورنہ گفتگو کی یہ تقریب خوب تھی کہ آپ قیصر عشرت کو سلام کہتی ہیں یا نہیں؟ خیر آئندہ سہی۔

آپ کا۔ امتیاز

(۳)

بنام امانت علی خاں گھوڑا کھال ضلع نینی تال

رام پور، کوچہ قاضی ——— ۳۱ر اکتوبر ۳۶ء

برادر عزیز سلمکم اللہ تعالیٰ

تمہارے خط کا جواب پھر دیر میں جا رہا ہے۔ بھائی تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے ذاتی کاموں میں کس قدر سست ہوں، بظاہر تم یہ خیال کرتے ہوگے کہ میں تمہاری طرف سے بے پروا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ تم میرے ایک بازو ہو۔ اور میرے باپ کی دو نشانیوں میں ایک نشانی ہو مجھے تمہارا خیال جس قدر ہے، وہ کچھ تم پر احسان نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات پر احسان ہے۔ دنیا میں ہر عزیز چیز پسند آتی ہے، اور ان رشتوں میں جو باپ اور بیٹے کے رشتے کے علاوہ ہیں۔ برادری کے رشتے

سے زیادہ محبوب کوئی نہیں۔

اس ماہ میں ۲ تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوگی، کوشش کروں گا کہ اُسی دن تمہیں خرچ روانہ کردوں، اور اگر دیر ہوگئی تو انشاءاللہ ۳ تاریخ کو ضرور بھیج دوں گا۔ منی آرڈر تمہیں شاید پانچویں کو ملے، تم وقت ہو تو اسی دن ورنہ دوسرے دن وہاں سے بستر باندھ چل دینا۔ اب اکبر میاں تمہیں بے حد یاد کرتا ہے اور کبری بی کو تم نے ابھی تک دیکھا نہیں ہے۔ اس لیے تم اُس کے مشتاق ہوگے۔ بھائی وہ ابھی تمہیں نہیں جانتی۔

اکبر میاں کی کچلیاں نکل رہی ہیں۔ اس کے سبب معدہ خراب ہوگیا ہے، دست آتے ہیں اور ہلکا بخار رہتا ہے، دن رات میں روتے زیادہ ہیں، اور چلنے میں گر پڑتے ہیں۔ رات کو جب دونوں بھائی بہن بحث کرکے ضد اور رونا شروع کرتے ہیں تو اُس وقت تماشا دیکھنے کا ہوتا ہے۔

قیصری آپا کو سلام کہو، اور کہو کہ تم آؤگی یا نہیں۔ حفیظ کی شادی اگر نکمائی، تو کچھ نہ کیا۔ یہ ہماری تمہاری شادی نہیں ہے، پٹھانوں کی شادی ہے۔ جہیز ایسا ہوگا کہ شہر میں نام رہ جائے گا اور۔ ہاں اُن کی ممانی صاحبہ عرف چھوٹی بھاوج کا سلام اور دُعا پہنچادو، اور سب بچوں اور میرا اور اپنی بھاوج کا سلام و دعا بچوں اور میاں بھائی کی خدمت میں پیش کرو، اور اس کے بعد میاں بھائی سے کہو کہ میں نے مٹھائی بنوا کر رکھی تھی، وہ خراب ہوگئی، آپ نہیں آئے، اس لیے تاوان کی رقم بے کرآئیے گا۔ اور اپنے اضافہ کی مٹھائی اُس کے ہمراہ ہو۔ بی کو جاڑا بخار آتا ہے۔ نجمہ باغ گئی ہیں۔ مُردوں کی روحیں جو فنہ کے دن وہاں آتی ہوں گی۔ اب دیکھو کب واپس آتی ہیں، جمیل میاں اچھے ہیں، کہتے تھے کہ تمہیں ایک خط بھیجا تھا، ابھی اُس کا جواب نہیں آیا، ماموں میاں تمہیں دُعا کہتے ہیں۔ کل ٹبے بھیا آگئے، کبوتر بازی کا ذکر رہا۔ اُن کے کبوتر بس تیار ہیں۔ تم آؤگے تو اُڑان شروع ہوگی۔ زیادہ دُعا۔

راقم۔ امتیاز

(۴)

بنام مسعود عالم ندوی مرحوم (پٹنہ)[1]

اسٹیٹ لائبریری رام پور ۲۵ نومبر ۱۹۴۱ء

عزیزم

الحمدللہ کہ آپ کا مزاج درست ہے۔

چند باتیں مزید تفصیل چاہتی ہیں[2]۔ مہربانی کرکے انھیں حل کیجیے اور میری اس تحریر کے ساتھ واپس کیجیے تاکہ مجھے نمبروار سمجھنے میں سہولت ہو۔ اب میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے۔ چنانچہ بعض نمبر آپ کے خط کے بہت دیر میں سمجھ میں آئے۔

---

[1] یہ خط مکتوب الیہ سے دستیاب ہوا ہے جو مولانا عرشی کے برادر خورد ہیں۔ [2] اگلے صفحہ پر

۱۔ کلیات کا منثور دیباچہ دیکھیے اس میں دو نظمیں دس دس بارہ بارہ بیت کی ہیں۔ ان میں سے دوسری کا آخری شعر ہے۔

بدر پائے محبت بی بہا دُر
امین الدین احمد خاں بہادر

کیا آپ کے نسخے میں یہ نظم اور یہ شعر پایا جاتا ہے ؟

۲۔ کلیات کے آخر میں ایک نثر ہے جو آپ کے نسخے میں ورق ۱۳۵ ب سے شروع ہوتی ہے اس کے درمیان میں یہ عبارت ہمارے یہاں کے ایک قلمی نسخے میں نظر آتی ہے۔

"تا امروز کہ ہجرت خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا، یک ہزار و دو صد و پنجاہ و سہ سال گزشتہ و درصد نگار طالع من باندازۂ خراش پیک آسمانی در مشاہدۂ آثار سال چہل و یکم است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (دس بارہ سطروں کے بعد) آنچہ دریں اوراق از قطعہ و مثنوی و قصیدہ و غزل و رباعی فراہم آمدہ ہمگی شش ہزار و ششصد و ہفتاد و دو بیت[ا] است ۔"

آپ کے نسخے میں یہ عبارت اسی طرح ہے یا سنہ یا تعداد اشعار میں کچھ فرق ہے اگر فرق ہو تو اسی خط کے حاشیے پر ظاہر کر دیجیے[۲]۔

۳۔ آپ نے لکھا ہے کہ ۶ ب — ۱۰ الف تک دیباچہ گلِ رعنا ہے اور اسی دیباچے کے آخر میں ورق ۸ الف و ب پر ذوالفقار بہادر کی منظوم مدح ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ منظوم مدح دیباچہ گلِ رعنا کا جزو ہے اور یہ ذوالفقار بہادر اس گلِ رعنا کی ترتیب کا باعث ہوا ہو گا لیکن اس کا تیقن ممکن نہیں تاوقتیکہ منظوم مدح پوری اور اس کے اول و آخر کی نثر کی دو دو چار چار سطریں میرے سامنے نہ ہوں۔ کیا آپ بآسانی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ البتہ نقل بالکل مطابق اصل ہونی چاہیے[۳]۔

---

[۱] (گزشتہ) یہ خط خدا بخش لائبریری میں محفوظ کلیاتِ نظم غالب سے متعلق چند استفسارات پر مشتمل ہے جو مکتوب الیہ نے مکتوب نگار کی ہدایت کے مطابق سوالات کے جوابات لکھ کر واپس کر دیا تھا۔

مولانا عرشی عرصے سے دیوانِ غالب فارسی کو اسی نہج پر تاریخی ترتیب اور اختلافِ نسخ کے ساتھ مرتب کرنا چاہتے ہیں جیسا وہ اردو دیوان کو نسخۂ عرشی کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ لیکن دیگر مصروفیات کے باعث یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔ اسی ترتیب کے سلسلے میں چند دریافت طلب باتوں کے لیے یہ خط مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو لکھا گیا تھا جو ان دنوں پٹنے میں اقامت گزیں تھے۔

[۱] شش تا بیت پر ندوی مرحوم نے سرخ لکیر کھینچ دی ہے اور خط کے حاشیے پر لکھا :

"پنجہزار بیت است کہ ہر یک پیرایۂ گلوی بسمل و آویزۂ گوش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

[۲] ندوی مرحوم نے اس سے متعلق حاشیے میں لکھا ہے "بس اسی قدر ہے اختلاف اوپر ملاحظہ ہو۔"

[۳] " " " " " " دوسرے خط میں آپ نے اس کی ضرورت نہیں بتائی اس لیے اس دفعہ رہ گیا۔

۴۔ آپ نے تاریخ کتابت کلیات کے جو الفاظ لکھے ہیں وُہ مرتب شکل میں اس طرح ہونے چاہئیں۔
"یازدہم ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ یکہزار دو صد و پنجاہ و چہار ہجری در دہلی از خط بد نمط ھمل مہمل
ست انام پزیرفت" ۱؎
کیا میرا یہ بیان درست ہے؟ ہاں یہ کہہ دوں کہ یہ نام "ہیچ مل" ہے پنج آہنگ میں میرزا صاحب کے متعدد خطوط اس شخص
کے نام موجود ہیں۔ یہ دہلی کا باشندہ اور میرزا صاحب کا پُرانا دوست تھا۔ غالباً لفظ مہمل کی رعایت سے اس نے نقطے
نہیں دیئے۔

اگر اور کوئی بات دریافت طلب ہوئی تو پھر تکلیف دوں گا۔

والسلام

مخلص: عرشی

(۵)

بنام ایڈیٹر آج کل دہلی

کتاب خانہ ریاست رامپور ۲۸ ستمبر ۵۲ء ۲؎

مکرمی! آداب

کرمت نامہ ملا۔ یاد فرمائی اور ذرّہ نوازی کا شکریہ، لیکن کیا عرض کروں کہ باوجود آپ کی طرف سے معاوضے کی پیشکش
کے بھی کسی طرح سر دست وقت نہیں نکال سکتا۔ ایک مضمون نا تمام پڑا ہوا ہے، اردو اور پشتو کے تعلق پر۔ اگر آپ اس موضوع کو
پسند فرمائیں تو مجھے مطلع فرمایئے تاکہ اس کو صاف کر کے اور تشنہ مقامات کی تکمیل کے بعد ارسال خدمت کر دوں۔

بڑھاپا ہونے کو آگیا۔ گزشتہ ۲۵ سال کے اندر سینکڑوں نہیں، ہزاروں صفحات لکھ ڈالے۔ اب بڑھاپے میں کیا کلنک کا
ٹیکہ لگاؤں گا، اور کس بھلے کی امید پر معاوضہ لوں گا، اور مجھے معاف کیجیے گا، میں جس قسم کے مضمون لکھا کرتا ہوں، اُس کا معاوضہ آپ کا
ادارہ کیا دے گا۔ لہذا جو کچھ لکھوں گا وہ قبولیت کی توقع پر خدمت عالی میں حاضر کر دوں گا۔ والسلام

احقر: عرشی

۱؎ ندوی مرحوم نے اس سے متعلق حاشیے میں لکھا ہے:
"جس شکل میں ہیں وہ ملاحظہ ہو۔ یعنی: "۱۲۵۴" ہندسہ یکہزار و دو صد و پنجاہ
کے اُوپر ہے۔

۲؎ یہ خط نامکمل پتے کے اعتراض کے ساتھ ڈاک سے واپس آگیا تھا۔

(۶)

بنام نامعلوم

رضا لائبریری رام پور　　　۱۹ ستمبر ۵۷ء

محترم و کرم ——— سلام مسنون

۱۔ ہمارے یہاں قائم کے دیوان کا ایک مخطوطہ موجود ہے، مگر تنہا یہی ایک نسخہ چنداں مفید نہیں ہوگا، الّا یہ کہ صرف نمونے کے لیے یا کلام کے بارے میں عمومی رائے قائم کرنے کے لیے مطلوب ہو۔

۲۔ تذکرے کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں نہیں ہے، اور نہ میرے علم میں ہے۔ اس خصوص میں قاضی عبدالودود صاحب سے دریافت کیجیے۔

۳۔ سودا کے کلیات کے (۷) نسخے محفوظ ہیں، ان میں سے پہلا ۱۲۱۹ھ کا ہے اور منبعی (بمبئی) میں لکھا گیا تھا۔ ان میں اکثر کام کے ہیں۔

۴۔ میر حسن کے دیوان کے دو نسخے ہیں اور دونوں اچھے ہیں۔ تذکرے کے بھی دو نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں سے پہلا اہم ہے مثنوی کے دس مخطوطے ہیں، ان میں سے پہلا ۱۲۱۰ھ کا اور دوسرا ۱۲۲۷ھ کا ہے۔

میر حسن پر کوئی خاص مواد یہاں نہیں ہے۔ میں بحمداللہ اچھا ہوں، اُمید ہے کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۷)

بنام پروفیسر محمد طاہر فاروقی

رضا لائبریری۔ رام پور　　　۳۰ مئی ۵۸ء

محب مخلص ——— سلام قبول فرمائیں

"خیابان" کا پہلا شمارہ نازل ہوا۔ اس تحفے کا دلی شکریہ پیش کرتا ہوں۔ مضامین سے تو استفادہ بعد میں کروں گا۔ پہلے "جنت نگاہ" سے لطف اندوز ہولوں۔ میرے آبائی وطن کے نوجوان 'لڑکے اور لڑکیاں' جو آپ دو بزرگوں کی پشت پر استادہ ہیں اپنے چہروں کی تازگی و شگفتگی اور اپنے خدوخال کی نزاکت سے مستقبل کے متعلق کیسے خوش آئند توقعات کی پیش گوئی کر رہے ہیں اس کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔ مجھے ان کے اندر ایک طرف جمال الدین افغانی نظر آ رہے ہیں تو دوسری طرف خوشحال خان خٹک۔ ان میں شیر شاہ کی جرأت سکندر لودی کی سیاست اور ابدالی کی شجاعت کے آثار بھی ہویدا ہیں اور دُور دراز گوشوں ہی میں سہی لیکن بہر حال چشتی و کاکی و ہجویری کی رُوح بھی ظہور کے لیے بے قرار محسوس ہو رہی ہے۔ خدا کرے یہ نوجوان پاکیزہ، ترقی پذیر اور

ؔ اس خط کی نقل پر سہواً میں نے مکتوب الیہ کا نام نہیں لکھا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ شاید پروفیسر افتخار حسن صاحب کے نام لکھا گیا ہے۔ اکبر

تابناک زندگی بنانے کی توفیق پائیں۔

مولانا عبدالقادر صاحب کا ذکر خیر پڑھ چکا تھا، سالِ گزشتہ شرفِ مراسلت بھی حاصل کر لیا تھا، اب عزت دید بھی نصیب ہو گئی۔ ماشاءاللہ جوانی میں پیرانہ خردمندی آنکھوں سے ٹپک رہی ہے اور بلند و بالا جبیں، خیال کی وسعت اور گہرائی دونوں کو ظاہر کرتی ہے۔

رہ گئے جناب فاروقی ——— تو اس شخص کے متعلق اب بھی وہی کہوں گا جو برسوں پہلے آگرے میں کہا تھا کہ ؎

دل لوٹ لیا ایک جوان عربی نے

خدا اس خوش دل کو عرصہ دراز تک باقی رکھے جواب بھی سپید بالوں کے سایے میں بے چین رہنے والی آنکھوں سے ہویدا ہے۔

اچھا تو ان سب بچوں کو میری طرف سے دعا اور پیار، اور مولانا کو دست بستہ آداب[۲]۔ والسلام

مخلص: عرشی

———(۹)———

بنام صالحہ عرشی رام پور

۲۲، نومبر ۵۸ء

صالحہ بی،

میری کتابوں کے کمرے میں دیوانِ غالب فارسی[۲] کا غذوں پر چپکا ہوا رکھا ہے، اس میں سے مثنویات والا حصہ مہدی حسن صاحب کو دے دو۔

---

۱ خیابان مجلہ شعبہ اردو فارسی پشاور یونیورسٹی شمارہ ۲۔ مئی ۶۰ء کے صفحہ ۴ پر یہ مکتوب شائع ہوا ہے جو خیابان کے پہلے نمبر کے ملاحظے کے بعد میگزین کے نگران محمد طاہر فاروقی صاحب کے نام لکھا گیا تھا۔ زیرِ نظر خط میں ایک فوٹو گروپ کا بھی ذکر آیا ہے جو شعبہ اردو فارسی کے اساتذہ اور طلبا پر مشتمل تھا۔ اس خط کے بارے میں دُرِّ شہوار صاحبہ مدیر رسالہ کے اداریہ ۵ سے چند سطریں تفصیل کے لیے نقل کی جاتی ہیں:

> "خیابان کا پہلا شمارہ سالِ پیوستہ شائع ہوا تھا سالِ گزشتہ بعض وجوہ سے رسالہ شائع نہ ہو سکا ..... پہلا پرچہ توقع سے زیادہ سراہا گیا ..... اردو کے مشہور ادیبوں اور نقادوں نے حوصلہ افزا تعریفی خطوط لکھے۔ مشہور محقق اور اہلِ قلم مولانا عرشی کا گرامی نامہ جو استادِ معظم فاروقی صاحب کے نام ہے تبرکاً شائع کیا جاتا ہے۔"

۲ اس سے زیر ترتیب دیوانِ غالب فارسی کا مسودہ مراد ہے جس کا تذکرہ مسعود عالم ندوی صاحب کے نام خط کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ مکتوب الیہا، مکتوب نگار کی صاحبزادی ہے۔

مجھے مثنوی ابر گہربار کی ضرورت ہے، اگر تم اُن مثنویوں میں سے اُسے نکال سکو، تو صرف وہی روانہ کر دو۔

دُعاگو: عرشی

—— (۹) ——

بنام اکبر علی خاں (علی گڑھ)

رام پور، رضا لائبریری ۲۲، فروری ۵۹ء

اکبر میاں! دُعائیں

تمھارا خط ملا۔ تمھارے سوال کے جواب میں تفصیل آ گے آ رہی ہے۔ مگر تم نے یہ نہیں لکھا کہ یہ معلومات کس لیے درکار ہیں تمھیں یا کسی اور صاحب کو۔ کیا تم کوئی مضمون لکھ رہے ہو اور اگر لکھ رہے ہو تو کس عنوان سے، آئندہ خط میں یہ ضرور بتانا۔

اب سنو! میرزا غالب اس امر میں تمام اُردو کے شاعروں سے ممتاز ہیں کہ ان کی زندگی کے لکھے اور چھپے ہوئے جتنے نسخے آج ملتے ہیں اتنے کسی اور شاعر کے نہیں ملتے بلکہ اگر ایک صائب کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو شاید فارسی شعراً بھی اس معاملے میں اُن سے آگے نہیں ہیں۔

میں نے دیوانِ غالب کی ترتیب و تصحیح میں، اس کا التزام کیا تھا کہ ان کے عہد کے نسخوں کے ماسوا کوئی اور مخطوطہ یا مطبوعہ استعمال نہیں کروں گا تو ۹ مخطوطے اور ۵ مطبوعہ نسخے میسّر آ گئے اس کے بعد مزید مطبوعہ ایڈیشنوں کے ملنے کی توقع نہیں رہی ہے لیکن قلمی نسخے باقی ہیں اور بہت ممکن ہے کہ دو چار برس میں مجھے یا دیگر اہلِ ذوق کو مل بھی جائیں۔ جیسے حال ہی میں بدایوں سے ایک مخطوطہ ملا اور اس کے ذریعے غالب کے کلام کی تاریخی ترتیب سے متعلق کچھ نئی باتیں سامنے آئیں نیز دو نئے شعر مل جانے کی وجہ سے ایک مقطع کے مفہوم کا ایک نیا گوشہ ہاتھ آیا۔ ان نسخوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ دیوانِ غالب کا وہ غیر معروف نسخہ جس میں کتر بیونت کر کے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) کا نسخہ مرتب کیا گیا تھا اور جسے ہم نسخۂ بھوپال کہتے ہیں اور جو موجودہ نسخوں میں آدمِ ثانی کا درجہ رکھتا ہے۔

اس کا وجود اس لیے ماننا ضروری ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب ردیف وار ہے اور کسی بھی شاعر کا دیوان ابتداً بترتیبِ ردیف جمع اور مرتب نہیں ہوا کرتا۔ علاوہ ازیں عمدۂ منتخبہ اور عیار الشعرا میں متعدد ایسے شعر نقل کیے گئے ہیں جو نسخۂ حمیدیہ میں موجود نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مرزا غالب نے یہ شعر اپنے دیوان ہی میں سے نکال کر دیے تھے اور وہ دیوان کہیں نہ کہیں پڑا ہوگا اگر زمانے کے ہاتھوں تباہ و برباد نہ ہو گیا ہو:

۲۔ دیوانِ غالب کا وہ نسخہ جس میں کانٹ چھانٹ کر کے پہلا منتخب دیوان تیار کیا گیا تھا۔ عمر کے لحاظ سے یہ نسخہ شیرانی کا توام ہوگا۔ اور اس میں وہ تمام ترمیمیں اور اضافے بخطِ غالب ثبت ہوں گے جن کا نتیجہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) میں متداول دیوان کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔

۳۔ دیوانِ غالب کا وہ نسخہ جو ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) میں مرتب ہوا اور جو منشی احمد علی شوق قدوائی کے پاس رام پور میں موجود تھا اور مولانا نظامی بدایونی نے اُن سے مستعار لے کر اپنے ایک ایڈیشن میں استعمال بھی کیا تھا۔ چنانچہ دیباچۂ دیوان کی تاریخ پہلی بار اسی سے نقل کر کے چھاپی گئی تھی، اب رام پور میں اس کا پتا نہیں چلتا۔ غالباً شوق مرحوم رام پور سے جاتے وقت اپنے ساتھ لے گئے اور وہ لکھنؤ یا کسی اور جگہ۔ ان کے ورثا یا شاگردوں میں سے کسی کے پاس ہوگا۔

جہاں تک مندرجات کا تعلق ہے اس کا ثانی ہمارے ہاں لائبریری میں محفوظ ہے مگر اس میں دیباچے کی تاریخ نہیں ہے نیز بعض الفاظ بھی مشکوک ہیں اگر شوق والا نسخہ مل جائے تو بہت سی دشواریاں دُور ہو جائیں گی۔

۴۔ دیوانِ غالب کا وہ نسخہ جو مولانا ابوالکلام نے نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے پاس دیکھا تھا۔ اس میں غالب کا غیر معروف کلام بھی تھا اور مولانا نے اس کی نقل، جو بعد کو شائع ہو گئی الہلال (دورِ اول) میں اشاعت کے لیے حاصل کر لی تھی یہ نسخہ مولانا مہر کو تلاش کے باوجود نہیں مل سکا۔

۵۔ دیوانِ غالب کا وہ نسخہ جس کا ذکر مولانا مہر نے اپنی کتاب "غالب" ص ۴۹۲ طبع ۱۹۴۴ء میں کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انھوں نے بیگم نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں کے پاس دیکھا تھا۔ اس میں بھی غالب کا غیر معروف کلام تھا جسے مہر صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔

۶۔ دیوانِ غالب کا وہ نسخہ جو آغا محمد طاہر دہلوی کے پاس تھا اور جس کی نقل طاہر ایڈیشن کے نام سے وہ شائع کر چکے ہیں۔ اس نسخے کے سرورق پر غالب کی تحریر بھی ہے، طاہر ایڈیشن میں متعدد وہ نظمیں بھی چھپی ہیں جو کسی اور نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ اور غالب کے نام سے مختلف رسالوں میں شائع ہوئی تھیں۔ آغا طاہر نے دیباچے میں اس کا اظہار نہیں کیا ہے کہ وہ انھیں دیوان کے مخطوطے سے باہر ملی تھیں۔ اگر یہ صحیح ہے اور وہ سب ان کے مخطوطے میں مندرج ہیں تو یہ نسخہ بڑی اہم شہادت ہے ان نظموں کے خود غالب کا نتیجۂ فکر ہونے کی مگر مجھے اس میں شبہ ہے۔

سرور صاحب کی خدمت میں جاؤ تو بتا دینا کہ دیوان کے مطبوعہ فرمے ہفتے عشرے میں جلد بندی کے لیے علی گڑھ بھیج دیے جائیں گے۔

اب تمھاری طبیعت کیسی رہتی ہے؟ ہم سب کو فکر رہتی ہے، علاج جاری رکھنا، تمھاری ماں تمھیں دُعا کہتی ہیں اور بہن بھائی سلام، ماموں میاں کی طرف خیریت ہے۔ تم نے بہت دن سے انھیں خط نہیں لکھا یہ بُری بات ہے انھیں انتظار رہتا ہے بالخصوص ممانی جان کو۔

دُعاگو: عرشی

(۱۰)

بنام حامد حسین جیلانی علی گڑھ

میرے پرسانِ حال! آج اکبر میاں نے آپ کا خط دیا جو ۲ ماہ رواں کا لکھا ہوا ہے، میں تو یہ سمجھا تھا کہ آپ مجھے

بھول گئے، ایک بار یہ لکھنے کو بھی چاہا کہ ہمارا آپ کا تعلق گویا ہمارے پڑھنے والے بچوں کی وساطت سے معلوم ہوتا ہے جبھی تو آپ کے علی گڑھ سے چلے آنے کے بعد آپ نے تھوڑے سے بھی یاد نہیں کیا، مگر پھر تکلف کر گیا اور چپ ہو رہا۔ اب اس خط نے یہ سب شکوے پادر ہوا کر دیے یقین ہے کہ میں مروں گا بھی تو آپ میری تعزیت فرمائیں گے اور بچوں کو تسلی و دلاسا دے کر ان کے آنسو خشک کریں گے کیا تسکین وہ خیال ہوتا ہے یہ بھی کہ ہم بے کسی کی موت نہیں مر رہے ہیں غالب نے سچ کہا تھا شیفتہ کے بارے میں کہ

گر بمیرم، چہ غم از مرگ، عزا دارمن است

میں پانچ دن بیمار رہا پہلے دو دن درد گردہ نے مزاج پرسی کی پھر دو روز بلڈ پریشر اور ہیجان رہا مگر ان پانچ دن میں یہ حال ہو گیا کہ ۶ اکتوبر کو متعلق احباب کے انتہائی اصرار پر ایک بے حد اہم سرکاری کمیشن کی پہلی میٹنگ میں بحیثیت رکن شریک ہونے کے لیے لکھنؤ گیا تو ایک ڈاکٹر کو ساتھ لیتا گیا میرا نہیں ان کی ماں کا یہ خیال تھا کہ اس سفر میں سانس لینا نہ بھول جاؤں کل سہ پہر کو خستہ و رنجور واپس آیا ہوں اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو جامعہ کے جلسے میں شرکت اور آپ سے ملنے کے لیے ضرور علی گڑھ آتا اب وہاں کی بجائے انشاءاللہ تعالیٰ کل ایک عشرے کے لیے نینی تال جا رہا ہوں۔ بشرط زیست وہاں سے واپس آ کر اکبر میاں کو علی گڑھ بھیجوں گا اور ہو سکا تو خود بھی ایک دن کے لیے آ کر مل لوں گا۔

آپ صالحہ و اکبر کی شکایت کرتے ہیں یہ اگر ان باتوں کو جان جائیں تو پھر ہمارے برابر کے ہو کر رہ جائیں گے۔ ابھی انھیں ہم تک پہنچنے کے لیے سالہا سال درکار ہیں اس وقت انشاءاللہ یہ بھی اپنے چھوٹوں سے یہی شکایت کیا کریں گے اور ہمیں بھی کبھی کبھار اس بہانے یاد کر لیا کریں گے مگر کیا معلوم کہ یاد کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ ہائے وہ اپنی خوش فہمی۔

آپ میرے لیے خاص طور پر دعا فرمائیے کہ صحت جلد از جلد درست ہو جائے ورنہ برسوں کی آرزو خاک میں مل جائے گی یعنی میری مرتبہ "تفسیر الثوری" کی طباعت حکومت ہند نے منظور کر کے مجھ سے تخمینہ مانگا ہے کتاب ربیع ۱۹۶۰ء سے پہلے چھپ کر تیار ہو جانا چاہیے اگر میں اچھا نہ ہوا تو یہی کہنا پڑے گا کہ

عید ہوئی ذوق مگر شام کو

میری پیاری بیٹی ذکیہ کو خوب خوب دعائیں اور پیار اور خالدہ و راشدہ کو کوری دعا، سچ کہا ہے کسی نے کہ بیٹے مگی ہوتے ہیں بدی۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص: عرشی، ۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء

(۱۱)

بنام اسحاق النبی خاں علوی کیرتی نگر

رضا لائبریری رام پور ۱۴ مارچ ۶۰ء

تو بھائی ہولی مبارک! وہاں تم آسانی رنگ کھیل رہے ہو گے۔ یہاں تو صرف لال رنگ ہے، کہیں گہرا اور کہیں ہلکا گلابی

پہلے آپ کی باتوں کا جواب دے دوں، تو اپنی کہوں۔ یاقوت کے یہاں نجران کے ذیل میں کسی معدان کا ذکر نہیں۔ نہ "حرف میم" ہی میں جہاں معدنوں کا تذکرہ کیا ہے، کسی معدن نجران کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس سے جو روایت ساڑھے آٹھ برس کی ملتی ہے، اس کے بارے میں شارحین بخاری نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ایک راوی عمر کا وہم ہے۔ صحیح الفاظ "راس سبع سنین ونصف" ہیں۔

میں آج کل مصروف ہی نہیں، پریشان بھی ہوں۔ تمہاری بہن سخت علیل تھیں، اور بیمار اب بھی ہیں۔ ہوا یہ کہ تمہارے ایک اور بھانجے برا جان ہوئے، اور اُن کی آمد کے ساتھ ماں پر پہلے ملیریا کا حملہ ہوا، خون یوں ہی کم تھا، اب اور بھی گھٹ گیا۔ اس کے ساتھ بائیں چھاتی پک گئی۔ آخر کار آپریشن کرایا گیا۔ بعض چھوٹوں کے سیروں پیپ نکل گئی اور یہ حقیقت ہے کہ کمزوری اس درجے پر پہنچ گئی کہ از خود کروٹ نہیں لی جاتی۔ سارے عزیز مزاج پرسی اور تیمار داری کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔ چنانچہ غالبہ بی، اسما بی اور بیگم ابھی تک موجود ہیں۔ ڈاکٹر مسرا روزانہ ڈریسنگ کے لیے آتی ہے۔ رمضان کب آیا، معلوم نہیں، کیسے گزر رہا ہے، مطلق احساس نہیں ہوتا۔ کب ختم ہو جائے گا، اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ بہرحال دُعا کیجیے کہ انجام بخیر ہو۔

میں یہ نہ جانتا تھا کہ "نوشبہ رواں" ہونا اتنا مہنگا پڑے گا، مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔

ان حالات میں آپ کے خط کا جواب دیر میں پہنچے تو شکایت نہ کرنا۔

عائشہ بی اور ان کے بچوں اور میاں کو سب کی طرف سے دُعا اور سلام۔ مومانی جان کی خدمت میں سلام اور استدعائے دُعائے خیر۔

آپ کا مقالہ میں نے تقریباً پڑھ لیا ہے۔ جہاں کہیں ناہواری نظر آئی، اُسے دور کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کے نتائج پر میرا دل بھی خوش ہی نہیں، مفتخر بھی ہوگا۔ یہ جو آپ نے بار بار لکھا ہے کہ مقالہ کہیں ضائع نہ ہو جائے، تو ان شاء اللہ اس طرف سے خاطر عاطر کو جمع رکھیے۔ اب میں افضل صاحب کے پاس نہیں بھیجوں گا۔ اسما بی کو دے دوں گا۔ کہ سیف میں بند کر دیں۔ آپ واپس آکر جس کو جی چاہے پڑھنے کو دینا۔ والسلام۔

آپ کا: عرشی

مقالے کے آخری صفحے بھی ختم کر لیے۔ اب بعض مقامات پر آپ سے زبانی گفتگو کرنا باقی ہے، جو ان شاء اللہ ماہ شوال میں ہوگی۔ عرشی

—(۱۲)—

بنام شان الحق حقی کراچی

مارچ ۱۹۶۱ء

محترم و مکرم!

ے برادر نسبتی عرشی صاحب

دونوں مبارکبادوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ کے بارے میں ابھی یہی سنوں کہ آپ کی خدمات کو مادّی و معنوی دونوں لحاظ سے سراہا گیا۔ آمین

ترقی اُردو بورڈ کا ماہی رسالہ کل یا پرسوں ملا۔ اس کے حصّہ لُغت میں "جی" کی جو تشریح کی گئی ہے وہ دوبارہ نظر کرنے کے قابل ہے۔ یہ لفظ وُہی ہے جو پُرانے زمانے میں جیو لکھا جاتا تھا اور لفظ میاں وغیرہ کی طرح کلمۂ تعظیم کے طور پر آبا، چچا، ماموں وغیرہ کو مخاطب کرتے وقت ان کے رشتے ظاہر کرنے والے لفظ کے آخر میں بولا جاتا ہے۔ قصباتی "مولوی جی" بھی کہتے ہیں۔

جناب ممتاز حسن صاحب کی خدمت میں سلام، والسلام

مخلص : عرشی

—(۱۳)—

بنام پنڈت گیانیندر دیو، آریہ سماج لائبریری هلدوانی

۹ رمئی ۱۹۶۱ء

جناب پنڈت گیانیندر دیو صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔

شاید دو ہفتے ہوئے کہ میرے دوست جناب کرشن سرن آریہ صاحب نے آپ کا ذکر کیا۔ مجھے آپ سے خط و کتابت کا اتنا شوق پیدا ہو گیا کہ اُن سے وہیں آپ کا پتا لکھوا لیا، تاکہ آپ کے وسیع علم سے استفادہ کرتا رہوں۔

اُنھوں نے مجھے بتایا کہ آپ پہلے مسلمان تھے، اور کسی مشہور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ جب آپ نے مذاہب عالم کی تحقیق کی، تو آریہ مذہب آپ کو سب سے بہتر معلوم ہُوا، اس لیے آپ نے اسے ترک کر دیا، اپنی بساط بھر میں بھی یہ کام کر رہا ہوں، جی چاہا کہ آپ سے عرض کروں کہ آپ مجھے اپنے نتائج تحقیق سے مطلع فرمائیں تاکہ میں زیادہ کد و کاوش سے بچ جاؤں اور آپ کی رہبری میں بآسانی جان لوں کہ دراصل آریہ مذہب کی کس بات نے آپ کو اسلام سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ چونکہ میں اسی مذہب اسلام میں پیدا ہوا ہوں، اس لیے مجھے یہ سراسر اچھا ہی لگتا ہے۔ مگر آپ اس میں پیدا ہو کر الگ ہوئے ہیں، اس لیے آپ کو اس میں کمی نظر آئی ہو گی۔ وہ کمی کیا ہے؟ اور آریہ ہو کر آپ کو مادی اور رُوحانی کیا ایسی تعلیم ملی جو اسلام میں نہ تھی، اُمید ہے کہ آپ دِل کھول کر مجھے اِس گُر کو بتائیں گے۔

دُوسری بات اُنھوں نے آپ کی زبانی بتائی کہ خانہ کعبہ یا اُس سے متعلق کسی عمارت میں کوئی سونے کا جھاڑ لٹک رہا ہے اس پر گیتا لکھی ہُوئی ہے، جسے آپ نے خود پڑھا۔ یہ بات مجھے بالکل ہی نئی لگی۔ آج تک کسی شخص نے بھی ایسے جھاڑ کا ذکر نہیں کیا ہے، چونکہ حج کو جانے والے ہندی مسلمانوں میں کوئی بھی سنسکرت کا عالم نہ تھا، شاید اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ جھاڑ بلند ہو گا، کسی نے اس طرف توجّہ نہیں کی۔ از راہِ کرم بتائیے کہ آپ نے اُسے کس طرح پڑھا اور یہ کس سنہ کا واقعہ ہے۔ اگر فی الحقیقت گیتا اُس پر چھاپ ہے تو ہم ہندیوں کو چاہیے کہ اُس کا فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آج کل ہندوستان کے سفیر جو جدّے

میں مقیم ہیں میرے کرم فرما ہیں۔ علاوہ ازیں وزیر تعلیم ہند جناب ہمایوں کبیر صاحب کی خدمت میں بھی مجھے نیاز حاصل ہے میں تحریک کر کے اُس کا ڈوپلیکیٹ لائبریری کے لیے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہو سکتا ہے یہ جھاڑ بہت پرانا ہو اور ہمیں گیتا کا کوئی پرانا اور عمدہ ٹکسٹ (text) اس طرح مل جائے بغیر کسی جان پہچان کے اتنا لمبا چوڑا خط لکھنے کی معافی چاہتا ہوں۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ مجھے جواب سے محروم نہ فرمائیں گے۔ نیز یہ بھی درخواست ہے کہ آئندہ رام پور تشریف لائیں تو مجھے ضرور نوازیں۔
زیادہ آداب۔

احقر : امتیاز علی عرشی۔ لائبریرین

(۱۴)

بنام عندلیب شادانی ڈھاکہ

۱۳ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

بھیا! میں نے آپ کا مقالہ پڑھ لیا، میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں کہ شیفتہ نے گلشن بیخار میں عام تذکرہ نویسوں سے الگ راہ بالکل اختیار نہیں کی وُہی فرسودہ الفاظ جو پہلے سے مروج تھے اُنھوں نے بھی استعمال کر دیے ہیں۔ رہے ہمارے اہل نقد تو مشمول میرے (اگر میں ان حضرات میں شامل کیا جا سکتا ہوں) سب کے سب مقلدانہ انداز رکھتے ہیں جو پہلے نے کہہ دیا سب نے آنکھ بند کر کے اُسی کو نقل کر دیا۔

باقی رہا حالی کا یہ کہنا کہ شیفتہ بڑے سخن فہم تھے تو مجھے اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ حالی خود صاحب ذوق شاعر تھے وہ اُن سے مرعوب ہوئے تو صرف اس لیے کہ شیفتہ کو اُنھوں نے عالم و فاضل شاعر اور سخن فہم پایا ورنہ اتنی شد و مد سے اس صفت کا اظہار کبھی نہ کرتے۔

باقی رہا شیفتہ کے معاصروں کا انھیں سخن فہم نہ لکھنا تو یہ بات کم از کم آپ کے پیش کرنے کی نہیں ہے آپ کو بھی تو اہل تذکرہ سے شکوہ ہے کہ کہنے کی بات نہیں کہتے اِدھر اُدھر کی سناتے رہتے ہیں۔

ہم سب بحمد اللہ بخیر ہیں، شمشاد کبھی کبھی لکھتے رہا کیجیے۔ ماموں میاں ہمارے یہاں آ گئے ہیں اُن کی بیوی کا گزشتہ سال انتقال ہو گیا ہے وہ آپ کو دعا کہتے ہیں۔ اپنے بچوں کو میری دعا کہیے اور پیار کیجیے۔ والسلام

آپ کا مخلص : عرشی

(۱۵)

بنام مولانا عبدالقادر پشتو اکیڈمی پشاور

۲۲ ر اکتوبر ۶۱ء

مبحکِ محترم — "اردو اور افغان" کی کاپی مل گئی۔ دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ مجھ اس کے ساتھ ہی یہ کرم بھی

ے یہ خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچ سکا اور ڈاک خانے سے واپس کر دیا گیا اس اطلاع کے ساتھ کہ مکتوب الیہ نے [illegible] سے ترکِ سکونت کر لی ہے۔

کیجیے کہ میرا مسودہ اور اپنے تعارف کا مسودہ بھی بھیج دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی کاپی کی مکمل تصحیح کرلوں۔ کاتب نے خوب خوب مٹی پلید کی ہے ناقص کٹائی ہے بغیر اصلوں سے مقابلہ کیے ہوئے کسی سطر کا بھی اطمینان نہیں ہے۔

حاجی خیل کے بارے میں اپنے بزرگوں سے میں نے سنا تھا کہ یہ یوسف زئی کی شاخ اکوزئی کی چھوٹی شاخ ہے مگر دن سے اس شاخ کا کوئی تعلق نہیں۔ افغانی اس نسل کو ہازی خیل بھی کہتے ہیں ۔ ہم جس گاؤں کے رہنے والے تھے وہ سوات میں داخل ہے اور جہاں بنوں سے سوات کی سرحد ملتی ہے وہاں واقع ہے نام اس کا مشا بازکٹے یا مشا بانڈے ہے۔ ہمارے خاندان والے خانزادے کہلاتے ہیں اور اپنی روایت کے مطابق وہاں کے خان موسوم بہ مشرف خان کی اولاد ہیں۔ یہ بزرگ غالباً نادر شاہ کے حملے سے پہلے گزرے ہیں۔

آج کراچی سے ایک خط آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسام الدین راشدی صاحب کو اردو اور افغان کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ محترم، انھیں ضرور بالضرور ایک کاپی بھجوا دیجیے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ کو ان کا نام بھی میں نے لکھا تھا۔ میرے یا دفتر کے سہو سے ان تک کتاب نہیں پہنچ سکی۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے فاروقی صاحب کی خدمت میں سلام اور اشتیاق ملاقات۔ والسلام

مخلص: عرشی

آپ نے مجھے بعید سراہا ہے اس حسنِ ظن کی جزائے خیر کا خدا سے طالب ہوں اور متوقع ہوں کہ توفیقِ الٰہی میرے آپ کے تصور کے مطابق بننے کا سامان مہیا فرمائے گی۔

———(۱۶)———

بنام سید برکات احمد صاحب طہران

۶ر نومبر ۱۹۶۱ء

مکرمی و محترمی! تسلیم مع التکریم

اتحادِ روحانی ہی کا شاید یہ نتیجہ ہے کہ آپ نے جس تاریخ کو مجھے مخاطب کیا اسی تاریخ کو میں نے بھی یہاں سے ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ یقین ہے کہ مل چکا ہوگا۔ اس دوسرے مکرمت نامے کے جواب میں جو دیر ہوئی ہے، اس میں میری مصروفیت سے زیادہ آپ کے سوالوں کو دخل ہے۔ بہرحال ادھورے سے جواب لکھ کر بھیج رہا ہوں قبول فرمایے۔

اب آپ کے سوالات کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

۱۔ سلطنتِ دہلی کے زمانے میں حکومت کے محکموں میں کس زبان میں کام ہوتا تھا اس بارے میں مجھے کوئی تصریح ابھی تک نہیں ملی۔ قیاس یہ چاہتا ہے کہ نچلی سطح میں مقامی زبانیں استعمال کی جاتی ہوں اور اونچے دفتروں میں فارسی، جو غزنویوں کے دور سے یہاں کی دفتری زبان بن چکی تھی۔

۲۔ سکندر لودھی سے پہلے ہندوؤں نے فارسی پڑھی یا نہیں اس سلسلے میں کسی تاریخ میں کچھ نہیں ملتا صرف فرشتہ نے

لکھا ہے کہ سکندر لودھی کے وقت سے ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنا شروع کی اور بدایونی نے بتایا ہے کہ برہمن تخلص کا ایک ہندو ایک مسلم مدرسے میں اُستاد تھا۔

بظاہر حال عقل اسے تسلیم نہیں کرتی کہ تین سو برس کے عرصے میں ہندوؤں نے فارسی کی طرف یکسر توجہ نہ کی ہو۔ میرا یہ ماننا ہے کہ مذہبی اور علمی لحاظ سے ہندوستان کے اکثر بادشاہ علیحدگی پسند تھے اور اس لیے انھوں نے چھوت چھات کے بل پر اسلام سے اپنے آپ کو محفوظ بھی رکھ لیا مگر کروڑوں کی آبادی میں سے جب ایسے بھی نکل آئے جنھوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تو ایسے بھی ضرور ہوں گے جنھوں نے فارسی بھی پڑھی ہوگی۔ ہاں اس عہد تک اہلِ ہند میں پڑھنے لکھنے کا رواج صرف مخصوص طبقوں میں تھا اور وہ سخت مذہبی طبقے، لہٰذا ان میں سے اتنے روادار نسبتاً کم ہی نکلے ہوں گے جنھوں نے فارسی کو جو زبان یا مسلمانوں کی زبان کہلاتی تھی، کاروباری ضرورت سے زیادہ سیکھا ہو۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ خاطر ہے کہ اُس عہد کے مسلمان شاعر و نثر نگار بھی تو گنے چنے ہی نظر آتے ہیں مسعود سلمان ہوئی امیر خسرو اور حسن دہلوی اور جمالی کے علاوہ جس کا نام بھی لیا جائے گا، وہ بہر حال گمنام نہ ہوگا تو کم نام ہوگا۔ اس صورت میں مقابلۃً ایک برہمن کا نامور ہونا کچھ کم بات نہیں ہے۔

۳۔ ایلیٹ نے بات صحیح کہی ہے ہندو فارسی نویس اپنے رنگ روپ میں بالکل مسلم نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ اُن کا عقیدہ بدل گیا تھا۔ بلکہ زبان فارسی کے محاورات، اصطلاحات اور تلمیحات ایسے رچ بس گئے تھے کہ بغیر ان کے اظہارِ مطالب دشوار تھا اور یہ کچھ فارسی کے ساتھ خاص بات نہ تھی جتنے مسلمان شاعروں نے ہندی میں شاعری کی ہے وہ کسی نہ کسی حد تک ہندوؤں کے رسم و رواج کو صرف کیے بغیر اپنا کام چلاتے نظر نہیں آتے۔

ہندو مصنفوں کا اپنی تحریروں میں مسلمان نظر آنا سیاسی دباؤ اس لیے نہیں مانا جا سکتا کہ یہ تحریریں عموماً اسی دور کی ہیں جب وہ اپنی مذہبی آزادی سے مکمل ہمکنار نظر آتے ہیں یعنی مغلوں کے دورِ زوال میں یہ سب کتابیں لکھی گئی ہیں اور مغلوں کے زمانے میں اہلِ ہنود حکومت کے ہر شعبے میں بھرپور اپنا رول ادا کر رہے ہیں۔

۴۔ راجہ رام موہن رائے کا اخبار مرآۃ الاخبار اب ناپید ہے محمد عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب ہندوستانی اخبار نویسی میں بھی صراحت کی ہے۔

۵۔ ۶۔ ہندوستان کی دورِ وسط صدیوں میں بھی فارسی داں ہندو پیدا ہوتے ہوں گے گمان کی لیاقت فارسی صرف کاروباری ہوگی اس لیے ہندوستان کے دکنی علاقوں کے ہزاروں اُن مسلمانوں کی طرح جن کی لیاقت اتنی ہی تھی کہ اپنے کام چلا لیں وہ بھی اپنا نام اپنے ساتھ لے گئے۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے سنسکرت اور دوسری دیسی زبانوں کی تحصیل کی ہے اور بالیقین کی ہے مگر ذرا حساب لگا کر تو دیکھیے کہ اُن میں سے کتنے نامور ہوئے بلکہ کتنے ایسے جن کا ذکر علمائے سنسکرت میں آتا ہے، اودھ میں جائسی مشہور ہوئے دو چار ایسے ہی نکلیں گے مگر کیا انھوں ہی نے اس زبان میں شاعری کی تھی؟

بات یہ ہے کہ اہلِ زبان یا جو اپنے آپ کو اہلِ زبان سے قریب تر یقین کرتا ہو وہ زبان دانوں کی تالیف و تصنیف کو گھٹیا خیال کرتا ہے اور زبان داں اُسے خود بھی نمونہ نہیں بناتے بلکہ اہلِ زبان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی اپنے ملکی مصنفوں کی جگہ قدسیے غیر ملکی مصنفوں ہی کی نقل کرتے کراتے ہیں۔ چنانچہ سنسکرت کے بارے میں بھی یہی ہوا ہے کہ مسلمانوں کی یہ زبان تھی۔ ہندو اُن کی تصنیفوں کی کیوں قدر کرتے۔ خود جو مسلمان سنسکرت سیکھنا چاہتے تھے وہ بھی انھیں نمبر دو کا مان کر نمبر اوّل ہی کی کتابیں پڑھتے ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی ساری مساعی مُردہ ہو گئیں۔ اور اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُنھوں نے سنسکرت سے غفلت ہی برتی۔

۷۔ صوفیا نے ہندوؤں کی اعانت و مدد کے لیے آواز اُٹھائی اس کا کوئی ثبوت میری نظر میں نہیں ہے اور شاید خصوصیت کے ساتھ ہندوؤں کے لیے اُنھوں نے آواز اُٹھائی بھی نہ ہو وہ تو ہر ظلم کے خلاف اور ہر انصاف کے حامی تھے اس لیے جس پر بھی ظلم ہوتا ہوگا اُس کے حامی بنتے ہوں گے۔ اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے تذکرے بالاستیعاب دیکھنے سے دو چار مثالیں تو ضرور ہی مل جائیں گی۔

مگر میرے محترم یہ حمایتِ مظلوم کا کام صرف صوفیا ہی نے نہیں کیا ہے علما بھی اس میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ احمد یادگار نے تاریخ شاہی میں سلطان سکندر لودھی کے ذکر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ :

"روزی فرمودند باید کہ بہ تھانیسر رفتہ کہ کھیت را بخاک اپناشتہ بہ آیہ آنجا در وجہ معاش بیہودہ دہیم۔ ملک العلما آں عہد حاضر بودہ از شاہزادہ پرسید کہ دراں جا چہ چیز باشد؟ فرمود کہ حوضی است کہ ہنوداں از ہزار دو ہزار کروہ بعد برای غسل می آیند۔ گفت۔ از کے بنیاد ایں شدہ است؟ شاہزادہ فرمود : از سالہای دراز ایں بدعت برپا شدہ۔ باز ملک العلما گفت پادشاہان پیش از شما چہ کرد؟ گفت ہیچ نہ گفت : ایں بار بر سر شما نیست چراکہ پیش از شما پادشاہان اسلام بایں نپرداختہ اند از ایں سخن شاہزادہ تافتہ شدہ فرمود : عجیب علمای ایں زمانہ اند۔"

(صفحہ ۳۰، ۳۱ طبع کلکتہ ۱۹۳۹ء)

۸۔ نادر شاہ اپنے ساتھ یہاں کے ہنرمندوں کو لے گیا تھا اس بارے میں پہلے اس کے درباری مورخ میرزا مہدی خاں کوکب کا بیان (نادر نامہ ص ۲۵۸، طبع کلکتہ) میں ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں :

"محمد شاہ را بہ اورنگ فارائی تمکن دادہ و جمع از ہنروران و اربابِ صنعت ہندوستان را بملازمت رکابِ ہمایوں مقرر ساختند۔"

اس سے ذرا آگے لکھا ہے :

"چوں پیش نہاد خاطر اقدس آں بود کہ بعد از فتح و تسخیر ہندوستان بانجام کار ترکستان و خوارزم کہ منبع فتنہ و آشوب خراسان بود، پردازند لہذا از شاہ جہان آباد نجار ہای ماہر کشتی ساز

ہای صاحب شعور روانہ بلخ فرمودند کہ کشتی ہای فلک منظر در ساحل رود آمو بہ مرتب و مہیا سازند۔"

شیو داس لکھنوی نے اقبال نامے میں لکھا ہے (مخطوطہ رام پور ص ۲۷۱، ۲۷۲)

"مصلح ہندوستان از درودگر و آہنگر و دیگر کاریگر کہ بنا بر جرثقیل در کاری شعور نگاہ داشتند و سوای این صنعت گران ہندوستان کہ مرجع ہفت اقلیم انداز ہر صنعت ملازم گرفتہ۔ و قریب ۵۰ نفر از محرران ہندی نژاد و کشمیری نژاد در سلک ملازمان منسلک گردید فی نفر سہ صد روپیہ مواجب شش ماہہ و چہل من غلہ یکسالہ بہ متعلقات آنہا دادند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعضی محرران و فرد شاہجہان را بنا بہ ہمراہی درخواست اما آنہا نظر بر پاس نمک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپوش گشتند۔"

ایک اور مخطوطہ ہمارے یہاں ہے جس کا نام ہے "حقیقت برآمدن نادر شاہ" اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ اس کے صفحہ ۲۶ پہ لکھا ہے:

"دراز آن جاہیر داری یکے از امرای خود را پیشتر روانہ فرمودند۔ و خود بہ دولت باظہار آمدن خزانہ پورب از قلعہ برآمدہ در سرائے باولی داخل شدند و قریب ۵۰۰ کس از ہزار پیشگان ہر فن چہ از متصدیان و چہ از اہل حرفہ کہ مہارت تمام داشتند وبہمراہی شبیر جنگ عرف نثار بیگ مغل برادر خورد و شیدا داد خان براہ شاہجہان پور روانہ قصور کردہ۔"

ان بیانوں میں سے مرزا مہدی کا بیان مجھے درست معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نادر شاہ کا اپنے ہمراہ یہاں کے صناعوں کو لے جانا۔ یہاں کے منشی وہاں کس کام آتے الا یہ کہ لگان وغیرہ کے کام سے ماہر متصدیوں کو ساتھ لے گیا ہو تاکہ وہاں کی زمینوں کی تقسیم اور لگان وغیرہ کی تشخیص میں مدد دیں۔

۹۔ میری دانست میں آپ ڈاکٹر نورالحسن صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ سید معین الحق سیکرٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔ اور پروفیسر اشتیاق حسین قریشی صدر شعبۂ تاریخ کراچی یونیورسٹی سے اور معلومات حاصل فرمایئے گا۔

۱۰۔ پوری کچوری والی بات کسی نے کہی ہو تو بعید نہیں کیونکہ جب ایرانی یہاں کے مسلمانوں کی زبان کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہاں آئے ہوئے ایرانیوں کو بھی غیر مستند قرار دیتے تھے تو یہاں کے مسلمان کسی ہندو کو فارسی دانی اور فارسی نویسی میں اپنے برابر کیسے مان لیتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں کے سب ہندوؤں کی فارسی اچھی نہیں تھی۔ یہ بات تو بہر حال کسی ایک ہی شخص کے بارے میں کہی گئی ہو گی۔

آخر میں آپ کے بارے میں کچھ کلمات عجز و انکسار کے ارشاد فرمائے ہیں۔ اس کے سلسلے میں میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

حضرت! اُن تہرانی صاحب سے پھر تقاضا فرمائیے۔ اور اگر وہ اُس کا عکس دینے کو تیار نہ ہوں تو پھر اس پر آمادہ کیجیے کہ میرے مسودے سے اپنے نسخے کا مقابلہ کر لینے دیں۔

جواب کا منتظر رہوں گا۔ والسلام

مخلص: عرشی

میں نے آپ کا مرسلہ مقالہ ابھی اس لیے روانہ نہیں کیا کہ شاید آپ کے بعض سوالوں کا جواب لکھنے کے سلسلے میں اُس کی ضرورت پڑ جائے۔ فرمائیں تو روانہ کر دوں۔ عرشی

—(۱۷)—

بنام اصغر علی آصف فیضی بمبئی (۱)

چہارشنبہ یکم رمضان ۱۳۸۱ھ ۷ فروری ۱۹۶۲ء

مکرمی و محترمی۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

کرامت نامہ ابھی ابھی ملا۔ اِس لطف و کرم کا دُہرا شکریہ ادا کرتا ہوں، پہلے اس مسرور کن خبر کا کہ آپ کی خدمت میں کیمبرج یونیورسٹی کی پروفیسری پیش کی گئی جو حق یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے ہر عالم کے لیے باعث صد فخر و اعزاز ہے اور دُوسرے اُس محبت و خلوص کا کہ جس نے میرا تہنیت نامہ نہ پا کر آپ کو شکوے پر مجبور کر دیا۔

مگر میرے محترم خدا کو منظور تھا کہ (۱) خود میری نظر میں میری عزت بڑھانے کے لیے آپ سے خط لکھوائے اور (۲) میرے اس وہم کو بھی دُور فرمائے کہ آپ ہنوز مجھ سے خفا ہیں سو الحمد للہ کہ یہ دونوں امر کما حقہٗ حاصل ہو گئے۔

اب استدعا یہ ہے کہ آپ میری اس کوتاہی کو "شانِ علما" کا نہیں بلکہ طالب علمانہ غفلت کا نتیجہ قرار دے کر مجھے معاف و معذور تصور فرمائیے اور ہمیشہ اپنے مخلص احباب میں شمار فرما کر تشکر و امتنان کا موقع عطا کیجیے۔

آپ کو میں اس عہد کا مفکر عالم اور علماء و طالبانِ علم کا مخلص و ہمدرد جانتا ہوں، یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ اسلام و مسلمین کی فکری بہبود کے لیے آپ جو کچھ سوچتے ہیں اُسے بے جھجک کہنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں یہ آخری صفت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے اس لیے میں دُعا کرتا ہوں کہ کثر اللہ فینا امثالکم۔

دیوانِ غالب آپ ہی کی فرمائش پر مرتب ہوا تھا اس لیے اُسے باوجود ایک حقیر سعی ہونے کے آپ ہی کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے تھا علاوہ ازیں وہ ایک طالب علمانہ ہدیہ تھا جو کسی دُنیوی اقتدار والے کے سامنے پیش ہوتا تو مرتب کو وہ روحانی سکون و اطمینان حاصل نہ ہوتا جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے سے ملا ہے۔

وائے بر جانِ سخن گر بہ سخنداں نرسد

یہ آپ میری عزت افزائی فرماتے ہیں کہ اسے بڑی عزت قرار دیتے ہیں، خدا آپ کے اس حسنِ ظن اور انکسار کو قبول فرمائے اور آپ کو دُنیا ہی نہیں آخرت میں بھی سرخرو اور شادکام رکھے آمین۔

بیشک اس موقع پر استغفار کی کثرت بے حد مفید ہوگی نیز ایک اور دُعا ہے زبانِ رسالت سے نکلی ہوئی میں نے گسے عجب و غرور کے مٹانے میں اکسیر پایا ہے آپ بھی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں۔

ربّ اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین النّاس کبیراً۔

آپ سے ملنے کو میرا دل بھی بہت چاہتا ہے، اب کے سفرِ دہلی کے موقع پر ضرور تشریف لائیے نواب صاحب کے لیے ——— ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور رخاص باغ پیلس کافی ہے کافی ہے' انشاءاللہ موٹر وغیرہ کا وہ انتظام کر دیں گے دیدہ و دل کا فرش ہماری طرف سے قبول فرمایئے۔

میں آج کل دو کاموں میں لگا ہوا ہوں (۱) فہرست مخطوطات عربی کے مسودے پر نظرِ ثانی جو انشاءاللہ عنقریب پریس کو جا رہا ہے (۲) تفسیر سفیان ثوری کے حواشی کی ترتیب و تہذیب یہ بھی اگلے سال چھپنے کو چلی جائے گی۔ علاوہ ازیں تاریخ حاجی عارف قندھاری کے حواشی آج کل زیرِ طبع ہیں اُن کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ پروف کو بھی دیکھتا ہوں۔ ۷۰ برس کی عمر ہو گئی سات آٹھ برس درد گردہ میں مبتلا رہا آج کل بلڈ پریشر کا شکار ہوں۔ اگر اُوپر لکھے ہوئے دونوں کام ۷۵ء سے پہلے پہلے مکمل ہو جائیں تو سامانِ کرکا سے کروں۔

خدا کرے آپ کو یہ خط مل جائے اور میں جواب کی عزّت سے محروم نہ رہوں۔ والسلام

مخلص: عرشی

یہ خط مندرجہ ذیل خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

جناب عرشی صاحب — السلام علیکم

آج کل بہت خط اور تار آئے، آپ کا نہیں آیا، عُلما کی یہی شان ہوتی ہے، میں آپ کی دُعا کا خواستگار ہوں، آپ نے جو غالب کا دیوان مجھ کو Dedicate کیا تھا وہ ان تمام عزّتوں سے زیادہ تھا۔ اب بھی دعا کیجیے۔

کیمبرج کی پروفیسری سامنے ہے استغفراللہ کی تسبیح زیادہ کرتا ہوں، جی کو قرار کم ہے انکسار کا غلبہ ہے، بلکہ احساسِ کمتری کا۔ کہاں میں، کہاں کیمبرج کا پروفیسر ہونا مگر وتعز من تشاء وتذل من تشاء، سبحان اللہ والحمد للہ۔

ستمبر کو سفرِ یورپ در پیش ہے کیا ملاقات کا موقع ہوگا، میں دہلی ہمیشہ جاتا رہتا ہوں۔ کیسے تو جناب کی زیارت کو ایک روز حاضر ہو جاؤں۔

آج کل کس دھن میں ہیں حضرۃ الاستاذ؟

فی امان اللہ

فیضی آصف

جناب نواب صاحب رام پور کا کیا پتہ ہے ان کو لکھوں گا تو شاید گاڑی مل جائے۔

والسلام

—(۱۸)—

بنام غلام حسین ذوالفقار لاہور

۱۸ مارچ ۱۹۶۲ء

مکرمی و محترمی تسلیم مع التکریم

مودت نامے کا شکریہ۔ شاداں بلگرامی اُن اساتذہ میں تھے جن کے حالات بہت مختصر ملا کرتے ہیں۔ بس لکھنا، پڑھنا پڑھانا اور سوچنا۔ اسی لیے آپ نے اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہی بہت کچھ ہے۔ مزید کہاں سے ملے گا۔ مزید براں وہ لاہور سے واپس آکر بڑھاپے کے باعث بہت ہی مضمحل ہو گئے تھے، شہر میں نکلتے بھی کم تھے۔ ملنے جلنے میں بے حد و حساب کمی کر دی تھی، مدرسۂ عالیہ رام پور اور مکان۔ بس ان دونوں کے درمیان ان کی دوڑ تھی۔ سببِ موت جبڑے کا سرطان ہوا، خرچ میں بہت میانہ رو تھے اس لیے علاج کما حقہٗ نہ ہو سکا ویسے پورا علاج بھی کرتے تو کیا ہوتا اس مرض سے کون بچا ہے۔ میں اچھا ہوں اور آپ کی خیریت کا طالب۔

جناب وزیر الحسن عابدی صاحب سے سلام کہیے اور یہ استدعا کہ خدارا غالب کے فارسی خط میگزین میں چھاپ دیجیے ورنہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں انھیں شائع کر دوں۔ والسلام

مخلص: عرشی

—(۱۹)—

بنام اسما سعیدی علی گڑھ

۲۴ اپریل ۱۹۶۲ء

عزیزم، خدا تمھیں سلامت رکھے۔

تمھارے دونوں خط مل گئے ہیں، جواب میں تاخیر کا سبب میرا سفر تھا، تم رام پور آکر اور کہاں ٹھہر سکتی ہو۔ میرا گھر تمھارا اپنا گھر ہے۔ اور میں تمھارے بزرگوں کا سلامی مجرائی ہوں۔ رہا کھانا تو بیٹی یہ مجھ سے کیسے برداشت ہو گا کہ سہیل سعیدی صاحب کی بچی میرے گھر مہمان ہو اور کھانے کا بندوبست محمود کرے۔ تم اسے یوں سوچو کہ میری بچی صالحہ تمھاری جگہ ہوتی اور تمھارے گھر جاتی تو تمھارے والد اسے سہہ سکتے تھے کہ کھانا کہیں اور کھائے۔ تم آؤ اور ضرور آؤ۔ اور ہمارے ساتھ جو میسر ہو وہ کھا کر اپنا کام کرو۔

مگر بیٹی، آج کل ہمارا سارا گھر مصروف ہے، صالحہ عرشی کی شادی کے سلسلے میں، تم اس درمیان میں آؤ گی تو تکلیف اٹھاؤ گی اس لیے اگر تمھارا زیادہ ہرج نہ ہو تو ۷ اپریل کے بعد آؤ۔ ہم سب چشم براہ ہوں گے۔

اپنی چچی کی طرف سے دعا اور بہنوں کی طرف سے سلام قبول کرو۔ زیادہ دعا۔

دعاگو: عرشی

(۲۰)

بنام سید علی صفدر بمبئی

۹؍ مئی ۱۹۶۲ء

مکرمی دوست مدی   سلام مسنون

احیاء الاسلام کا تحفہ ملا۔ اس لطف و کرم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں نے اس جلد کو پورا پڑھ لیا ہے۔ اس نئے انداز فکر کی داد دیتا ہوں۔ مگر ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ کہ آپ کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آج تک قرآن پاک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں جسے یہ توفیق ملی ہے یہ بات کلیتہً درست نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً۔ ہاں کسی ایک یا دو مسئلوں میں ہو سکتا ہے کہ پہلے نہ سمجھے ہوں اور بعد کا کوئی شخص اس کی حقیقت تک پہنچ جائے۔

علاوہ ازیں آپ کا انداز تحریر پیش رووں کی تحقیر تک منتج ہوتا ہے، یہ بات کسی علمی کتاب کے لیے زیب نہیں دیتی۔ پچھلے تمام علماء کا ہماری گردن پر بڑا احسان ہے۔ آج ہم ان کی غلطیاں نکالتے وقت بھی انھیں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔ اگر وہ حضرات اپنی عمریں اس سخت خواں کے سر کرنے میں نہ لگا گئے ہوتے تو ہم اس قابل بھی نہ ہوتے کہ ان کی غلطی کو غلطی جان سکیں۔

لہذا اگلی جلدوں میں انداز تحریر کو خالص غیر جذباتی کر دیجیے۔

اگر میری یہ بات ناگوار خاطر ہو تو معاف فرما دیجیے گا اور میرے لیے دعائے خیر فرمائیے گا۔ والسلام والاکرام

مخلص: عرشی

(۲۱)

بنام نادم سیتاپوری

۳؍ جولائی ۱۹۶۲ء

محترم، آپ کا خط پا کر وہ ساری شکایت دل سے گئی جو عرصے سے یاد نہ کرنے پر پیدا ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے۔

ملفوف فہرست کی سبھی کتابیں عمدہ اور قابلِ خرید ہیں لیکن ہم آج کل خرید و فروخت کا کام ترک کر چکے ہیں۔ سابق ذخیرہ ترتیب پا لے تو پھر ادھر توجہ کریں اس لیے طالب عفو ہیں۔

غالب نامہ آور م کے مطالعے کا موقع مل گیا۔ ماشاء اللہ خوب داد تحقیق دی ہے، دو چار جگہ اپنے نیازمندوں کو جس ادائے خاص سے تنبیہ فرمائی ہے اس نے بے حد لطف دیا، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

خدارا کبھی کبھی لکھتے ضرور رہیے۔ میں سچ مچ اتنا معروف ہوں کہ مرنے کی بھی مہلت نہیں اس لیے قاصر رہوں گا۔

والسلام

مخلص: عرشی

(۲۲)

بنام سلمان الهندی کراچی

۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

مکرمی سلام مسنون

پہلے کتاب اور پھر مکرمت نامہ ملا۔ دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ نے بڑی محنت سے یہ حصہ مرتب فرمایا ہے۔ خدا مزید توفیق کار عطا فرمائے۔ مگر اس میں سراسر وکالت معلوم ہوتی ہے اور وکالت کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو پھر بھی راہِ تحقیق میں خلل انداز ہوتی ہے۔

آپ مولانا کے بیانات پر انحصار نہ فرمایئے بلکہ انھوں نے اپنے خاندان کے بارے میں اپنے والد ماجد کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اُسے خارجی معاصر شہادتوں سے جانچ کر دیکھیے مولانا بہت بڑے آدمی تھے اتنے بڑے کہ صدیوں سے عربی دانوں میں ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا لیکن وہ خود اپنی سعی و کوشش سے بڑے بنے تھے یہ کوشش کسی متقی و پارسا کی کوشش نہ تھی ایک دُنیا دار ذہین انسان کی کوشش تھی۔ اسی نکتے کو ذہن میں رکھیے اور اُن کے بیانوں کو پرکھ کر دیکھیے۔ منشی خلیل صاحب قبلہ، مولانا سید جمیل صاحب، خواجہ عبدالوحید صاحب، مفتون صاحب، قاری عبدالحق صاحب اور قیصر صاحب کی خدمت میں سلام شوق۔ والسلام مع الاکرام۔

احقر: عرشی

(۲۳)

بنام ایڈیٹر روزنامہ ناظم رام پور

۱۲ر جنوری ۱۹۶۳ء

راز[1] صاحب آج صبح افسانہ بن گئے۔ یہ بات زبان سے نکالتے ہوئے دل پر چوٹ لگتی ہے مگر حقیقت عجیب بے مروت ہوتی ہے۔ ہزار آرزوئیں اور لاکھ تمنائیں بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ انھیں مرحوم کہنا پڑے گا اور مغفور لکھنا پڑے گا۔ خدا کرے کہ وہ مرحوم بھی ہوں اور مغفور بھی۔ آمین

میں فطرتاً کم آمیز ہوں۔ پھر یہ عقیدہ بھی رکھتا ہوں کہ عہدِ وفا باندھا جائے تو اسے نبھانا بھی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ میرے احباب کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے آخر مجھ میں کیا خوبی ہے کہ لوگ از خود میری طرف بڑھیں؟ مگر راز صاحب میرے

---

[1] راز یزدانی رامپوری

دوسرے احباب کی طرح آپ میری طرف سے بڑھتے رہے اور تھوڑے ہی عرصے میں میرے عمر بھر کے دوستوں کی صف میں داخل ہو گئے۔ ویسے ہی میرے سوگ پر رنجیدہ اور میری مسرت پر شاداں۔ یہ تھی اُن کی ذاتی خوبی اور یہ تھا اُن کا فطری اخلاص۔ وہ مجھ پر ایک اشاراتی مقالہ لکھنا چاہتے تھے میں نے اِن سے باز رکھنے کی کوشش میں کہا اچھا تم اب میرا کہا مان لو میرے مرنے کے بعد جو چاہو لکھ دینا اس کے جواب میں ظالم نے کہا میں تمھیں مُردہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ کاش اس کی زبان سے یہ کلمات نہ نکلتے مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ قضا و قدر کا یہی فیصلہ تھا کہ میں اس بے لوث اور پُر اخلاص دوست کا ماتم گسار بنوں اور اس کے لاشے پر بے بسی کے ساتھ دو چار آنسو بہا کر رہ جاؤں۔ کسی عرب شاعر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ:

"ان [illegible] تفجع بالاحبة کلهم"
"جیو گے تو دوسروں کی موت کے داغ بھی دل پر اٹھانا ہوں گے۔"

راز صاحب مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے مگر اُن کی شاعری کی عمر میری شاعری سے کہیں زیادہ تھی نظم نگار بھی تھے اور غزل گو بھی۔ اُن کی سیاسی نظمیں زمیندار کے عروج کے زمانے میں سرورق پر چھپا کرتی تھیں اور غزلیں نگار کے اوراق میں صرف جگہ ہی نہ پاتی تھیں بلکہ نیاز جیسے سخن سنج سے داد بھی حاصل کرتی تھیں۔ حق یہ ہے کہ اُن کا اپنا رنگ تھا جس میں ندرتِ تخیل کے ساتھ جدت ادا بھی کارفرما نظر آتی تھی۔

لیکن راز صاحب صرف شاعر ہی نہ تھے بڑے اچھے صحافی بھی تھے۔ اگر وہ اس فن کو اپنا پیشہ بنا لیتے تو آج ہندوستان کے اچھے صحافیوں میں شمار ہوتے۔ اُن کے اداریوں میں سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ شگفتگی عبارت بھی پائی جاتی تھی وہ جیسے خود شگفتہ رُو اور کشادہ جبیں ویسی ہی اُن کی تحریر بھی ہوتی تھی۔

اب کئی سال سے راز صاحب نے تحقیقاتی مقالے لکھنا شروع کر دیے تھے۔ وہ اس راہ کے نووارد تھے۔ مگر ان کی فطری صلاحیت نے بہت جلد انھیں صفِ اوّل کے مقالہ نگاروں میں داخل کر دیا تھا۔ بوستانِ خیال اور طلسم ہوش ربا پر انھوں نے جس محنت سے مضامین لکھے ہیں وہ عرصہ دراز تک اس فن پر کام کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے۔ آج کل خانِ آرزو اور بہارِ عجم پر ان کی اصلاحوں کے عنوان سے ایک مقالہ لکھ رہے تھے۔ وہ مکمل ہو جاتا تو بڑے کام کی چیز ہوتا مگر نامکمل انسان کہاں تک تکمیلِ کار کرے گا۔

راز صاحب شاعر تھے، صحافی تھے، محقق تھے مگر یہ اوصاف تو رام پور کے اور پڑھے لکھوں میں بھی موجود ہیں۔ وہ بڑے صاف دل، صلح پسند اور مخلص دوست بھی تھے۔ یہ باتیں مجھے کم ہی لوگوں میں نظر آئیں۔

عرشی

(۲۴)

م ....

اوائل ۶۳ء

عزیزہ! جیتی رہو،

آپ کی مرتبہ کتاب افکارِ عبدالحق مل گئی تھی۔ اور ارادہ تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کر دوں گا۔ مگر اُن دنوں ایسی مصروفیات تھیں کہ میں آپ کو کچھ نہ لکھ سکا۔ پھر اچانک قلب کے عارضے سے شدید بیمار ہو گیا اور گویا اب تک نا تندرست ہوں لیکن آپ کو یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اب انتظار کی مزید زحمت سے آپ بچ جائیں۔

آپ نے مولوی عبدالحق کے ہزاروں صفحات کو چند صفحوں میں جس خوبصورتی سے سمیٹ لیا ہے وہ لائقِ داد ہے۔ اس کے لیے اُن کی لاتعداد تحریروں کو پڑھنا ہی کافی نہ تھا جب تک ذوقِ سلیم کا ساتھ نہ ہو۔ مجھے مسرت ہے کہ اس کی افادیت میں آپ کی سلیقہ مندی نے بیش بہا اضافہ کیا ہے۔

انتخاب سے قطع نظر مجھے آپ کا ابتدائیہ بھی پسند آیا افکارِ عبدالحق پر آپ نے بڑے فنکارانہ انداز میں نظر ڈالی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ خود آپ کی تحریر بھی تر و تازہ اور شگفتہ اسلوب کی حامل ہے۔

اور آخر میں خود اس کتاب کا طباعتی حسن بھی لائقِ ستائش ہے۔ اگر یہ کتاب ٹائپ میں شائع نہ ہوتی تو کیا اس میں یہی کشش اور جاذبیت رہتی جو آج ہے۔

آپ کو یہ کتاب مبارک ہو۔

دعاگو: عرشی

(۲۵)

م شعیب عظیم صاحب ڈھاکہ

۱۶ رجون ۱۹۶۳ء

مکرمی تسلیم

۱۔ حنا اُگتی ہے اُسے قلم نہیں لگائی جاتی۔

۲۔ آنگن میں برات بیٹھتی ہے اُترتی نہیں۔

۳۔ شاد عارفی صاحب کا پتہ ہے:

محلہ مزار شاہ ولی اللہ صاحب رام پور

والسلام

احقر: عرشی

(۲۶)

بنام لطیف حسین ادیب بریلی

۲۲ جون ۱۹۶۳ء

مکرمی و محترمی تسلیم مع التکریم

میں دہلی گیا ہوا تھا۔ وہاں سے پرسوں واپس آیا تو آپ کا کرمت نامہ دیکھا، تاخیر جواب کی معذرت کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ

۱۔ کتاب خانہ جمعرات کو بند رہتا ہے اور اوقات کار صبح ساڑھے دس بجے سے ساڑھے چار بجے سہ پہر تک ہیں۔

۲۔ محمد یار خاں امیر کا دیوان یہاں نہیں ہے۔

۳۔ یادگار ضیغم یہاں نہیں ہے۔

۴۔ بیمار کا قلمی دیوان محفوظ ہے۔

۵۔ قائم کا تذکرہ یہاں ہے، قدرت اللہ شوق کا تذکرہ شعرائے اردو نہیں ہے فارسی گو شاعروں کا تذکرہ محفوظ ہے

۶۔ دیوان شہیدی کے ہمارے یہاں نسخے ہیں اُن میں سے ایک کے صفحات ۲۱۲ ہیں یہ غالباً کلیات ہے۔

۷۔ ہمارے یہاں احمد حسن خاں جوشؔ کا صرف ایک دیوان مسمّیٰ بہ چمنستانِ جوش ہے۔

بیمار کو شاگرد مصحفی بنایا ہے امیر مینائی مرحوم نے انتخاب یادگار میں چونکہ یہ اس سلسلے کے شاگرد ہیں اس لیے یقین ہے کہ اپنے اُستاد امیر سے ایسا سنا ہوگا۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص: عرشی

(۲۷)

بنام ڈاکٹر صفدر آہ بمبئی

۲۵ جون ۱۹۶۳ء

مکرمی و محترمی   سلام مسنون

آپ کے مزاج کی ناسازی کی خبر سے دُکھ ہوا۔ میں خود بھی جنوری سالِ حال سے عارضۂ قلب میں مبتلا ہوں، تین مہینے تک تو صاحبِ فراش ہی رہا، اپریل سے دو چار گھنٹے کے لیے لائبریری میں آتا اور زیادہ وقت پڑا رہتا ہوں۔ میں آپ کے لیے دُعا کرتا ہوں کہ پروردگار عالم آپ کو شفائے کامل عاجل عطا فرمائے۔ آپ میرے لیے دُعا فرمائیں۔

خیر المجالس علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی طرف سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ مولانا نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جسے مولانا حمید قلندر نے مرتب کیا ہے ابھی تک اسے اصل اور جعل سے پاک مانا گیا ہے اور مولانا جمالی دہلوی سے لے کر بعد تک کے تمام صوفیا نے اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیے ہیں۔

اس کا قدیم تر نسخہ سنہ ۱۱۶۰ھ کا نوشتہ ہے اس سے پرانا قلمی نسخہ نہیں مل سکا۔

گو ہو سکے تو علی گڑھ سے یہ کتاب طلب فرما لیجیے جناب خلیق احمد نظامی پروفیسر شعبۂ تاریخ علی گڑھ یونیورسٹی نے اس پر انگریزی مقدمہ لکھا ہے اور اس میں ان امور سے تفصیلی بحث کی ہے۔

رہا حضرت موسیٰ کے عہد میں اُردو جملے کا ہونا تو میں نے اصل کتاب دیکھی۔ وہاں حمید قلندر ہندی جملہ لکھ کر خود فرماتے ہیں کہ یہ جملہ چراغ دہلوی نے ہندی میں فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت عہدِ موسوی کی نہیں ہے۔ بلکہ فارسی میں بات کرتے کرتے صاحبِ ملفوظات نے کسی بنا پر بت پرست کی بات ہندی زبان میں نقل فرما دی تھی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ اس بات کو بھی فارسی میں کہتے' ظاہر ہے کہ اس حال میں وہ جملہ بت پرست کا کبھی نہ مانا جاتا بلکہ اُس نے اپنی زبان میں جو کچھ کہا تھا اس کا گویا ترجمہ ہوتا' اسی پر اس ہندی کو قیاس فرما لیجیے۔

فرہنگ قدسی کا کوئی نسخہ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ والسلام

دعاگو: عرشی

(۲۸)

بنام ذاکر علی خاں کراچی

پھلواری۔ رام پور ۳۰ر جون ۶۳ء

ذاکر میاں کو دعائیں!

آم کی فصل اپنے شباب پر ہے۔ آپ کئی بار یاد آ چکے ہیں مگر بندہ کی بے چارگی تو سنی تھی اب ہماری آپ کی بے چارگی اس سے الگ قسم کی ہے بہرحال ہم بھی صبر کر کے آم کھا رہے ہیں آپ بھی صبر کر کے یہاں کے آموں کا غم کھائیے۔ واللہ مالک ہے۔

اس خط کے حامل جناب شکور احمد صدیقی صاحب بی اے وہاں جا رہے ہیں آدمی خوش قسمت معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہاں کی چٹنی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ سوا شہیدوں (دُہی بانسی کے حصار والے) کے بارے میں سنا ہے کہ کوئی رامپوری اُن کے تکیے کے پاس گزرتا تو پوچھتے کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ کہتا کہ بریلی' مُرادآباد' لکھنؤ' دہلی وغیرہ کہیں بطلبِ معاش جا رہا ہوں تو بہت خوش ہوتے اور کہتے کہ اس وقت ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جاؤ۔ لوگ اُن کی بزرگی کے معتقد تھے رُک جاتے' شاہ صاحب اچھا کھانا کھلاتے اور رخصت ہو جاتے۔ اس کے برخلاف کوئی رامپوری باہر سے آتا اور تکیے میں رُکتا تو دریافت کرتے کہ کہاں سے آ رہے ہو وہ بتاتا کہ گوالیار سے' اندور سے یا کہیں اور سے تو اس سے بھی کھانا اُن کے ساتھ کھا کر گھر جانے کی فرمائش کرتے وہ راضی ہو جاتا تو مکا کی روٹی اور اُرد کی دال کھلا کر رخصت کر دیتے جب معتقدین نے بار بار یہی عمل دیکھا تو ایک دن اس کا سبب دریافت کیا' فرمانے لگے کہ جو شخص رام پور سے باہر جاتا ہے میں جان جاتا ہوں کہ اس کی قسمت میں قورمہ اور پلاؤ ہے اور اس لیے طے کرتا ہوں کہ یہیں سے اسے عمدہ کھانا کھلا کر بھیجوں گا۔ اور جو شخص باہر سے رام پور واپس آتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اسے چٹنی روٹی کھینچ لائی لہٰذا گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کے سامنے مکا کی روٹی اور دال رکھ دیتا ہوں۔

تو بھائی میں نے تو انہیں یہاں قورمہ پلاؤ نہیں کھلایا ہے مگر تم اس کی کوشش کرو کہ ان کا یہ سفر بابرکت ہو جائے۔
ہم سب اچھے ہیں اور بخیر ہیں تم سب کے لیے دست بدعا ہیں کہ ہمیں نہ بھولو، اپنے بچوں کو میری طرف سے پیار کرو
اور حمیدہ بی کو دعا کہو خان صاحب اور دیگر احباب سے سلام مسنون کہو۔ والسلام

دعاگو: عرشی

(۲۹)

بنام مظہر محمود شیرانی شیخوپورہ

۱۵ر جولائی ۱۹۷۳ء

عزیزم سلمک تعالیٰ

تمہارا خط آیا اپنے ساتھ تمہارے والد مرحوم اختر شیرانی اور دادا مغفور مولانا محمود خاں شیرانی کی مقدس سلسلے اکٹھی ہو گئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے یہ جانا کہ اس خاندان کا نام روشن کرنے والی ایک ذات موجود ہے۔ شاباش بہت پیارے عزیز! مگر تم نے ہمت کی تو علم و فن کی متاع عزیز و گراں مایہ جو تمہارے خاندان سے کھوگئی تھی مع سود واپس مل جائے گی۔ اب تمہاری خواہش کے مطابق جواب خط لکھتا ہوں۔

میں نے غالب پر حسب ذیل کتابیں ترتیب دی ہیں:

۱۔ مکاتیب غالب: جس میں رام پور کے نوابوں اور دوسرے احباب کے نام لکھے ہوئے خطوط ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی سے ملے گی۔

۲۔ انتخاب غالب: یہ غالب کے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب ہے جسے غالب نے نواب کلب علی خاں والئ رام پور کے لیے مرتب کیا تھا، بازار میں یہ کتاب دستیاب نہیں ہوتی۔ ایک نسخہ جناب عبدالرحمٰن چغتائی صاحب کے پاس لاہور میں محفوظ ہے۔

۳۔ فرہنگ غالب: اس میں وہ تمام عربی فارسی اور اردو الفاظ لغت کی ترتیب پر اکٹھے کر دیے گئے ہیں جن کے معانی غالب نے قاطع برہان وغیرہ اپنی کتابوں میں یا خطوں میں بیان کیے تھے یہ کتاب نگار بک ایجنسی رام پور سے ملے گی۔

۴۔ دیوان غالب: یہ ایڈیشن انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ نے چھاپا ہے اور وہیں سے ملے گا۔

ان کے علاوہ کئی مقالے بھی غالب پر لکھے تھے جو رسالہ آج کل دہلی، ماہ نو کراچی اور رسالہ تحریک دہلی میں چھپے ہیں سنین طباعت یاد نہیں۔

میرا بڑا لڑکا اکبر علی خاں سلمہٗ رام پور سے رسالہ نگار نکال رہا ہے اس نے غالب کے نام سے معاصرین غالب کے وہ مضمون چھاپنا شروع کیے ہیں جو انھوں نے غالب پر لکھے تھے۔ یہ پرچے تمہیں ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج یا ڈاکٹر محمد باقر صاحب صدر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی کے پاس ملیں گے اگر وہاں نہ ملیں تو براہ راست اکبر علی خاں کو لکھنا وہ بھیج

دے گا تسلف ہرگز نہ کرنا وہ تمہارا بھائی ہے۔

نیز غالب کے بارے میں کوئی اور بات دریافت طلب ہو تو لکھنا۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی خدمت میں سلام پہنچا دینا۔ اُن کا یہ احسان میری گردن پر ہے کہ تمہیں مجھ سے متعارف کرا دیا۔ والدعا۔

دُعاگو : عرشی

(۳۰)

بنام احتشام الدین شاغل جے پور

۲۲ر جولائی ۱۹۶۳ء

مخدوم و مکرم من سلام مسنون

شاید خدا نے مجھے اسی لیے زندہ رکھا کہ آپ کا نامۂ محبت شمامہ پاکر اس کے جواب لکھنے کا لطف اور مسرت حاصل کروں ورنہ پچھلی جنوری کی ۳۰ تاریخ کو دل کا دورہ ایسا پڑا تھا کہ مرنے میں کچھ باقی نہ رہا۔ اب بحمداللہ کام کرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔ دُعا فرمایئے کہ فہرست کی طباعت کا کام میری زندگی میں مکمل ہو جائے۔

حضرت! ہمارے یہاں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور نور جہاں کی تصویریں ہیں کہاں، ورنہ ضرور اُن کے عکس آپ کی خدمت میں نذر ہوتے۔

یہ ارشاد ہو کہ راجہ صاحب جے پور کے کتاب خانے کو آپ نے اب تک پبلک کے لیے نہ کھلوایا، اس کی وجہ کیا ہے؟ ہم تو آس لگائے بیٹھے ہیں کہ اس کے نوادرات کی زیارت سے اپنی آنکھیں روشن کریں گے۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۳۱)

بنام گیان چند جین بھوپالی

۹ر اگست ۱۹۶۳ء

مکرمی تسلیم مع التکریم

حسب ارشاد اپنے جواب ترتیب وار عرض کر رہا ہوں۔

۱۔ مہدی ناشد کے ہمارے یہاں دو نسخے ہیں اور دونوں نولکشوری ہیں۔ ان میں ایک ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء کا ہے اور دوسرا ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۶ء کا مطبوعہ ہے۔ چونکہ اس ترجمے کے اختتام کی تاریخ ۱۱۹۷ھ / ۱۸۸۰ ہے اس لیے بظاہر ۱۸۸۲ء ہی میں پہلی بار چھپنا چاہیے۔

۲۔ ریاض الابصار خواجہ امان ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء میں مطبع اکمل المطابع دہلی میں طبع ہوئی تھی۔

۳۔ حکیم منفرب حسین غنی مرہٹی نے بوستان خیال کی ساتویں جلد کا ترجمہ کیا تھا جو کاشف الاسرار کے نام کے ساتھ طبع

دارالعلوم میرٹھ میں ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں چھپا تھا۔ اس کا سالِ ترجمہ بھی ۱۳۰۰ھ ہے۔

۴۔ ضیاء الانوار (دو بارہ کا کش) کا پہلا ورق نہیں ہے اس لیے مطبع کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آخر میں بھی مطبع کا نام درج نہیں ہوا ہے۔ ہاں ایک قطعہ تاریخ ہیں یہ مصرع ملتا ہے:

جب مطبعِ میرٹھ میں خواجہ قمرالدین نے

بوستان خیال کا خواجہ بدرالدین کا ترجمہ جلد ۶ مطبعِ دارالعلوم میرٹھ میں ۱۲۹۸ھ میں چھپا تھا اور اس کی جلد ۸ کا ترجمہ از قمرالدین مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ میں ۱۳۰۱ھ میں طبع ہوا تھا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ ضیاء الانوار ان میں سے کس میں چھپی تھی۔ بظاہر دوسرے مطبع میں چھپا پایا جانا قابلِ ترجیح ہے

۵۔ خلاصہ بوستان خیال کی تاریخ تالیف آپ نے کہاں سے نقل فرمائی ہے۔ ہمارے یہاں کیٹلاگ میں تو کوئی تاریخ بھی درج نہیں ہے۔ بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ خلاصہ مذکور نواب کلب علی خاں کی تالیف ہے اور انھیں کے دفتر کے ایک متصدی نے اسے صاف کیا تھا یہی صاف شدہ نسخہ ہمارے یہاں محفوظ ہے۔

۶۔ محمد ہارون خاں کہاں کے تھے اس کا کتاب میں ذکر نہیں ملا۔ انھوں نے دیباچے میں اپنا نام "محمد ہارون ولد خواجہ خضر خاں" لکھا ہے۔

۷۔ داستان امیر حمزہ ہر چہار دفتر کے نسخۂ مطبوعہ نولکشور ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء بار چہارم کے خاتمۃ الطبع میں نظرثانی کرنے والے کا نام مولوی سید تصدق حسین صاحب رضوی مصحح مطبع لکھا ہے اور انھیں اس سنہ میں مرحوم بتایا ہے۔ مجھے قلب کی جتنی شکایت ہوئی تھی وہ اب تک ہے۔ علاج جاری ہے۔ دعا فرمائیے۔ والسلام

مخلص: عرشی

——— (۲۲) ———

بنام مسعود حسن رضوی ادیب لکھنؤ

۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

مخدومی زیدت مکارمکم۔ آداب و تسلیمات

مثنوی دیگر میں ۱۵۰ شعر ہیں۔

میں جنوری سالِ رواں میں وجع القلب میں مبتلا ہوا، اب بحمداللہ اتنا اچھا ہوں کہ روزانہ دفتر آتا ہوں اور فہرست تفسیر نوری کی طباعت کی نگرانی کر رہا ہوں مگر مرض ابھی گیا نہیں ہے۔ کام کا اثر اچھا نہیں ہو رہا۔ خدا کرے اپنے ادھورے کاموں کو پورا کروں۔

راز[1] مرحوم میرے بہت مخلص دوست تھے، میرے مزاج سے بھی بخوبی واقف تھے اس لیے انھوں نے یہ کام بہت ہی مخفی طور پر کرنا شروع کیا تھا۔ مجھے اتفاق سے آمنہ خاتون بھوری کے خط سے معلوم ہو گیا تو میں نے انھیں اس کام سے

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

روکا وہ بظاہر تو نقوش سے ہو گئے مگر خفیہ خفیہ ادھر اُدھر خط لکھتے رہتے تا آنکہ حکم الٰہی نے مرحوم و مغفور کر دیا، کاش وہ زندہ بنتے اور میں اس رسوائی سے بچ جاتا مگر حکم خداوندی میں کیا چارہ، بہر حال اب اس کام کو ختم ہی سمجھیے۔ والسلام

مخلص: عرشی

—(۳۳)—

بنام عبدالرزاق قریشی بمبئی

۵ فروری ۱۹۶۴ء

میرے مکرم! —

اگر آپ مجھے یہاں آکر کام کرتا دیکھیں تو یقین کرتا ہوں کہ رحم کھا کر سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیں۔ میں صرف اس لیے پارسا نہیں مگر چند بے حد ضروری کام ادھورے رہے جا رہے تھے انھیں میں سے ایک فہرست مخطوطات ہے۔ جونہی ڈاکٹر نے کام کرنے کی اجازت دی میں نے اُن کاموں کو کرنا شروع کر دیا اور دن رات انھیں میں لگا ہوا ہوں۔ یہ باعث ہے دیوانِ عزلت پر کچھ نہ لکھنے کا۔ ویسے میں نے اسے ہر اعتبار سے مکمل پایا ہے اور آپ کی محنت کی داد دیتا رہتا ہوں۔

واقعات اظفری کا حوالہ اس پورے پیراگراف کے سلسلے میں ہے۔ یعنی پیراگراف کی باتیں کچھ اس میں ہیں کچھ دوسری کتابوں میں لہٰذا آپ ہر بات واقعات اظفری سے تصور فرمائیں۔ یہ عرض کر دوں کہ تاریخ تیموری وُہی عبرت نامہ ہے۔ والسلام۔

مخلص: عرشی

—(۳۴)—

بنام سرفراز عثمانی امروہہ

رضا لائبریری رام پور ۱۹ر فروری ۱۹۶۴ء

مکرمی و محترمی تسلیم مع التکریم

انجمن تعمیر اُردو کے سالانہ جلسے میں شرکت کی دعوت کا پُر خلوص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور بزرگان و دوستان امروہہ کا

حاشیہ ص ۱۰۶

راز صاحب سے مُراد راز یزدانی ہیں۔ وہ مولانا عرشی صحیفۂ یادگار Arshi Presentation Volume مرتب کرنا چاہتے تھے۔ میرے علم میں یہ بات تھی کہ جناب مالک رام بھی ایسا ہی ارادہ رکھتے ہیں میں نے راز صاحب کو بتایا تو انھوں نے مالک رام صاحب سے حصول اشتراک چاہا۔ عرشی صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ تجویز اصل میں مالک رام صاحب کی تھی۔ چنانچہ جنوری ۶۲ء میں راز صاحب کے مرحوم ہو جانے کے بعد اس کتاب کی ترتیب کا سارا کام مالک رام صاحب نے انجام دیا اور اب یہ کتاب نذرِ عرشی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

منت پذیر ہوں کہ وہ ایسے مواقع پر مجھے یاد فرما کر شاد کام کرتے ہیں، خدا ان سب کو بھی دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو رکھے۔ آمین۔

میں ااگزشتہ درد دل میں مبتلا ہو گیا تھا، اب بحمد اللہ اچھا ہوں مگر بزدل ہو گیا ہوں گھر سے نکلتے ڈر لگتا ہے کہ خدا جانے کہاں دل ساتھ چھوڑ جائے، اس مرض میں ہزار دواؤں کی ایک دوا آرام بتائی گئی ہے اور یہ دوا صرف گھر پر ہی میسر آتی ہے۔ سفر چاہے جنت کا ہی کیوں نہ ہو جب تک باقی رہتا ہے تکلیف ہی دیتا ہے۔ علاوہ ازیں معمولات میں بھی فرق آ جاتا ہے اور خلاف عادت سے بھی دکھ پہنچا کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ان حالات کے تحت اب سفر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ دلی کو ایک سرکاری ضرورت سے جانا ہے اسے بھی طرح طرح کے حیلوں سے ٹال رہا ہوں۔ آپ کے پاس حاضر ہونے کو دل بے حد چاہتا ہے مگر عقل پانو پکڑ رہی ہے کہ خبردار کہیں اُکسانے والا ہی دھوکا نہ دے جائے۔

تو میرے مکرم میری آپ سے بھی یہ درخواست ہے اور مولانا فریدی زید مجدہ اور حکیم کلب خاں صاحب قبلہ سے بھی کہ مجھے اس موقعے پر معذور و معاف رکھیں ہاں ان شاء اللہ بشرط زیست اگلے موسم برشگال میں آم کھانے حاضر ہو سکتا ہوں کہ اگر اس موقعے پر بھی آ پایا تو سید صاحب جنت کو بتاؤں گا کہ آم کو رہبر دربارہ خلد کا توشہ بنایا جاتا ہے بلکہ بتایا جائے گا کہ آم کے درخت کی چھاؤں میں دفن کر دیا جاؤں کہ وہ طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ ہے۔ امید ہے کہ اس سمع خراشی کو معاف فرمائیے گا اور مجھے عدم حاضری پر فراموش نہیں کریں گے۔ والسلام

مخلص: عرشی

—— (۳۵) ——

بنام اقتدار حسن، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

رضا لائبریری رام پور ۴ مارچ ۶۲ء

مکرمی سلام مسنون

یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جواب میں تاخیر کا معذرت خواہ ہوں۔

۱۔ دفتر الکلمات میں ایک جگہ ۱۱۹۰ھ کو سالِ حال لکھا گیا ہے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ حصہ سنہ مذکور کا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کلب علی خاں صاحب نے ۱۱۹۶ھ کو تالیف کا سنہ کیسے قرار دے دیا اگر کوئی عبارت خود کتاب میں اس مفہوم کی ہے تو وہ انھوں نے لی ہے! اس کی نقل کہاں ہو گی ان سے دریافت فرمائیے۔

۲۔ نواب غلام محمد خاں کے دیوان کا مادۂ تاریخ ۱۲۱۶ھ ہی بتاتا ہے۔ اثر مرحوم نے ۱۱۹۶ھ دیوانِ قائم سے نقل کیا ہے اگر وہ خود جانچ کرتے تو اس عدد سے اختلاف کا اظہار بھی کر دیتے باقی اس میں شک نہیں کہ ہونا ۱۱۹۶ھ ہی چاہیے۔ یہ ہے کہ مصرعے کے الفاظ میں کوئی غلطی ہے۔

۳۔ شاہ میں سے الف یہاں نہیں گرایا جا سکتا۔ ورنہ مصرع ساقط الوزن ہو جائے گا۔
لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ پچھلے مادۂ تاریخ میں ایک عدد کو گرا دیا گیا ہے وگرنہ ۱۱۷۰ھ ہی احمد شاہ ابدالی کا سال رخصت از ہند ہے تو پھر یہی تاویل کر لیجیے۔

۴۔ راجہ رام پرشاد سے میں واقف نہیں ہوں

۵۔ حسین علی خاں، نواب فیض اللہ خاں بہادر کے بیٹے تھے اس میں کوئی شک نہیں۔ مولانا نجم الغنی خاں مرحوم نے اخبار الصنادید میں ان کا ذکر کیا ہے مگر سال وفات نہیں دیا۔

اکبر علی خاں سلمہٗ خیریت سے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ والسلام والاکرام۔

مخلص: عرشی

یہاں غزلیات قائم کو ڈاکٹر خورشید الاسلام صاحب نے طبع کرا دیا ہے۔ آپ کو اس کی کاپی مل چکی ہوگی۔ عرشی

—— (۳۶) ——

بنام ذکیہ جیلانی علی گڑھ

۲۸ مارچ ۶۴ء

بیٹی خدا تمھیں سلامت رکھے۔

پہلے تو اپنے ابا اور امی سے پوچھو کہ میں علی گڑھ آنا چاہتا ہوں، کم از کم ایک ہفتہ قیام رہے گا کیا ان دونوں کی اجازت ہے۔ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں نے تمھارے خانساماں بہادر کو عمر کے جس حصے میں پایا ہے اس میں غلام کو جو آزاد کر دیا جاتا ہے اور آزاد کو دعا دی جاتی ہے کہ اللہ رحم کرے۔ میں آ بیٹھوں گا تو سب پر نازیبا بار ہوگا مگر تم کہو گی کہ اس پوچھنے اور اجازت طلب کرنے سے کیا فائدہ کیا ہم نہیں گے کہ آپ ہرگز نہ آئیے تو وہ برادرِ نوح حیران ہو جائیں گے۔ بیٹی یہ بات نہیں ہے وہ تو ویسے ہی رہیں گے مگر میں اپنے آپ کو فریب میں رکھ سکوں گا کہ اگر میری موجودگی تم سب کے لیے باعث تکلیف بن رہی ہے تو اس میں میرا نہیں خود تم گھر والوں کا قصور ہے کہ کیوں نہ صاف صاف بے تکلفی سے لکھ دیا کہ صاحب آج کل ہم خود بقلم خود ہو رہے ہیں آپ ہرگز نہ آئیے اور آ گئے تو کوئی اور دروازہ دیکھیے۔

اگر وہ دونوں وہاں آنے اور ٹھہرنے پر رضامند ہو جائیں تو پھر یہ عرض کر دو کہ:۔

(۱) مجھ سے انڈا کھانے کو نہ کہیں۔

(۲) گوشت کھانے پر اصرار نہ کریں۔

(۳) توسوں پر مکھن نہ لگائیں۔

اور (۴) مٹھائی نہ کھلائیں

بس دال اور بھاجی بے بگھار کی یا معمولی سے گھی میں بگھار کر کھلائیں۔ نیز مجھے اپنے ساتھ نہ کھلائیں اور کھلائیں تو

کھانے میں ادھر اُدھر آنکھ بچا لیا کریں کہ میں دو چار نوالے بھر کر بد پرہیزی کر لیا کروں کہ بقول بزرگان چوری چھپے کی بد پرہیزی دوا کا کام کرتی ہے۔

یہ سب امور منظوری میں آ جائیں تو میں سامانِ سفر باندھوں۔

بیٹی تمہارے والدین کی قسمت میں بہت سے بچے پالنا پوسنا اور اُن کو تعلیم و تربیت دینا لکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی مقدر کر دیا گیا تھا کہ اپنے بچے صرف چار ہوں اور ان دونوں فیصلہائے قضا و قدر میں یوں تطبیق دی گئی کہ یار دوستوں کے بچے پالنا ان کے سر ڈال دیا گیا۔ چنانچہ یہ دونوں اس سزا کو بھگت رہے ہیں اور کافی عمر تک بھگتتے رہیں گے، جب میں چھوٹا ہوا تو یہ اس درد سری سے نبٹ چکے تھے صرف طارق میاں کا مشغلہ رہ گیا تھا جو اب اُن کی آتی توجہ کا محتاج نہ تھا اس پر بھی یہ دونوں "عرشی صاحب" کے بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش پالن میں گرفتار ہیں تو مجھے اپنی حالت پر رشک اور اُن کے حال پر ترس آتا ہے مگر اللہ جو چاہے کرے انہیں بھی چاہیے کہ صبر و شکر کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے رہیں انشاء اللہ اس کا اجر خاطر خواہ ملے گا مگر ساتھ ہی ہمارے لیے دُعائے خیر بھی کریں کہ اگر ہم اپنے بچے اُن کے سر نہ ڈالتے تو ہم ثواب کیسے لیتا۔

اس ساری تمہید کا منشا یہ ہے کہ بیٹی تم اُن سے کہو کہ عفار کو ایک پتلون اور قمیص عید کے لیے بنوا دیں اور پتلون اور قمیص کے ساتھ ایک جوڑا جوتا بھی پہنا دیں خدا نے چاہا تو ان کے بچوں کو ہزار ہا اعلیٰ جوڑے پہننا نصیب ہوں گے۔

تمہاری چچی تمہیں اور طارق میاں کو دُعا کہتی ہیں اور تمہارے ابا اور اماں کی خدمت میں آداب عرض کرتی ہیں اور سب بچے بھی آداب عرض کرتے ہیں۔

دُعاگو: عرشی

(۲۷)

بنام عبدالرزاق راشد حیدرآباد

۲۹ر اپریل ۱۹۶۴ء

مکرمی سلام مسنون

آج رسالہ تحفہ کی جلد ہشتم کا آٹھواں اور نواں نمبر (یعنی اس کا وہ تراشا) نظر سے گزرا جس میں آپ نے رشکی کی بیاض سے میرزا غالب کی ایک غزل درج کی ہے اس غزل کے تین شعر مطبوعہ دیوان میں ملتے ہیں ان غیر مطبوعہ اشعار میں سے تین مجھے جناب حامد حسن قادری صاحب کے ذریعے سے دستیاب ہو گئے تھے اور وہ میں نے اپنے مرتبہ دیوان کے حاشیے میں درج بھی کر دیے ہیں۔ مطلع اور ایک شعر میرے لیے اب تک نئے تھے، بہرحال آپ کی اس شہادت کے بعد میں ان سب شعروں کو غالب کا مال قرار دے کر اپنے مرتبہ نسخے کے حصہ سوم (یادگار نالہ) میں درج کروں گا۔

اس وقت سوال یہ ہے کہ آپ نے ایک غیر مطبوعہ شعر کے دونوں مصرعوں کے پہلے لفظ نقل فرما دیے ہیں اور وہ یہ

نہیں :

تم نہ آؤ گے . . . . موت . . . .

اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ کی دانست میں یہ شعر شائع شدہ ہیں اس لیے اس کے صرف اوّل لفظ کے ذکر سے پڑھنے والا پورے شعر کو پا سکتا ہے۔ اگر آپ سے سہو نہیں ہوا ہے تو یقیناً دیوان غالب کا کوئی ایسا مطبوعہ نسخہ آپ کے پاس تھا جس میں یہ شعر مندرج تھا ' مہربانی فرما کر اس بارے میں میری رہنمائی فرمایئے ' اُمید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

احقر : امتیاز علی عرشی

(۳۸)

بنام لطیف حسین ادیب بریلی

۱۹ / مئی ۱۹۶۴ء

مکرمی سلام مسنون

مودت نامہ ملا۔ آج کی ڈاک سے معارف کا تازہ پرچہ بھی آ گیا اُسے پڑھ کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آپ نے نواب محبت خاں پر بہت اچھا مقالہ لکھا ہے ' مجھے اشعار کا انتخاب بہت ہی بھایا۔ اُن کا دیوان ابھی تک پورا نہیں پڑھا تھا اس لیے یہ خیال نہ تھا کہ اُس میں اتنے اچھے اچھے شعر اس بہتات کے ساتھ ہوں گے۔

آپ نے اُن کی ایک تصنیف کے وجود سے انکار کیا ہے جو فن لغت پر ہے ' میں آپ کو مژدہ دیتا ہوں کہ وہ لغت ہمارے یہاں موجود ہے چونکہ یہ پشتو فارسی لغت ہے اس لیے آپ کی نظر اس پر نہیں پڑی ' انشاءاللہ آپ پیدا وت کے سلسلے میں تشریف لائیں گے تو اُسے بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

عشرت بریلوی کی پیدا وت ہمارے یہاں موجود ہے مگر یہ مطبع مصطفائی لکھنؤ میں ۱۲۷۸ھ میں طبع ہوئی تھی نولکشور ایڈیشن ہمارے یہاں نہیں۔ والسلام

مخلص : عرشی

(۳۹)

بنام ایڈیٹر ہماری زبان علیگڑھ

۲۰ / مئی ۱۹۶۴ء

مکرمی تسلیم

میر تقی میر نے نکات الشعرا میں محمد یار خاکسار کے حال میں لکھا ہے کہ :

علی الرغم این "تذکرہ نوشتہ است بنام "معشوق چہل سالہ خود" و احوال خود را اوّل از ہمہ نگاشتہ وخطاب خود سید الشعرا پیش خود قرار دادہ۔" (نکات طبع دوم ص ۱۴۱)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم مغفور نے اس عبارت کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ خاکسار نے نکات کے جواب میں "معشوق چہل سالہ خود" کے نام سے ایک تذکرہ لکھا تھا ملاحظہ ہو مقدمہ نکات الشعرا ص الف د ب۔

میری دانست میں میر صاحب کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "خاکسار نے اپنے کسی دوست کے نام سے نکات الشعرا کا یہ جواب لکھا تھا۔ چونکہ میر صاحب خاکسار سے ناراض ہیں اس لیے جہاں اس کی اور برائیاں کی ہیں یہ بھی فرما دیا ہے کہ فلاں تذکرہ حقیقت میں خاکسار نے خود لکھا ہے مگر اس اعتراض سے بچنے کے لیے کہ کوئی کہے گا اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں دوسرے کے نام سے شائع کیا ہے" یہ دوسرا شخص کون تھا اس کا ذکر خود میر صاحب نے بھی نہیں کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاکسار کا شاگرد یا دوست ہوگا۔ میر صاحب نے اس غریب کو معشوق بنا دیا اور چونکہ وہ عمر دار ہوگا اس لیے یہ پھبتی بھی کسی دی کہ معشوق چہل سالہ ہے۔

اگر خاکسار نے اس تذکرے کا نام رکھا ہوتا تو وہ "معشوق چہل سالہ" ہوتا اور بس، اس کے آخر میں خود کا دم چھلا کبھی نہ ہوتا الا یہ کہ نام تاریخی تالیف کا منظر ہوتا اور اگر خاکسار نے کوئی تذکرہ اپنے نام سے لکھا ہوتا تو میر صاحب کے معاصر تذکرہ نویس جیسے قایم و گردیزی و میر حسن اس واقعے کا ضرور ذکر کرتے۔

مجھے امید ہے کہ ہماری زبان کے ذریعے ارباب تحقیق اس مسئلے پر روشنی ڈال کر مجھے ممنون فرمائیں گے والسلام۔

مخلص : امتیاز علی عرشی

———(۴۰)———

بنام اقتدار حسن صاحب نیپلز (اٹلی)

۸ مئی ۱۹۶۴ء

مکرمی تسلیم

آپ کے خط کا جواب بہ دیر میں دے رہا ہوں۔ عذر وہی بے معنی یعنی بے انتہا مصروفیت۔ امید ہے کہ آپ بھی اسی لطف و کرم سے کام لیں گے۔

دیوان قایم پر آپ ضرور کام کریں۔ میں اس شاعر کو مظلوم جانتا ہوں اور اس ظلم اور بے اعتنائی کی تلافی یوں ہو سکے گی کہ اس کے مختلف ایڈیشن ہوں چنانچہ ڈاکٹر خورشید الاسلام (علی گڑھ) بھی کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے بھی لندن کے نسخے کو اپنا ماخذ بنا کر ہمارے نسخے سے مقابلہ کیا ہے۔

آپ ایک درخواست سیکرٹری رضا لائبریری ٹرسٹ کے نام اجازت عکس کی بھیجیے اور دوسری تحریر ڈائرکٹر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دلی کو بھیج کر معلوم کیجیے کہ وہ آپ کے لیے اجرت لے کر عکس تیار کر دیں گے یا نہیں۔ اگر وہ لوگ راضی ہو گئے تو ہمارے یہاں سے کتاب وہاں بھیج دی جائے گی اور آپ کا کام حسب دلخواہ ہو جائے گا۔

"آہ" کے عدد شمار کرتے وقت الف ممدودہ کے دو عدد بھی لیے گئے ہیں اور ایک بھی، لہٰذا آپ صرف ایسے مادّے

پھر دوسرے ٹکڑے جس میں الف ممدودہ آیا ہو دوسرے قرائن سے یقین کریں کہ سال وفات کیا ہے۔

نواب فیض اللہ خاں نے شنبے کے دن ۲۶ شوال ۱۲۰۵ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں انتقال کیا تھا۔ ملاحظہ ہو اخبار الصنادید ج ۱ ص ۶۰۷۔

مغلوں کے آخر عہد میں سنبھل کی جگہ مراد آباد صدر مقام بن گیا تھا اس لیے سنبھل مراد آباد لکھنے سے لکھنے والے کا مقصد سنبھل کا تعارف ہے۔

نواب جلال الدولہ المعروف بہ میر سلطان نواب عماد الملک کا بڑا دوست تھا کہتے ہیں کہ اسی کے ایما سے عماد الملک نے احمد شاہ کو نابینا کیا اور عالمگیر ثانی و انتظام الدولہ خان خاناں عاقبت محمود خاں کو قتل کرایا۔ یہ اپنے مربی عماد الملک کے ساتھ نواب احمد خاں بنگش (۱۷۴۹ء - ۱۷۷۱ء) کے زمانے میں فرخ آباد کے محلے نٹ گلی میں رہتا تھا۔ تاریخ فرخ آباد از ارون صاحب (اردو ترجمہ ص ۹۸)

گلاب رائے کے مقام سکونت کے بارے میں سردست میں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۴۱)

بنام سید رضا امام صدر شعبۂ اردو، اردو کالج کراچی

۲۶ جون ۱۹۶۴ء

مکرمی تسلیم[1]

چونکہ اس مکتوب میں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے اور کاتب نے دستخط نہیں کیے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دھوکے سے آگیا ہے اس لیے واپس ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ والسلام

احقر: عرشی

(۴۲)

بنام آل احمد سرور علی گڑھ

۳ جولائی ۱۹۶۴ء

بھائی! میں سخت شرمندہ ہوں کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں اب تک کوتاہ رہا، اور آئندہ بھی کوتاہ ہی رہوں گا۔ ہمارے یہاں لوگ کسی کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ بڑے دل گردے کا آدمی ہے۔ میں دل اور گردہ دونوں کھو چکا ہوں، دل کا عارضہ

---

[1] یہ جواب مکتوب الیہ کے خط کی پشت پر لکھ کر واپس کر دیا گیا تھا۔

بیماری ہے ابھی دہلی گیا تھا اور ڈاکٹر ماہرِ قلب سے اپنا معائنہ کرایا تھا۔ انھوں نے تین ماہ کی دوا دی ہے اور ستمبر میں پھر بلایا ہے۔ سیدھے گردے میں تین پتھریاں بن چکی ہیں ابھی سوا ماہ قبل درد ہوا تھا۔ ۲۲ گھنٹے تڑپ کر بچا ہوں اور ہر وقت اس خطرے میں رہتا ہوں کہ اب درد ہوا اب ہوا۔

ان دو مرضوں پر مستزاد ضعفِ اعصاب ہے۔ ابھی دو روز قبل اس کا دورہ ہوا۔ آج ہوش میں آیا ہوں یعنی ہر وقت غشہ سر پر سوار تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ پاگل ہوا جا رہا ہوں

ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عربک کیٹلاگ کا کام بند پڑا ہے جو حکومت ہند کے حکم کے مطابق کم از کم جلد اوّل کی شکل میں سالِ گزشتہ مطبوع ہو جانا چاہیے تھا۔

تفسیر ثوری پریس کو نہیں جا سکی ہے اسے بھی کم از کم مطبع میں زیرِ طبع ہونا چاہیے تھا۔ ستمبر میں پھر دہلی جا رہا ہوں اغلب ہے کہ گردے کا آپریشن کرانا پڑے کیونکہ میں اس عمر میں تین پتھریوں کے از خود نکل جانے کی امید کسی طرح نہیں کر سکتا۔ امکان ہے کہ یہ آپریشن جان لیوا ثابت ہو جائے اگر ایسا ہوا تو پھر سارے کام ہی ناتمام چھوڑ کر جانا پڑے گا۔

لہٰذا برادرِ عزیز آپ اب مجھے معاف فرما دیں۔ اور اپنے دل کی تمام رضامندی کے ساتھ معاف کر دیں۔ اگر آپ نے ذرا بھی تکدر دل میں باقی رکھا تو میں قیامت میں دامن گیر ہوں گا۔ اور حسبۃً للہ اس کی معافی کی اطلاع مجھے دے کر مطمئن کر دیں۔ میں منتظر رہوں گا۔

آخر میں وہ بات لکھتا ہوں جو پہلے لکھنے کی تھی اور وہ یہ ہے کہ جناب محمد ایوب قادری صاحب اس خط کو لے کر آپ سے ملیں گے۔ یہ آزاد لائبریری میں کچھ تحقیقی کام کر رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ ان سے بخوبی واقف ہوں گے۔ یہ میرے بھی کرم فرما دوستوں میں سے ہیں اس لیے آپ ان سے یہ جان کر بھی ملیں کہ آپ کے دوست کے دوست ہیں۔

نیز یہ عرض ہے کہ میں نے مخطوطاتِ رام پور کی اردو فہرست کا ایک حصہ آپ کی خدمت میں بطور مشورہ بھیجا تھا۔ آپ نے کچھ بھی نہ لکھا کہ وہ کیسا ہے ایک تو اس کے بارے میں اپنی رائے بتلایئے اور دوسرے وہ قادری صاحب کو دے دیجیے۔ والسلام

مخلص، عرشی

(۴۳)

بنام مولانا غلام رسول مہر

۱۱ جولائی ۱۹۶۴ء

صدیقِ مکرم و محترم سلام مسنون

”ماہِ نو“ کے تازہ شمارے میں آپ کا وہ مراسلہ پڑھا جو مدیر کے نام اس کے خصوصی نمبر کے سلسلے میں تحریر فرمایا تھا۔ اس میں اپنے اس حقیر نیاز مند کے بارے میں جو حسنِ ظن فرمایا ہے اس کا دلی شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کرتا ہوں کہ اس کو پڑھ کر بے حد

شرمندہ اور متاسف ہوا ہوں۔

شرمندہ اس پر کہ اپنے آپ کو اس حسن ظن کا مصداق نہیں پاتا اور متاسف اس لیے کہ اب عمر گریزاں مرحلہ شتین میں داخل ہو چکی ہے اور تقریباً دس سال سے گردوں کا اور ڈیڑھ برس سے دل کا مریض ہوں فرصت اور ہمت دونوں سے محروم ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو اس حسن ظن کا مصداق بنانے سے بھی قاصر ہوں۔

خدا کرے جو کام ہاتھ میں ہیں ان کی تکمیل کا موقع مل جائے اور کم از کم تفسیر امام سفیان ثوری کی ترتیب و تصحیح و تحشیے کا کام پروردگار عالم اپنے لیے قبول فرما کر مجھے معاف فرمائے اور ایسا ہو کہ آپ اس حسن ظن کے اجر میں اور میں اس لیے کہ ایک نیک بندہ خدا نے اچھا گمان کیا ہے اور رب العالمین اپنے نیک بندوں کو جھوٹا نہیں ہونے دیتا آخرت میں سرخرو اور شاد کام و بامراد ہو جائیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا میں بھی اتنا اچھا ہو گیا ہوں کہ بحمد اللہ اپنے فرائض منصبی کو روزانہ حسب معمول ادا کرتا رہتا ہوں۔ والسلام والاکرام۔

مخلص: امتیاز علی عرشی

———(۴۴)———

بنام رشید حسن خاں

۱۰ جولائی ۱۹۶۴ء

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

یقین کا سال وفات ۱۱۶۹ھ ہی درست ہے اور میں نے غالباً شفیق وغیرہ ہی کے قطعات پر اپنے خیال کی بنیاد رکھی ہے۔ تاریخ محمدی میں بھی ۱۱۶۹ھ ہی کے ذیل میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۵ کا ہندسہ طباعت کی غلطی ہے اسے درست فرما لیجیے میں نے آپ سے پہلے اپنے نسخے میں تصحیح کر لی ہے۔

بینی نرائن جہاں کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا چنانچہ گارساں دتاسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے تاریخ وفات میرے علم میں نہیں ہے۔

یہاں پرسوں رات سے زور کی بارش جاری ہے اور موسم نہایت ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ والدعا۔

احقر: عرشی

———(۴۵)———

بنام الٰہی بخش یوسفی کراچی

۲۴ جولائی ۶۴ء

مکرمی تسلیم۔ مکرمت نامے کا شکریہ۔ رام پور میں کسی شیخ قتال کا مزار نہیں ہے۔ نہ میں نے آج تک کسی ایسے بزرگ کا

تذکرہ نسا جو قلمی نام رکھتے ہوں اور رام پور میں کسی عہد میں آئے ہوں یا بسے ہوں ارشاد فرمائیے کہ آپ کو مذکورہ اطلاع کس سے ملی ہے۔ والسلام

احقر : عرشی

(۴۶)

بنام الٰہ بخش یوسفی کراچی

۶ اگست ۶۲ء

مکرمی و محترمی ... سلام مسنون، تاخیر جواب کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

سید امیر کلال بخارا کے رہنے والے تھے، قوم کے سید تھے اور وہیں ۷۷۲ھ میں فوت ہوئے وہ کبھی ہندوستان بھی نہ آئے چہ جائیکہ رام پور۔

مولانا محمد علی مرحوم مغفور کی قوم کیا تھی اس بارے میں ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ وہ پٹھان نہ تھے۔ نہ کبھی اس خاندان کے لوگوں نے خود اپنے پٹھان ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ یہاں کے کسی پٹھان نے انھیں پٹھان مانا۔ یہ پورا خاندان شیخ کہلاتا تھا اور خود بھی اپنے آپ کو شیخ کہتا تھا۔ اس خاندان کے سیکڑوں ہزاروں افراد روہیل کھنڈ کے شہروں اور قصبوں میں آباد ہیں ان میں سے بھی کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم پٹھان ہیں۔ یہ لوگ اپنے نسب کی حفاظت میں اتنے سرگرم رہے کہ کبھی غیر قوم میں شادی نہیں کی اور اگر کسی شیخ نے کوئی طوائف وغیرہ گھر میں ڈال لی اور اس سے بچے ہوئے تو اس کے بچوں کو اپنے نجیب الطرفین شیخ بچوں کے رشتۂ نکاح میں منسلک نہیں کیا۔ بلکہ روپے کا لالچ دے کر غیر قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں سے بیاہ دیا۔

یہ خاندان پشاور سے آیا تھا یا نہیں اس بارے میں سوا حافظ احمد علی خاں شوق مرحوم کے بیان کے دوسرا کوئی تاریخی بیان موجود نہیں ہے۔ اس لیے اول تو اس بیان کی حیثیت غیر جانبدارانہ نہیں ہے۔ دوم اگر اطراف پشاور سے آئے بھی ہوں تو وہاں سب پٹھان ہی نہیں بستے۔ دوسری اقوام بھی آباد ہیں اس بنا پر اطراف پشاور سے آنے کو پٹھان ہونے کی سند نہیں قرار دیا جا سکتا۔

رام پور اور روہیل کھنڈ میں یہ حضرات "کلال" مشہور ہیں۔ کلال ہندوستانی قوم ہے۔ اس قوم کے ہندو آج بھی موجود ہیں۔ چونکہ ہندو سے مسلمان ہونے والے حضرات "شیخ" کہلاتے ہیں۔ اس لیے یہ خاندان بھی اسلام قبول کرنے کے بعد "شیخ کلال" کہلایا۔

اب سے پچاس ساٹھ سال اُدھر سے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک جذبہ پیدا ہوا کہ ہندوستانی گھٹیا لوگ ہیں اور جو مسلمان باہر سے وارد ہوئے وہ بڑھیا ہیں۔ اس جذبے نے یہاں لاکھوں ترمذی، بخاری اور صدیقی فاروقی عثمانی علوی وغیرہ پیدا کر دیے، ان میں سے جو حضرات واقعی باہر سے آئے تھے وہ تو اس نسبت میں حق بجانب تھے لیکن غضب یہ ہوا کہ خود ہندوستان کے نو مسلم خاندانوں نے بھی اپنے کو غیر ہندی ثابت کرنے کے لیے انصاری، عباسی، زبیری، قریشی وغیرہ نسبت

گھوسی۔ شیوخ کلاں بھی اس جذبے سے متاثر ہوئے اور ان میں سے اکثر حضرات نے اپنے آپ کو صدیقی النسب لکھنا شروع کردیا۔

بعض نے یہ جدت کی کہ اپنا سلسلہ ملا کر اپنے آپ کو سید بنانا چاہا مگر یہ بات چل نہ سکی اور زیرِ لب کی حد سے آگے نہ بڑھی۔

بہرحال آج تک کسی ایک فرد نے بھی اپنے پٹھان اور یوسف زئی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے آپ کا اس نسب پر اصرار میرے حدِ فہم سے باہر ہے۔ اگر آپ ان کو اس لیے پٹھان کہیں کہ ان کے بعض افراد کے نام کے ساتھ لفظ "خاں" لکھا ہوتا ہے تو یہ دلیل بھی قوی نہیں ہے ہندوستان میں سینکڑوں خاندان اپنے ناموں کے آگے "خاں" لکھتے ہیں اور وہ پٹھان نہیں ہیں بلکہ ان کے کسی مورثِ اعلیٰ کو شاہانِ مغلیہ کی طرف سے خانی کا خطاب عطا ہوا تھا اخلاف اس فخر کو دہرانے لگتے ہیں۔

چونکہ میں بھی اس پر فخر کرتا ہوں کہ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور میرے ہم وطن تھے، میرے ہم محلہ تھے، اور میرے والد اور دیگر اعزہ کے دوست تھے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ ان کو وہ بتاؤں جو وہ نہیں تھے۔ مرحوم بڑے پکے مسلمان تھے۔ ان کا اس پر ایمان تھا کہ "کلکم من آدم و آدم من تراب" اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اس لیے وہ خود اس قسم کے دعووں سے پرہیز کرتے رہے۔ ان کے سامنے یہ حدیث شریف بھی تھی کہ "جھوٹے نسب کا مدعی خداوندِ عالم کو سخت ناپسند ہے۔" اس لیے بھی وہ ان مباحث میں نہیں پڑے۔ بلکہ غالباً اسی لیے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ "خاں" لکھنا بھی ترک کر دیا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر میری آپ سے بھی یہی درخواست ہے کہ اس بحث میں نہ پڑیں اگر آپ کلاں قوم کو برا جانتے ہیں تو انھیں یہ بھی رہنے دیجیے بس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہیے کہ اس سے زیادہ قابلِ فخر نسبت اور کوئی نہیں ہے اور یہ دعا فرمائیے کہ خدا ہر مسلمان کو آپ کی غلامی کے شرف سے مشرف فرمائے۔ آمین

اگر کوئی بات ناگوارِ طبع ہوئی ہو تو للہ معاف فرمائیے گا۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۴۷)

بنام نبی احمد خاں، کراچی

۱۷ راگست ۱۹۶۴ء

مکرمی تسلیم مع التکریم

کرم نامہ مورخہ ۱۱/۸ رواں کا شکریہ۔ فرحت ہے الحمد للہ کہ آپ مع الخیر وطن واپس تشریف لے آئے۔

دیوانِ دارا شکوہ قادری کا صرف ایک مخطوطہ دریافت ہوا تھا اور وہ مولانا ظفر حسن صاحب مرادآبادی کے پاس تھا۔ غالباً آپ کے میوزیم میں وہی داخل کر دیا گیا ہے۔ موصوف نے اس پر ایک مفصل مقالہ بھی سپردِ قلم کیا تھا جو مجھے یاد نہیں کہ کس سالے

بھی چھپا تھا۔

میں نے ایک زمانے میں مختلف تذکروں اور بیاضوں سے دارا شکوہ کے اشعار چنے تھے۔ خدا جانے وہ مجموعہ کیا ہوا۔ اب نہ فرصتِ صحت، نہ فرصت جو پھر کنج کاوی کروں۔ ہاں آپ بہ زحمت اٹھائیے اور تمام اس عہد کے تذکرے اور بیاضیں کھنگال ڈالیے۔ دیوان کے بہت سے اشعار ان میں مل جائیں گے۔ اور آپ کے دیوان کے مشکوک الفاظ کی صحت ہو سکے گی۔

میں دعائے سلامتی جسم و روح کا طالب ہوں۔ والسلام مع الاکرام۔

احقر: امتیاز علی عرشی لائبریرین

(۴۸)

بنام خواجہ افضل امام، پٹنہ

۷ ستمبر ۶۴ء

مکرمی

میرزا معز فطرت کے بارے میں تاریخ محمدی میں لکھا ہے:

"میرزا معز بن میرزا فخرا موسوی قمی مشہدی متخلص بہ فطرت بہ موسوی خاں از امرای عالمگیر شاہی و کبار علما و شعرای عصر او اخر سال ۱۱۰۱ در دیوانی دکن فوت شدہ وی داماد شاہنواز خان صفوی است کہ در ۱۰۶۹ گزشتہ "افضل اہل زمانہ" تاریخ تولد میرزا معز است باین حساب مدت عمرش ۵۱ سال"

لفظ سید، اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے شیخ سعدی کے وقت میں تو ملتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے گلستان میں ایک جگہ "یکے از سادات علویین" کہا ہے۔ اس سے پہلے کا سردست علم نہیں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا۔ اور کہیں کچھ ملا تو اطلاع دوں گا۔ والسلام

مخلص، عرشی

(۴۹)

بنام مالک رام صاحب، نئی دہلی

۱۸ ستمبر ۶۴ء

مکرم و محترم تسلیم مع التکریم

دیوانِ ذوق کے پہلے ایڈیشن میں بھی ۴۲ سال ہی لکھے ہیں جس کی رو سے ۱۱۹۸ھ کو سال ولادت ہونا چاہیے۔

اس ۴۲ کے ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ سرورق پر لکھا ہے: "مولفہ شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔"

آزاد کو شمس العلماء کا خطاب وکٹوریہ کی ۵۰ سالہ جوبلی کے موقع پر ملا تھا جو فروری ۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال کے بعد طباعت ہوئی۔ اب اگر یہ معلوم کر لیا جائے کہ وہ کب تک پروفیسر رہے تو آخری حد بھی متعین ہو جائے گی مگر اس بات کا ذکر کسی سوانح نگار نے نہیں کیا۔

ان کی دیوانگی کا آغاز اگست ۱۸۸۹ء میں ہوا ہے بظاہر اس سے کچھ عرصے کے بعد ہی ریٹائر ہو جانا چاہیے۔

ایک دلچسپ بات بھی عرض کر دوں کہ دربار اکبری کے پہلے ایڈیشن کے آخر میں مولوی محمد حسن صاحب ایم۔ اے نے قطعہ تاریخ لکھا ہے اس کا ایک شعر ہے

"تا سنہ کہ اب پندرہ سال سے
گھر میں ہے وہ بدر کی روشنی

یہ شعر اپنے مادۂ تاریخ کے لحاظ سے ۱۳۱۶ھ کا نوشتہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قطعہ نگار کے نزدیک ۱۳۰۱ھ سے آزاد بیکار ہو گئے تھے۔ سنہ مذکور مطابق ہے ۱۸۸۳ء کے میں نہیں جان سکا کہ اس سے محمد حسن صاحب کا کیا مطلب ہے۔

میں بحمد اللہ اچھا ہوں اور آپ کی خیریت کا طالب والسلام

مخلص: عرشی

(۵۰)

بنام نثار احمد فاروقی دہلی

۲۲ فروری ۶۵ء

مخدومی سلام مسنون

نیرنگ کا مطلوبہ نمبر یہاں موجود ہے اور اس میں حکیم شمس اللہ قادری مرحوم کا وہ مقالہ ہے جو انھوں نے شوق کے طبقات الشعراء پر لکھا تھا۔

آپ نے تو نہ بتایا مگر لاہور کے مخبروں نے اطلاع کر دی کہ آپ یہ تذکرہ ایڈٹ کر رہے ہیں۔ خدا مبارک کرے۔ آئندہ کے لیے عرض کر دوں کہ آپ نڈر ہو کر اپنے علمی کاموں سے باخبر رکھا کیجیے میں نے تو جوانی میں بھی نہ کیا کہ کسی کے کام پر ہاتھ صاف کروں، اب جو کام جاری ہیں وہی پورے کر لوں تو گنگا نہا لیا۔

بہرحال مجھے اپنا خیرخواہ جانیے۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۵۱)

بنام احتشام الدین شاغل جے پور

مکرمی و محترمی علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں اعظم گڑھ گیا ہوا تھا اور دفتر میں حاضر ہوا تو آپ کا محبت نامہ ملا

آپ کا مرسلہ مصحف قرآنی کا عکس بصد افسوس عرض کرتا ہوں کہ مجھے نہیں مل سکا ورنہ جو بات آپ نے دریافت فرمائی تھی وہ عرض کرتا۔ اگر دوسرا عکس بھیجنا ممکن ہو تو مجھے ضرورت ہے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا۔ آج کل مخطوطات عربیہ کی فہرست چھپ رہی ہے آپ کا تذکرہ خوش زیبا ہر وقت پاس رہتا ہے خدا اس کی جزا آپ کو عطا کرے۔ آمین

مخلص: عرشی ۔ ۲۳ر فروری ۶۵ء

(۵۲)

بنام محمد طارق حسن ایم اے شعبۂ فارسی علی گڑھ

۳ر اکتوبر ۶۵ء

مکرمی تسلیم

ہمارے یہاں شرف نامہ منیری کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے جسے ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں کسی حافظ خیرات اللہ نے نقل کیا تھا اس کے ۱۱۳ ورق ہیں۔

آپ نے اس پر تحریر فرمایا ہے کہ "یہ چودھویں صدی عیسوی کا بہت اہم نسخہ ہے۔" اس سلسلے میں مزید غور فرمایئے گا اور اپنے فیصلے سے اطلاع دیجئے گا۔ میرا علم یہ ہے کہ کتاب ہذا پندرھویں صدی عیسوی کی تالیف ہے کیوں کہ خاتمے میں مؤلف نے بادشاہ وقت ابوالمظفر باربک شاہ کی مدح کی ہے۔ باربک شاہ بنگالے کا بادشاہ تھا جس نے ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک حکومت کی تھی اور یہ سنہ مطابق ہیں ۱۴۵۸ء اور ۱۴۷۴ء کے۔ غالباً آپ نے شیخ منیری کے سالِ وفات ۷۸۲ھ سے حساب لگایا جو ۱۳۸۰ء کے مطابق ہوتا ہے مگر خود دیباچے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شرف نامہ ان کے انتقال کے بعد کی تالیف ہے چنانچہ اُن کی مدح کا قصیدہ ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے۔

منقبت جہاں سرور منبر است
کہ خاک در روضہ اش عنبر است

یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ "روضہ" سے مزار مراد ہوا کرتا ہے۔

احقر، عرشی

(۵۳)

بنام مصطفیٰ حسن رضوی ایڈیٹر سرفراز لکھنؤ

۶ر اکتوبر ۶۵ء

مکرمی۔ سلام مسنون

آج کے سرفراز میں سیاست جدید کانپور کی اشاعت ۲۰ ستمبر سے ایک ٹکڑا نقل کیا گیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ شاہ

عبدالعزیز دہلوی نے نادر شاہ کے قتلِ عام کے موقع پر مسلمانوں کو "جوہر" ہو جانے سے یہ سمجھا کر بچا لیا کہ اہلِ بیت نے کربلا کے حادثے میں ایسا نہیں کیا، اس سے لوگوں کو تسکین ہوئی۔

مجھے اس سلسلے میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ نادر شاہ نے دہلی میں قتلِ عام ۱۱ ذی حجہ ۱۱۵۱ھ کو کیا تھا، اور شاہ عبدالعزیز دہلوی ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے تھے، اس صورت میں وہ اہلِ دہلی کو تسکین دینے کے لیے کہاں موجود تھے۔ غالباً ملفوظاتِ عزیزیہ میں یہ واقعہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بارے میں ہوگا۔ سیاست کے مقالہ نگار نے اسے باپ کی جگہ بیٹے کا واقعہ جان کر یہ لکھ دیا ہے۔ والسلام

احقر: عرشی

———(۵۵)———

بنام احتشام الدین شاغل جے پور

۱۷ ردسمبر ۱۹۶۵ء

مکرمی و محترمی، تسلیم مع التکریم

جوابی کارڈ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر اس کی شکایت بھی کہ آپ نے مجھ پر جواب دینے میں تعجیل کا اعتبار نہ فرمایا، اور اس خیال سے جوابی کارڈ بھیج دیا۔ میں اپنی کوتاہ قلمی کا معترف ہوں۔ مگر اتنا دنی الطبع ہرگز نہیں کہ آپ جیسے محترم دوست کے مودت نامے کا جواب جلد نہ دوں۔ اگر اس کے مندرجات جلدی کے متقاضی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری معذرت قبول فرما کر آئندہ اس قسم کی زحمت نہ فرمائیں گے یا کم از کم ایک بار اور امتحان لے کر پھر تجویز فرمائیں۔

جواب طلب امر کے بارے میں گزارش ہے کہ

سب سے پرانا مضامینِ قرآن کے انڈکس کا کام یورپ میں ہوا تھا۔ مگر میرے سامنے وہ کتاب نہیں ہے اس لیے میں اس کی نوعیت کے بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں مولوی نظام الدین حسن صاحب نے جو یو پی کے باشندے اور حیدرآباد سرکار کے ملازم تھے" فہرست مسلسل مضامین قرآن مجید" کے نام سے ایک کتاب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع کرائی تھی یہ فلسکیپ سائز کے ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مضامین کو عنوان بنا کر متعلقہ آیات کو مرتب نہیں کیا ہے، بلکہ جس ترتیب سے سورہ ہائے قرآن مجید ہیں، اس کے مطابق ہر سورۃ کی آیات کے مضامین لکھتے چلے گئے ہیں، تا آنکہ کتاب سورۃ والناس پر ختم ہوگئی۔

اب مثلاً آپ چاہیں کہ توحید باری پر آیات دیکھیں تو پوری کتاب کا مطالعہ کر کے ان آیات کو جمع کرنا ہوگا۔

دوسرے عالم جنھوں نے یہ کام سرانجام دیا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مرحوم تھے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ قرآن کے آغاز میں مضامین کے عنوان قائم کر کے ان کے تحت میں تمام آیات کے ابتدائی الفاظ اور سورۃ اور رکوع اور عدد آیت کا حوالہ دیا ہے اس کی مدد سے ہم مثلاً توحید باری سے متعلق تمام آیات کو قرآن پاک میں سے نکال سکتے ہیں۔

مگر اس میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ تاریخی ترتیب نہیں دی ہے۔ اس لیے ہم یہ بات اس سے معلوم نہیں کر سکتے کہ ابتداءً توحید کا کیا تخیل پیش کیا گیا تھا، بعد ازاں کس تدریج کے ساتھ اس کی تمام جزئیات اور تشریحیں بیان فرمائی گئیں۔

تیسرے عالم مولانا وحید الزماں حیدر آبادی ہیں۔ انھوں نے تبویب القرآن کے نام سے ۱۹۰۱ء سے پہلے ایک کتاب لکھ کر مطبع احمدی لاہور میں طبع کرائی تھی۔

یہ مضامین پر مرتب ہے اور ایک مضمون کی آیتوں کو سورتوں کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے آگے پیچھے لکھا ہے۔

اس کام کو مدراس کے ایک دولتمند صاحبِ علم سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے باحسن وجوہ انجام دیا تھا۔ ان کی کتاب کا نام "کتاب الہدیٰ" تھا۔ اس کا مقدمہ جو ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، کشاف الہدیٰ کے نام سے ۱۹۲۵ء میں چھپا تھا۔ کتاب الہدیٰ کی پہلی جلد جو ۲۵۶ صفحوں پر حاوی ہے، ۱۹۲۶ء کے آخر یا ۱۹۲۷ء کے آغاز میں پریس سے باہر آئی۔ کشاف الہدیٰ میں مولف نے ایک اجمالی فہرست مضامین دی ہے۔

اس جلد میں تفصیلی فہرست مضامین ہے، مگر یہ صرف مضمون "خالق و مخلوقات" پر ختم ہو گئی ہے۔ بقیہ جلدیں کتاب کی شائع ہوئیں یا نہیں، مجھے اس کا علم نہیں، لیکن یہ خوب یاد ہے کہ کتاب ابھی پوری نہ چھپی تھی کہ سیٹھ صاحب کا انتقال ہو گیا اور کام ناقص رہ گیا۔

یہ کتاب ایسی جامع اور اپنی تشریحات و توضیحات کے لحاظ سے اتنی قابلِ قدر تھی کہ اس عہد کے تمام علمائے بلا لحاظ عقائد اس کی تعریف و توصیف کی تھی۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس موضوع پر ایسی کتاب ابھی تک نظر نہ آئی؛ نہ ہندوستان و پاکستان میں، اور نہ مصر و شام و ایران میں۔

یہ کتابیں کہاں ملیں گی یہ بتانا مشکل ہے۔ آپ دہلی و لکھنؤ و حیدر آباد و بمبئی کے مختلف تاجروں سے مراسلت فرما کر پتا چلائیے۔ ہاں، ڈپٹی نذیر صاحب کا ترجمۂ قرآن پاک ہنوز ملتا ہے۔ نہ ملے تو میرے پاس ہے میں مستعار پیش کر دوں گا۔

آپ کا کارڈ واپس بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ اسے میری طرف سے قبول فرما لیا جائے گا۔ والسلام مع الاکرام

مخلص: عرشی

مکرر یہ کہ قرآن پاک کے اسما کا انڈکس ہنوز نظر سے نہیں گزرا۔

——— (۵۶) ———

بنام مبکش اکبرآبادی، آگرہ

۷ اردسمبر ۱۹۶۵ء

صدیقی سلمکم اللہ تعالیٰ و عافاکم!

مودت نامے نے مسرور و ممتاز کیا۔ بے شک آگرے میں ایک جلسہ ہونے والا ہے اور مجھے وہاں شریک ہونے کی دعوت بھی

ملی ہے۔ مگر شاید میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ وجہ کبھی زبانی عرض کروں گا لیکن اگر مانع دور ہو گیا، اور میں اب یا آئندہ کبھی آگرے حاضر ہوا تو درِ بخشش کو چھوڑ کر اور کہاں جانے کی جرأت کر سکوں گا۔ وہ چوکھٹ مرجعِ آزادگاں ہے، اور میں آزادگی و قلندری کو اپنا تنہا سرمایۂ حیات جانتا ہوں۔ خدا آپ کو اور آپ کے بچوں کو شاد و آباد رکھے اور آپ کا در ہمیشہ ہمیش کو ہر صادر و وارد کا ملجا و ماویٰ بنا رہے۔ آمین!

مجھے یہ پڑھ کر دکھ ہوا کہ بقول آپ کے "یہ پسند نہ ہوگا تو کسی اور بہتر جگہ انتظام کر دوں گا" گویا آپ کے صنعا خانہ موجودہ سے بہتر جگہ میری دانست میں آگرے کے اندر ہو سکتی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ وہاں اس کے برابر بھی کسی جگہ کو میں باور نہ کروں گا زائد سے زائد آگرے کا قلعہ جیسی کوئی جگہ ہوگی مگر وہ محبت اور اخلاص اُن پتھروں میں کہاں ہوگا جو آپ کی ہر ادا میں مجھے جلوہ فرما نظر آتا رہا ہے۔ میں بندۂ محبت و خلوص ہوں، اور بس۔

کل جناب سید چراغ علی شاہ صاحب اور منشی عبدالمجید صاحب اور خیال صاحب تشریف لائے تھے، اسی تذکرۂ بغدادیہ کا مذکور رہا، میں نے ایک تجویز پیش کی کہ اس تذکرے کے پڑھنے والوں کے لیے اگر غنیۃ الطالبین کا خلاصہ اس کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم سے لوگ باخبر ہوتے رہیں گے اور اس طرح براہ راست ان کی تعلیم سے آگاہی اُن بادلوں کو دور کر دے گی جو مرورِ ایام سے اصل تعلیم پر چھا گئے ہیں، میری دانست میں آپ سے بہتر طور پر اس کام کو اور کوئی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بغیر آپ سے استمزاج کیے یہ تجویز اُن صاحبوں کے سامنے رکھ دی، غالباً وہ آپ کی خدمت میں یہ درخواست بھیجیں گے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اسے قبول بھی فرمائیں گے۔ واللہ معکم اینما کنتم و دمتم بالخیر۔ والسلام

مخلص: عرشی

(۵۷)

بنام آنسہ اشرف رفیعی ریسرچ اسکالر حیدرآباد

۱۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء

محترمہ و مکرمہ! سلام مسنون

آپ کے ۵ر دسمبر کے کرم نامے کے جواب میں عرض ہے کہ مجھے جناب نظم طباطبائی مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل نہ تھا۔ نہ کبھی اُن سے شرفِ مراسلت حاصل ہوا۔ اس لیے میں اُن کے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔

یہ بات کہ میرے اُن سے مراسم تھے کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجیے تو ممنون ہوں گا۔ والسلام مع الاکرام۔

احقر: امتیاز علی عرشی، لائبریرین

پس نوشتہ: آپ جب شمالی ہند کا سفر کریں تو رامپور ضرور آئیں اور زحمت نہ ہو تو یہیں قیام کریں۔ ہم لوگ ایک نئی بیٹی کے لیے چشم براہ رہیں گے

(۲)

—(۱)—

بنام مولانا عبدالباری آسی مرحوم لکھنوی

جناب محترم! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ!

گرامی نامہ مورخہ ۱۶ اپریل سنہ رواں شرف صدور لایا۔ اس یادفرمائی کا تہہ دل سے شکریہ!

مجھے لکھنؤ کی دلچسپ ملاقاتیں ہنوز یاد ہیں۔ اس مرتبہ ۱۱ فروری میں آپکے بلدۂ رنگ و بو میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، تو آپ بہت یاد آئے لیکن مولانا نیاز صاحب کے ہاں ملاقات نہ ہو سکی، اور آپکے دولت خانہ کا مجھے پتہ یاد نہیں تھا۔ بہرحال تمہید ملاقات سے محروم واپس ہوا۔ انشاءاللہ اسی ماہ کے آخر تک ملاقات کا امکان ہے۔

آپ کی مرسلہ فہرست مخطوطات دیکھ لی۔ یہ حسابی سال کا آخر ہے۔ کیا آپ ماہ مئی تک انتظار کی زحمت برداشت کر سکیں گے؟ اس وقت ہمارے پاس خریداری کے لیے انتظام ہوگا۔ سردست تو پلے کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس وقت جن کتابوں کو میں لکھوں انہیں آپ یہاں ارسال کر سکیں گے؟ مگر یہ اس وقت ضروری ہوگا کہ میں لکھنؤ نہ آسکوں۔ ورنہ میں خود ہی کتابیں دیکھ لوں گا اور واپسی پر خریداری کے لیے اجلاس اعلیٰ کو رپورٹ کر دوں گا۔

مولانا کو میں اسی ڈاک سے جواب لکھ رہا ہوں۔ آپسے ملاقات ہو تو اس جواب کا ذکر فرما دیجیے اور سلام کہہ دیجیے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

امتیاز علی عرشی، سٹیٹ لائبریری، ۱۸ اپریل ۳۸ء

—(۲)—

بنام مالک رام

محب محترم

آداب و تسلیمات کے بعد گزارش ہے کہ آج دفتر کے کاغذات کی تہذیب و ترتیب کے سلسلہ میں آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۴۳ء دستیاب ہوا۔ خدا کو معلوم ہوگا کہ میں نے اس خط کا آپ کو جواب دیا یا نہیں۔ لیکن ترجمہ دعاء الصباح[1] منظوم آپ کی حسب فرمائش نقل کرا کے عالی مرتبت صاحب چیف منسٹر بہادر کو بھیج دیا تھا کیا وہ نقل آپ کو مل گئی؟ اگر نہ ملی ہو تو بواپسی

---

[1] ایک دعا جو حضرت علیؓ سے منسوب ہے۔ میرزا غالب نے اپنے بھانجے کی فرمائش پر اس کا ترجمہ فارسی نظم میں کر دیا تھا۔

مطلع فرمایئے۔

میں یہ خط آپ کو اسکندریہ کے پتہ پر لکھ رہا ہوں۔ کیسے اس ملک کو آپ نے کیسا پایا۔ اگر قاہرہ جانا ہو تو کتب خانہ خدیویہ کو میری طرف سے سلام کہیے گا۔ کیا کہوں کس قدر اشتیاق ہے ان مقامات کی زیارت کا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی کانٹا نہ لگ جائے۔ خود میرزا غالب نے بھی سفر و سیاحت کی تعریف اس شرط کے ساتھ کی ہے کہ کوئی کانٹا دل میں نہ چبھ جائے۔ فرماتے ہیں:-

اگر بدل نخلد ہر چہ از نظر گزرد　　　زہے روانی عمری کہ در سفر گزرد!

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ والتسلیم۔

نیاز مند: امتیاز علی عرشی ناظم کتب خانہ رامپور۔ ۸ فروری ۴۰ء

—— (۳) ——

بنام مالک رام

مکرمی، آداب و تسلیمات

میں نے آپ کے گرامی نامہ کا جواب پھر حسبِ عادت تاخیر سے لکھا۔ آخر وضع داری بھی تو کوئی چیز ہے۔ بہرحال امید ہے کہ آپ بخیر اور مسرور ہوں گے۔

میرزا غالب کا انتخاب[1] پریس کو گیا۔ انشاءاللہ سنہ۴۰ء کے اندر اندر طباعت ختم ہو جائے گی۔ میرزا کے جس دیوان[2] کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کی تاریخ کتابت اور اسم کاتب دونوں نامعلوم ہیں۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح پتہ چل سکے مگر ناکام رہا۔ کیا کہیں کسی خط وغیرہ میں آپ کو کچھ علم ہوا ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو یا کبھی ہو تو مجھے ضرور اطلاع دیجیے گا۔

دیوان ناظم بقیمت ہمارے کتابخانہ سے مل سکتا ہے۔ تذکرہ اور دیوانِ نظام نایاب ہو گئے۔ اگر اتفاقاً کہیں سے ہاتھ آ گئے تو آپ کو روانہ کر دیے جائیں گے۔ دیوانِ ناظم عہ میں ملے گا۔

دعا الصباح کے نذر ارسال ہونے کا تعجب ہوا۔ ہمارے ہاں سے تو عرصہ ہوا کہ چلی گئی۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ ع۔م حنیف صاحب کے دفتر سے معلوم کر دوں مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آ گیا۔ خیر اب آپ ہندوستان تو واپس آ ئیے۔ ہاں خدیویہ لائبریری میں ایک کام ہے اور وہ یہ کہ وہاں شعبۂ فارسی میں ایک کتاب فنِ تاریخ میں ہمایوں اور اس کے حالاتِ سلطنت سے متعلق ہے اور غالباً فہرست میں اس کا نام کتاب یا رسالہ فی تفاصیل احوال ہمایوں شاہ یا اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ ذرا اس کو دیکھ کر اس کے ابتدا

---

[1] غالب نے اپنے فارسی اور اردو کلام کا انتخاب نواب یوسف علی خاں والئ رامپور کی فرمائش پر کر دیا تھا۔ دربار رامپور نے اسے واقعی اس اہتمام سے چھاپا کہ اردو کی کوئی کتاب شاید ہی اس کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔ یہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔

[2] عالی مرتبت کا مخفف۔

اور خاتمہ کی دو دو چار چار سطریں اور ہر فصل کی ایک سطر نقل کر کے ارسال فرمائیے اور اگر یہ پتہ چل سکے تو بتائیے کہ کس کی تصنیف ہے اور کب تصنیف ہوئی؟

مع اہل مد کو میرا اسلام شوق۔ والسلام

مخلص: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۱۰ اپریل ۴۰ء

—(۴)—

بنام مالک رام

مکرمی! تسلیم و آداب

آپ کا ۲۶ جون کا محبت نامہ ۶ اگست کو موصول ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ بیشک میں نے اس عرصے میں آپ کو خط نہیں لکھا۔ مگر اس کی وجہ کوتاہ قلمی سے زیادہ آپکے بارے میں لاعلمی تھی۔ میں متردد تھا کہ آپ مصر میں ہیں یا واپس آ گئے۔ بہرحال آپ کے خط سے نصف ملاقات ہو گئی۔

مثنوی دعاء الصباح پر مضمون نگار میں چھپ کر تباہ ہو گیا۔ کم بخت کاتب اور پریس دونوں نے اسے برباد کیا ہے۔ بہر نوع آپ کو پسند ہو گا کہ آپ غالب پہ کام کر رہے ہیں۔ مجھے بھی پسند ہے کہ اس طرح میرے ایک کرمفرما کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔

آج کل انتخاب غالب کے لیے دیباچہ لکھ رہا ہوں۔ جس میں خود میرزا صاحب کے بیانات کی روشنی میں، ان کی شاعری سے بحث ہو گی۔ دعا کیجیے کہ خدا حسب مراد لکھا دے۔ یہ تو آپ نے مکاتیب غالب میں پڑھ لیا ہو گا کہ یہ انتخاب میرزا صاحب کا اپنا ہے۔ اب اس کی طباعت ختم ہونے کے قریب ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ دیدہ زیبی میں مکاتیب سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ یقین ہے کہ آج تک اردو کی کسی کتاب کی طباعت ایسی عمدہ نہیں ہوئی ہو گی۔

"ادبی دنیا" میں آپکے مضمون پڑھوں گا۔ خدا کرے یہاں کسی کے پاس یہ رسالہ آتا ہو۔ آپ اس قسم کے مضمون معارف یا اردو میں کیوں شائع نہیں کرتے۔ کسی علمی یا تاریخی مضمون کا ان رسائل میں چھپنا جو خالص ادبی ہوں، ایک شے کو اس کے مرکز سے دور پھینک دینا ہے بلکہ میں تو اس کو ظلم سے تعبیر کرتا ہوں۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر آپ مجھے اطلاع نہ دیتے تو میں کس طرح واقف ہوتا کہ آپ کا کوئی تحقیقی مضمون "ادبی دنیا" میں شائع ہوا ہو گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے رہیں اور کبھی پوری ملاقات بھی نصیب ہو۔ والسلام

مخلص: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۱۳ اگست ۴۱ء

—(۵)—

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مخدوم مکرم، آداب و تسلیم کے بعد عرض کرتا ہوں کہ گرامی نامہ نقول خطوط غالب کے ساتھ ملا۔ عرض نہیں کر سکتا کہ کتنی

مسرت ہوئی۔ میں ایک ماہ سے تقریباً صاحبِ فراش اور رخصت پر ہوں۔ اب تک اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا دشوار ہے۔ جس وقت مجھے یہ خط ملے، ایسا معلوم ہوا کہ مرض کا چور جسم سے نکل گیا اور صحت و تندرستی کی رو بدن میں دوڑ گئی۔ انتہائی ضعف اور ڈاکٹر اور تیمارداروں کے منع کے باوجود جب تک ایک ایک خط کو پڑھ نہ لیا، چین نہ آیا۔ اگر صاحبِ ریاست ہوتا، تو اِس احسان کے عوض ریاست اور صاحبِ ولایت ہوتا، تو دعا کے حسنِ عاقبت پیش کرتا۔ مگر ایک مردِ دُنیا دار رندانہ کار ہوں۔ تاہم خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ آپ کو اِس مدد کا اجرِ جزیل عطا فرمائے اور دین و دُنیا دونوں میں شاد کام و بامُراد رکھے۔ آمین!

اُن خطوں میں سے جو پنج آہنگ میں موجود ہیں، اُن کے الفاظ و فقرات کا مطبوعہ متن سے اختلاف ایک خاص وجہ سے ہے۔ مجھے چار پانچ اور خطوں کی نقلیں بعض احباب سے مل چکی تھیں۔ وہ سب خط پنج آہنگ میں موجود ہیں۔ مگر پنج آہنگ کے الفاظ، فقرے اور بعض مطالب تک ان نقلوں سے جدا تھے۔ ان کو پڑھ کر میں نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ پنج آہنگ کے خط میرزا صاحب کے شاگردوں نے ابتدائی مسودوں سے مرتب کیے تھے، جیسا کہ اکثر پیش آیا کرتا ہے۔ میرزا صاحب نے صاف کرتے وقت جو ترمیم یا اضافہ کیا تھا، وہ ابتدائی مسودوں میں ثبت نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس خط کی نقل مکتوب الیہ کے پاس کے اصل خط سے کی گئی، وہ مختلف تھی اس نقل سے جو ابتدائی مسودے سے مرتب ہوئی۔ جناب کے بھیجے ہوئے خطوں سے میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی۔ اب میں مشترک خطوں کے اُس متن کو اصل قرار دوں گا، جو ان نقلوں میں ہے اور پنج آہنگ کے اختلاف کو حاشیے میں ظاہر کروں گا۔

دیوان زادۂ حاتم کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا اس کی تعمیل کتب خانے جا کر کروں گا۔ دُعا فرمائیے کہ میں جلد صحت یاب ہو جاؤں۔ صدر الدین محمد خاں کی بعض تصنیفات تو ہمارے کتاب خانے میں ہیں لیکن تصویر یاد نہیں پڑتی۔ اس بارے میں بھی مفصل و محقق جواب دُوسرے وقت پر محول کرتا ہوں۔

جواب اور رسید میں تاخیر کا عُذر وہی بیماری ہے۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ آخر میں پھر اس عنایت و کرم کا شکر گزار ہوں۔ ایک بات دریافت طلب ہے۔ جناب نے الناظر میں بعض قطعات بھی ان خطوں کے ساتھ شائع فرمائے تھے۔ مہر صاحب نے "غالب" کے دُوسرے ایڈیشن میں انھیں نقل کیا ہے۔ میرے پاس الناظر کا وہ پرچہ نہیں ہے، جو یہ متعین کر سکوں کہ کس خط کے ساتھ غالب کا قطعہ یا ابوالقاسم خاں کا قطعہ تھا۔ اگر جناب کے پاس الناظر کا وہ شمارہ محفوظ ہو تو مجھے مستعار بھیج دیجیے۔ والسلام مع الاکرام

شکر گزارِ عطا: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۲۴ر فروری ۵۴ء

—— (۶) ——

بنام مالک رام

محبِ محترم، تسلیم مع التکریم

۱۸ر مئی کا محبت نامہ، دوشِ ہوا پر چل کر آیا۔ اس لُطف کا شکر گزار ہوں۔

ہندوستان جس دور سے گزر رہا ہے، وہ کوئی دُنیا سے انوکھا دور نہیں۔ ہر ملک نے بننے سے پہلے اپنے آپ کو بگاڑا ہے۔ مولانا روم کا ارشاد ہے

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند   اولش از بیخ و بن ویراں کنند

انشاء اللہ جلد ہی ان ننگ آزادوں کو عقل آجائے گی، اور پھر اتنی ہی تیزی سے ملک کو درست کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔ رہا ہزاروں بیگناہوں کا مارا جانا، اگر اس کا نتیجہ اچھا نکلا تو یہ خون نئے ہندوستان کی تعمیر میں صرف ہونے والے پانی کا کام دے گا۔ اس کے علاوہ موت تو ایک طبعی فریضہ ہے۔ پھر طاعون، ہیضہ، نمونیہ سے نہ مرا تو بم یا آگ سے مرگیا۔ بنگال میں لاکھوں بھوک سے مرگئے۔ پھر کیا اب ہمارے دماغ میں ان کا کچھ زیادہ خیال موجود ہے۔ جب تک وہاں قحط تھا، پیٹ بھرے انسان چندے کرکے کچھ چندہ کرلیا کرتے تھے اب وہ بھی نہیں۔ سچ ہے کل شیئ عندہ بمقدار۔

آپ نے جس محبت سے مجھے مصر آنے کی دعوت دی ہے۔ اس کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ مگر کہاں میں اور کہاں مصر اور اس کا عظیم الشان کتاب خانہ! دیکھیے یہ آرزو پوری ہوتی ہے یا نہیں۔ بہر حال جب آنا طے ہوا، تو آپ کو سب سے پہلے اطلاع دوں گا اور وہاں آپکے سایہ لطف و کرم میں خدیویہ لائبریری سے استفادہ کروں گا۔ کام بہت اہم ہے یعنی میں نے ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کے بعد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبات، خطوط اور حکیمانہ اقوال جمع کیے ہیں۔ انھیں قاہرہ میں بیٹھ کر ایڈٹ کرنا چاہتا ہوں اور وہاں کے ذخیرے سے اس کی تکمیل بھی مقصود ہے۔ خدا مددگار ہے۔

مطلوبہ فہرست تذکرہ جات ملفوف ہے۔ یہ مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ آئندہ کے لیے ایک کاپی بنالی ہے۔ جہاں کہیں کسی نئے تذکرے یا غالب کے غیر معروف شاگرد کا حوالہ پڑھوں گا، نوٹ کرتا جاؤں گا اور آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ مع متعلقین بخیریت مصر میں ہیں۔ بچوں کو دعا اور پیار پہنچا دیجیے۔ یہاں کے متعلق کوئی کام درپیش ہو تو مجھے ضرور لکھیے گا۔ والسلام مع الاکرام۔

حقیر: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۲۶، جون ۴۷ء

—— (۷) ——

بنام مالک رام

صدیقِ محترم

آداب نیاز مندانہ کے بعد اعترافِ جرم کرتا ہوں اور عذرِ گناہ پیش کرنے کی جگہ عفو کا طالب ہوں۔ اب اظہارِ واقعہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ یہاں رام پور کے حالات گزشتہ مہینے بہت ہی خطرناک رہے۔ حتیٰ کہ تقریباً ایک ماہ کتاب خانہ بند رکھنا پڑا۔ ان حالات نے دل و دماغ کو بہت ہی مضطر اور بے چین رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں آپ کو جواب نہ

دے سکا۔ اب دونوں خطوں کی ضروری باتوں کا جواب سُنیے:

غالب کا کوئی نیا کلام علاوہ اس کے جو مکاتیب غالب میں چھپ چکا ہے میرے پاس نہیں۔ آج کل کے مقالہ نگار کو میں نے کب ادر کیا دیا تھا، واللہ جو مجھے ذرہ بھر یاد ہو۔ اگر انھوں نے اپنے مقالے میں وہ اشعار نقل کر دیے ہیں، تو فبہا، ورنہ ان کا نام بتائیے، کہ میں خود ان سے دریافت کر کے اپنی یاد تازہ کروں۔

مثنوی دعاء الصباح نگار کے بعد ابھی تک شائع نہ کی جا سکی۔ دراصل میں نے دُوسری مصروفیتوں کے باعث اس کی اشاعت کو ملتوی کر دیا ہے۔ اگر آپ سبد چین کے نئے ایڈیشن میں اسے شامل کر لیں، تو مجھے نجات مل جاتی ہے۔

ایک کتاب غالب نے "باغ دودر" کے نام سے اپنے آخر عہد میں مرتب کی تھی۔ یہ سبد چین کا گویا دُوسرا ایڈیشن تھا۔ یعنی کلیات نظم و نثر فارسی کی طباعت کے بعد جو کچھ نظم یا نثر باقی رہ گئی تھی، اس سب کو دو حصّوں میں جمع کر دیا تھا، اس کے حصّۂ نظم میں ایک یا دو قطعے یا رُباعیاں سبد چین سے زیادہ نظر آئی تھیں اور چونکہ یہ سبد چین کے بعد مرتب ہوئی تھی، اس لیے ایسا ہونا ضروری تھا۔ اس کتاب کا ایک وحید نسخہ سید وزیر حسن صاحب ایم اے اُستاد عربک کالج، دہلی کے پاس ہے۔ میں نے ڈاکٹر سید اطہر علی صاحب، اُستاد سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی کی وساطت سے اسے حاصل کر کے فارسی خط نقل بھی کیے تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ وہ قطعہ یا قطعے بھی نقل کر لیے تھے۔ دفتر سے اُٹھ کر انھیں تلاش کروں گا، اور انشاء اللہ مل جانے پر آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔ مگر یہ عرض کر دوں کہ سید صاحب اس معاملے میں بہت متشدد واقع ہوئے ہیں۔ شاید ان کی اجازت کے بغیر ان کی اشاعت انھیں برافروختہ کر دے۔

آپ نے اپنے پہلے گرامی نامے میں صرف میری تصویر مانگی تھی۔ اب اس پر حالات اور انتخاب اشعار کا بھی اضافہ فرما دیا۔ مجھے تصویر ہی کے بھیجنے میں تامل تھا کہ اس طرح کہیں مجھ پر وہی مثل نہ صادق آ جائے جو کسی عرب کی زبان سے مُعیدی نامی ایک شاعر کو دیکھ کر نکلی تھی کہ "تسمع بالمُعَیدی خیرٌ من أن تَرَاہُ۔" حالات سے آپ کو باخبر کرنے کا تو تصوّر ہی لرزہ براندام کیے دیتا ہے، کیونکہ آپ نے عام حالات مانگے ہیں اور میں بقول اکبر الہ آبادی ؎

میری لائف لکھو ایامِ جوانی کے سوا سب بتا دوں گا تمھیں "افسدہ دوانی" کے سوا

اپنے ایامِ جوانی کے "افسدہ دوانی" کس طرح بتا سکتا ہوں اور چونکہ کلام منظوم اسی افسدہ دوانی کی طرف اشارہ ہوتے ہیں، اس لیے کلام اور وہ بھی منتخب کیسے بھیجوں۔ غالب کے بقول شعروں کے انتخاب سے رسوائی کو دل لینا کہاں (کی) دانائی ہے۔

مصر کا کتاب خانہ اپنے مخطوطے مستعار نہیں دیتا، البتہ ان کے عکس بھیج دیتا ہے مگر مجھے کسی ایک متعین کتاب کی ضرورت نہیں، بلکہ جس کام میں کئی سال گزار چکا ہوں، اس کے سلسلے میں وہاں کے ذخیرہ احادیث، تاریخ اور ادب کی ورق گردانی کرنا ہے۔ یہ کام وہیں پہنچ کر اور خود ہی انجام دے سکتا ہوں۔ آپ کی محبت کا شکریہ البتہ ادا کرتا ہوں کہ جس کے باعث آپ ہر مدد کے لیے آمادہ ہیں۔ خدا ایسا کرے کہ وہاں پہنچ کر اس لطف و کرم کے پھل چنوں اور لطف اندوز ہوں۔

الحمدللہ کہ آپ کو بھوپالی تذکرے سب مل گئے۔ باقی کتابوں میں سے بیاضِ سخن، حضرتِ رشید، حیاتِ انیس، قصۂ ملخص انشاء اللہ مل جائیں گے اور کتابیں عرصے سے ناپید ہیں۔ کسی پُرانے کُتب فروش کے پاس تو شکل آئیں گی۔ بازار کی دُکانوں پر دستیاب ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں نظر آتا۔ بہرحال دو چار جگہ لکھتا ہوں، جو بھی ہاتھ آ گئی، ارسال ہو گی۔

واقعی یہ میری کوتاہی ہے کہ کتاب خانہ رامپور کی مطبوعات آپ جیسے قدر دان تک نہیں پہنچا تا ساب سوائے تلافی مافات کے کیا تدبیر باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ عرض کرتا ہوں کہ سفرنامۂ مخاصّ کے بعد متفرقاتِ غالب مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب لکھنوی اور فرہنگِ غالب مرتبۂ امتیاز علی عرشی رامپوری تیار رہیں۔ اوّل کی قیمت دو رُپے اور دُوسری کی ڈھائی رُپے ہے۔ اگر آپ نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ بھی ارسالِ خدمت کروں گا۔ دہلی کے رستخیز بے جا میں غالباً مکتبہ جامعہ نذرِ آتش ہو گیا ہے۔ اگر خدانخواستہ باشد، یہ اطلاع صحیح ہے اور وہاں سے کتاب آپ کی خدمت میں نہ پہنچے تو مجھے مطلع فرمایئے تاکہ میں یہاں سے روانہ کر دوں۔ اس کی قیمت چھ رُپے ہے۔

آج کل میں غالب کے اُردو دیوان کو ایڈٹ کر رہا ہوں۔ تمام معتبر قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر ڈالا ہے صرف مولانا شیرانی مرحوم کا نسخۂ دیوانِ غالب دیکھنا ہے، جو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس متداول دیوان کے بعد بھوپال کے نسخے کو دوبارہ تصحیح کر کے شائع کروں گا۔ مطبوعہ نسخہ اصل سے بہت جگہ مختلف ہو گیا ہے۔ چنانچہ ۳ سال قبل دو دن کے لیے میں بھوپال جا کر مطبوعہ اور قلمی کا مقابلہ کر کے یہ بات بتحقیق معلوم کر چکا ہوں۔ اس مختصر سی مدت میں جو اختلاف نوٹ کیے تھے ان پر ایک مضمون عثمانیہ یونیورسٹی میگزین میں شائع بھی کرا چکا ہوں۔

ایک خوشخبری یہ سُنا دوں کہ بمبئی کے ایک ریسرچ اسکالر غالب کا فارسی کلیات مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ آصف فیضی صاحب سیکرٹری اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کی فرمائش پر یہ کام کیا جا رہا ہے اور وہی اسے اہتمام کے ساتھ چھاپیں گے۔ کیسے ہے کام کی بات!

دُوسری خبر یہ سُنا دوں کہ میں نے مومن خاں مرحوم کے کلیات فارسی و اُردو کا انتخاب کیا ہے۔ اسے کتابی دُنیا دہلی شائع کرے گی۔ آج کل میں اس پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ اس کے بعد ایک مجموعہ ناظم رامپوری، نظام رامپوری اور وفا رامپوری کے منتخب کلام پر مشتمل ان شاء اللہ خود بڑے اہتمام سے چھپوانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ یہ تینوں شاعر گمنام ہیں مگر ہیں اپنے اپنے رنگ کے بے بدل اُستاد۔ اس کام کا بڑا حصہ یعنی انتخابِ کلام تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ صرف اس پر تمہید لکھنا باقی ہے۔ جس میں رامپور کی ادبی تاریخ پر روشنی ڈالنا ہے۔

اپنے بچوں کو دعا کہیے اور پیار کیجیے۔ والسلام

مخلص: امتیاز علی عرشی، رامپور۔ ۲۴ ستمبر ۴۷ء

—— (۸) ——

بنام مالک رام

صدیقی محترم مالک رام صاحب کی خدمت میں آداب کے بعد گذارش ہے کہ والانامہ کو ملے کچھ کم دو مہینے ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں کوشش کی کہ کتابیں مہیا کر سکوں لیکن ناکام رہا۔ اب مجبور ہو کر باہر سے حاصل ہونے والی کتابوں میں سے صرف قطعۂ منتخب کو شامل کر کے پرسوں پارسل روانہ کروں گا۔

سید وزیر حسن صاحب کا محولہ مضمون میری نظر سے نہیں گزرا۔ غالباً اُنھوں نے اس رُباعی کو میرے حوالے سے چھاپا ہوگا:

یک روز ز ترکِ بادہ گوئی غالب ۔۔۔ رُخ روزِ دگر ز بادہ شوئی غالب
این توبۂ بے بقا چہ جوئی غالب ۔۔۔ توبہ اِتب تو بہ است گوئی غالب

یہ رُباعی کلیاتِ فارسی کے اس نسخے میں بقلم غالب اضافہ کی گئی ہے جو نواب فردوس مکان ناظم کو غدر سے پہلے غالب نے تحفتہً ارسال کیا تھا۔ میں اسے آٹھ دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا، نیرنگ دہلی میں شائع کرا چکا ہوں۔ شاید آپ کی نظر سے وہ پرچہ نہیں گزرا۔ اگر اس کے ماسوا کچھ اُنھوں نے چھاپا ہے تو مجھے وہ بالکل یاد نہیں۔

مثنوی دعاءُ الصباح میں جو غلطیاں تھیں، انھیں درست کر کے بھیج رہا ہوں۔ باغِ دو در کے خطوط آپ کیا کریں گے۔ خدا نے چاہا تو حالات درست ہوتے ہی مطبوعہ شکل میں وہ اور ان کے ماسوا اور بھی بہت سے خط آپ کو مل جائیں گے۔

میری تصویر سے آپ سرِ دست پابوس ہو جائیے۔ میں اب پکا سچا قرنِ اوّل کا مسلمان بنتا جا رہا ہوں اور اس عہد میں مسلمان کا شیوہ وہ نہ تھا، جو آج کل کے مجھ جیسے بدنام کنندۂ اسلام مسلمانوں کا ہے۔ ہاں یہ نشہ نہ چڑھا، یا چڑھ کر اُتر گیا، تو پھر اس سے بھی زیادہ کی تعمیل کر دوں گا۔

متفرقات وغیرہ ارسال ہیں۔ آئندہ آپ کی خدمت میں بلا طلب یہاں کی مطبوعات پہنچتی رہیں گی۔

مکتبہ جامعہ کی خبر صحیح ہے۔ لیکن حامد علی خاں صاحب بعافیت نکل کر پاکستان جا پہنچے۔ ان کا پتا مجھے معلوم نہیں، ورنہ وہ بھی بتاتا۔ یہ بات البتہ خوشی کی ہے کہ انجمن ترقیٔ اُردو کا کتاب خانہ بچ گیا۔ صرف اس کے دفتر پہ آفت آکر ٹل گئی۔ مولوی عبدالحق صاحب بھی بخیر ہیں۔ یہ حادثہ بہت سخت ہوتا۔ ان کے پاس قدیم اُردو مخطوطات کا جو ذخیرہ ہے، وہ نایاب و بے نظیر ہے۔

نادر نامہ غالب پر آپ کا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ اُردو کا جولائی نمبر آپ کو وہاں مل گیا مگر ہمارے پاس یہاں نہ پہنچ سکا۔ بہرحال میں خود اسی کا قائل ہوں کہ ان کا شبہ بے سروپا ہے۔ خود غالب کی زندگی کا دہلی کا چھپا ہوا نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اس کی شہادت اور رس کی دو غزلوں کی شوخی اور اشعار کی صفائی اور لطافت،

یہ سب زبردست ثبوت ہیں اس کے تالیفِ غالب ہونے کے۔ اکرام صاحب بھی بلا پس و پیش اسی رائے کے ہیں۔ میں نے مکاتیبِ غالب کے تیسرے یا چوتھے ایڈیشن میں اسے ظاہر بھی کر دیا ہے۔

امیر مینائی کا تذکرہ اور پھر تذکرۂ کاملانِ رامپور۔ صرف یہی دو کتابیں مشاہیرِ رامپور پر لکھی گئی ہیں۔ موخر الذکر حافظ احمد علی خان شوق رامپوری کی تالیف ہے اور یہاں کے علماء، ادباء، صوفیاء وغیرہ سب کے حالات پر مشتمل ہے۔ فہرست مطبوعاتِ کتاب خانہ کتابوں کے ساتھ ارسال ہوگی۔

دیکھیے کب وہاں آنا ہو اور اس عرصے میں یہاں کیا گزرے۔ خدا مددگار رہے۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص: امتیاز علی عرشی، رامپور۔ ۱۲ دسمبر ۴۷ء

—— (۹) ——

بنام مالک رام

اپنے مکرم مالک کی خدمت میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عرض کرتا ہوں اور تا دمِ تحریر بخیر ہونے کی اطلاع دیتا ہوں۔ یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے، اس کا لکھنا بے سُود ہے۔ آپ نے سب کچھ بیری طرح سن لیا ہوگا اور اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا۔ یہ بات البتہ بغیر لکھے نہیں رہ سکتا کہ ہماری شقاوت کی کوئی حد نہیں رہی۔ دنیا کی پوری معلوم تاریخ میں ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا۔ واحسرتا، وا اسفا! اب اس فردا کا دیکھنا باقی ہے جو "دربہں امروز" ہے۔ خدا خیر کرے!

تذکرۂ کاملانِ رامپور نایاب ہے۔ خود رامپور والوں کو آج کل سخت ضرورت ہے مگر کہیں اور کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہو سکا۔ کتاب خانہ کی فہرست کے چھاپنے کا کئی برس سے انتظام کیا جا رہا ہے، لیکن ہنوز روزِ اوّل ہے۔ اب کچھ کچھ امید بندھ چلی ہے۔ انشاء اللہ پہلے اُردو مخطوطات کا حصہ چھاپنے کی کوشش کروں گا۔ مکاتیبِ غالب کے بعد کے ایڈیشنوں میں خطوط، حواشی اور دیباچے سب میں اضافے اور ترمیمیں ہیں، اور کچھ اہم اضافے اور ترمیمیں ہیں۔ مگر افسوس کہ خود میرے پاس بھی کوئی نسخہ موجود نہیں۔ پانچواں ایڈیشن چھپ رہا تھا کہ ہماری دنیا بدل گئی۔ آدھا چھپا اور آدھا بے چھپا پڑا ہوا ہے۔ توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہوگئی تو انشاء اللہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

عبدالحق صاحب رامپور آئے ہوئے تھے۔ کل واپس دہلی تشریف لے گئے۔ اب وہ صدر دفتر شاید کراچی میں رکھیں اور شاخ کی حیثیت سے لکھنؤ یا کسی اور جگہ کام ہو۔ دہلی اب وہ دہلی نہیں رہی۔ وہاں کا حال بعینہٖ وہ ہے جسے مولانا حالی نے غالباً الہامی طور پر "شکوۂ ہند" میں ظاہر کیا تھا۔

پارسل غالباً آپ کو مل چکا ہوگا۔ رسید سے مطلع فرمائیے گا۔

قرآنِ مجید کی ایک آیت ہے "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ"۔ اتنی ترقی کر لینے کے بعد بھی دنیا اس کو نہیں مانتی کہ خود انسان ہی بر و بحر کے فساد کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فساد کے بعد بجائے اصلاح کے دوسرا فساد اس سے بڑی اور زیادہ ہولناک تباہ کاریوں کے ساتھ مسلط ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

اب تیسرے بڑے فساد کا مادہ پھر انسان تیار کر رہے ہیں۔ دیکھیے انجام کیا ہوا اور آئندہ فساد کرنے والے رہیں بھی یا بالکل نابود ہو جائیں۔ سچ ہے: "ان اللہ لا یظلم الناس شیئا و لکن الناس انفسھم یظلمون۔"

والسلام مع الاکرام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۴ فروری ۴۸ء

——(۱۰)——

بنام مالک رام

اپنے محترم و مکرم کی خدمت میں تسلیم مع التکریم کے بعد عرض کرتا ہوں کہ بحمد اللہ ہم سب بخیر ہیں اور ابھی تک حالات روز مرہ ہی ہیں۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں اگر کوئی نیا شگوفہ بطون گیتی میں کھلنے کے لیے بیقرار نہیں، تو اطمینان کلی میسر آجائے گا۔

مکاتیب غالب ابھی تک مطبع ہی میں ہے۔ بعد ختم کار ایک نسخہ ارسال کروں گا۔

اس وقت آپ کو ایک زحمت دیتا ہوں۔ میں نے ایک عربی کتاب ایڈٹ کر کے چھپوائی تھی۔ یہ عربی لغت پر ایک نادر رسالہ ابو عبید قاسم بن سلام ہروی کا ہے۔ بڑی محنت سے اس کام کو انجام دیا تھا۔ تقریباً ۰۰۰ نسخے اس کے ہنوز سٹاک میں موجود ہیں۔ چاہتا ہوں کہ وہاں کا شہر کے کسی بڑے کتب فروش سے آپکے توسط سے معاملہ ہو جائے اور وہ ہم سے سب نسخے ایک دم خرید لے۔ کتاب کی قیمت ۱۰ ہے۔ اس کے موازی مصری کتنے فروخت ہوں گے، یہ آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔ ہم کل نسخوں کے خریدار کو ۲۵ فیصد کمیشن دے دیں گے۔ کیا آپ اس میں کچھ مدد دے سکیں گے۔

ایک گزارش ذاتی ہے۔ میں نے ماقبل اسلام کے ایک عرب شاعر کا دیوان اڈٹ کیا ہے۔ اس کا نام ہے دیوان الحادرہ۔ رامپور، مکتبہ خدیویہ اور برٹش میوزیم کے نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کا کام انجام دیا ہے۔ یہ چاہتا ہوں کہ وہاں کوئی پبلشر اسے چھاپ لے اور کچھ نسخے مجھے حق ترتیب کے دے ڈالے۔

ابو عبید کی کتاب کا ایک نسخہ ارسال خدمت ہے۔ دیوان الحادرہ کا مبیضہ طلب پر بھیجوں گا۔

آپکے خسر صاحب نے رقم ارسال فرما دی ہے خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۳ مئی ۴۸ء

——(۱۱)——

بنام طاہر فاروقی صاحب

اپنے مکرم مولانا فاروقی کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد عرض کرتا ہوں کہ ۷ ماہ حال کا لکھا ہوا محبت نامہ ملا۔ واقعہ یہ ہے کہ "دوامی اختلاط" ترک ہو جانے کا ہم سب کو بھی افسوس رہا۔ مگر یہ خیال کر آپ بے حد مصروف ہیں، آپ کا

شیفتہ بنا رہا۔ ورنہ ہم لوگ "آزادی پسند" کے وہم میں گرفتار ہو کر رہیں گریبان پھاڑ چکے ہوتے۔

حضرت! اچھا ہی ہوا جو آپ اپنے کو روک کر "کشاکش درمیاں" کا باعث نہ بنے، ورنہ میں تو اسٹیشن ہی سے یہ طے کر چکا تھا کہ "عذرِ مستی" رکھ کر چھیڑے بغیر نہ رہوں گا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مجھے اجازت دیجیے کہ "سنا" کا شکریہ ادا کروں اور "کہا" کی معذرت۔ واقعہ یہ ہے کہ کانفرنسوں سے سب سے بڑا انفرادی فائدہ یہی ہوتا ہے کہ ان کی مختصر سی مدت میں دوست و محبت کے بڑے بڑے سانحے رُونما ہو جاتے ہیں۔ آپ سے ملاقات بھی اسی قسم کا ایک حادثہ محبت و مودت ہے۔ خدا کرے کہ اس راہ کی پُرخار وادیوں میں زندگی کا ہر قدم "غزلخواں رفتم" کا مصداق ہو۔

آپ کا سلام حسنِ اتفاق سے کل ہی پہنچا دینے کی "پیغمبرانہ توفیق" نصیب ہو گئی۔ اُن سب حضرات نے بھی سلام اور آرزو نے ملاقات لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ اب ہم اس دن کے منتظر رہیں گے جب آپ رامپور تشریف لا کر ہمیں "استقبالی اختلاط" کا موقع دیں گے۔

آپ کے اخلاص کا شکریہ بالمواجہ ادا کیا جائے گا ان شاء اللہ! اطمینان رہے۔

والسلام مع التکریم والاحترام۔

حقیر: امتیاز علی عرشی، رام پور، ۱۴ر جنوری ۴۶ء

—(۱۲)—

بنام مالک رام

محترم۔

۱۰ر جون کا والا نامہ ۲۶ر جون کو مل گیا تھا۔ آج ڈیڑھ ماہ کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں اور یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ مسلمانوں کے لیے رمضان المبارک میں کام نہ کرنے کا کوئی عذر کب درکار ہوتا ہے۔ کیا یہ کچھ کم ہے کہ میں برابر روزہ رکھتا رہا۔ فرمائیے ٹھیک ہے۔ یہاں رمضان کا پہلا روزہ جمعہ کو رکھا گیا اور ۲۹ دن کے بعد جمعے ہی کو ختم کر دیا گیا۔ ۷ر اگست یہ غالب پر ایک جامع کتاب کی شکل میں ہو گا۔ آپ جس عنوان پر لکھیں مجھے ضرور اطلاع دیں اور اگر براہِ راست ایڈیٹر کو لکھ دیں تو یہ اور بھی اچھا ہے۔

کیوں صاحب! یہ اپنے آنے کی اطلاع تو دی جاتی ہے، مگر ہمیں بلانے کا بھی کبھی مژدہ سننے اور دیکھنے میں آئے گا۔ خدا آپ کو شاد و بامراد رکھے اور خیریت کے ساتھ ہندوستان واپس لائے۔ والسلام مع الوف الاحترام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۰ر اگست ۴۸ء

—(۱۳)—

بنام مالک رام

مخدوم کیا بتاؤں، مصر کے لیے پر تول رہا ہوں۔ دُعا کیجیے، کچھ اسباب مساعد سے نظر آ رہے ہیں، اگر خدا نے چاہا

تو دسمبر کے بعد کوچ کر سکوں گا۔

غالب کی گھریلو زندگی پر مزید لکھیے۔ یہ عنوان ابھی تک تشنہ ہے۔ . . . . . . صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے متعدد محققین غیر مطمئن ہیں۔ شاید سب سے زیادہ دلچسپ یہی عنوان رہے گا۔

قادر نامہ مجتبائی پریس (م، ح، ب، س) دہلی میں چھپا تھا۔ محبس وہی جیل ہے۔ یہ طابع کے عربی بگھارنے کا نتیجہ ہے کہ آپ محبس کا شبہ فرما رہے ہیں۔ سیدھا سادا جیل یا قید خانہ لکھا گیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔ بہر حال، دہلی جیل میں کوئی مطبع قائم کیا گیا ہوگا، اس میں قادر نامہ چھپا تھا۔

اپنے خط میں یہ بھی لکھیے گا کہ کیا مجھ جیسے نااہل کے لیے مصر وطن بن سکتا ہے اور بن سکتا ہے تو کس طرح۔ تجارت کو ذریعہ معاش بنا کر یا ملازمت کر۔ یہ عنوان سرسری نہ سمجھا جائے میں مستقل نہیں، تو کم از کم دو تین سال وہاں رہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے مہمان رکھنے کا جو مژدہ دیا ہے اس کا تہِ دل سے ممنون ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند عالم آپ کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ شاد کام و بامراد رکھے۔

ذکر غالب کے ضائع ہونے کا دلی افسوس ہے مگر خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے، سب کچھ ہو جائے گا۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور - ۴ ستمبر ۴۸ء

—(۱۴)—

بنام مالک رام

صدیق محترم۔ تسلیم مع التکریم

آج کل ایک کتاب کی تکمیل میں لگا ہوا ہوں۔ کوشش یہ ہے کہ جلد از جلد اسے ختم کر لوں۔ خدا جانے کب اس عظیم المرتبہ کتاب خانہ سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہاتھ سے نکل جائیں۔ اس کتاب کے مکمل کر لینے کے بعد ایک سرتوڑ کوشش مصر آنے کی کروں گا۔ اس مرحلے کو سر کر لیا تو گویا عمر بھر کی آرزو پوری ہو گئی۔ دیکھیے، خدا کیا کرتا ہے۔

آپ نے اپنے بارے میں ایک لفظ بھی نہ لکھا۔ پچھلے خط سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ آپ وہاں سے کچھ دل برداشتہ سے ہیں۔ کم از کم اس بارے میں تو کچھ نہ کچھ ضرور لکھتے۔

انشا کی ایک بے نقط اردو کہانی موسوم بہ سلک گوہر ابھی ابھی چھپ کر مطبع سے آئی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب اس کا ایک نسخہ ارسالِ خدمت کر دوں گا۔

بچوں کو دعا اور پیار۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور - ۲۲ فروری ۴۹ء

—(۱۵)—

بنام مولوی ضیا احمد صاحب بدایونی

مکرم و معظم، تسلیم کے بعد عرض ہے کہ مومن مرحوم کے اس دیوان کا سالِ کتابت معلوم نہیں اور نہ کاتب کا نام کہیں نظر آتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ کسی شاگرد کے قلم کا ہے۔ آخری کلام کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ خود مومن نے لکھا ہے، اس لیے کہ اس کی شاہ خط اصلاحی خط سے ملتی جلتی ہے۔

زائد کلام کی مقدار بتانے سے سر دست قاصر ہوں۔ یہ کام اس وقت سرانجام پا سکے گا کہ میں مطبوعہ نسخے سے غزلوں کا مقابلہ کروں۔ آج کل مصروف بے حد ہوں۔ مشکل ہے کہ اس کے لیے وقت نکل سکے۔

کچھ اصلاحیں ذیل میں نقل کرتا ہوں:

۱. مومن خاں کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

کر ترے خنجرِ مژگاں نے کیا قتل مجھے غیر کیا کیا ملک الموت کے قدر داں ہوگا

پہلے مصرع اول میں "خنجرِ غمزہ" تھا۔ "غمزہ" کو کاٹ کر مومن نے حاشیے میں مژگاں لکھا ہے۔

۲. دوسرا شعر ہے:

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے ترے پردہ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

اس کا پہلا مصرع پہلے یوں تھا:

نیم خوابی کا گلہ کیجے تو کہوے، میرے

۳. ایک شعر اب یوں چھپا ہے:

ضد ہے یہ خط سے مرے تا ڈھونڈ اروں کھائے
دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

اس کا مصرع اول اس طرح تھا:

ضد ہے یہ خط سے مرے لاکھوں ہی کھاتا ہے تاؤ

میں آج کل ایک اور کام میں مصروف ہوں۔ انشاءاللہ ہفتے عشرے میں اس سے فارغ ہو کر ایک مفصل مضمون مرتب کروں گا اور اس کی ایک نقل آپ کی خدمت میں بھی ارسال کروں گا۔ والسلام مع الاکرام۔

احقر: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۷ مئی ۴۹ء

—(۱۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم و محترم۔ تسلیم۔ امراؤ بیگم کے مطلوبہ خط کی نقل ارسال ہے۔ مولوی فضل حق مرحوم کے خط کی بھی نقل آپ

مانگ لیے ہیں حالانکہ وہ آپ کے لکھے ہوئے صفحے ہی پر موجود ہے۔ آپ نے اس خط کا جو حوالہ دیا ہے وہ ہے بستہ ۳۴ مثل ۴۹۸۔ اس حوالے سے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید آپ کو نواب مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ کے خط کی نقل مطلوب ہے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو عرض یہ ہے کہ شیفتہ کا خط بستہ میں موجود نہیں ہے۔ غالباً کسی وقت میں ضائع ہو گیا۔ اگر وہ مل گیا ہوتا تو کسی نہ کسی ایڈیشن میں اس کو میں خود درج کر چکا ہوتا۔

غالب کا مخمس میں نے دہلی اُردو اخبار کے تتمے مورخہ ۱۷ اپریل ۱۸۵۳ء مطابق ۷ رجب ۱۲۶۹ھ سے نقل کیا ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ دہلی اُردو اخبار آزاد دہلوی کے والد مولوی محمد باقر صاحب نکالا کرتے تھے۔ اس کی اور اشاعتوں میں غالب کے بعض فارسی قصائد وغیرہ بھی شائع ہوئے ہیں۔ مگر وہ سب مطبوعہ کلیات میں بھی موجود ہیں۔

قطعات مشتمل پر اسمائے فارسی کی نقل آپ چاہتے ہیں۔ سردست ہم سب بہت مصروف ہیں۔ انشاء اللہ بوقت فرصت لکھا کر بھیج دیے جائیں گے۔ لیکن یہ تو بتائیں کہ کیا آپ انہیں غالب کی نظم ہونے کی بنا پر چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ یہ قطعے غالب کے ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں آپ ہم کو زحمت ہی کیوں دیں۔

پروف پہلے میں نے انہیں پڑھ کر جگہ جگہ اصلاح دے دی ہے مگر وہ صرف لفظی ہو سکتی تھی۔ تاریخوں وغیرہ میں ردوبدل ہوا یا نہیں اس کی ذمہ داری آپ کے کاتب اور مصحح پر ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ سب حضرات اس پتھر پر لعنت بھیج دیں۔ اگر یہ مضمون ٹائپ میں ہوتا تو اُس کا پروف بھی خوبصورت نظر آتا۔ دیکھیے، میری یہ آرزو کب پوری ہوتی ہے۔

عبدالصمد پر قاضی صاحب کا مفصل مضمون آجانے کے بعد آپ نے میرا مضمون روک کر مجھ پر احسان کیا۔ وہ بہت مضبوط اور مدلل اور مضمون لکھنے والے ہیں۔ اس حالت میں اتحاد رائے ہوتے ہوئے تکرار مضمون قطعاً نازیبا بات تھی۔ باقی میرے مضمون مطبوعہ کے آخر میں "عبدالصمد" عنوان کے تحت جو اقتباسات آپ نے دیے ہیں، ان میں یہ کیا ستم ظریفی کی ہے کہ میرے مضمون کا ٹکڑا بھی دے دیا ہے۔ برادرِ عزیز کہاں میں اور کہاں یہ اساطین علم و تحقیق، خصوصاً جناب مولانا ابوالکلام کے ساتھ میرا اختلاف کیا معنے رکھتا ہے۔ یعنی جہاں سرِ صفحہ اُن کی رائے ظاہر کی گئی ہو وہاں مجھ جیسے ناکارہ کی مخالف رائے کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔ خیر یہ بھی ایک لطیفہ سہی۔

اُستادِ مکرم کی خدمت میں پُرادب سلام پہنچا دیجیے۔ پرسوں اُن کا مکرمت نامہ بھی شرفِ صدور لایا ہے۔ آج میں اس کا جواب لکھ کر بھیجوں گا۔

آپ نے معارف میں میرا تازہ مضمون پڑھ کر کیا رائے قائم کی۔ نیز یونیورسٹی کے اُردو ڈپارٹمنٹ نے اس امر میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ والسلام!

مخلص: عرشی، رام پور - ۲۳ مئی ۴۹ء

مکرر یہ کہ دعائے صباح کا ترجمہ منظوم آپ نے شائع کر کے اچھا کیا۔ اصل دعا اور یہ منظوم ترجمہ لکھنؤ کے ایک شیعی

عالم کتابی شکل میں چھپوانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔
میرا جبرا لصمد سے متعلق مضمون واپس ارسال فرما دیجیے معیار کو نہ پہنچے۔

—(۱۷)—

بنام مالک رام

صدیق من۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے۔
ایک قدم میں پہلے ہی سے کوتاہ قلم ہوں۔ پھر پچھلے دنوں ہم سب ایک نئے انقلاب سے دو چار ہونے کی تیاری میں لگے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے جواب نہ لکھنے کا بہانہ مل گیا۔ مگر مکاتیب غالب اور سکۂ گوہر کی ایک ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کی جا چکی ہے۔
اب بظاہر یہ مستعار آنے کی توقع ختم ہو گئی ہمارا کتاب خانہ حکومت ہند کے زیر نگرانی آرہا ہے۔ ممکن ہے کہ میرے خدمات پسند نہ کیے جائیں اور اگر پسندیدہ ثابت ہو جائیں تو پھر طباعت فہرست وغیرہ کے سلسلہ میں مہلت ملنا ناممکن ہے۔
تاریخ رامپور کا ملنا ناممکن ہے۔ امیر مینائی کا تذکرہ شعرا ہمارے یہاں ختم ہو چکا۔ شہر کے ایک تاجر کے یہاں چند نسخے تھے۔ ان سے معلوم کر کے بشرط موجودگی ایک نسخہ ارسال کرتا ہوں اور کوئی خدمت میرے لائق ہو، تو ارشاد فرمائیے اچھا خدا حافظ۔ امید ہے کہ آپ دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص: عرشی، رام پور - ۶ رجون ۴۹ء

—(۱۸)—

بنام مالک رام

میرے محترم۔
آپ کی خفگی بجا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ مجھے اب سے بہت پہلے اپنی حالت اور دوسری ضروری باتوں کا جواب لکھ بھیجنا چاہیے تھا۔ مگر رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے۔ اتنی بے دردی تو نہ دکھایئے کہ آنسو آنکھوں میں خشک ہو کر رہ جائیں۔
خیر! تو عرض یہ ہے کہ انتخاب یادگار کا ایک نسخہ یہاں کی ایک فرم ——— تعلیمی دنیا ——— کے یہاں نکل آیا۔ اس کے مالک ادبی ذوق کے انسان ہیں، وہ فروخت کرنے پر تو آمادہ نہ ہوئے، لیکن میری زبانی آپکے صفات سن کر بالکل اسی طرح ایمان لے آئے۔ جیسے میں لا چکا ہوں اور آپ کی خدمت میں ہدیہ کر دینے پر بخوشی تیار ہو گئے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ اس خط کے ساتھ ہی کتاب بھی آپ کو مل جائے۔
تذکرۂ کاملان رامپور اور اخبار الصنادید (تاریخ رامپور) کے نسخے بھی اسی طرح کہیں سے فتوح میں مل سکتے ہیں۔ بازار میں ہاتھ آجانا دشوار ترین امر ہے۔ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے؟

آپ اورینٹل کانفرنس کے لیے ضرور کوئی مضمون لکھیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ خدیویہ لائبریری کے شعبۂ فارسی کے بعض اہم اور قابلِ توجہ مخطوطات پر کچھ لکھ ڈالیے۔ ان کتابوں کی فہرست جو حکومتِ مصر نے شائع کی ہے، وہ بالکل مختصر ہے۔ اہلِ علم ان مخطوطوں کے متعلق حالات پڑھ کر آپکے بہت شکرگزار ہوں گے۔ مضمون کو قدرے دلچسپ ضرور بنا دیجیے گا، کہیں صرف فہرست بن کر نہ رہ جائے۔ یہ بات آپکے لیے کچھ بھی مشکل نہ ہوگی۔
اور اگر اس کے واسطے وقت نہ نکل سکے، تو پھر مصر کی جدید شاعری پر کوئی مقالہ تیار کیجیے۔ یہ عنوان بھی دلچسپ رہے گا۔

ہم سب ابھی تک بخیر ہیں۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی یہاں خیریت رہے گی۔ دُعا فرمایئے۔
خُدا کرے آپ سب وہاں بخیر ہوں۔ والسلام مع الاکرام والاحترام
مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۹ر اگست ۴۹ء

—(۱۹)—

بنام مالک رام

میرے محترم۔ آپ کو میری خبر بھی ہے کہ کس دور سے گزر رہا ہوں۔ اگر آپ یہاں موجود ہوتے تو میرے اُوپر ترس کھاتے اور چارہ گری کی ٹھان لیتے مگر کیا کروں کہ سمندر پار بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب کس سے کہوں

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

بہرحال "چشم نگرانم وادہ اند" کا مصداق بنا ہوا نیرنگیِ روزگار کا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ والامر بید اللہ یصرفھا کیف یشاء۔

حشر صاحب تعلیمی دُنیا کے مالک میرے دوست ہیں، مخلص دوست۔ بڑے خوش ذوق جوان ہیں۔ اسداللہ کاظمی صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب مشیر تعلیمات بمبئی کے ساتھ محکمہ تعلیمات رام پور میں کام کر چکے ہیں۔ بڑے اچھے شعر کہتے ہیں۔ مگر اب بحیثیت شاعر مرحوم و مغفور ہو چکے ہیں۔ ملنے کے قابل اور دوست بنانے کے لائق شخص ہیں۔

آپکے لیے اخبار الصنادید کی دونوں جلدیں اُنھوں نے ڈھونڈھ نکالی ہیں اور شاید آج کل ہی میں بھیجنے والے ہیں۔ تذکرہ کاملانِ رامپور کی تلاش بھی کر رہے ہیں۔ یقیناً کہیں نہ کہیں سے نکال لائیں گے۔ میں نے ہر چند کہا کہ بھائی مالک رام صاحب کو کیوں خواہ مخواہ زیرِ بارِ احسان کرتے ہو۔ کتابوں کی قیمت لو اور ضرور لو۔ مگر انھیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ عرشی کے مالک رام ہیں اس لیے کسی طرح نہ مانے، اور شاید تحفۃً ہی بھیجیں۔ آپ بھی قبول فرمالیجیے گا۔ ان کا احسان اب دوست کا لطف و کرم ہے، غیر کی منت نہیں۔

سفرنامۂ مخلص کے دیباچے (ص ۴۹) سے متعلق آپنے جو استفسار کیا ہے اس کے بارے میں گذارش ہے کہ اس جگہ دیباچہ نگار سے تسامح ہوا ہے۔ دراصل انشائے آنند رام کے حاشیوں پر غالب کے کچھ فارسی خطوط طبع ہوئے ہیں یہ مطبوعہ نسخہ میں نے ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتاب خانہ میں دیکھا تھا اور شاید نواب صدر یار جنگ کے کتاب خانے میں بھی ہے، مگر اچھی طرح یاد نہیں۔

بستان بےخزاں، فضل علی خاں بن خواجہ محمد دہلوی نے ۱۱۶۳ھ میں تصنیف کیا تھا۔ غالباً اس کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں ہے۔ افسوس یہ کہ ناقص الآخر ہے مگر جتنا حصہ ہے اس میں بھی بعض نئی باتیں مندرج ملتی ہیں چونکہ حرف الف میں" ہمایوں بادشاہ" تک کا حال درج ہے، اس لیے کتاب کا بڑا حصہ محفوظ ہے۔

اس تذکرے کی زبان فارسی ہے اور فارسی گو شاعروں کا اس میں ذکر ہے۔ موجودہ حصہ تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

دستور الفصاحۃ کا نسخہ بھی اخبار الصنادید کے ساتھ ہی روانہ ہوگا۔ والسلام مع الاکرام والاحترام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۸ر دسمبر ۴۹ء

(۲۰)

بسم اللہ مالک رام

محب محترم

آپکے محبت نامے کا جواب دوسرے سال دے رہا ہوں اور اس تاخیر پر اتنا شرمندہ بھی نہیں جتنا ہونا چاہیے تھا۔ جانتا ہوں کہ آپ میری کوتاہ قلمی کو سہہ گئے ہیں۔ خدا آپ کو خوش و خرم اور شاد و آباد رکھے۔

آپ نے میری پریشانی کا اندازہ درست فرمایا مگر اس سلسلے میں سردست آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتا ان شاء اللہ ضرورت پڑی تو لکھوں گا۔

حشر صاحب کا نام" سید محسن علی حشر رامپوری" ہے۔ ماشاء اللہ جوان شاعر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ۳۵ سال کا سن ہوگا۔ مگر ہوشمندی اور سنجیدگی ساٹھ سالہ رکھتے ہیں۔ غالباً اخبار الصنادید اور تذکرہ کاملانِ رامپور دونوں آپ کو روانہ کر چکے ہیں، ورنہ آج کل میں ارسال کرنے والے ہیں۔

مجھے کتاب منگانے کے لیے قاہرہ میں کوئی ایسا کتابی ٹھکانا چاہیے کہ جس کتاب کو لکھوں، فوراً آجائے۔ یہ ہندی تاجر لوٹتے ہیں۔ یقین فرمائیے کہ جو کتاب مصر میں ہمارے دو روپے کے برابر قیمت رکھتی ہوگی، اسے یہاں دس بلکہ پندرہ روپے تک فروخت کرتے ہیں۔

آپ" یوسف الیان سرکیس و اولادہ، شارع الفجالہ رقم ۵۳، قاہرہ" سے فہرست طلب فرمائیے اور دار الکتب المصریہ، قاہرہ سے بھی اور دوسرے مشہور بڑے کتب فروشوں سے بھی اور وہ سب مجھے عطا فرمائیے

یا ان حضرات کو لکھ بھیجیے کہ جو براہِ راست میرے پاس اپنی اپنی فہرستیں ارسال کر دیں۔ میں ان میں سے کتابیں انتخاب کر کے آپ کو یا آپ اجازت دیں گے تو ان کتب فروشوں کو لکھ بھیجوں گا۔

ہاں، دو کتابوں کے بارے میں فوراً معلومات حاصل کر کے مجھے لکھیے (۱) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید طبع مصر (۲) نہایۃ الادب النویری (غالباً ۱۴ یا ۱۵ جلدیں طبع ہو چکی ہیں) یعنی ان کی قیمت کیا ہے اور دستیاب ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص، عرشی، رام پور ۱۹ رجنوری ۵۰ء

مکرر یہ کہ "نادرات غالب" کے نام سے کراچی سے ایک صاحب نے غالب کے ۸۲ خط شایع کیے ہیں جو نبی بخش حقیر کے نام ہیں۔ آپنے غالباً یہ مجموعہ منگایا ہوگا۔ اگر نہ منگایا ہو تو شیخ مبارک علی سے طلب فرمایئے۔ بڑے دلچسپ اور کارآمد خطوط ہیں۔

ــــ(۲۱)ــــ

بنام مالک رام

اچھا حضرت، اس بار اور معاف کر دیجیے۔ آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی اور اپنے دونوں مکرمت ناموں کے جواب سنیئے۔

۱۔ حشر صاحب کو کتابیں بھیجنے میں تاخیر ہوئی ورنہ کبھی کی آپ کی نظر سے گزر چکی ہوتیں۔ دستور الفقاہہ النفیس کے ہمراہ حاضر ہو رہی ہے۔ آج پارسل یہاں سے روانہ ہو چکا ہوگا۔ انشاءاللہ وقت مقررہ پر پہنچ جائے گا۔ اس کی رسید سے مطلع فرمایئے گا۔

۲۔ غالب کے شاگردوں پر جو کام آپ کر رہے ہیں، وہ کام بے دفع الوقتی نہیں ہے۔ اس لیے اسے کیجیے اور کیے جایئے۔ اگر کوئی ناواقف اسے نقش ثانی سمجھے گا، تب بھی بات اونچی آپ ہی کی رہے گی۔

۳۔ انگر و احسن کے لیے تذکرہ کاملانِ رامپور ملاحظہ فرمایئے گا جس کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ خورشید و سروش کا پتا ابھی نہیں چل سکا۔

۴۔ دیوانِ بیتاب کسی کباڑیے کے پاس مل گیا تو انشاءاللہ ارسال ہوگا، ویسے نہیں ملتا۔

۵۔ بیدھب کے والد نادر شاہ خان کون تھے، یعنی شوخی تھے یا کوئی اور، اس کا بھید کون بتائے۔ بڑے بوڑھے چل بسے۔ پھر نادر شاہ خاں یہاں کے پٹھانوں کا بڑا محبوب نام ہے۔ آج بھی بیسیوں اس نام کے چلتے پھرتے ملیں گے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، شوخی کا خاندان یہاں ختم ہو چکا۔

۶۔ مرزا فرزند کا کلام ہمارے یہاں نہیں ہے۔

۷۔ جم مراد آبادی کے متعلق تحقیق کر کے لکھوں گا مجھے یہ خیال آتا ہے کہ یہ وہی صاحب ہیں جو "جام جم" کے

کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار مُراد آباد سے نکالا کرتے تھے۔
۸. باقر علی خاں، بقاؔ یا سالکؔ کے شاگرد ہیں۔ آفاق صاحب نے صرف قیاساً غالب کے شاگردوں میں دھر گھسیا ہے۔
۹. جگر زین کے لیے نیا مضمون لکھنا میرے لیے بے حد دشوار ہے۔ اگر پچھلے کی تکمیل کر دوں، تو گویا کمال کر دیا۔ میں آج کل "کافور و کفن" کی فکر میں لگا ہُوا ہوں۔
۱۰. شاد آں کے مستقرسے دیوان کی نقل آپ کر لے سکے گی۔ اس میں فارسی کلام نہیں ہے۔ نہ میرے علم میں یہ ہے کہ کہاں سے اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اب دُوسرے معذرت نامے کے جواب ملاحظہ ہوں:
۱. وقائع عالم شاہی کا نُسخہ آپ کے لیے نکال رکھا ہے انشاءاللہ وہ بھی جلد ہی روانہ کیا جائے گا۔
۲. مکاتیب غالب کا نیا ایڈیشن کوئی نہیں نکالا ہے۔ وُہی نُسخہ جو آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہُوں، اس طرح نئے ایڈیشن کی شکل میں بازار میں آیا ہے کہ اس کے کُچھ فرمے دو ہزار طبع کرائے تھے اور کُچھ ایک ہزار۔ ایک ہزار نُسخے پارسال تک بک چکے۔ بقیہ کی اس سال تکمیل کرائی۔
مُرسلہ پارسل میں ایک عربی کی کتاب موسوم "دیوان شعراء الحادرہ" بھی ارسال کی ہے۔ اِس تحفے کو بھی قبول فرمائیے۔
مصری کُتب فروشوں کی فہرستیں مطلوب ہیں۔
خُدا کرے آپ بخیر ہوں اور آپ کا جواب آنے تک میں بھی۔ والسلام مع الاکرام۔
مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۰، مارچ ۶۵ء

—(۲۲)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محترم گرامی قدر، تسلیم
آپ کا کارڈ مل چکا ہے۔ حضرت الاستاذ کے گرامی نامے کی پُشت پر جو کُچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وُہ بھی پڑھ چکا ہُوں۔ ذیل میں آپ کے سوالوں کے جواب درج ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔
۱. تقریظ دیوان شیفتہ ملفوف ہے۔ میں نے اسے پنج آہنگ کی اشاعت ۱۸۵۳ء سے نقل کرایا ہے اور خود دیوان شیفتہ کے نُسخے سے مقابلہ کر لیا ہے۔ اس کی ضرورت یُوں پیش آئی کہ نُسخہ دیوان بے حد کرم خوردہ ہے اور اس کا پہلا ورق قدرے دریدہ ہے، جس کے باعث ناقل کو دیوان سے نقل کرنے میں دُشواری ہوتی۔
۲. میں انشاءاللہ "باغ دو در" پر لکھوں گا۔ مگر اس کے لیے اطمینانِ قلب و سکونِ دماغ درکار ہے۔ دُعا کیجیے کہ وُہ میسر آئے۔

۳۔ انشاءاللہ غالب کے دو دیا نیں اُردو خط جو نواب رامپور کے نام ہیں اور حال میں دستیاب ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمت میں پہنچیں گے۔

۴۔ ابھی تبصرۂ فرہنگِ غالب تصحیح کے بعد مجھے موصول نہیں ہوا ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد اُسے دیکھ لوں گا اور پھر آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

۵۔ مکاتیبِ غالب کے دو نسخے اور ایک نسخہ دیوان الحادرہ کا کل روانہ ہو گا۔ دیوان الحادرہ کو جسے دینا آپ زیادہ مفید سمجھیں اُسے دے دیں۔

۶۔ جامعہ کو ابھی وہ کتاب مرتب کر کے بھیجی ہی کب ہے جو چھپتی۔ میں آج کل کسی سلیقے کے کام کا نہیں رہا۔ کمزورئ صحت کا طالب علم ہوں۔ موجودہ بے اطمینانی نے اور کہیں کا نہ رکھا۔

۷۔ غالب کے ان نئے خطوں میں سے کسی ایک کا عکس شائع کر دیجیے۔ مگر اس کا عکس یہاں کیسے لیا جا سکے گا۔ یہاں کے فوٹو گرافر بڑے دام مانگتے ہیں۔

۸۔ اورینٹل کالج میگزین میں جو غالب کے خط کا عکس شائع ہوا ہے، وہ غالب کے قلم کا نہیں ہے بلکہ کسی نے غالب کے خط کی نقل اپنی کتاب پر کر لی تھی۔ میں نے اس خط یعنی مکتوب کو غالب کا بتایا ہے۔ رسم خط یعنی تحریر کو نہیں۔

یہی صورتِ حال ندیم میں شائع شدہ عکسوں کی ہے۔ اُن سب کے متعلق میری قطعی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ ایک کو لکھنے والے نے غالب کے خط سے ملا دینے کی نسبتاً کامیاب کوشش کی ہے۔ مگر اہلِ نظر اُس سے بھی دھوکا نہیں کھاتے۔

قاضی عبدالمقتدر مرحوم کے لامیہ پر حضرۃ الاستاذ کے اشارات مل چکے ہیں۔ میں اس بات کا بھی متمنی تھا کہ مزید حواشے حاصل کر سکوں گا، مگر شاید میری مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور کہیں یہ پورا قصیدہ مندرج نہیں ہے۔ یہاں کتابخانۂ رامپور میں دو مجموعوں میں مکمل اشعار مل گئے ہیں، مگر علاوہ اُن اشاروں کے جو میں نے دریافت کیے تھے، یا جن پر استاذ مدظلہٗ نے کچھ تحریر فرمایا ہے اور اشعار بھی تحقیق طلب الفاظ و فقرات پر مشتمل ہیں۔ انھیں انشاءاللہ لکھ کر حاضرِ خدمت کروں گا۔

آپ میری طرف سے فرداً سلام پیش کر کے کرمت نامے کی رسید سے مطلع فرما دیں۔

آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے پہلے کسی نے اس قصیدے کی شرح بھی لکھی تھی۔ کیا اُس کا کہیں پتا چلتا ہے۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۳۰ رمئی ۵۰ء

—(۲۳)—

بنام مالک رام

مخدوم۔ آپ کا عراقی مکتوب ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ہائے ہم جس دارالسلام کے

دیکھنے کو ترستے ہیں۔ آپ اس سے نالاں ہیں۔ بھائی صاحب آخر ہارون الرشید، مامون الرشید اور برامکہ نے اسی سرزمین میں تو جنت گم گشتہ کا سراغ لگایا تھا۔ پھر اب کیا ہو گیا کہ گرمی سے دوزخ بن جاتی ہے!

"وقائع عالمگیری" کا نسخہ یہاں نہیں ملتا۔ یہاں سے "وقائع عالم شاہی" حاضر خدمت کیا جا رہا ہے چونکہ وہ پالی کے راستے جائے گا، اس لیے ذرا دیر سے حاضر خدمت ہو گا۔

حشر صاحب لاہور گئے ہوئے ہیں۔ شاید کل یا پرسوں واپس آئیں۔ انشاء اللہ پہلی ملاقات ہی میں آپ کا سلام عرض کر دوں گا۔

ہماری لائبریری کی فہرست ابھی تک نہیں چھپی ہے۔ پرانی عربی کتابوں کی فہرست البتہ مطبوعہ ہے اور دو جلدیں مبلغ ۲۲ روپے میں کتاب خانے سے ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اگر ممکن ہو تو بغداد کے دو چار بڑے تاجروں کے پتے اور فہرستیں بھی ارسال کرا دیجیے۔ آپ کو بہت زحمتیں دے رہا ہوں مگر پھر میرا وہاں ہے کون؟ والسلام مع الاکرام

مخلص: عرشی، رام پور - ۳ر اگست ۵۰ء

—(۲۴)—

بنام مالک رام

صدیق محترم۔

کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد آ رہا ہوں، مگر بحیثیت شکستہ دل اور گرفتہ خاطر۔ پچھلی ششماہی جیسے گزری ہے خدا دشمن کو بھی اس سے بچائے۔ مختصر یہ ہے کہ کئی ماہ کی علالت کے بعد ۴۰ دن کے فصل سے پہلے ماں اور پھر باپ رخصت ہو گئے اور میں اچانک بوڑھا ہو کر رہ گیا۔ اگر یہ دونوں میرے بچپن یا جوانی میں انتقال کر جاتے تو شاید اتنا رنج نہ ہوتا، جتنا اس ادھیڑ عمر میں ان سے جدا ہو کر محسوس کر رہا ہوں۔

ہائے کیا بے بدل نعمت ہاتھ سے گئی ہے! خدا سے بار بار عرض کر رہا ہوں کہ "رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا" زندگی میں ان کی اتنی قدر نہ تھی، جتنی اب انھیں دفن کر کے محسوس کر رہا ہوں۔

حالات نے بے ذوق کیا تھا، اس صدمے نے علمی کاموں سے متنفر سا کر دیا۔ دیکھیے کب اپنی پچھلی حالت کی طرف عود کر رہا ہوں۔

حشر صاحب سنبھل میں ہیں۔ مکتبۂ جامعہ نے آپ کا تحفہ ابھی تک نہیں پہنچایا۔ اس لیے شکریہ ان کی طرف سے اور میری طرف سے پیشگی قبول فرمائیے۔

خدا آپ کو شادکام و بامراد رکھے۔ والسلام

مخلص: امتیاز علی عرشی، رام پور۔ ۷ فروری ۵۱ء

—(۲۵)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مخدوم، تسلیم

مطلع الانفس سے مطلوبہ اشعار نقل کر کے ارسال کرتا ہوں۔ ذخیرۂ ابن بسام کے جو تین صفحے ہمارے پاس ہیں۔ اُن میں آپ کا شاعر مذکور نہیں ہے۔ یہ از روئے فہرست دیباچہ حصۂ چہارم میں آئے گا۔

"المربی" کو میں بالکل نہیں پہچان سکا۔ یہ کہیں "المزنی" کی تصحیف تو نہیں ہے؟

بارسیں کی فہرست ہمارے یہاں فارسی کی ہے۔ عربی کی نہیں ہے۔ ورنہ اُس میں دیکھ کر آپ کو نمبر اور مزید تفصیل بتا دیتا۔

لامیہ عبدالمقتدر کے آف پرنٹس ابھی مجھ تک نہیں پہنچے ہیں۔ انشاء اللہ فوراً آپ کو ایک نسخہ بھیجوں گا۔ ثقافۃ الہند میں اختلاف نسخ کو حذف کر دیا ہے۔ آف پرنٹس میں اُن کا آخر میں اضافہ ہوگا۔

مخلص والا مضمون میں نے کہاں بھیجا۔ اب بالکل یاد نہیں آتا اور یاد بھی کیسے آئے۔ اس عرصے میں دو دو حادثے پیش آئے کہ جن کی تلخی سے میں قطعاً نا آشنا تھا۔ یعنی والدہ سے اہم دن بعد والد بھی رخصت ہو گئے۔ میں والدہ کے غم کو اُن کی تیمارداری میں بھولا رہا۔ اُن کی وفات پر معلوم ہوا کہ دونوں آج ہی رخصت ہوئے ہیں یقین کیجیے گا کہ ایک دم مجھ پر بڑھاپا چھا گیا۔ خدا ان دونوں کو جنت نصیب کرے۔ ماں باپ کس کے ہمیشہ جیتے رہے ہیں جو میرے جیتے۔ میں تو بڑا خوش قسمت تھا کہ اپنی ادھیڑ عمر تک اُن کی دعاؤں سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی دل یہی چاہتا تھا کہ ابھی یہ اور زندہ رہتے۔

حضرۃ الاستاذ کہاں ہیں۔ اگر علی گڑھ ہی میں ہوں تو بتائیے تاکہ ایک کتاب کی قیمت جو کتاب خانے کے ذمے واجب ہے وہ ادا کروں، اور دست بستہ میرا سلام کہیے اور آپ اور استاذ مدظلہٗ دونوں میرے والدین کی مغفرت کی دعا فرمائیے۔

آج ہی مکتبۂ جامعہ سے مالک رام صاحب کی ذکر غالب کا نیا ایڈیشن موصول ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے تازہ ترین مواد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، یعنی آپ کا غالب نمبر اور نادرات غالب۔ مگر ملا عبدالصمد کی شاگردی کو اب تک درست مان رہے ہیں اور اس بارے میں قاضی صاحب کے اختلاف کا حوالہ تک نہیں دیا ہے۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۵ مارچ ۱۹۵۱ء

—(۲۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی، آپ کے حسب اصرار ذخیرے کو پھر دیکھ لیا۔ اس کی قسم رابع میں (از روئے دیباچہ) المرادی کا ذکر ہے مگر

قسم رابع کی صرف پہلی جلد چھپی ہے۔ اس کی دوسری جلد آپ کا مطلوب مذکور ہوگا۔ لہٰذا ابھی انتظار فرمائیے۔
عیار الشعراء کے پاس پر میار کباد پیش کرتا ہوں۔ مگر تنہا خوری اچھی چیز نہیں۔ اس کے مندرجات پر مفصل مضمون لکھ کر معاصر کے یہاں بھیج دیجیے یا اردو ادب میں شائع کرائیے اور انجمن کو متوجہ کیجیے کہ اسے شائع کرے اور آپ ایڈٹ کر دیجیے اگر اس کام میں دیر ہو تو اس کی نقل کا ضرور انتظام کر لیجیے۔
مخلص کا جو شعر آپ نے عیار الشعراء سے نقل کیا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر ذکا نے اس کے بعض لفظوں کو نامانوس پاکر انھیں بدل دیا ہے۔

قادر نامے کے ساتھ جو قطعات فارسی ہیں اُن کے تصنیفات غالب میں شمار کرنے سے میں نے اس بنا پر رجوع کر لیا ہے کہ ہمارے یہاں ایک کتاب مطبع مسیحائی میں دوسری بار ۱۲۶۴ھ میں چھپی ہے یہ مجموعہ ہے تین کتابوں کا۔ (۱) متن میں نصاب سید (منظوم) (۲) برحاشیہ اسمائے فارسی (منظوم) (۳) ان دونوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مجموعہ قطعات۔ ان قطعات کے خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے: رسالہ تجنیس اللغات تصنیف ملا عبدالرحمٰن متخلص بہ جامی قدس سرہ السامی مصنف شرح ملا و زلیخا وغیرہ۔

یہ امر کہ یہ تجنیس اللغات اور قادر نامے والے قطعے ایک ہی مقابلے سے طے ہوگیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا مصنف جامی ہے اس کا کوئی ثبوت مجھے ابھی تک اور نہیں ملا ہے بجز مہتمم مطبع کے بیان کے۔
لیکن یہ یقینی امر ہے کہ ان کا غالب سے کوئی علاقہ نہیں۔ چنانچہ قادر نامے کی طباعت ۱۲۸۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ تجنیس اللغات اس سے ۴۰ برس پہلے جامی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔
حضرۃ الاستاذ مدظلہٗ اور سید بہادر الحق صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔ والسلام
مخلص: عرشی، رام پور۔ ۳۱ مارچ ۵۱ ء

ہاں بھائی، وزیر الحسن عابدی صاحب کا خط دو چار دن ہوئے کہ تہران سے آیا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے کام سے فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ غالب کے متعلق گزشتہ سال جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اُن سب کو طلب کر رہے ہیں۔ آپ ہنگرین کا غالب انھیں بھیج دیجیے اور سبد باغ دو در پر مضمون مانگیے یہ کتاب اُن کے پاس ہے۔ اُن کا پتہ یہ ہے ——— حسن عابدی۔ باشگاہ دانش گاہ۔ تہران ——— میں بھی انھیں اس پر آمادہ کروں گا۔ آپ یہ بھی لکھ دیں کہ اگر آپ کسی مصروفیت کی بنا پر ایسا نہ کر سکیں تو عرشی کو اجازت دے دیجیے کہ وہ لکھ دیں۔

——(۲۷)——

بنام مالک رام

میرے محترم۔ بیشک آپ کے کرمت نامے کا جواب میرے ذمے باقی ہے۔ مگر اس میں کوئی بات جواب طلب تھی یا نہیں، یہ مجھے بالکل یاد نہیں۔ خط گھر پر ہے اور میں دفتر میں بیٹھا آپ کو یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔

اب آنسو تھم چکے ہیں۔ دل کی چوٹ اور وہ بھی بڑھاپے کی سرحد پر لگی ہوئی، زیادہ وقت چاہتی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے صبر کی توفیق چاہتا ہوں اور مرحومین کے لیے دُعائے مغفرت کرتا ہوں۔

"ذکرِ غالب" کے نسخے مل چکے ہیں۔ شکریہ ادا کرکے لطف و کرم کو رسمی بنانا نہیں چاہتا۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو بہتر سے بہتر کام کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ پھر عراق کے تپتے میدانوں سے نکل کر وادیٔ نیل کی نزہت گاہ میں تشریف لے آئے۔ خدا کرے کبھی نہ کبھی اس سرزمین میں مجھے آپ کا دیدار نصیب ہو۔

آج کی ڈاک سے ایک چھوٹی سی کتاب "لامیۃ الھند" آپ کی خدمت میں روانہ کی ہے۔ اس کو پڑھ کر اپنی رائے کلام کے متعلق ظاہر فرمایئے گا۔ اگر کسی مصری ادب نواز دوست سے ملاقات ہو، تو اسے بھی دکھائیے گا۔

میں ایک مضمون "ہندی علم عروض" پر عربی میں مرتب کر رہا ہوں "ثقافۃ الھند" میں شائع ہو گا۔ انشاء اللہ اس کا ایک نسخہ بھی ارسالِ خدمت کروں گا۔

اللہ تعالےٰ آپ کو خوش و خرم اور کامیاب و بامراد رکھے۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۵ر مئی ۱۹۵۱ء

—(۲۸)—

بنام مالک رام

میرے محترم۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ میں اب پھر حقائق کی دُنیا میں واپس آتا جا رہا ہوں۔ خدا سے میرے لیے دُعا کیجیے۔

یاد پڑتا ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک نسخہ "لامیۃ الھند" کا ارسال کیا تھا۔ کیا ملا یا نہیں۔ اگر نہ ملا ہو تو تحریر فرمایئے۔ دُوسرا بھیج دوں۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب سے آپ ضرور واقف ہوں گے۔ وہ میرے مخدوم ہیں۔ انھیں ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ جس کا نام ہے "المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم" مصنف کا نام ہے۔ ابوالمنصور موھوب بن احمد بن محمد الجوالیقی "مصر کے کسی عالم نے اسے ایڈٹ کیا ہے۔ یہ مصری ایڈیشن (یورپی نہیں) انھیں مطلوب ہے۔ شاید مختار الدین آرزو صاحب کی وساطت سے پہلے بھی آپ کو تکلیف دی گئی تھی مگر آپ بغداد میں تھے اس لیے ان کی مدد نہ فرما سکے تھے۔

اب مہربانی کرکے اس کتاب کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں روانہ کرا دیجیے۔ قیمت بنک کے ذریعے وصول کر لی جائے۔

اس لطف و کرم کا احسان مجھ پر ہو گا۔

میں آج کل ایک مضمون ہندی صنائع و بدائع پر عربی میں لکھ رہا ہوں۔ یہ "ثقافۃ الہند" دہلی میں شائع ہوگا۔ امید ہے کہ آپ کے مصری دوست اس کو پسند کریں گے اور اس سے فائدہ بھی اٹھائیں گے۔ والسلام۔

مخلص ؛ امتیاز علی عرشی ، رام پور۔ ۴ جون ۵۱ء

—(۲۹)—

بنام مالک رام

بھائی محترم

تسلیم کے بعد عرض ہے کہ

۱۔ ڈاکٹر سید یقی صاحب کا پتا : ۲۲ (الف) میور روڈ الہ آباد ہے۔ انہیں یونیورسٹی کے پتے سے خط وغیرہ نہ بھیجا جائے۔ اب ان کا وہاں سے تعلق نہیں۔

۲۔ آپ نے حیرت صاحب کے خط میں لکھا ہے کہ میں نے آپ کے تحفۂ تازہ ——— عورت اور اسلامی تعلیم ——— کی رسید نہیں بھیجی۔ حالانکہ میں نے جس خط میں اس کے پہنچنے کی اطلاع دی تھی، اسی میں آپ سے یہ خواہش بھی کی تھی، اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے بعض شکوک آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔

افسوس کہ ایسا نہ ضروری نہ پہنچے۔ بہر حال کتابیں مل گئی ہیں۔ میں اور حشر صاحب دل سے منت پذیر ہیں۔

حشر صاحب ۴ دسمبر کو ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ اس لیے اب ان کی طرف سے سلام و پیام دشوار ہے۔

میں اچھا ہوں۔ خدا کرے آپ بھی بخیر ہوں۔ والسلام

مخلص، عرشی ، رام پور۔ ۲۶ نومبر ۵۱ء

کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ہمارے لیے بھی دو کتابیں تلاش کرائیں (۱) کتاب الاصنام لابن کلبی (۲) کتاب المعرب للجوالیقی۔ پیشگی شکریہ قبول ہو۔

—(۳۰)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم

ابر گہر بار کے دو صفحوں کے عکس زیر تیاری ہیں۔ یعنی مصور ان کی تصویریں کھینچ لے گیا۔ ابھی بنا کے مجھے نہیں دیے ہیں۔ انشاءاللہ ان کے ساتھ ہی اس کی کیفیت بھی عرض کروں گا۔

ہمارے یہاں غالب کی کتابوں میں سے حسب ذیل کے پہلے ایڈیشن موجود ہیں : ابر گہر بار۔ پنج آہنگ۔

• مہر نیم روز۔ قاطع برہان، دانش کاویانی۔ اردوئے معلےٰ۔ تیغ تیز۔ عود ہندی۔ قادر نامہ۔

باغ دو در کا کام بالکل رکا ہوا ہے۔ میں اب ہمہ تن اپنا حساب چکانے میں مصروف ہوں۔ اب سولنے اس کے

اور کوئی صورت باقی نہیں کہ آپ باغ کے حصّۂ نظم کو قبول فرمائیں اور اس کو شایع کر دیں۔ فرمائیے کیا ارادہ ہے۔ یہ یقین کریجیے کہ کہیں اس جیبں بیبں میں حصّۂ نظم بھی ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

میں نے آپ کا تصویرِ غالب والا مضمون بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ صرف رامپور والی تصویر کے سلسلے میں آپ مکاتیب غالب کا آخری ایڈیشن دیکھ کر یہ بڑھا دیجیے کہ سرکار نے فلاں شخص کو دے دی تھی اس کے بعد اس کا پتا نہ چل سکا کہ کیا ہوئی۔

وزیر الحسن صاحب کا عرصے سے کوئی خط نہیں آیا۔ آج ہی میں نے اُن کے ایک رفیق کو تہران خط لکھا ہے اور اس میں اُن کے متعلق بھی سوال کیا ہے۔ استاذ مدظلہٗ کی خدمت میں آداب اور شیخ مامون صاحب کو بھی۔ استاد صاحب لکھنؤ گئے تھے۔ ۷۵ کتابوں کے عکس انہوں نے سے لیے ہیں۔ اب کہاں ہیں۔ اس کا پتہ نہیں۔ مخلص: عرشی، رامپور ۱۶ مارچ ۵۲ء

—(۱۳۱)—

بنام مالک رام

میرے محترم تسلیم کے بعد جوالیقی کی کتاب المعرب کی رسید پیش کرتا ہوں۔ واقعی آپ نے بڑا کرم کیا کہ یہ دونوں کتابیں مہیا کر دیں۔ یہاں اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی تاجر فرانسیسی کتابیں منگانے سے کتراتے ہیں اور بہرحال کتابوں کی قیمت وہ لیتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی ہے۔ اب میں ان کی قیمت کے بل کا منتظر رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کا بچہ رو بصحت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو صحتِ کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور اسے شاد کام و بامراد رکھ کر آپ کو مسرت عطا کرے۔ آمین۔

آپ اگر غالب کے دیوانِ فارسی کے پہلے ایڈیشن پر مضمون لکھیں تو کیا کہنا۔ ابھی تک اس پر کسی نے نہیں لکھا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آج کل کے اگلے غالب نمبر میں یہ شائع ہو جائے۔

میں نے آپ کی کتاب پر جو لکھنا چاہا تھا وہ اب باسی ہو گیا۔ یعنی میں دُوسرے کاموں میں ایسا اُلجھا کہ مطلق یاد نہیں کہ کیا لکھنا تھا، اور اب تک اتنا مصروف ہوں کہ بغیر کتاب کو دوبارہ پڑھے، وہ باتیں یاد نہیں آسکتیں اور پڑھنے کے لیے میرے پاس سردست وقت نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ باشد، مجھے آپ کے کام کی طرف توجہ اور اعتنا نہیں۔ حاشا ثم حاشا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے وہ اگلے ایڈیشن کی تیاری سے پہلے پہلے آپ تک پہنچ جانا چاہیے۔ سو اس کا وقت ابھی بہت حد تک باقی ہے۔ انشاء اللہ اس سے قبل ہی لکھ بھیجوں گا۔

مولانا کا انداز مجھے پسند نہ آیا۔ اُنھوں نے "کم بینی" سے کام لیا ہے۔ یہ بات ان جیسے صاحب ذوق نقاد کے شایانِ شان نہیں ہے مگر آپ اس سے تو واقف ہی ہیں کہ وہ اس معاملے میں زیادہ فراخ حوصلہ نہیں ہیں۔ آپ نے جو کچھ جواب میں لکھا ہے وہ معنی درست ہیں مگر کہیں کہیں ذرا لہجہ تلخ تر ہو گیا ہے۔ عموماً ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے مگر میں اپنے اور اپنے دوستوں کے ... علمی رد و قدح میں اسے معمولی درجے میں بھی پسند نہیں کرتا۔

دیوانِ ابی محجن انشاء اللہ آپ کی خدمت میں عنقریب حاضر ہوگا۔ اگر قاہرہ میں کوئی عربی کے ادیب آپ کے دوستوں میں ہوں تو ان سے یہ دریافت کر کے لکھیے کہ "دیوان المعز بن تولب" کا کوئی مخطوطہ ان کے علم میں ہے ؟

حیرت صاحب نے سلام کہہ دیا ہے۔ وہ جواب میں آداب کہتے ہیں۔ آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہی رہا۔ یہ دوسرا موقع ہاتھ سے نکلا۔ پہلی بار رشتہ زمانے اور اس بار بچے کی علالت نے ہمیں آپ کے دیدار سے محروم رکھا۔ کل امیر مرحوم یاد آ رہے تھے۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص، عرشی، رام پور۔ ۱۲ر اگست ۵۲ء

—— (۳۲) ——

بنام مالک رام

میرے مکرم

آج ہی حیرت صاحب کے نام آپ کا خط پڑھا اور فوراً یہ عریضہ لکھنے بیٹھ گیا۔ حاشا کہ کبھی یہ وہم بھی گزرا ہو کہ آپ کو ٹپے کی ضرورت تھی، میرے خط کی نہ تھی۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ میرے خط نہ لکھنے سے آپ کو یہ شبہ ہونا چاہیے تھا۔ دراصل حیرت صاحب کی مہربانی سے طرفین خیریت سے باخبر ہو رہے تھے اور میں خط لکھنے میں سست بھی ہوں۔ اس سبب سے آپ کی خدمت میں کچھ نہ لکھ سکا۔ آپ غالباً یوں خاموش رہے کہ کہیں میں اسے "سلام تقاضا" نہ خیال کروں۔ اس کے بعد ضرورت نہ رہی مجھے یقین ہے کہ آپ میری کوتاہی کو معاف کر کے اپنے سابقہ کرم و عنایت کو پھر برتنا شروع کر دیں گے۔

پچھلے دنوں ثقافۃ الہند میں آپ نے دیوان ابی محجن الثقفی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اگلے پرچے میں انشاء اللہ الصاحب بن عباد کا مرتبہ رسالہ —— الامثال السائرۃ من شعر المتنبی —— آ رہا ہے۔ اسے پڑھ کر اپنی رائے سے مطلع فرمایئے گا۔ یہ رسالہ متنبی کے ان چنے ہوئے شعروں پر مشتمل ہے، جو ابن عباد کی رائے میں کہاوت اور ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابن عباد، متنبی کے سخت مخالفوں میں ہے۔ چنانچہ اس نے "الکشف عن مساوی شعر المتنبی" لکھ کر اپنی مخالفت کا اظہار بھی کیا ہے۔ یہ رسالہ الکشف کے بعد کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں وہ بھی متنبی سے متاثر ہو گیا تھا اور ویسے بھی "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" مسلمہ حقیقت ہے۔

یہ سب تیاریاں ہیں سر آکر کام کرنے کی۔ دیکھیے یہ آرزو کب پوری ہوتی ہے ؟

میں بحمد اللہ بخیر ہوں اور امید ہے کہ آپ بھی مع متعلقین اچھے ہوں گے۔ جواب میں اپنے بچے کی خیریت ضرور لکھیے گا اور سب کو میری طرف سے دعا اور سلام پہنچایئے گا۔ والسلام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۳ر اکتوبر ۵۲ء

—— (۳۳) ——

بنام مالک رام

میرے مکرم۔ میں اقراری مجرم ہوں اور اس لیے معذرت خواہ بھی۔ مگر سچ پوچھیے تو اس تاخیر نے جو لطف

دیا، وہ تعمیل میں ممکن نہ تھا۔ یعنی آپ کے ان لفظوں سے باصرہ کیسے لطف اندوز ہوتا کہ "سوادِ خط سے آنکھیں روشن ہوئیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ اس سے کتنی خوشی ہوئی۔" میں اپنے اوپر رشک کرتا ہوں کہ مجھے ایسے ایسے دوست ملے ہیں جن کی دوستی پر ناز کرنا بجا ہے۔

ہاں، ابھی تک وہ آرزو زندہ ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالےٰ مجھے وہ دن نصیب کرے، جبکہ آپکے دیدار سے آنکھیں روشن کروں اور وہ بھی اسکندریہ میں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

غالب کی تالیفات میں اسمائے فارسی کا ذکر غلط ہے۔ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یہ اسمائے فارسی مولانا جامی کا کلام ہے۔

حیرت صاحب بخیر ہیں۔ میرے یہاں بھی سب اچھے ہیں۔ میری طرف سے آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ، بچے کی صحت کی مبارکباد قبول فرمائیں اور ہم سب کی طرف سے سلام دعا اور پیار۔

آپ کو ایک تکلیف دینا اور چاہتا ہوں۔ نہج البلاغہ حضرت علیؓ کے خطبات اور خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن محی الدین عبدالحمید استاد جامع ازہر کے حواشی کے ساتھ مطبعۃ الاستقامہ نے ۳ جلدوں میں چھاپا تھا۔ یہ یہاں دس روپے میں ملتا ہے اگر وہاں اس سے سستا مل جائے تو ارسال فرمائیے۔

نہج البلاغہ کی ایک طویل شرح ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھی تھی۔ یہ پہلے ایران میں چھپی تھی۔ ہمارے یہاں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ مگر بعد ازاں ۱۳۲۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ یہ وہاں اب ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ملتی ہے تو اس کی کیا قیمت ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اس زحمت کو بھی برداشت فرمائیں گے۔ والسلام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۸ نومبر ۵۳ء

کیا اردو ادب بھی آپ تک پہنچتا ہے۔ اس میں محاورات بیگمات کو ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ کچھ پسند آیا؟

—(۳۴)—

ام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی صاحب۔

آپ کے دو لفافے آکسفورڈ کے لکھے ہوئے پے بہ پے ملے۔ قاہرہ کے جس خط کا آپنے ذکر کیا ہے وہ غالباً بادپیمائی میں کہیں ضائع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ بخیر و عافیت منزل پہ پہنچ گئے، اب عزیزمن ایسا دل لگا کر کام کیجیے کہ ہندوستان میں نام ہو جائے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ عطا کر دیا ہے، جو بادہ پیمائے علم کو درکار ہوتا ہے۔ اب کوئی کمی اگر خدانہ کردہ ہوگی، تو وہ آپ کی طرف سے ہوگی۔

میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپکے آکسفورڈ کے استاد آپ پر فخر کریں اور آئندہ ہندوستان سے جانے والے طلباً

کے سامنے آپ کا بطور نمونہ تذکرہ کیا کریں۔ ہمت کے آئیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں، صرف توفیق الٰہی ساتھ دے۔

ہمارے یہاں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا بڑا نسخہ ہے، اس چھوٹے کا ذکر کسی اشتہار میں دیکھا تھا مگر ہم آج کل تنگ جیب ہیں۔ بھلا کہاں سے خرید سکتے ہیں۔ آپ نے اچھا کیا کہ اپنا نام بڑے ایڈیشن کے لیے لکھوا دیا۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔

برہانِ قاطع کا نسخہ ہندوستان میں کہاں مل سکتا ہے۔ وہاں جس قیمت پر بھی ملے۔ خرید لیجیے۔ عربی یا دوسری زبانوں کی آپ کی مطلب کی کتابیں میں یہاں بیٹھ کر کیا بتا سکوں گا۔ اس کے لیے آپ حضرۃ الاستاذ سے رجوع کیجیے اور اگر کوئی کتاب ذہن میں آئی تو لکھوں گا۔ مثلاً اسی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا عربی ترجمہ جو مصر میں شائع ہو رہا تھا۔ سنا ہے کہ اس پر بڑے اچھے حواشی لکھے جا رہے تھے اگر وہ ملتا ہے تو ضرور خرید لیجیے۔ مجھے بھی کوئی کتاب مطلوب ہوگی تو لکھوں گا سرِدست کچھ ذہن میں نہیں ہے۔

آپ نے اچھا کیا کہ مجھ سے بے پوچھے میرے مضامین شامل کتاب کر دیے۔ مگر یہ کیا کر رہے ہیں کہ مجھ سے ان پر نظرِ ثانی کی خواہش رکھتے ہیں" آزمائے کو آزمائے اسے خدا سمجھانے " یہ کہاوت شاید آپ کو یاد نہیں۔ بھائی میں سچ مچ بے حد مصروف ہوں، آپ کے خطوط پا کر خطوط جوہر پر نظرِ ثانی کی ٹھان رہا ہوں۔ انشاء اللہ انھیں دیکھ کر جلد آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔

دستنبو پر نوٹ بھی لکھ کر بھیجوں گا مگر آپ جلدی نہ کریں، رہا غالب کے آثار موجودہ کتاب خانہ پر لکھنا تو بھائی سرِدست یہ ممکن نہیں اور اب وعدہ کرتے ڈرتا ہوں بہت سے وعدے بے ایفا کے پڑے ہوئے ہیں۔

اب آپ علی گڑھ والی بات کے متعلق سنیے ...... ان سب حالات کے پیشِ نظر آپ کا معذرت خواہ ہوں اور آپ کی اس محبت کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے آپ کی نظر میں مجھے اتنا اچھا کر کے دکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں شاد کام و بامراد رکھے۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور - ۵، دسمبر ۵۳ء

—(۳۵)—

بنام مالک رام

میرے مکرم تسلیم

پہلے نسخۂ حمیدیہ کے منقبتی شعر سنیے:

اسد خستہ گرفتارِ دو عالم اوہام — مشکل آسان کُن یک خلق، تغافل تا چند

ہزار آفت و یک جان بینوائے اسد — خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریاد

اسد قدرت سے حیدر کی ہوئی ہر گبر ترسا کو — شرارِ سنگ بت ہی بر بنائے اعتقاد آتش

شمع ہوں، تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
بے محل، اے مجلس آرائے نجف، جلتا ہوں میں

کب تلک پھیرے اسد لبہائے تفتہ پر زباں
طاقتِ لب تشنگی، اے ساقیِ کوثر، نہیں

عرباتِ جنوں میں ہے، اسد، وقتِ قدح نوشی
بعشقِ ساقیِ کوثر، بہارِ بادہ پیمائی

جس جگہ ہے مسند آرا جانشینِ مصطفےٰ
اس جگہ تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

اسد، جہاں کہ علی بر سرِ نوازش ہو
کشادِ عقدۂ دشوار، کارِ آساں ہے

کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسد
یا علی، وقتِ عنایات و دمِ تائید ہے

حرمتِ جانِ محمد، یک نظر کن سوئے من
یا علی، یا مرتضیٰ، یا بوالحسن، یا بوتراب

رہی تصویر، تو میں نے آپ کی خاطر کیمرے کے سامنے بیٹھ کر اپنی تصویر حکومتِ ہند کے کاریگروں سے کھچوائی مگر ظالموں نے بھینے ہو گئے کہ اب تک کوئی نقل دِلّی سے نہیں بھیجی۔ انشا اللہ اس ماہ میں ہمارا ایک رفیقِ محکمہ وہاں جائے گا اس کے ذریعے بتقاضا تصویر منگا کر بھیجوں گا۔

نسخۂ حمیدیہ کے بارے میں مکتبۂ جامعہ کو لکھیے۔ وہ ضرور مہیا کر دیں گے۔ ممکن ہے کہ صدیق بک ڈپو لکھنؤ سے بھی مل جائے۔

محاورات بیگمات کے آف پرنٹس میں نے مانگے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ اپنے دوست احباب کو بھیجوں گا۔ مگر سرور صاحب مطبع کو اطلاع دینا، بھول گئے۔ اب دو چار مزید پرچے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر آ گئے تو ایک آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا جائے گا۔

کہرام کے متعلق جو آپنے لکھا ہے، اسے پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے اور کبھی فرصت ہو تو حواشی کے متعلق اپنی اصلاح ضرور لکھ بھیجیے گا۔

اپنے بچوں کو دعا اور پیار اور اہلیہ کو دعا۔ اگر میں آپ سے عمر میں بڑا ہوں، ورنہ دست بستہ آداب۔

یہیں یہ عرض کرتا ہوں کہ میں انشاء اللہ کل آٹھ دسمبر کو پورے ۴۹ سال کا ہو جاؤں گا۔ اب آپ اپنی عمر سے حساب کر کے دعا یا سلام پہنچا دیجیے گا۔ والسلام مع الاکرام۔

مخلص، عرشی، رام پور - ۷ ر دسمبر ۵۳ء

ہاں یہ تو بتائیے کہ آکسفورڈ جاتے ہوئے مختار الدین احمد آرزو صاحب آپ سے ملے یا نہیں؟

——(۳۶)——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرِ گرامی مرتبت، سلمکم اللہ تعالےٰ

دستنبو پر نوٹ ملفوف ہے۔ خدا جانے کیوں، لیکن اب جی چاہ رہا ہے کہ غالب کے آثار پر بھی ایک مضمون لکھ بھیجوں۔

دُعا کیجیے کہ توفیق مل جائے۔

شعور بنام جوہر انشاء اللہ شروع ماہ جنوری میں ارسال کرسکوں گا اور اُسی کے ساتھ باغ و در کا نظم والا حصہ بھی۔ الامتنان المناہرہ من شعر المتنبی للصاحب بن عباد انشاء اللہ ثقافۃ الہند کے اگلے پرچے میں آرہی ہے۔ دُوسرا حصہ اس کے بعد چھپے گا۔

کیا اچھا ہوتا، اگر آپ اپنے اُستاد پروفیسر گب سے میرے کام کے متعلق پوچھتے کہ اُن کی نظر میں کیا کیا نقائص رہ گئے۔ یہ چیز آپکے اور میرے دونوں کے لیے مفید ہوگی۔

مدعا یہ ہے کہ وہاں کے کام کرنے والوں کے متعلق اپنے تاثرات مجھے برابر لکھیے۔ کبھی نہ کبھی آپکے یہ خط میرے کام کے ہو جائیں گے۔

اسکندریہ سے مالک رام صاحب کا خط آیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوا کہ آپ وہاں ایک رات کے لیے اُن سے ملنے گئے تھے۔ آپ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کو بڑے کام کا آدمی پایا۔ خدا کرے آپ ان کی توقعات سے زیادہ مفید قوم و ملک ثابت ہوں۔

اکبر آ گیا ہوا ہے۔ وہاں دس روپے ماہوار وظیفہ مل گیا فیس میں بھی رعایت ہوگئی ہے۔ مگر میں آپ کی سی توجہ اس کے حق میں کہاں سے لاؤں۔ خیر دیکھا جائے گا۔ انشاء اللہ

والسلام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۶ دسمبر ۵۳ء

—(۳۷)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی صاحب۔

میں ان دنوں بے حد بے حساب مصروف رہا اور بلکہ اب تک ہوں۔ عرصے سے دو وعدے چلے آ رہے تھے۔ ایک نہج البلاغۃ پر مقالہ لکھ کر ماہر القادری صاحب کو بھیجنے کا اور دُوسرا آصف فیضی کے ادارۂ تحقیقات اسلامی بمبئی کے لیے دیوانِ غالب ایڈٹ کرنے کا۔ جب کسی طرح راہِ فرار باقی نہ رہی تو میں نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ نہج البلاغۃ پر مقالہ لکھ کر بھیج دیا۔ طبع ہو جائے تو آپ کی خدمت میں بھی پہنچے گا۔ بھائی میری کنج کاوی کی اگر داد نہ دی تو بڑا ظلم ہوگا۔ حالات سازگار نہ ہوتے ہوئے بھی کہاں کہاں سے مندرجات نہج البلاغۃ کے متقدم حوالے تلاش کیے ہیں اس کا اندازہ بس آپ سے ہی لگا سکتے ہیں

دیوانِ غالب کو آج چوتھا دن ہے جو ہاتھ میں لیا ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۸۵۴ء تک متداول دیوان کے تمام معتبر نسخوں سے مقابلہ کر کے بھیج دینا ہے اس کے بعد وہ اشعار مرتب کروں گا جو صرف نسخۂ حمیدیہ میں پائے جاتے ہیں اور بعد ازاں وہ شعر

جو یا تو ابھی تحقیق طلب ہیں، یا کسی نہ کسی وجہ سے رُتبے میں بلند نہیں ہیں۔ اس دُوسرے حصّے کے ساتھ ایک مفصّل دیباچہ ہوگا اور اختلافِ نسخ پر، نیز تشریح اشعار نظم شاعر پر مباحث ہوں گے، دُعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے۔

اب خطوط جو تبرکی سنیے۔ میں نے ابھی تک اس خیال سے انھیں آپ کے پاس نہیں بھیجا کہ اگر یونہی نامکمل حالت میں بھیجتا ہوں تو وعدہ خلافی بھی ہوگی اور بدنامی بھی اور تکمیل کے لیے وقت درکار ہے۔ انشاء اللہ ۱۳ مارچ یعنی دیوان غالب کے حصّہ اوّل کی ترتیب و تصحیح کے بعد اس کتاب کو شروع کر دوں گا اور کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تکمیل کر کے آپ کے پاس ارسال کر دوں۔ اس درمیان میں حصّہ نظم اور جو خطوط مشرح ہو چکے ہیں وہ روانہ کرتا ہوں تاکہ آپ کو کام کا اندازہ ہو سکے۔
اس سلسلے میں آپ اپنی رائے سے بھی مطلع فرما دیجیے گا تاکہ میں آپ کی ہدایت کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناؤں۔

میں نے سنا ہے کہ مالک رام صاحب کی ہندوستان کو بدلی ہو گئی اور وہ جون یا جولائی تک واپس آرہے ہیں۔ خدا کرے مسند احمد بن حنبل یا خود ان کی سیرت پر انھیں کام کرنے کا موقع مل سکے۔

جامِ جہاں نما میں غالب پر جو چیزیں ملی ہوں گی۔ وہ بہت قیمتی ہوں گی۔ فارسی خطوں میں کئی جگہ اس اخبار کا حوالہ ہے۔ اگر آپ کہیں تو وہ مقام لکھ بھیجوں۔ آپ وہاں کے فائلوں میں ڈھونڈھیے کہ اصل اخبار سے ان اطلاعوں کی تصدیق فرما دیں۔

آپ کو یہ سُن کر بے حد افسوس ہوگا کہ مولانا عبدالمالک آروی کا انتقال ہو گیا۔ یہ بڑے صاحب ذوق اور نکتہ رس عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اُن کے بچوں کا کفیل ہو۔

الامثال السائرۃ والا مضمون بعد تکمیل پروفیسر گب کو روانہ کر دوں گا اور خط کے ذریعے رائے مانگوں گا۔ ادھر آپ کو بھی مطلع کر دوں گا تاکہ ممکن ہو تو آپ بھی بطرزِ احسن تقاضائے مشورہ کر دیں۔ والسلام

مخلص: عرشی۔ رام پور۔ ۱۲ مارچ ۵۴ء

———(۳۸)———

بنام مالک رام

برادرِ گرامی منزلت،

اُڑتی سی ایک خبر ہے زبانی طیور کی کہ آپ انشاء اللہ العزیز اب کی جولائی میں وطن واپس تشریف لا رہے ہیں۔ خدا کرے یہ مراجعت مزید ترقی کا پیش خیمہ ہو۔ آمین۔

میں آپ کو تقریباً ہر ہفتے خط لکھا کرتا ہوں۔ یعنی جب کتابیں جانے آتا ہوں، تو یہ ارادہ کرتا ہوں کہ پہلے آپ کو خط لکھ دوں پھر کام شروع کروں گا لیکن ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ پہلے کام کر لو آخر وقت میں خط لکھ لینا تا آنکہ وقت بالکل ختم ہو جاتا ہے اور سارا معاملہ دُوسرے دن پر اُٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ یہی صورت دُوسرے دن بھی پیش آتی ہے اور دن، ہفتہ،

پڑتا ہے کہ نیا اور پہنچانا۔ سیاہی وغیرہ تک جا پہنچتا ہے۔ اگر صرف کاروباری قسم کا خط ہو تو چنداں وقت پیش نہ آئے۔ جو بات پوچھنا ہے یا جو پوچھی گئی، بس وہ لکھی اور خط ختم۔ مگر آپ کو جی چاہتا ہے بہت کچھ لکھنے کو تو مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی طرف سے غافل نہ جانیں۔ گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار ——— لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

آج یہ سوچا کر بیٹھے بھی ہو، خط ضرور لکھو وہ کہیں اسی طرح ملال ملتول میں آپ آنہ جائیں اور میں یونہی منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جاؤں چنانچہ دیوانِ غالب، جس پر آصف نعیمی صاحب کے لیے کام کر رہا ہوں، ایک طرف اٹھا کر رکھ دیا اور نماز ظہر پڑھ کر یہ سطریں لکھنے لگا۔ بعید نہیں کہ انشاء اللہ آپ ہندوستان آئیں تو دیوانِ غالب بتصحیح عرشی کا تحفہ آپ کی خدمت میں فوراً پیش کر دیا جائے۔

اب میری دو درخواستیں سنیے:

۱۔ یہاں نہج البلاغہ نہیں ملتی لہٰذا آپ آئیں تو ایک نسخہ بتصحیح محی الدین عبدالحمید والا اپنے ساتھ میرے لیے لیتے آئیں

۲۔ کوئی ایسی کتاب وہاں سے فوراً بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیے جس میں عربی مکالمے ہوں۔ اگر بچوں کے لیے لکھی گئی ہو تو کیا کہنا، ورنہ بڑوں ہی کے لیے سہی مجھے ایک عربی کورس کے سلسلے میں تقریباً ۲۵، ۳۰ مکالمے مطلوب ہیں۔ بجائے خود بنانے کے وہاں کے کسی اہلِ علم کے لکھے ہوئے زیادہ بہتر رہیں گے۔

یہ عرض کر دوں کہ القراءۃ الرشیدۃ کے حصوں میں جو کچھ موجود ہے، وہ میرے سامنے ہے۔ میں اس کے علاوہ کوئی کتاب چاہتا ہوں۔

ہائے کیسا اچھا ہوتا کہ میں آپ کی موجودگی میں مصر کی جانب میں وہاں پہنچ جاتا۔ اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ ———

ناحیاج بما لا تنتہی العمر

سب بچوں کو دعائیں اور اپنی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں سلام۔ والسلام

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۴ مارچ ۶۵۴ء

حیرت صاحب خیریت سے ہیں اور ترک رام پور نہیں کر رہے ہیں۔ وہ بچی کی شادی کے سلسلے میں زیادہ پریشان تھے سو بحمد اللہ اس کا یہیں بیٹھے بیٹھے انتظام ہو گیا۔ میں نے نہج البلاغہ پر جو مضمون لکھا ہے وہ رسالہ فاران کے کسی شمارے میں آئے گا۔ اگر آپکے پاس یہ رسالہ نہ جاتا ہو تو میں انھیں لکھ دوں۔ وہ انشاء اللہ آپ کی خدمت میں یہ پرچہ ارسال کر دیں گے۔

—(۳۹)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادر عزیز م۔ میرا خط مل گیا ہو گا۔ باغ دو در کا حصۂ نظم ارسال کر رہا ہوں جو ہر کے نام کے خط بھی ساتھ ہی بھیجتا

مگر اس وقت اُنھیں دیکھا۔ تو ۴، ۶ جگہ استفہامی علامات نظر آئیں۔ چونکہ وہ مقامات دو چار دن کی تلاش سے حل ہو جائیں گے اس لیے بقیہ اوراق روک لیے۔ آپ کو حصۂ نظم پا کر قدرے اطمینان بھی ہو جائے گا اور میں بھی ایفائے عہد کے بار سے تھوڑا بہت ہلکا ہو جاؤں گا۔

اگر ممکن ہو، تو انڈیا آفس کے کتاب خانے سے غالبؔ، سرورؔ کے تذکرے کے اشعار نقل کر کے بھیج دیجیے یہ رسالۂ معیار اور آپ کے میگزین کے غالب نمبر میں چھپ چکے ہیں، مگر میں ڈرتا ہوں کہ ان کے ناقل نے غلطی نہ کی ہو۔ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے۔ خود میں سہواً الفاظ بدل دیا کرتا ہوں اور بعد میں مقابلے کے وقت حیرت میں رہ جاتا ہوں کہ کس طرح یہ تغیر کر دیا تھا۔

اور اگر غالب نے کچھ نسخے اُردو شعر میگزین کی اشاعت کے جس قدر رہا تھا آئے ہوں تو وہ بھی مع حوالہ لکھ بھیجیے۔ میں آج کل دیوان غالب اُردو، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لیے مرتب کر رہا ہوں۔

یہ بتا دوں کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے۔ بلکہ انتخاب غالب کی اشاعت کے متصل بعد میں نے محمد فیضی صاحب سے وعدہ کر لیا تھا، وہ ٹلتا رہا۔ خود فیضی صاحب ہندوستان سے باہر رہے۔ اب اُنھوں نے سخت تقاضا کیا اور بتایا کہ حکومت ہند نے اس کی طباعت کے لیے جو رقم دی ہے، اسے جلد خرچ کر دینا ضروری ہے چنانچہ مجبور ہو کر اور کوئی راہ گریز نہ پا کر میں نے اس کام کو ہاتھ میں لے لیا۔ انشاء اللہ ایک دو ماہ میں ختم ہو جائے گا۔

ہاں، بھائی، ذرا اس کی بھی جستجو کیجیے کہ غالب نے اپنے کسی انگریز دوست کو تو دیوان اُردو مطبوعہ یا قلمی کا کوئی نسخہ لندن تو نہیں بھیجا تھا۔ اگر پتا چلے، تو مجھے بتائیے کہ کب کا نوشتہ یا مطبوعہ ہے۔

آسیؔ مرحوم نے جو غزلیں غیر مطبوعہ کہہ کر غالب کے نام سے چھاپی ہیں، ان میں کی ایک ابھی الحمرا میں ایک عظیم آبادی شاعر کے نام سے چھپی ہے۔ کیا آپ کو اس کا اور اس کے ماخذ کا علم ہے؟ میں نے حامد علی خاں مدیر الحمرا کے توسط سے صاحب مقالہ کو خط لکھا ہے دیکھیے کیا جواب دیتے ہیں۔

دُوسری غزل "بنا یا ہوتا" ردیف کی، غالب کے غیر معروف دہلوی کی ہے۔ ان دو باتوں نے مجھے اُن کی دُوسری غزلوں کی طرف سے بھی بے حد مشتبہ کر دیا ہے۔ خدا کرے ان کا کوئی موافق یا مخالف حوالہ مل جائے۔

غالباً میں نے پچھلے خط میں بھی لکھا تھا، اکبر علی سلمہٗ علی گڑھ سے واپس چلے آئے۔ تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل والا معاملہ ہے۔ والسلام مع الاکرام

آپ کا: عرشی، رام پور۔ ۱۰ را پریل ۶۵۴ء

——(۴۰)——

بنام مالک رام

صدیق حمیم، سلمک اللہ و جزاک خیر الجزا۔ خط بھی ملا اور کتابیں بھی۔ شکریہ کیا ادا کروں۔ بس دُعا کرتا ہوں

کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو رکھے۔ آمین۔

فاران میں میرا مقالہ ——— نہج البلاغہ کا استناد ——— مئی کے مہینے میں شائع ہوگیا۔ آپ کا نام بھی میں [illegible] لکھ چکا ہوں۔ کیا مئی کا شمارہ آپ تک پہنچ گیا؟ اگر پہنچا ہو تو اپنی رائے، ورنہ نہ ملنے کی خبر دیجیے تاکہ میں تاکید کر کے بھجوا دوں۔ ۱۲ مقالے کو پڑھ کر دو صاحبوں نے تو میری توقع سے زیادہ داد دی ہے۔ ان میں سے ایک ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں۔ اگر یہ مقالہ عربی یا انگریزی میں ہوتا تو میں آپ سے کہتا کہ مصر کے علما سے بھی رائے لیں اور انھیں بتائیں کہ ہندی طالب علم ایسا کام کیا کرتے ہیں۔ خیر، انگریزی ترجمہ کرا لیا ہے۔ انشاء اللہ دو ایک ماہ بعد کسی موقر رسالے میں چھپ گیا تو وہاں بھی بھیجوں گا۔ آپ فواد یونیورسٹی اور الازہر کے دو چار اہم پروفیسروں کے نام لکھ بھیجیے۔

...... میں آپ کی کتاب پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ پڑھا ہوگا۔ اگر آپ جواب لکھیں تو لہجہ نرم اور مصلحانہ ہو اور غور و خوض خاصا کر لیا گیا ہو۔ میں یہ بات خدا نکردہ کسی پچھلے غلط تجربے کے پیشِ نظر نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ حفظِ ماتقدم مراد ہے۔

حیرت صاحب بخیر ہیں۔ آج کل دیوانِ غالب کے ایڈٹ کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ رمضان شریف کی بے خودی مانع نہ ہوتی تو بہت کام کر لیا ہوتا۔ بہرحال امید ہے کہ انشاء اللہ یہ ایڈیشن قابلِ قدر ہوگا۔

بچوں کو پیار، اپنی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں آداب۔ والسلام مع الاکرام

مخلص: عرشی، رامپور - ۲۱ مئی ۵۴ء

لیجیے۔ اصل بات تو پس پشت ہی ڈال دی۔ اگلے خط میں ان کتابوں کی قیمت اور محصول ڈاک سے ضرور مطلع فرمائیے اور یہ کہ رقم کہاں ارسال کی جائے۔

—— (۴۱)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیزم، سلمہ اللہ تعالیٰ

مودت نامہ اور کتابیں پہنچیں، شکریہ قبول کیجیے۔ مگر آپ نے ہدیۃً بھیج کر آئندہ کے لیے مجھے محتاط کر دیا۔ بزرگوں سے سنا تھا کہ ہدیہ بے طلب ہوا کرتا ہے اور فرمائش پر قیمت لینا ضروری ہے۔ خیر، چونکہ آپ وہاں مصروف ہیں اگر مجھ جیسے فرمائش کار کا منہ اس طرح بند نہ کر دیتے تو بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔

خطوط بنام جوہر اب تک مل چکے ہوں گے۔ مگر رجب علی خاں ارسطو جاہ اور چند دوسرے احباب کے حالات کی جستجو ہے۔ مہر صاحب کو لکھا تھا، انھوں نے وعدے کے باوجود ابھی تک ان کے حالات نہیں بھیجے۔ یہ بتائیے کہ باغ دو در کا حصۂ نظم بھی ابھی ملا یا نہیں اور پسند آیا یا نہیں۔

دیوانِ غالب اردو کے لیے آپ نے نیا سالا نہیں دیا۔ اگر ہو سکے تو وہاں ذکا یا سرور کے تذکرے سے اشعار نقل کر بھیجیے۔ یُوں تو آپ یہ شعر چھاپ چکے ہیں مگر مجھے ان کے الفاظ پر شبہ ہے۔ آپ خود یہ تذکرہ دیکھ کر شعر لکھیں گے تو مجھے زیادہ وثوق پیدا ہو جائے گا۔

یہ سُن کر آپ کو بے حد قلق ہوگا کہ نسخۂ حمیدیہ مطبوعہ کی اصل مجھوپال سے غائب ہوگئی۔ لائبریرین کہتے ہیں کہ نواب صاحب کے کتاب خانے میں منتقل ہوگئی اور خود نواب صاحب فرماتے ہیں کہ وہ وہیں حمیدیہ لائبریری سے غائب ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فاران کا مئی کا شمارہ آپ کو ملا یا نہیں۔ ملا تو آپ نے نہج کا مقالہ پڑھ کر دیکھا یا نہیں۔ اگر دیکھ لیا ہو تو اس کے اغلاط بتائیں۔ میں نے اس کا ترجمہ کسی انگریزی رسالے میں شائع کرانا طے کیا ہے۔ آپ کس رسالے کو تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہاں کا کوئی علمی رسالہ اتنے بڑے مضمون کو چھاپنے کو آمادہ ہو جائے تو کیا کہنا۔

رمضان کا موسم بحمد اللہ غنیمت گزرا۔ آخر میں کچھ گرمی بڑھ گئی تھی۔ پھر بھی آپ کی طرح ہم غنیمت اڑا نہ پا سکے۔ ذرا وہاں تو پتا چلائیے کہ انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں دیوانِ غالب اردو یا فارسی کا کوئی نسخہ مخطوطہ ہے یا نہیں۔ اگر غالب نے کسی انگریز کو تحفہ دیا ہو تو بعید نہیں۔

شوکت صاحب کا مضمون اتنا اہم نہ تھا۔ اس میں صرف ایک یا دو باتیں قابلِ لحاظ تھیں اور وہ بھی میری اور ایک اور صاحب کی غلطی سے متعلق۔

مخلص: عرشی ، رام پور ۔ ۱۷ جون ۵۴ء

—(۴۲)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی صاحب!

آپ کے دو خطوں کا جواب میرے ذمے ہے اور ایک پیکٹ کی رسید بھی، وہ حصہ باغ دودر، جو آپ نے واپس کیا ہے، مجھے مل گیا ——— مشوروں پر عمل کروں گا مگر کب، اس کا علم مجھے خود بھی نہیں۔ کام میں کام نکل رہا ہے اور میری مصروفیت بڑھتی جا رہی ہے۔

مکرمی آصف فیضی صاحب سے برسوں سے وعدہ تھا کہ دیوان غالب بشمول اشعار نسخۂ حمیدیہ ایڈٹ کر دوں گا۔ اب وہ شدت سے تقاضا کر رہے ہیں۔ خدا کی قدرت کہ اس عرصے میں دو ایسے قلمی نسخے ہاتھ آگئے کہ جی باغ باغ ہوگیا اور غزلیات کی تاریخی ترتیب میں مزید سہولت پیدا ہوگئی۔ اُن کا کام بھی ختم کے قریب ہے۔ نظر ثانی کر رہا ہوں۔

. . . . صاحب نے جو خطوطِ غالب مرتب کیے ہیں، وہ حواشی کے لحاظ سے گویا کچھ بھی نہیں۔ کہیں کہیں معمولی باتیں لکھ دی ہیں۔ بھائی سچی بات یہ ہے کہ تمہارے عرشی کی طرح اب خود مجھ سے بھی محنت نہیں ہو سکتی۔ یہ بڑے کام کا آدمی تھا ،

اگر زمانہ سازگار ہوتا — مگر افسوس کہ ——— نہ بخشندہ شاہی کہ بارم اہل بہر بارِ کاہ پیل بارم دہد۔

نہج البلاغہ والے مقالے کا ہند و پاک میں بڑا چرچا ہے۔ خصوصاً شیعی حلقہ بڑی داد دے رہا ہے۔ ادھر اُن کے اخبارات اور رسائل فاران سے نقل کر رہے ہیں مگر اس کا دُوسرا حصّہ پڑھ کر بے حد افسوس کریں گے۔ اس لیے کہ میں اُس میں یہ بتاؤں گا کہ نہج البلاغہ کے مندرجات سے شیعی نہیں سُنّی عقائد کی توثیق و تصدیق ہوتی ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔

اب ابتدائی دو خطوں سے متعلق اپنی پیش کرتا ہوں۔

۱۔ مجمع الاسلام پر کام کرنا مُبارک ہو۔ عجائب الاشعار پر سخا اللہ صاحب کا مقالہ میں نے بھی کہیں پڑھا ہے، مگر کہاں یہ یاد نہیں آتا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ کی رُوداد دوں اور اورینٹل کالج میگزین کے پچھلے آٹھ دس سال کے فائلوں میں بھی نہیں ملا۔ میں آج ہی احمد حسن صاحب کو خط لکھ رہا ہوں۔ اُن سے سب کچھ پوچھوں گا اور آپ کو جواب سے مطلع کروں گا . . . . .

۲۔ الذخیرہ کا جس قدر حصّہ مصر میں چھپ کر ہم تک پہنچ چکا ہے، اس میں مجید کا ذکر نہیں ہے۔ عماد الدین اصفہانی کی کتاب ہمارے یہاں ہے نہیں ورنہ اُس کا حوالہ بھی دے دیتا۔ شذرات اور مرآۃ الجنان اور تاریخ کامل وغیرہ میں مجید کا ذکر نہیں ہوا۔ آپ اس کی تاریخ وفات کو سامنے رکھ کر وہاں کے نوادر مخطوطات تاریخی میں تلاش کیجیے۔

۳۔ نہج البلاغہ والے مقالے میں اُس خطبے کی تخریج موجود ہے جس کا آغاز حمد کے بعد "ان افضل ما توسل به المتوسلون" سے ہوتا ہے۔ بقیہ کے متعلق اس وقت یاد نہیں آتا کہ ان کے حوالے مجھے ملے تھے یا نہیں۔ چونکہ یہ نہج کے خطبات میں داخل نہیں ہیں، اس لیے اگر نظر سے گزرے بھی ہوں گے تو میں نے پروا نہ کی ہوگی۔ بہرحال آپ کلینی کی اصول الکافی دیکھیے۔ وہاں ضرور ہوں گے۔

۴۔ حضرۃ الاستاذ نے خدا جانے کس مجموعے میں شیرازیوں کے اشعار دیکھے تھے۔ میں جب تک ایک ایک مجموعے کو نہ دیکھ ڈالوں، مثبت و منفی کوئی جواب بھی نہیں دے سکتا۔

اچھا بھائی، یہ تو بتلائیے کہ وہاں حضرت ثوری کی تفسیر کا نسخہ بھی ہے۔ یا تابعین و تبع تابعین میں سے کسی اور صاحب کی تفسیر کا کوئی نسخہ موجود ہے۔ نیز کیا قدیم تاریخوں میں سے (طبری سے متقدم تاریخیں مراد ہیں) کوئی ایسی کتاب ہے، جس میں حضرت عمرؓ کے خطوط و خطبات جمع ہوں۔

سیّد صاحب بخیر ہیں اور آپ کو جواباً سلام کہتے ہیں۔ بھائی مولانا والی بات راز کی ہے۔ کسی سے بھی آپ نہ کہیں۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۳ر اکتوبر ۵۴ء

—(۴۳)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرِ عزیز، میں نے آپ کے خط کا جواب دیا تھا اور جلد دیا تھا، تعجب ہے کہ وہ خط آپ کو کیوں نہ ملا۔ خدا کرے

اس درمیانی عرصے میں آپ تک وہ پہنچ گیا ہو، ورنہ مجھے اس بات کا صدمہ ہوگا کہ میرے پاس سے آپ کا خط ضائع ہوگیا ہے اور اس لئے میں شاید سب باتوں کا جواب نہ دے سکوں۔

(۱) پہلے آپ حضرت علیؓ کے خطبے کے حوالے لیجیے:

"ان افضل ما توسل به المتوسلون" یہ خطبہ نہج البلاغہ طبع مصر ۱/۱۵۰ میں، ابو جعفر البرقی کی کتاب المحاسن (ورق ۱۱۹ الف) میں، الحرانی کی تحف العقول (بحوالہ بحار الانوار ۱۷/۷۹) میں، شیخ صدوق کی علل الشرائع (ص ۱۱۴) میں، شیخ مفید کی کتاب الامالی (بحوالہ بحار ۱۷/۱۰۵) میں، شیخ الطائفہ کی کتاب الامالی (ص ۱۳۵) میں اور ابو الحسین بن سعید کی کتاب (بحوالہ بحار ۱۷/۱۰۵) میں نقل کیا گیا ہے (رسالۂ العلم لکھنؤ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء ص ۵۱)

(۲) حبیب حبیں کے ذلیہ کے متعلق میں نے یہ لکھا تھا کہ اس کی نقل کے لیے موجودہ قواعد کی رُو سے آپ کو سیکرٹری رضا لائبریری ٹرسٹ سے، جو کلکٹر رامپور ہیں، اجازت لینا ہوگی۔ بغیر اس کے یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) دُوسرے اشعار یا قصائد فی الوقت مجھے یاد نہیں آئے۔ پچھلے خط میں اُنھیں لکھ چکا ہوں۔

(۴) شیرزی پر سخا اللہ صاحب کے مضمون کا پتا نہ چل سکا۔

(۵) پشاور والے بزرگ نے شیرزی کی دُوسری کتاب کی نقل نہیں کی تھی۔ جو نقل اُن کے پاس تھی، وہ آپ تک پہنچ چکی ہے۔

(۶) دیوان کا پتا آپ نے بالکل درست دیا تھا۔ اُس کے بارے میں تمام معلومات ارسال کر چکا ہوں۔

(۷) میں نے آج کل نہیں پڑھا۔ یہ میرے پاس نہیں آتا ہے اور میں خرید کر رسالے کبھی نہیں پڑھا کرتا۔ ادھر مشغول اتنا رہا ہوں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ اعصاب نے تھک کر ہتھیار ڈال دیئے اور میں اب چار پانچ دن سے بیکار بیٹھا ہوا ہوں۔ سارے بدن میں برداشت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ دیکھیے کیا حشر ہوتا ہے۔

(۸) الجلیس الصالح کے نسخے کا بھی مجھے علم نہیں۔

آپ اس خط کو پانے ہی بتائیے کہ میرا خط آپ کو ملا یا نہیں اور مطلوبہ قصائد کی نقل کے لیے یونیورسٹی لائبریری کی طرف تحریر لکھوائیے انشا اللہ نقلیں پہنچ جائیں گی۔

استاذ مکرم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ پاکستان کے سفر سے واپس آئے اور تھوڑے دن علی گڑھ رہ کر کہیں باہر چلے گئے۔ وہ کوٹھی بھی فروخت کر رہے ہیں۔ شاید ارادہ باہر کا ہے

اب ایک میری گزارش سنیے۔ ثوری علیہ الرحمۃ کے معاصرین میں ایک مفسر ہیں مقاتل بن سلیمان اور دوسرے تقریباً اسی زمانے کے مقاتل بن حیان۔ ان میں سے کسی ایک کی تفسیر کا مائکروفلم رشاد نے استانبول کے کسی کتب خانے سے حاصل کیا تھا۔ انھوں نے یہاں سے جا کر مجھے رسید تک نہ بھیجی۔ اب آپ سے معلوم ہوا کہ آپ کے خطوں کا جواب بھی نہ دیا۔ اسلیے ان سے اس کے فوٹو مانگنا بیکار ہے۔ آپ وہاں یعنی استانبول کے کسی عالم کو خط لکھ کر دریافت کیجیے۔ غالباً پروفیسر یا ڈاکٹر ریٹر وہاں ہیں۔ وہ یہ کام کر دیں گے اور اگر

ممکن ہو تو میرے لیے اس کتاب کے فوٹو حاصل کر کے روانہ فرما دیجیے۔ تفسیر ثوری کے مشکوک الفاظ کی صحت میں یہ کتاب بڑی مددگار ثابت ہوگی۔

جواب کا منتظر رہوں گا۔ والسلام مع الاکرام۔

سال نو مبارک!

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۲۸ دسمبر ۵۴ء

—(۴۴)—

بنام مالک رام

مکرمی تسلیم مع التکریم

خدمت نامہ ملا۔ آپ ہی میرے لیے کیا کم تھے کہ "آجکل" والوں کا نام بھی آپ نے شامل کر لیا۔ آپ بڑی خوشی سے انھیں نئی چیزیں دے دیں اور خود بھی مسدِ تمین کے لیے نقل فرما لیں۔ البتہ آرزو صاحب سے اجازت لے لیں وہ اپنے مجموعہ غالب میں انھیں شائع کرنا چاہتے تھے۔ کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔

میں نے آرزو صاحب کے خط کا بر وقت جواب دے دیا تھا مگر میرا گمان ہے کہ میرے خطوں پر نظر رہتی ہے شاید وہ اس وجہ سے دیر میں پہنچا۔ ان کا تقاضائی خط آیا تھا۔ میں نے پھر ہوائی ڈاک ہی سے جواب لکھا ہے۔ خدا کرے اب پہنچ جائے۔

تفسیر ثوری کا کام جاری ہے۔ ابھی چار پانچ دن ہوئے جو اس کے رواۃ کی چھان بین سے فارغ ہوا ہوں۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تقریباً ۹۹ فیصد رواۃ صحاح ستہ کے ہیں۔ لیکن اس کام کے انہماک نے یک قلم تھکا دیا۔ اب یہ معلوم ہوا کہ مجھے رعشہ ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ معالج نے سخت ہدایت کی ہے کہ دماغی کام معطل نہ کر دوں۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالےٰ صحت عطا فرمائے۔ اگر خدا نخواستہ میں بیکار ہو گیا، تو آپ بڑا افسوس کریں گے اور خود مجھے بھی بے حد قلق ہوگا کہ میں اپنے اس سے زیادہ عزیز کام پورے نہ کر سکا۔

تصویر کا آپ نے پھر تقاضا کیا۔ کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ میں دہلی آؤں تو آپ کے اور آپ کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنی تصویر کھچواؤں۔ اگر یہ تجویز پسند نہ ہوئی تو پھر تعمیل حکم میں ذرا بھی دیر نہ ہوگی۔

اپنے بچوں کو میری اور میری بیوی کی طرف سے دعا فرمائیے اور "یا بشریٰ، ھذا غلام" پڑھ کر ان دونوں کو میری طرف سے پیار کیجیے، اور یہ فرمائیے کہ تمھارا نادیدہ چچا تمھیں دیکھنے کا بے حد مشتاق ہے۔ اکبر علی آداب عرض کرتا ہے اور اپنے بھائی بہنوں کو دعا کہتا ہے۔ ہم سب کی طرف سے اپنی اہلیہ محترمہ کو تسلیمات کہیے۔

والسلام مع الاکرام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۳۰ دسمبر ۵۴ء

———

—(۴۵)—

بسم مالک رام

جویائے حالِ عرشی۔ سلامت رہو۔

کل اکبر سلمہ کے نام آپ کا لفافہ آیا تھا میں بحمد اللہ ابھی تک بقید حیات ہوں۔ بظاہر صحت بہتر ہو رہی ہے، مگر اعصاب کی تھکن میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ ابھی تک یونانی علاج ہے۔ اس کا فائدہ ذرا دیر ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ادھر سے مایوسی ہوئی تو پھر انگریزی دواؤں کی طرف رجوع کروں گا۔

ایک بات از راہِ احتیاط کان میں ڈالے دیتا ہوں۔ میرے عربی و فارسی و اردو مسودے میری عمر بھر کی کمائی ہیں۔ اگر مجھے ان کی اشاعت کی مہلت نہ ملے، تو آپ پنساری کی دوکان سے انھیں بچا لینے کی کوشش کرنا۔ آپ کے علاوہ ان کا دھیان کسی کو بھی نہ ہوگا۔ یہ مسودے حسبِ ذیل کتابوں کے ہیں: (۱) تفسیر امام سفیان ثوری (۲) شواہد القرآن الطبری (۳) حضرت عمرؓ کے خطبات، خطوط اور حکیمانہ اقوال کا مجموعہ (۴) مکاتیب غالب فارسی (۵) دیوانِ غالب اردو (تمام کلام قدیم و جدید) (۶) اردو زبان اور افغان۔

یہ صرف احتیاطاً لکھ دیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید یہی ہے کہ انھیں خود مکمل و مرتب کرنے کی مہلت ضرور پاؤں گا۔ بچوں کو دعا اور پیار۔ والسلام۔

مخلص: عرشی، رام پور۔ ۱۹ر جنوری ۵۵ء

—(۴۶)—

بسم مالک رام

بھائی صاحب

لفافہ اور کارڈ دونوں آج دفتر آکر پڑھے۔ ذکرِ غالب اور نہج البلاغہ پاکر آپ کے لیے دعائے خیر کر چکا ہوں۔ میری صحت پہلے سے اچھی ہے۔ چنانچہ آج ۴، ۵ گھنٹے سے لکھ پڑھ رہا ہوں، چونکہ کل ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی تھی، اس لیے آج تھکن کم محسوس ہو رہی ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا کرے۔ آمین۔

رضوان اور رحم کے حالات کے سلسلے میں قاضی عبد الغفار صاحب، سیکرٹری انجمن ترقی اردو علی گڑھ کو لکھیے۔ وہ اگر خود نہ بتا سکیں گے، تو مراد آباد کے کسی بزرگ کا پتا ضرور لکھ بھیجیں گے۔ میں وہاں کے کسی شخص سے بھی اب واقف نہیں ہوں۔ یہاں رام پور میں کسی واقف کار کی تلاش شروع کر دوں گا اور اس کے نتیجے کی اطلاع دوں گا۔

اکبر علی سلمہ اللہ کا ۱۵ر مارچ سے امتحان شروع ہوگا۔ اس کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیے۔ یہ ایف۔ اے کا امتحان ہوگا اور چونکہ پرائیویٹ شرکت ہو رہی ہے، اس لیے اہم بھی ہوگا۔

میری اہلیہ اور بچوں کی طرف سے سب کو ما وجب۔ حیرت صاحب سے ملاقات ہو چکی ہے۔ وہ بحمد اللہ

اچھے ہیں۔ پچھلے دنوں کچھ علیل رہے تھے۔ والسلام والاکرام

مخلص: عرشی ، رام پور۔ ۱۱ر مارچ ۵۵ء

—(۴۷)—

بنام مالک رام

صدیق محترم۔ تسلیم مع التکریم

رات میں نے آپ کو یاد کیا۔ صبح کی ڈاک سے آپ کا مرسلہ مخملی سجادہ ملا۔ اس عطائے خاص کا دلی شکریہ۔ اب خانقاہ و تسبیح و خرقہ اور درکار ہے وہ مل گیا تو پھر انشاءاللہ دنیا ترک کر کے راہِ طریقت پر چل پڑوں گا اور یا یہ سب کچھ گرو کر کے "سازِ ساغر و مینا" کروں گا۔ بظاہر اس دوسری صورت کی زیادہ توقع ہے۔ والامر بیداللہ

یہ تو بتایئے کہ آپ پچھلے کئی ماہ سے خموش کیوں تھے۔ کیا کہیں حج تو نہیں کر ڈالا۔ اگر ایسا کر لیا ہے تو بقول سعدی سخت بیدردی کہ بے ما میروی۔

اگر خط لکھ دیا ہے، تو اس کا، ورنہ اس عریضے کے مفصل جواب کا انتظار رہے گا۔ بچوں کو پیار۔ والسلام

مخلص شما: عرشی ، رام پور۔ ۲۶ ستمبر ۵۵ء

—(۴۸)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی صاحب

ہوائی خط ملا، میں نے آپ کے مرسلہ قصیدہ حیص بیص کا اپنے یہاں کے قلمی نسخے سے مقابلہ کر کے۔ S.t. C[illegible] , [illegible] Oxford کے پتے سے خط لکھا اور ۱۱ر اپریل کو ڈاک کے حوالے کر کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ ۱۱ جولائی کو خط واپس آیا، اور آپ کے نام کے سامنے [illegible] لکھا ہوا تھا۔ حیران کہ یا اللہ خط کیوں واپس آگیا۔ یہ سوچا کہ شاید آپ بھی جرمنی سے واپس نہیں ہوئے ہوں گے، حالانکہ جس خط کا جواب میں نے لکھا تھا، اس میں صاف آپ نے لکھ دیا تھا کہ اس کا جواب آکسفورڈ کے پتے سے دینا۔ آپ نے اس درمیان میں اگر کوئی خط مجھے لکھا تو وہ یہاں نہیں پہنچا۔ نہ مالک رام صاحب نے آپ کے کسی خط کا ذکر کیا۔ اب جو ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب کا ذریعہ ہاتھ آیا، تو میں نے ان سے کہہ کر یہ سلسلہ ہی شروع کیا۔ سو الحمدللہ کہ آپ بخیر ہیں اور اب عنقریب واپس آنے والے ہیں۔

قصیدہ حیص بیص مقابلہ شدہ میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ آپ کا انتظار ہے۔ جہاں آپ کہیں گے، وہاں ارسال کر دوں گا۔

میں گزشتہ سال کے موسمِ سرما سے ضعفِ اعصاب میں ایسا مبتلا ہوا ہوں کہ خدا کی پناہ۔ علاج جاری ہے۔ مگر باوجود انتہائی کوشش کے پچھلی طاقت عود نہیں کرتی۔ اس لیے کام تھکا چھوڑ دیا ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالے پھر کام کرنے کے قابل

بناء سے۔ مرض کا آغاز تفسیر ثوری کے کام کے دوران میں ہوا، اور اُسے چھوڑ دینا پڑا، تو دُوسرے کاموں کا کیا ذکر ہے، بہر حال دُعا کا محتاج ہوں۔

حیص بیص کا قصیدہ دیوان کے صفحہ ۷ ہم۔ ۴۹ پر ہے، اور اشعار کی تعداد ۳۴ ہے۔

آپ نے جو دو شعر لکھے ہیں وہ ہمارے مجموعے میں موجود نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیرازی کے جس قصیدے کا آپ ذکر کر رہے ہیں، وہ اس مجموعے میں شامل نہیں۔

بھائی، یہ آزردہ کا تذکرہ خوب ہاتھ آیا اس میں تو بہت سی دلچسپ باتیں موجود ہوں گی۔ خدا آپ کو بخیر واپس لائے۔ ان سب کتابوں پر مضامین کا انتظار ہے۔

میرے بچے اچھے ہیں۔ اکبر سلمہٗ نفر ڈ ایر میں رام پور میں پڑھ رہا ہے۔ سب کا سلام قبول کیجیے۔ والسلام

مخلص، عرشی، رام پور۔ ۱۰ر جنوری ۵۶ء

بھائی، ڈاکٹر ریاض صاحب نے علی گڑھ سے تاریخ میں پی۔ ایچ ڈی کیا تھا۔ پھر دہلی کے مشن کالج میں ملازم ہو گئے تقسیم کے بعد لاہور جاکر پنجاب یونیورسٹی میں استاد تاریخ مقرر ہوئے۔ وہاں سے کسی دُوسرے محکمے میں تبادلہ ہوا۔ مگر یہ دو سال کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ہسٹری کے ریڈر بنائے گئے۔ اب ڈی لٹ کی تیاری کے لیے کیمبرج گئے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ آپ کے ہم مدرسہ ہوئے۔

—(۴۹)—

بنام مالک رام

بھائی صاحب

مردان علی خاں رعنا و نظام کا مجموعہ کلام ہمارے پاس نہیں ہے۔

نظام رامپوری کا دیوان عنقا ہے۔ خیال رکھوں گا۔ خدا کرے کہیں سے ہاتھ آجائے۔

نواب فردوس مکان کی اور تصویر نہیں ملتی۔ اس تصویر کی بھی مزید کاپی نہیں ہے۔

میں انشاء اللہ کل اتوار کے دن سہ پہر کو دہلی کے لیے روانہ ہوں گا اور پیر کا دن وہاں گزار کر یا شام کی گاڑی سے واپس ہوں گا، یا دُوسرے دن صبح کی ٹرین سے۔ کوشش کروں گا کہ آپ سے مل سکوں۔ بظاہر وقت کم ہے، ملاقات دشوار ہوگی۔

خدا کرے آپ خوش و خرم رہیں۔ والسلام

مخلص، عرشی، رام پور۔ ۲۵ر فروری ۵۶ء

—(۵۰)—

پیارے بھائی، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عرشی دردِ گردہ میں مُبتلا ہو کر صاحب فراش ہو چکا تھا۔ اب خدا خدا کر کے

لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا ہے۔ جس شخص کے کبھی پیٹ میں بھی درد نہ ہوا ہو، وہ اچانک درد گردہ میں مبتلا ہو، اور پھر وہ درد بھی قیامت کا درد انگیز ہو، اور صبح و شام کرکے ۲۴ دن تک اٹھنے، تو مریض کا کیا حال ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ پہلے دس دن تو میں یہ سوچتا تھا کہ اب دل سے حرکت چھوڑ دی۔ مگر ابھی سرد و گرم زمانہ اور دیکھنا تھا بچ گیا۔

غالب کے دیوان اردو کی نقل مل سکتی ہے۔ آپ ایک تحریر سیکرٹری صولت پبلک لائبریری رام پور کے نام ارسال فرمایئے اور میرا حوالہ دے کر لکھیے کہ وہ نقل کرا دے گا۔ انشاء اللہ کام ہو جائے گا۔

سب کی طرف سے سلام و جواب قبول ہو۔

مخلص : عرشی ۔ رام پور ۔ ۲۰ جون ۵۶ء

مالک رام

(۱)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

کرم فرمائے من۔

۱۱؍مارچ کے پوسٹ کارڈ کا شکریہ۔ اُمید ہے میرا ۱۰؍مارچ کا خط آپ کو مل گیا ہوگا۔

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے مطالبہ کی اہمیت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ دراصل اس میں کچھ آپ کا قصور بھی ہے اگر آپ نے شروع میں لکھا ہوتا کہ آپ البدیع فی نقد الشعر سے متعلق معلومات کسی ایسے مقالے کے لیے طلب فرما رہے ہیں جو آپ نے کسی امتحان کے لیے داخل کرنا ہے تو میں یقیناً سہل انگاری نہ کرتا۔ آپ نے لکھا میں آج کل ایک مقالہ لکھ رہا ہوں۔ اب میں کیسے خیال کرتا کہ یہ کسی امتحان کے لیے ہے۔

بہر حال میں آج صبح کتاب خانہ میں گیا تھا لیکن بدقسمتی سے جن بزرگ کے پاس مخطوطات کی الماریوں کی چابیاں ہیں وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ گئے ہیں اور مزید افسوس یہ کہ وہ کل ہی گئے۔ نتیجتہً اگلے اتوار تک اُن کے واپس لوٹنے کا امکان نہیں آپ یہاں کے انتظام کی ابتری کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ وہ صاحب رُخصت پر گئے اور بجائے چابیاں کسی اور کے حوالے کرنے کے اُنھیں بھی ساتھ لیتے گئے۔ الّا ماشاءاللہ اس مُلک کے دُوسرے اداروں کا بھی یہی حال ہے۔

بہر حال مجھے سخت ندامت ہے کہ آپ نے ایک معمولی سا کام کرنے کو دیا اور میں اسے سرانجام نہ دے سکا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مقالہ داخل کرانے کی تاریخ سے پہلے تو میں مطلوبہ معلومات فراہم نہیں کر سکوں گا لیکن یہ تہیہ کیے ہوئے ہوں کہ اگلی اتوار کو پھر وہاں جاؤں گا اور حتی الامکان آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر معافی چاہتا ہوں۔

میں نے پچھلے خط میں اپنے مضمون سے متعلق دو باتیں لکھی تھیں۔ پہلے یہ کہ سائنس کو مذکر رہنے دیں۔ اب گزارش ہے کہ اسے مونث بنا دیں یعنی سائنس پھول گئی بنا دیں۔ غالباً میں نے سائنس پھول گیا لکھا ہے۔ میں ان باتوں میں لکھنوی محاورے کو ترجیح دیتا ہوں اور لکھنؤ میں سائنس مونث ہی ہے اس لیے اسے مونث بنا دیں۔

دُوسرے ڈھب کی جگہ ڈھنگ کر دیا جائے۔ اُمید ہے آپ نے یہ کر ہی دیا ہوگا۔ مہربانی فرما کر آپ بھی میری طرح تساہل سے کام نہ لیں۔

اگر اب تک نصف پرچے کی کتابت ہوئی ہے تو پرچہ مئی سے پہلے شائع نہیں ہو سکتا۔ لیکن کام عمدگی سے کرنا

اس سے بہتر ہے کہ اسے عجلت میں خراب کر دیا جائے۔

یہ پرچہ رجسٹری سے بھیجیں۔

آگرہ سے کے پرچے شاعر کے خاص نمبر میں میرا ایک مقالہ شیفتہ سے متعلق شائع ہوا ہے۔ غالباً نظر سے گزرا ہوگا۔

میں بدیع سے متعلق پھر معافی چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اگلے خط میں اس سے متعلق تفصیل سے لکھوں گا

وما توفیقی الا باللہ، والسلام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ مصر ۲ رمارچ ۴۹ء

—— (۲) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم فرمائے من

میں کل دار الکتب پھر گیا تھا۔ بارے وہ حضرت رخصت سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ ان سے کتاب نکلوائی اور دو تین گھنٹوں کی ورق گردانی سے جو معلومات مہیا کر سکا وہ لف هذا ہیں۔ خدا کرے آپ کے لیے مفید مطلب ہوں اور کسی طرح کی کیفیت مطلوب ہو تو تحریر فرمائیں۔

کتاب کا فوٹو لینے کا انتظام نہیں کر سکا لیکن ناظم دار الکتب سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چار قرش مصری کے لگ بھگ فی صفحہ خرچ آئے گا۔ بشرطیکہ پوری کتاب کی تصویر اُتروائی جائے۔ چار قرش ہمارے سکے میں ۹ آنے ہوتے ہیں گویا پوری کتاب کی تصویر پر ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب لاگت آئے گی۔ جیسے ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔

اُمید ہے میرے پچھلے دونوں خط آپ کو مل گئے ہوں گے اور آپ نے میرے لکھنے کے مطابق سائنس بھول گئی اور ڈھب کی جگہ ڈھنگ بنوا دیا ہوگا۔ پھر تاکید سے لکھتا ہوں کہ اس میں تساہل نہ ہو۔

کہیے، پرچہ کب نکلے گا؟ مارچ بھی ختم ہو گیا۔ آپ تو جنوری میں شائع کرنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔

یقین ہے کہ پرچے میں غالب کی تصویر بھی ہوگی۔ لیکن خدا کے لیے کہیں وہ تصویر نہ دے دیجیے گا جو پروفیسر مجیب صاحب نے جرمنی میں تیار کروائی تھی اور کاویانی پریس والے دیوان کے نسخے میں موجود ہے۔ یہی آپ نے میگزین کے آخر میں اعلان کے ساتھ دی ہے۔ غالب کی متعدد تصویریں جو ان کی زندگی کی نہیں مل سکتی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک یا سب چھاپی جا سکتی ہیں۔

زیادہ کیا لکھوں۔ خاص نمبر کا بہت انتظار ہے۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۲۸ رمارچ ۴۹ء

ہاں میں نے پچھلے دونوں خطوں میں تذکروں کی فہرست طلب کی ہے۔ اس پر بھی غور فرمائیں۔

—— (۴) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

جانِ آرزو

کلکتہ کا گرامی نامہ نظر افروز ہُوا۔ شکریہ تو ایک رسمی سی بات ہے۔ آپ میرے دلی جذبات کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

شیفتہ سے متعلق میں نے جو باتیں دریافت کی ہیں۔ ان میں ـــ دو تین زیادہ اہم ہیں یعنی ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخیں۔ سنین تو معلوم ہیں لیکن یقین ہے کہ ان کے خاندان میں یہ تاریخیں بقید یوم و شہر محفوظ ہوں گی۔ اگر شیفتہ کی تصویر بھی مِل سکے تو کیا بات ہے۔

آپ کے یہ کہنے سے کہ نواب محمد اسمٰعیل خان آج کل ڈھاکہ میں ہیں دو تین باتیں یاد آگئیں۔ اوّل وہاں ایک صاحب تھے شفاءُ الملک حکیم محمد حبیب الرحمٰن خان۔ ابھی تھوڑے دن ادھر ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے پاس غالب کے بعض دستی خطوط تھے جو میرزا نے قیام کلکتہ کے دوران میں ڈھاکہ کے بعض احباب کو لکھے تھے۔ شفاءُ الملک تو خدا کے پیارے ہوئے۔ اگر آپ وہاں ان کے صاحبزادے جناب حکیم ارتضیٰ الرحمٰن سے معلوم کریں تو ممکن ہے ان کا کچھ کھوج نکل سکے۔

دُوسری بات یہ کہ حکیم صاحب مرحوم نے ایک تذکرہ شعرائے ڈھاکہ لکھا تھا۔ اس کا مسودہ بھی شاید ان کے کاغذات میں ہو۔ ان کی وصیّت کے مُطابق ان کے تمام مسودات وغیرہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی تحویل میں جانے والے تھے۔ یُونیورسٹی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

کتابوں سے متعلق مجھے اقبال بُک ڈپو کی طرف سے خط مِل گیا ہے۔ آپ کی زحمت کا شکریہ۔ میں انھیں براہِ راست جواب دے رہا ہُوں۔

ایک اور بات یاد آئی۔ وہاں وکٹوریہ میموریل کلکتہ میں نواب احمد بخش خان مرحوم، رئیس لوہارو اور ان کے چھوٹے صاحبزادے نواب ضیاءُ الدین احمد خان نیّر درخشاں کی تصویریں ہیں کیا آپ زحمت اٹھا کر ان کی نقل اُتروا سکتے ہیں؟ دس برس ادھر جب میں کلکتے میں تھا تو انھیں دیکھا تھا۔ شیشے پر ہیں۔ اگر یہ کام سہولت سے کر سکیں تو اس میں تساہل نہ ہو۔ شکریہ۔

غالب کے اس شاعر کا کچھ حال جس میں بادِ مخالف والا ہنگامہ ہُوا تھا۔ میں نے اپنی کتاب ذکرِ غالب کے دُوسرے ایڈیشن میں کیا ہے۔ اسے ہاں یہ تو فرمائیے کہ کیا آپ کے دوست ذکرِ غالب کا دُوسرا ایڈیشن چھاپنے پر آمادہ ہیں مکتبۂ جامعہ تو غارت ہوگیا۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ امید نہیں کہ وہاں سے اب اس کی اشاعت کا انتظام ہو سکے۔ اگر آپ کے دوست اسے چھاپنا چاہیں تو میں مسودہ ترتیب دے کر بھیج دُوں۔

آپ یہاں سے کب تک واپس جا رہے ہیں؟ اسے "کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں"۔ والسلام والاکرام

کیا میگزین کے ساتھ غلط نامہ چھاپیے گا؟

خاکسار، مالک رام، اسکندریہ۔ ۱۵ اگست ۶۹ء

—(۵)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

گرامی عزیز۔

۲۶ ستمبر کے پوسٹ کارڈ کا شکریہ۔

وہ دونوں تصویریں تو یقیناً وہاں کلکتہ میں ہیں لیکن چونکہ آپ نے سرسری طور پر ملاحظہ کیا اسلیے نظر سے نہیں گزریں۔ وہ کاغذ پر نہیں بلکہ شیشے پر بیضوی شکل کی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ۴×۳ انچ مربع ہوں گی۔ لیکن اب شکایت کیا۔ دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔ کہیں میری یادداشت کے پرچوں میں سے ان کے نمبر بھی محفوظ ہیں لیکن تلاش کرنا پڑے گا۔

اقبال بک ڈپو سے مجھے خط ملا تھا لیکن میں نے انھیں لکھا تھا کہ ابھی کتابیں ارسال نہ کی جائیں۔ چونکہ میرے یہاں سے چلے جانے کا امکان ہے اس لیے کتابوں کا میری غیر حاضری میں پہنچنا درست نہیں کہیں کتابیں ضائع نہ ہو جائیں ابھی تک کچھ حتمی طے نہیں ہوا۔ ایسے نہیں کہہ سکتا کہ کب تک کتابیں منگوا لونگا۔ اسلیے لکھتا ہوں کہ آپ رسالہ بھی نہ بھیجیں کہیں وہ بھی گم نہ ہو جائے ہاں یوں کیجیے کہ میرے مضمون کے دو تین علیحدہ نسخے بھجوا دیں۔ باقی نسخے اور پرچہ بعد میں منگوا لونگا۔ یہ بھی قربانی کر رہا ہوں لیکن اسکے بغیر چارہ کار بھی نہیں

اے کاش کہ آپ میری موجودگی میں یہاں آتے تو چند سے مزے سے گزرتی لیکن آپکے آنے کا فیصلہ جب کیا ہے کہ یہاں چل چلاؤ کے سامان ہو رہے ہیں۔ اسکندریہ کے دس سالہ قیام کے بعد، عدن جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کہا تھا۔ بھیجیں کہیں مجھے بنارس ہیں۔ قیام کے خرچ سے متعلق کیا کہوں۔ میرے خیال میں دو ڈھائی سو روپے ماہانہ میں اچھا بھلا خرچ چل سکتا ہے بشرطیکہ آپ قیمتی کتابیں خریدنا نہ شروع کر دیں کیونکہ پھر دو ڈھائی ہزار بھی کفایت نہیں کرنے کے۔ اگر آپ فیصلہ کر لیں کہ کب تک آنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے میں آپ کی سکونت میں کچھ مدد کر سکوں۔ یوں کچھ بچت ہو جائے گی۔ لیکن آپ کا یہاں آنے سے مقصد کیا ہے۔ اگر دارالکتب اور دوسرے کتاب خانوں کی سیر مطلوب ہے تو یہ واقعی معقول بات ہے لیکن اگر آپ چاہیں کہ یہاں آ کے کچھ علم حاصل کریں گے تو مجھے اس کا یقین نہیں۔ کہنے کو عربی یہاں کی زبان ہے۔ لیکن کیسی عربی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی مروجہ عربی سن کر ہنسیں گے۔ نہ تلفظ درست نہ لہجہ، نہ صرف و نحو۔ الا ماشاءاللہ سب چھوٹے بڑے، عالم و جاہل، یہی زبان بولتے ہیں۔ البتہ لکھنے درست نحوی زبان ہیں۔ لہذا یہاں کے رسالے اخبار آپ وہاں بھی منگوا سکتے ہیں۔ ہاں کتاب خانوں کی بات دوسری ہے۔ ایسی ایسی نادر کتابوں کے قلمی نسخے پڑے ہیں کہ دیکھنے سے دل و دماغ روشن ہو جائیں۔ لیکن پھر افسوس ہے کہ ان سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر آپ کو سیر کا شوق ہو تو ضرور آئیے اور جلد سے

مُرغانِ قفس کو پھولوں نے لے شاد یہ کہلا بھیجا ہے • آنا ہے تو آ جاؤ، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم
مُراد یہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے پہلے آ جیئے۔
کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میرے مضمون کے تینوں مطلوبہ نسخے ہوائی ڈاک سے بھیج دیں۔ والسلام والاکرام
خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۵ راکتوبر ۱۹۴۹ء

———(۶)———

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مالک نواز!

گرامی نامے کا جواب قدرے تاخیر سے جا رہا ہے۔ سال ختم ہوا ہے اور ان دنوں معمول سے زیادہ کام رہتا ہے۔ یہی جواب میں تعویق کا باعث ہوا۔

میرا ۴ر دسمبر کا خط مل گیا ہوگا۔ اس میں خاص نمبر کے بعض مضامین سے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔ اس دوران میں باقی مضمون بھی دیکھے۔ سب خوب ہیں۔ خصوصاً عبدالمالک آروی اور عبادت بریلوی کے مضمون بہت پسند آئے۔ جناب قاضی صاحب کا مضمون بہت محنت سے لکھا گیا ہے اور اس سے اُن کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرہنگِ غالب پر اُن کی تنقید بھی بہت خوب ہے۔ مآثر غالب کی اشاعت پر آپ کو مُبارک پیش کرتا ہوں۔ مجھے ان مکاتیب کے حصول کی بہت آرزو تھی لیکن حکیم شفا الملک کے انتقال کے بعد اندیشہ تھا کہ کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔ بارے قاضی صاحب موصوف کے صدقے یہ محفوظ ہو گئے۔

میں نے جو کچھ خاص نمبر سے متعلق لکھا ہے یہ اشاعت کے لیے نہیں۔ اگر آپ کو اشاعت کے لیے کچھ چاہیے تو وہ خاص طور پر علیحدہ لکھ کے بھیج دوں گا۔ مجھے اس دوران میں خاص نمبر کا دوسرا مُرسلہ نسخہ، جو بہتر کاغذ پر ہے، موصول ہو گیا ہے۔ اب مزید پرچہ بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ شکریہ۔ البتہ مآثر غالب اگر اعلیٰ کاغذ پر علیحدہ چھپا ہو تو اس کا ایک آدھ نسخہ بھیج دیجیے۔ میں پہلے بھی طلب کر چکا ہوں۔

تذکروں کی فہرست سال بھر سے مانگ رہا ہوں اور آپ نے آج کل میں معاملہ اس حد تک پہنچا دیا۔ اب سُنیئے کہ اصل بات کیا ہے۔ میں نے پارسال تلامذہ غالب کا تذکرہ لکھنا شروع کیا۔ یہاں میرے پاس کتابیں کہاں کہ ان سے استفادہ کر سکتا۔ ناچار آپ کی خدمت میں لکھا۔ جو ذخیرہ یہاں موجود تھا اس کو مرتب کیا اور پچاس ساٹھ صفحے لکھ ڈالے۔ یہ کام کب کا ختم ہو گیا ہوتا اگر آپ جلد میری درخواست پر تذکرے مہیا کر دیتے۔ لیکن چند دن ہوئے آفاق صاحب کی شائع کردہ کتاب نادراتِ غالب کراچی سے موصول ہوئی اس میں اُنھوں نے شاگردوں کا حال بھی لکھا ہے۔ ۹۳ نام درج ہیں۔ وہ تو آپ کی نظر سے گزرے ہی ہوں گے۔ پُرانے تذکروں کی طرح بہت کم مفید معلومات ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مجھے اپنا تذکرہ مکمل کر کے شائع کرنا چاہیے یا اس کام سے ہاتھ اُٹھا لوں۔

آفاقی صاحب کی فہرست میں بعض نام سرے سے نہیں۔ جو ہیں وُہ بھی نامکمل حالت میں ہیں۔ میں نے کافی محنت کی تھی اور تھوڑی سی ہمت سے یہ کام کی چیز بن سکتی ہے۔ اگر آپ شاعر کے خاص نمبر میں شیفتہ پر میرا مضمون دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ میں کس نہج پر کام کر رہا تھا۔ بہر حال آپ تذکروں کی فہرست ضرور مرتب کریں اور لکھیں کہ ان میں سے کون سے آپ کے پاس ہیں اور کون سے بازار سے مہیا ہو سکتے ہیں لیکن اب کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ اوّلین فرصت میں یہ کام کر ڈالیئے۔

ہاں یاد آیا: تلامذۂ غالب کا خیال مجھے آپ کے مضمون تلامذۂ مصحفی سے آیا تھا۔

نادراتِ غالب کا لکھ ہی چکا ہوں کہ مل گئی ہے۔ فلسفۂ کلامِ غالب ان کتابوں میں سے جو میں نے آپ سے طلب کی تھیں اور آپ نے ان کی ترسیل اقبال بک ڈپو کے تفویض کر دی۔ میں نے انھیں لکھا تھا کہ کتابیں بھیج دیں۔ انھوں نے نہ خط کا جواب دیا نہ کتابیں ہی بھیجیں۔ آپ انھیں متوجہ کر سکیں تو مزید شکریہ کا باعث ہوگا۔

خدا آپ کی مساعی کو بار آور کرے۔ قبلہ ڈاکٹر صدیقی صاحب مکتبۂ جامعہ سے لطایفِ غیبی شائع کر سکتے ہیں۔ مکتبہ نے پھر سے کام شروع کر دیا ہے اور جس معیار کی ان کی کتابت طباعت وغیرہ ہے مجھے یقین ہے کہ لطایف کے لیے اس سے بہتر میسر نہیں آسکتی۔

ہاں؛ غالب کی تصویر سے متعلق آپ نے ایک سوال کیا ہے۔ شاکر میرٹھی (ماسٹر پیارے لال) کے پاس اس تصویر کی ایک نقل ہے (خدا معلوم موصوف آج کل کہاں ہیں۔ لکھنؤ سے ڈیرہ دون چلے گئے تھے اس کے بعد کچھ پتہ نہ چلا) رسا مرحوم نے انھیں دھوکا دیا اور کہا کہ یہ خطوطِ غالب کے ہیں۔ موصوف نے خیال کیا کہ ان کی اشاعت سے کچھ بافت ہو جائے گی اس لیے انھوں نے انھیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ معاملہ کس صورت پہلے ہوا تھا۔ بہر حال کتاب شاکر صاحب نے لکھنؤ سے شائع کی اور اس کے شروع میں اپنے یہاں سے تصویر کا اضافہ کر دیا۔ اگر مجھے غلطی نہیں لگتی تو یہ تصویر انھوں نے کبھی زمانہ میں ادیب میں بھی شائع کی تھی۔ اب میں نے یہ نہیں پوچھا کہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوئی۔ امکان ہے کہ اس زمانے میں انھوں نے اسے حبیب گنج سے لیا ہو۔

میرے مضمون سے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر بہت لطف آیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ لوگ کیسے دھوکے میں آ گئے۔ شروع میں مجھے خیال ہوا تھا کہ عنوان میں "سرِ دلبراں بحدیثِ دیگراں" کردوں لیکن بعد میں سوچا کہ ایسی بھی کیا بات ہے بھلا کون مانے گا کہ آج ان کا کوئی معاصر موجود ہے۔ البتہ جن اہلِ نظر کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ان کا نام ضرور لکھیے گا۔ تاکید ہے۔

میں آج کل دو تین چیزیں لکھ رہا ہوں۔ ایک تو یہی تلامذۂ غالب کا تذکرہ ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ دُوسرے حمورابی سے متعلق ایک کتاب زیرِ ترتیب ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ حمورابی حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے عراق (بابل) کا بادشاہ گزرا ہے اور اس کے آئین و قوانین بہت مشہور رہیں۔ اس کے علاوہ افلاطون

کی تمام تحریروں کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ ہاں یاد آیا، مدت ہوئی انجمن ترقی اردو نے مکالمات افلاطون کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی تھی اگر وہاں علی گڑھ میں کسی کتب فروش کے ہاں سے اس کا ایک نسخہ دستیاب ہو سکے تو ضرور بھجوا دیجیے شکریہ۔

صاحب ہمیں غالب نمبر کی کتابت سے متعلق بہت شکایت ہے۔ بلا مبالغہ اگر غلط نامہ چھاپا جائے تو ایک اور خاص نمبر مرتب ہو جاتا ہے۔ غالباً آپ ریکارڈ قائم کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال آپ کی محنت کی داد نہ دینا بھی ظلم ہے۔ غالب کے متعلق اتنے اچھے مضمون کہیں ایک جگہ شائع نہیں ہوئے اور یہ نمبر غالب کے ماخذ میں گنا جائے گا۔

جواب طلب باتوں کا جواب چاہتا ہوں۔ والسلام والاکرام

خاکسار : مالک رام، اسکندریہ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء

جناب عبدالصمد خاں صاحب قبلہ کی ذرہ نوازی ہے کہ وہ اس ننگ خلائق کی تعریف کرتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ آپ کا اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اگر ملاقات ہو تو میری طرف سے سلام شوق پہنچا دیں۔ والسلام۔

یہ خط پرسوں سے لکھا پڑا ہے۔ آج ڈاک میں بھیجنے والا تھا کہ دو باتیں یاد آگئیں۔ اوّل۔ تقبل والے مضمون کی نقل نہ بھیجیے۔ کل پرانے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا کہ ان میں میرے مضمون کا خاکہ مل گیا۔ دوسرے فلسفۂ کلام غالب اس فہرست میں نہیں جو میں نے اقبال بک ڈپو سے طلب کی ہیں۔ اس لیے اس کا ایک نسخہ خود بھیج دیں یا انھیں کو لکھ دیں کہ دوسری کتابوں کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ لیکن دوسرا مضمون (نگار ۱۹۲۷ء) ضرور بھیجیے اور براہِ کرم جلد۔

(۷)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

حضرۃ الکرم!

آج حسب الحکم کتب خانہ میں گیا تھا۔ حماسہ البصریہ نکلوا کر دیکھی۔ وہاں دو ایک گھنٹے کی ورق گردانی میں جو یادداشتیں لکھی تھیں۔ وہی کاغذ بجنسہٖ بھیج رہا ہوں۔ شروع میں جو تمہید ہے وہ پوری کی پوری نقل کر لی گئی ہے اور بقیہ سے متعلق مختصر اشارات ہیں اگر اور کچھ درکار ہو تو تحریر فرمائیں مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں نے آپ کو اتنے خط لکھے اور کسی میں بھی رشکی کا ذکر نہیں کیا۔ یقیناً آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ شیفتہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور غالب ہی کے شاگرد تھے۔ میں شیفتہ اور نواب محمد اسحاق سے متعلق پوچھتا رہا ہوں لیکن ہر بار بھول جاتا تھا حالانکہ رشکی سے متعلق بھی وہی معلومات درکار ہیں۔ یعنی ان کا سنِ پیدائش و وفات، بقیدِ تاریخ ماہ و سال عام حالات، اولاد، تصویر۔ امید ہے آپ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب قبلہ سے معلوم کر کے لکھیں گے۔ اگر آپ کے خیال میں میرا انھیں براہِ راست لکھنا مفید ہو سکتا ہو تو ان کا پتہ تحریر فرمائیں۔ میں خود انھیں لکھوں گا۔

کسی زمانے میں مولانا حسرت موہانی نے شعرا کے کلام کا انتخاب شائع کیا تھا۔ اس کا دسواں یا گیارھواں حصہ

سلسلہ غالب سے مخصوص تھا یعنی اس میں غالب اور ان کے بعض مشہور شاگردوں کا کلام تھا اس سلسلے کا نام انتخاب سخن تھا۔ یہ خاص جلد جو غالب اور اس کے شاگردوں سے متعلق ہے مجھے چاہیے۔ قیمتاً مل سکیں تو سب سے بہتر ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی سے مہینے ایک کے لیے مستعار لیجیے اور اگر کوئی صاحب مستعار دینے پر تیار نہ ہوں اور آپ کو معلوم ہو کہ کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے تو وہاں سے سرقہ کر کے بھیج دیجیے۔ بہرحال مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔

اس سے پچھلے خط میں بعض جواب طلب باتیں تھیں۔ اُمید ہے سب کا جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔

قبیلے والے مضمون سے متعلق پہلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن غالب نمبر سے معلوم ہوا کہ خود آپ نے بھی اس موضوع پر کچھ لکھا تھا اس کی نقل چاہتا ہوں یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو مختصراً لکھ دیجیے کہ یہ کیا تھا۔ البتہ ۱۹۲۶ء والے نگار میں شائع شدہ مضمون کی نقل ضرور درکار ہے۔ خدارا ذرا چستی سے کام لیں۔ زیادہ آداب۔

آپ کے بہار میں (غالباً پٹنہ میں) میری طالب علمی کے زمانے میں غالب کے کسی شاگرد کا دیوان چھپا تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں کا کلام تھا۔ اب نام ٹھیک طور پر یاد نہیں رہا۔ ممکن ہے کہ سخن ہوں۔ اگر اردو میں ۱۹۲۴ تا ۱۹۳۰ کے تبصروں کا کالم دیکھیں تو وہاں اس پر تبصرہ موجود ہے۔ کیا آپ یہ دیوان مہیا کر سکتے ہیں؟

خاکسار: مالک رام، ۸ جنوری ۱۹۵۰ء

―(۸)―

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

گرامی قدر جناب آرزو کی خدمت میں سلام نیاز قبول ہو۔

آپ کا ۱۹-۱۰ء والا پوسٹ کارڈ دو تین دن سے مل چکا ہے۔ میں اس خیال میں رہا کہ آپ کا ۱۳-۱۰ کا تفصیلی گرامی نامہ ملے تو ایک ساتھ جواب دوں لیکن وہ آج تک موصول نہیں ہوا۔ خدا معلوم کیا بات ہوئی۔ آپ کے لفظ تفصیلی سے وحشت ہو رہی ہے کیونکہ یقیناً اس میں ضروری باتیں ہوں گی۔ کتابیں تو لازماً عام بحری ڈاک سے بھیجی گئی ہوں گی اس لیے وہ تو ایک مہینے سے پہلے ملنے کی نہیں لیکن خط پر اتنے دن کیوں گزر رہے۔

حاصل البصر کے چار پانچ صفحوں کا عکس لے لیا جائے کا مطلب رہیں۔ غالباً یہ تو میں لکھ ہی چکا ہوں (اور یقیناً فہرست میں بھی اس کا ذکر ہوگا) کہ کتاب آخر سے ناقص ہے اور میں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ صفحہ اوّل پر سوائے کتاب کے نام کے اور کچھ نہیں۔ نہ تحریر نہ مُہر۔ اس صورت میں پہلے صفحے کا عکس کچھ ایسا سود مند نظر نہیں آتا۔

ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے اگر آپ چاہیں تو پوری کتاب کو ہاتھ سے نقل کروایا جا سکتا ہے۔ یہ کام بہت سستے داموں ہو سکتا ہے اور اس طرح آپ تصحیح اور مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ نقل کرنے والا کہیں غلطیاں نہ کرے۔ بہرحال اپنی رائے سے مطلع فرمائیں اور جلد۔

الحمد للہ کہ ذکر غالب کا کام ختم ہوگیا۔ اخلاق و عادات کا باب بھی لکھ دیا ہے۔ کتاب کے سو صفحے کے لگ بھگ ہوگا۔ گویا یہ ایڈیشن ڈھائی سو صفحے کے قریب ہوگا۔ اب آپ کے مضمون کا کام کروں گا انشا اللہ۔

آثر غالب کے حواشی سے متعلق میں نے چند سطریں قلم برداشتہ لکھی ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو قاضی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں لکھ بھیجیں۔ لیکن یہ اُس صورت میں کیجیے گا کہ آپ انھیں مفید خیال کریں۔ مُلا عبدالصمد سے متعلق تو بطیر کر لکھوں گا۔ وہ تو میں غالب نمبر میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ رامپور والا مضمون' اس میں شبہ نہیں کہ مکاتیب پر مبنی ہوگا لیکن عرشی صاحب کی تکرار نہیں ہوگی بلکہ میرا نظریہ ہی دُوسرا ہے۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میرزا کے تعلقات نواب کلب علی خاں سے بہت خراب تھے اور وہ بھی ان سے بہت ناراض تھے (عرشی صاحب بھلا ایسی بات کیسے لکھ سکتے ہیں)

مکاتیب کا نیا ایڈیشن شائع نہیں ہو رہا ہے۔ عرشی صاحب نے لکھا ہے کہ پچھلے ایڈیشن ہی کے دو ہزار فرمے زیادہ نکلوا لیے تھے وُہی اب جلد بندھوا کر بازار میں آ رہے ہیں۔ پچھلے ایڈیشن (دوم) کا ایک نسخہ اُنھوں نے ہدیۃً مجھے بھیجا تھا۔ وُہی میرے پاس ہے۔ ہائے کیسی بُری چھپائی ہے اور کاغذ تو اب کیا کہوں کہ کس بلا کے لائق ہے۔

آپ نے غالب نمبر سے متعلق میری رائے پُوچھی ہے۔ کیا آپ کو اپنے آپ پر اعتبار نہیں یا اپنے پڑھنے والوں کی ذہانت اور انصاف سے متعلق کچھ شبہ ہے۔ اس کی کس کس بات کی تعریف کی جائے۔ مضامین کی فراہمی میں آپ کی محنت' مضامین کا بلند معیار۔ نوادر' آثرِ غالب کا قابلِ قدر اور مفید اضافہ' غالب کی تحریروں کے عکس اور ان کی تصاویر' غرض؛

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست!

یہ تو رہا مجموعی پہلو۔ البتہ اگر الگ الگ مضمونوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں بعض مقامات پر کچھ نہ کچھ کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مثلاً قبلہ قاضی عبدالودود صاحب کا مضمون عبدالصمد سے متعلق ہے۔ مجھے ان کے استدلال اور نتیجے دونوں سے اختلاف ہے۔ پھر ان کا دُوسرا مضمون "غالب بحیثیت محقق" ہے۔ اس سے غالب "محقق" ثابت ہو نہ ہو' خود قاضی صاحب مدظلہٗ ایک بلند پایہ محقق ضرور ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں سوچنے کی یہ بات ہے کہ آج تحقیق و تفتیش اور بحث کے لیے جو کتابیں ——— قلمی اور مطبوعہ ——— اور دُوسرے ذرائع ہمارے پاس موجود ہیں کیا ان تک غالب کی دسترس بھی ہو سکتی تھی یا نہیں۔ بھول چوک ہر ایک سے ہو جاتی ہے اور میرزا بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس جامد اور تقلیدی ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی اور جو وسائل انھیں مہیا تھے' ان کے پیشِ نظر وہ کہاں تک کامیاب رہے۔

اسی طرح نوادر اور آثر میں اضافے ہو سکتے ہیں۔ دکن کے ایک علمی خاندان میں وہ خطوط ہیں جو غالب نے مولوی حبیب اللہ خان ذکا کے نام لکھے تھے بلکہ اسی مجموعے میں خود ذکا کے جوابات بھی ہیں۔ ان خطوط میں سے کتنے ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر' آپ تمام اہلِ نظر کی دلی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اس موضوع پر اتنے مفید اور بلند پایہ مضامین یکجا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اسے کاش کہ جس درجے کے مضمون اور ترتیب تھی اسی درجے کی کتابت اور تصحیح بھی ہوتی۔ لیکن غالباً اس طرف آپ نے توجہ اس لیے نہیں دی کہ یوں ہوتا تو پھر یہ نمبر بے عیب ہو جاتا اور اس صورت میں اسے نظر لگ جانے کا اندیشہ تھا۔

(غالب نمبر پر میری رائے۔ سچ یہ ہے کہ میری رائے کی آپ کو ضرورت نہیں۔ آپ ذکرِ غالب کو ایک دفعہ غور سے پڑھیں اور پھر غالب نمبر کے بعض مضمون دیکھیں تو آپ کو میری رائے معلوم ہو جائے گی۔ تاہم ایک علیحدہ کاغذ پر چند سطریں لکھ دی ہیں) تصویر پرسوں بھیجی گئی ہے۔ خدا کرے آپ مایوس نہ ہوں۔ اب عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ اپنی تصویر بھجوا دیجیے۔

والسلام والاکرام۔

خاکسار، مالک رام، اسکندریہ۔ ۲۴ مارچ ۵۰ء

—(۹)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

گرامی عزیز۔

آپ کا ۵ مئی کا پوسٹ کارڈ اسکندریہ میں مل گیا تھا لیکن چونکہ آخری پندرہ دن بہت مشغولیت رہی اس لیے اس کا جواب وہاں سے نہ بھیجا جا سکا۔ میں ۳ جون کی سہ پہر کو جہاز پر سوار ہوا اور قبرص سے ہوتا ہوا بیروت پہنچا۔ بیروت میں صرف ایک دن قیام کا خیال تھا لیکن بعض دوستوں کے اصرار پر دو دن ٹھیر گیا۔ پرسوں ۷ جون کو موٹر سے دمشق آیا اور اسی دن سہ پہر کو بس کے ذریعے یہاں چلا آیا۔ بس ۱۴۔۱۵ گھنٹے میں یہاں پہنچتی ہے۔ کل صبح آٹھ بجے یہاں پہنچا۔ بس اچھی فراخ اور آرام دہ ہے لیکن سڑک بہت خستہ اور ٹوٹی پھوٹی ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جس پر کسی زمانہ میں کارواں مشرق سے مغرب جایا کرتے تھے۔ چونکہ دن میں گرمی ناقابلِ برداشت ہے اس لیے کارواں کی طرح بس بھی رات ہی کو چلتی ہے۔

آپ کا مضمون مہینے بھر سے تیار پڑا ہے۔ ہوا یوں کہ اسکندریہ سے ایک دوست ہوائی جہاز سے بمبئی جانے والے تھے میں نے سوچا کہ ان کے ہاتھ مضمون بھیج دوں گا۔ وہ بمبئی سے ڈاک میں آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ اس لیے پڑا رہا۔ بوجوہ ان کا سفر ملتوی ہوتا گیا اور اب میں اسے اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔ لیکن اب یہ مشکل آپڑی ہے کہ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عنقریب اپنے گاؤں میں جانے والے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ مضمون کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے فرمائیں کہ کس پتے پر اسے بھیجوں کہ حفاظت سے آپ تک پہنچ جائے۔ مضمون اچھا خاصا لمبا ہو گیا ہے اور ہوائی ڈاک سے بھیجنا مشکل ہے۔ یونہی اتنا خرچ اٹھ جائے گا۔ عام بحری ڈاک میں تین چار ہفتے تو لگ ہی جائیں گے۔ اس وقفے کو خیال میں رکھتے ہوئے مطلع فرمائیں۔

ڈاکٹر ابواللیث کی کتاب لکھنؤ کا دبستانِ شاعری مجھے نہیں ملی تھی۔ اب میری غیر حاضری میں پہنچے گی۔ بہرحال تشویش کی کوئی بات نہیں۔ بیوی بچے ابھی وہیں اسکندریہ میں ہیں — وہ غالباً جولائی کے آخر تک وہیں رہیں گے۔ وہ ساتھ لیتے آئیں گے

اُمید ہے حماسۃ البصریہ کے عکس اب تک مل گئے ہوں گے۔

اب رہا مصر میں آپ کا بطور طالب علم آنا۔ چونکہ میں یہاں آگیا ہوں اس لیے مزید معلومات مہیا کرنا محال ہے۔ بہرحال میں ایک دوست کو قاہرہ کے سفارت خانے میں لکھ رہا ہوں۔ ان کا جواب آنے پر پھر لکھوں گا۔ آپ کا خیال درست ہے کہ میرا تعلق سفارت خانے سے ہے لیکن اس کے تجارتی شعبے سے (نہیں) اسی لیے ہمارا دفتر اسکندریہ میں تھا۔ اب اسی شعبے کے مدیر کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کہاں ذوق و غالب اور کہاں چائے اور پٹ سن کی تجارت بہرحال شاید با یدزیستن ناشاد باید زیستن۔

آپ یوں کیوں نہیں کرتے کہ حضرت العلامہ میمنی سے ایک خط فیضی صاحب کے نام لکھوائیں۔ میرے خیال میں یہ مُفید رہے گا۔ میں بھی انشاءاللہ کوشش کروں گا۔

اگر یہاں عراق میں، میں کوئی خدمت بجا لا سکوں تو لکھنے میں تامل نہ کریں۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، بغداد۔ ۹ رجون ۵۰ء

(۱۰)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

کرم فرمائے من!

یہ آپ کا دُوسرا خط ہے جس پر آپ نے اپنا نام نہیں لکھا جس سے آپ کی بدحواسی ظاہر ہے۔

حماسۃ البصریہ کے عکس سے متعلق یہ گزارش ہے کہ ترکی میں ہماری سفارت میں آج کل لحق صحافی میاں انور جمال قدوائی لگے ہوتے ہیں۔ جناب قبلہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مدظلہٗ انھیں جانتے ہیں۔ انور جمال صاحب کے بہنوئی وراثت احمد قدوائی یہاں ہمارے پاس بغداد میں لحق صحافت ہیں۔ انور جمال سے میری ذاتی ملاقات نہیں لیکن میں نے آپ کا پہلا خط ملنے پر ان کی ہمشیرہ یعنی وراثت صاحب کی بیگم صاحبہ سے ذکر کیا تھا اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ انور جمال مطلوبہ رقم وہاں استانبول میں ادا کر دیں اور آپ اُس کے برابر رقم ہندوستانی سکّے میں ان کے اعزّہ کو ہندوستان میں پہنچا دیں۔ وہ فرمانے لگیں کہ ہاں یہ انتظام معقول اور قابلِ عمل ہے۔ آپ کو جو کچھ میں نے لکھا تھا، وہ اسی گفتگو کی بنا پر تھا۔ اب اتنے دن کی خاموشی کے بعد آپ نے تفصیلات طلب کی ہیں۔ وہ تو لکھ چکا ہوں۔ آپ قبلہ ذاکر صاحب سے استصواب کریں کہ انھیں اس میں کچھ عذر تو نہیں۔ اتنی سی بات پھر اب میں انھیں کیا زحمت دوں۔ آپ خود ہی ان سے دریافت کر سکتے ہیں۔

اگر وہ اس انتظام سے متفق ہوں تو فوراً لکھیے کہ کتاب کہاں ہے اور آپ نے آج تک اس کے عکس لینے سے متعلق کیا کچھ کیا ہے؟ انور جمال صاحب کس کو رقم ادا کریں گے؟ ان تفصیلات کے موصول ہونے پر میں انور جمال صاحب کو یہاں سے خط لکھوا دوں گا۔ وہ اگرچہ انقرہ سفارت سے متعلق ہیں لیکن ان کا دفتر استانبول میں ہے۔

قبلہ ذاکر حسین خاں مدظلہٗ کی خدمت میں میرا سلام نیاز پہنچا دیجیے۔ یہ ان کا کرم ہے کہ وہ مجھے بھولے نہیں۔ جن

دنوں دہلی فرودباغ میں میرا قیام تھا تو چند مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ اللہ اللہ اس بات پر بھی ۱۳۔۱۴ برس کی مدت گزر گئی۔ وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔

ذکرِ غالب اس خط کے پہنچنے تک مطبع سے چھپ کر آ چکا ہوگا۔ انشاءاللہ۔ میں نے قبلہ حامد صاحب کو ان احباب کی فہرست بھیجی ہے جن کے نام کتاب ہدیۃً بھیجنے کا ارادہ ہے۔ ان میں ذاکر صاحب اور آپ کا نام بھی ہے۔ آپ کو دو نسخے ملیں گے۔ دوسرا نسخہ جناب عبدالوحید خاں صاحب کے لیئے ہے۔ خدا کرے یہ اصحاب نظر کو پسند آ جائے۔ آمین۔

میں نے اسلام اور عورت کے موضوع پر ایک بسیط مقالہ لکھا تھا۔ اس پر دس بارہ برس گزر گئے ہیں۔ اس کا آخری باب جس میں احکامِ اسلام کا موازنہ دوسری شریعتوں سے کیا گیا تھا۔ نگار کے اکتوبر، نومبر اور دسمبر ۱۹۴۵ء کے تین پرچوں میں چھپ چکا ہے۔ اس سے پہلے کے پانچ ابواب میں اسلامی تعلیم پوری تفصیل سے دی تھی۔ یہی مسودہ اشاعت کے لیے نیاز صاحب کے پاس بھیجا تھا۔ وہ انھوں نے کہیں کھو دیا ہے۔ اب اسے دوسری مرتبہ لکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ میری تحریرات خاص طور پر حوادث کا شکار ہوئی ہیں۔ ذکرِ غالب پر یہی اُفتاد پڑی۔ اب اسلام اور عورت کا بھی یہی حشر ہوا۔ یا اب اس سے ہاتھ اُٹھا لوں اور صبر شکر کر کے بیٹھ رہوں یا پھر سے اسے لکھوں۔ میری مشغولیتیں کچھ ایسی ہیں کہ اسے دوبارہ لکھنا بہت مشکل ہوگا۔ لکھنے والے کو اپنی ہر ایک چیز بہت پسند ہوتی ہے اور وہ اسے بہترین تصور کرتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ مقالہ اچھا خاصا قابلِ قدر تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

میں سوچ رہا ہوں کہ "تلامذۂ غالب" کو سلسلہ وار آج کل میں چھپوا دوں۔ اس کے بعد اسے غالب سے متعلق اپنے دوسرے مضامین کے ساتھ شامل کر کے کتابی صورت میں شائع کر دوں۔ اُمید ہے آپ اس تجویز پر صاد کر سکیں گے۔

حبیب منزل میں یہ عبدالحئی صاحب کون ہیں جن کا نام آپ نے لکھا ہے کہ مجھے یاد کر رہے تھے۔ کہیں بدحواسی میں آپ عبدالوحید خان صاحب کو تو عبدالحئی نہیں لکھ گئے؟ میں نے قبلہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کی وفات پر ایک تعزیت کا خط انھیں لکھا تھا اور دوسرا جناب خان بہادر محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب قبلہ کی خدمت میں۔ خدا معلوم انھیں موصول ہوئے یا نہیں۔

ہاں میں آپ کا شکریہ ادا کرنا بھول گیا۔ اسکندریہ سے بیوی بچے پہنچ چکے ہیں۔ بیوی نے آپ کا مُرسلہ نسخہ کتاب "لکھنؤ کا دبستان شاعری" دیا۔ زحمت کے لیئے ممنون ہوں۔ لیکن آپ نے یہ کیا مذاق شروع کر رکھا ہے کہ میں جس کتاب کے لیے آپ کو لکھتا ہوں آپ اس پر "مِن مخدوم اور بزرگ" کا نام لکھ کر ڈاک میں ڈال دیتے ہیں۔ آپ کی یہ روش مجھے آئندہ آپ کو زحمت دینے میں مانع ہوگی۔ اور پھر یہ بزرگ کی بھی ایک ہی رہی۔ خدا معلوم آپ نے اپنے ذہن میں میری کیا عمر خیال کر رکھی ہے۔ یہ تو مجھے یقین ہے کہ اب میں "ابھی تو میں جوان ہوں" کے مرحلے سے گزر چکا ہوں لیکن حاشا و کلا میں کسی کا بزرگ کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔ دو ایک برس کی زیادتی یہ حق نہیں دے دیتی۔

معارف کے آخری پرچے میں نواب چھتاری صاحب کی خود نوشت سوانح عمری یادِ ایام پر تبصرہ نظر سے گزرا۔ اگر ممکن ہو تو کسی کتب فروش سے بھجوا دیں۔

ایک اور بات یاد آگئی۔ مدت ہوئی "ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد" نے "یادگار شعرا" (ڈاکٹر اسپرنگر) اور "دو نایاب بیاضیں اور ان کا انتخاب" (عبدالباری آسی الانی) شائع کیے تھے۔ میں نے الہ آباد لکھا، صدائے گنا مشت پھر لکھا اور ڈھاک کے تین پات۔ احسان ہو گا اگر ڈاکٹر صدیقی صاحب کو لکھ کے یہ دونوں کتابیں خود منگوائیں اور پھر یہاں مجھے بھیج دیں۔ خریدار رہوں، تحفہ نہیں چاہتا۔ یہ تینوں کتابیں ضرور بھجوانے کی کوشش فرمائیے گا اور جلد۔

آپ نے آج تک مطلع نہیں فرمایا کہ اسکندریہ سے الکتاب کے جو پارسل بھجوائے گئے تھے وہ آپ کو موصول ہوئے یا نہیں۔

کہیئے غالب نمبر کے مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا کوئی ڈول بنایا نہیں ؟

زیادہ کیا لکھوں۔ قلم میں روشنائی ختم ہو گئی ہے۔ اسے جھٹکتے جھٹکتے دائیں بازو میں درد ہونے لگا ہے۔ خط کا جواب جلد دیجیے گا تو مزید احسان ہو گا۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، بغداد۔ ۱۷ نومبر ۵۰ء

—(۱۱)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

حضرت قبلہ!

۱۵ نومبر کے پوسٹ کارڈ کا شکریہ۔ اس سے پہلے کارڈ کا جواب ۲۶ نومبر کو اسی تفصیل سے دیا گیا ہے جس کا یہ مستحق تھا۔ اس کے بعد ایک مختصر خط گزشتہ ہفتے ۳ دسمبر کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اب اس تازہ گرامی نامے کا جواب لکھ رہا ہوں۔

جہاں تک ترکی والے نسخے کا تعلق ہے اس سے متعلق پوری معلومات لکھ ہی چکا ہوں۔ اس لیے ان کا دہرانا بے کار ہے۔ یہ خط لازماً اب تک مل چکا ہوگا۔ اگر آپ میرے لائق کوئی خدمت لگائیں گے تو مجھے اس کی تعمیل میں دریغ نہیں ہوگا۔

جہاں تک عاشر آفندی اور عاطف آفندی کے کتب خانوں سے عکس لینے کا سوال ہے، مجھے یہ کام بنتا نظر نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ جو کچھ میں نے جمال میاں سے متعلق سنا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُفقی قسم کے انسان ہیں یعنی کوئی چستی اور سرگرمی کا کام ان سے نہیں ہونے کا۔ وہ تو پکی پکائی پر یاحسین کہنے والے ہیں۔ حماسۃ البصریہ کے عکس کے سلسلہ میں اگر وہ دام وہاں دے دیں اور یہ چیز آپ تک پہنچ جائے تو یہی غنیمت ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جب تک انسان خود کسی کام میں دلچسپی نہ لے وہ سرانجام نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لیے ضرورت ہے شوق اور محبت کی۔ شوق

کام ہے اور محبت اس شخص سے جس کا یہ کام ہے۔

میں آپ کی بات کچھ سمجھا نہیں۔ اسکندریہ والے نسخے کے حواشی بہت مفید ہیں۔ درست! لیکن آپ لکھتے ہیں "بہرکیف کوشش کیجیے شاید کوئی شکل نکل آئے۔" کوشش کس بات کی؟ پورے نسخے کے عکس لینے کی یا کیا؟ آپ تفصیل سے ارشاد فرمائیں، تو میں کسی کو کچھ لکھوں۔ جہاں تک میرا حافظہ کام دیتا ہے کوئی ۳۰۰، ۴۰۰ صفحوں پر یہ حواشی تھے کسی پر زیادہ کسی پر کم۔ ان میں سے زیادہ طور پر لغات کے معانی سے متعلق تھے یا اگر کسی جگہ مرتب نے کوئی شعر چھوڑ دیا ہے تو حاشیہ لکھنے والے نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

اردو ادب کا پہلا شمارہ موصول ہوا شکریہ۔ اس کی اطلاع میں پچھلے خط میں بھی دے چکا ہوں۔ جناب خیر بہوروی صاحب نے دریافت کیا ہے کہ کیا یہ پرچہ موصول ہو گیا ہے۔ اگرچہ آپ بھی ان کو اطلاع تو دے سکتے ہیں لیکن چونکہ انھوں نے خاص طور پر لکھنے کی زحمت فرمائی ہے اس لیے خاموش رہنا بدتمیزی ہوگی۔ انھیں بھی ایک مختصر خط آج ہی لکھ رہا ہوں۔ آپ سے وہ ملیں تو میرا شکریہ پہنچا دیں۔ کیا آپ نے میری طرف سے چندہ (ادا) کر دیا ہے یا نہیں۔ اب میں نے آپ کے کتنے روپے دینا ہیں؟

میں اپنے مضمون "تلامذہ غالب" کی اردو ادب میں اشاعت سے متعلق لکھ چکا ہوں۔ آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔

خیر بہوروی صاحب کے نام سے ایک اور بات یاد آگئی۔ انھوں نے غالب کے کتابیہ کے سلسلے میں میرے ذکر غالب کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس خط میں میری کتاب کا ذکر ہے وہ مئی کے نگار میں چھپی تھی۔ یہ پرچہ کہیں نیچے اوپر ہو گیا ہے اور اس وقت نہیں مل سکا لیکن یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے پہلے لکھا کہ "اس کتاب کی صرف یہ خوبی ہے کہ آج تک جتنی تحقیق غالب پر ہو چکی ہے یہ اس کا نچوڑ ہے۔" اس کے معاً بعد فرماتے ہیں "کہیں کہیں مالک رام نے اپنی تحقیق کے نتائج بھی قلم بند کیے ہیں۔" اگر کتاب کی خوبی صرف وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی تو میری تحقیق اور نئی معلومات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر اس میں کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں جو اور کہیں نہیں ملتیں تو یہ حرف غلط تھا۔ یہ میں نے یونہی لکھ دیا کہ ان کے نام سے یاد آگیا۔ ورنہ نہ شکایت ہے اور نہ انھیں کہنے کی ضرورت ہے۔ کتاب: سو مختصر، مصنف: سو گم نام کوئی اس کی تعریف کرے تو بھلا کیوں۔

میں نے پچھلے خطوں میں بعض باتوں سے متعلق دریافت کیا ہے۔ اگر ہو سکے تو ان کا جواب دے دیجیے گا۔ پھر سے لکھے دیتا ہوں۔

(۱) بہارِ سخن تذکرہ مستعار بھجوا دیجیے گا (۲) تلامذۂ غالب سے متعلق سرور صاحب سے دریافت کیجیے گا۔ (۳) پروفیسر حمید احمد خاں کا پتہ درکار ہے (۴) قاضی عبدالودود اور جناب ریاض حسن خاں خیالؔ کا پتہ درکار ہے (۵) نئی بات۔ آپ نے پارسال یعنی ۱۹۴۸ء کے میگزین میں اشعار میرؔ پر تبصرہ کرتے ہوئے نساخ کی ایک چیز گلشن تاریخ کا

ذکر کیا تھا (نام ممکن ہے غلط لکھ رہا ہوں) جس میں مشاہیر کی تاریخ ہائے وفات ہیں۔ یہ نسخۂ مستعار بھیج دیجیے (۶) ایک اور نئی بات۔ آپ نے کسی خط میں سیاح کی سیر سیاح کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ آپ کے پاس اس کے دو نسخے ہیں۔ یہ دُوسرا نسخہ آپ رکھ کے کیا کریں گے؟ (۷) حالی نے نواب محمد علی خان دشتی (تلمیذ غالب) کی وفات پر قطعہ تاریخ کہا تھا۔ کیا کہیں سے تلاش کر کے یہ قطعہ مہیا کر سکتے ہیں؟

اچھا اب رخصت چاہتا ہوں۔ ڈاک کا تھیلا بند ہونے والا ہے۔ یوں بھی کاغذ بھر گیا ورنہ اور ہرزہ سرائی کرتا۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، بغداد۔ ۱۰ دسمبر ۵۰ء

—(۱۲)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرم بندہ! ابھی ابھی آپ کا ۱۵ ماہ حال کا نوازش نامہ باعث مسرت ہوا۔ آج چونکہ سرکاری تعطیل کا دن ہے اس لیے یہ چند سطور فوری طور پر لکھ کر بھیج رہا ہوں۔

حمامہ کے عکس سے متعلق میں نے یونس صاحب سے پھر گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اصولاً حکومت ترکیہ نے یہ ہدیۂ مفت دینے کا وعدہ کیا ہے اور انھوں نے ہمارے سفارت خانہ کو اس کی اطلاع بھی دے دی ہے۔ اب وہ کب اس پر عمل کریں گے یہ علّامُ الغیوب ہی بہتر جانتے ہیں۔ حکومتوں کے کام آپ جانتے ہی ہیں۔ سُرخ فیتہ کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ اب کہ ڈاکٹر صاحب نے وزارت خارجیہ کو دہلی میں اور سفارت خانے کو انقرہ میں لکھ دیا ہے۔ یہاں سے مزید لکھوانا بے کار ہے۔

لیکن میں خود کچھ ایسا پُر اُمید نہیں ہوں۔ یہ کام ہونے کا نہیں۔ خدا ہی آپ کی مدد کرے۔ یہ سب باتیں ذاتی دوڑ دھوپ اور اثر و رسوخ سے ہوا کرتی ہیں۔ یونس صاحب اگر وہاں رہتے تو شاید وہ کروا لیتے کیونکہ وہ نہایت سرگرم اور عملی قسم کے انسان ہیں۔ اب جو لوگ وہاں ہیں وہ بس کرسی پہ بیٹھے خط و کتابت کرنے والے ہیں۔ اس پر معاملہ ہے ایک مشرقی حکومت کے ساتھ، جہاں وقت کی کوئی قدر ہی نہیں۔ آپ تھوڑے دنوں کے بعد ڈاکٹر صاحب سے ایک اور خط لکھنے کی درخواست کریں۔ شاید کچھ ہو سکے۔

اسلام اور عورت کا مسودہ پھر سے تیار کرنے کا عزم کیا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ حدیث کی تمام کتابیں اور اشارات کا مجموعہ وہاں اسکندریہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ خیال تھا کہ اب اس نوع کا کوئی کام نہیں کروں گا۔ اور ڈیڑھ دو سو کتابیں ایک صندوق میں بند کر کے اسے ایک دوست کے مکان پہ رکھوا دیا تھا۔ یہاں بغداد میں پھوٹی بجا تک نہیں ملتی۔ نام بڑا اور درشن چھوٹے۔ اگر آپ یہاں آئیں تو یقیناً بہت مایوس ہوں۔ یہاں سے ایک ڈھنگ کا پرچہ نہیں نکلتا۔ سب مصری اخبار اور پرچے یہاں بکتے ہیں گو ہی بھجوا سکتا ہوں۔

آپ نے استاذ احمد محمد شاکر صاحب کا نام لکھا ہے۔ یہ تو قاہرہ کے رہنے والے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اگر جوالیقی کی کتاب چھاپی ہوگی تو یہ وہیں قاہرہ سے ملتی ہوگی۔ یہاں کہاں۔ یا ممکن ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔ بہرحال ذرا اور تفصیل سے لکھیے۔

یادگار شعرا (اسپرنگر) اور دو دیباچیں۔ اُردو اکیڈیمی الہ آباد نے شائع کی تھیں۔ میں نے ہندوستانی میں اس کا اشتہار دیکھا تھا۔ اب کہ اکیڈیمی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ان کا اسٹاک نہ معلوم کس جگہ ہے ضرور کوشش کر کے پیدا کر دیجیے۔

میں نے لکھا تھا کہ وہاں لائبریری سے بہار سخن (یا بہارستان سخن) جس میں ہندو شعرا کے حالات ہیں مستعار لے کر بھیج دیجیے۔ آپ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے تذکرہ (مولوی محمد اسماعیل پانی پتی) چاہیے جس میں مولانا حالی مرحوم کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کی سوا ڈیڑھ سو صفحے کی ہے۔ وہاں لائبریری میں ضرور ہوگی۔ پھر میں نے کہا تھا کہ رنگین کی وفات پر حالی نے جو قطعہ وفات لکھا تھا۔ وہ تلاش کر کے بھجوائیے۔

ناسخ نے جو مشاہیر کی وفات پہ تاریخیں کہی ہیں اور ان کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس کا کیا نام تھا؟ آپ نے اشعار میر کے تبصرے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب تو آپ کے پاس ہوگی۔ اس کے بھجوانے میں کیا امر مانع ہے؟ آپ نے پارسال یا اس سال ہی شاید کسی خط میں لکھا تھا کہ سہ تیلی کے دو نسخے آپ کے پاس ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ دوسرا نسخہ آپ کیا کریں گے؟

یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے خط غور سے پڑھتے نہیں اور پھر جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو پوسٹ کارڈ ہاتھ میں لے بیٹھتے ہیں۔ اب آپ کی خفی نویسی کے باوجود اس بچارے کا دامن محدود۔ وہ کب تک ساتھ دے سکتا ہے

جمہور کا ایک آدھ پرچہ میں نے دیکھا ہے۔ اس کے لیے میں مضمون نہیں لکھ سکوں گا۔ معافی چاہتا ہوں۔ پہلے تو میرے لیے مضمون لکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ عام مشغولیتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم و ادب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر انسان اگر محنت کرے بھی تو کسی معقول چیز کے لیے۔ جمہور کہاں کا علمی گڑھ کا میگزین ہے۔ ہاں اگر آپ اپنا نمبر نکالیں تو وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن وہ بھی مارچ اپریل تک۔ آپ بھی دسمبر ۱۹۵۱ء سے پہلے تو شائع کرنے سے رہے۔

ذکر غالب کا خود مجھے بھی انتظار ہے۔ نہیں صاحب خیال کا نسخہ میں قاضی صاحب کی وساطت سے نہیں بھیج سکتا۔ یہ مجھے براہ راست بھیجنا چاہیے۔ یہ کیا بدتمیزی ہے کہ میں ان کی خدمت میں ایک اور صاحب کے ذریعے ہدیہ بھیجوں۔ آپ مہربانی فرما کے ان کا پتہ معلوم کر دیجیے گا۔

قاضی صاحب کو کتاب بھجوا دوں گا لیکن آپ کا لکھا ہوا اپنا کچھ ٹھیک پڑھا نہیں گیا۔ انگریزی میں لکھیے۔

تلامذۂ غالب کا مسودہ تیار کرنے میں کچھ دن لگیں گے۔ یوں مضمون تیار ہے لیکن بہت ابتدائی حالت میں۔ سرور صاحب سے پوچھیے تو پھر دیکھا جائے گا۔ ہماری زبان باقاعدہ مل رہا ہے۔ شکریہ۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، بغداد۔ ۲۴ دسمبر ۵۰ء

—(۱۳)—

حقیر نواز!

۱۸ جنوری کے گرامی نامے کا شکریہ۔

اب سلسلہ وار جواب سنیئے:

استاذ احمد محمد شاکر کی کتاب المعرب للجوالیقی کے لیے ایک دوست کو قاہرہ لکھ رہا ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ وہ ادبی قسم کے انسان ہیں یعنی حد درجہ سست۔ اگر کبھی پلنگ سے چونکے اور برابر میں کوئی کتاب کی دکان ہوئی اور حسنِ اتفاق سے انھیں یاد بھی آ گیا کہ اسے، مالک رام نے ایک کتاب طلب کی تھی، تو امکان ہے کہ کتاب مل جائے۔ بہرحال اطمینان رکھیے کہ جونہی نسخہ پہنچے گا، آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔ قبلہ ڈاکٹر صدیقی صاحب کی خدمت میں میرا اسلام نیاز پہنچائیے اور انھیں اطمینان دلائیے کہ تساہل نہیں ہو گا۔

آپ کی مرسلہ کتابوں کا انتظار ہے۔ انشاءاللہ آتی ہوں گی۔

دسمبر کا معارف ابھی تک مجھے نہیں ملا۔ باقاعدہ آتا ہے۔ یہ بھی آتا ہو گا۔ بہرحال گھبراہٹ کیا ہے۔ میں نواب صاحب مرحوم و مغفور سے متعلق ایک مختصر مضمون لکھنا ضرور چاہتا ہوں لیکن میرے مضمون لکھنے کے لیے ایک تو ماحول چاہیے اور دوسرے کوئی مضمون لکھوانے والا ہو۔ مثلاً آپ نے غالب پہ مضمون لکھوا لیا۔ چند دن ہوئے عبدالمجید حیرت صاحب نے (آپ اُن سے واقف نہیں ہوں گے) لکھا کہ میں سو کتابوں کی فہرست بنانا چاہتا ہوں۔ تم اپنی پسند کی کتابوں کے نام لکھو۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کیا سوال ہوا۔ اس پر وہ مُصر ہو گئے۔ اب جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ان کی فرمائش کی تعمیل کرتے بنی۔ پھر خیال آیا کہ یہ تو اچھا خاصا مضمون ہو سکتا ہے چنانچہ ایک دن بیٹھا تو واقعی مضمون بن گیا۔ آج کل کے ایڈیٹر عرش صاحب بہت دن سے لکھ رہے تھے کہ مضمون لکھو۔ میں نے اس ایک تیر سے دو نشانے کیے۔ کتابوں کی فہرست حیرت کو اور مضمون عرش کو بھیج دیا۔ اسی طرح اگر کوئی معقول موقع ہو تو صدر یار جنگ مرحوم پر ایک مختصر مضمون ہو سکتا ہے۔ انشاءاللہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا۔

اسلام اور عورت، نیاز صاحب بھی دوبارہ لکھنے کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔ دیکھیے۔ کوشش کی ہے خدا کرے پروان چڑھے۔

تلامذۂ غالب تیار تو کر دوں گا لیکن سوال اس بات کا ہے کہ سرور صاحب کتنے صفحے دینے پر تیار ہوں گے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مضمون چھاپنا پسند نہیں۔ اُردو ادب کے سو صفحے سے کم تو کسی صورت میں ہونے کا نہیں۔ اگر وہ دو اشاعتوں، حد تین اشاعتوں میں چھاپ سکیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ میں نے دو تین دن ہوئے یہی لکھے ہوئے نوٹ نکالے تھے۔ ایک انبار ہے اسے سمیٹنے میں کم از کم ایک مہینہ لگ جائے گا۔ یہاں آ کے دفتری

مشغولیت کچھ بڑھ گئی ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ والسلام

خاکسار: مالک رام، بغداد — ۲۸ جنوری ۵۱ء

—(۱۴)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیز محترم۔

آپ کا ۲۸ فروری کا پوسٹ کارڈ ملے تین چار روز ہوئے۔ شکریہ۔ میں نے اس دوران میں کتنے ہی خط لکھے لیکن صدائے برنخاست اس لیے خاموش ہو رہا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

آپ کی مرسلہ کتابوں کی رسید اور دلی شکریہ لکھ چکا ہوں۔ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا گنج تواریخ (نساخ) آپ واپس چاہتے ہیں؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسے ان کے کلیات سے علیحدہ کروا کے بھیجا۔ بندہ خدا پورا کلیات بھیج دیا ہوتا۔ دیکھ کر واپس بھیج دیتا۔ بہرحال شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سیر تسباح نہیں ملی۔

سرور صاحب کا خط بھی ملا ہے۔ میں تلامذۂ غالب کا پورا مسودہ ان کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ ۱۴۰ صفحے ہیں۔ دو بار میں شائع ہو جائے تو بہت اچھا ہو گا۔

اختر کے تذکرے سے متعلق میں کسی خط میں لکھ چکا ہوں اور اب آپ کے دوبارہ سوال سے میرا پہلا شبہ اور قوی ہو گیا ہے کہ آپ میرے خطوں کو توجہ سے نہیں پڑھتے کیونکہ دوسری صورت صرف حافظے کی کمزوری ہے اور یہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا حافظہ بفضلہ بہت مضبوط ہے۔

تو میں نے لکھا تھا کہ آفتاب عالمتاب کا نسخہ لاہور والے ذخیرے میں ضائع ہو گیا۔ اب صبر شکر کے سوائے چارہ نہیں۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ غالباً اس کا نسخہ آپ کو ندوہ کے کتاب خانے میں مل سکتا ہے۔ میرے شبہ کی وجہ: نواب صدیق حسین خان مرحوم کے پاس اس کا نسخہ تھا ان کی کتابیں ان کے صاحبزادے سید علی حسن خان بہادر نے ندوہ کو دے دی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ان میں ہو۔

میری تبدیلی پھر سے اسکندریہ (مصر) ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ العزیز ہفتے عشرے میں روانگی ہو گی۔ اگر خدا نے فضل رکھا تو پندرہ اپریل تک وہاں پہنچ جانے کا قصد ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ المغرب اب خود دو ہی سے بھجوا سکوں گا۔ اس صورت میں آپ کے عزیز کے لیے مضمون کے لکھنے کا کہاں وقت ہے۔ پھر دیکھا جائے گا۔

ذکر غالب اب تک آپ کی خدمت میں پہنچ گیا ہو گا۔ خدا سمجھے ان کاتبوں اور لیتھو والوں سے۔ اب شکایت بے کار ہے۔ خدا کرے آپ کو پسند آئی ہو۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اس خط کا جواب اسکندریہ کے پتے پر دیجیے گا۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، بغداد۔ ۳۱ مارچ ۵۱ء

۲۳ مارچ کا پوسٹ کارڈ ابھی ابھی ملا۔ ذکرِ غالب سے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا شکریہ۔ قاضی صاحب کو کتاب بھجوا دی گئی ہے لیکن آپ نے خیال کا پتہ نہیں بھجوایا۔ اب کیا کہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اردو ادب اور میگزین کے پرچے کہیں میرے بعد پہنچے تو ضائع نہ ہو جائیں۔
مالک رام

—(۱۵)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی۔ آج یہاں عید ہے اس لیے عید مبارک کہتا ہوں۔ آپ کے وہاں تو غالباً کل ہوگی۔ بار خاطر ہوں بار خاطر نہیں بننا چاہتا۔ آپ نے اتنے دن خط نہیں لکھا میں نے بھی مخل صحبت ہونا پسند نہیں کیا۔

یہ تو میں نے غالباً بغداد سے روانہ ہونے سے پہلے لکھ ہی دیا تھا کہ میرا تبادلہ پھر سے اسکندریہ میں ہو گیا ہے۔ والسلام!

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۵ جولائی ۵۱ء

ہاں، ایک بات یاد آگئی مجھے میگزین کا اکبر نمبر نہیں ملا۔ والسلام۔

—(۱۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

صدیقی العزیز۔

میں نے ۱۱۔ ماہِ حال کو ایک مفصل خط آپ کو لکھا ہے۔ آج آپ کا ۳ مئی کا پوسٹ کارڈ ملا۔ اس میں ایک نئی بات نظر پڑی کہ آپ کو "عودِ ہندی طبع اول کے کچھ نسخے مل گئے ہیں۔" اگر یوں ہے تو مزید دو نسخے میرے لیے خرید لیے جائیں۔ ہاں عث روپے ہی کی بات ہے۔ میں مہر صاحب اور ایک اور دوست کو نذر کر دوں گا۔

اب سنیے لطیفہ۔ آپ نے اپنے آخری خط پر پتہ لکھا عربی میں۔ صندوق البرید اور الاسکندریہ اور مصر تک۔ آپ کے وہاں کے ڈاک خانے والے سمجھ نہ پائے کہ یہ کیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی افسرِ اعلیٰ سے استصواب کیا گیا۔ اس لال بجھکڑ نے اس پر لکھ دیا۔ Basrah by air یعنی بصرہ بھیج کے دیکھ لو۔ وہ غالباً مصر کو بصرہ سمجھے ہوں گے۔ چنانچہ خط بغداد پہنچ گیا۔ وہاں تو خیر سے زبان ہی عربی ہے اس لیے وہاں والوں نے اسے یہاں بھیج دیا۔ یہ وجہ ہوئی تاخیر کی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ ریسرچ کریں تو یہ حضرت اسی قرمساق کے اخلاف میں سے ہوں گے جنھوں نے قبلہ نیاز کیشاں کو کپتان پڑھ کر غالب کو کاپی کی فورج میں داخل کر دیا تھا۔

پس خیریت اسی میں ہے کہ آئندہ ہمیشہ پتا انگریزی میں لکھا جائے۔

والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۱۴ مئی ۵۲ء

—(۱۷)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

صدیقی العزیز۔

اب کے بہت راہ دکھائی آپ نے۔ میرے پانچ خطوں کا جواب اس ایک گرامی نامے سے دیا بہرحال شکریہ قبول فرمایئے۔

یہ پڑھ کر مجھے بہت افسوس ہوا کہ آپ کو انجمن کی طرف سے ابھی تک رقم وصول نہیں ہوئی۔ لہذا ایک خط چودھری محمد سلطان صاحب کے نام پھر لکھ کے بھیج رہا ہوں۔ یہ ان کی خدمت میں پیش کر کے رقم وصول کر لیجیے اور مجھے بھی اطلاع دیجیے کہ کیا وصول ہوا۔

جنوری کا پرچہ مجھے بھی بھجوا دیں تو کرم ہوگا۔ کیا مضمون ابھی تک ختم نہیں ہوا؟ میرا خیال تھا کہ اس تیسری قسط میں ختم ہو جائے گا۔ لیکن آپ کے فقرے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید ابھی کچھ اور باقی ہو۔)

سوالات عبدالکریم کی نقل ابھی تک نہیں کر سکا۔ اور چندے اور انتظار آپ کو کرنا پڑے گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں ان دنوں وفنز کی سالانہ رپورٹ لکھنے میں مشغول ہوں۔ جب تک یہ کام ختم نہ ہو لے، مجبوراً اس طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

کتاب العصا کے لیے ایک دوست کو قاہرہ لکھا تھا۔ ان کا جواب آیا ہے کہ بازار میں تلاش کرنے پر نہیں ملی۔ کیا آپ کو اس کے ناشر کا نام معلوم ہے۔

میں ذرا فرصت ملے تو اپنے ہاں کے تمام تذکروں کی فہرست آپ کو بھیج دوں گا۔ اس کے بعد جو اور آپ کو ملیں۔ سے لیجیے۔

ذکرِ غالب سے متعلق جو کچھ لکھنا ہو، جلد لکھ بھیجیے۔ اضافہ متن میں تو کہیں نہیں کیا۔ بعض حاشیے البتہ لکھنا پڑے۔ مجھے معاصر میں قاضی صاحب کا تبصرہ دیکھنے کا شوق ہوا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انھوں نے کیا لکھا ہے۔ اس کے مطابق نئے ایڈیشن کا خیال رکھوں گا۔ انھوں نے کئی بار بھجوانے کا وعدہ کیا اور نہ بھجوایا۔ پھر ان کی خدمت میں لکھا ہے۔

اگر فارسی کے نعتیہ کلام کا کوئی مجموعہ آپ بھجوا سکیں تو خرید کر بھیج دیں۔ مجھے ایک مضمون کی تیاری کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ آپ کے علم میں کون کون سے شاعروں کا نعتیہ کلام (فارسی) خاص طور پر مشہور اور قابلِ قدر ہے۔ لیکن اس کی کوئی ایسی جلدی نہیں۔ اطمینان سے تلاش کر کے مہیا کر دیں۔

تذکرۂ صنیغم کا جو نسخہ میرے پاس ہے۔ اس کے شروع اور آخر کے ورق غائب ہیں۔ آپ نے سنہ اشاعت ۱۳۰۳ھ لکھا ہے۔ اب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تیرہ سو تیرہ ہے یا تیرہ سو تین۔ بسا اوقات آپ کی تحریر میں تکلف ہوتا ہے۔

ابھی تلامذۂ غالب الگ سے چھاپنے کی کوئی ایسی جلدی نہیں۔ (میں نے اسے اردو ادب میں چھاپنے کی عجلت اس

لیے کی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ نادراتِ غالب کا تازہ ایڈیشن شائع ہونے والا ہے۔ اسی لیے میں نے خیال کیا کہ اس سے پہلے پہلے اسے نکال ڈالنا چاہیے ورنہ یہ ساری محنت غارت ہو جائے گی) آپ داد تو نہیں دیں گے کہ تین ہزار میل دُور بیٹھ کر یہ سارا مواد جمع کیا۔ بہرحال جب مضمون تمام ہو جائے تو اپنا مشورہ لکھیے۔ پھر نئے سرے سے اسے مرتب کر کے کتابی صورت میں شایع کر دیا جائے گا۔ تصویروں کا مرحلہ بھی اسی وقت آئے گا۔

مآثرِ غالب کا موجودہ نسخہ بھی دُوسری کتابوں کے ساتھ بھجوا دیجیے۔ شکریہ۔

(میں آپ کی رقم معلوبہ کب کا بھجوا چکا ہوتا لیکن اوشا کی بیماری نے ہاتھ بہت تنگ کر دیا۔ بہرحال اطمینان رہے اس میں تاخیر زیادہ نہیں ہوگی۔ وما توفیقی الّا باللہ العظیم)

بہ دو سال سے آپ غالب کی کتابیں چھاپنے کے وعدے کر رہے ہیں اور کرتے کراتے کچھ نہیں۔ آخر کب تک انتظار کرائیے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو طبعِ اوّل دیوانِ فارسی والا مضمون پسند آیا۔ یہاں میرے پاس اور کونسی کتاب ہے جس پر مضمون لکھوں۔ دیوانِ اُردو پر عرشی لکھ چکے ہیں اور کونسی کتاب اس قابل ہے۔ کیا آپ نے مرحوم پنڈت مہیش پرشاد کا مضمون سب رس میں ملاحظہ فرمایا۔

ہاں مہیش پرشاد کے نام سے ایک بات ذہن میں آئی۔ خطوطِ غالب سے متعلق ایک مختصر مضمون لکھ سکتا ہوں لیکن یقین ہے کہ اس پر ضرور اور کسی نے نہیں تو قاضی صاحب قبلہ نے ضرور لکھا ہوگا۔ چونکہ جو غلطیاں میں نے دیکھی ہیں اُنھوں نے بھی ضرور دیکھی ہوں گی۔ اور وہ ان کی نشاندہی کرنے میں چوکنے والے نہیں۔

بات سے بات یاد آتی ہے۔ خطوطِ غالب سے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی قبلہ یاد آ گئے۔ ان کا خط دہلی سے ہوتا ہوا موصول ہوا۔ کتاب کی رسید لکھی ہے۔ میں نے اس کا جواب بھی آج ہی لکھا ہے۔ انشاء اللہ اگر اُنھوں نے کوتاہی نہ کی تو اب سلسلہ جاری رہے گا۔ بڑے کام کی چیز ہیں۔ اللہ کریم انھیں عمرِ نوح عطا فرمائے۔

گزٹ مل رہا ہے۔ مضمون لکھنا بہت دشوار ہے۔ میرے بھائی، خدا کا شکر نہیں کرتے کہ اس ادب کش ماحول میں رہ کر اتنا کچھ بھی کر لیتا ہوں کہ اب گزٹ کے لیے مضمون مانگتے ہو۔ کتنے پرچے مُفت آتے ہیں۔ ممکن ہے ان کے خیال میں ہو کہ کبھی نہ کبھی مضمون مل جائے گا۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ ناچار شرمندہ ہوتا ہوں۔ ان کا کرم ہے کہ وہ پرچہ بھیجے چلے جاتے ہیں۔

عراق کا ایک بادشاہ ہوا ہے حمورابی۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے کوئی دو ہزار سال پہلے۔ میں نے پچھلے سات آٹھ برس میں اس سے متعلق بیسیوں کتابیں پڑھی تھیں۔ خیال آیا کہ لاؤ اسی پر ایک سلسلہ مضامین لکھ ڈالو۔ اس کے مشہور قانون کا ترجمہ کیا۔ یہ کراچی کے سہ ماہی پرچے تاریخ و سیاسیات میں چھپا ہے۔ اب اس سے آگے لکھنے کی فرصت عنقا ہے۔ حالانکہ تمام مضمون مستحضر ہیں۔ حوالے معلوم ہیں لیکن وقت نہیں ملتا کہ اسے قلم بند کر ڈالوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا مُطالعہ ایک مدّت سے کر رہا ہوں مسند دیکھی ہے اور بھی بہت کچھ نظر میں ہے۔ اردو

ہیں ان سے متعلق کوئی چیز میری نظر سے نہیں گذری۔ خیال تھا کہ ان کی سوانح عمری اور مسند پر ایک نظر ڈالوں۔ لیکن وہی بات ہے، کہ فرصت کالعدم ہے۔

کتنے کام کرنے کے ہیں، اور اپنے پر اعتماد بھی ہے کہ انھیں کر سکتا ہوں، لیکن غمِ روزگار سے وقت بچے تو انسان کسی اور طرف متوجہ بھی ہو۔

اُردو شاعروں اور ناشروں کا ایک تذکرہ بھی کوئی سو صفحے تک کا مسودہ لکھا پڑا ہے۔

لیجیے اب اس درازنفسی کی معافی دیجیے۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۳۱ر جولائی ۵۲ء

دو سال ہوئے، میرے کہنے پر ایک دوست نے خمخانۂ جاوید کا دُوسرا حصّہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اُمید ہے یہ آپ کے پاس محفوظ ہوگا۔ مجھے ابھی اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اسے یہاں بھیج دیں۔ محض تصدیق چاہتا ہوں۔

میں نے کسی زمانے میں آپ سے کہا تھا کہ نواب محمد اسمٰعیل صاحب سے دریافت کیجیے کہ کیا ان کے ہاں شیفتہ اور رشکی کی تصویریں ہیں۔ آپ نے یہ کام بھی نہ کیا۔ اگر آپ نہیں کر سکتے تو مجھے ان کا ڈاک کا پتا لکھیں، میں خود لکھوں گا۔

قبلہ مولوی عبدالوحید خان صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں آداب نیاز۔

—(۱۸)—

بنام جلیل قدوائی صاحب

میرے فراموش کار بھائی۔

پرسوں رامپور سے جرأت صاحب کا خط ملا۔ اس میں اُنھوں نے ایک عجیب بات لکھی۔ فرماتے ہیں کہ جلیل صاحب اس بات سے بہت شرمندہ ہیں کہ تمھارے خط کا جواب نہ دے سکے اور پھر جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، یُوں ہی حجاب بڑھتا گیا۔

یہ پڑھ کے کچھ تعجب بھی ہوا اور کچھ افسوس بھی۔ تعجب اس بات کا کہ آپ نے میرے تعلق کو بھی ایسی خیال فرمایا۔ ایک اشارہ کافی ہوگا۔ اگر یہ ایسا سرسری تعلق ہی ہوتا، تو مجھے کیا پڑی تھی کہ پارسال اتنے شوق اور آرزو سے آپ کو تلاش کر کے دیدار کے لیے دولت کدہ پر حاضر ہوتا۔

اور افسوس اپنی غفلت پر، کہ میں نے کیوں نہ دوبارہ لکھا کہ آپ کو یہ حجاب نہ رہتا۔

خیر مضیٰ مامضیٰ

کیسے گزر رہی ہے۔ میرا یہ سال بہت مصیبت میں گزرا۔ بچوں کی بیماری نے ہلکان کر دیا۔ بہرحال شکر ہے حالات درو باصلاح ہیں۔ ثم الحمد للہ۔

میں نے آپ کی بعض تحریریں ماہِ نو میں اور اُردو میں دیکھی ہیں۔ میں نے خود اس دوران میں کچھ زیادہ لکھا ہی نہیں۔ شاید تین مضمون ہندوستان کے بعض پرچوں میں چھپے۔ کراچی میں جو کچھ چھپا وہ تو نظر سے گزرا ہی ہوگا۔

پاکستان میں تمام احباب کے لیے مندرجہ صدر عنوان استعمال کرتا ہوں۔ مصلحتاً اسے کہیں نقل کر لیجیے۔ تاکہ بوقتِ ضرورت کام آسکے۔

جناب بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض کرتا ہوں۔ بچوں کو پیار۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۳راگست ۵۴ء

—(۱۹)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

صدیقی العزیز۔ آداب نیاز

۳۱ جولائی کے گرامی نامہ کا شکریہ۔ جو ابھی ابھی موصول ہوا۔ جواب فوری حاضرِ خدمت ہے۔

احوالِ غالب کی اشاعت کے لیے مبارکباد قبول فرمائیں۔ اُمید ہے آپ کی محنت ٹھکانے لگے گی اور علمی و ادبی دُنیا بھی اس کی کماحقہٗ قدر کرے گی۔ خدا معلوم آپ نے ایک نسخہ بھیجا یا دو۔ اگر ایک ہی بھیجا ہو تو عنایت ہوگی اگر مزید ایک نسخہ عنایت فرمایا جائے۔ ایسی کتابیں بہت استعمال کی جاتی ہیں۔ لوگ مانگ کے لے جاتے ہیں اور واپس نہیں کرتے چاہتا ہوں کہ ایک نسخہ کم از کم محفوظ رہے اور پھر مُفت راچہ گُفت۔ معلوم نہیں اب کے کتابت کی صحت کا کیا حال رہا۔

مضمون سے متعلق کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ دیوانِ فارسی (طبع اوّل) والا مضمون آپ کے پاس ہے۔ سوالاتِ عبدالکریم والا مضمون آج کل (فروری ۱۹۵۴ء) میں سے آپ کو ضرور لے لینا چاہیے۔ اگر آپ رسا والا مضمون لینا چاہتے ہیں تو مجھے اس میں عذر نہیں۔ میں ایک نظر دیکھ کر اسے حاضرِ خدمت کر سکتا ہوں۔ انشاءاللہ اگلے ہفتے بھیج دوں گا۔ شاید اس سے پہلے ہی۔

آپ کا عزمِ آکسفورڈ، خدا اسے مبارک کرے۔ بہت خوشی ہوئی اسے پڑھ کر۔ آپ قاہرہ تک ہوائی جہاز سے آئیں یا بحری جہاز سے پورٹ سعید اُتریں۔ اور پھر وہاں سے ریل گاڑی سے قاہرہ آجائیں۔ قاہرہ سے اسکندریہ تک تین چار گھنٹے کا ریل کا سفر ہے۔ یہاں سے براہِ راست جہاز اطالیہ اور لندن جاتے ہیں۔ اس لیے آپ جتنے دن سہولت سے یہاں قیام کر سکتے ہیں کیجیے۔ یہاں سے بحری جہاز سے یورپ جانے کا انتظام میرے ذمہ۔ اس میں انشاءاللہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور تاخیر بھی نہیں ہوگی۔ اگر آپ تاریخ ورود پورٹ سعید لکھ دیں تو میں اس کے مطابق دوستوں کو پورٹ سعید اور قاہرہ ہدایت دے دوں گا۔ اگر براہِ راست ہوائی جہاز سے قاہرہ آنے کا فیصلہ کریں تو بھی لکھ دیں۔ تاکہ قاہرہ کے قیام وغیرہ کا انتظام کر دوں۔

بالعموم مسافروں کے جہاز جو پورٹ سعید سے گزرتے ہیں وہ اسکندریہ نہیں آتے۔ اس لیے آپ کو زحمت ضرور ہوگی۔ یا ہوائی جہاز سے براہِ راست قاہرہ آئیے یا بحری جہاز سے پورٹ سعید اور پھر ریل سے قاہرہ۔
دُعا ہے کہ اللہ کریم آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ بحفاظت تمام سفر طے کریں اور ہماری ملاقات بخیر و خوبی ہو۔ آمین۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۷؍اگست ۵۴ء

—(۲۰)—

بنام ڈاکٹر محمد ستار الدین احمد آرزو

کرم فرمائے من: آداب نیاز
۶؍نومبر کے گرامی نامے کا شکریہ۔ مجھے خیال تھا کہ ممکن ہے کہ آپ گوناگوں مشغولیتوں اور دل چسپیوں کے باعث جلد خط نہ لکھ سکیں، اس لیے میں نے ۲۲؍اکتوبر کو ایک خط ہائی کمیشن لندن کی وساطت سے آپ کے نام لکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ خط آپ کو نہیں ملا۔
بہرحال یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ نئے ماحول میں آپ خوش و خرم ہیں۔ کام سے کیا گھبرانا، یہ تو زندگی کے ساتھ لکھا ہے۔ آپ کی قسمت میں ادبی کام ہے اور ہماری قسمت میں تیل بیچنا۔ یہ بھی قسمت کے کھیل ہیں۔ شکایت سے کیا فائدہ۔
جناب سید احمد صاحب نے ۵۸ قرش مصری بھیجے تھے۔ یہ بھی آپ نے خواہ مخواہ زحمت فرمائی۔ بہرحال شکریہ۔
طہٰ حسین کی الایام کے تین حصے ہیں۔ دوسرا اور تیسرا بھجوا رہا ہوں۔ حدیث عیسیٰ بن ہشام کا اگلے خط میں لکھوں گا۔ انشاء اللہ۔
مختصر اسلامی انسائیکلوپیڈیا، میں نے یہاں سے بھی ۴۸ شلنگ ہی میں خریدی تھی۔
ماجد صاحب نے احوالِ غالب کی تعریف کی ہے۔ بعض مضامین کا (خبر میں آپ کا "در حدیثِ دیگراں" بھی ہے) خاص ذکر کیا ہے۔
اُردو ادب کا پرچہ مل گیا۔ دو چیزیں نئی معلوم ہوئیں۔ غالب کے قیام لکھنؤ کی مدت اور ایک نیا شاگرد غالب۔ اب تشویش ہے کہ ابن حسن خاں صاحب کا کلام ملے۔ جب تک آپ واپس نہیں آئیں یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ کوئی ایسی جلدی بھی نہیں۔
جناب شوکت سبزواری کا مضمون خوب رہا۔ پرچہ بحیثیت مجموعی قابلِ تعریف ہے۔ کاش اس کی اشاعت زیادہ باقاعدہ ہو جائے۔

میں نے اپنے گزشتہ خط میں دو تین باتیں دریافت کی تھیں۔ ان کا اعادہ کرتا ہوں۔

(۱)۔ قادر نامہ (طبع اوّل) کے آخر میں جو اسمائے فارسی ہیں۔ ان کے مصنف کا نام آپنے بتایا تھا۔ وہ بھول گیا۔ لکھیے۔

(۲)۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شرح مائتہ عامل کا مصنف کون ہے؟ مائتہ عامل کا مصنف تو عبد القادر جرجانی ہے۔ یہ شرح کس نے لکھی ہے۔

(۳)۔ احوال غالب کے سلسلے کی اگلی دونوں کتابیں، کیا آپ کی غیر حاضری میں چھپیں گی یا یہ کام آپ کی واپسی تک ملتوی رہے گا۔ اگر پہلی صورت ہو تو کاپیوں کا پڑھنا وغیرہ کس کے ذمے ہے۔

(۴)۔ میں دتاسی کی فرانسیسی کتاب کا ترجمہ کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ کتاب کا ایک نسخہ مہیا کریں۔

میں نے تیغ تیز پر ایک مقالہ لکھنا شروع کیا ہے لیکن اندیشہ ہے کہ لمبا ہو جائے گا۔

خدا آپ کا حامی و ناصر ہو اور بخیر و عافیت آپ کو واپس لائے۔ آمین۔ والسلام والاکرام

خاکسار، مالک رام، اسکندریہ: ۴ا نومبر ۵۳ء

بہ نام میں پھر آپ نے M. A. لکھا۔ آں جز و علم نہیں۔ نام مختار دین ہے۔ اس لیے M. D لکھنا چاہیے۔ ابھی تبدیلی کر لیجیے! بعد میں مشکل ہوگی۔

——(۲۱)——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادر عزیز دام مجدکم! آداب نیاز

۱۰ ماہ حال کا گرامی نامہ ملا۔ شکریہ۔

آپ نے جو تسلی آمیز کلمات لکھے ہیں ان کے لیے شکریہ۔ میں اتنا ناشکرا نہیں، لیکن اس اظہار حقیقت میں بھی غالباً کوئی گناہ نہیں کہ اے کاش ماحول موافق اُفتاد طبیعت میسر آ جاتا۔ لیکن اس افسوس سے کیا حاصل۔

ہمہ بر خویشتن ہمی گرییم
ہمہ بر روزگار می خندیم

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے لیے میں نے اپنا نام یہاں دار المعارف کے پاس درج کرا دیا ہے۔ جب تک یہاں ہوں انشا اللہ سب حصے ملتے رہیں گے۔ جب کسی اور جگہ تبدیلی ہو گئی دیکھا جائے گا۔ پوری کتاب کہیں دس برس میں مکمل ہو گی ؎

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اچھا، وہ لاکھ معمولی کلام ہو، ان کے نام کے ساتھ دو چار شعر تو لکھنا ہی پڑیں گے۔ سرور کے اصلاحی

کلام سے متعلق آپ نے وہ واقعہ مجھے بتایا تھا۔ آج کل میں انشا اللہ اسے دیکھوں گا۔ لیکن اس وقت میں ایک بات آپ سے کہنا بھول گیا۔ ان کے جن عزیز سے یہ فتوح دستیاب ہوئی۔ انھیں سے سرور کے حالات بھی دلوائیے۔ یہ بھی تو بالکل پردۂ خفا میں ہیں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں آج کل غالب کے تین شاگردوں کے عزیزوں سے خط و کتابت کر رہا ہوں، تاکہ حالات زیادہ سے زیادہ معتبر آجائیں۔ عبدالرزاق شاکر کے صاحبزادے ہادی مچھلی شہری، راۓ بہادر شیو نرائن آرام کے پوتے پرتھوی ناتھ اور ہرگوبند تفتہ کے پوتے سر سریہ (ڈیرہ دون) انشا اللہ جب تک کتاب کے چھپنے کا سامان ہوتا ہے، یہ کتابت مکمل بھی ہو جائے گی۔ اب وہ پہلی سی عجلت بھی نہیں کیونکہ اس وقت مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کہیں آفاق صاحب نے اسے چھاپ دیا، تو ساری محنت غارت ہو جائے گی۔

داتسی کی کتاب جب بھی مل جائے۔ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں انشا اللہ العظیم۔

تیغ تیز کا کام ملتوی کرنا پڑا۔ حامد بھائی کا خط ڈانٹ کا ملا کہ ذکر غالب جتنی جلدی ہو سکے بھیجیے۔ آج کل اس پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ انشا اللہ اسی مہینے میں اسے بھیج کر پھر تیغ تیز والا مضمون لکھ ڈالوں گا۔ بھلا مجھے اسے آپ کی نذر کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ عرشی صاحب سے کیا چیز لکھوائی ہے آپ نے؟ موضوع ہی لکھ دیا ہوتا۔

احوالِ غالب پر کسی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں رام پور کے تعلقات کے موضوع پر ایک مضمون ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ انھوں نے میرے دو ایک پرانے مضمونوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ میرے خیال میں واقعی اگر میرا رام پور والا مضمون شامل کر لیا جاتا تو اور کچھ نہیں تو محفوظ ہی ہو جاتا۔

شرح مآثر عالم کے مصنف کا نام مجھے عبدالقادر جرجانی بتایا گیا تھا۔ اب آپ نے اس کا شجرۂ نسب لکھ کے مصیبت میں ڈال دیا۔ میں مصنف کا نام ذکر غالب کے اس مقام پر لکھنا چاہتا ہوں جہاں غالب کی تعلیم کا ذکر ہے آپ کو یاد ہوگا کہ ان کی عربی تعلیم کا یہ نقطۂ عروج تھا۔ اگر یہ صورت ہے تو سرے سے نام دون گا ہی نہیں۔ اور کیا!

میرے بھائی، اب تو دل کڑا کرنے کے سوائے چارہ نہیں۔ یہ دو برس تو گزارنا ہی پڑیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ کیفیت زیادہ دیر تک رہے گی نہیں۔ جب کام کا بار پڑے گا تو سب کچھ بھول جائیے گا۔ ابھی آغاز ہے، اسلیئے گھر زیادہ یاد آتا ہے۔

اور آپ نے اگلی گرمیوں میں یہاں آنے کا کچھ ذکر بھی تو کیا تھا۔ کیا واقعی کچھ اس کے امکانات ہیں؟

ہاں سید سلیمان ندوی، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میری ان سے ملاقات تو ایک آدھ ہوئی تھی لیکن خط و کتابت بہت دن رہی اگرچہ یہ بھی مسلسل نہیں تھی۔ یعنی جب میں لکھتا وہ جواب دے دیتے۔ یہ بھی جب کا قصہ ہے کہ آتش جوان تھا اور وہ ابھی تھانہ بھون نہیں پہنچے تھے۔ پچھلے چار پانچ برس میں، خصوصاً جب سے وہ کراچی گئے ہیں، مکاتبت بھی نہیں رہی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ بڑے وسیع النظر بزرگ تھے۔ اگر ان کے مذہبی خیالات میں بھی کچھ تھوڑی سی

وسعت نظری ہوتی، تو کیا بتاؤں کہ وہ کیا ہوتے۔ بہر حال یہ میں اپنے تاثرات لکھ رہا ہوں۔ آپ کو ان سے کیا کام۔
میں آپ کی دُعا پر آمین کہتا ہوں۔ خدا انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

آپ نے خط بند کرنے کے بعد امام احمد حنبلؒ سے متعلق جس کتاب کا نام لکھا ہے وہ پڑھا نہیں گیا۔ ڈاک کی مُہر عین اس کے اُوپر لگی ہے اس لیے آپ کی تحریر غت ربود ہوگئی۔ لیکن ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں، اور اس یقین کا اظہار، کتاب کا نام نہ معلوم ہونے کے باوجود، اس لیے کر رہا ہوں کہ میں نے آج تک اس موضوع پر کوئی انگریزی تصنیف دیکھی ہی نہیں۔ اگر کسی جگہ سے مل جائے، تو میرے لیے لے لیجیے گا۔
دیکھیے کتنا لمبا خط لکھ گیا ہوں۔ اب معافی دیجیے۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۱۵ر دسمبر ۵۳ء

صاحب وُہ انتخابِ غالب کہیں سے نہیں ملا۔ ایک اور بات، آپ کا مضمون ڈاکٹر ضیأ الدین سے متعلق پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا ہے کہ غالب نے یہ رقعات مولوی ضیأ الدین کی انشائے اُردو ہی کے لیے جمع کیے تھے۔

(۲۲)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

کرم فرمائے من۔ آداب نیاز

۲۹ر جنوری کا گرامی نامہ ملا۔ اس میں ایک دُوسرے خط کی اطلاع درج تھی، وہ موصول نہیں ہوا۔ بہر حال اس کا شکریہ۔

ذکرِ غالب میں نے دہلی بھیج دی ہے۔ لیکن حامد صاحب کو مناسب مقام پر چند سطریں اضافہ کرنے کو لکھ دیا ہے۔ دیکھیے۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں، اگر نہ بھی ہوں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

آپ نواب شمس الدین خاں کی فقیروں سے بیزاری کا حال لکھنا چاہتے تھے لیکن غالباً بھول گئے۔ آپ نے لکھا ہے " اور وہاں درج ہے" اور اس کے بعد کچھ جگہ خالی ہے۔ لیکن وہاں کیا درج ہے، یہ لکھنے سے رہ گیا۔

۲۵ر اکتوبر والی اطلاع ذکرِ غالب میں موجود ہے۔

کُتب کے پہنچنے کی اطلاع چنداں مفید مطلب نہیں۔ سب کتابیں ان تاریخوں سے بہت پہلے شائع ہو چکی تھیں۔ نواب شمس الدین خاں سے متعلق خود میرے پاس خاصا مسالہ موجود ہے۔ ان پر پورا مضمون لکھا جا سکتا ہے میرا چونکہ براہِ راست اس سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے ذکرِ غالب میں نہیں لکھ سکا۔ اب بھی جو واقعہ اُن کی فقیر دشمنی کا لکھا ہے اس پر قاضی صاحب قبلہ نے اعتراض کیا ہے کہ بھلا اسے لکھنے کا کونسا محل و مقام تھا۔ ان کی تصویر صرف دہلی دیکھی، جس کا ذکر آپ سے کر چکا ہوں۔ کیا کسی جگہ آپ نے ان کی تاریخ وفات دیکھی یعنی بحساب جفر۔

حامد صاحب کو افکارِ غالب سے متعلق لکھا ہے اور ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کو دار المعارف کی فہرست اور

خط بھجوا دیا ہے۔ دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔

اب ایک تازہ خبر۔ میری تبدیلی ہندوستان ہوگئی ہے۔ وہ تو مارچ، اپریل میں دہلی پہنچنے کو کہہ رہے تھے لیکن چونکہ بڑی لڑکی کا امتحان (میٹرک یولیشن) جون میں ختم ہوتا ہے۔ اس لئے میرے کہنے پر یہ جولائی تک ملتوی ہوگئی ہے اب انشاء اللہ جولائی کے اوائل میں یہاں سے روانہ ہوں گا۔ سال بھر تو مرکزی دفتر میں ضرور رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد دیکھیے کیا ہو۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ پندرہ برس کے بعد یہ ہندوستان میں پہلی تقرری ہے۔

ابھی امام احمد حنبلؒ والی کتاب سامنے دیکھیے۔ یوں یہ میری روش کے بھی خلاف ہے۔ تمام ماخذوں کے دیکھنے کے بعد جب خود مضمون تیار کر لیتا ہوں، تو پھر یہ دیکھا کرتا ہوں کہ دوسروں نے اس موضوع پر کیا لکھا ہے۔ اس کتاب کو بھی سب سے آخر میں دیکھوں گا۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک مسئلے پر اپنے ڈھنگ سے لکھتا ہوں اور آزادانہ نتائج پر پہنچتا ہوں۔ اگر پہلے سے دوسروں کی کتابیں دیکھی جائیں تو ان سے متاثر ہونا لابد ہے۔ میں آج کل عمورؔبی والا سلسلہ ختم کرنے کی فکر میں ہوں۔ چوتھا باب ختم کر کے بھیج چکا ہوں۔ پانچواں انشا اللہ مارچ کے وسط میں اور چھٹا (آخری) جون تک تیار کر دینے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد حنبلؒ اور میں وما توفیقی الا باللہ العظیم۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۸ فروری ۵۴ء

—(۲۳)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادر مکرم۔

۲۹ کے گزارش نامے کا شکریہ۔ آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا تھا چونکہ اس میں کوئی خاص جواب طلب بات نہیں تھی، اس لیے میں نے رسید نہیں لکھی۔ تبدیلی بعض حالات کے پیش نظر ضروری تھی۔ میں خود یہی چاہتا تھا۔ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ زیادہ دن وہاں ٹھیرنا ممکن نہیں۔ یہی سال ایک۔ اس کے بعد پھر جہاں گردی۔ خدا معلوم کہاں کہاں کا دانہ پانی ابھی قسمت میں لکھا ہے۔

افکارِ غالب سے متعلق ساجد بھائی نے لکھا تھا کہ قاضی صاحب کے مضمون کا آخری حصہ اور شروع کے صفحے انجمن سے موصول نہیں ہوئے، اس لیے اشاعت میں تاخیر ہوئی ہے۔ بظاہر اس میں وہ مجبورِ محض ہیں۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ جو حصہ چھپ چکا ہو وہ مجھے بھیج دیا جائے۔

گنجینۂ غالب۔ میں حسب ارشاد مضامین کی کاپیاں دیکھ لوں گا۔ میں نے کسی خط میں اطلاع دی تھی کہ قادر نامہ پر مضمون مجھے مل گیا ہے اور اگر آپ چاہیں تو حاضر خدمت کر سکتا ہوں۔ تیغ تیز پر بھی مضمون مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن چندے انتظار کیجیے۔ آخر آپ کو ایسی جلدی کیا پڑی ہے۔

مطلوبہ کتب میں سے منفلوطی کی دونوں کتابیں الگ سے بھجوا رہا ہوں۔ بیروت کے مطبوعہ تینوں رسالے یہاں اسکندریہ میں نہیں ملے۔ دو چار روز میں قاہرہ جا رہا ہوں اگر وہاں سے مل گئے تو وہ بھی حاضر خدمت ہوں گے۔ دارالمعارف کے ہاں البتہ مکتبۂ صادر (بیروت) کے شائع کردہ سلسلہ من اہل الادب العربی کے چند رسالے دیکھے۔ ان میں مختلف عربی شاعروں اور ناشروں کے مختارات ہیں۔ یعنی ان کی مصنفات سے مختصر انتخابات۔

کسی رسالے میں کوئی کام کی چیز نہیں نکلی۔ آج کل (فروری) میں سرور کے متعلق کچھ نہیں چھپا تھا۔ اطمینان رہے۔

زیادہ کیا لکھوں۔ آج کل ایک سرکاری کام سے بہت مصروف ہوں۔ ہماری حکومت عنقریب قاہرہ میں ایک تجارتی اور صناعی معرض یعنی نمائش کر رہی ہے اس کا سارا نظم و نسق میرے ذمے ہے۔ اس لیے متواتر سفر میں رہتا ہوں۔ ایک ٹانگ یہاں اور ایک ٹانگ وہاں۔ بتائیے ان حالات میں کوئی کیا پڑھے اور کیا لکھے۔ جب یہ مئی کے وسط میں ختم ہوگی تو رخت سفر بندھنے لگے گا۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۲۱ر مارچ ۵۴ء

—(۲۴)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

میرے بھائی۔

ایسی خاموشی بھی کیا کہ مہینوں یہ تک معلوم نہ ہو کہ آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

میں بھی اس دوران میں بہت پریشان رہا۔ اپریل / مئی میں حکومت ہند کی تجارتی نمائش کے انتظامات کے سلسلے میں قاہرہ رہا۔ مئی کے اواخر میں اطلاع ملی کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ وہ ابھی پارسال ہی ہندوستان گئی تھیں۔ میری مرضی کے خلاف اور ضد کر کے۔ وطن کی مٹی انھیں بلا رہی تھی۔ مئی کے وسط میں تین چار دن معمولی سا بخار آیا۔ اور وہ ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ زیادہ قلق اس سے ہوا کہ میں عنقریب خود ہندوستان جانے والا تھا۔ خدا کے کاموں میں دخل نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے ہی منظور تھا۔ نہ آخری دیدار نصیب ہوئے، نہ کوئی خدمت ہی بجا لا سکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ہم سب یہاں سے یکم اگست کے لگ بھگ روانہ ہونے والے ہیں۔ انشاءاللہ۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۳۰ر جون ۵۴ء

اگر کہیں پروفیسر حمید احمد خاں صاحب سے ملاقات ہو تو ان سے کہیے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیا یہ ممکن ہے کہ ڈاک کے ٹکٹ جو اس خط پہ لگے ہوئے ہیں اُنھیں نیچے کے کاغذ سمیت پھاڑ کر واپس بھیج دیں۔ شکریہ۔

—(۲۵)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

مکرم بندہ!

۸ ستمبر کے گرامی نامے کا شکریہ۔ اس سے پہلے کے خط ضائع ہوگئے۔ وُہی پتے کی غلطی کے باعث۔

یہاں کے کتب خانے میں جو چیز ہے یعنی جعفر بن احمد بن الحسین کا ارجوزہ فی نظائر القرآن۔

اس کی نقل کا انتظام کروں گا۔ یعنی خواہ اپنے ہاتھ سے کرنا پڑے یا مشین سے، ہر صورت میں یہ کام ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔ بقیہ کتابوں کا انتظام یہاں سے محال ہے۔ آپ ہندوستانی سفارت خانے کو بغداد اور انقرہ لکھیے بلکہ اگر ممکن ہو تو وہاں لنڈن ہندوستانی ہائی کمشنر کے دفتر سے ایک سفارشی خط حاصل کیجیے تو شاید یہ کام ہو جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے کام میں ذاتی دلچسپی نہ لے، اس طرح کامیابی مشکل ہے۔

اگر آپ کی مطلوبہ کتب قاہرہ سے دستیاب ہوگئیں تو بھجوا دی جائیں گی۔

دی تاسی کی کلیات میرے لیے خرید لیجیے۔ اگر میں ان کا ترجمہ نہ کر سکا تو بھی ان سے استفادہ تو کر دوں گا ہی یہ کیا کم ہے؟

بشرطِ خیریت میں اور دس پندرہ دن میں یہاں سے روانہ ہونے والا ہوں۔ تاریخ ابھی تک مقرر نہیں ہوئی۔ اس لیے آپ فی الحال جواب اسی پتے پر لکھیے گا۔

آپ کے پچھلے خط سے کچھ تشویش کا اظہار ہوتا تھا۔ اس نئے انتظام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رفع ہوگیا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے حسبِ خواہش سب معاملہ طے ہوگیا ہے۔ ثم الحمدللہ۔ والسلام والاکرام

خاکسار، مالک رام، اسکندریہ۔ ۱۱ ستمبر ۵۴ء

قدوائی صاحب ابھی تک اسی نواح میں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ پہلے دمشق میں تھے اب بیروت میں ہیں۔ ان کا پتا یہ ہے۔ Mr. V. A. Kedwai — Indian Information Officer Beirut (Lebanon)

میری جگہ ایک مدراسی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ بال کرشنان نام ہے۔

—(۲۶)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

میرے حضرت! ایک مختصر جواب آپ کے خط کا لکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد دو تین چکر بلدیہ کے کتب خانے

کے کاٹے۔ آپ کے دیے ہوئے دونوں حوالے ناقص ہیں۔ ان پر سے ارجوزہ نظائر الفرائد کا پتا نہیں چلا۔ مہربانی کر کے خود ملا خطہ فرما کر پورا حوالہ لکھیے تاکہ تلاش میں وقت ضائع نہ ہو۔ یعنی بلدیہ کی کس فہرست کا نمبر ۲۰۰ ہے اور رباکلمان کا جو حوالہ (۱/۴۳۰) آپ نے لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔

میں انشاءاللہ یکم اکتوبر کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، اس لیے اگر جواب اس سے پہلے مجھے نہ ملا، تو میرے بعد کوئی اس کام کا کرنے والا یہاں نہیں ہوگا۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ۔ ۱۶ ستمبر ۵۴ء

—(۲۷)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

میرے بھائی!

آپ یہ کاغذ دیکھ رہے ہیں۔ یہ کارنتھیا جہاز پر سے لکھ رہا ہوں۔ پرسوں ۱۵ اکتوبر کو اسکندریہ سے روانہ ہونے سے دو گھنٹے پہلے آپ کا ۷ ماہ حال کا گرامی نامہ ملا۔ دوست احباب الوداع کہنے کو جمع ہو رہے تھے۔ اب فرمایئے تعمیل حکم کا کونسا محل تھا لیکن سچ مانیے میں نے خود لائبریری میں جا کے پوری کوشش اس ارجوزے کے تلاش کرنے کی کی لیکن بے سود۔ اب صبر شکر کے سوائے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

بہت اچھا ہوا کہ آپ کو رسائل الصابی اور کمال البلاغ دونوں وہاں سے دستیاب ہو گئیں۔ آئندہ اگر آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مندرجہ ذیل پتے پر لکھیے۔

Mr Mohamed Bassyouni	الأستاذ محمد بسیونی آفندی
30 Midan Abdou Pasha	۳۰ میدان عبدہ پاشا
Abbasia (Cairo)	بالعباسیہ ۔ بالقاہرہ (بمصر)

میں ان سے کہہ آیا ہوں وہ حتی الوسع آپ کی مطلوبہ کتب آپ کو مہیا کرتے رہیں گے اور مجھے حساب بھیج دیں گے۔ اس کا بعد میں دیکھا جائے گا۔ یا شاید وہ خود کسی کتاب کے لیے آپ کو لکھ دیں۔ اس صورت میں ادل بدل میں حساب بے باق ہو جائے گا۔ آپ نے جن کتابوں کی اس خط میں فرمائش کی ہے انھیں لکھ کے طلب کیجیے۔ وہ انگریزی جانتے ہیں اور عربی تو ان کی مادری زبان ہے ہی۔ علم دوست ہیں۔

دتاسی کی کتابیں دہلی اس لیے منگوا رہا ہوں کہ مجھے اندیشہ تھا کہ میری روانگی سے پہلے یہاں نہیں پہنچیں گی اور اگر بعد میں آئیں تو ان کے ضائع ہو جانے کا امکان تھا۔ میں انشاءاللہ نومبر کے پہلے ہفتے میں وہاں پہنچ جاؤں گا اور کتابیں وصول کر لوں گا۔ دام وہاں سے بھجوانا آسان ہوگا۔ آپ وہاں سے کیوں خرچ کریں پہلے ہی ہاتھ تنگ ہے۔ جتنا خرچ بچ سکے، بہتر رہے گا۔ جو کتابیں میں نے بھیجی ہیں۔ ان کا حساب بھی دیکھا جائے گا۔ آٹھ دس پونڈ کی تو بات ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر دو سو پونڈ کا انتظام ہو جائے تو آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ رقم تو کچھ ایسی بڑی نہیں۔ لیکن فی الحال مجھے کوئی ایسی صورت نہیں سوجھی کہ کس ذریعے سے آپ کو بھجواؤں۔ بہرحال آپ اس پہلو سے مطمئن ہو جائیں۔ انشاءاللہ اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ میں اگلے خط میں آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا۔ یہ فرمایئے کہ کیا پوری رقم یکمشت درکار ہوگی یا اسے باہ اقساط بھی بھیج سکتا ہوں۔ جس طرح حکم ہوگا۔ اس کی تعمیل کی کوشش کروں گا۔

عرشی صاحب غالباً رامپور ہی میں ہوں گے۔ بہت دن سے مجھے بھی کوئی اطلاع نہیں ملی لیکن ادھر پچھلے ہی ماہ سے یعنی جب سے میری روانگی کا فیصلہ ہوا ہے۔ میں نے خود بھی کسی کو خط نہیں لکھا۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں۔ ۵ نومبر کے لگ بھگ دہلی پہنچوں گا انشاءاللہ وہاں کا پتہ یہ رہے گا۔

c/o Dr. Sk. Bharadwaj — 28 Barakhamba Road
New Delhi.

والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، اسکندریہ، ۱۷ اکتوبر ۵۴ء

—(۲۸)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

صدیقی العزیز۔ ۱۱ نومبر کے گرامی نامے کا شکریہ۔

آپ نے نوسل کے نسخوں کے لیے قدوائی صاحب کو جو لکھا ہے۔ وہ اتنا مفید نہیں ہوگا۔ ایک تو وہ بزرگوار بہت سہل انگار ہیں۔ دوسرے عراق ان کے حلقے سے باہر ہے۔ اس کام کے لیے برکات احمد صاحب ہی زیادہ موزوں ہیں آپ انھیں لکھیے اور ضروری تاکید کیجیے کہ جلد یہ کام کرا دیں۔ مصر کے کام کے لیے بسیونی صاحب ہر طرح کی خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ذرا معروف قسم کے انسان ہیں، لیکن میرا کام کرنے میں بالعموم چستی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور آپ کا کام میرا ہی کام ہے۔

یہاں کے ریڈیو سے مطلوبہ فیچر کا سراغ نکالنے کی کوشش کروں گا۔ آج کل ساغر نظامی یہاں تعینات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی شاعر قسم کے لوگوں میں سے ہیں لیکن بہ نسبت بیشتر اس طبقے کے دوسرے لوگوں کے زیادہ کاروباری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ ان سے مل کر بات کروں گا اور نتیجے سے مطلع کروں گا۔

کل بریلی والوں کا خط ملا۔ اس میں بل ملفوف ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کتابیں نہیں بھیجی ہیں اور وہ قیمت پیشگی چاہتے ہیں۔ وہی بات ہوئی جو آپ نے لکھی تھی کہ انھیں اندیشہ ہے کہ بعد میں یہ رقم کون ادا کرے گا۔ اب مشکل یہ ہے کہ جب تک کتابیں یہاں نہ پہنچیں، میں ان کی قیمت نہیں بھیج سکتا۔ اس لیے آپ ہی تکلیف کیجیے۔ بل ایک شنواشی گلدار

کا ہے یہ انھیں ادا کر دیجیے اور کتابیں بھجوا دیجیے۔ (ان کے خط کا نمبر 54.3022 /HD/V/ 7 ہے اور تاریخ ۱۲ر نومبر۔)

سرور کا کلام جلد درکار ہوگا۔ تلامذۂ غالب پر دفیسر نجیب اشرف ندوی نے اپنی انجمن کے لیے مانگ لیا ہے۔ ان کی سرکاری گرانٹ خطرے میں ہے۔ دو برس سے انھوں نے کوئی کتاب شائع نہیں کی۔ (انھوں نے کچھ ایسے انداز میں بات کی کہ میں انکار نہ کر سکا۔ مجھے تو کوئی بافت نہیں ہوگی لیکن ان کا کام نکل جائے گا) البتہ یہ وعدہ میں نے لے لیا کہ کتابت یہاں اپنے سامنے کراؤں گا۔ وہ چاہیں تو بمبئی میں چھپوا لیں۔ ذکر غالب کا تیسرا ایڈیشن ختم ہو چاہتا ہے تو دسمبر کے اندر اندر شائع ہو جائے۔ پروف پڑھ کے پریس کے حوالے کر چکا ہوں۔

میں آسانی سے مطلوبہ رقم مہیا کر دوں گا۔ پوری رقم یک مشت بھی آپ کے حساب میں جمع کی جا سکتی ہے اور بالاقساط بھی ادا ہو سکتی ہے۔ یہاں سے نہیں بھیجی جائے گی اور فی الواقع یہ ہے بھی محال۔ بغداد سے یہ رقم آپ کو پہنچے گی۔ ان کا حساب لندن میں ہے وہ آپ کے نام چیک بھی بھیج سکتے ہیں اور چاہیں تو اپنے بنک کو لکھ دیں کہ اتنی رقم آپ کے حساب میں منتقل کر دی جائے۔ آپ کا حساب کس نام سے ہے؟ کتنی کتنی رقم، کب کب درکار ہوگی؟ یا یکمشت؟ تفصیل سے لکھیے تاکہ میں انھیں ضروری ہدایات دے سکوں۔ رہی واپسی "تو بھائی" یہ کوئی ایسی بڑی رقم نہیں جس کا خیال ہو۔ چاہیں تو واپس کریں، نہ چاہیں تو نہ کریں۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ کو اطمینان ہو گیا اور آپ کا کام نہیں رکے گا۔ الحمد للہ۔ لیجیے آپ کے خط کا جواب ختم ہو گیا۔

میں ابھی کل ہی رام پور اور لکھنؤ کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ عرشی صاحب آج کل سفیان ثوری کی تفسیر کی اشاعت کی فکر میں ہیں۔ شرف الدین داولادہ سے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ نیاز صاحب نے مجھ سے وعدہ لے لیا ہے کہ اب بیدل پر کام کروں۔ میں نے بھی خیال کیا کہ غالب پر تو کچھ کام اب کرنے کا رہا نہیں۔ ان کا مشورہ قبول کر لیا۔ کم از کم دو سال لگیں گے بشرطیکہ ہندوستان میں رہنے کا موقع مل گیا اور لکھنا دگر کا غذ ختم ہو گیا۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۲۱ر نومبر ۵۴ء

—(۲۹)—

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

میرے مخدوم آداب قبول فرمائیے۔

ابھی پچھلے ہفتہ لکھنؤ گیا تھا اور وہاں جناب نیاز فتحپوری کا مہمان ہوا۔ دوران گفتگو میں آپ کے شاہجہانپور کے ایک مرحوم شاعر کا ذکر آیا اور میں نے مولانا نیاز سے دریافت کیا کہ ان کے متعلق مزید معلومات کہاں سے مل سکتی ہیں۔ انھوں نے آپ کا نام اور پتہ دیا کہ ان کے حوالے سے آپ کو لکھ کر استمداد کروں چنانچہ حاضر ہو رہا ہوں۔

جناب معشوق علی خاں نام تھا اور جوہر تخلص کرتے تھے۔ بھوپال اور حیدر آباد ریاستوں میں کچھ ملازمت وغیرہ کا سلسلہ تھا۔ ان کے خاندان کے لوگ ضرور ابھی تک شاہجہانپور میں ہوں گے۔ ان سے مندرجہ ذیل کوائف پوچھے جا سکتے

ہیں :-

(۱) حالات خاندانی و ذاتی (حتی الوسع تفصیل کے ساتھ)
(۲) کب وفات پائی؟ ٹھیک تاریخ اور عارضۂ موت وغیرہ لکھیں۔
(۳) کس قبرستان میں دفن ہوئے؟
(۴) دیوان چھپا تھا؟ اگر نہ چھپا ہو تو یقیناً ضرور خاندان میں ہو گی۔ آپ ان سے مستعار لے کر اس میں سے پچاس شعر کے لگ بھگ انتخاب کر کے بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں
(۵) کیا ان کی کوئی تصویر موجود نہیں؟

دیکھیے جان نہ پہچان، بڑی خالہ سلام۔ کس قدر بے تکلفی اور گستاخی سے فرمائشیں کر رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں تلامذۂ غالب کا ایک تذکرہ مرتب کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں یہ معلومات درکار ہیں کیونکہ جوہر مرحوم بھی غالب کے شاگرد تھے۔

خدا کرے آپ کا مزاج بخیر ہو اور اس خط کا جواب باصواب مرحمت ہو۔

والسلام والاکرام۔ خاکسار: مالک رام، نئی دہلی ۲۰، دسمبر ۵۴ء

—(۳۰)—

بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

گرامی عزیز!

۲۹، نومبر کے نوازش نامے کا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں پچھلے دنوں ایک ناگہانی حادثے میں سر پر سخت چوٹ آ گئی تھی۔ ہفتہ عشرہ صاحب فراش رہا۔ الحمد للہ کہ خیر گزری اور اتنے ہی پر ٹل گئی۔ کل بستر سے اٹھا ہوں فالحمد للہ۔

تلامذۂ غالب کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ پہلے سے میرے مدنظر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پروفیسر ندوی صاحب کہاں تک اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ میں خود بھی کتابوں کی قیمتیں زیادہ رکھنے کے حق میں نہیں اور اگر کتاب اسی طرح شائع ہو، جیسا میرے ذہن میں ہے تو قیمت کے بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے۔ بہرحال جونہی کتابوں کے صندوق بمبئی سے پہنچتے ہیں۔ چاروں فصلوں کے اوراق آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا تاکہ آپ جو مشورہ دینا چاہیں، آسانی سے دے سکیں۔ نیر رخشاں کا جو دیوان ان کے صاحبزادے احمد سعید خاں طالب نے جلوۂ صحیفۂ زریں کے نام سے چھاپا تھا، وہی میرے پاس ہے۔ اگر آپ کو کوئی نئی غزل دستیاب ہوئی ہے تو ضرور بھیجئے۔ سرور کا کلام بھی درکار ہے۔ یہاں عرشی صاحب کے پاس میں نے وہ تصویریں دیکھی ہیں، جو آپ چھوڑ گئے تھے۔ یہ آئندہ فروری میں چھپ رہی ہیں۔ انھیں آپ کے مضمون کا انتظار ہے۔ ساتھ صاحب کے مضمون سے کہ متعاقب بھیج رہا ہوں۔ اطمینان رہے

دو سو پچیس پونڈ عنقریب آپ کے حساب میں جمع کرا دیے جائیں گے۔ یہ پچیس زیادہ اس لیے کہ آپ کو بہت سے کتابوں پر کچھ خرچ کرنا پڑے گا۔ حساب بعد میں دیکھا جائے گا۔ آپ کو وہاں خرچ کی تنگی نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لیے زیادہ بھجوا رہا ہوں۔

امید ہے آپ نے بریلی والوں کو دام ادا کر دیے ہوں گے اور وہاں کی مطبوعات روانہ ہو گئی ہوں گی۔ ایک کام اور کیجیے۔ ونسنک کی مرتب کردہ فہرست الفاظ احادیث (ٹھیک نام مجھے معلوم نہیں) غالباً بریلی والے ہی شائع کر رہے ہیں۔ اس کے جتنے جتنے چھپ چکے ہیں۔ وہ بھی بھجوا دیجیے۔ اگر کوئی اور ادارہ چھاپ رہا ہے تو ان سے کہہ کے بھجوائیے اور آئندہ کے لیے پختہ انتظام کر ڈالیے جو دام ہوں وہ ادا کیجیے۔

افکارِ غالب کا کام کھٹائی میں پڑا ہے۔ یعنی ۴۴ صفحے چھپے پڑے ہیں۔ صرف قاضی عبدالودود صاحب کے مضمون "غالب بحیثیت محقق" کا انتظار ہے۔ وہ آج آتا ہے نہ کل۔ آخر جتنی کتاب چھپ چکی تھی وہ انجمن نے علی گڑھ منگوالی ہے۔ خدا معلوم ان کا کیا ارادہ ہے۔

میں پچھلے مہینے ایک کام سے علی گڑھ گیا تھا۔ قاضی عبدالغفار صاحب سے بھی ملا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گنجینۂ غالب کے مضامین ان کے پاس نہیں اور نہ انھیں معلوم ہے کہ یہ کہاں ہیں، اگر آپ کچھ بتائیں تو میں ان کی کتابت وغیرہ کا انتظام کروں۔

ذکرِ غالب آخری مرحلوں پر ہے یعنی چھپائی شروع ہو گئی ہے۔ اب کے میں نے فہرستِ مضامین کا اضافہ کیا ہے۔ اشاریہ بھی مرتب کر رہا ہوں۔ ارادہ یہ ہے کہ اب جب تک کوئی خاص بات نہ ہو آئندہ اس کتاب میں رد و بدل نہ کروں۔ اسی لیے یہ سب اضافے کر رہا ہوں۔ کتاب اب کے انشاء اللہ کتابت کی غلطیوں سے پاک ہو گی۔ یوں بے عیب ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی نقص نہیں رہ گیا لیکن اپنی سی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ والسلام علیکم و رحمۃ و برکاتہ۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی، ۱۲ دسمبر ۵۴ء

ایک ضروری بات تو بھول ہی گیا۔ امام احمد حنبلؒ والا مضمون ضرور بھجوائیے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں۔ انشاء اللہ۔ والسلام۔

—(۲۱)—

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

مکرمی حضرت دلؔ مدظلکم اللہ تعالیٰ آداب و تسلیمات

۱۵ دسمبر کے گرامی نامہ کے لیے شکریہ قبول فرمائیں۔

جوہر کے حالات خوب لکھے اگر کلام بھی دستیاب ہو جائے تو کیا کہنا فرمائیے کیا ان کی کوئی تصویر بھی ان کے

خاندان میں ہے اگر یہ بھی مہیا ہو سکے تو نُورٌ علی نُور۔

آپ کی شاعری کا ایک زمانے سے معترف ہوں خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے کہ آپ کے بعد فن کی شاعری کا خاتمہ ہے خدا جانتا ہے کہ جب ان آج کل کے گرہوں اور جاہوں کا کلام دیکھتا ہوں تو اتنی کوفت ہوتی ہے کہ میں نے ایک مدت سے نظم پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور صرف نثر دیکھتا ہوں۔

جب کلام والا مقام کا نیا ایڈیشن چھپ جائے تو اس کا ایک نسخہ دستخط خاص سے مزین فرما کر عنایت فرمائیے گا۔ یہ میرے کتب خانے کی قیمتی متاع رہے گی۔ انشا اللہ۔

میرا قیام تا اطلاع ثانی یہیں رہے گا اور خط وکتابت سے بھی اسی پتہ پر سرفراز فرمایا جاؤں۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۱۲ دسمبر ۵۴ء

—(۳۲)—

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

میرے مخدوم خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ سلام نیاز مندانہ قبول فرمائیے۔

۱۸ دسمبر کا گرامی نامہ باعث صد سپاس ہوا آپ نے جو نوازش فرمائی ہے اس نے بندۂ بے دام بنا دیا کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔ دونوں مخدوم زادوں کو بھی بعد سلام جذبات تشکر کا حقیر ہدیہ پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اتنی زحمت سے انتخاب فرمایا۔ جزاہم اللہ والجزا الجزا۔

میں عنقریب اپنی دو تالیف کردہ کتابیں حاضرِ خدمت کروں گا ایک تو ذکرِ غالب ہے جس کا تیسرا ایڈیشن آج کل مطبع میں ہے جونہی یہ تیار ہو جاتا ہے اسے دوسری کتاب (عورت اور اسلامی تعلیم) کے ساتھ بھجواؤں گا خدا کرے یہ پسند خاطر ہوں

میں کیا اور میری رائے کیا آفتاب آمد دلیل آفتاب، آپ کا کلام مجھ ایسے ہیچمدانوں اور نو واردانِ کوچۂ ادب کی ستائش سے بے نیاز ہے۔ اگر اس کے باوجود آپ خیال فرماتے ہیں کہ میں ضرور ہی چند سطریں لکھ کر بھیج دوں تو اسے اپنی عین عزت افزائی خیال کرتا ہوں۔

جو تذکرہ (تلامذۂ غالب) زیر ترتیب ہے اور جس کے لیے جناب مرحوم کے حالات اور کلام آپ سے طلب کیے تھے اس میں التزام یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے سب اصحاب کی تصویریں شامل کتاب کی جائیں جن اصحاب کی تصویریں دستیاب نہ ہو سکیں اُن کی تحریروں کے عکس، جہاں اُن کے دستخط بھی ثبت ہوں، دیدیے جائیں اس لیے گزارش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تصویر ضرور تلاش کرائی جائے کیونکہ تحریر کے عکس میں خرچ زیادہ اُٹھ جاتا ہے اور ناشر شاید اس پر آمادہ نہ ہو۔

آپ نے فارسی کلام کا انتخاب نہیں بھجوایا، اُردو کلام کا انتخاب بہت سیر حاصل ہے اگرچہ کیا اچھا ہوتا کہ

اس میں بھی قصائد سے زیادہ غزلیات پر توجہ کی جاتی بہر حال جو کچھ ہو گیا وہ بھی غنیمت ہے اور اس کے لیے بھی شکر گزار ہوں۔

ایک تجویز پیش کرتا ہوں اگر صاحب کتاب اجازت دیں تو جس مجلد میں فارسی کلام ہو۔ وہ رجسٹری کر کے مجھے بھیج نہ دیجیے؟ میں اسے ایک نظر دیکھ کے اور اس سے استفادہ کر کے واپس بھیج دوں گا۔ اگر وہ منظور نہ فرمائیں تو بہر حال ایک مختصر انتخاب تو آپ بھجوا ہی دیں گے۔

میری اپنی صحت بہت دنوں سے قابل اطمینان نہیں۔ میں کوئی پندرہ برس کے بعد ہندوستان واپس آیا ہوں یہاں کی آب و ہوا شاید راس نہیں آئی۔ زکام اور نزلہ اور کھانسی کچھ ایسے گلے پڑے ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔

آپ اپنی صحت کا خیال رکھیے آپ کا دم غنیمت ہے خدا آپ کا ہر حال میں حامی و ناصر ہو آمین۔

صاحبزادگان والا کرام کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی - ۶ر جنوری ۵۵ء

—(۳۳)—

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

مخدومی حضرت دام ظلکم آداب و تسلیمات

۱۹ر کے گرامی نامے نے سراپا سپاس بنا دیا واقعی مجھے بھی اس کا بہت افسوس رہا کہ میں دوبارہ آپ سے نہ مل سکا حالانکہ اس سے بہتر اور کون سا موقع مل سکتا تھا لیکن اس میں کچھ شائبہ خوبیٔ (شومیٔ) تقدیر بھی تھا ۱۳ر اپریل کو دفتر میں بیساکھی کی چھٹی تھی۔ مجھے پیام ملا کہ آپ اس دن کہیں باہر نہیں جائیں گے اور اسی لیے میں دوپہر کو دو مرتبہ مکان پر حاضر ہوا سوئے اتفاق کہ دونوں مرتبہ آپ باہر تشریف لے گئے تھے اور یوں بھی قدم بوسی کی سعادت حاصل نہ کر سکا۔ خدا کرے جلد کوئی تقریب پھر پیدا ہو اور آپ یہاں تشریف لا سکیں۔

کیا مراد آباد میں آپ کے ملنے والے کوئی صاحب ہیں اس کا جواب ضرور دیجیے گا۔ شکریہ

مخدوم زادگان سلام نیاز قبول فرمائیں۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی ۲۲ر اپریل ۵۵ء

—(۳۴)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادر عزیز۔ ۳۰ر اپریل کے گرامی نامے کا شکریہ۔

رشک آتا ہے آپ پہ کہ کیا کیا مواقع ملے ہیں آپ کو کام کے لیکن نام خدا ہے سہ

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ کس سے کیا جور و ستم ناخدا کیجے

غالب کے خطوں کا کیا وہ تو ظاہر ہی ہے ——— مہیش پرشاد صاحب نے خطوط غالب چھاپ کر جو سنیا ناس مجھے تو افسوس ہے کہ انھوں نے کتاب کا یہ نام رکھ کر مہیش پرشاد مرحوم پر بھی ظلم کیا۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ اس مرحوم کا مرتبہ مجموعہ اسی نام سے موجود ہے اور دوسری جلد بھی دیر سویر ضرور شائع ہوگی۔ مہیش سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

معیار الشعرا اور تذکرۂ سرور کی ضخامت کیا ہے اور ان کے مائکروفلم یا فوٹو سٹاٹ لینے میں کیا خرچ آئے گا؟ یہ لکھیے تو کچھ پوچھ گچھ کروں۔

مزید ساڑھے پونڈ کا چیک ملفوف ہذا ہے۔ اس کی رسید بھیجیے گا۔ یہ بھی بغداد سے ملا چونکہ انھیں آپ کا پتا معلوم نہیں تھا اس لیے مجھے بھیج دیا۔ اب انھیں لکھ رہا ہوں تاکہ وہ آئندہ آپ سے براہِ راست خط و کتابت کریں۔ میں نے جو ایک ہزار یہاں سے بھیجنے کا لکھا تھا تو مدعا یہ تھا کہ ممکن ہے بغداد سے مبلغات کے پہنچنے میں تاخیر کے باعث آپ کو تکلیف ہو رہی ہو۔ بہر حال ابھی تو آپ کو فوری ضرورت نہیں، بعد میں دیکھا جائے گا۔ لیکن اگر آپ وہاں کے قیام میں مزید ایک سال کی توسیع ضروری خیال کرتے ہوں تو ضرور کوشش کیجیے۔ پھر نکلنا اور وسائل کا مہیا ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ سامان بھی اللہ تعالیٰ کچھ کر ہی دے گا۔ میں ادھر اُدھر سے کچھ بھجوانے کی کوشش کروں گا میں ایک بات لکھ دوں کہ محض روپیہ کی کمی کے باعث آپ کے کام میں حرج نہیں ہونا چاہیے۔

تحقیقیہ کے مسودات کا اللہ مالک ہے۔ آزاد کتاب گھر والوں سے قاضی صاحب نے منگوا لیے۔ قاضی صاحب یہاں دہلی میں ہسپتال میں سخت بیمار پڑے ہیں۔ میں نے بعض دوستوں سے سنا ہے۔ خود ابھی تک عیادت کو نہیں جا سکا۔ آج کل میں وقت نکال کر جاؤں گا۔

مرکزی دفتر کے جن بحر العلوم کا آپ نے ذکر کیا ہے اب میں کیسے کہوں کہ مسودے اب تک ان کے ہتھے چڑھ چکے ہیں۔

افکار کے جتنے فرمے چھپ چکے ہیں، وہ میں نے مکتبۂ جامعہ سے لے لیے تھے ان کے نزدیک تو صرف قاضی عبدالودود صاحب کے مضمون کی کسر باقی تھی۔ باقی سب کے سب چھپے ہوئے فرمے، بے سلے، قاضی صاحب نے علی گڑھ منگوا لیے تھے۔ اگر قاضی صاحب سے کوئی نیکی بدی ہو گئی تو مجھے یہ کتاب آپ کی واپسی سے پہلے چھپتی نظر نہیں آتی۔ میں غالباً اس مہینے کے آخر تک ایک دن کے لیے علی گڑھ جاؤں وہاں سے پتا لگا لوں گا۔ انشا اللہ

حلیۃ الابرار کے مجوزہ حصے کا مائکروفلم کرائیں یا فوٹو سٹاٹ، میں نہیں جانتا، جو سستا ہو اور بہتر وہ کرا لیجیے۔ عکس ہی غالباً بہتر رہے گا۔ دیکھیے صاحب کاغذ ختم ہو گیا اور دفتر کے لوگ بھی آنا شروع ہو گئے۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۵ رمئی ۱۹۵۵ء

(۳۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرِ مکرم!

۲ جون کے خط کا شکریہ۔ جواب میں تاخیر کے لیے معذرت قبول فرمائیے جس کی وجہ دفتری جھمیلوں میں مشغولیت ہے۔ لیکن اب ان کی شکایت بے کار ہے کہ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔

بغداد والے صاحب کے حسنِ کارکردگی پر تو کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ مجھے اندیشہ اس بات کا تھا کہ کسی ناگزیر مانع کے باعث تاخیر نہ ہو جائے۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ سارا معاملہ خوش اسلوبی سے مکمل ہو گیا۔ اب آپ اطمینان سے اپنا کام جاری رکھیے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں، محض پیسے کی کمی کی وجہ سے آپ کی تعلیم اور دوسری علمی سرگرمیوں میں حرج واقع نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اور خدمت میرے لائق ہو، تو مطلع فرمائیے گا۔ انشا اللہ تعمیلِ حکم کرنے کی کوشش کروں گا۔

قاضی صاحب کا اپریشن ہوا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کامیاب رہا۔ ورنہ، یہ حقیقت ہے، کہ ان کی حالت کے پیشِ نظر مجھے اندیشہ تھا اور سو سو برے خیالات ذہن میں آتے تھے۔ دو تین دن ہوئے ان سے ملنے کے لیے گیا تھا وہ کل منصوری پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ یہاں گرمی اس بلا کی پڑ رہی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ وہاں انھیں آرام و سکون بھی میسر آئے گا اور گرمی سے بھی نجات ملے گی۔ ان کا خیال تھا کہ کم از کم ایک مہینہ وہاں رہوں گا۔ ان کا پتا ہے کلیسا مال روڈ مسوری [illegible] (یو پی) چاہیں تو انھیں خط لکھیں۔ مزاج پرسی کیجیے۔ صحت کے لیے دعا کیجیے۔

گنجینہ سے متعلق علی گڑھ جائے بغیر کچھ معلوم کرنا محال اور اس گرمی میں وہاں جانا ہفت خواں طے کرنے سے کم نہیں۔ میں صبح نو بجے گھر سے یہاں تک آنے میں مشکل محسوس کرتا ہوں۔ علی گڑھ جانا تو بہت دور کی بات ہے۔ دیکھیے ذرا صبر کیجیے۔ خدا کوئی سبیل پیدا کرے گا۔ وہ جامع کے حضرت دلی شاہجہانپوری کوئی سال بھر ہوا، خدا کو پیارے ہو گئے۔ اب کام کے کرتا دھرتا تاباں صاحب ہیں۔ جنھیں کچھ معلوم نہیں کہ کونسا مسودہ تھا اور کس نے کتابت کرائی تھی۔ بہر حال میں نے ان سے کہا تو ہے کہ کھوج نکالیے۔ اگرچہ مایوس تو نہیں لیکن مجھے امید کم ہے۔ مکتبہ کی عام انتظامی حالت حامد صاحب کی نگرانی اور محنت کے باوجود تسلی بخش نہیں (اور میں تاباں صاحب کی مستعدی کا بھی کچھ ایسا قائل نہیں)

تلامذہ پر نظرِ ثانی کا کام الحمد للہ کہ مکمل ہو گیا۔ مسودہ آج کل میں بمبئی پروفیسر ندوی صاحب کی خدمت میں بھیجنے والا ہوں وہ اسے اشاعتی کمیٹی کے سامنے پیش کریں گے۔ جن کی اجازت چھاپنے کے لیے ضروری ہے۔ دیکھیے وہ حضرات کیا کہتے ہیں۔

اردو ادب کی دو اشاعتیں بیک وقت منظرِ عام پر آئیں انہی میں سے ایک میں شعرائے فرخ آبادی کا تذکرہ بھی ہے

عرشی صاحب کو آپ کا سلام اور شکایت دونوں پہنچا دیے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ (۱) عیار الشعرا (۲) تذکرہ سرور اور (۳) تذکرہ خیراتی لال تینوں کی نقل پر کوئی ایک ہزار خرچ آئے گا۔ اگر صورت یہ ہے کہ یہ تینوں تذکرے اتنی رقم میں مل جائیں تو میرے لیے لے لیجیے۔ اشاعت وغیرہ کا بعد میں دیکھا جائے گا۔ کتابوں کی نکاسی اور مالی حالت کا جو حال ہے، اس کے پیش نظر یہ امید رکھنا کہ انجمن ترقی اردو یا انجمن اسلام بمبئی ان کے چھاپنے کی ہامی بھرے گی، خیال محال ہے۔ آپ بہرحال کتابیں لے آئیے۔ بقیہ مراحل کا بعد میں فیصلہ کریں گے۔ اس کے لیے روپے بھی حسب سابق بھجوانے کی تدبیر کروں گا۔ لیکن پہلے آپ لکھیے کہ معاملہ طے ہو گیا وہاں افکارِ غالب کے مقدمے کے لیے عنقریب ایک مختصر تحریر (صفحہ، ڈیڑھ صفحہ) لکھ کے بھیج دوں گا۔ لیکن آپ کو اس کی عجلت کیا ہے۔ ابھی تک قاضی عبدالودود صاحب کا مضمون تو چھپا نہیں والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۲۰۔ جون ۱۹۵۵ء

—(۳۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

بھائی! کل شام دفتر سے واپسی پر آپ کا دوسرا خط ملا۔ میں کتنے دن سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن کیا کہوں کہ کیا حالت ہے۔ بس ایک دفتر کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ آپ یہاں ہوں اور میرا پروگرام دیکھیں، تو یقیناً مجھ پر رحم کریں۔ جب خود مجھے اپنے آپ پر رحم آ رہا ہے تو دوسروں کو کیوں نہ آئے گا۔ شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن ست لبیا آرزو کہ خاک شدہ۔

ابھی ابھی میں نے چند سطر کا دیباچہ لکھا ہے اسے دیکھ لیجیے۔ اس میں حذف و اضافہ کر لیجیے یا پھر نیا لکھ لیجیے اور کوئی بات ذہن میں آئی نہیں۔ احوالِ غالب کے ساتھ آپ نے خدا معلوم کیا لکھا تھا۔ کتاب اس وقت سامنے نہیں۔ بہرحال اسے جلد بھیج دیجیے گا۔

آپ کو معلوم نہیں ہوگا۔ لاہور سے خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے افکارِ غالب کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے ابھی تک دیکھی نہیں لیکن بہرحال اب یہ نام آپ رکھ نہیں سکتے۔ اس لیے میں نے نقدِ غالب تجویز کیا ہے۔ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک۔ مطالعۂ غالب اثر لکھنوی نے ہتھیا لیا۔ افکارِ غالب ڈاکٹر عبدالحکیم نے۔ خدا معلوم، جب تک گنجینۂ غالب شائع ہو، کون کون اور اس میدان پر حملہ کرے گا۔

میں پرسوں قاضی عبدالغفار صاحب سے ملا تھا۔ وہ دو دن کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔ مجھے ٹیلیفون پر بلایا تھا، اس لیے ان سے مولانا آزاد کی کوٹھی پر ملنے گیا۔ گھنٹہ بھر باتیں ہوا کیں۔ انجمن کے حالات بہت خراب بلکہ تشویش ناک ہیں۔ وہ اسی سلسلے میں آئے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے اور اب کوئی نیا معقول آدمی ملتا نہیں۔ خیال فرمائیے کہ اس بھرے ملک میں کوئی آدمی انجمن کی صدارت کے لیے میسر نہیں آ سکتا۔ وائے بربادی بر حال

تو خیر۔ نقدِ غالب کا کام ختم ہو رہا ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب نے اپنا چھپا ہوا مضمون رد کر دیا تھا۔ خیال فرمایئے کہ ۲۰۰ صفحہ کا مضمون، اس کی کتابت اور طباعت کے تمام مراحل طے ہو چکے تھے۔ گویا نئے سرے سے ایک پوری کتاب چھاپنی پڑی۔ قاضی عبدالغفار صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب کے پروف آپ دیکھ لیجیے (وہ بجا طور پر ڈرتے ہیں کہ اگر پروف دوبارہ ان کے پاس گئے تو تاخیر سے قطع نظر، خدا معلوم وہ اور کیا فیل لائیں) میں نے آپ کی خاطر سے یہ فرض اپنے ذمے لے لیا ہے۔ مکتبہ ہی پر کام کر رہا ہے۔ کل ان سے ٹیلیفون پر کہنے کا ارادہ تھا لیکن کام میں بھول گیا آج کہہ دوں گا کہ پروف میرے پاس بھیج دیں۔

میں نے قاضی صاحب سے کہا تھا کہ کتاب کا نام نقدِ غالب ہونا چاہیے۔ وہ مان گئے تھے اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے بہتر نام ہو بھی نہیں سکتا۔

میں نے بغداد خط لکھ دیا ہے ان تینوں کتابوں کے دام ۵۴ پونڈ (اگرچہ اب کے آپ نے ۵۳ لکھے ہیں) آپ کو مل جائیں گے۔ ممکن ہے اس میں کچھ تاخیر ہو جائے لیکن مطمئن رہیے۔ بیڈن سے امام احمد حنبلؒ والے عکس مل گئے شکریہ

اب آخر میں ایک بُری خبر۔ گنجینۂ غالب کے مسوّدے غائب ہیں۔ کم از کم ان کا ابھی تک سُراغ نہیں ملا۔ آزاد کتاب گھر والوں نے میرے پوچھنے پر مجھے بتایا تھا کہ قاضی صاحب کو دیے گئے ہیں۔ قاضی صاحب کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ حاشا مجھے کبھی نہیں دیے گئے۔ وہ بھی اس اندیشے کا اظہار کر رہے تھے کہ اگر مسوّدے آپ کے بحرالعلوم کے ہاتھ پڑ گئے تو خدا معلوم ان کا کیا حشر ہو۔ میں انشاء اللہ اس اتوار کو احمد صاحب (مالک آزاد کتاب گھر) سے ملوں گا اور دوبارہ کھوج لگانے کی کوشش کروں گا۔

مُدت ہوئی، ہماری منقار زیرِ پر ہے، کے مصداق لکھنے بلکہ پڑھنے کا کام بھی میں نے آخرت پر ملتوی کر دیا ہے کیونکہ اب اس زندگی میں تو اس کی فرصت ملتی نظر نہیں آتی۔

تلامذۂ غالب کا مسودہ کوئی دو مہینے ہوئے بمبئی بھیجا تھا اس کے بعد صدائے برنخاست۔ میری ذہنی کیفیت جو ہے اس کے پیشِ نظر میں نے بھی اُن سے نہیں پوچھا۔ اور مجھے کچھ ایسی فکر بھی اس کی اشاعت کی نہیں۔ انھوں نے کتاب مانگی میں نے اُن کے حوالے کر دی۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۱۵ ستمبر ۵۵ء

آپ کی مُرسلہ انگریزی کتاب موصول ہو گئی تھی۔ بالاستیعاب پڑھنے کا موقع تو ملا نہیں۔ ادھر اُدھر سے چند صفحے دیکھے دلچسپ معلوم ہوئی۔ زحمت کا شکریہ۔

—(۳۷)—

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرم بندہ۔ ۸ اکتوبر کے عطوفت نامے کا شکریہ قبول فرمائیں۔ آپ نے بغیر سابقہ تعارف کے کرم فرمایا۔

اس کا دوہرا شکریہ۔

جو کچھ آپ نے اس حقیر سے متعلق لکھا وہ محض ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی کے خیال سے ہوگا۔ ورنہ میں نے آج تک کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں جو کسی کے لیے استفادے کا سبب ہو سکے۔

میں آپ سے بہت دن سے واقف ہوں یعنی جب آپ کی تالیف" دکن میں اُردو" پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے تو یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اور میں نے انہی ایام میں اسے پڑھا اور اس سے لطف اندوز اور مستفید ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اس کا جو نقش ان دنوں دماغ پر مرتسم ہوا تھا وہ آج تک محو نہیں ہوا اور میں اسے اپنی زبان کی بہترین کتابوں میں شمار کرتا ہوں۔ یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔

کتب خانہ آصفیہ اور سالار جنگ سے متعلق آپ کے بعض مضامین میں نے نوائے ادب (بمبئی) اور دوسرے رسائل میں دیکھے ہیں۔ ماشاءاللہ۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد آئی۔ سالار جنگ کے کتب خانے میں پرانے اخباروں کا بہت بڑا ذخیرہ ہونا چاہیے۔ اگر میرا گمان صحیح ہے تو کیا آپ ان اخباروں کے نام مع قید سنین لکھ سکیں گے۔

اُمید ہے مزاج گرامی بہمہ وجوہ بخیر ہوگا۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۱۱ر اکتوبر ۵۵ء

میری مصروفیتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ خط میں نے ۱۱ر کو شروع کیا تھا لیکن اسکے بعد بھیجنے کی فرصت نہ ملی۔ اس تاخیر کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔ فقط۔

——(۳۸)——

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدومی حضرت

گرامی نامہ بہت دن سے نظر افروز ہو چکا ہے۔ کام کاج کی فرصت میں جلد جواب نہ دے سکا۔ اس تصدیعہ کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

آپ نے پھر جس حسنِ ظن سے کام لیا ہے۔ اس کے لیے دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں پرانے اخبارات محض اطلاعاً دیکھنا چاہتا ہوں۔ بعض اوقات ان میں بڑی دلچسپ چیزیں مل جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے لیکن پھر بھی کیا آپ اخباروں کے نام اور ان کے زمانے کی فہرست بھجوا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ مشکل تو اپنی جگہ رہے گی کہ وہ دیکھے کیسے جائیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ محض اخبار دیکھنے کے لیے میں حیدرآباد آؤں۔ نہ یہاں سے نکل ہی سکتا ہوں اور نہ زیادہ مدت تک کسی ایک جگہ ٹھیرنا ممکن ہے۔ آپ تو یورپ ہو آئے ہیں۔ وہاں

کے کتب خانے کتنی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔ کاش ہمارے ہاں بھی اس طرح کے تعاون کی رسم رائج ہو جائے۔

میں آخری مرتبہ ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد گیا تھا۔ سترہ برس ہو گئے۔ کتنی خواہش ہے کہ پھر ایک مرتبہ اس عروس البلاد کو دیکھوں۔ خدا معلوم یہ آرزو کبھی پوری ہو گی یا نہیں۔ واللہ علیٰ کل شیء قدیر۔ آپ حضرات پر رشک آتا ہے کہ آپ کو لکھنے پڑھنے کے کتنے مواقع میسر ہیں۔ ہم ہیں کہ لکھنا تو درکنار، پڑھنے تک کی فرصت نہیں ملتی۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار، مالک رام، نئی دہلی۔ ۳۰ نومبر ۵۵ء

—— (۳۹) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی۔ بہت دن سے گرامی نامہ مل چکا ہے۔ میں کچھ بیمار رہا ہوں، اس لیے جواب جلد نہ دے سکا۔ یہ بھی خیال تھا کہ اگر کتابیں موصول ہو جائیں تو ان کی رسید بھی لکھ دوں۔ لیکن آج تک کتابیں نہیں ملیں۔ اس سے کچھ تشویش ہو رہی ہے کیونکہ انھیں وہاں سے روانہ ہوئے مہینا بھر ہو گیا ہے اور اتنی مدت میں یہ پہنچ جانا چاہئیں تھیں۔

طارق سلمہٗ کو ہر مہینے مبلغات بالتزام بھیج رہا ہوں۔ اطمینان رہے۔ مارچ کی رقم بھی اگلے ہفتے بھیج دوں گا۔ انشاءاللہ۔

قاضی صاحب بھی چل بسے۔ انجمن کا حال پہلے ہی کون سا اچھا تھا، لیکن ان کی وفات نے تو کمر توڑ کے رکھ دی ہے۔ آل احمد سرور صاحب فی الحال عارضی طور پر کام کر رہے ہیں۔ دیکھیے ارباب حل و عقد کیا مستقل انتظام کرتے ہیں لیکن صاحب آثار بُرے ہیں، خدا خیر کرے۔

نقدِ غالب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ میں جنوری میں وہاں گیا تھا۔ خیال تھا کہ عنقریب سب کام ہو جائے گا۔ لیکن دس دن بعد قاضی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خدا معلوم اس کے بعد وہ کیا کر رہے ہیں۔ بہر حال ۹ تاریخ کو پھر جا رہا ہوں۔ دریافت کروں گا۔

میں نے لکھا ہے۔ "قاضی صاحب بھی چل بسے"۔ یہ بھی ذرا وضاحت طلب ہے —— پار سال کون کون سے حضرات ہم سے بچھڑ گئے۔

سعادت حسن منٹو، چراغ حسن حسرت، خواجہ حسن نظامی، اقبال سہیل، بیخود دہلوی، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، اسلم جیراجپوری، مجاز، قاضی عبد الغفار، علی منظور حیدر آبادی، یگانہ لکھنوی، مخمور دہلوی، بلا مبالغہ موت نے اردو کا گھر تاک لیا ہے۔ میں نے صرف ان کے نام لیے ہیں۔ جن سے مجھے تھوڑا بہت تعلق تھا ورنہ یہ فہرست خاصی لمبی ہے۔ میں تو جوش ملیح آبادی کو بھی اسی فہرست میں گنتا ہوں کیونکہ وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ عنقریب واپس آ رہے ہیں۔ خدائے کریم آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے کہ علم و ادب اور ملک و ملت کی آپ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ آمین!

میرا تبادلہ فی الحال رُک گیا بلکہ میں دھرنا دے کر گھر پر بیٹھ گیا (یکم دسمبر سے رُخصت پر ہوں) لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ بہرحال آپ کے آنے تک انشاءاللہ یہیں ہوں ——— تلامذۂ غالب کا مسودہ بمبئی سے واپس منگوا لیا۔ اب انشاءاللہ قاضی معزالدین احمد صاحب (آزاد کتاب گھر) اسے شائع کریں گے۔ کتابت ہفتے عشرے میں شروع ہوگی۔ یونہی آٹھ دس مہینے ضائع کردیے۔ بہرحال کوئی تشویش کا مقام نہیں۔ والسلام والاکرام

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۲۹ر فروری ۵۶ء

——(۴۰)——

بنام نصیر الدین ہاشمی

کرم فرمائے من۔

گرامی نامے کا شکریہ۔ میں انشاءاللہ عنقریب "دکن میں اردو" کا نسخہ بازار سے منگوا لوں گا۔ اور اس سے استفادہ کروں گا۔

یہ دیوانِ غالب اس لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ کے وہاں جو نسخہ مطبع احمدی (۱۸۶۱ء) والا ہے جس پر خود غالب کے ہاتھ کی تصحیحات ہیں جو گویا مطبع نظامی والے ایڈیشن (۱۸۶۲ء) کا مسودہ تھا۔ اسے دیکھ کر تمام اختلافات اس پر درج فرما دیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس نسخے اور اس میں کس حد تک تفاوت ہے۔ اگر تفاوت نہ ہو تو اس صورت میں نشان دہی کر کے اسے واپس بھیج دیں کہ کہاں کہاں غالب نے کوئی لفظ بدلا تھا۔

آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ لیکن اُمید ہے آپ اسے گوارا فرمائیں گے۔ اور اس کام کو جلد کر کے یہ نسخہ ہفتے عشرے میں میرے پاس واپس بھیج دیں گے۔

زحمت کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام والاکرام

والسلام علیکم

خاکسار: مالک رام، نئی دہلی۔ ۴ر اگست ۵۶ء

عبدالماجد دریابادی

(۱)

بنام مہر صاحب

برادرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مدرستہ الیتامیٰ، مدینہ منورہ کی ایک رپورٹ ارسالِ خدمت ہے۔ اگر "انقلاب" میں اس کے تذکرہ کے لیے وقت وگنجائش نکل سکے تو میری ممنونیت کے علاوہ مدینہ طیبہ کی بھی ایک خدمت کا اجر حاصل ہو جائے گا۔ والسلام

عبدالماجد، دریاباد: ۱۲؍اگست ۲۹ء

(۲)

بنام غلام رسول مہر صاحب

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اتفاق سے کل صبح سے اپنی ذاتی مزدوریات سے میں بھی لکھنؤ آیا ہوا ہوں۔ ابھی محض اتفاقیہ مولوی غلام محمد شملوی سے معلوم ہوا کہ آپ یہیں رونق افروز ہیں۔ آپ اس وقت توماشاءاللہ "ہاؤس آف لارڈز" میں ہیں[1]، وہاں مجھ گمنام وگوشہ نشین کی کہاں گزر، اور نہ اب اس قسم کے جلسوں ولسوں سے مطلقاً دلچسپی باقی رہی ہے، البتہ آپ سے ملنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

ایک ایکسپریس ٹرین یہاں سے لاہور کے لیے ۱ بجے شب کو چھوٹتی ہے۔ اگر اس میں تشریف لے جانا ہے، تو چھ بجے چائے غریب خانہ پر نوش فرمائیے، اگر خدانخواستہ ۳ بجے کے میل ہی سے جانا قطعی ہو، تو پھر میں اسٹیشن ہی پہ ملاقات کی کوشش کروں۔ "کوشش" اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج دو بجے کا وقت جیل میں ظفرالملک صاحب سے ملنے کا مقرر ہوا ہے، وہاں سے بروقت واپسی اپنے اختیار کی چیز نہیں[2]۔

---

[1] میں مسلم کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے لیے گیا تھا اور سلیم پور ہاؤس (قیصر باغ) میں ٹھہرا ہوا تھا لہذا اسے "ہاؤس آف لارڈز" فرمایا۔

[2] مولانا ظفرالملک علوی اس زمانے میں قید تھے۔

یہاں میں دفتر "سچ" میں نہیں بلکہ ایک ذاتی مکان موسوم بہ خاتون منزل (سابق عمارت ندوۃ العلماء) قریب قرامون بھابھے میں مقیم ہوں۔ راجہ[1] صاحب کے ہاں کا شوفر اس پتہ سے پہنچا دیں گے بشرطیکہ آپ شام تک ٹھہریں۔ اگر اس میں بھی زحمت ہو تو اس وقت آپ کی رہبری کے لیے میں آدمی بھیج دوں۔

مولانا شبلی مرحوم غزل بہت کم کہتے تھے، ان کی غزل کا ایک شعر اس وقت یاد آرہا ہے ؎

شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے
محشر خرام! اور بھی دو اک قدم سہی!!

والسلام۔

عبدالماجد، دریابادی ۲۹ جون ۴۰ء

—— (۳) ——

بنام مولانا غلام رسول مہر صاحب

وعلیکم السلام

یورپ ابھی ماہیتِ خواب کے بارہ میں خود ہی متفق نہیں ہے۔ ان کے اطبا کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ حالتِ نوم کی فعلیت دماغی کا نام خواب ہے۔ سائیکالوجی کے قدیم ماہرین یہ کہتے تھے کہ حالتِ نوم میں جس قسم کے ہیجانات جسم انسانی پر عامل ہوں گے۔ انھیں کے مطابق مگر زیادہ مبالغہ آمیز صور و اشکال کے ساتھ مناظر خواب نظر آئیں گے۔ آخری اور اس وقت سب سے زیادہ مقبول نظریہ آسٹریا کے نامور سائیکالوجسٹ (Freud) کا ہے، کہ

"DREAM IS THE FULFILMENT OF SUPPRSSED WISH"

یعنی حالتِ بیداری میں جو خیالات، جذبات و خواہشات، شعور (CONSCIOUSNESS) کے سامنے آتے ہوئے خود ہچکچاتے ہیں، وہ حالتِ نوم میں شعورِ خفی (SUB-CONSCIOUSNESS) کے سامنے ابھر آتے ہیں، اور یہی خواب ہے۔

اسلام نے کہیں بہ تصریح ماہیتِ خواب بیان نہیں کی ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے تین قسم کے خواب متبادر ہوتے ہیں:-

۱. "اضغاث احلام" محض خیالات پریشان، جس طرح بیداری میں اکثر بے سرو پا خیالات آتے رہتے ہیں۔
۲. خواب مبنی بر حقیقت یا تعبیر طلب۔ مثلاً شاہ مصر کا خواب! یا یوسفؑ کے رفقائے زندان کا خواب۔ جس شخص کا قلب و نفس جس قدر زاید مطہر و مزکی ہوگا، اسی قدر ان خوابوں کے معنی سمجھ سکے گا۔
۳. انبیاؑ کا خواب (مثلاً حضرت خلیل اللہ کا اپنے صاحبزادہ کو ذبح کرتے دیکھنا) جو بمنزلہ وحی کے ہوتے ہیں۔

---

[1] راجہ صاحب سلیم پور

حدیث میں رویائے صادقہ و صالحہ کو اجزائے نبوت میں سے ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص جس قدر زیادہ راست گو ہوگا اسی قدر صحیح خواب دیکھے گا۔

میری فہمِ ناقص میں یہ آتا ہے کہ بعض حقائقِ غیبی پر 'بیداری کی فعلیت حواسِ ظاہری' پردہ ڈالے رہتی ہے۔ حالتِ نوم میں جب یہ فعلیت حواس رک جاتی ہے اور قلب کو یکسوئی کا موقع ملتا ہے' تو بعض دفعہ وہ حقائق اپنے تئیں بے نقاب کر دیتے ہیں۔ صوفیہ کرام' بجائے خواب کے مراقبہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ کیفیت بالقصد اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں۔ ہپناٹزم' کلیر وائنس' وغیرہ انھیں کیفیات عالیہ کے نقوشِ سفلیہ ہیں۔ والسلام

عبدالماجد' دریاباد - ۱۹ رجون ۴۴ء

—— (۴) ——

بنام مولانا غلام رسول مہر صاحب

برادرم السلام علیکم

حضرت اقبالؒ کے جو مکاتیب محفوظ رہ گئے' حسبِ ارشاد حاضرِ خدمت ہیں۔[۱]

چودھری محمد حسین صاحب سے بڑھ کر اہل اس خدمت کا اور کون ہوگا۔ لیکن بہرحال عجلت ہونی چاہیے۔ اب بھی تاخیر بہت زائد ہو چکی ہے۔

ان مکتوبات کی اصل جب مجھے واپس مرحمت ہو' تو بہتر یہ ہوگا کہ ان کی صاف شدہ نقل بھی ساتھ آئے' تاکہ میں جا بجا ان پر حواشی لکھ دوں۔ خطوط کی تلمیحات و اشارات تو صرف مکتوب الیہ ہی سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ والسلام۔

عبدالماجد' دریاباد - ۴ راکتوبر ۳۹ء

کانگریسی حکومت سے مقابلہ ضرور کیا جائے' لیکن اس کے لیے صحیح [illegible] کی کیا کمی ہے' جو خواہ مخواہ مشرقی ہی کی ہمدردی کا غلط سہارا ڈھونڈا جائے۔[۲] آپ کے اخبار میں قاضی قدوہ کو عہدِ جہانگیری کا عالم بتایا گیا ہے' قاضیؒ کا زمانہ اس سے بہت قبل کا ہے۔ ہم قدوائیوں کی خاندانی روایات کے بموجب' حضرت قاضیؒ' خواجہ اجمیرؒ کے ہمعصر تھے

—— (۵) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

آرزو صاحب! آپکے ذوقِ ادب کا قائل تو میں میگزین کا پہلا نمبر پڑھ کر ہو ہی چکا تھا۔ آپ کی جرأت کا قائل اب ہونا پڑ

---

[۱] چودھری محمد حسین مرحوم نے حضرت علامہ کے مکاتیب کی فراہمی کا انتظام کیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالماجد کو میں نے خط لکھا تھا' مولانا نے از راہِ عنایت تمام خطوط بھیج دیے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ صاف نقل میرے پاس آ جائے تو میں حواشی لکھ دوں گا تاکہ مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ ص۲۔ اس جھگڑے کی طرف اشارہ ہے جو علامہ مشرقی اور یوپی کی کانگریسی حکومت کے درمیان تقسیم سے پیشتر ہوا تھا۔ "انقلاب" نے اس سلسلے میں علامہ مشرقی کی حمایت کی تھی۔

رہا ہے کہ آپ اس "ترقی" اور "ترقی پسندی" کے دور میں غالب مرحوم کا نام زندہ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں!

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں!

آپ گویا ابن طریقت کی اس پستی کا بھی ڈر نہیں، کہ یہ گڑے مُردے اکھیڑنا نہیں تو اور کیا ہے!

غالب بیچارہ حمد و نعت کہنے والا، توحید و تصوف یا مسلک کو نشو و نما طرح پر نظم کرنے والا، قدیم عاشقانہ غزل گوئی کا دم بھرنے والا، "بورژوا" سوسائٹی کا شاعر، وزن و قافیہ کی پابندیوں میں جکڑا ہوا، عریانی و فحاشی کے آرٹ سے نا آشنا، صنعت بے بحری سے بے بہرہ، رکاکت و ابتذال سے محروم، اس قابل ہی کب تھا کہ آج کوئی اس کے نام کو جگائے اور اس کے حق میں فاتحہ خیر کو ہاتھ اٹھائے!

حضرت غالب کا مرتبہ فارسی شاعری میں بھی یقیناً بہت بلند تھا، لیکن مجھ بے بصر تنگ نظر کے علم میں تو اردو میں جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، کوئی شاعر اس پایہ کا نہ غالب سے قبل پیدا ہوا تھا، نہ غالب کے بعد آج تک ہوا ہے۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ بعض بعض متاخرین نے اپنے اندر "غالبیت" خوب خوب پیدا کر لی تھی۔

اور یہ کم سواد، بے استعداد، تو حضرت غالب کی شاعری ہی کی طرح ان کی اردو نثر کا بھی دلدادہ بلکہ قتیل ہے خصوصاً جب سے کہ ان کے خطوط کا مجموعہ مرتبہ مولوی مہیش پرشاد ہماری نظر سے گزرا ہے۔ البتہ عبدیت سطر سطر سے نمایاں ہے۔ غالب اس آئینہ میں ایک مکمل انسان، ایک عبد خالص نظر آتے ہیں اور اسی حقیقت کی جلوہ آرائی انشا پردازی کا منتہائے کمال ہے!

دعاگو: عبدالماجد، دریاباد، ۲۲ مئی ۴۹ء

—— (۶) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم وعلیکم السلام

دیدار آرزو میں تو میں خود ہی "حسرت مجسم" بنا رہا! "غالب" کے لیے مضمون کی فرمائش مجھ "مغلوب" سے بے وقت کس کے ہاں سے لاؤں۔ آپ کا کارڈ میری ہی غفلت سے انبار کاغذات کے نیچے دب گیا تھا۔ اتفاق سے آج نظر پڑی، دل نے بڑی شرمندگی محسوس کی۔ بہرحال چند سطریں الٹی سیدھی گھسیٹے دیتا ہوں۔ الفاظ اگر نہ چلیں تو ہاشم سلمہ سے پڑھوا لیجیے گا۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد، دریاباد، ۲۶ مئی ۴۹ء

—— (۷) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم، وعلیکم السلام۔ علیگڑھ اور اکبر نمبر نکالے! اللہ اکبر!

ہفتہ بھر شدید خانگی تردّدات میں مبتلا رہا۔ بیوی، محبوب بیوی (محبوبیت کے لیے قید کسی سن و سال کی نہیں۔) موت و زیست کی کشمکش میں تھی۔ اللہ نے دوبارہ زندگی دی۔ میرا ایک قدم لکھنؤ میں، ایک دریا باد میں۔

خطوطِ مشاہیر کے نام سے تاج کمپنی نے میری ترتیب کی ہوئی ایک کتاب ۴، ۳ سال ہوئے شائع کردی ہے اس کتاب کا سب سے بڑا حصہ اکبر نامہ میں ہے۔ کچھ کم چھوٹے بڑے دو سو خطوط کا مجموعہ! اس میں سے کسی خاص خط کا فوٹو اگر منظور ہو تو تلاش کرکے وہ اصل خط آپ کو بھیج دوں۔

خود حضرت اکبر کی جوانی کا ایک بہت اچھا فوٹو میں نے اُن کے صاحبزادہ عشرت حسین مرحوم کے کمرہ میں دیکھا تھا۔ آپ حاصل کیجیے۔ ممکن ہے نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے (شعبۂ فارسی، عربی، الہ آباد یونیورسٹی) کے ذریعہ سے مل جائے۔ عام طور پر ایک ہی فوٹو ان کی ضعیفی کے زمانے کا ملتا ہے، جس سے چہرہ کی ذہانت ظاہر نہیں ہوتی۔

خواجہ حسن نظامی، ملّا واحدی، حسرتؔ موہانی، ماہرؔ القادری، طالبؔ الہ آبادی، نوحؔ ناروی، حکیم عبدالقوی (ایڈیٹر روزنامہ تنویر، لکھنؤ) مولوی صبغتہ اللہ فرنگی محلی؟ شاہ معین الدین احمد ندوی ان سب کو لکھیے۔ بعض سے مضامین حاصل ہوں گے بعض سے معلومات۔ حالیؔ و شبلیؔ سے دونوں سرسیّدؒ کے آخری دور میں حضرت اکبر علیگڑھ میں منصف تھے۔ اسی دور کے لوگوں کا پتہ چلائیے۔

حضرت اکبر پر اتنا زائد اور اتنے مختلف عنوانات سے لکھ چکا ہوں کہ اب فوراً تو ذہن کسی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ آگے اللہ مالک ہے۔ غالب نمبر پر لکھنے کی نوبت دیکھیے کب آتی ہے؟ والسلام۔

دُعاگو: عبدالماجد، ۱۲ر جنوری ۵۰ء

—(۸)—

بنام غلام یزدانی صاحب

مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم۔

خدا کرے آپ بخیریت ہوں اور دکن میں بند ہوں۔ مدّت دراز ہوئی، یعنی وسط ۴۳ء میں آپ کوئی مجموعہ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم و مغفور پر شائع کر رہے تھے۔ اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں بھی کچھ اپنے معروضات پیش کر دوں۔ تعمیل ارشاد اُسی وقت کر دی گئی تھی۔ پھر جب سے کچھ پتہ نہ چلا کہ آپ کی ان کوششوں کا حشر کیا ہوا۔ کل محض اتفاق سے اپنے پرانے کاغذات میں اُس تحریر کی نقل نکل آئی۔ اس سے یہ خیال تازہ ہو گیا۔

اب تو مدّت کے بعد ہمارے یو۔ پی کی طرح حیدرآباد میں بھی کچھ تھوڑی بہت جان پڑتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔

دُعاگو: عبدالماجد، دریاباد۔ بارہ بنکی ۱۹ اپریل ۵۱ء

—(۹)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

عزیز مکرم۔ وعلیکم السلام

کیا کہوں آپ سے کتنا شرمندہ ہوں ——— کارڈ مل گیا تھا اور اسی نے شنبے کی شام کا مشتاق بنا دیا تھا۔ ریڈیو ایک عرصہ سے اپنے پاس نہیں۔ ایک عزیز کے پاس ہے اُن کے ہاں کہلا دیا تھا۔

لیکن، ادھر تو زکام و نزلہ نے زور کیا ادھر اس سے بڑھ کر یہ کہ معاً بعد مغرب تیز و تند ابر و باد شروع ہو گیا۔ یہ خفیف ترشح گیا۔ بس عین وقت پر ہمت جواب دے گئی اور سب سے بڑھ کر ہمت شکن یہ خیال رہا کہ ایسے میں سُنائی کیا دے گا۔

غرض یہ کہ اب تو اس محرومی کی تلافی کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ آپ خود ہی اس مسودہ کی نقل عنایت فرمائیں۔ والسلام

دُعاگو، عبدالماجد، دریاباد۔ ۲۲ر دسمبر ۵۲ء

—(۱۰)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم سلمہ اللہ۔ وعلیکم السلام!

ڈاکٹریٹ مُبارک ہو ——— اللہ اسے دُنیا و آخرت دونوں میں نافع کرے۔ مقالہ کس عنوان پر تھا، یہ کچھ خیال نہ آیا۔

شعبۂ عربی نیا تقرر اور زیادہ قابلِ مُبارکباد ہے۔ اُستادوں کے دیندار ہونے کی ضرورت تو ہمیشہ ہی سے تھی، اب کئی گُنی اور بڑھ گئی ہے۔

آپ کا سوہر کا لکھا ہوا کارڈ ۵ر کی شام کو ملا (حالانکہ امکان ۴ر کی شام کو ہی مل جانے کا تھا) ظاہر ہے کہ حسرت ہی بڑھانے والا ہوا۔ والسلام۔

دُعاگو، عبدالماجد، دریاباد، ۷ فروری ۵۳ء

—(۱۱)—

بنام جناب بیکش بدایونی

مہربان بندہ وعلیکم السلام

رُباعیاں پہنچیں۔ ماشاء اللہ و سبحان اللہ۔ صدق کی محدود گنجائش کے مدّنظر دو ایک تو اس میں انتخاب کر کے انشاء اللہ دے دی جائیں گی اور باقی کے لیے کوشش ہو گی کہ کسی اور پرچہ میں نکل جائیں۔ والسلام

دُعاگو: عبدالماجد، دریاباد، ۸ر اپریل ۵۳ء

—(۱۲)—

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

کرم گستر، وعلیکم السلام

بڑے انتظار کے بعد آج اپنے عریضے کی رسید مجھ کو ملی۔ میں تو مایوس ہو چکا تھا۔

یہ آخر آپ لوگوں کو تیلیوں کا کیا شوق چرایا ہے! اپنی لنگوٹی کی خیر منایئے!

چھ ممبر تو آپ کے اُس دورِ اتحاد و شرافت میں بھی نہ ہو سکے تھے چہ جائیکہ اب اس کے خواب دیکھیں! پورے چھ نام پیش کر کے تو اپنے کو شکست دینا ہے۔

زیادہ سے زیادہ دو کی گنجائش نکل سکتی تھی ورنہ میں تو توحید ہی کا قائل ہوں۔ میرے مذہب میں تو دوئی کی بھی گنجائش نہیں۔ اس شرک جلی پر آمین کیسے کہہ سکتا ہوں! زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے جس ایک نام پر ہو سکتا ہے وہ ڈاکٹر صدیقی ہی کا نام ہے۔

سفر سے معذوری اپنے ضعف ہمت کی بنا پر ہے، دین کی کسی سختی کی بنا پر نہیں۔ جو عالی ہمت ہیں وہ اس سے بھی کڑے موسم میں روزے رکھ کر جہاد کر سکتے ہیں۔

اکیڈیمی کی سرکاری نامزدگیوں پر صدق میں جو نوٹ لکھا تھا، حاضرِ خدمت ہے۔ یہ تراشہ بھیجنے لگا تو اسی نمبر میں تفسیر سورۂ قریش پر بھی نظر پڑ گئی، وہ بھی ملفوف ہے۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد، دریاباد، ۱۲ مئی ۵۳ء

—(۱۳)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم۔ السلام علیکم

جی ہاں۔ آپ کے متعلق یہ دونوں خوشخبریاں پہلے پڑھ چکا تھا ——— اور دل مسرور ہو چکا تھا۔

اللہ نے دین کی خدمت کا ایک بہترین موقع آپ کو دے دیا ہے۔ اس سے پورا فائدہ اٹھایئے اور ہر لمحہ اپنے کو دین کا خادم سمجھیے۔ انگریز کہیں اور کسی حال میں ہو، پر اپنے کو انگریز ہی سمجھتا ہے اور یہی حال روسی، امریکی، جرمن، سب کا ہے۔ کاش ہم بھی اپنے کو ہمہ وقت اور ہر حال میں مسلمان سمجھنے کی عادت ڈال لیں۔

علم کی خدمت، وطن کی خدمت، یہ بھی بڑی خدمتیں ہیں۔ لیکن سب دین کی خدمت کے ماتحت۔

آج ۵ ہے، آپ سفر پر روانہ ہو چکے ہوں گے۔ دیکھیے یہ نیاز نامہ آپ کو کب اور کہاں ملتا ہے؟ اپنا مستقل پتہ ضرور لکھ بھیجیے گا۔

کب دُوسروں سے بہت غنیمت ہے۔ ان کی کتاب تمدن اُزم پر ریویو عرصہ سے کرنا چاہ رہا ہوں۔ اگر لکھا گیا تو آپ کو بھیج دوں گا۔ انشاءاللہ۔

یہ اُردو کچھ جانتے ہیں؟ نہ جانتے ہوں تو اس راہ پر انھیں لائیے۔ بغیر اُردو کے بذات خود پاکستانی اسلامیات کو کیسے سمجھ سکیں گے؟

جی ہاں لندن میں تو مسلمان کثرت سے ہیں۔ ضرور ذبیحہ کا انتظام ہوگا۔ آکسفرڈ میں بیشک دُشواری ہے۔ ذبح کا طریقہ یہود کے ہاں تو اب تک قائم ہے۔ خدا کرے وہاں بھی کوئی یہودی ذابح مل جائے۔ بس اتنا کافی ہے۔

سب سے زیادہ دُشوار سوال جو آپ نے خود لکھا ہے چربی کا ہے۔ اس کا حل یہاں سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سوا اس کے کہ بجز گلسرین وغیرہ کے مکھن کے ہر روغنی چیزوں سے پرہیز کیا جائے ———— ڈاکٹر حمید اللہ پیرس میں ہیں اور ماشاءاللہ ہر طرح دیندار ہیں۔ اُن سے مراسلت کر کے اس کا حل دریافت کیجیے۔ اور مجھے بھی لکھیے ———— سفارتخانہ پاکستان وغیرہ میں کچھ مسلمان تو ضرور دیندار قسم کے ہوں گے۔ اُنھوں نے بھی کچھ حل نکالا ہی ہوگا۔ اور وو کنگ والے بھی اس حد تک تو مسلمان ہی ہیں۔

احوال غالب خوب رہی۔ ماشاءاللہ۔ ریویو اس وقت لکھ رہا تھا۔ گنجائش شاید اسی ہفتہ کے پرچہ میں نکلے۔ ترجمہ پبلشر کو پہنچے گا۔

مدت قیام کتنی ہے؟ واپسی میں کب کو بھی علیگڑھ کی دعوت دیجیے گا۔ کچھ خیال پڑتا ہے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان آچکے ہیں۔

حسب فرصت وہاں کے حالات ضرور لکھیے گا جو میرے کام کے ہوں۔ والسلام

دُعاگو: عبدالماجد، دریاباد۔ ۵ راکتوبر ۵۳ء

—— (۱۴) ——

بنام وارث کامل صاحب مدیر "مدینہ"

برادرم السلام علیکم۔

ذاتی طور پر آپ کا ہم خیال ہوں۔ لیکن اخبار میں لکھنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔

ولیکن چہ گفتی ولیکن بیار

اور وقت نکالنے سے بالکل معذور ہوں۔

صدق کے علاوہ مستقل مصروفیت قرآن مجید کی ہے۔ اُردو تفسیر کی نظرثانی کر رہا ہوں۔ کئی گھنٹے روزانہ اس کی نذر ہوتے ہیں۔ کام ہے کہ پھیلتا اور نکلتا ہی چلا آتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ پہلی بار اتنی چیزیں چھوٹ کیسے گئی تھیں ———— کثرت سے آئی ہوئی فرمائشیں اس پر مستزاد۔

خیریت نامہ پاکر خوشی ہوئی۔ بُوئے اخلاص اس سے چھن چھن کر آ رہی ہے۔ یوں بھی آپ کی تحریریں مخلصانہ معلوم ہوئیں ——— اور یہ نعمت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ والسلام۔

دُعاگو، معذرت خواہ: عبدالماجد، دریاباد۔ ۱۰ مارچ ۵۴ء

—(۱۵)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم سلمہ اللہ۔ السلام علیکم۔

ڈیلی میل پاکر دل سے دعائیں نکلیں۔ جزاک اللہ۔ ایسے ہی کرم کا آئندہ بھی منتظر رہوں گا۔ اپنی خیریت، مشاغل اور ہر ایسی چیز جو صدق یا معارف کے کام کی ہو' ان سب کا مشتاق رہوں گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ آپ کے وقت اور جیب پر بار نہ پڑنے پائے۔

بحمد اللہ آج ۱۸ روزے سی کے مہینہ میں ہم کم ہمتوں اور ناتوانوں کے بھی ہو گئے۔ والسلام۔

دُعاگو و دُعاخواہ: عبدالماجد، دریاباد۔ ۲۲ مئی ۵۴ء

—(۱۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم، وعلیکم السلام

مرحبا و جزاک اللہ۔ 'پراگریسو اسلام' کا ذکر انشا اللہ کر دیا جائے گا۔ 'نیوز آف دی ورلڈ'، 'ڈیلی مرر' وغیرہ کا عطیہ لطف بالائے لطف۔ آنکھیں مدت سے انھیں دیکھنے کے لیے ترسی ہوئی ہیں۔

امریکی میگزین بھی اگر آسانی سے مل جائیں تو سبحان اللہ۔ . . . . .

شکر گزار و دُعاگو: عبدالماجد، دریاباد۔ ۲۲ دسمبر ۵۴ء

—(۱۷)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم، وعلیکم السلام۔

خوب مفصل وقائع نامہ ملا، میری عین خواہش کے مطابق، فجزاکم اللہ۔ گیوم کی کتاب 'پراگریسو اسلام' کے دو نمبر، اور متعدد مشرقی پرچے سب پہنچ گئے تھے۔ اور سب کی رسید بھی فوراً لکھ چکا تھا۔ حیران رہ گیا یہ سن کر کہ وہ خط نہیں پہنچا۔ خدا کرے بعد کو پہنچ گیا ہو۔

آپ کے اس مکتوب فرنگ کا بیشتر حصہ صدق میں انشا اللہ نکلے گا۔ اس کے قبل والا مکتوب تو نکل ہی چکا ہے۔ لندنی پرچوں کے لیے شکر گزار خاص طور پر ہوا۔ اب ان پرچوں کو ہندوستان میں آنکھیں ترستی رہتی ہیں۔

آپ کے لیے دُعا زبان سے نہیں دل سے نکلتی ہے۔ اللہ بخیریت دارین کے ساتھ وطن واپس لائے۔
آپ کا آکسفرڈ کا پتا بھول گیا۔ یعنی کالج کا نام یاد رہا۔ دفتر بھیجے دیتا ہوں اگر وہاں درج ہوا تو وہیں ڈاک میں
پڑ جائے گا۔

والسلام

دُعاگو و مُحتاجِ دُعا: عبدالماجد، دریا باد، ۱۷ جنوری ۵۵ء

شیخ محمد اکرام

—(۱)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مکرمی محترمی

السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ کچھ عرصہ ہوا ہے، ملا تھا۔ عنایت فرمائی کا شکریہ۔ میں اپریل ۴۳ء سے یہاں بطور ڈپٹی رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز کے کام کر رہا ہوں۔ نیا کام ہے فرصت بہت کم ملتی ہے اس لیے جواب خط میں تاخیر ہوئی۔

غالب نامہ کے متعلق آپ نے "تعجیل، بے صبری اور بے پروائی" کی جو شکایت کی ہے۔ بجا ہے۔ مجھے خود نظر ثانی کا موقع نہ ملا، کاتب کی غلطیوں کی یہ افراط ہے کہ میں کتاب پڑھتا ہوں تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے، مجھے ان غلطیوں کا کتاب کی اشاعت کے وقت بھی اندازہ تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ سورت میں بیٹھ کر ان خامیوں سے بچا نہیں جا سکتا۔ آپ یقین مانیئے کہ باوجود تلاش اور معقول معاوضہ کے وعدہ کے مجھے سورت میں کوئی اردو دان ایسا نہ ملا جو میرے لکھے ہوئے مسودہ کو صاف اور خوشخط نقل کر دے تاکہ میں کتاب پر نظر ثانی کر سکوں۔ کتاب کئی سال سے مکمل موجود تھی۔ دق آ کر میں نے اسے شائع کرانے کا فیصلہ کیا۔ سمجھا کہ اگر اس میں غلطیاں ہوں گی تو شاید کئی ایسی اصولی خوبیاں بھی ہوں جن کی وجہ سے کتاب کار آمد ثابت ہو۔

یادگار کے متعلق میں نے اپنا اندراج صحیح کر لیا ہے۔ ایک صاحب نے ۱۹۰۸ء کا رعد ایڈیشن 'پہلا ایڈیشن' کہہ کے میرے پاس بھیجا تھا۔ بظاہر ان کا بیان صحیح معلوم ہوتا تھا میں نے اسے تسلیم کر لیا۔ اس طرح کی اور فروگزاشتیں اگر آپ تفصیلاً مجھے لکھ بھیجیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ میرا ارادہ انتخاب غالب کو علیحدہ اور تذکرہ، تبصرہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ مرتب کر کے علیحدہ شائع کرنے کا ہے۔ غالباً رام پور، بنارس، پٹنہ، علی گڑھ کا ایک چکر کاٹنا پڑے گا۔ شاید اسی صورت میں کتاب زیادہ مفصل اور مکمل ہو سکے۔

غالب پر لکھنے کی ابھی بہت گنجائش ہے لیکن اگر غالب کو چھوڑ کر آپ کسی دوسرے اہم موضوع پر کچھ لکھیں تو شاید زیادہ مفید ہو۔ مثلاً سودا، مومن، فیضی، عرفی، بیدل کے متعلق میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کی تاریخ لکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ مسعود سعد سلمان، خسرو، حسنی، بدر چاچ، فیضی، عرفی، نظیری، ظہوری، کلیم، طالب، صائب، غنی، حزیں، بیدل، غالب، اقبال، ان سب کے متعلق اگر تاریخی ترتیب سے آب حیات کی طرز پر چار سو صفحے کا ایک تذکرہ مرتب کر دیا جائے تو قوم کی ایک اہم ادبی ضرورت پوری ہو۔ ایک تو ان شعرا کے ساتھ براؤن اور ایرانی نقادوں نے جو بے انصافی کی ہے اس کی تلافی

ہو۔ دوسرے قوم کی آٹھ نو سالہ کی ادبی تاریخ نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ ہم اُردو شاعری کے رجحانات صحیح طرح نہیں سمجھ سکتے جب تک ہندوستانی فارسی شاعری کی تاریخ سے صحیح طور پر واقف نہ ہوں۔ یہ کام بہت اہم ہے لیکن مشکل نہیں۔ میں نے سکیم بنا کر اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ شاید آپ کر سکیں!

کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یونیورسٹی لائبریری لاہور میں آثار الصنادید کا جو نسخہ ہے اس میں اصل کتاب کا باب چہارم (اکابر کا حال) موجود ہے یا نہیں؟ کیا لائبریری میں ازالۃ الخفا اور حجۃ البالغہ کے اُردو ترجمے موجود ہیں؟

نیاز مند: محمد اکرام، پونہ۔ ۱۲ر نومبر ۶۳۷

—(۲)—

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ لاہور میں آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ خیر۔ یار زندہ صحبت باقی۔ انشاء اللہ پھر کبھی سہی۔

مہر صاحب سے ایک منٹ کے لیے میرا ایک دعوت میں سامنا ہوا تھا۔ سالک صاحب نے تعارف بھی کرایا لیکن کسی گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔

انگلستان کے کتب خانوں کا جو ذکر غالب نامہ میں ہے اس کی نسبت مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے بلکہ میرا ارادہ ہے کہ تمہید سے بھی اُڑا دوں۔ اب اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی اور خواہ مخواہ لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

پروفیسر محمود خاں صاحب کے کتب خانہ کا ذکر کر کے آپ نے پھر مجھے بے قرار کر دیا۔ ورنہ میں تو غالب نامہ دوسرے ایڈیشن کے لیے تیار کر چکا تھا۔ مجھے یہ قلمی دیوان بہت مفید پڑے گا۔ حسب الحکم ایک خط پروفیسر صاحب کے لیے ملفوف کر رہا ہوں۔ اگر آپ انھیں آمادہ کر سکیں تو یہ دیوان بیمہ کر کے مجھے بھجوا دیں۔ میں اسے دیکھ کر اس کی نسبت کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔

دیوان اگر مجھے یہاں مل جائے تو مجھے بڑی آسانی ہو اور میں اپنی ذمہ داری پر اس سے نتائج اخذ کر سکوں گا۔ آپ اس پر پروفیسر صاحب کو آمادہ کریں لیکن اگر خدانخواستہ پروفیسر صاحب راضی نہ ہوں تو آپ دورِ ثانی کی جو غزلیات اس دیوان میں موجود ہیں اُن پر غالب نامہ میں نشان لگا کر اور باقی تفصیلات حاشیہ پر یا علیحدہ کاغذ پر لکھ کر مجھے ارسال کر دیں۔

غالب نامہ کی ایک جلد REGISTERED BOOK POST سے ارسال کر رہا ہوں۔ یہ کاپی آپ کے لیے ہے لیکن اگر پروفیسر صاحب دیوان یہاں بھیجنے پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اس کاپی پر نشان لگا دیجیے۔ میں آپ کو دوسری کاپی بھیج دوں گا۔ یہ کام بہت ضروری ہے۔ میں آپ کو غالب نامہ کے اصلاح طلب مقامات کی درستی کے لیے بھی (اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو) تکلیف نہیں دیتا لیکن باندہ اور لکھنؤ کی غزلیات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ آپ براہ کرم پروفیسر صاحب سے جلد از جلد مل کر اس ضروری کام میں مدد کریں۔

میں لاہور میں آپ سے اس لیے بھی ملنا چاہتا تھا کہ شبلی کے متعلق آپ سے تبادلۂ خیالات کروں۔ مجھے اس کے متعلق آپ کے محققانہ مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن شبلی کی انصاف پسندی اور دیانتداری کی نسبت میرے دل میں کئی شبے ہیں خیال تھا کہ شاید آپ رفع کر سکیں۔ میں اس مسئلہ پہ انشا اللہ غالب نامہ پریس میں بھیجنے کے بعد آپ کو مفصل لکھوں گا۔ اقبال احمد سہیل صاحب نے اصلاح (سرائے میر) میں جو سیرتِ شبلی شروع کر رکھی ہے وہ تو آپ نے دیکھی ہوگی۔ والسلام۔

نیاز مند: محمد اکرام، پونا۔ ۲۹ر اپریل ۲۹ء

مجھے غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کلامِ غالب کی تدوین میں مجھے آپ سے یا پروفیسر شیرانی صاحب سے جو مدد ملے گی اس کا میں کتاب کے شروع میں پوری طرح شکریہ ادا کر دوں گا۔ بیمہ وغیرہ کے اخراجات کے لیے ۱۲ر روپے بذریعہ پوسٹل آرڈر بھیج رہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ COMPLEMENTRY copy پروفیسر صاحب کو دے دیں۔ میں آپ کو دوسری بھیج دوں گا اس صورت میں آپ غزلوں کے مطلع وغیرہ لکھ بھیجیں۔

براہِ کرم خط اور کتاب کی رسید سے بواپسی ڈاک اطلاع دیں۔

—— (۳) ——

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۱۸ر مئی ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے تار کی وجہ سے آپ کو وہی تفصیلات دوبارہ لکھنی پڑیں۔ بات یہ ہوئی کہ پونا سے ہو کر آپ کا خط مجھے تار کے دو دن بعد ملا۔ میں انشا اللہ پرسوں پونا چلا جاؤں گا۔ اب غالباً خط و کتابت میں یہ دیر نہ ہوگی۔

(A) تفصیلات دیوان کے متعلق عرض ہے کہ مجھے یہ بات معلوم کرنے کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ کونسی غزلیں ہیں جو نسخۂ حمیدیہ میں نہیں لیکن نسخۂ شیرانی میں ہیں۔ میں نے آپ کو ان غزلوں کے مطلعے لکھ بھیجے ہیں جن میں سے غالباً کئی نسخۂ شیرانی میں ہوں گی۔ آپ ان کے آگے نشان کر دیجئے۔

غزلیات کے اشعار کی تعداد وغیرہ کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میں اس دیوان کا نسخۂ حمیدیہ سے مقابلہ کروں گا۔ یہ تو آپ ایک مستقل مضمون میں کر کے اردو وغیرہ میں بھیج دیں۔

(B) نسخۂ شیرانی کی نسبت یہ خیال تو سراسر سہو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۱۸۲۷ء تک کی تمام غزلیں موجود ہیں۔ میرا ایک زمانے میں نظریہ تھا کہ نسخۂ حمیدیہ کے حاشیہ کی غزلیں، جو بقول لطیف ۱۸۳۲ء سے پہلے کی ہیں حقیقتاً ۱۸۲۲ء سے بھی پہلے کی ہیں۔ میرے اس خیال کی تصدیق یا تکذیب نسخۂ شیرانی سے ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ میرا یہ بھی خیال ہے کہ ۱۸۳۲ء سے پہلے اور ۱۸۲۶ء کے بعد کسی وقت مرزا نے اردو شعر گوئی بہت حد تک ترک کر دی۔ شیفتہ گلشنِ بیخار (آغاز ۱۸۳۲ء۔ اختتام ۵-۱۸۳۴ء) میں غالب کی نسبت لکھتے ہیں کہ "تنہا ست کہ بہ گفتن

ریختہ سرے ندارد؟ ۔

اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ کس زمانے میں ہوا؟ اگر غالب نامہ (میخانۂ شباب) کی قریباً سبھی غزلیں نسخۂ شیرانی کے متن اور حاشیہ میں مل جائیں تو میں دُوسرے دور کا خاتمہ ۲۷ء پر کر سکتا ہوں اور جو غزلیں نسخۂ شیرانی میں نہیں لیکن میخانہ شباب میں ہیں انھیں فارسی کلام کے ساتھ درج کر سکتا ہوں ۔

اگر آپ مطلعوں کے آگے نشان کریں۔ نو (B) والے تمام مقامہ حل ہو جائیں گے۔

(۴) میخانۂ شباب میں متداول دیوانوں سے جس صورت میں غزلیں نقل کی گئی ہیں وہ شاید نسخۂ شیرانی کی غزلوں سے مختلف ہو۔ (مثلاً لکھنؤ کا قطعہ) ۔ اگر آپ کو سرسری مطالعہ میں کوئی نمایاں فرق نظر پڑے ۔ تو وہ بھی نوٹ کر لیں ۔

(۵) شیرانی صاحب کے پاس آپ نے قلمی دیوان فارسی بتایا ہے ۔ آپ کے خیال میں اندازاً کس زمانے کا لکھا ہُوا ہے ؟ ۱۸۳۳ء سے پہلے کا تو نہیں۔

دیوان کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ یہ دیوان لکھنؤ میں ناسخ کو پیش ہوا - بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو - لیکن غالب کے خطوط میں جس نُسخہ کے پیش ہونے کا ذکر ہے ۔ وہ منتخب دیوان غالب ہے ۔ نسخۂ شیرانی تو منتخب نہیں معلوم ہوتا ۔

لطیف کے اعتراضات کا جواب میں اس لیے نہیں دیتا کہ اس کی اب غالباً بہت ضرورت نہیں رہی ۔ اس کی چند غلطیوں کی طرف میں نے اشارہ کر دیا تھا ۔ شاید وہی کافی ہوں ۔ مجھے آپ سے اس امر میں اتفاق ہے کہ اس کی رائے نوجوانی سے راہ ہوتی اور سوقیانہ ہے لیکن اس کی رائے بھی توازن سے اسی قدر دور ہے جس قدر بجنوری اور ڈاکٹر محمود کی ۔ دونوں کو حالی کی میانہ روی اور راست بینی میسّر نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو جذباتی طرزِ تنقید ہمارے ہاں عام ہو رہا تھا - اس کے خلاف ردِّ عمل کی ضرورت تھی۔ اس لیے لطیف کی کتاب بھی بے فائدہ نہیں رہی ۔

پروفوں کی نسبت عرض ہے کہ میں نے پریس والوں سے پوچھا تھا ۔ اُن کا نرخ بتیس صفحوں کے لیے ایک روپیہ ہے ۔ ۲۴۴ صفحوں کی کتاب کے لیے انھوں نے بارہ روپیہ پر ایک منشی فاضل سے پروف دکھلانے کا مشورہ دیا تھا ۔ میں نے اس کے بعد حفیظ ہوشیارپوری صاحب سے پروفوں کا طے کیا ہے -/25 روپے پر ۔ اگر آپ کو فرصت ہو اور بشرطیکہ آپ معاوضہ لینا قبول کریں ۔ تو آپ سے بہتر کوئی نہیں مل سکتا ۔ آپ -/25 سے زیادہ اور -/40 سے کم جو معاوضہ مقرر کریں مجھے قبول ہوگا ۔ حفیظ صاحب کو بھی غالباً اس سے شکایت نہیں ہوگی ۔ کیونکہ انھیں میں نے آب کوثر ' موجِ کوثر کا اتنا کام دے دیا ہے کہ وہ آسانی سے فقط اسی کو سرانجام دے سکیں گے ۔ پروف غالباً آپ اسی صورت میں دیکھ سکتے ہیں اگر آپ کو تعطیلات گرما لاہور گزارنی ہوں ۔ اور کوئی دُوسری مصروفیت نہ ہو ۔ جیسی بھی صورتِ حالات ہو ۔ آپ بلاتکلف اپنی رائے سے مطلع کریں۔

مجھے افسوس ہے کہ میں بلا کسی استحقاق کے آپ کو اتنی تکلیف دے رہا ہُوں ۔ غالب نامہ کے شروع میں جو دو حرف

آپ کے شکریے سے لکھوں گا۔ ان سے بھلا اس تکلیف دہی کی کیسے تلافی ہو سکتی ہے۔ یہ تو فقط آپ کی غالب نوازی اور علم دوستی پر تکیہ کر رہا ہوں۔

احسان مند: محمد اکرام۔

P.S جواب طلب امور A. B. C. D. E

—— (۴) ——

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی۔ مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کی کرم فرمائی کا بے حد شکریہ۔ غزلوں کے مطلعے مل گئے ہیں۔ اُن کی بنا پر میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ دُوسرے دور کو ۱۸۲۶ء پر ختم کروں۔

یہ سب آپ کی عنایت فرمائی کا نتیجہ ہے کہ اس دور کی تدوین مکمل طور پر ہو سکی۔ نسخۂ حمیدیہ کے حاشیہ کی غزلوں کی نسبت تو میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ وہ ۱۸۲۱ء سے پہلے کی ہیں لیکن انھیں مکمل اندراج نہیں سمجھتا تھا۔ خیر اب تو ۱۸۲۶ء تک کی قریباً سبھی غزلیں مل گئیں۔

پتہ نہیں کہ پردفوں کی نسبت آپ نے کیا جواب دیا ہے؛ میرا تو یہ خیال ہے کہ آپ کو اس پر مجبور کرنا ہی بہتر ہے ہاں معاوضہ کی نسبت جو آپ کہیں منظور رہے۔ میں کوئی UPPERLIMIT نہیں رکھوں گا۔

M. A. O. کے پرچے مل گئے ہیں۔ سرسری طور پر میں نے دیکھے بھی ہیں۔ انشا اللہ جلد مفصّل اظہار رائے کروں گا۔

اکرام

—— (۵) ——

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ آپ کا اسلام والا انگریزی میں مضمون دیکھ کر مجھے بھی اسی زبان میں خط لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ خیر اگر آپ اسے وفاداری کے خلاف سمجھتے ہیں تو یونہی سہی ورنہ میرا تو عقیدہ ہے ع

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی!

شیرانی صاحب کے متعلق آپ نے دیباچہ میں اشارہ دیکھا ہوگا۔ شروع میں ان کا ذکر بہت سرسری تھا اور آپ کا زیادہ تفصیل سے۔ آپ کا وہ "علوِ مراتب" والا خط ملا تو میں نے اس میں بہت سی تبدیلی کر دی۔ اس سے غالباً آپ کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے لیکن الامر فوق الادب۔

کتاب کے عنوان کے متعلق عرض ہے کہ مندرجہ ذیل عنوان تو تقریباً غلط ہے:

by اس عبارت میں مجھے تو غیر موزوں معلوم ہوتا ہے۔ میرے خیال میں مندرجہ ذیل عنوانوں سے شاید آپ کا مطلب حل ہو جائے۔

نمبر ۱ SHIRIT AND SUBSTANCE OF MODERN URDU PROSE

with special reference to

Sir Syed and his Circle.

نمبر ۲ Shirit & Substance of the Urdu Prose

A study ot Sir Syed and his Circle

نمبر ۳ A study of Prose works of Sir Syed and his Circle.

کتاب کی نسبت میں نے اس کے حجم اور پریس میں جانے کی تاریخ کے متعلق اس لیے پوچھا تھا کہ ہو سکے تو میں اسے طباعت سے پہلے دیکھ لوں۔

Proofs Proofs میرے لیے دیکھنے زیادہ مشکل ہوں گے۔ سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ ایک تو لاہور سے یہاں پروف کے آنے جانے میں ہی پانچ چھ دن (کم از کم) لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ مجھے بسا اوقات پوتا سے دو چار دن کے لیے دورہ پر باہر جانا پڑتا ہے۔ ان کے مجھے ملنے اور واپس جانے میں اور بھی زیادہ بے قاعدگی ہوگی۔ اسی دشواری کو مدِ نظر رکھ کر میں اپنی کسی کتاب کے Proofs نہیں دیکھ رہا۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں کئی مضحکہ خیز غلطیاں رہ جائیں گی۔ لیکن مجبوراً کسی اور کو یہ کام سپرد کرنا پڑا۔

اگر آپ کا ناشر مجھے بذریعہ بیمہ مسودہ بھیج دے تو میں بخوشی اس پر نظرِ ثانی کر سکوں گا۔ لیکن اس صورت میں پریس میں دوبارہ مسودہ جانے سے پہلے آپ کو دوبارہ اسے دیکھنا ہوگا کیونکہ زبان کی صریح غلطیاں تو مسودہ میں ہیں نہیں کہیں کہیں عبارت انگریزی محاورہ کے عین مطابق مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن اس میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے اور ترمیم یا عدم ترمیم کا فیصلہ فقط مصنف ہی کر سکتا ہے۔

ویسے اگر کتاب کے چھپوانے میں کسی طرح کی عجلت ہے اور آپ نے مسودہ پروفیسر لطیف اور دوسرے بزرگوں کو دکھا لیا ہے تو پھر شاید اس منزل پر پہنچ کر مسودہ کو میری نظرِ ثانی کے لیے روکنے میں کوئی مصلحت نہ ہو۔

کتاب میں "فاش غلطی" یا "خوفناک خامی" تو کوئی ہے نہیں۔ فقط اسے پڑھتے وقت مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ جس پایہ کے خیالات ہیں، زبان اس پایہ کی نہیں۔ ویسے سکسینہ نے اپنی ہسٹری آف اردو لٹریچر میں جو طرزِ تحریر استعمال کیا ہے اس سے تو یقیناً بہتر ہے!

اسلام کے پرچے علیحدہ ارسال ہوں گے۔ میں نے بعض لفظوں کے نیچے سرخ پنسل سے نشان لگا دیا ہے۔ آپ

سے یہ مطلب تو نہیں کہ وہ الفاظ غلط استعمال ہوئے ہیں لیکن یہ خیال ضرور ہے کہ ان میں اصلاح کی گنجائش ہے۔
غالب نامہ کے متعلق آپ کی عنایت کا شکریہ۔ لیکن اب تو کسی اور ہی وقت تکلیف دوں گا۔

محمد اکرام ، پونا ۔ ۱۶ر جون ۳۹ء

—(۶)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی !

السلام علیکم ۔ مدت سے نوازش نامہ صادر نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی کتاب کا جو مسودہ میں نے نظر ثانی کے بعد بھیجا تھا۔ اس کی بھی صرف سرکاری رسید ہی ملی۔

خدا کرے آپ کی خاموشی کی وجہ نظر ثانی کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہو۔

غالب نامہ کی advance copy مجھے اکتوبر کے اخیر میں ملی تھی۔ پڑھ کر طبیعت بڑی منغض ہوئی۔ غلطیاں پہلے کی نسبت زیادہ ہیں اور کاغذ اور کتابت بھی بد ہے۔ ان غزلوں کے بالمقابل جو نسخۂ شیرانی میں موجود ہیں ۔ م کی علامت لکھی گئی تھی کاتب صاحب اسے بھی پی گئے۔ مجبوراً کتاب کے متن میں ایک ورق بدل کر ان غزلوں کی تفصیل دینی پڑی۔ کم و بیش چالیس صفحے نئے سرے سے چھپوائے ہیں۔ ساری کتاب نئے سرے سے چھپوانے کی ہمت نہ تھی۔

خیر طلب کی فوت کی۔ جو شخص سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ادبی دلچسپیاں بھی برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اس کی آرزوؤں کا یہی حشر ہوتا ہے !

میرا ارادہ ۲۰ر فروری کے قریب ایک ماہ کے لیے پنجاب آنے کا ہے۔ اُمید ہے آپ حسب سابق روپوش نہیں رہیں گے۔

غالب نامہ (اشاعت ثانی) کی ایک کاپی پروفیسر شیرانی صاحب کے لیے میری آمد پر آپ کی یا ان کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ ایک کاپی یا اگر آپ چاہیں تو دو کاپیاں آپ کے لیے بھی میرے ذہن میں ہیں۔ بشرطیکہ آپ پہلے ایڈیشن والی کاپی مجھے لوٹا دیں۔ قصہ یہ ہے کہ پہلے ایڈیشن کی ایک بھی کاپی میرے پاس نہیں۔ چوہدری محمد علی جن کا پہلے ایڈیشن میں ذکر ہے (اور دوسرے میں نہیں) انھیں میں پہلے ایڈیشن کی ایک جلد دینا چاہتا ہوں۔ اگر لاہور میں کسی کتاب فروش سے مل گئی تو بہتر ورنہ آپ یا کسی دوسرے دوست کی حق تلفی کرنا ہو گی۔

۳۱ر دسمبر کو ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب حیدر آباد جاتے ہوئے دو دن میرے مہمان رہے۔ اب ان کی توجہ ادبیات سے ہٹ کر سیاسیات کی طرف زیادہ ہو گئی ہے۔ ان کی سیاسی سکیمیں تو مجھے کچھ عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن بہر کیف مسلمانوں میں اتنا ہی غنیمت ہے کہ کوئی شخص جذبات کی کہر سے نکل کر ٹھوس واقعات کو سمجھنے کی کوئی کوشش کرے ۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

محمد اکرام ، پونا ۔ ۴ر جنوری

(ے)

بنام ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ

مکرمی۔ شفیقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ افسوس کہ میں غالب نامہ کو بہت دیر تک نہیں روک سکتا۔ میرا پبلشر سے وعدہ تھا کہ یکم مئی تک کتاب کاتبوں کو مل جائے گی۔ اب شیرانی صاحب کی کتابوں کی ہوس میں پندرہ سولہ تک روک لوں گا۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ مجھے غالب نامہ کی اشاعت کے بعد اتنا نیا مواد ملا ہے کہ اب بہت کی ضرورت نہیں۔ دیوانِ غالب اردو مطبوعہ ۱۸۴۲ء، دیوانِ غالب فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء، دیوانِ غالب قلمی ۱۸۴۱ء وغیرہ۔ ان کی بنا پر میں نے کلام کی تدوین نئے سرے سے کی ہے۔ فارسی کی تدوین کم و بیش مکمل ہے۔ اردو کی بھی۔ صرف دوسرے دور کی نسبت شک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمانۂ شباب کو (غالب نامہ ص ۲۴۴) کے جو غالب کو ۱۸۲۷ء پر ختم کر دوں۔ نسخۂ حمیدیہ کے حاشیہ پر جو غزلیں بقول لطیف ۱۸۳۲ء سے پہلے کی ہیں۔ وہ میرے نزدیک ۲۷ء سے پہلے کی ہیں۔ اب اگر قیام باندہ اور لکھنؤ وغیرہ کا کلام مل جاتا تو پھر یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی کہ یہ دور ۲۰ پر ختم کیا جائے یا ۱۸۳۰ پر۔

شیرانی صاحب کی دوسری کتابوں کی مجھے فی الحال اتنی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ فارسی کی نسبت میرا ذخیرہ مکمل ہے اور لوہارو خاندان کے قضیوں سے بھی مجھے اتنی دلچسپی نہیں۔

بہرکیف کسی کتاب کو دیکھے بغیر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کی نسبت اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ شیرانی صاحب کا اردو دیوان دوسری کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ مفید مطلب ہوگا۔

اگر وہ اردو دیوان نہیں بھیجیں گے۔ تو آپ کم از کم غالب کی ان غزلوں وغیرہ کے مطلعے تو مجھے نقل کرکے بھیج دیجئے گا۔ جو ۱۸۲۱ء کے بعد اور سفر کلکتہ سے پہلے لکھی گئیں۔

اگر شیرانی صاحب آپ کو اردو دیوان اس غرض کے لیے نہ دیں۔ تب آپ براہ کرم مجھے جلد اس کی اطلاع تو بھیج دیجئے گا تاکہ میں غالب نامہ پریس میں بھیج دوں۔

شیرانی صاحب کا شذرہ اگر دیکھنے کو مل جاتا تو بہت مفید ہوتا۔ لیکن پندرہ مئی کے بعد اس کا بھی انتظار نہیں ہو سکتا!

شیرانی صاحب کو میں نے علیحدہ خط لکھ دیا ہے۔ غالب نامہ بھی ارسال ہے۔ قسمت آزمائی کر دیکھئے۔

—(۸)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ شیرانی صاحب کے متعلق آپ کا اندراج مجھے پڑھ کر قدرے تعجب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تو دیباچہ میں صرف اس مدد کا ذکر کیا ہے جو مجھے آپ سے اور شیرانی صاحب سے پہنچی۔ اس میں شیرانی صاحب کا علو رتبہ تو کسی قدر غیر متعلق ہے لیکن خیر۔ آپ بہتر جانتے ہوں گے۔ میں نے یہ اندراج حسب الارشاد تبدیل کر دیا ہے آپ مسودہ میں دیکھ لیں۔

نسخۂ شیرانی کے متعلق مجھے کچھ تھوڑی سی شرمندگی ہے کہ میرے استفسارات ابھی باقی ہیں لیکن دل نے یہ نہ مانا کہ اب آپ کو مزید تکلیف دوں کہ آپ مجھے یہاں ان کا جواب دیں۔ غالب نامہ کا مسودہ مرکنٹائل پریس بھیج رہا ہوں آپ وہاں تشریف لے جا کر مسودہ میں ضروری تبدیلیاں کرا لیں۔

ان تبدیلیوں کی نوعیت یہ ہے کہ میں نے خمخانۂ شباب کی ترتیب کو جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف ۱۸۱۶ء سے ۱۸۲۱ء شمار کیا ہے اور جو غزلیات وغیرہ نسخۂ شیرانی میں نہیں انھیں حاشیہ پر علامت م (مابعد) سے ممتاز کر دیا ہے۔ جن غزلیات وغیرہ پر م کے نشان لگانے پڑے ہیں ان کی فہرست اس کاغذ اور ساتھ والے کاغذ کی دوسری طرف ہے۔ ان غزلیات وغیرہ کے متعلق دو تین باتیں غور طلب ہیں:

(۱) آپ نے رباعیات اور قطعات کی فہرست مجھے نہیں بھیجی۔ میں نے فی الحال سب کے بالمقابل م لگا دیا ہے لیکن شاید ان میں سے ایک آدھ نسخۂ شیرانی میں ہو گا۔ آپ اپنی کاپی غالب نامہ پر ان قطعات (ص ۲۸۲) اور رباعیات (ص ۲۸۴) کے آگے نشان لگالیں۔ جو خمخانۂ شباب اور نسخۂ شیرانی میں مشترک ہیں۔ پھر پریس میں جا کر جو رباعیات وغیرہ نسخۂ شیرانی میں موجود ہیں۔ ان کے بالمقابل م حذف کر کے باقی کا اندراج صحیح کر دیں۔

(۲) آپ نے مطلعوں کی فہرست بھیجی ہے۔ اس سے ان غزلوں کے تتموں (SUPPLEMENT) کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ جن کے مطلعے تو شاعر نے نہیں بدلے لیکن نسخۂ حمیدیہ کے بعد متعدد اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ ان تتموں کے پہلے شعروں کی فہرست میں نے دوسرے کاغذ (۸) پر دی ہے۔ ساتھ ہی غالب نامے کے صفحے لکھ دیے ہیں۔ جن پر یہ تتمے آپ کو ملیں گے۔ آپ کی سہولت کے لیے نسخۂ شیرانی کی ان غزلوں کا نمبر شمار بھی لے دیا ہے جن میں شاید یہ تتمے آپ کو ملیں گے۔ آپ براہ کرم اپنا نسخہ غالب نامہ، یہ فہرست، اور نسخۂ شیرانی کی متعلقہ غزلیں سامنے رکھ کر یہ دیکھ لیں کہ کون سے تتمے نسخۂ شیرانی میں موجود ہیں۔ جو تتمے نسخۂ شیرانی میں موجود ہوں ان کے آگے م پریس والے نسخے سے حذف کر دیں۔

(۳) دوسری طرف ان غزلوں کے مطلعے درج ہیں۔ جو نسخۂ شیرانی یا کم از کم اس فہرست میں جو مجھے آپ نے بھیجی

ہے، مجھے نہیں ملے۔ اگر آپ کو بالکل سرسری نظر میں بھی کوئی غلطی ملے تو مسودہ میں اس کی درستی کر دیں۔

(۳) شاید طویل ہے اور اتنا اہم نہیں۔ اسے بشرط فرصت رکھیں لیکن باقی دو ضروری ہیں۔

میں نے پریس والوں کو بھی لکھ دیا ہے اور حفیظ صاحب کو بھی۔ آپ اکیلے یا حفیظ صاحب کو ساتھ لے کر پریس میں چلے جائیں۔ پروف حفیظ صاحب ہی دیکھیں گے۔

اورینٹل کالج میگزین کا وی پی بھجوا دیں۔ اس سال کا اور پچھلے سال کا بھی (جس میں سرسید کے متعلق آپ کے مضامین ہیں)، مجھے افسوس ہے کہ غالب نامہ کی تیاری میں [illegible] کے مضامین کے متعلق کچھ نہ لکھ سکا۔ آج مسودہ بھیج رہا ہوں سر میں میٹھا میٹھا درد ہے۔ کل مجھے بمبئی جانا ہے۔ انشاءاللہ بدھوار کے روز واپس آ کر مفصل خط لکھوں گا

مشکور: محمد اکرام، ۲ر جون

تتمہ

صفحہ غالب نامہ		
۲۵۱	دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا	ملاحظہ ہو نسخۂ شیرانی کی غزل نمبر ۱ ردیف الف
۲۵۱	جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا	ردیف الف غزل نمبر ۴
۲۵۴	اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست	ردیف تائے غزل نمبر ۲
۲۵۸	نہیں ہے زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن میں ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں	ردیف نون غزل نمبر ۱۲
۲۶۵	جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے	ردیف یائے غزل نمبر ۱

۲۶۵	مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے	ردیف یائے غزل نمبر ا
۲۶۶	مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے	ردیف یائے غزل ۷۵؟
۲۵۵	کیوں جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھ کر جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر	ردیف "ر"
۲۶۰	مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں	ردیف "نون"
۲۶۲	یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں	
۲۶۴	دھوتا ہوں میں جو پینے کو (۳) سیم تن کے پاؤں	
۲۶۹	سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے	
۲۷۰	دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی	
۲۷۳	جس بزم میں تُو ناز سے گفتار میں آوے	
۲۷۶x	وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے	
۲۷۷	ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	

۲۷۷	دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
۲۷۹	اتنا لاغر ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے

۲۸۲	تین قطعات
۲۸۴	رُباعیات

—(۹)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مکرمی و مشفقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ افسوس ہے کہ آپ کو یاد دہانی کی ضرورت پڑی۔ آپ کا خط بڑا دلچسپ اور مفصل تھا۔ میں چاہتا تھا اطمینان سے بیٹھ کر جواب لکھوں۔ وہ میسر نہ ہوا اور جواب میں دیر ہو گئی۔

آپ کا خط پڑھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ خوشی اس لیے کہ آپ نے محنت اور تحقیق سے بعض مقامات پر تبصرہ کیا ہے اور افسوس اس لیے کہ کتاب پریس میں ہے۔ اس لیے اس میں کوئی ردّ و بدل تو ہو نہیں سکتا۔

غالب نامہ کا تیسرا ایڈیشن پریس میں ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ کب چھپ سکے!؟ اس طرف لیتھو کی چھپائی اچھی نہیں ہوتی۔ اس لیے گزشتہ اکتوبر سے کتابت شدہ کاپی لاہور بھیجی ہوئی ہے۔ پچاس صفحوں سے زیادہ نہیں چھپے اور اب اطلاع آئی ہے کہ چونکہ پریس میں ملٹری کا کام بہت زیادہ ہے اس لیے کتاب نہیں چھپ سکے گی!

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ نامۂ غالب کو مرتب کر رہے ہیں۔ میں نے اس کا کوئی قلمی نسخہ نہیں دیکھا لیکن مطبع محمدی کا چھپا ہوا ایڈیشن برٹش میوزیم لائبریری (یا شاید انڈیا آفس لائبریری) میں دیکھا تھا۔ لائبریری کا نام میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن میری ایک ولایت کی یادداشت میں جس میں اسی صفحے پر برٹش میوزیم کی کتابوں کے متعلق نوٹ ہے، ذیل کا اندراج ہے

1865 A. D	نامۂ غالب
یہ خط عودِ ہندی میں چھپ چکا ہے۔	(1865 مطبع محمدی)

چونکہ خط عودِ ہندی میں موجود تھا اس لیے میں نے زیادہ کرید نہ کی۔

آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ہرمزد کا ذکر قطعاً افسانہ ہے۔ معاصرانہ اندراج تو نہیں۔ لیکن آپ نواب مصطفیٰ خاں

کے بیان کو کیا کریں گے۔ جس میں مرزا کے نام ہرمزد کے خط کا ذکر ہے۔ "اے خواجہ عزیز، چہ گفتی کہ با این ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطر مے گزری۔"

اور نامۂ غالب میں مرزا نے جو مرزا رحیم بیگ کو لکھا ہے:

"احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے مُنشی سعادت علی . . . . کے حُسنِ ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے اُستاد کا نہ لکھا۔"

یہ کونسا اُستاد تھا، جس کی نسبت مخالفین غالب کو طعنے دیتے تھے۔ محرق قاطع مولفہ مُنشی سعادت علی سے شاید کچھ اندازہ ہو۔

گلشنِ بیخار کی نسبت ہی غالباً اُردو اور معارف والوں نے طنز کیا تھا۔ ان بزرگوں کی علمی تحقیق کو کیا کہیئے۔ بلاشبہ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور دس بارہ آنے میں ملتی ہے۔ لیکن کیا اس کتاب کی قدر و قیمت، جو انیسویں صدی کے اخیر میں چھپی ہے، اس شخص کے لیے، جو اس کی بنا پر کلامِ غالب کی تاریخی تدوین کر رہا ہے، اس قلمی نسخے کے برابر ہوگی، جو ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا؟

مطبوعہ نسخہ تو میں نے ولایت جانے سے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ لیکن اس پر اس لیے انحصار نہ کر سکتا تھا کہ غالب اور شیفتہ کے تعلقات کا خیال کرتے ہوئے یہ امر مستبعد نہ تھا کہ مطبوعہ نسخے میں کچھ بعد کے اشعار بھی درج ہو گئے ہوں اور فی الواقع قلمی نسخہ مطبوعہ نسخے سے اس معاملے میں مختلف ہے۔

مجھے خیال آیا تھا کہ دُوسرے ایڈیشن میں یہ بات واضح کر دوں۔ لیکن پھر حالی کا ارشاد یاد آیا ؎

کیا پُوچھتے ہو، کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا، اُنھوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

ویسے آج کل غالب سے میری دلچسپی بہت کم ہو رہی ہے۔ چونکہ ایک کام شروع کیا تھا اس لیے یہ خواہش ضرور ہے کہ اس کتاب میں جو عیب ہیں وہ نکل جائیں۔ لیکن میں نے کچھ سالوں سے "اسلامی ہندوستان کی مذہبی اور علمی تاریخ" کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ دو مبسوط سی کتابیں تین چار سال ہوئے شائع ہوئی تھیں۔ اب پھیل کر تین ہو گئی ہیں اور کوشش یہ ہے کہ ان آٹھ نو صدیوں کی سب معاصرانہ تواریخ اور اصل ماخذ کو دیکھنے کے بعد یہ تاریخ مرتب ہو۔

آپ کو بھی میں یہی مشورہ دوں گا۔ جب آپ نامۂ غالب کی ترتیب بہمہ وجوہ مکمل کر لیں تو دستِ طلب اُنیسویں صدی کے پچاس سو سالوں سے آگے بڑھایئے۔ قوم کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ بڑی قابلِ قدر ہستیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں۔ فیضی، خسرو، بیدل کسی کے متعلق اُردو میں ایک مکمل اور محققانہ کتاب نہیں اور حالی اور مظہر کا تو نام ہی کسی کسی نے سنا ہے!

خیر ان باتوں میں ذاتی دلچسپی کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے (اور ہونا بھی چاہیئے) آپ کسی طرف بھی توجہ کریں کچھ نہ کچھ لکھتے ضرور رہیئے۔ یقیناً آپ نے تحقیق اور تلاش کے بعد لکھیں گے اور ان سے ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوگا۔

آپ کی یونیورسٹی میں رشید صاحب (شعبۂ تاریخ میں) میرے عزیز ہیں۔ ان کی اور آل احمد سرور صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے گا۔ والسلام

محمد اکرام، پونا۔ ۸ اپریل ۴۴ء

—— (۱۰) ——

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مکرمی۔ مشفقی!

تسلیمات۔ میں اگست کو کراچی جانے کا پروگرام بنا رہا تھا لیکن ابھی تک یہاں ہوں۔ انشاءاللہ کل جہاز کی روانگی ہے۔

گزشتہ بدھوار آکسفورڈ گیا تھا۔ آپ کی چند چیزیں ساتھ لینا گیا لیکن بلیک ول (BLACK WAL) میں جو صاحب مشرقی حصے کے نائب نگران ہیں ان سے پتہ چلا کہ آپ ابھی آکسفورڈ واپس نہیں آئے۔ خیر کتابیں بھی میں نے نہیں پڑھی تھیں۔ واپس لیتا آیا!

واپسی پر میری تعیناتی غالباً پنجاب میں ہوگی۔ لیکن اگر آپ PERSONAL لکھ کر کوئی خط c/o MINSTRY OF INEORMATION D. BRADCASTING KARACHI بھیج دیں تو مل جائے گا۔ خدا آپ کو کامیاب اور بامراد واپس وطن لے جائے۔

مخلص: محمد اکرام، لندن۔ ۱۵ نومبر ۴۵ء

—— (۱۱) ——

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

گرامی!

سلام مسنون! مضمون ارسال ہے۔ میں نے اسے ایک حد تک قصداً نا تمام رکھا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اس کے مباحث زیادہ تر داخلی شہادت اور قیاس پر مبنی ہیں اور وہ کامل طور پر قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتے۔ اس موضوع پر زیادہ تشفی اور قطعیت کے ساتھ تو اسی وقت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ جب رام پور میں بیٹھ کر تلاش و تحقیق کا جال پھیلایا جائے۔ اور (دوسرے دریافت طلب امور کے علاوہ) یہ پتہ لگایا جائے کہ آیا نواب فردوس مکان کی اصل غزلوں اور غالب کی اصلاحوں کا کوئی تحریری ریکارڈ تو موجود نہیں۔

شاید دفتر انشا یا مولوی امتیاز علی صاحب عرشی سے اس کے متعلق معلومات فراہم ہو سکتی تھیں، لیکن، بوجوہ، میں نے انھیں زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا اور مطبوعہ شواہد پر اکتفا کی ہے۔

موجودہ حالات میں مضمون میں جو کوتاہیاں رہ گئی ہوں گی وہ ظاہر ہیں۔ لیکن اس وقت میرا مدعا تو غالبیات کے ایک غور طلب موضوع پر بحث و تحقیق کا دروازہ کھولنا ہے اور شاید اس مقصد کے لیے یہ مضمون کافی ثابت ہو!

محمد اکرام، کراچی۔

P. S. مجھے اس امر کا احساس ہے کہ مضمون میں ایک اختلافی مسئلہ پر بحث ہے اور ممکن ہے آپ معقول وجوہ کی بنا پر اسے شائع کرنا مناسب نہ سمجھیں۔ اس صورت میں براہِ کرم رجسٹری کرا کے اسے مجھے واپس کر دیا جائے۔

—(۱۲)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ

مکرمی، مشفقی!

عنایت نامہ ملا۔ مجھے غالب نامہ کے دوسرے ایڈیشن سے سخت مایوسی ہوئی ہے۔ لیکن اس اسے پہلے ایڈیشن سے میں پھر بھی بہتر سمجھتا ہوں۔ اس میں غلطیاں ہیں لیکن معنوی غلطیاں پہلے کی نسبت کم ہیں۔

جن حضرات کو میں پہلا ایڈیشن دینا چاہتا ہوں انھیں اس لیے نہیں دینا چاہتا کہ پہلا ایڈیشن دوسرے سے بہتر ہے بلکہ اس لیے کہ پہلے ایڈیشن کے دیباچہ میں ان کا ذکر ہے۔ آپ کا ذکر تو دوسرے ایڈیشن کے شروع میں ہوگا!

خیر دوسرے ایڈیشن کے ناقص ہونے کی اصل ذمہ داری آپ پر ہے!

آپ کے خط سے مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ ہندوستان کی فارسی شاعری کی تاریخ لکھنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ میرے خیال میں آپ اس کے لیے بے حد موزوں ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ کسی طرح اس طرح کے ٹھوس اور پائدار کام کو چھوڑ کر فروعی مسائل کے متعلق آپ کا اپنا وقت ضائع کرنا بڑا ظلم ہوگا۔

میرے خیال میں آپ کی کتاب آبِ حیات کے حجم کی ہونی چاہیئے اور انداز تحریر اور اسلوب بیان بھی وہی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا مقصد صرف ایک ادبی تاریخ لکھنا نہ ہوگا بلکہ ایک ایسی کتاب لکھنا جس سے ہندوستان کی فارسی شاعری سے قوم کو پھر کا حقہٗ دلچسپی ہو جائے۔ ایسی کتاب کے لیے دلچسپ ہونا بہت ضروری ہے۔ خواہ آبِ حیات اور یادگارِ غالب کی طرح لطیفوں سے ہی کتاب بھر دیں لیکن کتاب ایسی ہو جس کی وجہ سے ہم فارسی شعرا سے اسی طرح واقف ہو جائیں جس طرح ہم مومن، ناسخ اور غالب سے ہیں۔

آزاد نے گو جگہ زبان کی تبدیلیوں اور ترقیوں سے بحث کی ہے۔ آپ اس کی جگہ قوم کی تمدنی تاریخ کا ذکر کر کے مختلف شعرا کی خصوصیات کو اس زمانے کی روشنی میں سمجھائیں گے۔

کہیئے غالب نامہ پر نظر ثانی کب ہوگی اور آب کوثر اور موج کوثر پر؟

غالب کے متعلق مقالہ کے لیے آپ کی دعوت کا شکریہ۔ لیکن کچھ عرصے سے میری صحت بہت بگڑی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رخصت کا وقت بالکل آرام اور سکون سے گزاروں اور کسی طرح کی ادبی یا ذہنی الجھن میں نہ پڑوں۔ آپ کو کیا معلوم کہ میری صحت کا کیا حال ہے ؎

یکے مُردہ شخصم بہ مردی رواں!

خیر اب آپ فارسی شاعری کی تاریخ کا کام شروع کر دیجیے اور سال دو سال کے اندر اسے مکمل کرنے کا تہیہ کیجیے۔

محمد اکرام،

میں ۱۴، ۱۵ فروری کے قریب انشاءاللہ لاہور پہنچ جاؤں گا اور آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرا پتہ 46, A Ferozepur Rd ہوگا۔

(۳)

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ یوم غالب کی نسبت پچھلے خط میں دو تاریخیں لکھ چکا ہوں میرا ارادہ چار اپریل سے ۱۳ اپریل تک رخصت لینے کا ہے۔ غالباً مل جائے گی لیکن سرکاری ملازمت بہر کیف "بندگی بیچارگی ہے" اسی کا ڈر ہے۔ ورنہ انشاءاللہ میرا آنے کا ارادہ پکا ہے۔ آپ ان ایام میں سے کوئی مناسب تاریخ منتخب کر لیں۔ چھ اپریل سے دس اپریل تک پانچ دن ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دن زیادہ بہتر رہے گا۔ آپ ان دنوں میں سے کوئی دن منتخب کر لیں۔ اور مجھے اطلاع دے دیں۔

ویسے تو میں 'یوم غالب' اور 'یوم اقبال' کو بدعت سمجھتا ہوں اور دس دن کی رخصت میں ایک دن اس کے لیے وقف رکھنا میرے عزیزوں کو ضرور ناپسند ہوگا۔ لیکن آپ کی خواہش کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں! ویسے میری نیک دعائیں آپ کے ساتھ نہیں اور خدا کرے کہ آپ یہ ارادہ ترک کر دیں۔

مخلص: محمد اکرام

—(۱۴)—

بنام ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مشفقی!

السلام علیکم۔ گرامی نامہ مورخہ ۷ نومبر ملا۔ افسوس ہے میں مصروفیت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ پروفوں کی نسبت میں نے لکھا تھا کہ یوسف ظفر صاحب دیکھ رہے ہیں کیا آپ کو میرا وہ خط نہیں ملا؟

رودِ کوثر کی نسبت آپ کو تکلیف دینے کا ارادہ ہے یعنی کاپی کی تصحیح آپ کریں۔ کاتب منشی فاضل ہے۔ بہت غلطیاں نہیں کرے گا۔ لیکن پھر بھی کئی اُلجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ باقی تین کتابوں، چشمۂ کوثر، آثارِ غالب، ارمغانِ غالب کی کاپیاں میں نے دیکھ لی ہیں۔ لیکن ارمغانِ غالب میں جو امور قابلِ اصلاح تھے اور جن کے نشان میں نے لگا دیے تھے ان کی اصلاح ابھی باقی ہے۔

آپ کے پاس اتنا وقت ہوگا۔ (۱) کہ آپ رودِ کوثر کی کاپی دیکھ سکیں۔ اور (۲) ارمغانِ غالب کی کاپی کی اصلاح کی تصدیق کر سکیں۔ یہ دونوں کام ذمہ داری کے ہیں۔ کسی پرائیویٹ ریڈر کے سپرد نہیں کیے جا سکتے۔ یا آپ کریں۔ یا میں خود۔

آپ بلا تکلف لکھیے کہ آپ کے پاس وقت ہوگا یا نہیں۔ اورینٹل کالج میگزین اور سوسائٹی کے جرنل پہنچ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لاہور سے ایک ایسا علمی رسالہ شائع ہو۔ جس میں اہلِ ذوق عوام بھی دلچسپی لے سکیں۔ اورینٹل کالج میگزین میں جس پائے کے ٹھوس مضامین شائع ہوتے ہیں وہ آپ دیکھتے ہیں۔ لیکن تحقیق کے علاوہ ایک کام ترجمانی کا ہوتا ہے۔ یعنی ریسرچ کے نتائج عام فہم صورت میں اہلِ علم عوام کے سامنے پیش کرنا! شبلی میں یہ دونوں صلاحیتیں موجود تھیں۔ اور آپ میں بھی ہیں۔ اگر معارف کے طرز کا (کئی اختلافات کے ساتھ) کوئی رسالہ لاہور سے شائع ہو سکے تو وہ پنجاب وغیرہ میں ایک شمعِ ہدایت ہو۔

پرنسپل شفیع صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں۔ وہ کوئی اس طرح کا مشغلہ شروع کریں تو کیا کہنا!

میں انشاء اللہ فروری یا مارچ میں دس دن کے لیے پنجاب آؤں گا۔ لیکن سوسائٹی میں پڑھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ اگر دس دن سے زیادہ کی رخصت مل سکی تو انشاء اللہ ضرور وقت نکالوں گا۔ لیکن اس "رخصتِ اتفاقیہ" میں ننگی کیا نہائے اور کیا نچوڑے۔

نیاز مند، محمد اکرام

———

سید مسعود حسن رضوی

بنام امتیاز علی عرشی

"ادبستان"

دین دیال روڈ ۔ لکھنؤ

۴ر جون سنہ ۴۰ء — کرمی ۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۲ر مئی وصول ہوا ۔ مجالس رنگین کا ایک نسخہ ہدیۂ حاضر کیا جاتا ہے ۔ قبول فرمائیے ۔

میں چند روز کے لیے لکھنؤ سے باہر چلا گیا تھا ۔ اس سبب سے تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی ۔

میر تقی میر کا رسالہ فیض میر بھی میں نے مرتب کر کے شائع کر دیا تھا اگر اس کی ضرورت ہو تو ایک نسخہ اس کا بھی حاضر خدمت کروں ۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔ — نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۲)

"ادبستان" دین دیال روڈ لکھنؤ

۲۵ر جون سنہ ۴۰ء ۔ — محترمی ۔ تسلیم

مجالس رنگین کی رسید میں آپ کا گرامی نامہ پہنچا ۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ اس کتاب کا ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہیں ۔ جن شاعروں کا اس میں ذکر آیا ہے اگر آپ ان کا حال بھی لکھ دیں گے تو بے شک یہ مفید کتاب مفید تر ہو جائے گی ۔ میں نے ان شعرا کے حالات فراہم نہیں کیے ہیں ۔ لیکن اگر آپ مجھے تحریر فرمائیں کہ کن شاعروں کے متعلق اب تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا ہے تو آپ کے ساتھ میں بھی ان کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کروں ۔ فیض میر کا ایک نسخہ علیحدہ لفافے میں بھیج رہا ہوں ۔ رسید سے مطلع فرمائیے ۔ والسلام ۔

نیاز کیش : سید مسعود حسن رضوی

(۳)

ادبستان ۔ دین دیال روڈ ۔ لکھنؤ

۹ر ستمبر سنہ ۴۱ء — محترمی ۔ تسلیم

میرے دو شاگرد جو فارسی میں ایم ۔ اے پاس کرنے کے بعد ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کرنے کی غرض سے خان آرزو اور ظہوری پر تحقیقی مقالے

لکھ رہے ہیں۔ ریاست رام پور کے علمی خزانے سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کی عنایت ان کے شامل حال ہوئی تو انہیں کتب خانے تک بہ آسانی رسائی حاصل ہو جائے گی۔ اس مہینے کی آخری تاریخوں میں دسہرے کی تعطیل ہے اور یہ زمانہ ان کے سفر رام پور کے لیے بہترین ہے۔ آپ کی طرف سے ہمت افزائی ہو تو میں ان کو تعطیل میں رام پور بھیج دوں۔ ایک طالب علم جو آرزو پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ ان کے لیے تعطیل کی شرط بھی نہیں ہے۔ وہ ہر وقت آپ کی عنایت اور ہدایت سے مستفید ہونے کے لیے تیار ہیں۔ صرف آپ کی اجازت کی دیر ہے ——— براہِ کرم جواب جلد مرحمت ہو۔

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۴)

ادبستان۔ دین دیال روڈ، لکھنؤ

۱۸ ستمبر ۱۹۴۱ء

محترمی۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۲ ستمبر میرے خط کے جواب میں موصول ہوا۔ کتب خانے میں داخلے کا جو طریقہ آپ نے لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس تعطیل میں داخلہ ممکن نہ ہو گا۔ بہرحال میں نے اُن دونوں طالب علموں کو آپ کے جواب سے مطلع کر دیا ہے۔

خطوطِ غالب کے متعلق عرض ہے کہ میرے پاس فارسی کے پچاس خطوں کی نقلیں موجود ہیں جن میں سے زیادہ تر غیر مطبوعہ معلوم ہوتے ہیں میرا خود قصد تھا کہ ان کا ایک مجموعہ شائع کروں مگر ابھی تک مطبوعہ خطوں سے ان کا مقابلہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوں کی فہرستیں بنائی جا چکی ہیں، ان کے ابتدائی جملے نقل کیے جا چکے ہیں اس طرح ایک سرسری مقابلہ تو کیا جا چکا ہے مگر تفصیلی مقابلے کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اگر آپ توقف فرمائیں تو میرا یہ مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور آپ جو مکمل مجموعہ مناسب ترتیب کے ساتھ شائع فرمائیں گے اس کی قدر و قیمت میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا۔ ایک خاص مصلحت سے اِن غیر مطبوعہ خطوط کو چھپوانا میرے لیے ضروری ہو گیا ہے، ورنہ میں ان خطوں کی نقلیں بخوشی حاضر کر دیتا ظاہر ہے کہ ساری خطوں کا مکمل مجموعہ شائع ہو جانے کے بعد یہ چند خطوں کا مجموعہ بیکار ہو جائے گا۔ مگر مصلحتہً اس مجموعے کا چھپوانا ضرور ہے۔ البتہ اب میں اس امر ثانی عجلت کروں گا کہ آپ کے کام میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

اُمید کہ مزاج گرامی مع الخیر ہو گا۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

ہاں صاحب یہ تو فرمائیے کہ یہ انتخاب غالب از غالب کیا چیز ہے، جس کی طباعت میں آپ ان دنوں مصروف ہیں۔ س۔م۔ح

(۵)

ادبستان۔ دین دیال روڈ لکھنؤ

۹ اکتوبر ۱۹۴۱ء

مکرمی۔ تسلیم

میں کوئی دو ہفتے کے لیے پٹنہ اور کلکتہ چلا گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۳ ستمبر ۶ اکتوبر کو ملا۔ انتخاب غالب

کے دیباچے کے لیے آپ نے غیر مطبوعہ خطوطِ غالب کے ضروری اقتباسات طلب فرمائے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ کی توجہ اپنے ایک مضمون کی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں جو "مرزا غالب کا کچھ غیر مطبوعہ کلام اور اس کی شانِ نزول" کے عنوان سے رسالۂ الناظر بابت دسمبر ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں آپ کو کوئی کام کی بات مل جائے۔ وہ مضمون انہیں غیر مطبوعہ خطوط سے ماخوذ ہے۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۶)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۲۰ ر اکتوبر ۱۹۴۲ء

محترمی۔ تسلیم

یہاں ایک صاحب کے پاس کچھ کتابیں برائے فروخت موجود ہیں۔ ان میں ایک نسخہ ملا محمد باقر مجلسی کی مشہور کتاب جلاء العیون کا ہے۔ یہ کتاب تو کمیاب نہیں ہے لیکن اس کا یہ نسخہ اپنی خصوصیتوں کے اعتبار سے فی الحقیقۃ عدیم النظیر ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اودھ کے امرا نے بھی ایسے ایسے نسخے تیار کروائے تھے جو سلطان حسین میرزا، بایسنغر اور الغ بیگ کے عہد کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ اس نسخے کی خصوصیات، جو اس کے موجودہ مالک نے لکھ کر مجھے دیے ہیں، میں اس خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ ان خصوصیات سے آپ کو اس نسخے کی حالت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا، لیکن شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اگر آپ اس کی خریداری کے لیے تیار ہوں تو وہ نسخہ آپ کے ملاحظے کے لیے پیش کیا جائے گا۔ اس کی قیمت ایک ہزار روپیہ مانگی جاتی ہے لیکن جب اس کے مالک یا ان کے بھیجے ہوئے کوئی صاحب کتاب لے کر آپ کے پاس آئیں اور آپ ان سے قیمت کے متعلق گفتگو کریں تو ممکن ہے کہ سات آٹھ سو روپے میں معاملہ ہو جائے۔ مگر یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ قیمت میں کتنی تخفیف ہو سکتی ہے۔

میں ادھر کچھ دنوں سے بیمار ہوں۔ کئی دن صاحبِ فراش رہا۔ اب طبیعت رو بہ اصلاح ہے۔ مگر سر میں اتنی تکلیف رہتی ہے کہ کوئی دماغی کام کرنا ممکن نہیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۷)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۳۰ ر اکتوبر ۱۹۴۲ء

محترمی۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۵ ر اکتوبر وصول ہوا۔ کتاب کے مالک کو آپ کے جواب سے مطلع کر دیا۔ میں بحمدہٖ اب اچھا ہوں۔ صرف کھانسی کی شکایت باقی رہ گئی ہے۔ مگر اس میں بھی تخفیف ہے۔ آپ نے دستور الفصاحت کا مشتاق بنا دیا ہے۔ امید ہے کہ اس کے چھپتے ہی اس کا ایک نسخہ آپ مجھے عنایت فرمائیں گے۔ والسلام

نیاز کیش: مسعود حسن رضوی

(۸)

ادبستان - دین دیال روڈ - لکھنؤ

۲۵ فروری سنہ ۴۸ء کرمی - تسلیم

آپ کے خطوں کے جواب میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ اب کسی معذرت کا محل نہیں رہا۔ بہرحال میں نہایت مجوب ہوں کہ آپ کو اتنی مدت تک جواب کا منتظر رکھا۔ جی چاہتا تھا کہ یادگار غالب کے موقع پر رامپور پہنچ کر آپ کی ملاقات کی مسرت حاصل کروں اور وہیں اپنی معذوریوں کی داستان آپ کو سناؤں۔ مگر یہ خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔ مختصر یہ کہ ادھر دو مہینے کا زمانہ بچوں کی شدید اور مسلسل بیماریوں کے باعث نہایت پریشانی میں گزرا۔ اب بحمدہ اس پریشانی سے نجات ملی ہے تو کئی دن سے اُن خطوں کے جواب لکھ رہا ہوں جو اس زمانے میں جمع ہو گئے تھے۔ غالب کے غیر مطبوعہ خطوط کے متعلق عرض ہے کہ جب آپ یہ وعدہ فرماتے ہیں کہ جب تک میں ان کو شائع نہ کروں گا آپ بھی انہیں شائع نہ فرمائیں گے تو مجھے ان کی نقل دینے میں کوئی تامل نہیں ہے۔ مگر دقت نقل کرنے کی ہے۔ خطوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے، ان کو نقل کرنے اور پھر اصل سے مقابلہ کر کے صحیح کرنے میں بہت وقت صرف ہوگا اور اتنی فرصت مجھ کو ملتی نہیں۔ اگر کوئی نقل کرنے والا مل گیا تو میں ان خطوں کی نقلیں آپ کو ضرور بھیج دوں گا۔ امید ہے کہ "سنگ یادگار" نصب کرنے کی تقریب کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئی ہوگی۔ فقط۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۹)

ادبستان - دین دیال روڈ - لکھنؤ

۱۷ فروری سنہ ۴۵ء محترمی - تسلیم

(۱) خطوط غالب کی ایک نقل بھیجی جاتی ہے۔ میرے اس وعدے کے ایفا میں بہت تاخیر ہوئی۔ مگر خدا خدا کر کے آج اس کا وقت آ ہی گیا۔ ان خطوں کا مقابلہ کر کے تا امکان ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ پھر بھی بعض مقامات مشتبہ رہ گئے ہیں۔ خاص کر آخری خط میں آپ کو جو نقل بھیجی جا رہی ہے۔ اس میں تمام خطوں پر سلسلے کے نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ یہی نمبر میں نے اپنے پاس کی نقل پر بھی ڈال دیے ہیں۔ اسلیے جس خط کے بارے میں آپ کچھ دریافت کرنا چاہیں اس کے نمبر کا حوالہ دے دینا کافی ہوگا۔ ان خطوں کا مقابلہ سرسری طور پر پنج آہنگ کے خطوں سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں کے کئی خطوط اس کتاب میں موجود ہیں۔ مگر بعض خطوں میں جگہ جگہ عبارت کا اختلاف نظر آتا ہے آپ تو بہرحال ان خطوں کا مقابلہ پنج آہنگ سے کریں گے۔ براہِ کرم مقابلے کے نتیجے سے مجھے بھی مطلع فرمائیے گا۔ میں اس اطلاع کا منتظر رہوں گا۔

۲۔ دیوان زادۂ حاتم کا جو نسخہ رامپور کے کتب خانے میں ہے اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کا کاتب کون ہے اور اس کی کتابت کی تاریخ کیا ہے۔ حاتم نے اپنی غزلوں پر تصنیف کی تاریخیں لکھ دی ہیں۔ ان تاریخوں میں سب سے پہلی تاریخ کونسی ہے۔ دیوان زادے کے مختصر دیباچے کی نقل مطابق اصل بھی مطلوب ہے یعنی اگر اصل میں انشا اور املا وغیرہ کی کچھ غلطیاں ہوں تو وہ نقل میں بھی ہونا

چاہیے۔ اگر آپ مطلوبہ اطلاعات اور نقل دیباچہ مجھے بھیج دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔

(۳) دہلی کے ایک قدیم شاعر فائز کا دیوان میں نے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک خاصا طولانی مقدمہ لکھا ہے۔ فائز اور ان کے بزرگوں کے نام یہ ہیں، صدر الدین محمد خاں ابن زبردست خاں ابن ابراہیم خاں ابن علی مردان خاں امیر الامرائے شاہجہانی۔ صدر الدین محمد خاں متعدد کتابوں اور رسالوں کے مصنف تھے جن میں سے چند میری نظر سے گزرے ہیں اور چند میرے پاس موجود ہیں۔ کیا آپ کے کتب خانے میں ان کی کوئی تصنیف ہے؟ یا کوئی اور کتاب یا کتابیں ایسی ہیں جن سے ان کے اور ان کے والد زبردست خاں کے حالات معلوم ہو سکتے ہوں؟ اگر ہوں تو براہِ راست مجھے مطلع فرمائیے۔ ایک صاحب کا خیال ہے کہ شاید آپ کے کتب خانے میں زبردست خاں کی تصویر موجود ہے۔ کیا یہ خیال صحیح ہے؟

خطوط غالب کی رسید اور اس کے جواب سے جلد سرفراز فرمائیے۔ امید ہے آپ ہر طرح خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۰)

ادبستان۔ دین دیال روڈ لکھنؤ

۲۱ مارچ ۱۹۴۵ء

مکرمی۔ تسلیم

آپ کے دو عنایت نامے پہنچے۔ پہلے سے آپ کی بیماری کا حال معلوم کر کے میں متفکر تھا، دوسرے میں بیماری کا کچھ ذکر نہ تھا۔ امید ہے کہ آپ اب بالکل تندرست ہوں گے۔ دیوان زادۂ حاتم کے دیباچے کی نقل وصول ہوئی۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ صدر الدین محمد خاں کے تصانیف کا حال سننے کے لیے بے چین ہوں۔ میں نے ان کا اردو دیوان مرتب کیا ہے اور ان کے جو تصانیف مجھے مل سکے ان کی مدد سے دیوان پر خاصا طولانی مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اگر آپ کے کتب خانے میں ان کی کچھ ایسی تصنیفیں موجود نکلیں جو مجھے اب تک دستیاب نہیں ہو سکی ہیں تو میں ان سے بھی مدد لینے کی کوشش کروں گا۔ اس لیے پہلے ان کتابوں کے صرف نام معلوم کرنا مطلوب ہے۔

غالب کے جو خط میں نے آپ کو بھیجے ہیں ان میں سے صرف ایک پر مکتوب الیہ کا نام درج ہے۔ بعض خطوں میں تحریر کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ مگر سنہ کسی میں موجود نہیں ہے۔ میں ان خطوں کو غور سے پڑھ پڑھ کر ان کے مکتوب الیہ اور زمانۂ تحریر کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھیے کس حد تک کامیابی ہوتی ہے۔ بہت دن ہوئے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ ایک خاص ضرورت سے میں ان خطوں کو ایک رسالے کی صورت میں شائع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب اس ارادے میں اتنی ترمیم ہو گئی ہے کہ ان کے خطوں کے ساتھ غالب کی چند نظمیں بھی شامل کر دینا چاہتا ہوں۔

صدر الدین محمد خاں کے تصانیف کی فہرست آپ جتنی جلد بھیج دیں گے اتنا ہی میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ فقط والسلام

نیاز مسلک

سید مسعود حسن رضوی

(۱۱)

ادبستان - دین دیال روڈ۔ لکھنؤ
۳۱ مارچ سنہ ۶۵ء

مکرمی - تسلیم

آپ کے دونوں خط پہنچے - آپ نے تصویر اور رسالے کی تلاش میں جو زحمت اُٹھائی اور ان دونوں چیزوں کے بارے میں جو تفصیلی اطلاع مجھے بہم پہنچائی اس کے لیے میں دل سے آپ کا شکر گزار ہوں - صدرالدین محمد خاں کے اس رسالے کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے اور اس پر بھی اس کا نام مناظرات کی جگہ منظرات لکھا ہوا ہے - آپ کے نسخے کے سرورق پر مصنف کی مُہر جو لگی ہوئی ہے اس میں سنہ ۱۲۱۰ درج ہونا ذرا قیاس کے خلاف ہے - اس لیے کہ اس طرح ان کی عمر اس وقت سو برس سے زیادہ ٹھہرتی ہے - براہِ کرم اس مہر کو پھر ملاحظہ فرمائیے - ممکن ہے کہ سنہ ۱۲۲۰ درج ہو ———

کیا اس مصنف کا صرف یہی ایک رسالہ وہاں موجود ہے ؟

صدرالدین محمد خاں کی تصویر کا عکس مجھے مطلوب ہے - اس کے حصول کا ذریعہ کیا ہے ؟ کیا ان کے بزرگوں میں سے کسی کی تصویر آپ کے کتب خانے میں ہے ؟

غالب کے خطوط مرتب کرنے کے بعد میں بخوشی آپ کے پاس بھیج دوں گا - آپ اپنے اشاعت خانے سے انہیں شائع فرما سکتے ہیں - آج کل امتحانوں کی کاپیاں دیکھنے میں اس قدر مصروف رہنا پڑتا ہے کہ کسی اور کام کی طرف توجہ کرنے کا موقع بالکل نہیں مل سکتا - یہ مصروفیت تقریباً ۱۵ مئی تک جاری رہے گی - اس سبب سے یہ خطوط مرتب صورت میں مئی کے آخری ہفتے سے پہلے نہ بھیجے جا سکیں گے - میر تقی میرؔ کا فارسی دیوان اب تک شائع نہیں ہوا ہے - اس کے قلمی نسخے بھی بہت کم یاب ہیں ، بلکہ اس کا مکمل نسخہ شاید ایک ہی ہے جو میرے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے - اگر آپ کا اشاعت خانہ اس کو چھاپ سکتا ہو تو میں اس کو بھی مرتب کر کے بھیج دوں گا -

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اب آپ بحمد اللہ تندرست ہیں - جو تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے وہ بھی انشاء اللہ جلد دور ہو جائے گی - والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۲)

ادبستان - دین دیال روڈ۔ لکھنؤ
۷ مئی سنہ ۶۵ء

محترمی - تسلیم

نواب صدرالدین محمد خاں کی تصویر پہنچی - میں آپ کی اس عنایت کا دل سے شکر گزار ہوں - آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ تصویر میں محل کے نیچے باغ بھی ہے اور تصویر پر صاحبِ تصویر اور ان کے باپ دادا کے نام بھی درج ہیں ، اور اشرف خاں کی مُہر بھی لگی ہوئی ہے - غالباً

عکس لیتے وقت یہ چیزیں بیکار سمجھ کر چھوڑ دی گئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک عکس ایسا بھی لے لیا جائے جس میں یہ سب چیزیں شامل ہوں۔ براہ کرم فوٹو گرافر صاحب سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دیجیے کہ کیبنٹ سائز کا عکس وہ کتنے میں تیار کر دیں گے اور فل سائز کا کتنے میں۔ جی چاہتا ہے کہ اصل تصویر کی ایک رنگین نقل بھی بنوا کر اپنے پاس رکھوں۔ یہ نقل پیمائش اور رنگوں کے اعتبار سے بالکل اصل کے مطابق ہونا چاہیے اگر فوٹو گرافر صاحب "واٹر کلر" کا کام جانتے ہوں تو ان سے اس کی اجرت بھی دریافت فرمالیجئے گا۔

خطوط غالب کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ ۵ ار مئی تک امتحانوں کے کاموں میں شدید مصروفیت رہے گی۔ اس کے بعد ان خطوں کی ترتیب کا وقت مل سکے گا اور مئی کے آخر تک اُمید ہے کہ میں اُن کی ترتیب سے فارغ ہو سکوں گا۔ اس سلسلے میں آپ سے ایک مشورہ بھی کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ غالب کے ان خطوں کے ساتھ ان کی غیر مطبوعہ نظمیں بھی شامل کر دوں۔ ان چیزوں میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جن کو خود غالب نے پوشیدہ رکھنا چاہا اور کچھ ایسی بھی ہیں جو اتفاقاً متجسس نگاہوں سے پوشیدہ رہ گئیں۔ اس بنا پر اس مجموعے کا نام اگر "مکتوبات غالب" رکھا جائے تو آپ کی رائے میں مناسب ہو گا یا نہیں۔ چونکہ اس مجموعے میں نثر بھی ہو گی اور نظم بھی، فارسی بھی ہو گی اور اردو بھی، اس لیے اس کا کوئی مختصر نام تجویز کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ اگر آپ کوئی نام تجویز کر دیں تو میں شکر گزار ہوں گا۔

ادھر ایک طرف تو امتحانوں کے کاموں کی زیادتی رہی دوسری طرف میری طبیعت نادرست رہی۔ کوئی نہ کوئی شکایت برابر رہی۔ اب بھی طبیعت بالکل درست نہیں ہے۔ اس شہر کی آب و ہوا بھی کچھ دنوں سے بہت خراب ہو گئی ہے پہلے اسہال کے مرض کی شدت رہی اب چند روز سے ہیضے نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ خدا رحم کرے۔

امید ہے کہ اب آپ کا مزاج بالکل درست ہو گا۔ فقط والسلام   نیاز مسلک

سید مسعود حسن رضوی

آج میں نے تین روپے کا منی آرڈر آپ کے نام بھیجا ہے۔ براہ کرم فوٹو گرافر صاحب کو بھجوا دیجیے گا۔

مسعود

(۱۳)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۴ جون ۴۵ء

محترمی۔ تسلیم

آپ کا گرامی نامہ جو ۵ ا مئی کو وصول ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ غالب کی تصویر کا مکمل اور اچھا عکس بننا بہت مشکل ہے۔ مگر میں ابھی تک نا امید نہیں ہوا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ خاص طور پر توجہ فرمائیں گے تو یہ کام ضرور انجام پا جائے گا۔ مکرمی جناب خواجہ غلام السیدین صاحب نے فرمایا کہ جب ریاست کو ضرورت ہوتی ہے تو مراد آباد سے کوئی اچھا فوٹو گرافر بلوا لیا جاتا ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جب کوئی ایسا موقع آئے اور آپ کو اس کا علم ہو تو آپ انہیں فوٹو گرافر صاحب سے فرما دیں کہ وہ غالب کی پوری تصویر کا کیبنٹ سائز عکس اتار کر وی۔ پی کے ذریعے سے میرے پاس بھیج دیں۔ بہر حال غور کر کے کوئی نہ کوئی صورت تو آپ کو اس کام کی انجام دہی کے لیے نکالنا ہی پڑے گی۔ مجھے احساس ہے کہ میں بار بار آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ مگر شوق کے ہاتھوں مجبور ہوں اور اسی کے ساتھ اس امر کا یقین

بھی ہے کہ آپ کی علم دوستی ان زحمتوں کو بخوشی برداشت کر سکے گی۔ والسّلام

اُمید ہے کہ مزاجِ سامی مع الخیر ہوگا۔

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(دوسرا صفحہ ملاحظہ فرمائیے)

میرے ایک شاگرد ولی کمال خاں صاحب ایم اے۔ جو تاریخ پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ ان کا ایک خط رام پور سے آیا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ ابھی وہیں ہیں یا واپس گئے۔ اگر وہیں ہوں تو ان کو میرا اسلام کہیے اور فرما دیجئے کہ ان کے موضوع سے متعلق جو مواد رام پور کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کا علم حضرت عرشی سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا ہے اور اس کی تلاش میں موصوف سے بہتر ہدایت کون کر سکتا ہے۔ اس لیے اُن کو موصوف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ایک دُور افتادہ جس کو خود اس کی خبر نہیں کہ رام پور کے علمی خزانے میں کون کون سے نایاب گوہر موجود ہیں وہ کسی "طالب" کی رہنمائی کیوں کر کر سکتا ہے۔ فقط

میں نے آپ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ مجھ کو امتحانوں کے کاموں سے ۱۵ مئی تک فرصت مل جائے گی اور میں آخر مئی تک خطوطِ غالب بغرضِ اشاعت بھیج سکوں گا۔ لیکن میرے اندازے کے خلاف پرچے دیکھنے میں ۲۵ مئی تک مصروفیت رہی اور اس کے بعد فوراً ہی مجھ کو دلی ریڈیو اسٹیشن کی فرمائش پر ایک تقریر لکھنا پڑی جس سے ۳۰ مئی کو فرصت ملی۔ اب میں خطوط وغیرہ کی ترتیب میں مصروف ہوں۔ امید ہے کہ ہفتے عشرے میں یہ کام پورا ہو جائے گا۔ فقط والسّلام۔ س۔ م۔ ح

(۱۴)

ادبستان۔ دین دیال روڈ، لکھنؤ

۲۸ جون ۱۹۵۴ء محترمی۔ تسلیم

گرامی نامے کا شکریہ۔ پشتو زبان کی کوئی گرامر یونیورسٹی کے کتب خانے میں نہیں ہے۔ کسی دوسری جگہ بھی اس کے وجود کا مجھے علم نہیں ہے۔

امید ہے کہ مزاجِ سامی مع الخیر ہوگا۔

نیاز کیش

سیّد مسعود حسن رضوی

(۱۵)

ادبستان۔ دین دیال روڈ، لکھنؤ

۹ جولائی ۱۹۵۴ء کرمی۔ تسلیم

غالب کے خطوط وغیرہ کا مجموعہ مرتب کر کے حسبِ وعدہ بھیج رہا ہوں۔ اس مجموعے کا کوئی اچھا نام سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ نے بھی اب تک کوئی نام تجویز نہیں کیا۔ مجبوراً اس کا نام "متفرقاتِ غالب" رکھ دیا ہے۔

ہمارے کاتب صاحب بدخط تو ہیں ہی مگر مقدمہ نقل کرنے میں انہوں نے بدخطی کا کمال صرف کر دیا ہے۔ اس پہ طرّہ یہ کہ اس میں ترمیم و تنسیخ بھی بہت ہو گئی ہے۔ خدا ہی حافظ ہے جو مطبع کے کاتب اس کو صحیح پڑھ سکیں۔ کاپیوں کی تصحیح کا آپ کو خاص انتظام کرنا ہوگا۔

غالب کے ان خطوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کی تاریخ کتابت کا پتا چل جاتا ہے مگر سنہ کہیں پر درج نہیں ہے جن خطوں پر انگریزی مہینے کی تاریخ کے ساتھ دن بھی لکھ دیا گیا ہے ان کا سنہ معلوم کر لینا آسان ہے۔ مگر جن خطوں پر عربی مہینے کی کوئی تاریخ درج ہے ان کا صحیح سنہ معلوم کرنا مشکل ہے۔ اس کے لیے خط کے مضمون سے مدد لینا ہوگی اور غالب کے حالات زندگی اور ان کا صحیح زمانہ نظر میں رکھنا ہوگا۔ میں نے اس سلسلے میں کچھ کوشش کی۔ مگر نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ جب تک غالب کے کل خط سامنے نہ ہوں اس وقت تک صرف ان خطوں سے ان کی تاریخیں معین کرنا ممکن نہیں۔ اور آپ ان کے کل فارسی خطوط مرتب کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ ہی اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ میں نے ہر خط علیحدہ کاغذ پر نقل کروایا ہے۔ اور ہر خط کی پشت پر پنسل سے اس کے مضمون کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔ اس کے بعد اس کی تاریخ معین کرنے کے سلسلے میں کچھ یادداشتیں لکھ دی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے آپ کو یہ خط دوبارہ نقل نہ کروانا پڑیں اور جو کچھ ان خطوں کی پشت پر لکھا ہوا ہے اس سے ان کو ترتیب دینے میں شاید کچھ سہولت ہو۔ اس خیال سے میں نے اس کو قلمزد نہیں کیا ہے۔ براہ کرم کاتب کو ہدایت فرما دیجیے کا کہ وہ پنسل سے لکھی ہوئی عبارتوں کو نقل نہ کریں۔

میری خواہش ہے کہ یہ مجموعہ بہت جلد چھپ کر شائع ہو جائے۔ اُمید ہے کہ آپ ارباب "اشاعت خانہ" کو عجلت کے لیے تاکید کر دیں گے۔ اور مجھے مطلع فرمائیں گے کہ اس کی اشاعت کب تک عمل میں آئے گی۔

فائز کے دیوان کی ترتیب اور اس کا طولانی مقدمہ وغیرہ بھی مکمل ہو چکا ہے۔ اب صرف ان کی تصویر کا انتظار ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اس کام کی طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔ والسلام

بخدمت جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۶)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۲۰ر جولائی ۴۵ء

کرمی۔ تسلیم

کارڈ پہنچا۔ یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ متفرقاتِ غالب کا مسودہ آپ کو مل گیا۔ اس کا مقدمہ بہت بدخط ہے اور اس میں کاٹ پیٹ بھی بہت کی گئی ہے۔ براہ کرم اس کو نقل کروا کے اصل میرے پاس بھیج دیجیے۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں ایک جگہ کی عبارت میں ایک ضروری ترمیم کرنا تھی جو باقی رہ گئی۔

آپ کے کتب خانے میں مرزا علی خان مبتلا کا تذکرہ گلشن سخن موجود ہے، مولوی عبدالحق صاحب نے انجمن ترقی اردو کے لیے اس کی نقل چند سال ہوتے حاصل کر لی تھی۔ میں نے اس نقل کا اپنے نسخے سے مقابلہ کیا تو یہ گمان ہونے لگا کہ اس کے کاتب نے شعراء کے حالات میں اختصار اور ان کے کلام میں کمی کر دی ہے۔ اس امر کی تصدیق کے لیے آپ کو تھوڑی سی زحمت دینا پڑ رہی ہے۔ مہربانی فرما کر

میر، مصحفی اور مبتلا کے حالات اس تذکرے سے نقل کروا کے مجھے بھیج دیجیے اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ ان شاعروں کے اشعار جو صاحب تذکرہ نے نقل کیے ہیں۔ ان کی تعداد کیا ہے ——— اس زحمت دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

نواب صدر الدین محمد خاں فائز دہلوی پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر اور اُن کا اردو دیوان فرہنگ اور حاشیوں کے ساتھ مرتب کر کے انجمن ترقی اردو کو اشاعت کے لیے بھیج چکا ہوں۔ اب صرف اُن کی تصویر کا انتظار ہے۔ فقط والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۷)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۸ر اگست ۴۵ء

مکرمی۔ تسلیم

گرامی نامہ پہنچا۔ زحمت فرمائی کا شکریہ۔ متفرقات غالب کے پروف دیکھنے کی میں نے خواہش نہیں کی تھی بلکہ یہ درخواست کی تھی کہ اس کے مقدمہ کی نقل کروا کے مع اصل مجھے بھیج دیجیے۔ اس میں کاٹ چھانٹ بہت کی گئی ہے۔ جس سے اندیشہ ہے کہ کاتب سے اس کو نقل کرنے میں غلطی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اس کے ایک مقام کی عبارت میں کچھ تبدیلی کرنا ہے۔ اور یہ تبدیلی بہت ضروری ہے۔ مسوّدہ بھیجتے وقت میں وہ تبدیلی کرنا بھول گیا۔ آپ کو زحمت تو ہوگی مگر اصل مقدمہ مع نقل یا محض اصل مقدمہ رجسٹری ڈاک کے ذریعے سے جلد میرے پاس بھیج دیجیے۔ میں ضروری ترمیم کے بعد اس کو صاف کروا کے جلد واپس کروں گا۔

اُمید ہے کہ مزاجِ سامی مع الخیر ہوگا۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۸)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۸ر ستمبر ۴۵ء

عید مبارک

مکرمی۔ تسلیم

متفرقات غالب کا ایک جز کوئی دو ہفتے ہوئے پہنچا تھا۔ اس کے بعد اب تک دوسرا جز وصول نہیں ہوا۔ شاید کسی سبب سے اس کی طباعت ملتوی رہی۔ کتاب کی چھپائی ختم ہوتے ہی اس کا اشاریہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ کتاب کے پروف کی تصحیح کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ کی محتاط طبیعت غلطی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصۂ اوّل مکتوبات پر اور حصۂ دوم منظومات پر مشتمل ہے۔ ہر حصے کے پہلے ایک سادہ ورق ہونا چاہیے اور ان ورقوں کے پہلے صفحے پر حسب ذیل الفاظ درج ہونا چاہییں :-

"حصۂ اوّل - مکتوباتِ غالب"

"حصۂ دوم - منظومات غالب"

کتاب کے آخر میں دو ضمیمے ہوں گے۔ یہ دونوں نئے ورق پر شروع ہونے چاہئیں، اور اُن کی پیشانی پر "ضمیمۂ الف" اور "ضمیمۂ ب" جلی حرفوں میں لکھنا چاہیئے۔

مقدمہ تیار ہو چکا ہے اور اس کی صاف نقل بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ اس میں کتاب کے صفحوں کا جا بجا حوالہ دینا ہے، اس لیے اس کی تکمیل کتاب کی طباعت ختم ہونے پر ہو سکے گی۔ کتاب کا آخری جزو وصول ہونے کے بعد فوراً مقدمہ آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

حقِ تالیف ہبہ کرنے کے لیے جو تحریر مطلوب ہے اس کا مسودہ بھیج دیجئے۔ میں اس تحریر پر دستخط کرکے واپس کر دوں گا۔ اُس تحریر میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ پہلی طباعت پر کتاب کے پندرہ مجلّد نسخے اور بعد کی ہر اشاعت پر دس مجلّد نسخے مولّفِ کتاب کو بلا قیمت دیئے جائیں گے۔ ہاں اس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقدمۂ کتاب کا وہ حصّہ جو غالب کی مثنوی سے متعلق ہے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے رسالۂ "آجکل" میں شائع ہونے والا ہے۔ مثنوی اس کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ بلکہ ایک فُٹ نوٹ میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ غالب کی یہ مثنوی کتاب متفرقاتِ غالب میں شامل ہے، جو اشاعت خانہ رام پور سے عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ اس سے اشاعت خانے کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اشاعت خانے اور کتاب دونوں کا کافی اشتہار ہو جائے گا۔

میرے فارسی دیوان کے بارے میں تو میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ ایک اُردو مثنوی افسانۂ لکھنؤ بھی شائع کرنے کے قابل ہے۔ اس میں انتزاعِ سلطنت سے زمانۂ غدر تک کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مصنف خود اُس زمانے میں لکھنؤ میں موجود تھا۔ اس لیے اُس کے بیانات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا کوئی دوسرا نسخہ غالباً موجود نہیں ہے۔ میں اس وقت دوسرے کاموں میں مصروف ہوں۔ ان سے فرصت مل لے تو اُن کتابوں کو اشاعت کی غرض سے مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ خیر جب اس کام کا وقت آئے گا تو آپ کو لکھوں گا۔

فائز کی تصویر کا انتظار ہے۔ والسّلام۔

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۱۹)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ۔

۳ر دسمبر ۴۵ء

کرمی۔ تسلیم۔

کارڈ وصول ہوا اور یہ معلوم کرکے اطمینان ہوا کہ آپ کوشش کر رہے ہیں کہ متفرقاتِ غالب ۱۹۴۵ء کے اندر ہی چھپ جائے۔ اس کا مقدمہ تیار رکھا ہوا ہے۔ چونکہ اس میں بعض مقامات پر مطبوعہ کتاب کے صفحوں کا حوالہ دینا ہے، اس لیے اصل کتاب کے چھپنے کا انتظار ہے۔ جس دن مجھے چھپی ہوئی کتاب وصول ہو گی اسی دن صفحوں کا حوالہ درج کرکے مقدمہ آپ کو بھیج دوں گا۔ جلد

والوں سے آپ فرمادیں کہ وہ ڈیڑھ یا پونے دو جز میں آجائے گا۔ شاید دو جز تک پہنچ جائے۔ میں بحمد اللہ اب بالکل اچھا ہوں۔ والسلام

سید مسعود حسن رضوی

(۲۰)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۲ جنوری ۴۶ء

مکرمی۔ تسلیم

عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی امیر احمد صاحب علوی نے اپنی کتاب مثنویات میں لکھا ہے کہ "ہادی علی خاں بجوؔ لکھنوی شاگرد خواجہ وزیرؔ نے ایک مختصر مثنوی آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کے جلسۂ رہس کی تعریف میں لکھی" زہے نظم عالم پسند تاریخ اتمام ہے۔ فصاحت و بلاغت کا دریا موجزن ہے"۔

میرے استفسار پر حضرت مؤلف نے مجھے لکھا کہ موصوف نے یہ مثنوی رام پور کے سرکاری کتب خانے میں دیکھی تھی۔ اگر ان کی یاد غلطی نہیں کرتی تو اس کا کوئی نسخہ آپ کے یہاں ضرور ہوگا۔ اگر آپ کے علم میں کوئی ایسی کتاب یا کتابیں ہوں جن سے نصیر الدین حیدر کے زمانے کی جلسے والیوں اور واجد علی شاہ کے رہس کا حال معلوم ہو سکتا ہو تو براہ کرم ان سے مطلع فرمائیے۔ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واجد علی شاہ کی صوت المبارک اور دستور واجدی کا کوئی نسخہ آپ کے کتاب خانے میں ہے یا نہیں۔ عشق نامہ کے نام سے واجد علی شاہ کی دو کتابیں ہیں۔ ایک فارسی نثر میں، دوسری اردو نظم میں۔ یہ کتابیں بھی آپ کے یہاں موجود ہیں یا نہیں۔ آپ کو زحمت تو ہوگی مگر مہربانی فرما کر جواب جلد مرحمت کیجیے۔ والسلام

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۲۱)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۲۵ فروری ۴۶ء

مکرمی۔ تسلیم

متفرقات غالب کے ۵۶ مطبوعہ صفحات باقساط وصول ہونے کے بعد پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ معلوم نہیں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ غالب کا ایک سلام جو متفرقات غالب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ایک شعر کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ وہ شعر بھی اب مل گیا ہے مگر اس میں ایک نزاعی امر کی طرف اشارہ ہے۔ میں وہ شعر نقل کیے دیتا ہوں۔ اگر مناسب ہو تو اس کو سلام میں شامل کر دیجیے:۔

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمن دیں

علی سے آکے لڑے اور خطا کہیں اس کو"

یہ شعر اس شعر سے پہلے ہونا چاہیے جس کا پہلا مصرع یہ ہے:۔

"یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ"

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

صدر الدین محمد خاں کی تصویر کا کوئی انتظام ہوا یا نہیں؟

نیاز مند

سید مسعود حسن رضوی

(۲۲)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۰ ستمبر ۴۶ء

مکرمی۔ تسلیم

اکتوبر میں ناگپور میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا جو اجلاس ہونے والا ہے امید ہے کہ آپ اس میں شرکت فرمائیں گے۔ آپ کو علم ہوگا کہ اس اجلاس میں شعبۂ اردو کی صدارت کی خدمت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اگر آپ اس شعبے میں کوئی مقالہ پڑھیں گے تو میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۲۳)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۳۰ اکتوبر ۴۶ء

مکرمی۔ تسلیم

متفرقات غالب کے صفحات ۱۱۳ - ۱۴۴ کل وصول ہوئے۔ ان سے پہلے کے ۸ صفحے یعنی ۱۰۵ تا ۱۱۲ مجھے نہیں ملے۔ براہ کرم وہ بھی بھیج دیجئے۔ صفحات ۸۱ تا ۸۸ مکرر آ گئے ہیں۔ اگر وہاں ان کی ضرورت ہو تو واپس کر دیئے جائیں۔

ناگپور میں آپ کا انتظار رہا اور ملاقات کی مسرت حاصل نہ ہوئی۔ جامعہ ملیہ دہلی کی جوبلی میں آپ کی شرکت ہوگی یا نہیں؟ میرا قصد ہے کہ کم سے کم ایک دن ۱۰ نومبر کو شرکت کروں۔ فقط

نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۲۴)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۴ جنوری ۴۷ء

مکرمی۔ تسلیم۔

ہادی علی خاں بیخود لکھنوی کی ایک مختصر مثنوی جلسہ رہس کے بیان میں ہے اور اس کا ایک نسخہ آپ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مجھے اس کی شدید ضرورت ہے۔ اگر زیادہ زحمت نہ ہو تو اس کی ایک نقل مجھے مرحمت فرمائیے۔

ادارۂ معارف اسلامیہ کا جلسہ اب فروری میں نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر اقبال صاحب نے پروفیسر محمد شفیع صاحب کے مشورے سے اس کے لیے آئندہ اکتوبر کا مہینا تجویز کیا ہے۔ مگر یہاں لوگوں کی رائے ہے کہ ایسٹر کی تعطیل جو اپریل کے پہلے ہفتے میں ہوگی، اجلاس کے لیے مناسب ہے۔ میں نے ڈاکٹر اقبال صاحب کو اس رائے سے مطلع کر دیا ہے۔ ابھی ان کا جواب نہیں آیا ہے۔

متفرقات غالب کا مقدمہ غالباً ابھی تک نہیں چھپا ہے۔ اپنے صاحبزادے کو جنہوں نے اس کا انڈکس تیار کیا ہے۔ میری دعا کہیے

اور میرا شکریہ ان تک پہنچا دیجیے۔ مدت ہوئی آپ نے اپنے ایک خط میں دستور الفصاحت کا ایک نسخہ بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اس وقت وہ کتاب زیر طبع تھی۔ اب آپ کو وہ وعدہ یاد بھی نہ ہوگا اور شاید اس کتاب کا وہ ایڈیشن ختم بھی ہو گیا ہوگا۔

اودھ کی تاریخ سے متعلق دو کتابیں وقائع دلپذیر اور مرقع خسروی ہیں۔ کیا یہ کتابیں آپ کے کتب خانے میں موجود ہیں؟

براہ کرم اس خط کا جواب جلد مرحمت فرمائیے۔ نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

(۲۵)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۹ فروری ۱۹۶۵ء

مکرمی۔ تسلیم

عنایت نامہ ۱۳ جنوری کو پہنچا۔ مثنوی جلوۂ اختر تو خود میرے پاس موجود تھی۔ مؤلف کتاب مثنویات نے اس کا نام جلسۂ اختر لکھ کر مجھے غلط فہمی میں مبتلا کیا اور آپ کو بیکار اس کی تلاش کی زحمت اٹھانا پڑی۔

آپ کی مہربانی سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ صوت المبارک کا ایک نسخہ آپ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اب یہ فرمائیے کہ اس کو دیکھنے کے لیے رام پور آنے کے سوا کوئی اور صورت ہو سکتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مناسب شرطوں کے ساتھ کتاب چند روز کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں منتقل کر دی جائے اور میں وہیں جا کر اسے دیکھا کروں۔ دوسری یونیورسٹیوں کے کتب خانوں سے قلمی اور کمیاب کتابیں بھی اسی طرح آتی رہتی ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ والسلام۔ نیاز مشرب

سید مسعود حسن رضوی

(۲۶)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۷ فروری ۱۹۶۵ء

محترمی۔ تسلیم

لکھنؤ یونیورسٹی کی جوبلی کے موقع پر قلمی کتابوں اور تصویروں وغیرہ کی جو نمائش ہوئی تھی وہ ایک ہفتے کے بعد ۱۴ جنوری کی شام کو ختم ہو گئی۔ اُمید تھی کہ وائس چانسلر صاحب کی درخواست پر اپنے کتب خانے سے کچھ نوادر لے کر آپ خود تشریف لائیں گے۔ اور اس طرح آپ کی ملاقات کی مسرت بھی حاصل ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہوئی۔ مجھے نواب صدر الدین محمد خاں کی اصل تصویر دیکھنے کا بھی بے حد اشتیاق تھا۔ اگر آپ کو یہ لکھنا بھول گیا کہ اور تصویروں کے ساتھ وہ تصویر بھی ضرور لائیے گا۔ ایک صورت اب بھی ممکن ہے کہ جو صاحب آپ کی کتابیں لے جانے کے لیے آئیں وہ اس تصویر کو لیتے آئیں اور اپنے ساتھ ہی واپس لے جائیں۔ میں اس کو صرف ایک نظر دیکھ لینا چاہتا ہوں۔ نواب صدر الدین خاں بہادر کا اردو دیوان جو میں نے ایک طویل مقدمے کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ اس کو انجمن ترقی اُردو نے چھاپ دیا تھا۔ مگر دہلی کے فسادات

کہ زمانے سے انجمن کی کل کتابیں منتقل پڑی ہوئی ہیں۔ اس طرح اس دیوان کی اشاعت بھی معرض التوا میں پڑ گئی ہے۔ اس کا صرف پروف میرے پاس موجود ہے۔ اب تک اس کا کوئی مکمل نسخہ مجھے بھی نہیں مل سکا ہے۔ انجمن کی کتابیں قید سے آزاد ہوں تو دیوان فائز کا ایک نسخہ حاضر خدمت کیا جائیگا۔

امید ہے کہ مزاج گرامی مع الخیر ہوگا۔ والسلام نیاز کیش

سید مسعود حسن رضوی

ان خوب یاد آیا۔ مدت ہوئی آپ نے دستور الفصاحت کا ایک نسخہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور پھر ایک مدت کے بعد میری یاد دہانی پر اس وعدے کی تجدید بھی فرمائی تھی۔ جو صاحب رامپور کے سرکاری کتب خانے کی کتابیں واپس لے جانے کے لیے آئیں اگر ان کے ہاتھ آپ دستور الفصاحت کا ایک نسخہ بھی بھیج دیں تو میں بہت شکر گزار ہوں گا۔ س۔م۔ح

(۲۷)

ادبستان ۔ دین دیال روڈ ۔ لکھنو

۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء مخلص نواز ۔ تسلیم

دستور الفصاحت وصول ہوئی۔ دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ مجھے بڑی مدت سے اس کا انتظار تھا۔ اس لیے اسے پاکر غیر معمولی مسرت ہوئی۔ اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ والسلام اخلاص آئین

سید مسعود حسن رضوی

(۲۸)

ادبستان ۔ دین دیال روڈ ۔ لکھنو

۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء کرم گستر ۔ تسلیم

عنایت نامہ وصول ہوا۔ ساہتیہ اکیڈمی کا جو خط آپ کو ۲۶ جولائی کو ملا وہ میرے پاس ۲۷ جولائی کو پہنچا۔ میری طبیعت کچھ دن سے خراب ہے۔ دماغی تکلیف کی شدت کے باعث پڑھنا لکھنا مشکل ہے۔ اس لیے میں نے اس خط کے جواب میں معذرت لکھ بھیجی ہے۔ اب آپ اور مولوی ضیا احمد صاحب باہمی مشورے سے ترجمے کے قابل فارسی شعرا کا کلام منتخب فرمائیے۔ ممکن ہے کہ میری جگہ پر کسی تیسرے شخص کا نام رکھا جائے۔ مگر اس میں کچھ وقت لگے گا۔ کام تو اصل میں آپ ہی دونوں حضرات کو انجام دینا ہے، اس لیے شخص ثالث کا انتظار بیکار ہے

امید ہے کہ مزاج سامی بخیر ہوگا۔ والسلام اخلاص آئین

سید مسعود حسن رضوی

(۲۹)

بنام مولوی ضیا احمد صاحب بدایونی

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم اے صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنو یونیورسٹی

ادبستان ۔ دین دیال روڈ ۔ لکھنو ۔ ۱۸ فروری ۱۹۴۵ء ——— مخلص نواز ! سلام مسنون ۔

حضرت رضی بدایونی کے منتخب کلام کا مجموعہ لمعات جو آپ نے ازراہ کرم بھیجا تھا۔ مدت ہوئی وصول ہو چکا۔ سبحان اللہ جب شاعر اتنا بلند خیال اور انتخاب کنندہ ایسا بلند نظر ہو تو مجموعۂ کلام "نور علیٰ نور" کا مصداق کیونکر نہ ہو۔ میں اچھی غزل کا جتنا دلدادہ ہوں بری غزل سے اتنا ہی متنفر ہوں۔ اس لیے ہر کس و ناکس کا دیوان کھولتے ہوئے بھی جھجکتا ہوں مگر ایسا کلام ہو تو اس کے مطالعے پر خود کو مجبور پاتا ہوں۔ کیا کہوں کہ اس مختصر مجموعے میں کہاں کہاں اور کیا کیا لطف اٹھائے۔ بدایوں کی خاکِ پاک علم و ادب کا گہوارہ رہی ہے۔ اس ناساز گار ماحول میں بھی اس کی گزشتہ شان کی ایک جھلک اسی لمعات میں نظر آجاتی ہے۔ شاعر، ناقد، شارح، سوانح نگار سب کے سب بدایونی ہیں اور اپنے اپنے رنگ میں خوب اور بہت خوب ہیں۔ آپ کا طرزِ تنقید مجھے ہمیشہ سے بہت پسند ہے کہ مشرقی شاعروں کی روح تک رسائی کا صحیح راستہ یہی ہے۔ آپ کے اسلوبِ نگارش میں عالمانہ متانت اور ادیبانہ شگفتگی کا حسین امتزاج میرے لیے ایک خاص دلکشی رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ کتاب بڑے ذوق شوق سے پڑھی۔ اس سے مستفید بھی ہوا اور لطف اندوز بھی۔ خدا کرے حضرت رضی مغفور کے بقیہ کلام کی اشاعت کا وقت بھی جلد آجائے۔

یہ چند سطریں لکھتے وقت ایک سوال بار بار دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ کتاب کی رسید بھیجنے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی۔ مگر اس سوال کا کوئی ایسا جواب بن نہیں پڑتا جو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق نہ ہو۔ یہ یقین دلانا بھی مشکل ہی معلوم ہوتا ہے کہ گو زبان خاموش رہی مگر دل احساسِ تشکر سے لبریز رہا۔ بہرحال شرحِ رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا درجہ رکھتا ہے۔

اخلاص کیش

سید مسعود حسن رضوی

افقر موہانی

بنام حضرت اصغر گونڈوی

۷۸۶ / ۷۰۲ م

لکھنؤ ۔ ۱۷؍ نومبر ۳۲ء

بھائی صاحب ۔ وارثی مشاعرہ میں آپ کا حسبِ ذیل شعر جیسا بھی رہا ہو مگر میں آج تک لطف اندوز ہو رہا ہوں ؎

ابھی مجھ سے سبق لے محفلِ روحانیاں برسوں
رہا ہوں میں شریکِ حلقۂ پیرِ مغاں برسوں

معترضین کا میں ذمہ دار نہیں ۔ ان کو "محفلِ روحانیاں" نصیب ہی کہاں ۔ بے چارے گمراہ نہ ہوں تو راہ کہاں سے پائیں ۔ آپ نے جو کچھ کہا خوب کہا ہے ۔ ایسے نادر شعر سننے میں کب آتے ہیں ۔ میری طرف سے آپ مطمئن رہیں ۔

والسلام خیر اندیش افقر موہانی عفا عنہ

(۲)

بنام حضرت آثر لکھنوی

۷۸۶ / ۷۰۲ ھو

لکھنؤ ۔ مولوی گنج ۹؍ مارچ ۳۵ء

یا حضرت ۔ السلام علیکم "بہاراں" کی دو جلدیں کوئی صاحب گھر میں دے گئے تھے ۔ میں اس وقت موجود نہ تھا ۔ شکریہ نیاز فتح پوری صاحب نے اپنی پسند کے سو اشعار آپ کے انتخاب کر کے شائع فرمائے میں نے اپنی پسند کے ۱۰ اشعر "جام"[1] میں طبع کیے ۔ ممکن ہے بعض اشعار مشترک ہوں ۔ یعنی ان کی پسند میری پسند بھی ہو گئی ہو اس میں نہ توجیہہ کی ضرورت نہ تنقید کی حاجت ۔ آپ کے واسطے دونوں میٹھے یعنی وہ بھی آپ کے یہ بھی آپ کے ۔ حضرت نیاز کا معیار بہت بلند اور بالا ہے ۔ کیونکر کہوں وہ مجھ سے متفق ہو سکتے ہیں ۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں ۔ والسلام ۔ دعاگو ۔ ناچیز افقر موہانی وارثی

(۳)

بنام حضرت بیدم شاہ وارثی

لکھنؤ ۷؍ دسمبر ۳۵ء ـــــ بھائی صاحب ۔ سلام مسنون ۔ آپ لاہور میں مصحفِ بیدم تدوین فرما رہے ہیں اور میں یہاں

---

[1] ماہنامہ "جام جہاں نما" لکھنؤ ، زبیر کنجاہی

آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ کی صحت سے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ اللہ بصحت تمام آپ کو جلد مجھ سے ملاتے۔ آپ کی بقیہ ۲۷ غزلیات آپ کے جانے کے تیسرے دن بعد مسلودہ پتہ پر روانہ کر چکا ہوں۔ پہونچ گئی ہوں گی۔ انھیں بھی شامل فرمالیجئے گا۔ بعض غزلیں نمونہ کی ہیں۔ سچ ہے سرکار جس کو نوازیں وہی سرفراز ہو جاتے۔ نہ جانے آج کئی دن سے آپ کی غزل کا یہ مقطع کیوں بار بار یاد آرہا ہے ؎

اسی خاکِ آستاں میں کسی دن فنا بھی ہو گا
کہ بنا ہوا ہے بیدمؔ اسی خاکِ آستاں سے

شاید سرکار عالم پناہ کا اشارہ ہو جس کو مشارٌ الیہ ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔ یعنی آپ مجھ سے زیادہ تر۔

والسلام خیر طلب افقر عفا عنہ

(۴)

بنام حضرت علامہ بیخود موہانی

کانپور۔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۰ء

یا حضرت۔ سلام مسنون، نیاز مشحون۔

آپ اسی بات پر قائم رہیے کہ مومنؔ بعد غالبؔ سب سے بہتر گزرے ہیں۔ اور میں یہی کہتا ہوں کہ غالبؔ بعد مومنؔ لاجواب ہوتے۔ نہ مومنؔ پرستوں کی کمی ہے نہ غالب نوازوں کی۔ ہمیشہ مکالمہ و مباحثہ قائم رہے گا۔ حاضرات کے آپ قائل نہیں، جو مرحومین کے روحوں سے معلوم کر لیا جاتے۔ اور استخارہ پر میرا ایمان نہیں کہ وہ کس کے حق میں راس آتے۔ لہٰذا نتیجہ معلوم۔ سنا ہے شعرِ مومنؔ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

پر مرزا کو ایسا وجد آیا کہ اپنا تمام فرمودہ نذر کر دینے پر تیار ہو گئے تھے اور ایسے ایسے نشتر کلامِ مومنؔ میں سیکڑوں پنہاں ہیں۔ غریب غالبؔ کہاں تک نذر نہ رہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ کو عاقبت پر مومنؔ اور غالبؔ کے فیصلے کے لیے اٹھا رکھئے۔ میں بحمد اللہ بعافیت ہوں۔ یکم اپریل کو قصدِ واپسی ہے۔ والسلام۔ خیر طلب افقر موہانی عفا عنہٗ

(۵)

بنام مولانا صفی لکھنوی صاحب

دیوہ شریف ۴ فروری ۱۹۳۱ء

مولانائے محترم۔ السلام علیکم۔ تنظیم الحیات کا ایک نسخہ پہونچا۔ شکریہ۔
خوب خوب گوشے جنابنے نکالے ہیں۔ سبحان اللہ۔ قدرتِ کلام کا کیا کہنا۔ مگر مسلسل غزل بھی پہونچی مزید شکریہ فقط:-

"ذرا عمرِ رفتہ[1] کو آواز دینا"

ڈھلا ہوا مصرعہ ہے۔ مگر پہلے مصرعہ کی حیثیت دیکھتے ہوئے یہ دعوت چھوٹا منہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ یعنی عمر رفتہ کو محض اس لیے آواز دی جائے کہ وہ اس خرابات میں پھر آکر "ساز نوازی" اربابِ نشاط میں کرے۔ کچھ عجیب نفسیاتی خیال ہے۔ الغرض مطلع تو ہو ہی گیا اور ایک نظریہ سے بہت ہی حوصلہ آگین ہو گیا تاہم دوسرے مصرعہ کی بلاغت اپنی جگہ پر اہم اور پُر مغز رہی۔

والسلام ۔ نیاز کوش فقیر افقر موہانی عفا عنہ۔

(۶)

بنام حضرت سیماب اکبر آبادی

لکھنؤ، مولوی گنج۔ ۵ رمئی ۱۹۳۲ء

بھائی صاحب۔ السلام علیکم۔ سرفراز نامہ کا شکریہ۔ میں مجتہدِ سخن نہیں۔ کیا عرض کروں۔ دبی زبان سے آنا ضرور کہہ گزرونگا کہ مجھے آپ کے فنی اجتہاد سے اتفاق نہیں ہو سکتا۔ یعنی نیاز اور راز کا قافیہ بیاض۔ ریاض نہیں ہو سکتا۔ استدلال کی ضرورت نہیں۔ آپ کا فرمانا کافی ہے۔ آپ نے سرمد شہید کی رباعی پیش فرمائی ہے۔ جس میں بے نیازی، سرفرازی کے ساتھ قاضی کا قافیہ آیا ہے۔ اول تو شہید کے واسطے شاعر کی سند شہادت کی صریح توہین ہے۔ ماسوا غلط کی تقلید بھی غلط ہی ہوگی۔ مجھے معاف فرمایا جائے۔ اور مجبور نہ کیا جائے کہ میں بھی اس اجتہاد کا ہمنوا ہوں۔ صاحبزادگان منتظر دعا۔ اعجاز سلمہم کو دعائیں۔

والسلام ۔ نیاز کوش فقیر افقر موہانی الوارثی عفا عنہ،

(۷)

پرنس سلطان بہادر شاہ کے نام

لکھنؤ ۲۵ رمئی ۱۹۵۱ء

۴۸۶
۷۰۰ م

شہزادہ صاحب - والا تبار زاد معالیکم۔ سلام مسنون نیاز مشحون۔ آپ آلِ تیمور ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ہیں۔ مجھے حکماً دعوتِ مشاعرہ دیتے ہیں۔ نہ حاضر ہونے پر سزاوار ٹھہراتے ہیں۔ آپ کو شاید نہیں معلوم کہ تیمور لنگ نے امام ہشتم ؑ کی درگاہ میں تائب ہو کر یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ اور ہمیشہ اوس بارگاہ کی جبہ سائی کو حاضر ہوتا تھا۔ آپ اوس کی اولاد میں ہونے کا فخر مجھ پر اکثر ظاہر فرماتے رہے ہیں۔ مگر کبھی یہ نہ خیال فرمایا کہ مجھے امام ہشتم ؑ سے وہی نسبت حاصل ہے جو آپ کو تیمور لنگ سے ملی ہے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ میں کون ہوں اور آپ کون؟ اس سے زیادہ جرأت کیا عرض کروں۔

فقط والسلام

ناچیز افقر موہانی وارثی عفا عنہ

---

[1] غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا ۔ زہیر کنجاہی

(۸)

بنام حضرت صبا وارثی

۷۸۶
۲۰۰ م

لکھنؤ - ۷ر جون ۴۲ء

بھائی صاحب - سلام و نیاز - میری رسوائیوں کی حد نہیں - زہیر کنجاہی نے میرے نام کی اکاڈمی بھی راولپنڈی میں قائم فرمادی ہے - آہ ع !

" عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ "

بہرحال ایں ہم بر سرِ علم - آپ کو بھی چاسد ناچار قبول کرنا ہی پڑے گا ۔ خونِ دو عالم میری گردن پر" اونکو میرے ادبی خطوط آپ نے غالباً روانہ کر دئیے ہوں گے آپ بھی اپنے کلام کا ایک مجموعہ انتخاب فرما کر اونھیں بھیج دیجئے کہ اکادمی میں شائع ہو جائے - اس کرمفرمائی کا مجھ پر بھی احسان ہوگا - خدا آپ سے جلد ملائے - بہت ملنے اور باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے - موسم کی شدت نے مفلوج بنا دیا ہے - کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا - بغیر کام کے بھی کام تمام ہو رہا ہے - اوس طرف کا حال آپ لکھیے تو معلوم ہو - بارش ابھی تک نہیں ہوئی ہے - وقنا ربنا عذاب النار کا وظیفہ لوگ پڑھ رہے ہیں - باقی حالات بدستور ہیں' خدا کرے آپ لوگ بھی بعافیت ہوں - گھر میں سب کو دعائیں کہیے - اَب کی بار کا گلدستہ بھی راولپنڈی میں چھپنے کو بھیج دیا گیا ہے جو غالباً جولائی میں شائع ہو جائے گا - انشاء اللہ - آپ کی غزل بھی اوس میں شامل ہے - کنجاہی صاحب کے خطوط کا جواب دے دیا کیجیے - بمصداق ع

" ضرورت ہوتی ہے وقتاً فوقتاً دل بڑھانے کی "

والسلام دعاگو ناچیز افقر موہانی وارثی

(۱)

بنام زہیر کنجاہی

لکھنؤ - مولوی گنج - دفتر جام ۱۷ مارچ سنہ ۶۱ء

مکرم و محترم نادرشر تکم - سلام مسنون نیاز مشحون - ۱۶ فروری کا نوشتہ لفافہ موصول مطالعہ ہوا یاد فرمائی و مسودات گرامی کا دلی شکریہ - امید کہ اسی طرح کبھی کبھی یاد و ارشاد فرماتے رہیں گے، آپ نے رسم الخط قدیم کو اصلاح طلب فرمایا ہے - مثلاً اوس کو، اونکا، اوسوقت وغیرہ - یا اون، اونسے - اس بارہ میں مجھے اتفاق ہے - آپ کی رائے سے مگر اس کی اصلاح ایسا لکھنے والوں کے نہ رہنے پر ہی ہو سکتی ہے - جب وہ نہ رہیں گے تو خود ہی ختم ہو جائے گا - چراغِ سحر ہو رہے ہیں - کچھ آثارِ قدیمہ سے رہ گئے ہیں - مابقی دوسرے اہل قلم آپ ہی کی طرح لکھتے ہیں' جو صحیح ہے - آبِ حیات یا سخندانِ پارس پر ہمارا ایمان نہیں جبکہ ہزارہا مقاماتِ آزاد خود محلِ نظر ہیں - گورستان کو کھودنا اچھا نہیں - آسودگانِ خاک سے چھیڑ چھاڑ ترکِ ادب ہے ورنہ دکھایا جا سکتا ہے کہ ہر دو کتوباتِ مذکورہ کس قدر کم مایگی اور اغلاطِ ماضی و حال کا مجسمہ پیش کر رہی ہیں - جب ان کا یہ حال ہو تو غریب شیرانی

یا اوس کا لٹریچر ہی کیا۔ لہٰذا اس بحث کو تو اب اٹھانا ہی نہ چاہیئے معقولات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا مزد رکھئے اگر کوئی معقول بات ہوگی تو کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔ مرزا نوشہ کا شعر یونہی سے ہے مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی، نہ کر اتنی پڑیں مجھ پر، مرزا ربط سلاست کا ہمیشہ خیال فرماتے تھے۔ اتنی پڑیں میں نہ سلاست ہے نہ صحت بلکہ تعقید ہے۔ مرزا کا کلام ان عیوب سے بہت پاک و صاف ہے۔ اساتذہ آسودۂ خاک کے تذکروں سے دفتر بھرے پڑے ہیں خواہ وہ لکھنوی ہوں یا دہلوی لہٰذا اضافی بات ہوگی۔ شعرا حال کا تذکرہ اس کے مقابل ازبس ضروری ہے۔ آپ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے شعری انعامی مشاعرہ ختم کر دیا گیا۔ افسانہ یا دوسرے تفریحی مضامین مشاعرہ کے بنیادی اصول کے خلاف ہیں۔ اس لیے شامل نہیں کیے جا سکتے "مشاعرہ" محض شاعری کے سمندر کا غواص ہے اور رہے گا۔ دوسری اصلاحات کا خود خیال ہے مگر ؎

سنبھلنے دے ارے او نا امیدی کیا قیامت ہے کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

آپ کے ایثار اور خدماتِ ادب پیش کرنے کا دلی شکریہ آہ پھر کہاں لوگ اس محبت کے میرے خیال میں لٹریچر یا ادب نہ نیا ہو سکتا ہے نہ جدید جو ہے وہی رہے گا۔ ناچیز افقر موہانی وارثی عفا عنہ،

(۲)

لکھنؤ (بھارت) ۱۰ ستمبر ۵۹ء۔ باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

فقیر نواز زہیر کنجاہی صاحب زاد شرفکم۔ سلام مسنون نیاز مشحون، کرم نامہ منکشف حالات ہوا۔ شکریہ و احسان۔ میں واقعی بھول چکا تھا مگر آپ کے یاد دلانے پر آپ بہت جلد یاد آ گئے۔ ماشاء اللہ آپ کی علمی و ادبی کاوشات اور خدمات پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ایسے ادب نواز بھی اب کہاں۔ "جدید مشاعرہ" کا ایک گذشتہ اشاعت کا پرچہ روانہ کرتا ہوں۔ میں بوجہ پیرانہ سالی بالکل ودداز کار ہو رہا ہوں۔ لطف صاحب میرے شاگرد ہیں جو اس پرچہ کو صدیق صاحب کے کہنے پر نکال رہے ہیں۔ ورنہ الّا ماشاء اللہ۔ کبھی کبھی کوئی علمی و ادبی مقالہ اس کے لیے بھی بھیج دیا کیجئے۔ ممنون ہوں گا۔ اور آپ کی یاد بھی تازہ رہے گی۔ منتظر رہوں گا۔

تیار و طیار دو مختلف المعانی اور جداگانہ الفاظ ہیں جو مشترک طور پر مستعمل نہیں ہو سکتے ہیں۔ تت سے تیار کرکے معنی آمادہ، مکمل، مستعد، نزدیک دینے کے ہیں۔ طا سے طیار معنی اڑنے والا۔ دبیز۔ فربہ وغیرہ کے ہیں۔ اب جس معنی میں استعمال کرنا ہو اوس کے محل کے اعتبار سے استعمال ہو سکتا ہے۔ آپ قبول فرمائیں تو اسی پر عمل کریں۔

میری تحقیق میں بھی جامِ جہاں نما پہلا اخبار ہے جو ہفتہ وار دہلی (حوض قاضی) سے میر سلامت علی فرخآں کی صحافت میں نکلتا تھا۔ حجم صرف ۲ ورق تھا۔ سنہ اجراء ۱۸۲۰ء تھا۔ کوہ نور بہت بعد کا اخبار تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ پنجاب کا پہلا اخبار ہو۔ واللہ اعلم۔

میں زیادہ تر بیماریوں کا شکار رہتا ہوں۔ جو لازمۂ ضعیفی ہے۔ بہت ہی کم لکھ پڑھ پاتا ہوں۔ آپ کا خط آنے سے مسرت ہوئی۔ خدا خوش رکھے۔ رہی ملاقات وہ کہاں۔ آہ مگر

---

[1] یہ ماہنامہ اپریل ۵۸ء میں صدیق بک ڈپو لکھنؤ کی وساطت سے نکلنا شروع ہوا۔ اور دو سال تک متواتر حضرت افقر موہانی کی زیر ادارت نکلتا رہا۔ سالانہ چندہ چار روپے اور ایک پرچہ کی قیمت چار آنے ہوتی تھی۔ زہیر کنجاہی۔

"عزیز و اَب اللہ ہی اللہ ہے"

والسلام: دعاگو ناچیز اختر مرہانی مارتی عفا اللہ عنہ

پتہ :- دفتر "جامِ جہاں نما" مولوی گنج - لکھنؤ (بھارت)

(۳)

لکھنؤ - مولوی گنج - دفتر جامِ جہاں نما ۷۸۶

۱۰ر اکتوبر ۵۹ء ۷۰۲ م

عزیز محترم زبیر کنجاہی صاحب زاد شرفکم - سلام مسنون و دعائے خیر، خیریت نامہ نے خوش وقت کیا - خدا خوش رکھے - آئے دن کا علیل ہوں۔ کہاں تک زندہ رہوں - ۸۰ کے قریب ہو چکا - زندگی گریزاں، موت مستعد بکار - وقت پورا ہو رہا ہے - الغرض ؎

"کہیں ہم نہیں آنے جانے کے قابل"

دیکھنے والے کبھی کبھی دور دراز سے بھی آجاتے ہیں - مگر کفِ افسوس مل کر جاتے ہیں - آپ میرے سوگوار بن کر کیا کیجیے گا - جہاں اور جس حال میں خدا رکھے خوش رہیے -

ماہنامہ "مشاعرہ" کے نہ چندہ کی ضرورت ہے نہ مراسلات کی حاجت - کبھی کبھی بربنائے مروت پہونچتا رہے گا - کہہ دیا گیا ہے جو کافی ہے - آپ پریشان نہوں - ۱۵ دن سے صاحبِ فراش ہوں - ضعف کی حد نہیں - کچھ سوگوار کچھ چارہ ساز آتے رہتے ہیں مگر ؎

احباب یہ کہتے ہیں درمانِ دل آساں ہے
آثار یہ کہتے ہیں خیریتِ جاں معلوم

والسلام: دعاگو - ناچیز اختر مرہانی داماتی عفا عنہ

(۴)

مولوی گنج - جام آفس - ۱۰ر جنوری ۶۰ء

تعالیٰ شانہ

ہمہ محبت زبیر سلمہ اللہ القدیر - دعا و سلام - جواب نامہ ملا - شکریہ - اگر یہ میرے ایک کارڈ کا جواب ہے تو آئندہ کچھ نہ لکھوں گا اور اس وبال کو دیدہ دانستہ مول نہ لوں گا - اور اگر محض ادبی مقالہ ہے تو خوش آمدید کہتا ہوں - مختصر یہ کہ جب میں ڈپٹی کلکٹروں کی شاعری کا قائل نہیں تو کجا بادشاہِ ملک - رہے محققین تو چند کو چھوڑ کر مالیق پر ایمان نہیں - ان کی تحقیق محض ان کی شہرت کا باعث ہوتی ہے - اِلّا ماشاء اللہ - پھر یہاں سوال ہے - شاعری کے استاد اور کاملِ فن کا - گنبد اور خواہ مخواہ کے قافیہ پیما ہر زمانہ میں عوام سے خواص تک ہوا کیے ہیں - کیا وہ بھی کوئی مقام دیئے جانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ ولی کو صاحب استاد بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے - میرا بھی یہی مشرب ہے - آپ کا لکھا ہوا پہلا شاعر سب سے قدیم اور اوّل سہی مگر کیا وہ مسلم الثبوت استادِ فن بھی تھا؟ بہرحال یہ بعد کی بحث ہوگی - سردست ادھر میں بیمار اُدھر حج کے لیے تیار - ۱۹ر فروری کو پہلا جہاز قبل رمضان پہونچنے کیلئے بمبئی سے روانہ ہوگا اور مجھے ۱۰ر فروری تک بمبئی پہونچ جانا ہوگا - اگر اس وقت تک فرصت ملی اور کچھ لکھ سکا تو ضرور بھیج دوں گا - ورنہ مدینہ پہونچ کر خوب پڑھوں گا - اور خوب لکھوں گا

ادس کو ساتھ لیے جاؤں گا۔ آپ کا پتہ بھی اس میں تحریر ہے۔ مطمئن رہیے گا۔ وہاں یعنی مدینہ منورہ میں ۲ ماہ قبل حج تک میرا قیام رہے گا۔ یکم جون کو حج کے لیے وہاں سے مکہ جاؤں گا۔ انشاء اللہ تو دعا فرمائیں کہ ایسا ہی ہو سکے۔ آپ اتنا سا کام وہاں انجام دے دیں کہ میرے سفر حج کی اطلاع پاکستانی اخبارات انجام۔ جنگ۔ امروز۔ زمیندار۔ نوائے وقت، وغیرہ میں اپنی عبارت سے دے دیں۔ حجاز کا میرا پتہ بھی لکھ دیں تاکہ پاکستان کے احباب، اعزا اور تلامذہ آگاہ رہیں۔ میں کس کس کو یاد کر کے لکھتا رہوں گا۔ یہ بڑا کام آپ کے ذریعہ سے ہو جائے گا۔ مدینہ کا پتہ یہ ہوگا۔ الافقر موہانی الوارثی

بتوسل الحکیم امیر حسن قادری الہندس۔ مدرسہ "التہذیب" مدینۃ المنورہ (عربیہ سعودیہ) MEDINA (A-S)

جنوری تک خط کتابت کا منتظر رہوں گا۔ خدا آپ کو بعافیت رکھے۔ والسلام: دعاگو افقر موہانی الوارثی عفا عنہ

(۵)

مدینہ طیبہ۔ ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء

۷۸۶
۷۰۶ م

عزیزم دعا و سلام۔ آج یہاں عید ہے۔ آپ کا مسرت نامہ آیا جس نے دوگونہ فرحت بخشی۔ اللہ اللہ آپ وہاں خواہ مخواہ میرے خط کے منتظر رہے۔ البستہ میں یہاں حق بجانب انتظار کی گھڑیاں گنتا رہا۔ جبکہ آپ سے میں نے یہاں جواب مانگا تھا۔ خیر دیر آید درست آید۔ یہاں خدا اور رسولِ خدا کی یاد کے بعد اگر کچھ وقت رہا تو آپ کی یاد اکثر آتی رہی۔ خدا خوش اور آباد رکھے۔ خطوط برابر لکھتے رہیے۔ یہی ایک ذریعہ خیر خیریت کا ہے۔ میں بھی لکھتا رہوں گا۔ بحمداللہ بخیریت ہوں۔ ذرہ نوازوں کی سرکار میں عافیت ہی عافیت ہے۔ کیسی دنیا اور کیسا غم دنیا۔ بقول ایکہ سے

بحمداللہ کہ حافظ راست از دنیا و از عقبیٰ

نہ آید ہیچ در نظرش بجز خاکِ سر کویت

دلّی[1] اور قطب[2] کا تحقیق نامہ مجھے وہاں ملا تھا۔ میں نے چلتے وقت وہیں بارہ بنکی کے ماہنامہ "انجم" کے مدیر کو ایک سطری جواب لکھ کر برائے طبع دے دیا تھا۔ جو بعد کو معلوم ہوا کہ ماہ فروری کے ماہنامہ مذکور میں شائع ہو گیا ہے۔ جواب یہ تھا:

"ولی و قطب کی اولیت کی بحث یوں بھی در دسری سے خالی نہیں کہ قطب از جانی جنید اور ولی لاہوت کی سیر سے بھی تشنہ رہتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ولی کی شہرت مقبولیت اور کلام کی پاکیزگی کو قطب نہیں پہونچتا وہ قدیم سہی تو بھی بادشاہ تھا۔ اور شاہوں کی شاعری کون نہیں جانتا کہ کتنے شاعروں کی شاعری کا مجموعہ ایک بادشاہ کا کلام ہوتا ہے۔"

بس اوسکے بعد کوئی اور خط آپ کا مجھے وہاں نہیں مل سکا۔ میں ۱۰ فروری کو بمبئی چلا آیا تھا۔ اور ۱۸ کو وہاں سے روانہ ہوا۔ جہاز نے ۲۵ کو جدہ پہونچا دیا۔ ۲۶، ۲۷ کو مکہ میں حاضر رہا۔ ۲۸ فروری سے یہاں فروکش ہوں۔ اور بحمداللہ بخیریت ہوں۔ مطمئن رہیے۔ واپسی کا حال جاننے والے ہی جانیں۔ اپنا

---

[1] بند ہو چکا تھا۔ بہیر کنجاہی
[2] ولی اورنگ آبادی
[3] قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ

اندازہ جولائی میں وطن مالوف پہونچنے کا ہے جس کی اطلاع آپ کو ہوتی رہے گی۔ بشرطیکہ سلسلۂ خط و کتابت کا جاری رہا۔ آپ کی ایک غزل اور پڑھی وہاں سے یہاں کے لیے لایا تھا۔ اب یہاں سے ایک نہ شدہ دو شدکے لطیفہ کے مطابق وہاں لے جانے والی فائل میں رکھ لی ہے۔ انشاء اللہ یہاں کار دیگر سے مطلق فرصت نظر نہیں آتی۔ صبر کیجئے۔ مگر اطمینان کیساتھ۔ اب تو کبھی نہ بھیجئے گا؟

میں نہ شبلی۔ نہ غالب۔ نہ محمود و ایاز۔ کیونکر تسکین خاطر ہوں آپ کی سعی مودت خود ضامن بن جاتے تو مجبوری ہے۔ یہ ضرور لکھنا پڑا کہ جس کو یہاں کچھ نہ ملا اس کو اس کا حصہ قبر میں پہونچے گا۔ استقامت شرط ہے اور تصدیق کی ضرورت۔

جام جہاں نما میرا ماہنامہ تھا جو اپریل ۱۹۲۶ء سے جاری ہوا۔ اور مارچ ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔ حساب آپ لگالیں۔ یہ محض ادبی او تنقیدی رسالہ تھا۔ حق گوئی اس وقت بھی جرم تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ بعض حضرات نے اس کی تنقید کو تنقیص سمجھ کر اس پر ہتک عزت کے دعوے کیے جو دو مقدمہ عدالت میں لڑتا رہا گر جاری رکھا گیا۔ مقدمہ جام جہاں نما ایک مکمل اور جامع و ضخیم کتاب بھی تیار ہے جو تشنۂ طباعت و اشاعت ہے۔ اسی دار و گیر میں مالی دیوالیہ ہوگیا جو پرچہ کی موت کا باعث بنا۔ کچھ میری پیرانہ سالی بھی التوا کا باعث بنی۔ نہ نگاہ نے کام دیا نہ ہاتھ پاؤں ساتھ دے سکے۔ واپسی پر یاد دلائیے گا تو ایک جلد وہاں سے کسی سال کی روانہ کر دوں گا۔ آپ بعد ملاحظہ خود خاطر خواہ اندازہ فرمالیں گے۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ اخبارات میں میرے سفر کی اطلاع پاکستان کے لوگوں کو دے دی۔ کٹنگ کا لفافہ مجھے نہیں ملا۔ مگر آپ کے کہنے پر ایمان ہے جزاک اللہ۔

"قادر نامہ" کا ذکر بعض ارباب علم سے سنا ضرور مگر نہ مجھے تحقیق ہے کہ وہ غالب کا لکھا ہوا واقعی تھا۔ نہ چنداں ضرورت سمجھی کہ تصدیق کروں واللہ اعلم۔ آپ قابل یقین معلومات حاصل کریں تو مجھے بھی مطلع فرمائیں۔

باقی خیریت دارد۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ خیریت نامہ کا منتظر رہے گا۔

والسلام۔ دعاگو ناچیز اختر مہانی الوارثی عفا اللہ عنہ۔

(۶)

مدینہ منورہ۔ ۲۴ اپریل ۱۹۶۰ء

۷۸۶
۷۰۷ م

عزیز محترم زاد شرفکم۔ مسرت نامہ نے مسرور فرمایا۔ اے وقت تو خوش باش کہ وقت ما خوش کردی آپ نے اپنے والہانہ جوش میں فقیر کو کچھ ایسا ایسا لکھا کہ دماغ خراب ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کہاں میں کہاں آپ کے اعتقادی الفاظ۔ ایسا نہ لکھا کیجئے۔ فقیر کو فقیر ہی بلکہ اختر ہی رہنے دیجئے۔ حاتم کی کوئی یک سالہ جلد واپس پہونچ کر انشاء اللہ ضرور آپ کو بھیجوں گا۔ غالب کے قادر نامہ کی تحقیق سے مجھے بھی آگاہ کیا جاتے۔ منتظر رہوں گا۔ مشاعرہ، نئی سماج، مشاعرہ جدید، مفید روزگار، فتنۂ محشر، سیارہ، اخبار ہند، صحیفہ اور نہ جانے کتنے جرائد نے میرے نام کو بدنام کیا، مگر بحمد اللہ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر خود ہی آسودۂ حیات ہو کر رہے۔ آپ کو اب اگر سوجھی ہے جبکہ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا تو کوئی نئی اپج نہیں۔ دعاگو ہوں اللہ آپ کو اپنے عزائم میں سرفراز و کامیاب فرمائے۔ جو سمجھ میں آئے کیجئے میں دراز کار ہو چکا ہوں۔ بیری راستے ہی کیا۔ یہی نادم ہیں خریدار رہا کچھ منقولات لکھ

---

[1] ماہنامہ "جام جہاں نما" لکھنؤ۔ زہیر کنجاہی۔

بھیجتا سو ہوتا رہے گا۔ جب تک احساس کی قوت باقی ہے۔

مقدمہ جام جہاں نما، میری نہیں دنیائے ادب کی تالیف ہی نہیں بلکہ تصنیف ہے جو بنام منِ دیوانہ حصہ میں آئی وہ مستقل و علیحدہ مکمل مسودہ کی صورت میں محفوظ ہے۔ اگر آپ وہاں چھپوا سکیں تو کیا کہنا اردو ادب کی پہلی اور آخری کتاب ہوگی۔ جو دیکھنے پر منحصر ہے۔ اگر آپ مجھے یقین دلائیں تو بنا بر مطالعہ و طباعت آپ کو مکان واپس پہونچ کر بھیج دوں۔ مگر ضائع و تلف نہ ہو۔ ورنہ پھر یہ چیز ہاتھ نہ آسکے گی اور مجھے تنہا نہیں جہۂ ادب کو بے حد قلق ہوگا۔ جام میں بعض بعض اجزا اوسکے شائع ہو چکے ہیں۔ مگر نامکمل صورت میں۔ وہ علیحدہ کتاب کی صورت چاہتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جام ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۵ء تک جاری رہا اس کے علاوہ سہواً غلط ہے۔

میرے حالات و سوانح بھی مکان ہی سے آپ کو روانہ ہو سکتے ہیں جو پروفیسر ڈاکٹر سلام[1] سندیلوی پی۔ ایچ۔ ڈی نیز بعض دوسرے احباب و حضرات نے قلمبند کیے ہیں۔ یہاں سے کچھ بھی نہیں بھیج سکتا ہوں۔

میرا سلسلۂ شاعری مومنؔ سے وابستہ ہے میں اونکے شاگرد نسیمؔ دہلوی کے شاگرد حضرت تسلیمؔ کا شاگرد ہوں۔ حسرتؔ موہانی اور اصغرؔ گونڈوی میرے پیر بھائی تھے۔ یعنی وہ بھی حضرت تسلیمؔ ہی کے تلامذہ تھے۔ میں میرؔ و مرزاؔ کا معترف ہوں۔ معتقد نہیں۔ مگر مومنؔ کا معتقد بھی ہوں۔

خدا آپ کو اپنے نیک ادبی، علمی اداروں میں کما حقہٗ سرفرازی و کامیابی کرامت فرمائے۔ میں آپ کے واسطے پھر سرکارِ نبوت میں دعا کروں گا۔ مطمئن رہیے۔ اپنا کچھ متفرق کلام بھی واپس پہونچ کر روانہ کروں گا۔ آپ مجھ سے بہت دیر میں وابستہ ہوئے اس لیے یہ یگانگی تا دیر قائم رہے گی۔ پاکستان میں ہر ہونہار اور کہنہ مشق ارباب ادب سے شناسا ہیں، جن میں اکثر میرے تلامذہ بھی ہیں اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اونسے آپ کا تعارف بذریعہ خط کتابت کرا دیا جائے گا۔ خود راولپنڈی میں بھابھڑہ خانہ محلہ میں سید ظفر حسین وصفؔ خورجوی موجود ہیں۔ موقع ہو تو کبھی تلاش کر کے اونسے مل لیجیے گا۔ وغیرہ۔

خدا آپ کو شاد و آباد رکھے کہ ہم ایسے دور افتادہ ہیچمدانوں کو بھی یاد کر لیتے ہیں خط آجانے سے دل خوش ہو جاتا ہے۔ بقول ایکہ عمر

"ہیں ہمارے بھی کوئی ناز اوٹھانے والے"

خیریت نامہ کا پھر انتظار رہے گا۔ اپنے گھر میں سب کو دعائیں کہیے (اگر اہلِ خانہ ہوں) واللہ اعلم ابھی ایک دو مرتبہ خط آجا سکتا ہے۔

فقط والسلام:۔ دعاگو ناچیز افقرؔ موہانی الوارثی عفاعنہٗ

(۷)

۷۸۶
۷۰۷ م

دفتر جام۔ مولوی گنج۔ لکھنؤ
جمعہ۔ ۲۲ جولائی ۱۹۶۰ء

عزیزم دعا و سلام۔ لیجیے ہم حاجی بھی کہلانے لگے۔ زبانِ خلق کو کون روک سکتا ہے۔ حالانکہ اپنے پر بھروسہ نہیں۔ کہیں یہ بھی فریبِ معصیت نہ ہو۔ خدا بہرحال بہتر جانتا ہے۔ یہاں آپ کے پرانے خطوط رکھی ہوئی ڈاک میں ملے۔ جو چھوٹی ہوئی آتش بازی سے زیادہ نہیں پھر

---

[1] جناب سلام سندیلوی اب ڈی لٹ ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی نے آپ کو پچھلے سال "اردو شاعری میں منظر نگاری" پر مقالہ (THESIS) پیش کرنے پر ڈی لٹ کی ڈگری دی ہے۔ (زہیر کنجاہی)

بھی آپ کی محبت اور سعادت کا احسان نہ مانوں تو کافر ہوں۔ خدا آپ کو شاد و آباد رکھے۔ ابھی وہ سکتہ تازہ حالات میں مشغول ہوں ذرا تلاطم کو سکون ہو تو اصل موضوعات کا رُخ اختیار کروں۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں اور حالات موافق۔ خیریت نامہ کا انتظار رہے گا۔ باقی خیریت دباد۔

والسلام : دعاگو ناچیز افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۸)

لکھنؤ۔ مولوی گنج۔ جام جہاں نما آفس ۴۸۹ـ
۲۹ راکتوبر ۱۹۵۸ء ۴۰۷ـ م

زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ یاد آوری کا شکریہ۔

آہ جگر : • عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ •

میں نے آپ کا مودّت نامہ تمام و کمال پڑھ لیا۔ کچھ وقت بھی مل گیا تھا۔ کچھ تنہائی نے بھی ساتھ دیا۔ وقت دلچسپ گزرا۔ آپ کے خلوص پر ایمان نہ لاؤں تو کافر ہوں۔ اللہ۔ اللہ ع

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

کل دو پرچوں پر مشتمل ایک پیکٹ بذریعہ ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ وہ آپ کے لفافے کا جواب تو نہیں ہو سکتا۔ تاہم تمہید جواب ضرور ثابت ہوگا۔ ان میں کچھ میرے ہفوات طبع ہوتے ہیں۔ آپ کی طلب پر سامنے وہی نظر آگئے جو بھیج دیئے گئے۔ ورنہ وہ درخورِ اعتنا ہی کب تھے۔ پہنچے ہوں گے۔ رسید کا منتظر رہوں گا۔ آپ کا خواب مبارک ثابت ہوگا۔ یہی اس کی تعبیر ہے۔ میری واپسی کی خبر رسانی وہ بھی اخبارات میں۔ آپ کا کرم بالائے کرم ہے کلفت کی کیا ضرورت ہے۔ میں یونہی معتقد ہوں۔ جس کی نقل آپ نے بھیجی ہے وہ خط مجھے مدینہ منورہ میں مل چکا تھا۔ جواب نہ لکھا ہوگا۔ اس کو میری معذوری سمجھیے۔ آہ! "تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم"

نہ بصارت کام دیتی ہے۔ نہ ہاتھ پاؤں قابو میں ہیں۔ دل و دماغ ماؤف ہو چکے۔ غیروں کے سہارے زندگی ہے۔ درگور ہی پھر بھی زندہ ہوں۔ عمر دراز زندگی۔ اسّی کا ہونے والا ہوں۔ نہ جانے رسی کتنی دراز ہے کہ گور کا سرا ملتا ہی نہیں ؎

"اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے"

آرزوؤں کی حد نہیں۔ مگر حال یہ ہے ؎

اُمنگ کا یہ حال ہے ہجوم رنج و یاس میں   کہ جس طرح کوئی حسیں ہو ماتمی لباس میں

میں سب کچھ آپ کے سپرد کر دوں گا بلکہ خود اپنے کو آپ کے حوالہ کر دوں گا۔ مگر ؎

سنبھلنے دے اسے اے ناامیدی کیا قیامت ہے   کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے (لا اعلم)

یہ بھی تمنا ہے کہ جیتے جی ایک بار اور بھی پاکستانی عزیزوں کو دیکھ آؤں۔ جن میں آپ بھی نمایاں ہیں۔ یہ بھی آرزو ہے کہ آپ سب یہیں آکر مجھے شرفِ دیدار بخشیں اور نہ جانے کیا کیا حسرتیں دامن گیرِ حال رہتی ہیں۔ ان تمام کی لاج بخشندۂ حیات کے ہاتھ ہے۔ آپ اس میں جو مدد کر سکیں کریں ممنون ہوں گا اور سجدۂ شکر بجا لاؤں گا۔ الا ماشاء اللہ۔ اس قدر لکھنا چاہتا تھا کہ ہجوم شوق میں کچھ بھی نہ لکھ سکا۔ اسی قدر پر قناعت کرنا پڑی۔ بغوائیکہ

"طلب الکل - فوت الکل"

آپ برابر جو دل میں آئے لکھتے رہیے۔ انتظار رہتا ہے اور اشتیاق بھی۔ آپ کی پچھلی کچھ غزلیں تھیں مگر ابھی تک دستیاب نہ کر سکا۔ مل گئیں تو ضرور دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ ورنہ صبر بہرحال اولیٰ ہے۔ کچھ پرچے اپنی مطبوعات کے اس خط کے ساتھ ارسال/بھیج رہا ہوں۔ شاید محلِ نظر ہو سکیں۔ وہاں کا کوئی نمایاں مشاعرہ اگر مجھے بلا سکے تو کیجیے گا شاید یہ کام آپ سے انجام پا سکے۔ پاکستان سے جامِ نو۔ تاج۔ فاران۔ انجام۔ تعمیر۔ زمیندار۔ نوائے وقت، جنگ آتے ہیں یہاں کے آنے والے رسائل و جرائد کا شمار نہیں۔ مگر کون پڑھ سکتا ہے۔ ع

"گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد"

آپ کے لکھے ہوئے پاکستانی رسائل مجھے کسی نے نہیں بھیجے۔ آپ کے پاس ہوں تو بھیج دیجئے۔ رشک و حسد کا جذبہ فطرتِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ میں دوسروں کی فطرت کا جائزہ لینے والا کون؟

مرزا غالبؔ کا شعر ہے ؎

گو کہ ہے کس کس سے ولے با ایں ہمہ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

شاگرد کا مرتبہ مخلص اور عزیز کی گرد کو بھی نہیں پہونچتا۔ آپ کی کم نگاہی پر تعجب ہے کہ بلندی سے پستی پر رشک کرتے ہیں۔

لیجئے کچھ فقیر نواز ہستیاں فقیر نوازی کو آخر آ ہی گئیں اور ڈرامہ کا ڈراپ سین ہو گیا۔ یار زندہ صحبت باقی۔ پھر کبھی اس سلسلہ کی کڑی ملاؤں گا۔ سردست معذرت خواہ ہوں۔ سب کو سلام۔ والسلام دعاگو ناچیز افقرؔ عفا عنہ'

(۹)

۷۸۶
م
۷۰۷

لکھنؤ۔ ۲۶ نومبر ۱۹۶۲ء

زبیرؔ صاحب۔ دعا و سلام قبول ہو۔ یہ سچ ہے آپ کے کئی لفافے لاجواب رہے۔ تاخیرِ جواب کا سبب میری علالتِ معلومہ اور مصروفیتِ لاحقہ کے ماسوا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی طوالتِ نگارش کا جواب بھی طولانی ہونا چاہیے۔ اور میں اس کا اب اہل نہیں رہا۔ دل و دماغ ماؤف۔ بصارت کم۔ وسادہ تمام اعضائے رئیسہ بیکار سے ہو چکے ہیں۔ کیا کروں اور کیسے کروں۔ خدا جانے کیا کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کچھ بھی نہیں لکھ پاتا۔ ایک دن یہی ہونا ہے کہ "ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے"۔ خدا جانے یہ کون سا علاج ہے کہ مجھے نقل و حرکت سے بھی منع فرما گیا ہے یعنی ؎

مرے زخم باندھیں اگر باندھتے ہیں میرے ہاتھ کیوں چارہ گر باندھتے ہیں

مگر کون کہے اور سنتا ہی کون ہے۔ آہ ؎

ہم جو بولیں تو سڑی کہلائیں شیخ چپ ہو تو توکل ٹھہرے

آپ سے پوچھتا ہوں کہ تقاضا اچھا یا انتظار؟ میں انتظار کا ہمیشہ لطف اندوز رہا ہوں۔ اور آپ تقاضہ کے پیرو ہیں۔ کیونکر میرے ہم خیال رہ سکتے ہیں۔ آپ نے جامؔ اور مقدمہ کی جلدوں کا تقاضا فرمایا ہے۔ میرا وعدہ سہی پھر بھی جب عالم یہ ہو تو کیا کیا جائے کہ نہ اُٹھنے اور سعیِ تلاش کی قدرت۔ نہ یادداشت برقرار کہ کونسی چیز کہاں ملے گی؟ گھر کاہے کو کباڑ خانہ ہے۔ خانۂ انوریؔ اور میر تقی میرؔ کا مکان جہاں شرمندہ ہو وہاں کی حالت

کا کچھ تو اندازہ کر لیجیے۔ پھر مجھے موردِ الزام بنائیے ان تمام باتوں کے باوجود آپ کی طبیعت کا رجحان دیکھ کر کچھ نہ کچھ جو بآسانی روانہ کر سکتا ہوں۔ کبھی کبھی بھیج بھی دیتا ہوں۔ اسی کو غنیمت جانئے۔ طلب اٹکل پر نہ جانئیے کام وقت ہی پر ہوگا جب بھی آئے یا کبھی نہ آئے۔ طلب و تقاضا سب بیکار، اور مجھے ان دونوں سے نفرت۔ شہرت، مقبولیت اور ستائش جاؤ بے جا۔ ان میں کوئی ذریعۂ نجات نہیں۔ پھر کس لیے اس کی تمنا ہو۔ میری کتاب پر تبصرہ، میری سوانح حیات کا جائزہ اور میرے کلام پر محاکمہ یہ سب ہیچ اور پوچ باتیں ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہو کہ ؎

"در عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

یوں آپ کو سب کچھ اختیار ہے جو چاہے لکھیے، میں نے اپنے ضمیر کی بات لکھ دی۔ گر خدا کے لیے مجھے اب کچھ لکھنے پر مجبور نہ کیجئے جو کچھ آپ کو دستیاب ہوتا رہے بس اوسی پر محل بناتے رہیے دوسروں کو آسا بھی میسر نہیں۔ اپنا عقیدہ ہی نہیں بلکہ عمل بھی ہے کہ ؎

زعنقا بیشتر یک گام مارفت　　　　که نام او بماند نام مارفت

میں تنہا شاعر ہی نہیں ہوں بلکہ شاعری میرے لیے ایک اضافی چیز ہے جو معمولاتِ زندگی سے علیحدہ ہے آپ نے بھی کہاں دستِ طلب بڑھایا جہاں کچھ بھی تو نہیں ہے! نہ ملنے کی امید۔

راہی وارثی صاحب مجھ سے وابستہ ہیں اگر میں نے دو ایک شعر اونکو سہواً دے دیئے ہوں یا اونھوں نے اوستاد کی چیز سمجھ کر لے لیے ہوں تو اس میں مضائقہ کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔ آپ نہ تعجب کریں نہ پریشان ہوں۔ میری غزل سے وہ اشعار نکال کر پڑھیے۔ اون کے نام سے تو چھپ ہی گئے وہ کیسے نکالیں گے۔ "مشاعرہ جدید" خود ہی پہونچتا رہے گا منگانے کی ضرورت نہیں۔ میرا سفر نامۂ حجاز چھپ رہا ہے۔ جلد ہی آپ کو مل جائے گا۔ مطمئن رہیے۔ حالات نوشتۂ پروفیسر سلام سندیلوی کی تلاش ہے۔ مل جانے پر جلد ہی وہ بھی روانہ کیا جائے گا۔ منتظر رہیے۔ گر طلب تقاضہ سے علیحدہ ہو کر۔ مجھے آپ کے لکھے ہوئے پاکستانی پرچہ یا اخبار کوئی نہیں ملے۔ آپ ہی حاصل کر کے بھیجیں گے تو مطالعہ کر سکوں گا ورنہ اِلّا ماشاء اللہ "رہنمائے شاعری" پر تبصرہ اگر آپ بھیجیں گے تو شکریہ کے ساتھ "مشاعرہ جدید" میں شائع ہو جائے گا۔ وہ پرچہ میرے ایک شاگرد لطف صاحب ہی نکال رہے ہیں۔ "اللہ بس" باقی ہوس۔ سب کو سلام۔ والسلام۔ دعاگو ناچیز افقر موہانی الوارثی عفا عنہ۔

نوٹ: - آپ کی غزل محفوظ ہے، اصلاح اور روانگی کا وقت نہیں آیا۔ یار زندہ صحبت باقی۔ افقر

(۱۰)

لکھنؤ، ۷ دسمبر ۱۹۶۰ء

۷۸۶

۹۲ م

عزیز محترم زبیر صاحب زاد شرفکم۔ دعا و سلام کل شام کو کارڈ ملا تعجب اور افسوس ہوا مجھے لفافہ روانہ کیے آج دس روز ہو گئے مگر آپ کو ملا ہی نہیں۔ اوس میں کچھ نہ لکھنے پر بھی بہت کچھ لکھ مارا تھا۔ اچھا ہوا کہ ایں دفتر بے معنی غرقِ مے ناب اولیٰ" اب کہاں سے وہ دل و دماغ لاؤں جو خیالاتِ پریشاں کی تدوین کروں۔ اور پھر وقت اور سکون کہاں؟

آہ ؎　　شیوۂ رندانِ بے پروا خرام از من مپرس　　　　ایں قدر دانم کہ دشوار ست آساں زیستن

پھر کبھی لکھوں گا۔ مگر اس قدر جلد نہیں کہ پچھلا لکھا ہوا اکارت ہو جائے۔ پڑھوں تو کیا پڑھوں مجھے آج تک نہ "نیرنگِ خیال" کا کوئی بھی پرچہ

ملانہ شبلی نمبر۔ خدا معلوم آپ کس استغنا پر ایسا اکثر لکھ دیا کرتے ہیں۔ ذرا خبر تو لیجئے کہیں ساقی تو کچھ شراب میں نہیں ملا دیا کرتا ہے۔ جس کی مزہ فرشتہ ۔۔ سال چشتہ پیالیوں میں نوش فرما چکے ہیں۔ پھر مجھ تک کیسے جام آ سکتا ہے۔ بحمد اللہ بخیریت اور زندہ ہوں۔ حالانکہ در گور رہا۔ خدا آپ کو شاد و آباد رکھے۔ رسید اور خیریت ۔۔ منتظر رہوں گا۔ خدا کرے میرا لفافہ آپ کو اب تک مل گیا ہو؟ میں نے اوس میں سب ضروری باتیں لکھ دی تھیں اور دو طرزیں بھی اپنی رکھ دی تھیں۔ نسوس ہے

والسلام دعاگو افقر عفا عنہ

غزل (۱)

بندہ بنا رہا ہے حسن تمام تیرا — دنیا مطیع تیری، عالم غلام تیرا

کر دے جو اک اشارہ، لطف تمام تیرا — بن جائے کام اپنا، ہو جائے نام تیرا

ہستی کی منزلوں میں دنیا کی کوششوں سے — اتنا پتہ چلا ہے دل ہے مقام تیرا

دنیا ہو یا لحد ہو، محشر ہو یا قیامت — ضامن ہے عاصیوں کا لطف دوام تیرا

میں کیا بتاؤں تجھ کو کہتا ہے کیا زمانہ — اے باغباں ہے اب تو صیاد نام تیرا

حشر و قیامت اپنی اپنی جگہ ہیں لرزاں — پامال کر نہ ڈالے طرز خرام تیرا

وہ کوئی اور ہیں جو مست مے و مے کشی ہیں — ہم دیکھتے ہیں ساقی حسن نظام تیرا

اے غارت زمانہ دنیا کا حسن فسانہ — کس کس طرح سے آیا کہنے میں نام تیرا

دنیا نے رنگ بدل کے پامال کرنے والے — محشر بھی منتظر ہے محو خرام تیرا

اے رحمت دو عالم وجہ نجات آدم — لطف و کرم ادھر بھی رحمت ہے نام تیرا

جذبات کا بیاں ہے شرح غم نہاں ہے
مقبول ہو نہ کیوں پھر افقر کلام تیرا!

غزل (۲)

دنیا نہ پاتے سجدہ کا میرے نشاں کہیں — کر لے جو مجھ کو جذب ترا آستاں کہیں

آئے نہ حرف ضبط پہ پیر مغاں کہیں — بن جائیں خود سوال نہ انگڑائیاں کہیں

بے ربطیٔ سجود کا انداز دیکھ کر — بدلا نہ لے جبیں سے ترا آستاں کہیں

مٹنے کا اپنے غم نہیں لیکن ہے اب یہ غم — دنیا مٹا نہ دے مری بربادیاں کہیں

کرتی ہیں سجدہ جو رخ جاناں کو دیکھ کر — جھکتی ہیں سنگ در پہ وہ پیشانیاں کہیں

جاتا تو ہوں میں جلوہ گہ یار میں مگر — دھوکا نہ مجھ کو دے مری عمر رواں کہیں

افقر ملے گی حشر میں صبر و رضا کی داد — لیکن ملے گا اب نہ مرا آشیاں کہیں!

---

(۱۱)

۷۸۶
۷۰۷ م

لکھنؤ۔ ۹ر جنوری ۱۹۶۱ء

مکرمی ماسٹر زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ رجسٹرڈ پیکٹ موصول ہوا۔ دلی شکریہ کہ بقول

"آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست"

آپ کی مراسلات مطبوعہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ مختصر افسانہ، اردو زبان، اقبال کا شاہین، اردو، فارسی و ہندی سے مرکب ہے، بہتر شاہکار ہیں جو پاکستان کے لیے غنیمت اور یہاں کے لیے بے ضرورت ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بصارت کام نہ دے سکی جو کچھ اور پڑھتا۔ یونہی مشق قائم رکھیے کسی وقت میں آپ بھی لکھنے والے سمجھے جانے لگیں گے۔

میں سمجھتا تھا کچھ میرا لکھا بھی ان پرچوں میں ہوگا۔ مگر شکر خدا کہ میرا اعمالنامہ صاف رہا۔ چٹان میں بھی صفاچٹ اور نئی بستی میں بھی کوئی جاننے والا نہ نکلا۔ نیرنگ خیال کی نیرنگیوں میں بھی جگہ نہ ملی آخر اوسکو بیرنگ ہی حسب الطلب واپس کر رہا ہوں۔ خدا کرے مع الخیر آپ کو مل جائے۔ آپ کے موعودہ دوسرے خطوط کا انتظار کروں گا۔ جو بصارت سے بھی وہ صرف انتظار ہو رہی ہے۔ باقی خیریت دیاد

کیا یہ ممکن نہ تھا کہ میری مرسلہ اور آپ کی مطلوبہ غزلوں میں سے کوئی منصۂ شہود پر آجاتی؟

سچ تو یہ ہے کہ "ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولٰے"

نیرنگ (نیرنگِ خیال) کا موسیقی نمبر یہاں آکر کیا کرتا جب کہ ع:-

"زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمیدانم"

اوس کی بھی توہین تھی اور میری بھی رسوائی۔ خدا آپ کو شاد و آباد رکھے۔ کبھی کبھی آپ کی محبت سے دل بہل جاتا ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔

والسلام۔ افقرؔ عفا عنہ،

(۱۲)

۷۸۶
۷۰۷ م

دفتر "جام جہاں نما"
لکھنؤ

دعا۔ کل دو پیکٹ بذریعہ ڈاک روانہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کی تلاش میں کچھ مدد اون سے مل جائے۔ رسید و خیریت نامہ آنے پر کچھ اور بھی روانہ ہو سکے گا۔ ہنوز آپ کا موعودہ لفافہ مجھے نہیں ملا۔ آپ نے لکھا بھی یا نہیں؟ واللہ اعلم

ایک طرف یہ سرد مہری اور اوس پر تقاضا و شکایت کہ میں خط نہیں لکھتا کسی نے خوب کہا ہے ؎

تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو عیار بھی ہو
مجھ میں دو عیب ہیں سچا بھی وفادار بھی ہوں

۲۴ر جنوری ۱۹۶۱ء

والسلام:۔ دعاگو افقرؔ موہانی عفا عنہ

(۱۳)

۲۸۹
۷۰۷ م دفتر جام جہاں نو۔ لکھنؤ

لکھنؤ۔ ۴ فروری سنہ ۶۱ء

عزیز محترم زہیر صاحب زاد شرفکم۔ سلام مسنون، دعائے خیر۔ ۳۰ جنوری کا خیریت نامہ منکشف حالات ہوا۔ شکریہ۔ بعد شکریہ۔ آپ کا خط لاجواب ہے۔ لکھوں تو کیا لکھوں؟ کہتے ہیں طوطی کو ریز کرنے کے لیے آئینہ دکھاتے ہیں۔ آپ میرے مفوات مرسلہ کو آئینہ ہی سمجھ کر دیکھئے تو شاید آپ کی قلمی مہر سکوت ٹوٹ جائے اور آپ بھی ریز فرمانے لگیں۔ واللہ اعلم

میں نے اپنے کسی دوست کو شاگرد نہیں بنایا کیونکر سمجھوں آپ میرے شاگرد ہیں۔ یہ دوسری بات ہے آپ میرے ناقصات سے کچھ لطف اندوز اثر پذیر ہوکر میری کورانہ تقلید کرنے لگیں۔ جو بمنزلہ رُشد و تلمذ بن جائے۔ مجھے جب آپ پسند ہیں تو آپ کی نظم یا نثر کیونکر عزیز نہیں ہوگی۔ آپ نے اوس کے ردِّ عمل کی کوشش فرمائی اور اقرار کو انکار لکھ تو دیا۔ مگر یہ رُف نہ دیا۔ یعنی دعویٰ بے دلیل ہی رہا۔ اصلاحی پرچوں کا واپس نہ جانا کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔ موانع کو متاطع سمجھنا آپ ہی کا کام ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔ میرے سامنے آپ مؤدب نہ بنیں، میں صاحب ادب نہیں۔ وعدہ کر چکا ہوں کہ جس طرح اب تک کچھ نہ کچھ آپ کو پہنچتا رہا ہے۔ آئندہ بھی پہنچتا رہے گا۔ پھر طلب و تقاضا کی بحث خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اوس کا اعادہ بھی عبث ہے۔ میری غزلوں کی اشاعت، میرے مکتوبات کی تدوین و طباعت۔ میرے دوسرے مسوّدات و کاغذات کی تشہیر میرا کام نہیں، یہ دوسروں کی مودّت اور توفیق کی بات ہے۔ ایسی صورت میں میری اپنی کوئی رائے نہ ہوگی۔ جس کو جس قدر مل چکا ہے۔ وہ جانے اوس کا کام۔ آپ بھی حاصل پر سب کچھ کر سکتے ہیں میں مانع نہ ہوں گا۔ آہ ؎

مومنی کی بات ساتھ گئی اون کے اور ہم پلکوں سے جھاڑتے ہیں زمیں جلوہ گاہ کی

یعنی مرزا غالب اور اون کی کرامتیں ایک ساتھ ختم ہو گئیں۔ میں اون کا مقلد نہیں۔ کیونکر اتباع کروں آپ کو اختیار ہے جیسا سمجھیں کریں مجھے رجسٹرڈ پیکیٹ مل گیا تھا۔ نیرنگِ خیال موسیقی نمبر وغیرہ کہیے تو واپس کر دوں میں دیکھ چکا ہوں۔ اور اب ع :

"آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست"

فارسی و اردو غزلیات کے پرچے اگر ہاتھ آ گئے تو ضرور روانہ کر دوں گا مطمئن رہیے۔ تلاش کی نہ فرصت نہ ضرورت۔ اتفاقات پر زندگی بسر ہو رہی ہے۔ فردوسِ معانی کے علاوہ دو نہیں بلکہ تین مجموعہ دیوان کی شکل میں تدوین پا چکے ہیں۔ مگر غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔ ایک کو الہ آباد میں ایک صاحب اختر محمود نامی چھپوانے کو لے گئے ہیں۔ دیدہ خواہد شد۔ واللہ اعلم۔ آپ جب تک ایسا کریں کہ اپنی پسند کی کچھ غزلیں فردوسِ معانی سے منتخب کر لیں دوسری انفرادی غزلیں جو دوسرے رسائل یا خط کتابت سے آپ کو فراہم ہو چکی ہیں۔ اُن سب کو ملا کر سَو کے قریب قریب یکجا کر کے اپنی پسند کا کوئی نام رکھ کر وہاں چھپوا دیں مجھے عذر نہ ہوگا۔ اتنا کام کر چکنے کے بعد دوسرا قدم اوٹھائیے ایک وقت میں سب کچھ ناممکن ہوتا ہے۔ اور عربی کی "طلب الکل فوت الکل" والی مثال سامنے آ جاتی ہے۔ اس میں حالیہ غزلیں میں بھی یکجا کر کے آپ کو روانہ کر دوں گا۔ اون کو بھی شامل کر لیجیے گا۔ صحت، صفائی، کتابت و طباعت کی ذمہ داریاں آپ کے سر ہوں گی۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ چھوڑیے ان قصوں کو بیٹھے بٹھائے بلاؤں کو بلانا کونسی عقل مندی ہے۔ آئندہ آپ جانیں آپ

کا کام۔ میرے خطوط بھی جو آپ کو پسند ہوں آخر کتاب میں شامل کر لیں اچھا خاصا حجم ہو جائے گا۔ کم سے کم آپ کی وسعتِ نگاہ کا ایک مختصر سا حاصل منظر عام پر آجائے گا۔ باقی یار زندہ صحبت باقی۔ اس کے بعد کچھ اور بھی اسی طرح ہو جائے گا۔ میرے اس منصوبہ کو جس طرح آپ چاہیں اور جب چاہیں عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ میں بھی ممنون ہوں گا اور منتظر رہوں گا۔ دوران کسی بزرگِ ادب سے مقدمہ بھی لکھوا کر شامل کر دیں۔ جیسا کہ آجکل کا رواج ہے ۱۸۹۵ء کی بعض ابتدائی غزلوں کا پتہ فردوسِ معانی میں صحیح ہے۔ پیامِ مشرق نے اون کو دور از کار سمجھا اور ذکر نہ کیا۔ اوس سنے ۱۹۰۵[1] (۱۹۰۵) سے مستقلاً ذکر کیا ہے وہ دور میری طالب علمی کا تھا یعنی ۱۸۹۵ء اوس کا حوالہ اوس نے دیا ہے۔ دونوں صحیح ہیں۔ آپ جو بہتر سمجھیں کریں۔ آپ بھی شاگردانِ غالب کے تذکرہ کے محاذ میں میرے بعض صاحب تلامذہ شاگردوں کو رکھ سکتے ہیں۔ آپ کو جس قدر مطلوب ہوں طلب فرمائیں۔ لیکن یہ سب کچھ بیک بار ایک ہی کتاب میں ہو سکے گا آپ بتدریج کام کریں تو اچھا اور مناسب ہوگا۔ دیکھنے والے بھی تھوڑا تھوڑا دیکھ سکیں گے۔ ورنہ ذہنی مالیخولیا میں مبتلا ہو جائیں گے۔ آپ نے گرما میں آنے کا مژدہ مجھے سنایا ہے خدا راس لائے اور آپ کو بھی ایک نگاہ چلتے چلاتے دیکھ لوں کیونکہ ؎

ذکرِ تو بود زمزمۂ شادیٔ ما ؛ اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما

ہندستانی ادب کا جوبلی نمبر حیدرآباد نمبر ۲ (اعظم پورا شرقی، دفتر رسالہ ہندوستانی ادب بالا بھاٹ آندھرا پردیش) سے میرے حوالہ سے ایک جلد منگوا لیں۔ پھر اپنا کام کریں۔ آپ کی طوالت پسندی نے مجھے بھی طوالت نگار بنا دیا غالباً آپ کے تمام موضوعات کا کچھ نہ کچھ جواب لکھ چکا ہوں۔ لہٰذا رخصت کا خواستگار ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

خط پر نظرِ ثانی کی نوبت نہ آسکی، عذر خواہ ہوں۔ دعاگو ناچیز افقر موہانی الوارثی عفا عنہ

(۱۴)

۷۸۶
۷۰۰ م

دفتر جام جہاں نما۔ لکھنؤ

۵ مارچ ۱۹۶۱ء۔ دعا و سلام۔ جواباً تحریر ہے۔

۱۹۰۵ء سے مستقل قیام لکھنؤ میں رہا۔ مگر اس سے قبل لکھنؤ میں آمد و رفت کا سلسلہ موہان سے قائم تھا۔ اور میں وہیں اپنے وطن میں رہتا تھا۔ موہان ضلع اناؤ کا مشہور تاریخی قصبہ ہے۔ حضرت استادی تسلیم لکھنوی سے ۱۹۰۳ء میں شرفِ تلمذ موہان سے آکر حاصل کیا تھا۔

(۲) حصولِ آزادی کے مواقع میری زندگی کا جزو ہمیشہ رہے گر میں گوشۂ فقر و فنا میں وہ سب کچھ کرتا رہا۔ جو دوسرے ہنگامۂ دار و گیر میں کرتے تھے۔ نتیجہ ایک ہی رہا۔

(۳) ۱۹۴۷ء ہنگامہ کا شباب تھا۔ ملک کا ملک باغی قرار دے دیا گیا تھا۔ مگر چند اوس وقت بھی اللہ پر نظر رکھتے تھے اون میں ایک فقیر بھی تھا۔

(۴) کونڈے[2] ہوں یا گھڑے۔ میں نہ کسی کا قائل نہ منکر۔ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہوتا؟ رہی عمل اور ردِ عمل کی بحث وہ علماء کی ہمت پر ہے۔ فقیر کے

---

[1] ۱۹۰۵ء

[2] حضرت امام جعفر علیہ کے نام کی نیاز جو اہلِ تشیع ہر سال وقتِ مقررہ پر باقاعدگی سے دیا کرتے ہیں۔ زہیر کنجاہی

مشرب میں بجز تسلیم و رضا دوسری بات کو دخل نہیں (مولوی روم رح)

من ز قرآں مغز را برداشتم   استخواں پیش سگاں انداختم

جوابات ختم شد۔ ما بقی خیریت رہا۔ پچھلے خطوط کی رسید خیریت سے پھر مطلع کیجیے۔ سب کو سلام شوق و دعائے خیر عرض ہو۔

والسلام   دعا گو ناچیز اثر صہبائی وارثی عفا عنہ۔

(۱۵)

دفتر "جام جہاں نما"   ۷۸۶
لکھنؤ   ۷۰۷ م

۱۴ مارچ ۱۹۶۱ء   مکرمی۔ دعا و سلام۔

خدا جانے آپ نے اب تک کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟

میری ڈاک آپ کو ملتی رہتی ہے یا نہیں؟ آخری پیکٹ جو ۵ کو یہاں سے بک پوسٹ روانہ ہوا تھا۔ جس میں چند رسالے اور اخبار تھے آپ کو ملا یا نہیں؟

مطلع کیجیے کہ اطمینان ہو۔ ما بقی خیریت رہا۔   "عید مبارک ہو"

والسلام   دعا گو اثر صہبائی عفا عنہ

آپ کے تمام استفسارات کے جوابات روانہ کیے جا چکے ہیں۔   اثر عفا عنہ

(۱۶)

دفتر "جام جہاں نما" لکھنؤ   ۷۸۶
۱۹ مارچ ۱۹۶۱ء   ۷۰۷ م

مکرمی ماسٹر صاحب (عید مبارک) کل آپ کا لفافہ موصول مطالعہ ہوا۔ غزل بعد درستی واپس کی جاتی ہے۔ بہتر ہے "ارمغان" نام بھی اچھا ہے۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ نئی غزلیات کا ہونا بھی منظور آپ اب تک کی موصول شدہ غزلیات کا شمار کر کے لکھیے کہ نئی میں کیا کمی ہے؟ تاکہ اس کی تکمیل کر دی جائے۔ آج بھی چند پرچہ غزلیات کے روانہ کرتا ہوں ان کو بھی شامل کر لیجیے گا۔ مگر انتخاب میں ۷ یا ۹ سے زائد اشعار کسی غزل میں نہ رکھیے گا۔ اس کا خیال رکھیے گا خواہ بیس سے بھی کم رہیں اور انتخاب محض اپنی رائے سے کیجیے۔ مجھے صرف آپ کی پسند دیکھنا ہے۔ مقدمہ و حالات آپ خود لکھیں گے۔ مقالہ افتتاحیہ وہیں کے کسی بزرگ ادیب سے لکھوا لیجیے گا۔ کچھ کلام دکھا دیجیے گا۔ اسی کے معیار سے لکھنے والے لکھیں گے۔ یہاں کے لکھنے والوں سے واسطہ نہیں یہاں والے جب یہاں چھپے گا لکھیں گے۔ اس میں نہ پروفیسر سلام کا مقدمہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کا یہاں سے ہوگا۔ دربار آئینہ اثر[1] وغیرہ بیکار آپ نے ریمائنڈ کیا جب ان تمام کا جواب باصواب میں ایک سے زیادہ بار آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اور سمجھا کر لکھ چکا ہوں کہ ایک وقت میں ایک ہی کام پوری توجہ سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دوسرے کاموں کے واسطے پہلے اس کام کو ختم کر کے لکھیے مگر افسوس آپ اپنی لکیر کے فقیر ہو گئے میرے لکھے ہوتے جواب کو شاید پڑھا بھی نہیں۔ ورنہ ہرگز ہرگز اس کا

---

[1] ایک کتاب کا نام جس میں حضرت اثر زادہ شہ نظم کے مکتوبات جمع کیے گئے ہیں اور تشنۂ طباعت ہے۔ زبیر کنجاہی

ذکر ہی ہوتا نہ میں اب اس کام کے سوا اس کو سننا ہی چاہتا ہوں۔ آپ اپنی ضد نہیں چھوڑتے تو میں کیوں اپنی وضعداری بدلوں۔ آپ کی پہلے اخبار کی تمام تحقیقات کا خلاصہ صرف یہی نکلتا ہے کہ "جامِ جہاں نما" اردو کا سب سے پہلا اخبار تھا۔ اور مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔ خلاصہ صرف اس قدر ہے۔ آپ بھی اسی پر استوار رہیں۔ آپ کا مرسلہ "چٹان" ہفتہ وار مل گیا۔ دوسرے پرچوں کا انتظار ہے۔

"ارمغان" کے لیے آپ کے پاس کافی مواد روانہ ہو چکا ہے۔ آپ کو کوئی مزید دقت نہ ہوگی۔ غزلیں بھی کافی ہو گئی ہیں۔ صرف ترتیب دینا اور غزلوں کے اشعار کا انتخاب آپ کا کام ہے۔ یا مقدمہ و حالات لکھنا بس اس کام کو انجام دیجئے اگر آپ بعد شمار لکھیں گے تو غزلیں کچھ اور بھی روانہ کر دی جائیں گی۔ ورنہ انہیں پر اکتفا کیجئے۔ ارمغان کی ترتیب ردیف وار قدیم طرز کے مطبوعہ دیوانوں کی ——— نہ ہو بلکہ جو غزل سب سے زیادہ پسند ہو وہی پہلی غزل کر دی جائے۔ میری پسند یہ غزل ہے

غزل

خرد ہے مجبور عقل حیراں پتہ کہیں ہوش کا نہیں ہے
ابھی سے عالم ہے بے خودی کا ابھی تو پردہ اٹھا نہیں ہے

ہے وہ بھی کوئی جبینِ سجدہ اٹھے تمہارے جو نقشِ پا سے
نہ جذب کرلے اگر جبیں کو تمہارا وہ نقشِ پا نہیں ہے

ہوا یہ معلوم بعد مدت کسی کی نیرنگیٔ ستم سے
ستم باندازۂ ادا ہے ادا بقدرِ جفا نہیں ہے

نظر نظر اک نیا ہے جلوہ، نفس نفس اک نئی ہے دنیا
نگاہ کی پھر بھی انتہا ہے، جمال کی انتہا نہیں ہے

ازل سے ہے آسماں خمیدہ نہ کر سکا پھر بھی ایک سجدہ
وہ ڈھونڈھتا ہے جس آستاں کو وہ آستانہ ملا نہیں ہے

ہزار رنگِ زمانہ بدلے، ہزار دورِ نشاط آتے
جو بجھ چکا ہے برائے غم سے چراغ پھر وہ جلا نہیں ہے

بہار آنے کی آرزو کیا بہار خود ہے نظر کا دھوکہ
ابھی چمن جنتِ نظر ہے ابھی چمن کا پتا نہیں ہے

خوشی ہے زاہد کی ورنہ ساقی خیال تو یہ رہے گا کب تک؟
کہ تیرا رندِ خراب افقر ولی نہیں پارسا نہیں ہے

ارمغان کے پہلے صفحہ پر بعد مقدمہ وغیرہ کے جتنی غزلیں کتاب میں طبع ہوں اون کے مطلع کا پہلا مصرعہ بطور انڈکس نمبر وار دے دیا جائے تاکہ غزل کی تلاش میں آسانی ہو۔ باقی صحت وصفائی ۔لکھائی چھپائی اور کاغذ و کور وغیرہ کی پسندیدگی آپ کے حسنِ طبع کی ضامن رہے گی مجھے اس بارہ میں کاوش کی ضرورت بھی نہیں۔ یونہی لکھ دیا گیا۔ فقط والسلام دعاگو۔ افقر موہانی الوارثی عفا عنہ

(۱۷)

دفتر جام جہاں نما ۔ لکھنؤ ۷۸۶
۲۷ مارچ سنہ ۶۱ء ۷۰۷ م

دعا وسلام۔ کارڈ ملا مجھے آپ کے پچھلے سب خطوط مل گئے اور سب کے جوابات بھی لکھ دیئے گئے۔ آپ کو مل رہے ہوں گے۔ سلام صاحب کا خط آیا ہے۔ جواب میں میں نے لکھ دیا ہے کہ اون کو ارمغان کے لیے تقریظ ضرور لکھ دیجیے اور ایک کتاب "کعبہ میں صنم خانہ" جو اون کی حالیہ تصنیف ہے آپ کو بھیج دیں۔ اوس میں بھی کچھ میرا تذکرہ ہے۔ آپ کو مدد دے گا۔ اور میرے ادبی خطوط جو اون کے پاس ہوں وہ بھی آپ کو بھیج دیں۔ بہرحال آپ مطمئن رہیں یہ سب مسالہ جلد ہی آپ کو پہونچ جائے گا۔ آپ اپنا کام جلد سے جلد ختم کرتے رہیں۔ باقی سب کام ہوتا ہی رہے گا۔ جب آپ نے سلسلہ شروع کر دیا ہے تو اللہ کی طرف سے اختتام بھی بالخیر ہوگا۔ رسید و خیریت سے مطلع کیجیے گا کہ حالات سے واقف ہوتا رہے اور طمانیت خاطر رہے۔ گھر میں دعائیں کہیے۔ والسلام دعاگو افقر موہانی عفا عنہ

(۱۸)

دفتر جام جہاں نما ، لکھنؤ ۷۸۶
۲۹ مارچ سنہ ۶۱ء ۷۰۷ م

دعا وسلام۔ پھر وہی حرکت۔ یعنی مزید بکواس۔ لکھ چکا ہوں کہ جو بھی پہونچ چکا ہے اوسی پر قناعت کیجیے۔ گر دستِ طلب کو کوتاہ کون کرسکتا ہے۔ ورنہ سب ہی کچھ تو بھیج دیا گیا ہے۔ جو کسی طرح کم نہیں۔ خیر صاحب۔ کچھ اور بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ جواباً تحریر ہے۔ وھو ہذا:

(۱) میرے دوسرے معاصرین:۔ سائل۔ بیخود دہلوی۔ ندرت میرٹھی۔ جگر بسوانی۔ دل شاہجہان پوری۔ نوح ناروی۔ عزیز۔ صفی آرزو لکھنوی۔ وحشت کلکتوی۔ عرش گیاوی، اصغر گونڈوی۔ جوش ملیح آبادی۔ حسرت موہانی۔ اقبال سہیل اعظمی۔ سیماب اکبر آبادی۔ تاباں میرپوری، قمر بدایونی۔ احسن۔ دلبر مارہروی۔ خٹک پشاوری۔ (پشتو زبان کا اوستاد و شاعر پشاوری) گمس تندار (فارسی گو۔ کوئٹہ) ان تمام سے خط کتابت بھی رہی۔ گر نقل مکتوبات غیر ضروری تھی۔ اس لیے نہیں رکھی گئی۔

(۲) قصبہ و تحصیل کالپی ضلع جالون (یو۔پی) میں ہے۔ دادا میاں رح بغرض سیاحت و تبلیغ معرفت وہاں سے موہان تک آئے اور وہیں رہ گئے۔ ان کی تصنیف تصوف کی مشہور کتاب "آئینۂ تصوف" فارسی و عربی کی مشترکہ زبانوں میں ہے۔ جو شاید اب نایاب ہے واللہ اعلم

(۳) تقسیم سے پہلے بارہا لاہور۔ راولپنڈی اور حیدرآباد جانا ہوا۔ بعد تقسیم دو مرتبہ پاکستان گیا۔ پہلی مرتبہ راولپنڈی کے ریلوے انسٹی ٹیوٹ RAILWAY INSTUITS کے مشاعرہ میں ۱۹۵۰ء میں صدر منتخب ہو کر۔ دوسری بار ۱۹۵۱ء میں کراچی کے بزم ادب والے مشاعرہ میں مولانا حسن وارثی کی طلبی پر جو کنوینر مشاعرہ تھے۔

(۴) صحافت کی ترتیب حسبِ ذیل ہے: سب سے پہلے اخبار مفید روزگار ہفتہ وار کا مدیر مسئول ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک رہا۔ پھر سیارۂ لکھنؤ۔ ہند۔ صحیفۂ وارث۔ جام جہاں نما۔ فتنۂ محشر۔ گزشتہ گزٹ۔ مشاعرہ۔ قومی اتحاد اور مشاعرۂ جدید کا بتدریج مدیر اعزازی و نگران کار و سرپرست رہا۔

(۵) وارثی سلسلہ میں سیدنا و مرشدنا حاجی وارث علی شاہ اعلی اللہ مقامہ سے بمقام ہگور ضلع لکھنؤ ۱۹۰۲ء میں خاص دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ انجمن وارثی حضور کے وصال کے سال ہی ۱۹۰۵ء میں قائم ہوئی۔ وہ اس طرح کہ انگریزی تاریخ ۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو سرکار کا وصال ہوا۔ اسی تاریخ کی یادگار میں یہ انجمن قائم ہوئی۔ جب سے آج تک ۵۷ سال ہوتے برابر حضرت کا قل مبارک اور اسی سلسلہ میں ۷ اپریل کی شب میں مشاعرہ ہوتا ہے۔ جس کا سلسلہ ۸ اپریل تک قائم رہتا ہے۔ حضرت ریاض خیرآبادی اور بھائی بے نظیر شاہ کی تجویز و تحریک پر پہلے ہی سال سے بحر اور قافیہ ہمیشہ ایک رہتا ہے۔ یعنی بحر ہزج سالم اور قافیہ آستاں۔ داستاں وغیرہ صرف ردیف ہر سال تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ اب کی سال ستاونواں سالانہ وارثی مشاعرہ منعقدہ ۷ اپریل ۱۹۶۱ء کا مصرعِ طرح حسبِ ذیل ہے اردو کے ساتھ فارسی کا بھی مشاعرہ شروع سال سے برابر ہوتا چلا آرہا ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔ کیونکہ فارسی اب کہاں؟

(۱) مصرعہ طرح اردو:۔ "نہ تم ہو جلوہ گر تو آستاں باقی نہیں رہتا"
ق — ر

(۲) طرح فارسی: "تو گر در وسے نہ باشی آستاں باقی نمی ماند"
ق — ر

واضح ہو کہ نصف صدی سے زائد مدت گزر جانے کے بعد اب یہ حال ہے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا میں جہاں جہاں بھی اردو فارسی کا کچھ بھی چرچا ہے وہاں بھی "وارثی مشاعرہ" ہونے لگا ہے اور تمام ایسے مقامات میں ایک ہی مصرعہ ہائے طرح اور اوقات و تاریخ پر قل مبارک مطابق مرکزی مشاعرہ لکھنؤ کے ہوتا ہے۔ چنانچہ امسال کی آمدہ خبروں سے معلوم ہوا کہ ۷ اپریل ۱۹۶۱ء کو حسبِ ذیل مقامات پر وارثی مشاعرے منعقد ہو رہے ہیں، اکثر مقامات میں اس مشاعرہ کے گلدستہ بھی شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہند و پاک۔ عدن۔ رنگون وغیرہ مقاماتِ مشاعرہ:۔ لکھنؤ[1] (مرکزی وارثی مشاعرہ) بمبئی[2] کلکتہ[3]۔ لکھیم پور[4]۔ دہلی[5]۔ میرٹھ[6]۔ (ہندوستان میں) کراچی۔ لاہور۔ ملتان[9]۔ چاٹگام۔ ڈھاکہ[11] (پاکستان غربی و شرقی) خان یونس[12]۔ طہران[13] (ایران میں) عمان[14] (شرق اردن) جدہ[15] (عربیہ سعودیہ) مسقط[16] (یمن) رنگون[17] (برما) ڈربن[18]۔ نٹال[19] (جنوبی افریقہ) وغیرہ۔

(۶) علوم مشرقیہ کی تعلیم و تکمیل اپنے والد مولانا شاہ سید اکرام علی رح و ماموں صاحب مولانا ضیاء الدین آسیونی رح مرحوم سے موہان ہی

ق = قافیہ — ر = ردیف

زہیر کنجاہی

میں ہوتی۔ قصبۂ موہان ضلع اناؤ میں کچھ موروثی جاگیر بزرگوں سے چلی آتی تھی۔ وہی ذریعۂ معاش تھا۔ جو اب باقی نہیں رہی۔ اب ذریعۂ معاش توکل بخدا ہے۔ بمصداق ایکہ ع۔ خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

(۷) میں صرف "ادب برائے ادب" کا قائل ہوں۔ کیونکہ ادب کو دوسرے موضوعات زندگی پر محمول سمجھنا نہ صرف ادب کی بلکہ اوس موضوع کی بھی توہین ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ع "من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن"

آپ کے تمام جدید استفسارات کے جوابات ختم ہوگئے جو کیم شوال کے نوشتہ لفافے میں تھے۔ اور وہ لفافہ مجھے آج ۱۰ر شوال کو ملا مگر اب خدا کے واسطے رحم فرمائیے اور پھر کچھ نہ پوچھ بیٹھئے گا۔ ورنہ میں اسی بھر کا ہو کر رہ جاؤں گا۔ آپ "ارمغان" کی طرف توجہ خاص فرمائیے۔ اور اوسی سے شاید آپ گھبراتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس خط کی رسید کا کارڈ بھیج کر مطمئن فرمائیے گا۔ غالباً ماسٹر سلامؔ[1] صاحب کا جواب آپ کے پاس آگیا ہوگا۔ یا آتا ہوگا۔ سر جھکرا گیا۔ اس لیے خط ہذا پر نظر ثانی نہ ہو سکی۔ جہاں پر کچھ سہو معلوم ہو آپ محاورہ سے سمجھ لیں۔ فقط۔ دعاگو، افقرؔ موہانی وارثی عفا عنہٗ

۲۹ر مارچ ۱۹۵۲ء لکھنؤ۔ دفتر جام جہاں نما

(۱۹)

۴ر اپریل ۱۹۵۲ء ۷۸۶
لکھنؤ —— ۷۰۷ م

کرمی بتسلیم۔ لفافہ پہونچا۔ شکریہ۔ فوٹو، کچھ غزلیں، ایک آپ کی غزل آج روانہ کی جاتی ہے۔ ان سب کو بھی اپنی اپنی جگہ پر فٹ کر دیجئے۔ اور کام کو جلد ہی ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔ گھر میں اہلیہ کی حالت ہنوز ناقابل اعتبار ہے۔ سخت الجھن ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ دعا کیجئے۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ اپنے گھر میں سب کو میری دعائیں کہیے۔ خطوط برابر لکھتے رہیئے۔ فقط والسلام

دعاگو افقرؔ موہانی عفا عنہ

غزل

تمنا ہے کہ پیدا دل میں دردِ دو جہاں کر لوں
خدائی بھر کے افسانوں کو اپنی داستاں کر لوں

جو قدرت ہو تو قبضہ میں گلستانِ جہاں کر لوں
ہر اک غنچہ کو دل، ہر خار کو اپنی زباں کر لوں

اوٹھا لینے دے اے صیاد دو تنکے گلستاں میں
کہ فصلِ گل میں کم سے کم بنا تے آشیاں کر لوں

مجھے اس واسطے اب انتظارِ روزِ محشر ہے
کہ اوس کو بھی ملا کر ختم دل کی داستاں کر لوں

زمیں کے ذرہ ذرہ پر ہے تیری جلوہ آرائی
بہر صورت ترا سجدہ جہاں چاہوں وہاں کر لوں

یہ ممکن ہے کہ ہو جاؤں نہاں خود ہی نشیمن میں
نہاں صیاد کی آنکھوں سے کیسے آشیاں کر لوں

---

[1] ڈاکٹر سلامؔ سندیلوی ایم اے۔ ڈی لٹ۔ ز۔ک۔

اڑاؤں کیوں نہ سر پہ خاک میں گلشن میں لے فقرؔ　　جلے تنکوں پہ کیسے اعتبارِ آشیاں کروں !

(۲۰)

۷۸۹

۷۰۰ م

لکھنؤ۔ ۱۰ اپریل سنہ [illegible]ء

کرمی۔ دعا و سلام۔ آج کے خط کے ہمراہ ایک بُک پوسٹ پیکٹ اور روانہ کیا جاتا ہے جس میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ کافی غزلیں آپ کو مل جائیں گی۔ اتنا خیال فرما لیجیے گا کہ غزلیں مکرر نہ ہونے پائیں۔ بڑے غور سے ملاحظہ فرما لیا کیجیے گا۔ میرے خیال میں اب تو سو ڈیڑھ سو سے زیادہ ہو گئی ہوں گی۔ شاید آپ بھی گھبرا گئے ہوں کہ یہ بلائیں کہاں سے نازل ہو گئیں۔ بہر حال اب "ارمغان" کی تجہیز و تکفین جلد ہی کر کے فراغت حاصل کر لیجیے۔ ورنہ نہ مردہ کی نجات نہ زندہ کو ثواب۔ خیریت و رسید ہذا سے بواپسی مطلع فرمائیے گا۔ منتظر رہوں گا۔ فقط والسلام

دعاگو افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۲۱)

لکھنؤ۔ ۱۹ مئی سنہ ۶۱ء　　　بسم اللہ

زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ کچھ پیشتر نام اور لکھے جاتے ہیں۔ جو مکرر ہوں یعنی پہلے لکھے جا چکے ہوں ان کو قلم زد کر دیجیے گا۔ باقی کو ڈرافٹ روانہ کر دیجیے گا۔ کچھ نہ کچھ اور معلومات میں اضافہ ہو جائے گا۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر برقیات و آب پاشی کا لفافہ آیا ہے کہ آپ کی اجازت درکار ہے؟ میں نے اجازت دے دی ہے کہ وہ آپ کو میرے مکتوبات و خطوط برائے "آئینہ" بھیج دیں غالباً پہونچ جائیں گے۔ "ارمغان" کے بارہ میں آپ نے کچھ نہ لکھا۔ کہ کس حد تک آپ نے مرتب کی ہے۔ وہ مقدم ہے۔ اور "آئینہ" مؤخر۔ اگر اس میں آپ اُلجھ گئے تو وہ کام ناقص رہ جائے گا۔ لہٰذا اس کو پہلے ہو جانا چاہیئے تھا۔ پھر دوسرا کام شروع ہوتا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎ !

"ایں دفترِ بے معنیٰ غرقِ مئے ناب اولیٰ"　　والسلام۔　　دعاگو افقر موہانی عفاعنہ

"تلامذۂ افقر" سے درخواست: میں اپنے اُستادِ گرامی، مرشدِ روحانی حضرت افقر موہانی مدظلہ، کا حالیہ کلام "ارمغان" کے نام سے ایڈٹ کر رہا ہوں۔ جس میں تقریباً ایک سو انتخابی غزلیات ہوں گی۔ اس کے علاوہ دو دیگر کتب "آئینۂ افقر" اور "تلامذۂ افقر" زیرِ ترتیب ہیں۔ "آئینۂ افقر" میں حضرت افقر موہانی کے تمام علمی و ادبی مکتوبات یکجا کیے جا رہے ہیں۔ اکثر حضرات سے اُن کے بہترین خطوط حاصل کیے جا چکے ہیں۔ اور آپ جیسی بزرگ ہستی سے بہت بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ اس کام میں میری معاونت فرمائیں گے۔ حضرت افقر موہانی کے تمام ادبی خطوط جو آپ کے پاس ہوں ارسال فرمائیں۔ نقل کرنے کے بعد بذریعہ رجسٹرڈ پارسل جناب کی خدمت میں واپس کر دیئے جائیں گے۔

کتاب "تلامذۂ افقر" کی حقیقت اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ ؎　عیاں راچہ بیاں

اس لیے جمیع تلامذۂ افقر سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مختصر سوانح حیات، فوٹو اور نمونۂ کلام ارسال فرمائیں۔ یا پھر اپنے

کتب اور رسائل سے آگاہ کریں جن سے انکے حالات زیست اور نمونۂ کلام حاصل کیے جا سکیں۔ نیز اپنے دیگر پیر بھائیوں کے اسمائے گرامی اور مکمل پتے تحریر فرمائیں۔

کتاب "تلامذۂ افقر" دو حصوں میں منقسم ہوگی۔ حصہ اول میں اُن حضرات کا تذکرہ (مع نمونۂ کلام) ہوگا جو خود بھی صاحب تلامذہ تھے یا ہیں۔ اور حصہ دوم میں حضرت افقر موہانی کے اُن جدید تلامذہ کا (جو ابھی خود صاحب تلامذہ نہیں ہیں) ذکر کیا جائے گا۔

زبیر کنجاہی۔ پوہڑ پڑیال۔ راولپنڈی (مغربی پاکستان)

(۲۲)

۲۳ مئی ۱۹۶۱ء

۷۸۶ / ۷۰۷ م

مکرم۔ دعا و سلام۔ آپ کا لفافہ اور دوسرے دن پیکٹ رسائل کا محفوظ وصول ہوا شکریہ۔ "عید الضحیٰ مبارک باد" بہتر ہے آہستہ آہستہ موجودہ کاموں کو غائر توجہ نظر سے انجام دیتے رہیے۔ تاکہ جو کچھ برآمد ہو وہ آمد کے لائق سمجھا جائے۔ میری صوبائی گورنمنٹ (اتر پردیش کی حکومت) نے مجھے /۷۵ روپے ماہوار کا وظیفہ دینا منظور فرمایا ہے، جو اپریل ۱۹۶۱ء سے اجرا ہوگا۔ سنٹرل گورنمنٹ غور کر رہی ہے کہ وہ کیا مقرر کرے۔ آپ کو بھی مبارکباد دی جاتی ہے کہ ہمارے تلامذہ میں آپ بھی ہیں۔ اس خبر کو آپ پاکستانی اخبارات میں بھی دے دیں تاکہ وہاں کے افقر نواز احباب و تلامذہ بھی بقدر مؤدت دل شاد ہو جائیں۔ تعمیر راولپنڈی۔ انجام و جنگ کراچی۔ زمیندار لاہور میں ضرور بھجوا دیجئے گا۔ اور جو کوئی خاص بات ہو لکھتے رہیے گا۔ تعطیلات گرما میں آپ کا پتہ کیا ہوگا؟ کیونکہ اسکول تو بند رہے گا۔ مطلع کیجئے گا۔ گھر میں دعائیں کہیے۔ خدا سب کو شاد و آباد رکھے۔ خیریت نامہ و کوائف حاضرہ سے آگاہ کرتے رہیے گا۔ کہیے "ارمغان" اور "آئینہ" کس منزل تک پہنچے؟ کچھ خطوط فراہم ہو گئے یا نہیں؟ سلام صاحب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ اُن کی مرسلہ کتب کو بغور تعطیلات میں پڑھتے رہیے گا۔ فقط والسلام۔ دعاگو افقر موہانی وارثی عفا عنہ

(۲۳)

۷۸۶
۷۰۷ م

۴ اگست ۱۹۶۱ء۔ زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ آپ نہیں مانتے تو سُنئے :-

آنکھوں دیکھی بات نہیں جو بزرگوں اور بڑے بوڑھوں سے سنتا چلا آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میری پیدائش مجازی ۵ اپریل بروز یک شنبہ وقت مابین عصر و مغرب ۱۸۸۶ء کی ہے۔ باپ نے کان میں اذان دی۔ ظلمت وارث نام رکھا اور ماں نے آغوشِ شفقت میں جگہ دی۔ واللہ اعلم!

اب آپ بیسویں صدی میں مجھے جس طرح چاہیں تماشا بنائیں۔ جبکہ میں مجبور اور معذور ہو چکا ہوں۔ مجھے یہ بھی منظور ہے۔ ورنہ اپنا عقیدہ تو یہ ہے اور عمل بھی کر س

زعنقا بیشتر نیک گام مارفت　　　　کہ نام او بماند نام مارفت　　　　(مظہر جانجاناں)

مسوّدہ "محشرستانِ ادب" میں ضرور آپ کو بھیجوں گا۔ مگر "ارمغان" کی طباعت کے بعد، یہی پیشتر بھی لکھ چکا ہوں۔ آپ بیکار شاکی ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ ایک وقت میں کئی کئی کام نہیں ہوتے اور یہ مسئلہ سامنے آجاتا ہے کہ " طلب الکل فوت الکل"

آپ مطمئن رہیں۔ آپ ہی اس کو منظر عام پر لائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کچھ شاگردوں اور دوستوں نے لکھا ہے کہ زبیر صاحب کو آپ کے محفوظ خطوط تو بھیج دیئے ہیں۔ مگر واپسی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ان کو لکھ دیجیے کہ بعد نقول انھیں واپس کر دیں! لہٰذا آپ بھی خیال رکھیں مثلاً شاہ کوکب کو پنچ کے۔ برگ[1] باندوی۔ ملا ابراہیم وغیرہ ان حضرات کے خطوط واپس کر دیجیے گا۔ حافظ ابراہیم کے مشاغل ظاہر ہیں۔ بے چارے آج پورب میں کل پچھم میں نہ فرصت ملی یا نہ خیال رہا۔ ان کے ایک خط کی نقل غالباً آپ کو روانہ ہی کر چکا ہوں جو کافی ہوگی۔ آپ کی غزل بعد درستی و اصلاح روانہ کر رہا ہوں۔ آئندہ رہنمائے شاعری کی مدد سے فکر کیا کیجیے۔ تو آسانی رہے گی۔ "رہنمائے شاعری" غالباً آپ کو بہت پہلے ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اب یادداشت بھی کام نہیں دیتی ہے آہ ؎

دریغا کہ عہدِ جوانی نماند　　　　جوانی مگر زندگانی نماند　　　　(نظامیؒ)

آج کچھ اور نقول اور ایک تراشہ اخبار سرپنچ کا روانہ کرتا ہوں جس میں میرا ایک خط شائع ہوا تھا۔ ان سب کو بحفاظت "آئینہ" کے لیے محفوظ کر لیجیے۔

اس خط کی رسید اور دوسرے حالاتِ حاضرہ کا انتظار رہے گا۔

لاہور میں :-

(۱) منور شاہ وارثی عرف اختر میرا ایڈووکیٹ - ۸۲- انارکلی لاہور۔

(۲) نواب لیاقت اللہ خاں صبا رئیس و زمیندار۔ ۱۰۱- سرکلر روڈ۔ پیلی کوٹھی لاہور۔ سے خط کتابت کیجیے تو میرے کچھ خطوط نیز مشرقی حالات آپ کو معلوم ہوتے رہیں گے۔ امید ہے کہ "آئینہ" کے لیے آپ کو احباب کے خطوط پہونچ رہے ہوں گے۔ خود آپ ہی کے نام کے کیا کم ہوں گے ان سب کو بھی شامل کر لیجیے گا۔ والسلام۔　　　　دعاگو ناچیز افقر عفا عنہ

(۴۴)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنؤ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۱ء

عزیزم زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ آپ کے لاجواب خط کا جواب ہی کیا۔ من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید، نہ میرے روانہ کیے ہوئے پیکٹ اور متعدد خطوط کی رسید نہ ارمغان کا تذکرہ، مستقبل پر نظر، حال غائب، مسوّدہ اب لکھا جا رہا ہے۔ تو اس رفتار سے طباعت ۱۹۶۵ء سے قبل ناممکن بات ہوگی۔ لکھنے والوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ خدائے برحق کی بھی نفی کر سکتے ہیں۔ نیاز[2] نے اگر جگر[3] کو نہ مانا تو کونسا قابل الذکر تیر چلایا۔

---

[1] نیاز فتح پوری　[2] جگر مراد آبادی

بات صرف اتنی کہ آپ مجھے اپنا ایسا بنانا چاہتا ہوں اور میں آپ کو اپنا ایسا۔ اگر میں ناسخ، میر، جگر، نیاز، لکھنؤ کی زبان وغیرہ پر کچھ لکھوں تو آپ کا ایسا بن جاؤں اور آپ اگر ارمغان کو جلد سے جلد تیار کرا دیں جس کا تمام و کمال مواد آپ کو پہنچ چکا ہے تو آپ میرے لیے بن جائیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اپنا ملک کو نہ بدلا جائے۔ آپ بھی لکھتے رہیں اور میں آئندہ بھی وہی لکھتا رہوں جو آج تک لکھتا چلا آیا ہوں۔ آخر وضعداری بھی تو کوئی چیز ہے۔ اسے کیوں ترک کیا جائے جام نو، نیا راہی، صحف، ساوی نہیں جن کا انتظار کروں۔ جب آئیں گے دیکھا جائے گا۔ والسلام۔ افسر عفاعنہٗ

(۲۵)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنؤ - ۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء

دعا و سلام - مرزا غالب کا شعر ہے ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

میں اس کا قائل نہ تھا۔ مگر آپ نے ثابت کر دکھایا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ دور بھی نہ رہے گا۔ اور کبھی تو مجبوؔر وہاں نظر آئے گا۔ عاقل[1] نے اپنی خانہ آبادی کے موقع پر مجھے بلایا ہے۔ میں نے آپ پر مشروط کر دیا ہے کہ اگر زہیر[2] شریک ہوں گے تو شاید وہ مجھے بھی بلالیں۔ لہٰذا آپ اپنی نسبت لکھیے۔ کیا ممکن ہوگا کہ آپ وہاں تک آسکیں؟ تو پھر میں بھی کوئی رائے قائم کروں ورنہ اِلّا ماشاء اللہ والسلام دعاگو افسر مورانی وارثی عفاعنہٗ

(۲۶)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنؤ - ۲۹ نومبر ۱۹۷۱ء

دعا و سلام - جی ہاں آج آپ کے بھیجے ہوئے ۵ جلد پیڈ بذریعہ رجسٹرڈ پارسل بطور تحفہ موعودہ دستیاب ہو گئے۔ مطمئن رہیے۔ دوسرا تحفہ ہنوز معلق ہے جو جانماز پر مشتمل تھا۔ اور شاید وہ مجھے راس بھی نہ آئے کیونکہ میں اہلِ نماز آرزو رہوں مگر صاحبِ نماز کا مرتبہ مجھے حاصل نہیں۔ وما توفیقی اِلّا باللہ

والسلام دعاگو افسر مورانی عفاعنہ۔

مکرر: - میری طرف سے دونوں تحائف مرقومہ و مذکورہ کا شکریہ تو قبول ہی فرمایا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کوئی ملا کوئی نہ ملا۔ میر تقی میرؔ کا شعر ہے

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

افسر عفاعنہٗ

---

[1] عاقل لاہوری تلمیذ سید افسر مورانی [2] مکتوب الیہ

(۲۷)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر
"جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔ نمبرالف — مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۶۱ء

زبیر صاحب۔ دعا و سلام۔ سیکٹر ۲ کارڈ روانہ کرنے پر آپ کا لفافہ ۲۴ نومبر کا نوشتہ آج ۲ دسمبر کو ملا۔ شکر ہی شکر ہے۔ ۵ پلیٹوں کی رسید لکھ چکا ہوں۔ کشمیری معاملے اقوام متحدہ (U.N.O) کی مجلس میں پیش ہونے گیا ہے۔ جب کبھی جو کچھ طے ہوگا معلوم ہو جائے گا۔ اس کے لیے عمر خضر کی ضرورت ہے۔ میں عمر ختم کر چکا ہوں۔ لہٰذا نتیجہ معلوم۔ آپ "ارمغان" تیار کرتے ہی رہے اور یہاں صدیق بک ڈپو نے نظرگاہ[1] شائع بھی کر دیا۔ سچ ہے ؎

تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آتے
اور تنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے

کرنے والے کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ "نظرگاہ" میں کچھ غزلیں ارمغاں کی ضرور ہیں۔ مگر اس سے کوئی نقص نہیں پڑتا۔ اس کی ترتیب اور ہے اس کی اور وہ وہاں کا ہے یہ یہاں کا۔ دیوانِ غالب تو ملکوں میں بار بار چھپا۔ بہرحال آپ کو جو کچھ کرنا ہے کیجیے۔ یہ کام یہاں کا ہے ہوتا ہی رہے گا۔ آپ جمال[2] کو یا صدیق[3] کو لکھیے کہ وہ ایک جلد "نظرگاہ" کی آپ کو جلد سے جلد روانہ کر دیں۔ میری روانگی میں دیر ہوگی۔ اور وہ بھی واللہ اعلم ہو پاتے یا نہ ہو۔ دیوہ شریف کے وارثی مشاعرہ کی آپ کی غزل روانہ ہے۔ جو عنقریب گل دستہ میں بھی شائع ہوگی۔ میں نے نقل رکھ لی ہے۔ یہ غزل مشاعرہ میں پڑھوا بھی دی گئی ہے، خوب رنگ رہا۔

سلام سندیلوی بخیریت ہیں۔ ابھی کچھ دن ہوتے مجھ سے ملنے آئے تھے اون کا پتہ بدستور گورکھپور یونیورسٹی ہے۔ آپ وہاں کے حالات ذکر ضرور یہ سے مطلع کرتے رہیں۔ باقی خیریت ہے۔ گھر میں دعائیں۔ — والسلام: دعاگو افقر موہانی وارثی عفاعنہٗ

(۲۸)

افقر موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔ — مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۶۲ء

دعا و سلام۔ پہلے فارم پہونچے بعد کو لفافہ آیا۔ شکریہ۔ بعد معمولی ترمیمات کے مرسلہ کاغذات واپس ہیں۔ کام میں لائیے۔ "نیرنگ" کی تلاش کروں گا۔ مل گئے تو واپس کروں گا۔ مجھے یہی مصیبت بہت ستاتی ہے اور آپ اسی سے باز نہیں آتے میرے لیے کسی کاغذ یا کتاب کا تلاش کرنا جوئے شیر سے کم نہیں۔ جانماز کا جب وقت آجاتے گا۔ خود ہی پہونچ جاتے گی۔ جب تک نہ آتے غنیمت ہی ہے۔ ورنہ پھر تو نماز پڑھنا ہی ہوگی۔ جدید مشاعرہ کب کا بند ہو چکا غالباً دسمبر ۱۹۶۱ء سے جاری نہیں ہوا۔ مطمئن رہیے۔ مئی کے بعد کے پرچے تلاش سے مل گئے تو روانہ کرا دوں گا۔ آپ کمالؔ[4] کو بھی لکھیے۔ مسٹر

---

[1] نظرگاہ۔ حضرت استادِ معظم سید افقر موہانی کی اردو غزلیات کا مجموعہ۔ — زبیر کنجاہی

[2] جمال بانمدی تلمیذ سید افقر موہانی

[3] مالک و منیجر صدیق بک ڈپو امین آباد پارک لکھنؤ۔

[4] حضرت جاوید کمال جو علی گڑھ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے صاحب مکتوب نگار کے استاد حضرت امیر اللہ تسلیم لکھنوی پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ — زبیر کنجاہی

کمال کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے بیکار کتابت سے کیا حاصل! "نظرگاہ" کے لیے صدیق بک ڈپو سے میں بھی کہوں گا کہ ایک جلد آپ کو فوراً روانہ کر دیں۔ قیمت میں یہاں ادا کر دوں گا۔ مابقی کتب بھی بھجوا دوں گا۔ خیال تو مجھے بھی ہے کہ ماتل امبالوی صاحب کسی وارثی مشاعرہ میں شریک ہو چکے ہیں مگر جب آتش جوان تھا۔ اسی طرح الطاف پرداز سے بھی مل چکا ہوں۔ خیال نہیں کب اور کہاں۔ یہ لوگ بہت فقیر نواز ثابت ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی نسبت نہیں مگر اسی قدر کیا کم ہے۔ آپ وہاں جو کچھ کرتے رہیے مجھے لکھتے رہیے۔ کچھ نہ کچھ تو یہاں سے بھی تیار ہوتا رہے گا۔ آپ پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مجھے ریسرچ کرنا چاہتے ہیں خوشی آپ کی مگر حاصل؟ بہرحال ڈاکٹر تو ہونا ہی ہے یونہی سہی۔ ایک میرے شاگرد سیالکوٹ میں انجمن شباب اردو کے سیکرٹری ہیں نام و پتہ مجھے یاد نہیں۔ ان کا بھیجا ہوا لفافہ روانہ کرتا ہوں آپ وہاں لکھ کر پتہ چلا لیں معلوم ہو جائے گا۔ آپ منور شاہ صاحب ایڈووکیٹ حال وارثی کو "مدینہ دار رادی روڈ لاہور" کے پتہ پر لکھ کر میرے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح نواب لیاقت اللہ خاں صاحب صبا وارثی ۱۰۱ سرکلر روڈ لاہور سے بھی بہت کچھ معلومات حاصل فرما سکتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے آپ خط و کتابت ضرور اور جلد کریں۔

انجمن شباب اردو سیالکوٹ کو آپ لکھیں کہ وہ لوگ اور میں کون ہیں جو افقر موہانی کو جانتے ہیں؟ کوئی بندۂ خدا جواب دے ہی دے گا۔ مجھے بالکل نام نہیں یاد آ رہا ہے کیا کروں۔ اور سب خیریت ہے۔ جواب آنے پر کچھ لکھوں گا۔ فقط والسلام۔ دعاگو افقر موہانی وارثی عفا عنہ

(۲۹)

۷۸۶/۹۲ م

لکھنؤ۔ ۱۲ مارچ ۶۲ء

دعا و سلام۔ "عید مبارک"

ارمغان، آئینہ اور تلامذۂ افقر کے مطبوعہ لیٹر پیپر اگر کچھ موجود ہوں تو بذریعہ پیکٹ روانہ کر دیجیے، ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

نیرنگِ خیال، نیا راہی، میں اگر کوئی غزل یا میرے متعلق کوئی مضمون شائع ہوا ہو یا آئندہ شائع ہو تو ایک کاپی ضرور بھیج دیجیے گا۔ انتظار رہے گا۔ مابقی خیراست و باد۔ والسلام دعاگو۔ افقر موہانی وارثی عفا اللہ عنہ۔

(۳۰)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ ——— مورخہ ۶ اپریل ۶۲ء

زہیر صاحب۔ دعا و سلام۔ مجھے اور محشر[1] و شاہ بیدل[2] کو آپ کے بھیجے ہوئے خطوط پہنچ گئے۔ شکریہ! مگر اس کا کیا علاج کہ اس مشاعرہ میں مجھے کامل ایک ماہ سر اوٹھانے کی مہلت نہیں رہتی جب کہیں یہ کام ہو پاتا ہے مگر آپ کو کیا علم کہ میں کس حال میں ہوں۔ برابر جواب طلب خطوط اور پروانے چلے آ رہے ہیں۔ جواب نہ دوں تو کافر ہوں۔ جواب دوں تو فرصت کہاں۔ عجب کشاکش کی زندگی ہے۔ بہرحال نہ صرف میں بلکہ محشر و شاہ صاحبان اپنے موصول شدہ خطوط کا جواب آپ کو آخر اپریل ہی تک دے سکتے ہیں اس سے پہلے کا نہ اقرار ہو سکتا ہے نہ آپ کو اصرار ہونا چاہیے۔ جمال پانڈوی کی نظم آئی ہے جو بعد اصلاح روانہ ہے۔ اس کو کاغذات میں شامل کر لیجیے اور پہلے والی جو انہوں نے بغیر اصلاح آپ کو روانہ کی ہے وہ نکال دیجیے

---

[1] خلف و تلمیذ سید افقر موہانی زاد شرفکم [2] تلمیذ سید افقر موہانی زاد شرفکم

میں نے جمالی کو بھی یہی لکھ دیا ہے۔

جمالؔ بانڈوی کی نظم حسب ذیل ہے:

شہنشاہِ جہاں وارث رہا، گدائے آستاں افقر
اتالیق و ادیب و شاعر شیریں بیاں افقر
وہ رہبر ہے کہ جس پر منزلیں خود ناز کرتی ہیں
امام شاعراں افقر، امیر کارواں افقر
حد اخلاق جس پر ختم ہوتی ہے وہ سالک ہے
حلیم و بردبار و غم گسار و مہرباں افقر
سخاوت میں، مروت میں، محبت میں، عبادت میں
نہ ہو جس کا کوئی ثانی وہ ہے صاحبقراں افقر
جمالِ بانڈوی کو فخر ہے جس ذاتِ عالی پر
وہ ہے شیخ حرم افقر وہ ہے پیر مغاں افقر

۵ اپریل کی کارروائی سے مطلع کیجئے گا ہر کام بتدریج رفتہ رفتہ اچھا ہوتا ہے۔ آپ کو یک بارگی بشارت ہو جاتی ہے۔ اس لیے کام ناقص رہتا ہے اور کبھی حسب منشا انجام نہیں پاسکتا۔ مشاعرہ کی غزلیں اور اوس کے نثری کی غزلیں سب مہیا اور یکجا ہو جانے پر آپ کو آخر اپریل یا شروع مئی میں یہاں سے منتخب کرکے برائے گلدستہ روانہ کی جائیں گی۔ گلدستہ کا نام "فکر و خیال" اچھا رہے گا۔ اپنی خیریت و حالات حاضرہ سے مطلع فرمائیے گا۔ آپ کو آپ کی غزل پہونچ گئی ہوگی۔ جو دوسرے لفافہ میں میں نے پہلے لفافہ کے فوراً بعد روانہ کردی تھی مطلع فرمائیے گا؟

اسی وارثی مشاعرہ کی ایک نہایت کامیاب غزل[۱] حسب ذیل پتہ سے بذریعہ ڈاک منگوا لیجئے گا۔ جو میں نے موصوف کو روانہ کردی ہے۔

پتہ:۔ عالی جناب نواب لیاقت اللہ خاں صاحب صبا وارثی رئیس و زمیندار ۱۰۱ سرکلر روڈ۔ بیلی کوٹھی لاہور۔

باقی خیریت ہے۔ والسلام دعاگو افقر موہانی وارثی عفا عنہ

---

[۱] یہ غزل میں نے جناب صبا وارثی صاحب سے حاصل کر کے گلدستہ "فکر و خیال" باسم تاریخی "خزینۂ سخن" میں شامل کر دی تھی۔ یہاں بھی نقل کی جاتی ہے۔ دبیر کنجاہی۔

فضائے دہر بدلی، یا نظامِ گلستاں بدلا — یہ سب بدلے مگر پھر بھی نہ رنگِ آسماں بدلا
حوادث نے عجب ترتیب توڑ دی ہے گلستاں کو — کہ خود صیاد نے بڑھ کر قفس سے آشیاں بدلا
میں کیسے اعتبار انقلاب آسماں کروں — نہ دل بدلا نہ وہ بدلے نہ اندازِ جہاں بدلا

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

(۱۳)

افقرؔ موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔

مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۶۲ء

زبیر کنجاہی صاحب

دعا و سلام ۔ آپ کے خطوط اور محشرؔ صاحب کے نام کا رجسٹرڈ پیکٹ وصول ہوئے۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میں اب لکھنے پڑھنے سے معذور ہو رہا ہوں۔ اس لیے جواب یا فوری جواب کی عدم تعمیل پر خود عذر خواہ ہوں۔ آپ اپنا کام کرتے رہیے جو ہو جائے غنیمت ہے۔ گلدستہ" فکر و خیال" کا مسودہ آپ کو جون کے پہلے ہفتہ تک پہونچے گا۔ ابھی فراہمی غزلیات ہی سے فراغت نہیں ہو سکی ہے۔ غالباً (نغمۂ روحانی) روانہ شدہ گلدستہ بابتہ ۱۹۵۸ء ابتداً یقیناً آپ کو مل گیا ہوگا۔ ورنہ انا للہ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ دوسری کاپی میرے پاس بھی نہیں ہے۔ اس کو ملاحظہ فرما کر آپ بھی پاکستانی اور ہندوستانی غزلوں کی علیٰحدہ ترتیب قائم کریں۔ اوس میں اگر مناسب ہو تو اپنا اور میرا فوٹو بھی شامل کر دیں۔ نقوشؔ صاحب کب کے پشاور سے چلے آئے وہ اب لاہور محلہ مزنگ بنگلہ ۲۳۰ میں ہیں۔ "فکر و خیال" کی دو سو کاپیاں یہاں کے لیے کافی ہوں گی۔ پاکستان کے لیے آپ خود اندازہ فرمالیں۔ اس لحاظ سے چھپنے کی تعداد غالباً تین سو کافی ہوگی۔ ڈاکٹر سلام صاحب تعطیلات میں گورکھپور سے تو چلے آئے ہیں مگر یہاں نہیں آئے ورنہ ضرور مجھ سے ملتے۔ معلوم ہوتا ہے نینی تال وغیرہ کسی پہاڑ پر چلے گئے نہ عرصہ سے کوئی خط آیا۔ جب معلوم ہوگا تو آپ کو بھی مطلع کروں گا۔ عاقلؔ صاحب نے "کہکشاں" نام کا گلدستہ بھیجا تھا جو مجھے مل گیا۔ کتابی دنیا کا پرچہ بھی آپ کا بھیجا ہوا مل گیا۔ ریویو پڑھا۔ شکریہ!

آپ لکھتے ہیں کہ :- "ارمغان کے علاوہ دیگر کتب کا کام انشاء اللہ آپ کی حیاتِ مبارک میں ہی انجام پائے گا۔ آمین"۔ معنی و مطلب اس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے کہ "ارمغان" میری زندگی میں انجام نہ پائے گا بلکہ اوس کے علاوہ اور دیگر کتب شاید انجام پا سکیں! وائے ناکامی۔

دیوہ شریف میں جو مشاعرہ عرس و میلہ کے دوران انجمنِ وارثی کی طرف سے اور میرے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ اوس کا مصرعہ طرح امسال یہ ہوگا :-

---

حاشیہ صفحہ ۲۸۱

نہ توفیقِ کرم باقی، نہ توفیقِ عمل باقی — ہماری فکر کیا بدلی، کہ انداز جہاں بدلا
یہی وہ گردشِ دوراں ہے جس کی زد میں آ آ کر — بہارِ میکدہ بدلی، صنم بدلے، سماں بدلا
عجب الجھن میں ڈالا ہے ہماری رہ نوردی نے — جہاں منزل قریب آئی وہیں سے کارواں بدلا

صبا بھیجو بہ گلشن کا جب لب پر سوال آیا
بہاروں سے چمن والوں نے خود دورِ خزاں بدلا

راولپنڈی کے مشاعرہ کی غزلیں آپ جمع کر لیجیے گا۔ پھر سب کو ملا کر گلدستہ میں ترتیب دیجیے گا۔ پاکستان کی علیٰحدہ حصہ میں رہیں گی۔ کچھ پاکستانی غزلیں یہاں سے بھی دوسری غزلوں کے ساتھ روانہ ہوں گی اون کو علیٰحدہ کرکے پاکستانی حصہ میں شامل کر لیجیے گا۔

ترا میکدہ سلامت، مجھے کیا غرض کہیں سے

ق ردیف

نوٹ کر لیجئے ورنہ مسودہ غزلیات کے ساتھ پھر لکھ دیا جائے گا۔ اکاڈمی کے فارم تقسیم ہو رہے ہیں۔ بعض اخبارات میں بھی ریویو کے لیے روانہ کر دیئے گئے ہیں مطمئن رہیں۔ یہاں والے آپ حضرات کو غائبانہ سلام شوق عرض کرتے ہیں اور آپ کی علمی و ادبی مساعی کو دل سے سراہتے ہیں بلکہ رشک کرتے ہیں کہ وہ خود ایسا نہ کر سکے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

آپ کے لفافے کا تفصیلی جواب لکھ چکا ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔ والسلام۔

دعا گو افقر موہانی وارثی عفا عنہ۔

(۲۴۴)

افقر موہانی مدیر

بسم اللہ

”جام جہاں نما“ مولوی گنج۔ لکھنؤ

الجواب

مورخہ ۷ جون ۱۹۶۲ء ——— آپ کے دونوں لفافے مجھے پہونچے۔ شکریہ۔ دونوں کے جوابات میں مختصراً عرض ہے:

(۱) یہ تو کام آپ کا تھا کہ آپ مئی جون کی پالیسی اور فرصت میں زحمت فرما کر مل جاتے۔ میں جب لکھنؤ میں نقل و حرکت سے مکلف ہوں تو پاکستان کے سفر کا کب مسافر بن سکتا ہوں۔ آہ ؎

دریغا کہ عہد جوانی نماند   جوانی گزر زندگانی نماند

(۲) حرف آغاز ابھی تک نہیں آیا جب آئے گا اوسی کے ساتھ مسودہ گلدستہ کا بھی روانہ کر دوں گا جو ترتیب دیا جا رہا ہے۔

(۳) گلدستہ کی ترتیب کے تمام اختیارات آپ کو حاصل ہیں جس طرح دل چاہے مرتب فرمائیے۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ وہ جولائی کے وسط تک چھپ کر ضرور بہ ضرور مجھے مل جانے ورنہ بیکار ثابت ہوگا۔ گلدستہ میں جمال کے فوٹو کی نہ ضرورت ہے نہ اون کے فرستادہ اشعار کی۔ آپ کا فوٹو تو بحیثیت مرتب کے محل کی بات ہے ضرور ہونا چاہیے۔ مگر جمال کو گلدستہ سے کیا واسطہ؟ ایسا ہوگا تو دوسروں کو اعتراض کا موقع مل جائے گا۔ لہٰذا اس خوش فہمی کو کسی دوسرے موقع پر صرف فرمائیے گا۔ صرف ۲۵۰ کاپیاں مجھ کو درکار ہیں اس کے علاوہ آپ وہاں کے لحاظ سے جتنی زیادہ مناسب سمجھئے چھپوا لیجئے گا۔ یہ گلدستہ اور ”ارمغان“ دونوں کے شائع ہو جانے پر تیسرا کام مقدمہ جام جہاں نما کی طباعت کا ہوگا جو ان دونوں کے طبع پر روانہ کیا جائے گا۔ مطمئن رہیے (پہلے لفافہ کا جواب ختم)

دوسرا آخری لفافہ موصولہ ۶ جون ۱۹۶۲ء

(۱) نیرنگ خیال ماہ جون مجھے نہیں ملا۔ اگر کوئی فاضل کاپی آپ کو مل جائے تو ضرور بھیج دیجئے گا۔ صبا صاحب کو جواب اور حالات لکھتے رہیے گا وہ کافی دلچسپی میرے معاملات میں لیں گے اور آپ سے عملاً تعاون بھی فرماتے رہیں گے۔ میں نے بھی اونکو لکھ دیا ہے۔

(۲) ”نیرنگ خیال دیکھتا ہوں“ آپ اس بحر میں پوری غزل طلب فرماتے ہیں۔ یہاں خط کی مناسبت سے ایک شعر لکھ دیا گیا تھا۔ پوری غزل کہاں جو روانہ کروں۔ علاوہ اس کے ع

ـــــــــــــــ

لہ (اگلے صفحے پر دیکھئے)

فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی (مرزا نوشہ)

(۳) میں نے نواب صبا صاحب کو اکاڈمی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی خط کے ساتھ اون کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔

(۴) منور بستوی کو میں نے اپنی اصلاح سے سبکدوش کر دیا ہے۔ حالات کچھ ایسے واقع ہو گئے تھے۔ لہٰذا اون کے بارہ میں آپ بھی خاموش ہو جائیں۔

(۵) امسال مشاعرۂ وارثی کے گروپ کا فوٹو نہیں لیا جا سکا۔ آپ نے یہ کام جمال صاحب کے سپرد کر دیا تھا وہ مشاعرہ ہی میں نہیں آسکے فوٹو کا کون انتظام کرتا مجھے نہ فرصت نہ اس قسم کی رُونمائیوں کی ضرورت۔ اس بارہ میں آپ جمال صاحب کو اون کی کوتاہی پر جو چاہیں لکھیں مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یعنی آپ کے دوسرے مرسلہ لفافے کے جوابات بھی ختم ہو گئے۔

اکادمی کا اعلان یہاں کے بعض اخبارات نے شائع کیا ہے۔ ایک کا تراشہ روانہ کرتا ہوں جو پیشِ نظر تھا۔ آئندہ بھی جو آتا رہے گا روانہ کرتا رہوں گا۔ اب آپ کے حرفِ آغاز[1] کا دیباچہ آ لے پھر آپ کو خط لکھوں گا جس کے خیال سے گھبرا رہا ہوں۔

حضرت منور شاہ صاحب وارثی عرف اختر میر ایڈووکیٹ لاہور۔ راوی روڈ۔ "دربار وارث" اس پتہ پر اکادمی کے فارم دس پانچ روانہ کر دیجیے اور اوس سے پہلے کا اعلان بھی۔ ان حضرات سے آپ کو کافی مدد ملے گی۔ لہٰذا ان سے مراسلت کا رابطہ ضرور اور جلد سے جلد قائم کر لیجیے۔ بہت کام اور نام کے بزرگ آدمی ہیں اور میرے مخلص ہمدرد ہیں۔ باقی خیریت دیاد۔ والسلام۔ دعاگو افقر موہانی

(۲۴)

افقر موہانی "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔

۲۴ر جولائی ۱۹۶۲ء —— میاں زہیر خوش رہو۔ آپ کا ۲۰ر جولائی کا نوشتہ لفافہ مجھے ۲۳ر کی شام کو مل گیا۔ آپ کی مزاجی کیفیات کا اندازہ اور جس سکونِ خاطر کا باعث ہوا۔ "کرم کردی الٰہی زندہ باشی" آپ کا خط یوں ہی لاجواب ہوتا ہے۔ اور لاجواب کا جواب ہی کیا؟ مگر یہ اداء بھی لاجواب اس طرح ہو گیا کہ اس کا ہر فقرہ بحث طلب ہے اور میں بحث سے قطعاً عاری۔ حقیقت طلب ہوتا تو کچھ لکھتا بھی مگر بحث طلب کی پذیرائی اپنے میں

(حاشیہ ص ۲۸۳)

[1] مکمل شعر حسب ذیل ہے جو ماہنامہ "نیرنگِ خیال" لاہور جون ۱۹۶۲ء کے پرچہ میں شامل ہوا تھا ؎

ماضی کے نقوش اب کہاں ہیں، نیرنگیٔ حال دیکھتا ہوں
از بہر سکونِ قلب افقرؔ، نیرنگِ خیال دیکھتا ہوں

(حاشیہ صفحہ ہذا) زہیر کنجاہی

[1] حرفِ آغاز ہی دراصل گلدستہ "فکر و خیال" کا دیباچہ تھا جو میں نے ترتیب دیا تھا۔ اور یہ گلدستہ افقر اکاڈمی نے نور آرٹ پریس دال منڈی سے چھپوا کر اگست ۱۹۶۲ء میں شائع کیا تھا جس میں اٹھارویں سالانہ وارثی مشاعرہ کی اردو فارسی غزلوں کے علاوہ انجمن وارثیہ لکھنؤ پر جناب ریاض احمد ریاضی کا لکھا ہوا ایک مقالہ بھی شامل کیا گیا تھا۔ حضرت امام الاولیا حاجی وارث علی شاہ رح کی شبیہ المبارک اور روضۂ اقدس کے فوٹو کے ساتھ ساتھ الحاج سید افقر موہانی زاد شرفکم اور راقم الحروف کے فوٹو بھی شامل تھے۔ (زہیر کنجاہی)

نہیں پاتا ہوں ۔ اس لیے لکھوں تو کیا لکھوں، جب حقیقت سے رُوگردانی وہ بھی دیدہ دانستہ ہوتی رہے تو ع

ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی ؟

" ارمغان " کی سو غزلیں مع مقالات و پیش لفظ آپ کے پاس مکمل طور پر موجود ہیں ۔ کیا میرے لکھے ہوئے خطوط کے مسوّدات سے کم آپ نے جمع نہیں کر لیے ۔ ایک کتاب یہ ہوگی ۔ میرے تلامذہ کے بیشتر حالات مع اون کے نمونۂ کلام بہت کچھ آپ کے پاس محفوظ ہیں ۔ یہ تیسری کتاب ہوتی ہے ۔ اس پر بھی آپ مجھے مقالہ لکھنے کی دعوت دے رہے ہیں ۔ اور ہوس کو کسی طرح قناعت سے تبدیل کرنے پر تیار نہیں ہیں ۔ یہ تو خیال فرمائیے کہ جو کچھ آپ نے فراہم کر لیا ہے اوس کو تو صرف کیجیے ۔ یعنی منصۂ شہود پر لائیے بعد کو دوسری فکر کیجیے ۔ یا محض فکر ہی فکر ہے ۔ عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے ؟ کاش مذکورہ نسخہ جات جن کی جلد جلد دو سال پیشتر سے آپ فرما رہے ہیں ۔ اب تک شائع ہو جاتے تو دوسروں کا حوصلہ بھی بڑھتا اور بغیر آپ کی مساعی کے وہ از خود آپ کو اتنا روا نہ فرما دیتے کہ آپ بھی گھبرا جاتے مگر حیف ۔ بات صرف اس قدر کہ ؎

ضرورت ہوتی ہے وقتاً فوقتاً دل بہلانے کی ستم کرنا نہیں آتا یہ تم کیسے ستم گر ہو

رہا میں ۔ میں بجانِ درویش کا قائل ضرور رہوں پھر بھی کہتا ہوں کہ ؎

نہیں جب جان کا ڈر پھر مجھے کس بات کا ڈر ہو کہوں اور پھر کہوں تم کو ستم گر ہو ستم گر ہو

اس تغافل اور بے نیازی کے عالم میں بھی آپ جس قدر میرے یہاں سے حاصل کر چکے ہیں وہ دوسروں کے نصیب میں نہ تھا ۔ میرے ناچیز تلامذہ آپ پر جس قدر بھی رشک کریں کم ہے ۔ لاحول ولاقوۃ کہاں کی بات کہاں پہونچی ۔ آپ پھر بھی کامیاب رہے کہ مجھے کسی نہ کسی طرح بحث مباحثہ میں آنا ہی پڑا جس کا میں اہل نہ تھا ۔ بہرحال آپ کی نیاز نوازی کا شکریہ نہ ادا کروں تو کافر ہوں ۔ ایسے مخلص اس زمانہ میں کہاں اور کیسے نصیب ہوتے ہیں ؟ بات اتنی سی ہے کہ اب مجھ سے لکھنے پڑھنے کا کام کسی صورت میں نہیں ہو سکتا ۔ اندازہ سے لکھتا اور پڑھتا ہوں ۔ ظاہر ہے کہ اس مسلوب الحواسی کے عالم میں جبکہ دل و دماغ پر قابو نہ ہو کچھ کا کچھ لکھ جانا بعید نہیں ۔ پھر فائدہ کیا ہوا ؟ اولٹے اپنے نام کو داغدار بناؤں ۔ جبکہ کچھ نہ ہونے پر یہ عالم ہے کہ ع

" عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ "

گلدستہ کی تیاری پر نگاہ رکھیے اور جلد سے جلد بھیج دیجئے ۔ آپ کی غزل بہرحال دیکھنا پڑی جو واپس ہے ۔ حالانکہ میں ابھی اس کے لیے تیار نہ تھا ۔ خیریت نامہ اور رسید کا انتظار رہے گا ۔ مجھے اُمید ہے کہ گلدستہ میری ترتیب کے مطابق آپ تیار کروانے میں کوتاہی نہ کریں گے ۔ دعا توفیق الا باللہ ۔ والسلام ۔ دعاگو ناچیز افقر موہانی وارثی عفا عنہ ۔

(۳۴)

۴۸۶

۲۰۷ م

لکھنؤ ۔ ۲۳ جولائی ۱۹۶۲ء

ماسٹر صاحب ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد !

غالباً آپ پورے احساسات سے گلدستہ کی تیاری میں منہمک ہوں گے ۔ خدا راس لاتے ۔ اگر پندرہ اگست تک بھی تیار ہو کر مجھے مل گیا تو کوئی

حرج نہ ہوگا۔ آپ اطمینان سے کام کریں۔ ڈاکٹر رفیق حسین کی غزل کی رسید آپ نے روانہ نہ فرمائی تردد ہے۔ خدا کرے مل گئی ہو۔ میں نے ایک کارڈ پر روانہ کی تھی۔ امید ہے ضرور مل گئی ہوگی اور آپ نے شامل فرمالی ہوگی۔ خیریت و حالات سے مطلع فرمایئے گا۔ انتظار رہے گا۔ والسلام۔

دعاگو افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۳۵)

۴۸۶

۴۰۷ م

لکھنؤ۔ یکم اگست ۱۹۶۲ء

یہاں زہیر وہاں کا علم نہیں گزیرے یہاں تو آج اگست کی پہلی تاریخ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں پہلے یا دوسرے ہفتہ تک قطعاً غلہ مجھے مل جانا چاہیئے۔ اگر میری خوش طالعی سے وہاں بھی اگست کا مہینہ شروع ہوگیا ہو تو آپ اپنے وعدہ کا خیال رکھیں۔ میں یہاں منتظر رہوں گا اور انتظار کی شدت آپ بھی جانتے ہیں۔ والسلام۔ دعاگو ناچیز افقر موہانی

(۳۶)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر پیام جہاں نما، مولوی گنج لکھنؤ

مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء ——— عزیز محترم زہیر صاحب زاد شرفکم۔ دعا و سلام۔ آپ کا نوشتہ ۶ اگست کا مجھے ۱۴ کو آج ہی ملا شکریہ "ارمغان" کا سوال نہیں ابتو فکر و خیال مقدم ہے۔ یہ ہو جائے تو ما بقی کی طرف رجوع ہونا مناسب ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی کام ہوتا ہے۔

ماہنامہ "پیام یار" لکھنؤ سے اب سے ۷۰/۶۰ سال قبل شائع ہوتا تھا جو یہاں کا پہلا یا دوسرا رسالہ تھا۔ "پیام یار" اور مولانا شرر کا ماہوار پرچہ "دلگداز" ہمعصر تھے۔ پیام یار کے مالک اور ایڈیٹر نثار حسین صاحب عطر فروش تھے۔ غالباً ۱۹۰۵ء یا اوس کے کچھ بعد تک نکلتا تھا۔ پھر وہ مر گئے اور پیام یار بھی ختم ہوگیا۔ "دلگداز" اوس کے بعد تک کچھ دنوں نکلتا تھا۔ بالآخر وہ بھی موت کی نیند سو گیا۔ اب نصف آخر صدی میں نہ دلگداز رہا نہ پیام یار ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

والسلام۔ دعاگو افقر موہانی الوارثی عفاعنہ

(۳۷)

۴۸۶

۴۰۷ م

لکھنؤ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۶۲ء

زہیر صاحب۔ دعا و سلام۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ شروع ہی سے تھا اور جس کی وجہ سے مسودہ بھیجنے میں مجھے کافی پس و پیش رہا تھا۔ مگر آپ نہ مانے اور مجھے مجبور کر دیا۔ اگر کوئی فوٹو ٹھیک نہ تھا تو اوس کو نکال دیا جاتا۔ مجھے اعتراض نہ تھا۔ مگر اوس کی وجہ سے کتاب ہی نہ تیار کی جائے یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ افسوس اور صد افسوس ہوا۔ اگست شروع کیا ستمبر بھی نصف ہوگیا مگر وائے محرومی۔ اب اگر آخر ستمبر تک بھی گلدستہ نہ آیا تو بعد ازاں بیکار ہو جائے گا۔ پھر نہ بھیجا جائے جبکہ دیکھنے والے ہی نہ جمع ہو سکیں گے۔ اطلاعاً تحریر ہے۔ والسلام

دعاگو افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۳۸)

۷۸۶
۹۲ م

لکھنؤ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۶۲ء

دعاہا۔ خدا کرے صبح کا شکایت نامہ آپ کو نہ ملا ہو۔ آج دوپہر کو ۲ کتب کا پیکٹ رجسٹرڈ وصول ہو گیا۔ شکریہ! ع
"رکھ لی میرے زہیر نے میری دعا کی لاج"

بقیہ کا انتظار ہے۔ آپ کی مساعی جلیلہ اور دلی انہماک کا قلبی پھر ایک بار شکریہ!

الغرض بقولِ بلبلِ شیراز حضرت حافظ شیرازی رح ؎

زاں یارِ دلنوازم شکریست باشکایت
گر نکتہ دانِ عشقی خوش بشنو ایں حکایت

آپ بھی خوب ہیں اور میں بھی خوب سے کم نہیں۔ والسلام دعاگو افقر

پانچ پانچ کتب حسب ذیل پتہ پر روانہ کر دیجئے گا:۔

(۱) نواب لیاقت اللہ خاں صاحب صبا۔ لاہور۔

(۲) اختر میر ایڈووکیٹ وارثی۔ دربارِ وارث۔ راوی روڈ لاہور۔ افقر موہانی

(۳۹)

لکھنؤ۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۲ء

۷۸۶
۹۲ م

دعاہا۔ اب تک ۴۰۔ ۴۰ کے دو بنڈل وصول ہو چکے ہیں۔ شکریہ۔ گلدستہ بہت پسند کیا گیا۔ ہر دیکھنے والے نے تعریف کی۔ یہی میں چاہتا تھا۔ خدا خوش رکھے کہ تم نے مجھے اپنے ارادہ میں کامیاب کیا۔ گلدستے تقسیم ہو رہے ہیں۔ مزید اسی قدر کاپیوں کا پھر انتظار ہے۔ جلد روانہ کیجئے۔ اتنی کاپیوں سے تو کام نہ چلے گا۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔ دیوہ شریف کا میلہ بھی قریب آ رہا ہے۔ پاکستانی قافلہ یہاں ۱۵ اکتوبر کو آ رہا ہے دوسرے لوگ بھی ۱۵ اکتوبر تک یہاں پہونچ جائیں گے۔ کاش آپ بھی آ سکتے؟ افقر موہانی لکھنؤ

(۴۰)

لکھنؤ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ء

۷۸۶
۹۲ م

عزیزم دعا و سلام۔

آخر نوشتۂ قسمت سامنے آیا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۶۲ء ۹ بجے دن کو میری رفیقۂ حیات یعنی آپ کی اوستانی صاحبہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

دعائے مغفرت فرمائیے اور ہمیشہ کے لیے صبر۔ والسلام

دعاگو: ناچیز افقر موہانی عفاعنہ۔

(۱۴)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

عزیزم - دعا و سلام - زندہ ہوں مگر درگور!

تمہارا جب خیال آتا ہے بے ساختہ یہ مصرعہ یاد آ جاتا ہے ؎ "تم سلامت رہو ہزار برس" مجھ سے اتنی بے پایاں ارادت! خدا ہی پاس لائے۔ رفیقۂ حیات کی موت نے میری زندگی کو چیلنج کر دیا۔ آہ! ؏

آج وہ کل ہماری باری ہے

دیکھئے اپنا وقت کب اور کہاں آتا ہے۔ کمربستہ ہوں اور منتظر۔

نکرو خیال کے بقیہ پرچے کم از کم پچاس تو ضرور ہی جلد از جلد روانہ کر دیجئے۔ اکثر کا تقاضا اور بعض کا اصرار بھی ہے۔ سراپا انتظار ہوں اور رہوں گا آپ کا بھیجا ہوا نیرنگ خیال مل گیا۔ شکریہ۔

دیوہ شریف کی اپنی اور آپ کی غزل کا انتخاب جو گلدستہ کے لیے منتخب ہوا ہے۔ روانہ کرتا ہوں۔ یہی شائع ہوگا۔ یہ گلدستہ جنوری میں تیار ہو کر شائع ہوگا۔ اوس وقت آپ کو کچھ کاپیاں ضرور روانہ کی جائیں گی۔

دوسری مطلوبہ غزل یوم جگرکی انجمن فردوس ادب میں پڑھی تھی۔ اون کی نقل بھی حسب الطلب روانہ ہے۔ ان غزلوں کو کہیں وہاں کے پرچوں میں طبع و نشر کے لیے بھیج دیجئے گا۔ بالخصوص نیرنگ خیال کے چالیس سالہ نمبر کے لیے، یا جیسا سمجھ میں آئے۔

غزل[1]

رندوں کی جب زباں پہ مرا نام آ گیا — ساغر بدست ساقیٔ گلفام آ گیا

دکھا ہی اور کیا تھا جہانِ خراب میں — جامِ شکستہ بھی تو بڑے کام آ گیا

اون کو نگاہِ شوق نے دیکھا ضرور تھا — دل پر بس اتنی بات پہ الزام آ گیا

اے شیخ کیا خیال ہے اوس مے کے باب میں — محفل میں بے طلب جو کبھی جام آ گیا

جلتا رہا چراغ شبِ ہجر دل کے ساتھ — یہ بھی مریضِ غم کے بہت کام آ گیا

وحدت پرستیوں میں بھی زاہد خدا گواہ — اکثر خیالِ سجدۂ اصنام آ گیا

خوابِ گراں سے کس گھڑی افقر کھلی آنکھ — جب آفتابِ عمر لبِ بام آ گیا!

جمال باندوی کئی ماہ سے خاموش ہیں۔ سنا ہے اون کا تبادلہ خاص باندہ کی تحصیل میں ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ مقالاتِ وغیرہ کے دوسرے مکتوبات جب مرتب ہوں تو بھیج دیجئے گا۔ رسید و خیریت سے مطلع کیجئے گا۔ سب کو سلام۔

والسلام - دعاگو ناچیز افقر موہانی

---

[1] "میں نے دیوہ شریف کے مشاعرہ والی غزل نیرنگ خیال کے چالیس سالہ نمبر کے لیے بھیج دی تھی اور دوسری یہ ہے۔" زاہد گیلانی

(۴۲)

لکھنؤ - ۸ ؍ فروری ۱۹۶۳ء ۱۸۸۶
۴ شوال پنج شنبہ ۱۲۰۷ھ

دعا! عیدکارڈ کا شکریہ - آپ کو مبارک باد لکھ چکا ہوں - خدا کرے آپ بعافیت ہوں - دوسرا کارڈ بھی ملا شعر متذکرہ اپنے حال میں صحیح نظم ہوا ہے - کوئی محلِ اعتراض نہیں - البتہ میں اگر کہتا تو یوں کہتا :

اپنی شانِ بے نیازی پر اُنھیں کیا کیا ہے ناز
کاش وہ اس درد کو جانیں جو میرے دل میں ہے

کیونکہ میں ضمیر غائب کو لطیف اور دلکش سمجھتا ہوں بمقابلہ مخاطب کے - واللہ اعلم بالصواب - والسلام -
میں اب بھی گلدستہ ہائے مطلوبہ کی آمد سے مایوس نہیں ہوں - کاش کچھ ہی آجاتے ؟ افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۴۳)

دفتر " جامِ جہاں نما " لکھنؤ
۸ ؍ مارچ ۱۹۶۳ء -

دعا و سلام - افسوس ہے کہ یہاں کے خطوط آپ کو نہیں پہونچے مگر مجبوری ہے - دونوں غزلیں واپس ہیں - صاف کر لیجئے سالانہ مشاعرہ کا ایک پوسٹر کل روانہ کر چکا ہوں - پہونچا ہوگا -

وہاں کے مشاعرے کی کاروائی بعد مشاعرہ برائے گلدستہ بھیج دیجئے گا منتظر رہوں گا - اپنی غزل جو کچھ ہو سکے کہہ کر بھیج دیجئے تاکہ بعد اصلاح واپس کر دی جائے اور یہاں بھی اس کی نقل رکھ لی جائے - بعد کو گلدستہ میں شامل کر دی جائے گی - ممکن ہے منور شاہ اور جناب صبا صاحب وغیرہ لاہور میں بھی ۷ ؍ اپریل کو وارثی مشاعرہ کریں - لکھ کر معلوم کر لیجئے گا - کہیے اکادمی کا کیا حال ہے ؟ کون کونسی کتابیں زیرِ طبع ہیں " محشرستانِ ادب " کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ میرے مجموعۂ کلام کا کیا حشر ہوا ؟ وغیرہ وغیرہ - والسلام افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۴۴)

بسم اللہ

افقر موہانی مُدیر " جامِ جہاں نما " مولوی گنج لکھنؤ -

مورخہ ۴ ؍ مئی ۱۹۶۳ء ——— عزیزم زہیر صاحب - خوش رہیے - آپ کا لفافہ مجھے ابھی ابھی ملا - اس کے پیشتر کا لفافہ بھی مل گیا تھا - جھوٹ کی ضرورت نہیں - اس میں وہ سب کچھ تھا جس کا تذکرہ آپ نے اس آخری لفافہ میں فرمایا ہے - میں بارہا لکھ چکا ہوں کہ اب نہ اصلاح کا کام میرے بس کا ہے نہ تازہ افکار کی ہمت رہی - میں دُور از کار ہی نہیں از کار رفتہ ہو چکا ہوں - خوش فہمی یا احباب و تلامذہ کی غلط فہمی کا میرے پاس علاج نہیں - جواب لکھوں تو کیا لکھوں اور کیوں کر لکھوں ؟ میری مجبوریوں اور معذوریوں پر بجائے دل دہی و تشفیِ خاطر کے مجھے طعن و طنز کا شکار بنایا جاتا ہے - سچ ہے ع

ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟

میرا موجودہ جمود یا گوشہ نشینی اگر آپ حضرات کو پسند نہیں تو مجھے زندہ درگور سمجھ کر فاتحہ پڑھ لیجئے۔ اس سے زائد کیا لکھوں۔ مگر یہ حال میرا اب ۸۰ سال کی عمر میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ ساقی کو کیا ہوا تھا۔ میری مجبوریاں اور بے دست و پائی اگر آپ کے تڑپانے کا سبب ہے تو آپ کی توانائی اور قوت ارادی کو کیا کہوں جو مجھے آپ سے کہیں زیادہ تڑپا چکی، حتیٰ کہ بے حس ہو کر ہمیشہ کے لیے صبر کر چکا ہوں۔ آپ نے سب کچھ یاد دلایا اور مجھے یاد آ گیا مگر ایک حرف ایسا نہ لکھا جس سے میں آپ کو کچھ یاد دلا سکتا۔ آپ کا یہ تیسرا اور آخری وعدہ تھا کہ ۷ اپریل کے مشاعرہ تک ہر حال میں آپ کو گذشتہ گلدستہ کی ۵ کاپیاں ضرور پہونچ جائیں گی۔ میں آپ کے وعدہ پر ایمان لے آیا۔ متقاضی حضرات کو آپ کا نوشتہ دکھا کر مطمئن کر دیا اور چشم براہ رہا۔ مشاعرہ ہو بھی گیا مگر وعدہ ہنوز وعدہ ہی رہا۔ آپ نہ سمجھیں نہ سہی مگر مشاعرہ کے ہجوم میں ہر طرف گلدستہ کا تقاضا کیسا تڑپا رہا تھا۔ جس کو میں یا میرا ضمیر ہی خوب خوب تڑپ کر سمجھ رہا تھا۔

ارمغان کے سوا عبدالامان والحفیظ، آج تک اطراف و جوانب کے خطوط اور ادن کے لکھنے والوں پر نظر نہیں اٹھ سکتی۔ یہ سب کچھ نہیں۔ مگر میری خاموشی آپ کو تڑپا رہی ہے آہ ؂

مطلب کی کہی نہ ایک ظالم کیا بات ہے تیری دل لگی کی

تڑپنے کا ذکر آ گیا تو ایک شعر کسی کا اور سن لیجئے ؂

وہ دنیا تو جانے جو میں جانتا ہوں کسی مرنے والے کو اچھا تو کرتے

آپ نقوش صاحب سے سبق حاصل کیجئے۔ جنہوں نے مجھے آپ سے دس سال پیشتر معذور سمجھ کر ہمیشہ کے لیے فراموش فرما دیا ؂

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

خط لکھ رہا ہوں مگر اندازہ سے۔ نگاہ خیرہ، ہاتھ اور قلم بے قابو مگر لکھے جا رہا ہوں۔ آپ پڑھ پائیں یا نہیں۔ سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں مگر قلم کی گردش ہے کہ میرے دل و دماغ میں ہیجان پیدا کیے ہوئے ہے ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہے کہ ؏

"مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا"

بہر حال جہاں اور جس حال میں رہیے خوش رہیے اس سے زیادہ اپنی کوئی تمنا نہیں ہے۔ آپ کی ایک ماہ قبل آمدہ غزل میری امانت میں تھی وہ بھی روانہ کر رہا ہوں۔ الا ماشاء اللہ۔ پاکستانی غزلیں وارث مشاعرہ کی اگر دو ہفتہ کے اندر پہونچ گئیں تو شامل گلدستہ ہو سکیں گی ورنہ افسوس ہی ہوگا۔ بحمد اللہ یہاں کا مشاعرہ خوب ہو گیا۔ جس کی توقع میری علالت و مجبوریوں سے بہت کم تھی مگر ؏

اگر من ضعیفم پناہم قوی است

وہ اپنا کام ایک تنکے سے بھی لے سکتے ہیں اور یہی ہو بھی رہا ہے (عید قرباں بر تو مبارکباد) والسلام۔ دعا گو ناچیز افقر موہانی عفاعنہ

(۴۵)

افقر موہانی مدیر بسم اللہ! مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۶۳ء

"جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنو۔ عزیز مکرم بسلام و دعا۔ پہلے دن لفافہ دوسرے دن اخبار جنگ موصول ہوا۔ یاد آوری

کا شکریہ۔ میں علیل ہی نہیں عرصہ سے صاحبِ فراش بھی ہوں۔ لکھوں تو کیا لکھوں اور کروں تو کیا کروں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ زندہ ہوں مگر درگور۔ آپ اکثر یاد آتے رہتے ہیں۔ نقوش صاحب کا لفافہ لاہور سے آیا تھا۔ جواب لکھ دیا گیا۔ پہونچ گیا ہوگا۔

حیرت کی غزل مجھے بالکل پسند نہ آئی اوّلاً اغلاط کا مجموعہ اس پر صحیح معانی و مطالب کا فقدان۔ بس غزل ہے اور خوب ہے[1]

ماہنامہ "افقر" کا سوال مجھ سے پوچھنے والا نہیں۔ نہ نکلنے سے ہرج نہیں۔ نکلنے سے فائدہ کیا؟ جو سمجھ میں آئے کیجئے۔ نقل آ جائیگا تو دیکھ لوں گا۔ اِلّاما شاء اللہ۔

اخبار جنگ کی متعلقہ عبارت "نشان زدہ" کا تجزیہ مختصراً کر دیا گیا ہے جو دوسرے اوراق پر ہے۔ بعد ملاحظہ اگر دل چاہے تو رفعِ غلطی کے لیے جنگ میں اشاعت کو بھیج دیجئے گا۔ تاکہ عام طور پر غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے۔

"ارمغان" کے ساتھ میں اب بھی گلدستہ ہائے مشاعرۂ وارثی ماضیہ کا انتظار کروں گا۔ انتظار شرطِ قیامت سہی پھر بھی قیامت پر اپنا ایمان ہے۔ نواب لیاقت اللہ خاں ضیا اور حضرت منور شاہ وارثی کے لاہور سے خطوط عرصۂ دراز سے نہیں آئے۔ آپ لکھیے اور مجھے آگاہ فرمایئے۔ خدا کرے سب لوگ بعافیت ہوں۔ علاج اپنا ہو رہا ہے گو ناکافی جو اکثر بے اثر رہتا ہے۔ وائے ناداری۔ آہ ؎

شیوۂ رندانِ بے پروا خرام از من مپرس   ایں قدر دانم کہ دشوار است آساں زیستن   (مرزا غالب)

مقدمہ سراجین لکھنؤ

"روزنامہ جنگ راولپنڈی مطبوعہ ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء میں سوز شاہجہانپوری کا ایک مراسلہ "آہ شوکت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

اس مضمون کے سلسلہ میں اخبار مذکور کے صفحہ ۴ کے پانچویں کالم کے آخر کی چند سطور میں لکھنؤ کے شہرۂ آفاق ادبی مقدمہ سراجین کا بھی ضمناً ذکر آ گیا ہے۔ جو لکھنے والے کی غلط سماعت کا آئینہ ہے اور اس کی ایک وجہ بھی ہے کہ مقدمہ مذکور کے خاتمے کے کئی برس بعد سوز شاہجہانپوری لکھنؤ میں تشریف لائے۔ مقدمہ ختم ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ انہوں نے عوام سے جو کچھ سنا وہ سچ مانا اور حافظہ میں محفوظ رکھا اور اب ۴۴ سال بعد اس کا

---

[1] حیرت شملوی کی غزل کے یہ اشعار میں نے حضرت شاہ صاحب کو شکوہ کے طور پر ایک لفافہ میں لکھے تھے۔ جناب حیرت شملوی کی یہ غزل سہ ماہی "اردو نامہ" کراچی کے شمارہ دوازدہم بابت اپریل تا جون ۱۹۶۱ء شائع ہوئی تھی

"کیوں ہوں نہ مغفرت کا طلبگار بھی بہت   بیمار بھی بہت ہوں گنہ گار بھی بہت
سنگین ہے سزا تو کسی سے کہیں بھی کیا   یہ دیکھ کر کہ ہم ہیں خطا کار بھی بہت
اچھا ہوا کہ آپ الگ ہم سے ہو گئے   الفت کی ورنہ راہ تھی دشوار بھی بہت
ہم پر غرورِ عشق کی تہمت بجا، مگر   ہے بے نیاز حسن کی سرکار بھی بہت
ہے یہ بھی واقعہ کہ صداقت کے نام پر   باندھے گئے ہیں جھوٹ کے طومار بھی بہت
کچھ اہلِ قافلہ ہی نہیں مست و بے خبر   بھٹکے ہوئے ہیں قافلہ سالار بھی بہت
حیرت نیاز مند تو ہے آپ کا ضرور   لیکن نہ بھولیے کہ ہے خوددار بھی بہت"   زہیر کنجاہی

حوالہ اپنی غلط سماعت کے حافظہ پر زور دے کر اخبار مذکور میں دیا۔ جو حقیقت اور واقعات سے بالکل ہی دور اور غلط ہے۔ اخبار کی عبارت یہ ہے:

"لکھنؤ کا ادبی مقدمہ جو مقدمہ سراجین کے نام سے مشہور ہے جو عین الدین صاحب مرحوم کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔ جس میں علامہ صفی لکھنوی نے شہادت دیتے ہوئے متروکات کے بارے میں کہا تھا کہ اگر تمک کا قافیہ ہو تو تمک جائز ہے۔ آگے چل کر پھر یہ عبارت ہے۔
اسی مقدمہ میں سراجین کے مشہور مدعا علیہ حضرت مولانا افقر موہانی وارثی مالک و مدیر جامِ جہاں نما پر شوکت مرحوم نے ایک مصرعہ کچھ تصرف کرکے چپکا دیا تھا کہ ع

"آفاقہا گردیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"

اس مصرعہ کی بلاغت سے وہی حضرات لطف اندوز ہو سکتے ہیں جنہوں نے مولانا تے موصوف کو دیکھا تھا۔" اس قسم کی سماعی اور قیاسی رپورٹوں سے واقعہ کی حقیقت تو مسخ ہو نہیں سکتی اور پھر ایسا مظاہرہ جس کے دیکھنے والے کثیر تعداد میں آج بھی ہند و پاک میں بالفضلہٖ بقیدِ حیات موجود ہیں۔ البتہ لکھنے والے پر غلط نگاری کا الزام ضرور عائد ہو کر رہے گا۔ جواباً گذارش ہے کہ:۔

(۱) مقدمہ سراجین نہ جناب عین الدین صاحب مرحوم کی عدالت میں پیش ہوا نہ اوس وقت وہ کسی عدالت کے حاکم تھے۔ یہ مقدمہ خان بہادر محمد بشیر صدیقی سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ کے اجلاس میں دائر ہوا اور اونھیں کے زمانہ میں ۱۴ ماہ اور ۵۶ پیشیوں تک قائم رہا۔ بشیر صاحب صدیقی آج کل کراچی میں کسی بڑے عہدہ پر تمام ہیں۔ اون سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ غالباً وہ ابھی اس بوالعجب اور رنگین ادبی و علمی مقدمہ کی گوناگوں و بوقلموں دلچسپیوں کو اپنے حافظہ سے فراموش نہ کر سکے ہوں گے۔

(۲) میں بحیثیت جامِ جہاں نما کے پرنٹر و پبلشر کے مدعا علیہ نمبر ۲ ضرور تھا۔ ورنہ اصل مدعا علیہ نمبر اوّل مضمون نگار" اشرف حجازی" تھے۔ جن کا نام شارق ایرایانی کانپوری تھا اور جو آج بھی کانپور میں ایک معزز شاعر کی حیثیت سے بفضلہٖ بقیدِ حیات ہیں۔

(۳) شوکت مرحوم اس مقدمہ میں کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے۔ کیونکہ وہ اوس وقت طالب علم تھے۔ اور وہ علمی و ادبی دنیا میں اوس وقت کسی طرح نہ آ سکتے تھے۔ اونھوں نے اس مقدمہ کے خاتمہ کے دس پندرہ برس بعد ایک مزاحیہ کتاب "شیش محل" کے نام سے لکھی۔ جس میں اونھوں نے اپنے وقت کے اکثر اوان بزرگانِ ادب کا ذکر کیا ہے جن سے اون کی ملاقات بھی تھی۔ چنانچہ اونھوں نے اپنے اوستاد عبدالباری آسی مرحوم کا بھی مزاحیہ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ چونکہ مرحوم شوکت اپنے اوستاد کے ساتھ اکثر و بیشتر میرے پاس بھی آتے رہتے تھے۔ اس لیے اونھوں نے میرا ذکر "شیش محل" میں کرنا چاہا۔ مگر غریب کو بڑی مشکل میرے تذکرہ میں یہ پیش آ رہی تھی کہ وہ اپنے طرزِ تحریر (مزاحیہ) میں مجھے کس طرح لکھے۔ آخر اوس نے حضرت امیر خسروؒ کے ایک مصرعہ کو منتخب کر کے کتاب کے صفحہ پر یہ مصرعہ لکھ دیا:۔

"آفاقہا گردیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"

اس کے بعد پھر کوئی عبارت نہیں لکھی اور صفحہ کو سادہ چھوڑ دیا۔ اوس کا بیان خود مجھ سے تھا کہ جب میرے اوستاد محترم حضرت آسی مرحوم آپ کا پاسِ ادب فرماتے تھے اور میں نے بارہا اون کو آپ کی جناب میں مؤدب پایا تو میں حیران رہا کہ میں اپنے اندازِ تحریر میں آپ کی شان میں کیا لکھوں لہٰذا مجبور رہا اور ورق کو سادہ ہی چھوڑ دیا۔ یہ نہ کوئی پھبتی ہوئی نہ مزاح، بلکہ عجزِ قلم یا فرطِ ادب ہی کہا جا سکتا ہے اور جس کا شوکت مرحوم

سے تازندگی لحاظ رکھا جسے دیکھنے والے آج بھی جانتے اور سمجھتے ہیں۔ سوز شاہجہانپوری کو سہو ہوا اور غلط سماعت نے توازن کو برقرار نہ رکھا اون کی بھی کوئی خاص غلطی نہیں۔ جیسا سُنا ویسا لکھ دیا۔ وہ تو شوکت مرحوم کے بھی بعد کے دور میں شامل ہوئے۔ جب کہ حقیقت افسانہ بن چکی تھی۔ مقدمہ سراجین کتابی صورت میں مرتب ہو چکا ہے اور اوس کا کتابی نام "محشرستانِ ادب" ہے۔ اگر ممکن ہوا تو اوس کی کچھ جھلکیاں اخبار جنگ کے لیے مابعد روانہ کی جائیں گی ورنہ کتاب کے طبع و نشر پر بھی بعض مخلصانِ ادب کا اصرار ہے۔ دیدہ خواہد شد۔

والسلام۔ ناچیز افقر موہانی

(۴۶)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر جام جہاں نما، مولوی گنج لکھنؤ۔

۲۶ جون ۱۹۶۳ء ——— عزیزم زہیر کنجاہی صاحب زاد شرفکم

دعا و سلام آپ کے جملہ مراسلات مجھے مل گئے۔ شکریہ ؎

"میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں"

خدا آپ کو شاد و آباد رکھے جو اس طرح سرفراز فرماتے رہتے ہیں ورنہ حقیقت تو صرف اس قدر ہے کہ ؎

"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

جواباً کچھ درج ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے:

صدیق صاحب کے معاملاتِ رسل و رسائل آپ اودھ کیفیس سے براہِ راست طے فرما لیجیے۔ مجھے اون کے تجارتی معاملات میں مطلق دخل نہیں۔ جام کا مطلوبہ پرچہ علیحدہ میرے پاس نہیں ہے۔ اوس سال کی جلد میں مل سکے گا۔ جو میرے پاس نہیں ہے۔ "کتابی دنیا"[1] کی عبارت اور اس کا

---

[1] جناب خاور جبل پوری نے ہفت روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ بابت یکم مئی ۱۹۶۳ء کے پرچہ میں "لکھنؤ کا ایک ادبی ہنگامہ" کے عنوان سے "صاعقہ" نامی پرچے پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ پرچہ بقولِ خاور صاحب دوسری جلد کا پہلا شمارہ ہے۔ دراصل یہ پرچہ پہلی جلد کا پہلا ہی شمارہ ہے جسے امین سلونوی نے جاری فرمایا تھا۔ حضرت امین سلونوی تو برائے نام اس کے مدیر تھے۔ ورنہ یہ پرچہ حضرت سراج لکھنوی اور ان کے ہمراہیوں نے مل کر جنوری ۱۹۲۳ء میں نکالا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ جب جناب سراج لکھنوی کی ایک غزل خان بہادر محمد بشیر صدیقی سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ کی عدالت میں سراج کمنجاوی کی غزل کا سرقہ ثابت کر دی گئی تو پھر کوئی رسالہ یا کوئی اخبار مذکورہ پارٹی کے حسبِ منشا مواد چھاپنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا انہیں حقائق کو چھپانے اور جھٹلانے کے لیے مجبوراً یہ پرچہ یعنی "صاعقہ" نکالنا پڑا۔

جناب خاور جبلپوری نے "صاعقہ" پر تبصرہ کے علاوہ حضرت سراج لکھنوی کا ایک خط اور افقر موہانی صاحب کا معذرت نامہ بھی دیا ہے جو "صاعقہ" میں "ادبی ہنگامے کا خاتمہ" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ حضرت ضیاالدین احمد برنی مدیر "کتابی دنیا" کراچی نے اس مکمل تبصرہ کا مئی ۱۹۶۳ء کے "کتابی دنیا" میں حسبِ ذیل ریمارکس کے ساتھ شائع کیا تھا۔ چونکہ اس قسم کی چیز آج بھی ہنگامہ کا باعث ہو سکتی ہے اس لیے اسے درج کیا جاتا ہے۔ زہیر کنجاہی۔

ماخذ وانتخاب کے بالکل برعکس سے ، مصالحت ، اپوزیشن پارٹی نے اپنے مقاصد کے لیے اوس وقت اجرا کیا تھا جبکہ کوئی رسالہ یا اخباراون کے حسب منشا چھاپنے کو تیار نہ تھا۔ واقعات یہ تھے کہ صفدر علی شارق ایاپانی عرف اشرف حجازی نے جو مراسلہ جام میں چھپوایا تھا اوس کا کوئی تردیدی جواب جام ہی میں مخالف پارٹی کی طرف سے نہ موصول ہوا۔ گویا اون کا عائد کردہ الزام صحیح تسلیم کر لیا گیا۔ مجھ پر الزام ضمناً تھا کیونکہ میرے پرچہ میں وہ مضمون شائع ہوا تھا۔ اور میں حیثیت پرنٹر و پبلشر کے تھا۔ ورنہ حقیقتاً دعویٰ مضمون نگار ہی پر تھا۔ جس نے دوران مقدمہ اپنے مضمون کی تصدیق کر دی۔ سراج کے سرقہ کی غزل ثابت ہو گئی۔ سراج جھنجھالوی کا مطبوعہ[1] دیوان عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ جس کو عدالت نے تسلیم کر لیا اور اوس کی کوئی تردید نہ ہو سکی جب تمام کارروائی مقدمہ کی ختم ہو چکی اور فیصلہ ہونے کا وقت آیا تو فریق[2] ثانی نے خود مصالحت کی کوشش کی کیونکہ قرآئن اور اسباب سے وہ مقدمہ یقیناً ہار چکا تھا اس لیے انتہائی کوشش کرکے مصالحت ہو جانے پر آمادہ ہو گیا۔ نتیجہ میں صلح نامہ لکھ کر مجسٹریٹ کو دونوں فریق کے دستخطوں سے دے دیا گیا۔ اور مسل مقدمہ داخل دفتر ہو گئی۔ بس ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

البتہ مقدمہ کے دوران واقعات آج تک دیکھنے والوں کے لیے سبق آموز بنے ہوئے ہیں کہ کس طرح ہر ہر قدم پر لکھنؤ کی شاعری کا اسکول بے نقاب ہوتا رہا۔ کسی کو صحیح املا لکھنا نہ آیا تو کسی کو معنی و مطالب نہ آتے۔ بحر اور تقطیع درکنار شعر کا موزوں کر کے پڑھنا بھی نہ آیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام حالات "محشرستانِ ادب" میں کتابی صورت میں جمع کر لیے گئے ہیں اور جو باقاعدہ ترتیب و تدوین میں لائے گئے ہیں جو کتاب مذکور کے طبع و شائع ہونے ہی سے منظرِ عام پر لائے جا سکتے ہیں۔ دیدہ خواہد شد۔

صفدر علی شارق عرف اشرف حجازی صاحب مضمون بحمداللہ کانپور میں بقید حیات ہیں۔ اون کے وکیل متین الدین صرور اللہ کے پیارے ہو گئے وہ بھی اس طرح کہ ع

نہ کہیں جنازہ اوٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

مرزا نوشہ کی دعا قبول ہوئی اور وہ غرق دریا ہو کر ابدقرار ثابت ہوئے۔ اللہ اللہ۔

اشرف حجازی نے کوئی معذرت نامہ نہیں لکھا۔ جس کا پروپگینڈہ ایک تہائی صدی گزر جانے کے بعد کیا جا رہا ہے۔ مجھ پر مضمون لکھنے کا الزام ہی نہ تھا۔ صرف پرنٹر و پبلشر ہونے کا الزام تھا۔ ظاہر ہے کہ مضمون کے نامناسب یا غلط و صحیح ہونے سے پبلشر کو کیا واسطہ۔ جبکہ اوس کی کوئی تردید بھی چھپنے کو نہ آئی ہو تو کیوں نہ وہ مضمون صحیح تسلیم کر لیا جاتا۔ حقائق پر خاک نہیں ڈالی جا سکتی۔ میں نے پیشتر بھی لکھا ہے کہ بحمداللہ خود مجسٹریٹ صاحب خان بہادر بشیر احمد صدیقی تاحال کراچی میں بقید حیات ہیں۔ خود اون سے صحیح حالات و واقعات کا معلوم کر لینا کوئی مشکل یا ناممکن بات نہ ہو گی۔ پھر اس سے زیادہ اور کیا چاہیے)

مقدمہ کے تمامتر واقعات کو مختلف رسائل و اخبارات نے بھی شائع کیا ہے جن کی نقول جام جہاں نما کی مابعد کی اشاعات میں شائع ہو چکی ہیں اور محفوظ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ۳۳ سالہ مدت کے بعد اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے کیا مقصود ہے؟ اور اس گورستان کو کس لیے پامال کیا جا رہا

---

[1] یہ دیوان مطبوعہ صورت میں میرے پاس محفوظ ہے۔ ز۔ک۔ [2] سراج لکھنوی اور ان کے ہمراہی وغیرہم (ز۔ک)

ہے۔ "نگارستانِ دنیا مطبوعہ مئی ۱۹۶۳ء کی خوش مذاقی کو کیا کہا جائے وہ لکھتا ہے" چونکہ اس قسم کی چیز آج بھی ہنگامہ کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے درج کیا جاتا ہے "کاش یہ ہنگامہ آرائی صحیح اصولوں پر ہوتی تو دنیائے علم و ادب کو بیدار بھی کر سکتی اور اوس سے کچھ مفید سبق ناظرین کو حاصل ہو سکتے مگر جب عالم یہ ہو کر حقائق اور واقعات کو دیدہ و دانستہ نظر انداز ہی نہیں بلکہ مسخ کر دیا جائے تو نتیجہ معلوم :

مگر آج کی گندی اور ناکارہ صحافت واقعات کو مسخ تو کر سکتی ہے کیونکہ "قلم در کفِ دشمن است" کا مقولہ راست تاہم وہ کسی نوعیت سے قلب پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ "محال است کہ ہنرمنداں بمیرند و بے ہنراں جائے ایشاں گیرند"

بات کہاں سے کہاں پہونچی ابھی مجھے بہت کچھ آپ کے لکھے کے جواب میں لکھنا تھا مگر حیف۔ وارثی مشاعرہ کی مرسلہ غزلیں پہونچ گئیں جو شاملِ گلدستہ ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ڈاکٹر شجاعت علی صاحب سندیلوی اگر اب بھی وہاں موجود ہوں اور آپ کو مل سکیں تو جا نمازان کے سپرد کر دیجیے گا وہ خود اوس پر نماز پڑھیں گے تو مجھ تک کسی نہ کسی طرح ضرور ہی پہنچا دیں گے۔ خوب آدمی ہیں۔ پاکستانی غزلوں کے مطلوبہ مسودے بعد طبع گلدستہ ہی واپس ہو سکیں گے۔ محفوظ رہیں گے مطمئن رہیے ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یہ شعر حضرت سعدی رحمہ شیرازی کا سنتا چلا آ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ انقلابات نے کسی اور کے حصہ میں کر دیا ہو۔ پوری غزل کا نہ مجھے علم ہے نہ میرے امکان میں ہے کہ تلاش کروں۔

"نیرنگِ خیال" کا تازہ نمبر ایسا مجھے کوئی نہیں ملا جس میں میری غزل شائع ہوئی ہو۔ باقی خیریت دباد۔

والسلام۔ دعا گو ناچیز افقر موہانی وارثی عفا عنہ

(۷۴)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنو۔ ۲۷ جولائی ۱۹۶۳ء

عزیز محترم۔ دعا و سلام۔ خیریت نامہ کا شکریہ۔ میں ہنوز بیمار ہوں۔ بار بار کیا لکھوں۔ اسامہ طلعہ کا مضمون[1] جنگ میں جلد ہی شائع کرا دیجیے۔ عنایت ہوگی۔ آپ کی صرف ایک غزل برائے اصلاح میرے پاس محفوظ ہے ذرا سنبھل لوں تو دیکھ کر روانہ کروں۔ مطمئن رہیے اوس کا ایک شعر یہ ہے ؎

خوابوں میں مرے آ کے کیوں سوز ستاتے ہو جب ٹوٹ چکے بندھن کیوں ہم کو رلاتے ہو

اس کے علاوہ کوئی غزل آپ کی میرے پاس نہیں ہے۔ صدیق صاحب سے بھی ملاقات اس درمیان میں نہ ہو سکی۔ محشر ننانہ ادب یعنی

---

[1] یہ مضمون شوکت تھانوی کے حالات پر مشتمل تھا جو اسامہ طلعہ صاحب نے جناب شوکت تھانوی کی رحلت کے بعد روزنامہ "جنگ" راولپنڈی کے لیے لکھنؤ سے بھیجا تھا۔ زہیر کنجاہی۔

کتاب مقدمۂ سراجین کا مکمل مسودہ بذریعہ رجسٹرڈ پیکٹ صحتیاب ہونے پر جلد ہی روانہ کروں گا تاکہ آپ کی تمنا پوری ہو جائے اور آپ کچھ کر سکیں انشاء اللہ - باقی خیریت ہے - خیریت سے پھر مطلع فرمایئے - کیا ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کے ذریعہ آپ نے جانماز موصول فرمائی ہے یا نہیں ؟ آپ نے بہ بشیر شاید دریافت کیا تھا پھر نہیں معلوم کیا ہوا ؟ مطلع کیجئے گا - کیجیے " ارمغان " کس اسٹیج پر ہے ؟ ۲ راپریل کے مشاعرہ کا گلدستہ زیر طبع ہے اگست میں شائع ہوگا - آپ کی غزل بھی شامل ہے - نقل آپ کو بھیج چکا ہوں یا نہیں کچھ یاد نہیں آتا ! والسلام افقر عفا عنہ

(۴۸)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر جام جہاں نما ، مولوی گنج لکھنؤ

مورخہ ۹ راگست ۱۹۶۳ء ـــــ کرمی زبیر صاحب - دعا و سلام

ملفوفِ سعادت کا شکریہ - وہی سب پرانی باتیں ہیں - جواب کس کا دیا جائے - یعنی اعادہ سے حاصل ؟ میں برابر لکھ چکا ہوں کہ میرے پاس صرف ایک غزل آپ کی اصلاح کو ہے مگر وہی رٹ کہ دو ہیں اب دوسری کہاں سے لاؤں ایک آج کی اور ایک پہلے کی دو غزلیں روانہ ہیں رسید سے مطلع کیجئے گا میں لکھتا ہوں کہ اسامہ طلیہ کا مضمون جنگ میں شائع ہوا یا نہیں ؟ اس کا کوئی جواب نہیں - گریہ خوب یاد ہے کہ سراجین کے مضامین میں خود تلاش کرکے بھیجوں - سبحان اللہ کیا فہم و ادراک ہے - جس دردِ سر سے میں بھاگتا ہوں وہیں بلائیں میرے سر جھوٹی باتی ہیں - نہ ہیں اب اوس کا اہل رہا نہ ضرورت - جس کو ضرورت ہوگی وہ خود زحمتِ تلاش برداشت کرکے حاصل کرے گا - ورنہ الّا ما شاء اللہ - ان باتوں کو لکھتا ہوں تو آپ گریز مند ہوتے ہیں نہیں لکھتا تو میں خود مجرم بنتا ہوں کہ جواب نہیں دیا جاتا ع

" کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا " ؟

میں ہنوز کسی کام کے قابل نہیں ہوں - چارپائی کا ساتھ شاید مرنے تک نہ چھوٹے - عمر ختم ہو چکی - ایّام شماری ہے وہ بھی مردم شماری کی نہیں - مردہ شماری کی - ظاہر ہے ایسا مریض کب تک چل سکے گا - دعائے مغفرت کا کام ہے وہ آپ کرتے رہیے - آپ کے کام میرے بس کے نہیں نتیجہ معلوم - آہ سے

احباب یہ کہتے ہیں وہاں دل آساں ہے   آثار یہ کہتے ہیں خیریتِ جاں معلوم

والسلام : دعاگو ناچیز افقر موہانی

(۴۹)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر جام جہاں نما ، مولوی گنج لکھنؤ

مورخہ ۲۹ راگست ۱۹۶۳ء ـــــ عزیزم - دعا و سلام - ہاتھوں میں آبلے تھے خط لکھتا تو کیونکر ؟ اب کچھ مندمل ہو چکے ہیں - پہلا خط آپ ہی کو لکھ رہا ہوں - آپ کی دو غزلیں روانہ ہیں اس کے ماسوا کوئی غزل آپ کے پاس اگر ہو تو بھیج دیجئے میری تحویل بالکل صاف ہے - نیاز نمبر میں میرا ذکر کیوں ہوتا جبکہ تمام عمر یہاں اون سے بیگانگی رہی آہ - مرزا غالب کا شعر ہے

مجھے اوس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی کبھی کودکی میں جس نے نہ سُنی مری کہانی

محشرستانِ ادب (کاروائی مقدمہ سراجین) مکمل بھیجنے کو رکھی ہے جب بھی روانہ ہو جائے پس وپیش صرف اس قدر کہ اب تک مسوّدہ ارمغان - تلامذہ افقر - مکتوباتِ افقر کا جو حشر ہوا وہی اس کا بھی ہونا ہے پھر جان بوجھ کر غرق ہے تو اب کیوں کیا جائے - میرے بعد جس کے ہاتھ لگے وہ جانے آپ کے جوڑ اور بے حسی نے کچھ ایسا مجھے بھی مجہول بنا دیا ہے کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا - جو زخم ہیں اونہیں کو مندمل کیجئے مزید کاوش کی کیا ضرورت ہے - یعنی ؎

مرے زخم باندھیں اگر باندھتے ہیں مرے ہاتھ کیوں چارہ گر باندھتے ہیں

صدیق بک ڈپو نے تفصیل خط دربارۂ نظر گاہ آپ کو روانہ کر دیا ہے - اوس پر عمل کیجئے - پشاوری کتب فروش سے مراسلت کر کے معاملہ کو طے کر لیجئے وہ اکثر اور بار بار صدیق بک ڈپو سے کتابیں منگاتے رہتے ہیں اور لائسنسدار بھی ہیں - کوئی زحمت نہ ہوگی - اون کا پتہ بھی صدیق نے لکھ دیا ہوگا - بس اوسی سے خط کتابت کیجئے - کتاب محشرستانِ ادب بہرحال ایک نہ ایک دن آپ کو پہونچ کر رہے گی - صرف مجھے یقین دلا دینا آپ کا کام ہے اور وہ آپ کے بس کی بات نہیں - شاعرۂ وارثی کے گلدستے ۴ عدد آج کی ڈاک سے روانہ ہیں جو اسی لفافہ کے ساتھ پہونچیں گے - رسید سے مطلع کیجئے گا - کچھ اشتہارات بھی روانہ ہیں شاید کام آ جائیں - مابقی خیریت باد - سب کو سلام - والسلام دعاگو افقر موہانی وارثی عفا عنہ،

(۵۰)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنؤ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۳ء

دعا و سلام - محشرستان کا رجسٹرڈ پیکٹ غالباً پہونچ گیا ہوگا - رسید سے مطلع کیجئے - پاکستانی قافلہ آنے کا زمانہ عنقریب ہے آپ جب منور شاہ صاحب وارثی کو لاہور میں جانماز میرے لیے سپرد کرتے کو روانہ کر دیں، اوس وقت اگر ممکن ہو تو ایک نرم قسم کی اونی چادر کسی رنگ کی (یا جو کلر آپ کو پسند ہو) ضرور ضرور موصوف السعدر کے سپرد کر دیں وہ سرکار وارث رح کے عرس میں جب یہاں آئیں گے تو مجھے پہونچا دیں گے - خیال رکھیے گا - اور کوئی بات نہیں - سب خیریت ہے - خدا کرے آپ بھی بعافیت ہوں - والسلام

دعاگو افقر موہانی وارثی عفا عنہ

(۵۱)

۷۸۶

۷۰۷ م

ہمادار منزل - مولوی گنج - لکھنؤ

۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء - خط بلا شکریہ - واپسی میں شاہ منور وارثی حضرت صبا اور نقش صاحب لاہوری سے ملتے ہوئے آئیں گا تاکہ سب سے آپ کی عافیت مجھے بھی معلوم ہوتی رہے مسودۂ مقدمہ بام کی رسید نے مطمئن کیا - اوسامہ طلبہ کے مضمون کا ضرور خیال رکھیے گا - مزید فرمائش کا نام نہ لیجئے جو پہونچ چکا ہے اوس کا انجام دکھلائیے - ارمغان - مکاتیب - تلامذہ وغیرہ اور اب مقدمۂ سراجین کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کیجئے تو دوسری میتوں کو طلب فرمائیے - میں ہر ایک کا فاتحہ پڑھتا رہوں گا - راولپنڈی پہونچ کر پھر خیریت نامہ سے مطلع کیجئے گا - منتظر رہوں گا - عاقل

صاحب کا پتہ لکھتا ہوں :-

ماسٹر دھرم پال عاقل لاہوری (ایم اے۔ گورنمنٹ ہائر سکنڈری سکول بڑھلیں ضلع بلاسپور (ہماچل پردیش)

والسلام   دعاگو اختر مویانی

(۵۲)

۷۸۶

۷۰۷ م

لکھنؤ۔ مولوی گنج۔ ہوادار منزل

۲ نومبر ۱۹۶۳ء ——— دعا و سلام۔ جامع نماز، منور شاہ نے بحفاظت پہنچا دی۔ اللہ کا کام اللہ جانے مجھے شکریہ کی ضرورت ہی کیا تاہم احسان مند رہوں گا۔ اچھا کام اچھا ہی ہے۔ بڑی آرام کی چیز بھی ہے۔ آپ کی اس خداداد توفیق کی داد دیتا ہوں۔ میں ۲ نومبر کو سرکار میں حاضر ہوا تھا ۹ کی شام کو واپس آیا۔ سب خیریت رہی۔ آپ کے سابقہ خطوط کا جواب ہی کیا کلام دیکھ کر اگر ہو سکا تو واپس کر دوں گا۔ ورنہ بلا ماشاء اللہ۔ کچھ جلدیں نظرگاہ کی منور شاہ صاحب لے گئے ہیں۔ میں نے ۲ جلدیں آپ کو بھیج دینے کی تاکید کر دی ہے۔ غالباً بھیج دی ہوں گی سید سے آپ بھی مطلع فرمائیں۔ ابھی کسلمند ہوں کسی کام کے قابل نہیں۔ نظرگاہ کی اوس طرف آپ بھی تبلیغ فرماتے رہیں اور منور شاہ صاحب سے طلب فرمالیں۔   والسلام :-   دعاگو اختر مویانی وارثی عفا عنہ۔

(۵۳)

لکھنؤ۔ مولوی گنج۔ ہوادار منزل   ۷۸۶

۲۱ دسمبر ۱۹۶۳ء   ۷۰۷ م

دعا و سلام۔ آپ نے جانے نماز بھیج کر خبر بھی نہ لی کہ پڑھنے والے پر کیا گزری۔ مجھے نماز سے فرصت کہاں جو خط لکھتا "مگر ساقی کو کیا ہوا تھا،" آپ نے تو لکھا ہوتا؟ خدا کرے سب خیریت ہو۔ اور میری خیریت بھی آپ کو نصیب ہو کیونکہ مجھے جب خیریت سے سروکار ہی نہ رہا تو کس کام کی۔ گلدستۂ فکر و خیال کے تشنہ کام آج تک تقاضائے جام کر رہے ہیں۔ ممکن ہو تو ۴ جلدیں سر دست روانہ کر دیجئے۔ باقی دیدہ خواہد شد۔ آپ مجھ سے خفا سہی مگر بحمد اللہ کہ میں آج تک اس مرض سے محفوظ ہوں۔ مالک کا یہ کرم بھی کچھ کم نہیں۔ باقی باقی۔ والسلام

ناچیز اختر مویانی عفا عنہ۔

(۵۴)

اختر مویانی مدیر "جام جہاں نما"   بسم اللہ

مولوی گنج۔ لکھنؤ۔ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۶۴ء

عزیزم۔ دعا و سلام۔ پہلے دو چار پیڈ (لیٹر پیپر) کے روانہ کیجئے۔ آپ کے بھیجے ہوئے ختم ہو گئے۔ اوس کے بعد جواب باصواب کی امید کیجئے گا۔ سر دست دو ایک سطے اون میں ایک اور آپ کی نذر ہو رہا ہے۔ ممکن ہو تو اس کے ہمراہ "فکر و خیال" کی دو ایک کاپیاں بھیج دیجئے گا۔ آپ چادر کا رنگ پوچھتے ہیں اور میں ہمہ رنگ۔ لکھوں تو کیا لکھوں؟ اپنی دنیا کو تنگ بناؤں۔ تاہم آپ کی اگر پسند خاطر ہو

توجز یا زر دان دو میں سے کوئی ہو تو اچھا ہے۔

کیا اچھا ہو اگر آئندہ حضرت منور شاہ صاحب کے ساتھ قافلہ کے ساتھ آپ بھی زیارت سرکار دیوہ اعظم اللہ ذکرہ، کو آجائیں زیادہ زحمت نہ ہو گی جبکہ ۔۔ اکے قریب ہمسفر ہوں گے یا پھر جو صورت مناسب حال ہو۔ مجھے آپ کی زیارت نعمت حاصل ہو جائے گی وہ بھی گھر بیٹھے کیا کہنا۔ آپ کو زحمت سفر ضرور ہو گی مگر آپ بڑے سرکار کے زائر کہلائیں گے۔ اگر یہ منظور ہو تو ابھی سے شاہ صاحب کو درخواست بھیج دیجئے۔ وہ آپ کو بھی شامل مثل فرما لیں گے۔ یہ قافلہ اکتوبر کے کسی ہفتہ میں ہر سال آجاتا ہے اور اوس کا ایک ہفتہ قیام رہتا ہے۔ مطلع رہیں۔ "نظرگاہ" کی چند جلدیں شاہ صاحب لے گئے تھے اون سے معلوم فرمائیے جو کچھ دو چار اون کے پاس ہوں قیمتاً منگوا لیجئے۔ ورنہ پھر کہاں جبکہ خود یہاں ختم ہو گئیں اور اب دوسرا ایڈیشن خدا معلوم میری زندگی میں چھپے یا مابعد۔ واللہ اعلم۔

میں نے دنیا چھوڑنی چاہی مگر نہ چھوٹی۔ عقبیٰ کو چاہا مگر وہ گریز پا رہی۔ نتیجہ معلوم ہے!

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔۔۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

آپ میری ناکامی سے سبق لیں اور راضی برضائے مشیت رہیں۔ کیونکہ خیریت اسی میں ہے۔ آپ کی غزل واپس ہے۔ مجھے بھی زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ بس ایسا کہا کیجئے تو مضائقہ نہیں۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر افسوس "محشرستان ادب" کے لیے آپ نے اب تک نہ کچھ کیا نہ آئندہ کی امید ہی دلائی خواہ وہ غلط ہی سہی مگر ہوتی امید ہی۔ اس معاملہ میں سبقت کی ضرورت ہے۔ اور آپ پس منظر معلوم ہوتے ہیں۔ کاش زندگی میں یہ ڈرامہ بھی دیکھ لیتا یہاں زندگی کا ڈراپ سین ہو رہا ہے اور آپ مطمئن سبحان اللہ۔"

بس صدمے اس سمجھ کے اب مآل عرض کیا سمجھوں ۔۔۔ میری رُوداد غم تھی آپ جس کو داستاں سمجھے

مشاعرۂ دیوہ کا گلدستہ ہنوز معلق ہے وجہ کیا لکھوں جبکہ میں خود وجہ بن رہا ہوں۔ حالات نامساعد اور میں رست وخیز سے معذور۔ اللہ رحم فرمائے اگر چھپ سکا تو ضرور بھیجوں گا۔

یہاں بزم افقر کے سیکرٹری حکیم ریاض صاحب شمس آبادی ہیں۔ پتہ یہ ہے:۔

حکیم ریاض احمد خان صاحب ریاض بذریعہ بدرو ایجنسی امین آباد۔ لکھنؤ۔

منی ہاں سلام صاحب گورکھپور یونیورسٹی میں ہیں اور وہیں رہتے ہیں (صدر شعبہ اُردو فارسی)

یہاں والے آپ کو سلام و نیاز پہونچاتے ہیں اور بعافیت ہیں۔ محشر سلمہٗ بہت بہت آپ کو یاد کرتے ہیں۔ خدا اون سے آپ کو ملائے۔ بہت مشتاق ملاقات ہیں۔ اپنے گھر میں میری دعائیں کہیے۔ اور خیریت نامہ سے پھر یاد و شاد فرمائیے۔ منتظر رہوں گا۔ والسلام

دعاگو افقر موہانی الوارثی عفا اللہ عنہ

(۵۵)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ۔ مورخہ ۳۰ ؍ جنوری ۱۹۶۳ء

صلہ نظرگاہ :۔ مجموعہ غزلیات افقر موہانی مطبوعہ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ بھارت۔ زبیر کنجاہی

دعا و سلام - لفاف مودّت پہونچا۔ شکریہ -

ابھی پانچ سو لیٹر پیڈ کی کچھ جلدیں بھیج دیجئے گا اگر ایک جلد بھی گلدستہ "فکر و خیال" کی مل جائے تو اس کو بھی ادھی کے ساتھ پیکٹ میں رکھ دیجئے گا زیادہ کی ضرورت نہیں - اس لیے چھپوانے کی زحمت نہ کی جائے - ایک دو جلد کا مل جانا احباب سے ناممکن نہ ہوگا۔ ضرور کسی نہ کسی کے پاس سے دستیاب ہو جائے گی - پیڈ میں جو عبارت موجودہ صورت میں ہے وہ کافی ہے مزید ترمیم یا اضافہ تعلی نہ کیا جائے مجھے بہت پسند ہے - پاسپورٹ کے لیے ابھی سے کوشش کرتے رہیے اور میر قافلہ حضرت منور شاہ صاحب کی ہدایات کے مطابق عمل کیجیے انشاء اللہ کام بن جائے گا - اور آپ آ سکیں گے۔[1] "نظر گاہ" یا صوت سرمدی کی قیمت شاہ صاحب کو کتابیں وصول ہو جانے پر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیجئے گا اون کو یہاں صدیق بک ڈپو کو حساب دینا ہوگا -

اوروں کے علاوہ آجکل غم روزگار کا بھی شکار ہوں اس لیے کیا لکھوں - اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ میرے اوستادِ معظم[2] کا قطعہ ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک مجھ پر بھی سایہ افگن ہے - جب وہ رام پور میں تھے تو نواب صاحب کے استفسار پر یہ قطعہ جواباً پیش فرمایا

شکر ہے کیا خوب ہوتے ہیں بسر لیل و نہار ــــــ رنج و راحت دونوں ہیں اس شہر میں مجھ کو حصول

سرد مطبخ دن کو ہے اور سوکھے ٹکڑے رات کو ــــــ گاہ مہمانِ خدا ہوں ، گاہ مہمانِ رسول[2]

والسلام - دعاگو افقر موہانی عفاعنہ

(۵۶)

۷۰۶

۷۰۷ م

لکھنؤ - مولوی گنج - ہوادار منزل

۲۶ فروری ۱۹۶۳ء - عزیزم دعا و سلام - لفافہ پہونچا۔ شکریہ - میں آجکل زیادہ علیل ہوں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے - آپ کی غزلیں محفوظ ہیں جب ندرت ہوگی تو دیکھ کر روانہ کروں گا - بہر دست مجبورِ محض ہوں دعا فرمائیے - میلہ میں یہاں آنے کی فکر کرتے رہیے گا۔ کیونکہ سہ

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک ــــــ آتشِ شوق تیز تر گردد

منوّر شاہ سے خط کتابت قائم رکھیے - وارثی شاعرہ کے پوسٹر چھپنے کو گئے ہیں آجانے پر روانہ کروں گا - ابھی ہفتہ عشرہ کی دیر ہے اوس کے مطابق عملدرآمد کیجئے گا - اپنی خیریت سے مطلع کیجئے - والسلام - دعاگو افقر موہانی وارثی عفاعنہ

(۵۷)

بسم اللہ

افقر موہانی مدیر "جام جہاں نما" مولوی گنج لکھنؤ -

مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۶۳ء ـــــ دعا و سلام - سلام و نیاز - بیماری گئی نہیں - جان سے گر جائے گی مطمئن رہیے - رجسٹرڈ پیکٹ مل گیا - ۵ جلدیں

---

[1] دیوان سیدم وارثی مطبوعہ ادارۂ ترقی اردو لکھنؤ

[2] حضرت تسلیم لکھنوی (رامپوری تسلیم)

پیشہ کی دصول ہوگئیں جو بعد میرے بھی کام آئیں گی۔ شکریہ اور دلی شکریہ۔ آپ کی دونوں غزلیں جس حال میں ہوں دیکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ آپ بھی نظرِ ثانی کر لیں۔ ایک بیمار جب اپنی اصلاح نہ کر سکا تو غزلوں کی کیا اصلاح کر سکے گا۔ آپ لوگ نہیں مانتے تو مجبوراً اپنے معائب کو روشن کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ کیسی اصلاح اور کہاں کی درستی۔ یہ ڈرامہ ختم ہو چکا۔ اور کب تک نہ ہوتا۔ ۸۰ سے کم نہیں ہوں۔ اب مرنا برحق۔ افسوس اس کا کہ جو کرنا تھا وہ نہ کیا۔ درمیان ہی میں اوچھے کر عمر تمام کر دی۔ خوشی یہ ہے کہ اس نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بندہ ازل سے ابد تک مجبور ہی رہا۔ پھر مواخذہ کس بات کا؟۔ آہ ؎

اجل راہزن بر سرِ راہ ہے عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے (لا اَعْلَمْ)

آپ اپنے اور وہاں کے حالات سے مطلع فرماتے رہیں کہ سکون رہے۔ مشاعرہ وارثی کے اشتہارات روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ کو بھی۔ شاہ منور اور صبا صاحب وغیرہ کو بھی روانہ کیے جا رہے ہیں۔ پہونچنے پر رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ باقی خیریت۔ یاد سب کو وہاں دعائیں کہیے اور ۷ اپریل کے مشاعرہ کا انتظام وہاں بھی کیجیے۔ سرکار وارث پاک کا قل و فاتحہ ضرور ہو۔ منور شاہ کو اپنے وہاں بلا لیجیے گا۔ تو لطف رہے گا۔ سب کام حسبِ منشا ہو جائے گا کیونکہ وہ واقفِ الحال ہیں۔ ابھی ابھی آپ کا ایک اور کارڈ ملا۔ شکریہ۔

کل میاں عتیق صاحب صدیقی جو میرے عزیز دوست اور شاگرد ہیں شام کو آئے اور رسالہ "مشرق" کراچی ساتھ لائے۔ اس میں آپ کا مراسلہ شائع ہوا ہے جو میرے متعلق تھا۔ خدا معلوم آپ کو کیا خبط ہے کہ میری رسوائیوں میں اضافہ ہی فرماتے رہتے ہیں۔ بہرحال آپ کی خوشی۔ مجھ پر ہر طرح شکرانہ واجب آتا ہے۔ کہیے "محشرستانِ ادب" کا کیا حال ہے؟ جانتا ہوں وہ میری زندگی کی چیز نہیں پھر بھی کبھی کبھی خیال آ ہی جاتا ہے کہ کاش ہائے حیف اچھا ہوا کہ میں نے آپ کے حوالہ کر دیا اور اس سے زیادہ اچھا یہ ہوگا کہ آپ اسے "غرقِ مے ناب" فرما دیں اور یہی اپنی زندگی کی حقیقی منزل بھی ہے مظہر جانِ جاناںؒ کا مطلع ہے ؎

زعنقا بیشتر یک گام مارفت کہ نام او بماند نام مارفت

عتیق سلمہ کے اصرار پر "مشرق" کے آئندہ نمبر کے لیے ایک حالیہ غزل روانہ کر دی ہے اور غائبانہ ایک خط بھی مدیر محترم کے نام کا لکھ دیا ہے۔ خدا کرے درخورِ اعتنا ہو سکے۔ اِلّا ما شاء اللہ

منظرگاہ۔ حسبِ منشا پہونچ گئی ہوں گی اور راون کا روپیہ آپ نے منور شاہ کو بھیج دیا ہوگا۔ مطلع فرمائیے گا۔

راولپنڈی میں وارثی مشاعرہ ۷ اپریل کو ضرور پورے اہتمام سے کیجیے اور نواب صبا صاحب نیز منور شاہ صاحب حائل کو لاہور سے نقش صاحب اور کوثر صاحب کو بھی جہاں وہ ہوں دعوتِ شرکت دیجیے۔ کاش سب اپنے لوگ ۷ اپریل کو وہاں اکٹھے ہو سکیں۔ بعد مشاعرہ کی غزلیں بھیج دیجیے گا جو یہاں گلدستہ میں شامل ہو جائیں گی اور کاروائیِ مشاعرہ سے بھی مطلع کیجیے گا وہ رپورٹ بھی شامل ہو جائے گی۔ اپنی طرحی غزل بھی روانہ کیجیے تاکہ ابھی سے دیکھ کر بعد ضروری اصلاح کے قبل مشاعرہ آپ کو روانہ کر دی جائے۔ اور جو حالات ہوں مطلع فرمائیے گا۔ آج کل کچھ مرض میں کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے پھر بھی وہ لذت کہاں جو اس سے پہلے حالتِ مرض میں تھی آہ ؎

یہ سنکر ہے فرصت نہ تڑپنے سے کبھی ہو

ہم اپنے دلِ زار کے درماں میں لگے رہیں

مشاعرہ وارثی کے اشتہارات روانہ ہو چکے ہیں۔ تعجب ہے رسید سے آپ نے مطلع نہیں کیا۔ افسوس! والسلام افقر موہانی عفا عنہ،

(۵۸)

لکھنؤ۔۔ لاٹ کلاں
۷۸۶
(متصل قبر ماموں بھانجہ)
۹۲ م

دعا و سلام۔ لفافہ بھیجے ہوئے ۱۵ دن سے زائد ہو چکے اب تک رسید کا انتظار رہے۔ ادس میں آپ کی سابقہ مکرر توجہ طلب غزلیں روانہ کی گئی تھیں اور جن کے اب تک نہ پہونچنے کی آپ کو انتہائی شکایت تھی۔ واللہ اعلم وہ لفافہ آپ کو ملا بھی یا نہیں ؟ رسید آجاتی تو اطمینان ہوتا۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔۔۔۔ میں نے بوجہ تدم مکان تبدیل کر دیا ہے نیا پتہ اوپر درج ہے اسی پتہ پر آئندہ مراسلت کو قائم رکھیے۔ سرکار وارث ؒ کے سالانہ عرس سے ۱۲ جون کو واپس آیا ہوں۔ بحمد اللہ سب خیریت ہے بڑے میلہ کو ابھی ۴ ماہ باقی ہیں۔ منور شاہ صاحب قافلہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے آپ بھی ادن کو اپنی یاد دلاتے رہیے۔ خیریت نامہ اور کوائف حاضرہ سے مطلع کیجیے۔ والسلام

۱۶ جون ۶۵ء

دعا گو افقر موہانی الوارثی عفا عنہ

(۵۹)

۷۸۶
۹۲ م

بزم الجھہ ۱۹ اکتوبر ۶۴ء

دعائے حیات۔ مُردوں سے چھیڑ اچھی نہیں۔ اگر آپ کو میری زندگی کی دوبارہ ضرورت ہے۔ اوس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ آپ "محشرستان ادب"[1] کی اچھی اور دیدہ زیب طباعت و اشاعت کا فوراً انتظام شروع کر دیجئے وہ چھپنے لگے گی تو میں از خود زندہ ہونے لگوں گا۔ اگر اب بھی آپ نہ سنبھلے اور وہی فطری تغافل آپ کا برقرار رہا تو فردائے قیامت بھی شاید میں آپ کو نہ مل سکوں۔ آئندہ الفقط سے تم کی دوست داری۔

والسلام ۔ دعا گو افقر موہانی وارثی مرحوم از گورستان عدم آباد

(۶۰)

لکھنؤ ۱۴ مئی ۶۵ء

"پھر نگاہوں نے تمہاری مجھے چھیڑا دیکھو"

بات وہ کیجئے جس سے کوئی کام چلے۔ وہی پرانی روایت کہ غزلیں بھیجئے یہ بھیجئے وہ بھیجئے۔ ان باتوں سے جب تک کام چلا چلا گیا۔ ہمیشہ کاغذ کی ناؤ نہیں چل سکتی۔ آپ کے فریب وعدہ نے مجھے آپ سے بہت دور پھینک دیا ہے یقین کیا گمان بھی اب نہیں ہوتا کہ آپ کچھ کر سکیں گے۔ لہٰذا علیحدہ ہی رہنا اور صبر کر لینا بہتر ہے۔ کیسی کتاب غزل اور کیسا مقدمہ آپ تمام سرمایۂ ادب مستعار قبر میں لے جانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ حاصل کر لیا ہے غنیمت جانیے اور لے جائیے۔ مزید کی ہوس قوت الکل نہ بن جائے۔ بہت برسوں اسی فریب میں رہ کر بہت کچھ کھو چکا ہوں سب سے بڑھ کر جرم آپ کا اس حرکت نے کھو دیا کہ "مقدمۂ سراجین" کا مسودہ کتنے اصرار، ذوق و شوق اور والہانہ جوش کا اظہار کر کے آخر منگوا

---

[1] کتاب محشرستان ادب یعنی مقدمۂ سراجین جو عنقریب افقر اکاڈمی راولپنڈی کی طرف سے منظر عام پر آ رہی ہے۔ زہیر کنجاہی

کر چھوڑا جب مل گیا تو گویا ملا ہی نہیں۔ دو برس ہو گئے دیمک بھی چاٹ گئی ہوگی مگر آپ کو اس سے مس نہ ہوئی۔ پھر جب سلام سندیلوی نے بغرض طباعت مانگا اور میں نے بھی لکھا کہ آپ نہیں چھپوا سکتے تو ان کو بھیج دیجئے مطلب تو چھپنے سے ہے کوئی چھاپے اور کہیں چھپے اس سے بحث ہی کیا مگر اس پر بھی آپ آج تک خاموش ہیں نہ چھاپا نہ چھپنے دیا۔ آخر اس ادا کو کیا کہوں؟۔ افسوس صد افسوس مگر رہ رہ کر آپ کو جو اُمنگ ہوتی ہے کہ ابھی اور کچھ منگوا لیا جائے وہ میرے لیے نہ صرف سوہانِ روح ہے بلکہ آپ سے دوری کا فاصلہ بنانے میں بڑی خلیج بنا رہی ہے۔ میں بالکل خاموش ہونا پسند کروں گا مگر ایسی سینہ زوری کو کبھی برداشت نہ کر سکوں گا۔ جو ہُوا ہو گیا۔ آپ بھی خاموش رہیے اور مجھے بھی عمر رفتہ کا ماتم کرنے دیجئے۔ اب کسی اور شکار کو پھانسئے۔ شکاری پرانا ہی نئے جال کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مجھے اب کسی قسم کی تحریر سے نہ ستایا جائے گا۔ میرزا یادیں میرے بہت سے ملفوظات اور مقدمۂ سراجین کا مسودہ تمام عمر آپ کی طمانیتِ خاطر کو کافی ہے فقط والسلام مع الاختتام۔ افقرؔ عفا عنہ

(۹۱)

۷۸۶

لکھنؤ۔ لاٹ کلن۔

۱۶ جون ۱۹۶۵ء

۷۰۷ م

دعا یا۔ "تلامذۂ میر" دیکھ کر خوشی ہوئی مگر میری نگاہ شوق کچھ اور ہی دیکھنا چاہتی تھی۔ تاہم قسمت نے جو دکھایا اس کا شکریہ۔

مثل ہے پہلے گھر میں چراغ جلا کر مسجد میں بھیجا جاتا ہے۔ یہاں کی بات ہی نرالی ہے۔ اپنے گھر میں تو اندھیرا ہے دوسروں کو منور فرمایا جاتا ہے موجودہ "ارمغان"، "تلامذہ"، "مکتوبات" اور "مقدمہ" میں سے کوئی تو منصۂ شہود پر آجاتی۔ افسوس۔ مایوسی نے امید بھی ختم کر دی۔ ع

"وہ کیا کریں گے چراغ روشن جو زندگی میں بجھا چکے ہیں"

اکاڈمی نام کی ہے اور مجھے کام کی ضرورت! دونوں میں بعید تضاد ہے۔ بہرحال شکریہ۔ والسلام

افقرؔ عفا عنہ۔

رشید احمد صدیقی

بنام امتیاز علی عرشی

۳۰ مئی ۱۹۴۴ء
یونیورسٹی علی گڑھ

عرشی صاحب محترم۔ آداب۔ سورتی صاحب مرحوم کی کتابوں کے بارہ میں محترمی زیدی صاحب کا ایک گرامی نامہ صادر ہوا تھا۔ میں نے عرض کر دیا تھا کہ عنقریب اس بارہ میں مرحوم کے بڑے لڑکے طاہر سورتی رام پور حاضر ہوں گے۔

چنانچہ اب عرض ہے کہ طاہر صاحب آج دہلی گئے۔ وہاں اپنا اور آپ کا کچھ کام کر کے براہ راست آپ کی خدمت میں عنقریب پہنچیں گے۔ ان کے پاس کتابوں کی فہرست ہوگی۔ اطلاعاً عرض ہے۔ طاہر کے قیام و طعام کا از راہ کرم بندوبست فرما دیجئے ورنہ وہ غریب رام پور میں کہیں کا نہ رہے گا۔

آپ کا
رشید صدیقی

(۲)

۲۹ اکتوبر یونیورسٹی علی گڑھ

عرشی صاحب کرم و محترم۔ آداب، طاہر سورتی نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ نے جن کتابوں کی ایک ہزار قیمت "آنکی" ہے (معلوم نہیں آپ اس "آنکنے" کی پوری اصطلاح سے واقف ہیں یا نہیں بقول بابا پیروئی انیس صاحب یہ ہمارے پورب کی زبان ہے۔ حضرات رام پوریوں نہیں بولتے، وہ ان کو کم معلوم ہوئی چنانچہ انہوں نے مجھے لکھا ہے "میں چاہتا ہوں کہ ان کتابوں میں سے دو مزید کتابیں نکالنے کے بعد ایک ہزار لے لیے جائیں۔ وہ دو کتابیں یہ ہیں :-

۱- شرح مفضلیات للضبی ۱ جلد
۲- موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ۱ جلد

اب آپ فرمائیے کیا حکم ہے؟ طاہر سورتی صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ اس بارہ میں آپ کو عرصہ ہوا مطلع کر چکے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں ان کتابوں کی اہمیت سے بالکل واقف نہیں ہوں۔ البتہ مسئلہ کی نزاکت سے خوب واقف ہوں۔
آپ جو فرمائیں گے اس سے میں ان کو آگاہ کر دوں گا۔

امید ہے آپ "بہمہ وجوہ" مع الخیر ہوں گے۔

بندہ
رشید صدیقی

(۳)

مخدوم و مکرم، آداب،
اس دن آپ چائے پر تشریف نہ لا سکے۔ بہت سے لوگ آپ سے ملنے کے مشتاق تھے۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ سورتی صاحب مرحوم کی قلمی کتابیں ایک نظر دیکھ لیتے کہ ان کی حیثیت کیا ہے اور کن داموں پر وہ خریدی جا سکتی ہیں۔ مرحوم کے متعلقین ان دنوں تکلیف میں ہیں اور ان نسخوں سے جو رقم ان کو ملتی اس سے وہ اپنے راحت کا سامان فراہم کرتے۔ اس سے بہتر موقع ان کتابوں پر رائے قائم کرنے کا نہ ملے گا اگر آپ فرمائیں تو میں اسی وقت ان کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں ورنہ جہاں فرمائیں وہاں پہونچا دوں۔ مجھے امید ہے اس بارہ میں آپ میری مدد فرمائیں گے۔

خاکسار
رشید احمد صدیقی

۲۶ دسمبر

(۴)

یونیورسٹی علی گڑھ۔ ۲ اپریل ۱۹۴۰ء

نوشی صاحب محترم و مکرم۔ آداب و سلام شوق۔ گرامی نامہ صادر ہوا۔ کم سے کم اس کی داد تو آپ ضرور دیں کہ میں نے جن وجوہ کی بنا پر امان اللہ خاں کو آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ غلط نہ تھا! آپ نے ان کے لیے بہت کیا جس کا مجھے بھی فائدہ پہنچا۔ میں نے آپ کا گرامی نامہ امان اللہ خاں کو دکھا دیا وہ مطمئن ہو گئے۔
شکور صاحب مُصر ہیں کہ اقبال ڈے کے سلسلہ میں رام پور حاضر ہوں۔ وعدہ میں نے ضرور کر لیا تھا مگر آج ڈرتے ڈرتے معذرت بھی لکھ بھیجی ہے۔ آپ خود کیوں نہ علی گڑھ تشریف لائیے۔ آپ کی پذیرائی اور زمانہ اخراجات کے ذمہ دار ہم سب ہوں گے جو چاہیے پڑھ دیجیے ہم اور ہمارے طلبا دونوں مستفید اور مفتخر ہوں گے۔ اب تو امتحانات شروع ہو جائیں گے ستمبر میں آئیے گا میں ڈپارٹمنٹ کی طرف سے آپ کو مدعو کر دوں گا۔

آپ کا
رشید احمد صدیقی

(۵)

یونیورسٹی علی گڑھ
۲۶ ستمبر ۱۹۵۲ء شنبہ

نوشی صاحب محترم۔ سلام مسنون
آپ کا وعدہ ہے کہ آپ ہماری سوسائٹی میں ایک مقالہ پڑھیں گے اکتوبر یا نومبر میں اس کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر سکیں گے؟ البتہ تاریخ ایسی ہو جو تعطیل میں نہ پڑتی ہو۔ اکتوبر کے پہلے ۱۲-۱۳ روز تو یونیورسٹی کی تعطیل کے ہیں اور بعد میں دسہرہ ہے۔ بہر حال یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ آسانی سے کب تشریف لا سکتے ہیں، اس سلسلہ میں کاروباری فارمولا یہ ہو گا زحمت آپ کی زیر باری ہماری!

اُمید ہے آپ حسب دستور مسرور و مع الخیر ہوں گے۔

خاکسار
رشید صدیقی

(۶)

یونیورسٹی علی گڑھ

۹ر اکتوبر ۱۹۵۲ء

عرشی صاحب محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ صادر ہوا۔ دیر سے جواب دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی تشریف آوری کے پروگرام سے مجھے پورا اتفاق ہے مستاور کیجئے کہ آپ جب علی گڑھ آنے والے ہوں اس سے ہفتہ بھر پہلے مجھے مطلع فرمادیں۔

آپ کا
رشید صدیقی

(۷)

یونیورسٹی علی گڑھ

۱۰ر جولائی ۱۹۵۴ء

عرشی صاحب محترم۔ آداب نیاز

ادھر متعدد اور مسلسل گرامی نامجات صادر ہوتے رہے یہاں تک کہ ایک صاحب آج ایک خط ۲۲ر مئی کا لکھا ہوا لائے۔ سب کے لیے کچھ نہ کچھ کروں گا انجام خدا کی مرضی پر ہے۔

مولوی عبدالواحد خاں صاحب کے صاحبزادہ کے بارہ میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سر آنکھوں پر۔ بعض امور البتہ دریافت طلب ہیں مثلاً وہ ایم اے کس مضمون میں لینا چاہتے ہیں۔ ان کا تعلیمی ریکارڈ کیسا ہے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی طرح یہاں ذرے اسکالر کی حیثیت سے رہ سکیں۔ پھر بڑی سہولت ہو جاتی ہے۔ مالی امداد کا سوال تو اس وقت سامنے آئے گا جب وہ داخل ہو جائیں گے۔ بہر حال پہلے تو تفصیلات سے مطلع فرمائیے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب نے بشارت دی تھی کہ آپ کا پرچہ تیار ہے۔ زہے نصیب۔ بہتر زمانہ میرے نزدیک اگست کا ہوتا جب داخلہ کا ہنگامہ ختم ہو چکا ہوگا۔ فارسی اور عربی کے احباب سے مشورہ کر کے اطلاع دوں گا کہ کیا کیا کہاں ہو سکتا ہے۔

آپ کا
رشید صدیقی

(۸)

یونیورسٹی علی گڑھ

۱۵ر جولائی ۱۹۵۴ء

عرشی صاحب کرم و محترم۔ سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ ۱۴ر جولائی۔ مولوی عبدالواحد خاں صاحب کے صاحبزادہ کے بارہ میں آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔ مجھے خیال تھا کہ شاید وہ عربی یا علوم اسلامیہ / اسلامیات کے طالب علم ہوں۔ ان شعبوں میں اچھے وظائف ملتے ہیں جس سے بڑی مد

ہو جاتی ہے۔ پالیٹکس میں اس طرح کی سہولتیں نہیں ہیں۔ طلباء کو مالی مراعات اس ہال کے پرووسٹ کے معرفت دی جاتی ہیں جس میں ان کو داخلہ ملتا ہے۔ ڈیوٹی سوسائٹی ایک بندھی ہوئی رقم (مجوزہ وائس چانسلر صاحب) پرووسٹ صاحبان کے حوالہ کر دیتی ہے اور وہ اپنی صوابدید پر طلبا میں اسے تقسیم کرتے ہیں۔ اگر آپ اڈیٹر کے بجائے کارڈ لکھا کریں تو یادفرمائی کی تعداد دوگنی ہو جائے گی اسی طرح عزت افزائی کی بجائے خود یہ سے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ آپ جس طالب علم کے بارے میں فرمائیں گے میں ان کی سفارش ہر طرح سے پرووسٹ متعلقہ سے کروں گا انجام جو کچھ ہو۔ بڑی دوڑ دھوپ کی جائے اور کامیابی بھی سو فیصدی ہو تو امداد کی رقم مشکل سے پندرہ بیس روپیہ ماہانہ تک پہنچے گی۔ اس کے بعد جو ارشاد ہو تو تعمیل کروں گا لکچر کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ جب آپ کو سہولت ہو تشریف لائیے

خاکسار

رشید صدیقی

(۹)

یونیورسٹی علی گڑھ

۱۲ر اکتوبر ۵۴ء

عرشی صاحب محترم - آداب نیاز

گرامی نامہ مورخہ ۹ر اکتوبر۔ یہاں تشریف لانے کا پروگرام آپ اپنی مصروفیت اور سہولت کو مدنظر رکھ کر بنائیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ جب تشریف لائیں ایک آدھ دن پہلے اطلاع دے دیں۔ جلسہ کر لینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

آپ نے اپنی جن مصروفیتوں کا ذکر کیا ہے وہ زیادہ اہم ہیں ان کو پہلے پورا ہونا چاہیئے۔

اُمید ہے آپ خوش و خرم ہوں گے جیسا کہ میں نے آپ کو ہمیشہ پایا!

خیر طلب

رشید صدیقی

(۱۰)

یونیورسٹی علی گڑھ

۵ر نومبر ۵۴ء

عرشی صاحب کرم و محترم، آداب۔

گرامی نامہ صادر ہوا۔ وہ کرمت نامہ مجھے مل گیا تھا جس میں آپ نے اپنے سفر کا پروگرام تحریر فرمایا تھا۔ میں نے اسے ایک رفیق کار کے پاس بھیج دیا کہ وہ تاریخ کا لحاظ کر کے یہاں کا پروگرام متعین کریں۔ معلوم نہیں پھر کیا ہوا کہ آپ کا وہ خط اِدھر اُدھر ہو گیا اور مجھے یاد نہیں رہا کہ کن تاریخوں میں آپ کہاں ہوں گے۔ اس لیے میں آپ کو یہاں کے پروگرام سے مطلع نہ کر سکا۔ زیر نظر نامہ والا کے پانے سے بہت خوش ہوا! اس کا افسوس ہے کہ جس طرح مجھے آپ سے معافی مانگنی چاہیے تھی اس سے زیادہ آپ نے مانگ لی! فائدہ میں میں ہی رہا! عمر کی ایک منزل ایسی آتی ہے جب بے خبری راس المال بن جاتی ہے! میں اُسی منزل میں ہوں۔ بہر حال پھر دیکھا جائے گا۔ بہ یقین رکھیے کہ آپ جس وقت اِدھر آگئے اس کے چند گھنٹوں بعد جلسہ کا انتظام کر لوں گا۔ بشرطیکہ قبل ظہر کا وقت رہے۔

آپ کا

رشید صدیقی

(۱۱)

یونیورسٹی علی گڑھ

۲۹ دسمبر ۱۹۵۴ء عرشی صاحب محترم، آداب

اب اکتوبر آ رہا ہے۔ آپ نے ہماری انجمن میں مقالہ پڑھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ اکتوبر کا پہلا ہفتہ تو یوں ٹھیک نہ ہوگا کہ اس میں زیادہ دن تعطیلوں کے ہیں۔ ۸ سے آگے کی تاریخیں رکھ لیجیے تو بہتر ہوگا۔ خیر طلب

رشید احمد صدیقی

(۱۲)

یونیورسٹی علی گڑھ

۲ جنوری ۱۹۵۵ء

عرشی صاحب محترم۔ تسلیم

سالِ نو کی تہنیت آپ بھی قبول فرمائیں۔ آپ کو جب کبھی سہولت میسر ہو علی گڑھ تشریف لائیے۔ آپ کے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہے وہ پورا کیا جائے گا، ذرا دو ایک دن پہلے اطلاع دیجئے گا تاکہ شائقین کو بروقت اطلاع دی جاسکے۔

اطبا نے مجھے بھی زیادہ محنت کرنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے میں بھی احتیاط کرنے لگا ہوں۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے خاکسار

رشید احمد صدیقی

بنام طاہر فاروقی

(۱)

ALI GARH

15. 5. 45. فاروقی صاحب، سلام مسنون، گرامی نامہ صادر ہوا

آپ اتنے اچھے آدمی ہوتے ہوئے بھی دیوتاؤں کے نظر سے اب تک کیونکر اوجھل رہے جو ایسے آدمی کو دنیا میں زیادہ دن جینے نہیں دیتے:

آپ نے اس مثنوی کے سلسلے میں میری جتنی "خدمت" فرمائی ہے اس سے مجھے خیال پیدا ہوا لیکن ذرا دیر بعد میں، کہ آخر کاپیاں جانچنے کا کام بھی آپ نے اپنے ذمہ کیوں نہ لے لیا۔

آئیے میں ایک گر بھی آپ کو بتا دوں۔ دستخط کرنے کا اصول یہ ہے کہ اگر دستخط کرنے والا انکار نہ کرے تو خواہ کوئی دستخط کرلے۔ دستخط اسی کے سمجھے جائیں گے۔ اس لیے اگر فریق ثانی پر بھروسہ ہو تو اس طرف سے بلا تکلف دستخط کر دینا چاہیے۔ میں نے ہمیشہ ایسا کیا اور کبھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ البتہ میں آپ کو ایک بات یہ بھی بتا دوں، کہ اس کا امکان ہے کہ میں خود اپنے ہاتھ سے دستخط کرکے مکر جاؤں:

یہ آپ علی گڑھ آکر کیا پڑھتے؟ کیا کوئی پروگرام زیرِ نظر ہے۔ میں تعطیلات ——— میں یہیں رہوں گا۔ سرور صاحب رام پور میں۔ فریدی

صاحب کو خدا جلد سے جلد صحت یاب کرے اور آپ کو اطمینان کلی نصیب ہو، آمین۔ میری طرف سے مزاج پرسی فرما دیجئے گا۔ بیوی بچے سب بخیر ہیں اور آپ کے لیے دعاگو۔

رشید احمد

(۲)

صدر دفتر

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل

942/3/46

علی گڑھ، مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء

مجی طاہر صاحب، آداب

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبہ تصنیف وتالیف (اردو) کے مقامی سیکرٹری کا قرعہ فال آپ کے نام نکلا ہے۔ یہ کام آپ کو کرنا ہے۔ اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ سب سے اہم کام آپ کے سپرد یہ ہوگا کہ آپ اس جلسے کے لیے گراں قدر اور مستند مقالے لکھائیں جو اجلاس میں پڑھے جائیں گے اور بعد میں شائع کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں۔ ۹ راکتوبر کو چھ بجے شام یہاں آجائیے تو شعبہ کے پروگرام کا آپ کو علم ہو جائے گا۔ بقیہ زبانی۔

آپ کا

رشید صدیقی

بنام ظہیر احمد صاحب صدیقی بدایونی

یونیورسٹی علی گڑھ ۱۱ر دسمبر ۵۶ء

ظہیر صاحب مکرم، سلام مسنون

والا نامہ کئی دن ہوئے صادر ہوا تھا۔ گھر پر ملنے سے کہیں بہتر ہے کہ اطمینان سے ڈیپارٹمنٹ میں مل لیا جائے۔ آپ علی گڑھ آئے تھے تو ڈیپارٹمنٹ کیوں نہ چلے آئے، وہاں سب سے ملاقات ہو جاتی بہرحال مجھے ندامت ہے کہ آپ گھر پر تشریف لائے اور میں مل نہ سکا۔ آپ کا ارادہ بہت اچھا ہے کہ آپ فی الحال فارسی میں ایم اے کر لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اردو میں پی ایچ ڈی کا اہتمام کریں گے کیا ان دنوں اردو میں P. H. D لیے رکھنے کے سبب سے آپ کو کوئی رقم بطور فیس کے ادا کرنی پڑتی ہے، ایسا ہے تو ضرور نام خارج کرا لیجئے۔ خواہ مخواہ کی زیرباری کیوں ہو۔ تحقیقات کا موضوع بدل دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ بہرحال مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ اگر کرسمس کی تعطیل میں علی گڑھ آنا ہو تو اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہو جائے گی۔

آپ کی دونوں کتابیں گلزار نسیم اور مطالعہ حالی موصول ہوئی تھیں۔ آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے اس سے طلبا فائدہ اٹھائیں گے مجھے تو پسند آئیں۔

خیر کا طالب

رشید احمد صدیقی

ڈاکٹر محمد زبیر صدّیقی

—— (۱) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدّین احمد آرزو

مکرمی آرزو صاحب !

سلام مسنون ۔ ' نوادر الحجری ' کے متعلق تفصیلیں دریافت کی تھیں اون سے آپ نے مطلع نہ کیا ۔ ممکن ہے کہ فرصت نہ ملی ہو ۔
دو دن ہوئے مسلم یونیورسٹی گزٹ کا ایک پرچہ ملا جس میں آپ کی خدمات سراہی گئی ہیں اور مخطوطات کتب خانہ کے متعلق آپ کی سعی کا تھوڑا
تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ۔ یہ سب پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی ۔ آپ ان امور کے متعلق میری طرف سے مخلصانہ تہنیت قبول کریں ۔
معلوم نہیں مخطوطات کی فہرست شائع ہوئی ہے یا نہیں ۔ اگر شائع ہوئی ہو تو مطلع کیجئے ۔ اگر آپ کے کتب خانہ میں کوئی تحریر کسی
مستند کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دسویں صدی سے قبل کی تو لکھیے ۔ مرہونِ منت ہوں گا ۔ والسلام !

زبیر صدیقی ۔ کلکتہ ۵ رمئی ۱۹۵۲ء

—— (۲) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدّین احمد آرزو

مکرمی ڈاکٹر آرزو صاحب !

سلام مسنون ۔ کل آپ کا لفافہ ملا ۔ اوس سے خیریت اور حالت معلوم ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کا لطیفہ بہت ہی دلچسپ ہے ۔ میرے
تو وہ شاگرد ہیں اور ہونہار شاگرد ، نیتین میں کبھی کبھی اون کی گفتگو اور طریقۂ کار سے لطف اُٹھا لیا کرتا ہوں ۔
ردو نمروالوں نے آپ کے متعلق مجھ سے اب تک کوئی بات دریافت نہیں کی ہے اور میرا خیال ہے کہ جب پروفیسر کرنکاؤ (کیمبرج)
اور ڈاکٹر ذاکر صاحب نے آپ کے متعلق خاص طور پر لکھا ہے تو غالباً یہ لوگ اب کسی اور شخص سے مزید تفتیش نہ کریں گے ۔
ترکی میں مجھے بہت سارے مخطوطات کے دیکھنے کا موقع نہ ملا ، وقت کم تھا اور دیوانِ حافظ کے نسخوں کے دیکھنے میں اتنا مشغول رہا
کہ کسی اور کتاب کے دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا لہذا اس امر کے متعلق میں کوئی خاص خدمت نہیں کرسکتا ، ان جگہوں میں فلم لینے کا نظم تو ہے لیکن نقل
کرنے میں دقتیں ہوں گی ۔
کیمبرج میں داخلہ میں ہمیشہ دقت رہی ہے اور اب بھی ہے ۔ اس کا نظم وقت سے بہت قبل کرنا پڑتا ہے لیکن اُمید ہے کہ آپ
کو اس میں بہت دقت نہ ہوگی ۔ بہرحال جب آپ اس کے متعلق طے کرلیں تو مجھے لکھیں ۔ ممکن ہے کہ اس کے متعلق میں آپ کی کچھ

خدمت کر سکوں اُمید ہے کہ آپ بہ خیریت ہوں گے اور دُعا ہے کہ آپ ہر طرح کامیاب ہوں۔ والسلام!

زبیر صدیقی۔ کلکتہ —— ۲۵ جون ۱۹۵۳ء

—— (۳) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محبی ڈاکٹر آرزو صاحب!

سلام مسنون۔ آپ کا دُوسری فروری کا خط مجھے ۶ فروری کو بعد مغرب ملا پڑھ کر آپکے کامیاب سفر کا حال سُن کر بہت مسرت
ہوئی۔ آپ کا موضوع تو بہت دلچسپ ہے۔ ظاہر ہے کہ دلچسپ موضوع پر آپ جو کتاب لکھیں گے وہ نہایت دلچسپ ہوگی۔
اگر زندہ رہا تو انشاء اللہ آپ کی کتاب شوق سے پڑھوں گا۔

آپ نے اپنے رسم داخلہ کا ذکر کیا ہے۔ آکسفورڈ کے سارے رسوم اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ بہرحال مبارک ہو۔ اب تک آپ صرف
ٹھیک ہی تھے اب آکسن بھی ہو گئے۔

آپ کُتب خانوں کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں آپ کی نظر کسی سنسکرت ویدک کی کتاب کے عربی ترجمہ پر پڑے تو
اوس کے متعلق فوراً اطلاع کیجیے۔ مجھے ان عربی تراجم کی بہت ضرورت ہے۔

ڈاکٹر نظام الدین صاحب نہ صرف دلچسپ بلکہ نہایت علمی اور محنتی آدمی ہیں۔ بیچارے نے اپنی محنت اور عقل سے دائرہ کو فنا ہونے
سے بچا لیا اور امید ہے کہ وہ آئندہ بھی کامیاب رہیں گے، جوامع الحکایات سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔

ہاں میرے پاس دیوانِ حافظ، دیوان جلال عضد اور دیوانِ کمال خجند کا ایک مجموعہ ۸۲۴ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ یہ نسخہ ان دواوین
کے قدیم ترین نسخوں میں سے ہے اور خوش خط ہے۔ اگر اس نسخہ کا عکس طبع ہو جاتا تو اچھا ہوتا۔ مقدمہ وغیرہ میں خود لکھنا چاہتا ہوں۔ آنجہ
پروفیسر گب سے اس کے متعلق دریافت کر کے لکھیں تو مرہونِ منت ہوں گا۔ مسعود حسن صاحب کے متعلق اب تک کچھ سننے میں نہیں آیا۔
پرویز شاہدی صاحب سے غالباً آج ملاقات ہوگی تو آپ کا پیام پہنچا دوں گا۔

عطا کریم برق میرے پُرانے شاگرد ہیں۔ ساڑھے چار سال ایران میں رہے ہیں اور ایک ماہ ہوا کہ ہمارے ہاں لکچرر مقرر ہوئے ہیں
عربی بالکل نہیں جانتے ہیں لیکن فارسی کا مطالعہ کیا ہے۔ اون کے بنگالی اور پشتو ادب کے علم کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔ ایران
سوسائٹی جو کلکتہ میں ہے اوس کے رُکن تو ضرور ہیں۔

کبھی کبھی حالات سے آگاہ کیا کیجیے۔ والدعا!

دُعاگو: زبیر صدیقی —— ۷ فروری ۱۹۵۴ء کلکتہ

(۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محبی و مکرمی جناب آرزو صاحب دامت الطافکم!

سلام مسنون۔ آپ کے دو خطوط، ایک پانچ نومبر ۵۴ء کا اور دُوسرا ۹ دسمبر ۵۴ء، مجھے وقت پر مل گئے تھے۔ لیکن جب یہ خطوط

مجھے اس وقت جواب دینا تو بڑی بات ہے میں اس قابل بھی نہ تھا کہ انہیں خود پڑھ سکوں۔ ایک آنکھ بنوائی تھی اور تنگ ہوم میں پڑا ہوا تھا۔ واپس آنے کے بعد بھی عرصہ تک لکھنے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاط کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ اب بھی لکھنا پڑھنا کم ہی ہوتا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ آنکھ اچھی بن گئی ہے۔ روشنی بہت اچھی آئی ہے۔ پڑھنے لکھنے میں کسی طرح کی دقت نہیں ہے۔ لہٰذا الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ!

کل میں سوسائٹی گیا اور میں نے دیوانِ صنوبری کا نسخہ بھی دیکھا۔ لیکن اس نسخہ میں صرف ردیف الرأ سے ردیف القاف تک کی نظمیں ہیں۔ نہ تو اس کے قبل کی ہیں نہ بعد کی، اور آپ نے جس قصیدہ کے بارے میں لکھا ہے وہ نونیہ ہے اس لیے وہ اس میں موجود نہیں میں نے اس کو اچھی طرح تلاش کیا ہے۔

سوسائٹی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ دن ہوئے معصومی صاحب اس کا مطالعہ کر رہے تھے۔ غالباً آپ نے اُن کو لکھا ہوگا اور وہ آپ ہی کے قصیدے کی تلاش میں تھے۔

آپ کے دُوسرے استفسارات کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا۔ مجبوری ہے لیکن اُن کے متعلق جستجو اور تلاش کی کوشش آئندہ ہفتہ میں کروں گا اور اس کے بعد جواب بھی دوں گا۔

آپ کا کام تو بہت اہم ہے۔ میری دلی دُعا ہے کہ یہ کام حسب خواہ طریقہ سے انجام پا جائے۔ آپ کی نظر سے اگر کسی سنسکرت طبی کتاب کا عربی ترجمہ گزرا ہو تو اس سے مطلع کیجیے۔

صابر صاحب بھی تو اب آپ ہی کی یونیورسٹی اوکسفورڈ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ملاقات ہو تو میری دعائیں پہنچا دیجیے اور اُن کی خیریت سے مطلع کیجیے۔ اور ان کا موضوع کیا ہے؟ اس سے بھی مطلع کیجیے۔ والدعا!

دُعاگو: محمد زبیر صدیقی کلکتہ ——— ۹ جنوری ۱۹۵۵ء

رنگ ترنگ
مورے سنگ

حمید احمد خاں

—(۱)—

بنام طاہر فاروقی صاحب

مکرمی و محترمی آغا صاحب! السلام علیکم۔

آپ کے ساتھ نصیر الدین صاحب ہمایوں (مہتمم قومی کتب خانہ لاہور) کے توسط سے تعارف تو ہو چکا ہے، اب میں براہِ راست یہ نیاز نامہ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ہمایوں صاحب نے چند روز ہوئے کہ آپ کا ایک خط مجھے دکھایا جس کے بعد میں نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے آگرے آنے کی تفصیلات آپ کی خدمت میں عرض کر دوں۔

ہمایوں صاحب نے آپ کو یہ تو لکھ دیا ہوگا کہ میں غالب پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کے لیے مواد فراہم کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں دہلی، آگرہ، رام پور، بھوپال، حیدر آباد، کلکتے وغیرہ کا دورہ اس تعطیل گرما میں کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے موجودہ پروگرام کے لحاظ سے میں شاید اگست کے آخر میں آگرے پہنچ سکوں گا کیونکہ دہلی سے رام پور، لکھنؤ، بنارس، بانکی پور اور کلکتے کی طرف نکل جانے کا ارادہ ہے۔ کلکتے سے حیدر آباد جاؤں گا اور وہاں سے واپس لاہور آتا ہوا بھوپال اور آگرے ٹھیروں گا۔ تاہم اس پروگرام میں تبدیلی کا امکان بھی ہے۔ اس لیے اگر یہ معلوم ہو سکے کہ آپ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے مجھے آگرے کے کون سے اسٹیشن پر اترنا چاہیے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔

میں کل شام دہلی کو روانہ ہو رہا ہوں لیکن اگر آپ اپنا جواب مندرجہ بالا پتے سے مجھے بھیجیں گے تو جہاں بھی میں ہوں گا مجھے پہنچا دیا جائے گا۔ کالج کے پتے سے خط نہ لکھیے۔

میرا دیر سے آگرے آنا ایک لحاظ سے اچھا بھی ہے۔ آپ اس وقت تک یقیناً اقبال نامے سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ میں آپ کی تضییع اوقات کا مرتکب تو بہر صورت میں ہوں گا لیکن اگست میں یہ تسلی تو ہو گی کہ نسبتاً فارغ اوقات میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔

مخلص: حمید احمد خاں لکچرار اسلامیہ کالج۔ لاہور، کرم آباد (پنجاب) ۱۰ر جولائی ۴۸ء

—(۲)—

بنام طاہر فاروقی صاحب

مکرمی و محترمی۔ السلام علیکم! آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۲ر جولائی مجھے ذرا دیر سے ملا۔ جس دن آپ نے لکھے

سپردِ قلم فرمایا اس سے ایک دن قبل میں دہلی روانہ ہو چکا تھا۔

روانگی سے پہلے میں احسن صاحب سے ملا تھا اور ان سے کہہ آیا تھا کہ جس حد تک "سیرتِ اقبال" کے مقدمے کا تعلق ہے، کتاب کے مضامین میں سے جو کچھ مجھے دیکھنا تھا دیکھ چکا۔ اس لحاظ سے امید ہے کہ کتاب کی طباعت و اشاعت میں میری وجہ سے تعویق نہ ہو گی۔

افسوس ہے کہ میں ابھی تک مقدمہ ترتیب نہیں دے سکا اور سچ پوچھیے تو مقدمہ محض تین چار صفحے کی ایک تقریب ہو گی۔ (ہمایوں صاحب نے اسی قدر لکھنے کے لیے مجھ سے فرمائش کی ہے) انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جو کچھ مجھے لکھنا ہے اگست کے پہلے ہفتے تک انھیں لکھ کے بھیج دوں۔ سو امید ہے کہ میں اپنے تین چار صفحے آیندہ دس روز کے اندر اندر انھیں بھیج دوں گا۔ اس تقریب میں ابتداءً اقبال کی چند اہم خصوصیات (بحیثیت شاعر و انسان) کی طرف اشارہ کروں گا۔ اس کے بعد اس تصنیف کے چند محاسن اور امتیازات کی شرح کروں گا جس کے ضمن میں چند سطریں آپ کے بعض افکار کے ساتھ اپنے ذاتی اختلاف کے متعلق قلم بند کروں گا۔ جن تفصیلات کے متعلق آپ اپنے گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں ان کو یقیناً بالوضاحت تحریر کر دوں گا۔ بس اسی پر میرا مقدمہ تقریب دیباچہ، جو کچھ اسے کہیے ختم ہو جائے گا۔ دیباچوں کا انداز عام طور پہ تعریفی ہوتا ہے اور یہی کیفیت آپ کو یہاں نظر آئے گی لیکن دستور یا رواج کی پابندی کے لیے نہیں بلکہ ایک امر واقعی کے اظہار کے طور پر۔ مجھے حقیقتاً آپ کی کتاب کے مطالب بہت پسند آئے اور اس پر آپ کا انداز بیان سبحان اللہ!

مسٹر ایف کے۔ خان دُرّانی کے ارشادات کے متعلق مجھے آپ کی رائے سے کامل اتفاق ہے۔ لاہور میں مجھ سے بھی آپ کی کتاب کے ایک حصے کے متعلق وہ بہت گرم بحث کر چکے ہیں اور افسوس ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو قائل نہ کر سکا۔

میں اس مہینے کے آخر میں براہ علی گڑھ و رام پور عازم لکھنؤ ہوں گا۔ آیندہ دس روز میں میرا قیام خاص دہلی میں نہیں رہے گا بلکہ لوہارو، الور، فیروز پور جھرکا اور سکندر آباد میں دو دو ایک ایک دن بسر کرنے کا خیال ہے۔

آپ نے جو تفصیلات اپنے دولت خانے کے متعلق خط میں درج فرمائیں ان کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ میں آگرے پہنچنے سے قبل انشاء اللہ آپ کو اطلاع دوں گا۔ اس لحاظ سے میرا دوسرا نیاز نامہ آپ کو ستمبر کے آغاز میں ملے گا۔

مخلص: حمید احمد خاں، دہلی۔ ۲۱ر جولائی ۳۸ء

——(۲)——

بنام طاہر فاروقی صاحب

مخدوم و مکرم بندہ زاد لطفکم

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۲۵ر جولائی مجھے بہت دیر سے ملا اس لیے کہ گزشتہ دو ہفتے سے میرا ڈاک کا پتا تقریباً ہر تیسرے چوتھے دن بدلتا رہا۔ اختلافی نکات کی نوعیت یا اہمیت اگر ایسی ہوتی کہ تبادلۂ خیال ضروری ہوتا تو میں یقیناً

خود اس بارے میں آپ کو لکھ چکا ہوتا۔ میں نے سرسری طور پر (ایک سطر میں) آپ سے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے یعنی بیدل کے دلدادہ ذوق سکون ہونے کے متعلق آپ کے رائے سے اور اقبال کے شاعرانہ ارتقا کی درجہ بندی سے۔ اتنی بڑی کتاب میں کہیں نہ کہیں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے اور اگر مقدمہ نگار اس کا اظہار نہ کرے تو بالعموم لوگ اس قسم کے مقدمے کو "دوست نوازی" اور "اشتہار بازی" کا نام دے کر پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دیتے ہیں۔ جیسا میں نے اُوپر لکھا اس اختلاف کی طرف صرف ایک مختصر جملے میں اشارہ کیا گیا ہے جس سے آپ کی تصنیف کے لیے میرے حقیقی اور مخلصانہ جذبۂ تحسین اور اس کے اظہار میں مطلق خلل نہیں آتا بلکہ میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ اگر اس اختلاف کو مقدمے میں قائم رہنے دیا جائے تو بہتر و انسب ہے۔

میں نے مقدمہ احسن صاحب کو بھیج دیا ہے۔ اگر آپ ضروری خیال فرمائیں تو ان سے منگوا کر ایک نظر دیکھ لیجیے اب انشاء اللہ اس مہینے کے آخر میں حیدرآباد پہنچ کر آگرے آنے کے متعلق آپ کو کوئی نیازنامہ لکھوں گا۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام۔

مخلص: حمید احمد خاں، بریلی ۹، اگست ۳۸ء

—— (۴) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مشفق و محترمی۔

السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ آپ نے میری خاموشی کی شکایت کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں یہاں وقت گزر رہا ہے کام کی وسعت اور اپنی استطاعت کے حدود زیادہ سے زیادہ واضح ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مطالعہ و تحریر کا انہماک ہی نسبت سے تیز تر ہو گیا ہے۔ میرے جن مطبوعہ خطوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ تمام جنوری سے پہلے (یا جنوری تک) کے آثار ہیں۔ اب خط و کتابت سے کنارہ کش ہو کر صبح و شام اپنے مضمون کی تحقیق میں لگا ہوا ہوں۔ میری اس دُنیا میں نہ انوار رہے نہ ایثار۔ آپ کے نوازش نامے کے جواب میں تھوڑی سی تاخیر اسی لیے ہوئی کہ آپ کو خط ذرا تسلی اور تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا جو آج ہی میسر ہوئی۔

مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کیمبرج آنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ یہ نہایت مبارک خیال ہے اور امید ہے کہ آپ اسے عملی صورت دے سکیں گے۔

۱۔ عربی کے بیسے پروفیسر آربری ہی یہاں بڑی شخصیت ہیں۔ فاضل آدمی ہیں۔ متانت اور انکسار ان کی سیرت میں خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ مسٹر وکنز ہیں۔ میں نے ان کی بھی تعریف سنی ہے۔ پروفیسر آربری نے میرے ان سے ملنے کا انتظام بھی کیا لیکن افسوس ہے کہ مجھے ابھی تک فرصت نہیں ملی کہ ان کے پاس جاتا اور بہرہ اندوز ہوتا۔ مجھے اپنے مسودے کو وسط جون تک ایک خاص صورت دینی لازم ہے اس لیے فی الحال ہر قسم کی "فالتو" دلچسپی

سے قطع نظر کر رہا ہوں)

۲. Modern Arabic Literature بطور موضوع تحقیق کے شاید بمشکل منظور ہو سکے۔ اعتراض غالباً یہ ہوگا کہ اس موضوع کی عمومیت کو تحدید کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے لیے "سولھویں اور سترھویں صدی کی انگریزی شاعری میں مذہبی شعور کا ارتقا" تجویز کیا تھا۔ میری اس تجویز پر بعینہٖ یہی اعتراض ہوا تھا جو عرض کر رہا ہوں۔ داؤد رہبر نے Ethical Doctrine in the Quran and early Muhammadan tradition پر پی۔ ایچ۔ ڈی لی ہے اور عنقریب پاکستان روانہ ہونے والے ہیں آپ بھی اپنے لیے کچھ اسی قسم کا محدود و محصور مضمون انتخاب فرمائیے۔ نمونے کے لیے دو چار منظور شدہ موضوعات یہاں لکھے دیتا ہوں :

(1) An edition of the Ahkam-al-Mar'a fil Islam with a general consideration of the legal position of women in Muslim Society.

(2) An edition of the "Kitab-al-Luma" of Al-Ash'ari.

(3) Studies on Mqrizi.

(4) An assessment of Ibn Al-Azrak's work. (A new edition & translation with commentary of the"

۳. مناسب یہ ہوگا کہ مضمون کا فیصلہ کرنے کے بعد آپ علی گڑھ سے روانہ ہوں۔ مضمون ایسا انتخاب کیجیے جس پر آپ کم از کم ایک برس علی گڑھ میں کام کر چکے ہوں بصورتِ دیگر کیمبرج یونیورسٹی آپ کو ایک سال کے قیام سے مستثنیٰ نہیں کرے گی۔

(ب)۔ ایچ۔ ڈی کے لیے سہ سالہ مدت قیام ضروری ہے۔ دو سال میں صرف ان لوگوں کو ڈگری لینے کی اجازت ملتی ہے جو کم از کم سال بھر کی ریسرچ (قبل از ورود کیمبرج) کا ثبوت پیش کر سکیں۔ اس بارے میں بہت احتیاط کیجیے تاکہ یہاں پہنچنے کے بعد پریشانی نہ ہو۔

۴. ریسرچ میں چونکہ کام آپ کو خود کرنا ہے اس لیے جس Term کے آغاز میں آپ آکر داخل ہو جائیں ٹھیک ہے Michaebuas Term اکتوبر کے پہلے ہفتے میں اور Lent Term جنوری کے پہلے ہفتے میں شروع ہوتی ہے۔ Term شروع ہونے کے بعد جلد ہی پہنچ جانا چاہیے۔ اگر دو ہفتے سے زیادہ کی دیر ہو جائے (مجھے صحیح مدت کا اس وقت خیال نہیں) تو وہ Term حاضری کے شمار میں نہیں آتی۔ [حاضری ضروری ہے۔]

۵. کیمبرج کے مختلف کالجوں میں بلحاظ اخراجات کسی قدر تفاوت ہے۔ فٹز ویلیم ہاؤس سب میں سستا ہے۔ کفایت شعار

آدمی ۴۰۰ پونڈ سالانہ میں کام چلا سکتا ہے مگر مناسب یہ ہے کہ انسان کچھ زیادہ رقم کا انتظام کر کے آئے۔

۶۔ پروفیسر آربری سے خط و کتابت کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی لیکن آپکے داخلہ کی باقاعدہ درخواست ہندوستانی ہائی کمشنر متعینہ لندن کے توسط سے آنی چاہیے (دونوں طرف بیک وقت سلسلۂ جنبانی بھی کی جاسکتی ہے)

۷۔ برٹش کونسل نئی دہلی سے آپ کو ایک رسالہ بنام British ... مل جائے گا۔ احتیاطاً اس کا مطالعہ بھی کر لیجیے۔

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ "احوالِ غالب" ضرور بھیج دیجیے گا۔ والسلام۔

مخلص: حمید احمد خاں، کیمبرج۔ ۲۵ر مئی ۵۴ء

معاف فرمائیے یہ خط کل شروع کیا تھا مگر تمام آج ۲۶ر مئی کو ہو سکا۔ اس غریب الوطنی کی مصروفیت نے وقت کا استعمال کچھ عجب بے ڈھب کر دیا ہے۔ مخلص حمید احمد خاں

(۵)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محب مکرم۔

اھلاً و سھلاً و مرحباً۔ سو آپ پہنچ گئے۔ دل خوش ہوا۔ اگر آپ کیمبرج آتے تو کچھ زیادہ خوشی ہوتی لیکن آپ کا آجانا بہرحال مبارک ہے۔

جس وحشت کے احساس سے آپ آج کل دوچار ہیں وہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں غریب الوطنی کے ابتدائی دور کا لازمہ ہے۔ میں نے پچھلے سال تین چار ہفتے اسی پریشانی میں گنوائے۔ آپ اس بے اطمینانی پر فوراً غالب آنے کی کوشش کیجیے۔ کیونکہ یہاں کے محدود قیام کا ایک ایک دن کام میں صرف ہونا چاہیے۔ اس ملک میں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ چھ شلنگ میں ایک وقت کا کھانا! یہ نوابی ٹھاٹھ انگلستان میں مشکل سے نبھتا ہے۔ اگر آپ بوڈلین میں کھانا نہیں کھاتے ہیں تو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کے ممبر بن جائیے۔ کیمبرج کی وائی۔ ایم۔ سی۔ اے سوا دو شلنگ میں خاصا اچھا لنچ دیدیتی ہے۔ آکسفرڈ میں بھی یہ صورت ضرور ممکن ہوگی۔

اپنے "مختصر" کمرے سے ہرگز نہ گھبرائیے۔ اس سرد ملک میں کمرہ جتنا مختصر ہو اسی نسبت سے قابلِ قدر ہوتا ہے۔ بڑے کمرے میں رہنا گویا کرۂ زمہریر میں رہنا ہے۔ نیچی چھت اور چھوٹا کمرہ یہ تو قسمت کی رسائی کی دلیل ہے۔

میں نے ۲۴ر اکتوبر کو ایک خط علی گڑھ کے پتے سے آپ کو بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ آپ کو نہیں ملا

میں شب و روز کام میں منہمک ہوں۔ ابھی مقالے کا ایک نصف بھی تکمیل کو نہیں پہنچا اور ارادہ یہ ہے کہ جون ۵۴ء میں کیمبرج کو الوداع کہوں۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

مالک رام صاحب کو میں عرصے سے خط نہیں لکھ سکا۔ موجودہ صورتِ حال خط و کتابت کے لیے یوں بھی ناساز گار

ہے۔ لیکن اب ان کا پتا تلاش کرکے مختصر سا خط انھیں ضرور لکھوں گا۔
آپ اب کام شروع کر ہی دیجئے۔ میرے اس مشورے کی صحیح اہمیت آپ پر شاید اگلے سال واضح ہو مگر اس پر ابھی سے عمل کرنے میں یقیناً کوئی نقصان نہیں۔

مخلص : حمید احمد خاں ۔ کیمبرج ۲۷ ، اکتوبر ۵۳ء

—(۶)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محب مکرم

تسلیمات ۔ آپ کے دُوسرے عنایت نامے کا جواب دیر سے لکھ رہا ہوں لیکن عنقریب اس قسم کی کوتاہیاں آپکے لیے بھی معمولاتِ زندگی میں شامل ہو جائیں گی۔ "منجدھار" میں پہنچنے کے بعد اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔
حامد علی خاں صاحب کو بھی سات آٹھ مہینے سے خط نہیں لکھ سکا اور خدا جانے کب کوئی مجبوری وہ نوبت لائے کہ میں انھیں خط لکھوں۔ لہٰذا میں نے یہ بہتر سمجھا کہ الحمرا کا تازہ پرچہ خود ہی آپ کو بھیج دُوں۔ اُمید ہے وصول ہوا ہوگا۔
آپ نے مضمون کی یبوست کا شکوہ کیا ہے۔ ریسرچ شروع ہو جانے پر یہ کیفیت نہیں رہے گی۔ خدا کا نام لے کر شروع کر دیجیے تو صحرائے اعظم میں بھی طراوت کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ تفنن نہیں ، حقیقتِ حال ہے اور آپ کا تجربہ بفضلِ خدا اس کی تصدیق کرے گا
کمرے کی فضا سے تنگ ہونے کا جو فائدہ میں نے بیان کیا تھا اس کی شرح تو یہ موسم اب خود بخود کر رہا ہوگا۔
احوالِ غالب پر اپنی رائے تفصیل سے اپنے پہلے نیاز نامے میں (جو علی گڑھ گیا) لکھ چکا ہوں۔ خدا کرے کہ اب تک پتے کی تبدیلی کے بعد آپ کو مل چکا ہو ۔ آپ کی اس سعیٔ بلیغ کی داد اہلِ نظر ہمیشہ دیتے رہیں گے۔

مخلص : حمید احمد خاں ، کیمبرج ، ۲۰ ، دسمبر ۵۳ء

—(۷)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

برادرم

آپ کا (اور اکرام صاحب کا) "عید کارڈ" دونوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ انگلستانی مسافر کی عید اتنی ہی ہو سکتی ہے، سو ہو گئی۔ یاد آوری کے لیے بے حد شکریہ !
جنوری میں لندن کے مختصر قیام کے بعد میں واپس کیمبرج پہنچا تو زکام میں مبتلا تھا۔ وہ زکام اس پچھلے مہینے میں بھی بدستور جاری ہے۔ بیچ میں ناک کے بند ہو جانے سے میں کئی راتیں سو بھی نہ سکا۔ کام تو اس حالت میں کیا ہوتا البتہ ایک موقع پر میں نے یہ چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے واپس لاہور چلا جاؤں ۔ یہ اپریل کا ذکر ہے۔ بے شمار علاج

کینے مگر افاقہ نصیب نہ ہوا۔ پچھلے مہینے سے حالت کچھ بہتر ہو گئی ہے۔ اب پی۔ ایچ۔ ڈی کا خیال قطعاً ترک کر کے ایم۔ لٹ کے لیے مقالے کا آخری باب لکھ رہا ہوں۔ ریسرچ بورڈ نے اس مطلب کے لیے میری درخواست پر میرے موضوع تحقیق میں اس قسم کی ترمیم کر دی کہ مختصر سا مقالہ پیش کرنا ممکن ہو گیا۔ شاید ۱۵-۲۰ جولائی تک اس کام کو سمیٹ سکوں۔ اس کے بعد (غالباً ۱۵-۲۰ اگست کو) ایک دن کے لیے آکسفرڈ آنے کا خیال کر رہا ہوں۔ اس کے متعلق موقع پہ آپ کو اطلاع دوں گا۔

۲۸ اگست کو میں لورپول سے واپس کراچی روانہ ہو رہا ہوں۔

اُمید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ میں نے اپنی بیماری کا قصہ ذرا تفصیل سے اس لیے بیان کر دیا کہ میری غیر مختتم خاموشی کے باب میں معذرت کا کام دے۔

مخلص: حمید احمد خاں، کیمبرج ۱۱ جون ۵۴ء

—(۸)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محترمی و مخدومی۔

آپ کا ۲۷ جولائی کا عنایت نامہ جب ملا میں فرانس اور اٹلی وغیرہ کا چکر لگانے کے لیے کیمبرج سے جا چکا تھا۔ ۱۲ اگست کو واپس آ کر میں نے آپ کا کارڈ پڑھا اور اکرام صاحب سے آپ کا موجودہ پتا حاصل کیا۔ پچھلے آٹھ دس دن سامان باندھنے میں لگ گئے۔ اب منزل بمنزل لورپول کو جا رہا ہوں وہاں سے ۲۸ اگست کی سہ پہر کو وطن روانہ ہوں گا۔

آپ یہ چند مہینے ہالینڈ ہی میں گزاریں گے اس لیے میں نے سوچا کہ روانگی سے پہلے آپ کو یہ چند سطریں لکھ جاؤں۔ کیمبرج کے آخری دن لوگوں سے رخصت ہونے اور اسی قسم کے دوسرے لوازم پورے کرنے میں اس بری طرح صرف ہو گئے کہ اب دوران سفر میں یہ خط لکھنے کی نوبت آئی۔

ایم لٹ کے لیے میرا "زبانی امتحان" ۱۰ اگست کو ہو گیا تھا۔ نتیجہ مجھے نومبر میں معلوم ہو گا۔ ویسے دونوں ممتحنوں نے مجھ سے میرے کام کی تعریف کی، جزواً بھی اور مجموعاً بھی۔ تاہم جب تک نتیجے کی اطلاع بورڈ کی طرف سے نہ آئے، ہر قسم کی قیاس آرائی کو معلق ہی رکھنا چاہیے۔

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے اور تحقیق کا کام تسلی بخش حد پر چل رہا ہو گا۔ والسلام

خیر طلب: حمید احمد خاں، سینٹ آلبنز (انگلستان) ۲۲ اگست ۵۴ء

ڈاکٹر عابد حسین

—(۱)—

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

مکرمی تسلیم

آپ نے اپنے ۲۰ مارچ کے والا نامہ میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کی کتاب The Intellectual
Background of Urdu Literature ۔ اکتوبر تک تیار ہو جائے گی اور آپ اُس کا ترجمہ ہمیں
اشاعت کے لیے عنایت فرمائیں گے۔ یہ خط یاد دہانی کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اُس کتاب کا
ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کر رہے ہیں یا اصل کے ختم ہونے کے بعد ترجمہ شروع کریں گے۔

اُمید ہے کہ آپ اور سب عزیز خیریت سے ہوں گے۔

مخلص: سید عابد حسین، دہلی - ۱۲ راگست ۴۶ء

—(۲)—

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی

محب محترم تسلیم

آپ کا ۸ رجنوری کا عنایت نامہ پہنچا۔ بڑی خوشی ہے کہ مدتوں بعد آپ کی خیریت معلوم ہوئی۔ جو مضمون آپ نے
رجسٹری سے بھیجا تھا وہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ تعجب ہے یہاں ہم سب جامعہ والے خیریت سے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
کی طبیعت پچھلے دنوں بہت خراب رہی۔ اب خدا کے فضل سے اچھے ہیں۔

زیادہ اشتیاق زیارت۔

مخلص: عابد حسین، جامعہ نگر دہلی، ۱۸ رجنوری ۵۰ء

سعید احمد اکبرآبادی

(۱)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محب مکرم و محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اوکسفورڈ کے لیے تعلیمی وظیفہ ملنے پر میں مبارک باد آپ کو کیا دوں! البتہ وظیفہ دینے والوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس وظیفہ کا استحقاق آپ سے زیادہ کسی اور کو ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ کو وظیفہ پر نہیں بلکہ وظیفہ کو آپ پر فخر ہونا چاہیے کہ آپ کی وجہ سے اس وظیفہ کی قدر و قیمت دوچند ہو گئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ خوش و خرم رکھے۔ مدارج و مراتب میں ترقی ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک ہمہ شعر و موسیقی اور ہمہ تزئین و لطافت ملک سے دانایانِ فرنگ کے فیضِ صحبت و تربیت سے کامران و کامیاب ہونے کے بعد آپ جب اپنے خستہ حال ملک میں واپس آئیں تو اپنے علم و تجربہ اور فہم و بصیرت اور حکمتِ پژوہی و فرزانگی کے ذریعہ قوم میں ذہنی شعور اور دماغی بیداری پیدا کرنے کا وہی کام کریں جو سرسید، شبلی، حالی، اقبال و اکبر نے کیا تھا۔ آپ جیسے دل آگاہ اور دماغ بیدار رکھنے والے نوجوانوں سے آج ملتِ بیضا کی خستہ حالی و درماندگی کا یہی تقاضا اور یہی مطالبہ ہے۔ موجودہ حالات میں اس میں سر کھپانا کہ "غالب جھوٹ بولتے تھے یا نہیں؟" "ملا عبدالصمد واقعی کوئی شخص تھا یا وہ صرف غالب کا فریب خوردہ تخیل کا زائیدہ تھا" "قتیل فریدآبادی تھا یا دہلوی" انگریزی کے مقولہ Nero was fiddling when Rome was in

[illegible] کو یاد دلاتا ہے۔ یا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ جب نپولین کی فوجیں لینن گراڈ کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں تو ٹھیک اسی وقت بڑے بڑے عیسائی پادری اس بات پر مناظرہ کر رہے تھے کہ حضرت یسوع نے مصلوب ہونے کے دن باسی روٹی کھائی تھی یا تازی۔ اسی وجہ سے سچ فرمایا نبی صادق و مصدوق علیہ السلام نے کہ اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔

آپ سے چونکہ دلی تعلق اور محبت ہے اس لیے بربنائے دلسوزی و غم خوارگی یہ چند بول لکھ دیے ہیں، اگر آپ کو ان سے تکدر ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔

فقط۔ والسلام مع الاکرام۔

آپ کا مخلص، سعید احمد، کلکتہ۔ ۲۷ رجولائی ۵۲ء

—(۲)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کرم نامہ پہونچا یاد فرمائی اور بایں کرم گستری کا بصمیم قلب ممنون ہوں۔ اگرچہ آپ سے براہ راست مراسلت نہیں رہی لیکن چونکہ تعلق خاطر اور ارتباط قلب نظر میں ہے اس لیے آپ کی خیر و عافیت اور آپ کے مشاغل کا علم برابر حاصل کرتا رہتا ہوں اور آپ کی ترقیات کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ مگر اب تک یہ علوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس موضوع پر کام کر رہے ہیں اور آپ کا سپروائزر کون ہے؟ اور وہ مشرقی نقطۂ نگاہ سے کس پایہ کا عالم ہے؟ اس کے علاوہ آپ کی یونیورسٹی میں علوم مشرقیہ اور خصوصاً اسلامیات اور عربی کے ساتھ عام دلچسپی کا کیا عالم ہے؟ اگر کبھی فرصت ہو تو لکھیے!

انسائیکلوپیڈیا پر اطلاعی نوٹ کا بہت بہت شکریہ! میں نے برہان کے دفتر میں بھیج دیا ہے۔ ۵ ارماہ حال کو جو پرچہ شائع ہوگا۔ اوس میں وہ آجائے گا اور ایک کاپی میں یہیں سے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ انسائیکلوپیڈیا کے ناشر کے ہاں میرا آرڈر پہلے سے بک کرا دیں کہ جو حصے چھپتے رہیں وہ بلا تاخیر و بلا ناغہ ارسال کرتے رہیں۔ اس صورت کے لیے ان کے پاس کتنی رقم جمع کرنی ہوگی، اور کس طرح اور کہاں؛ یا آپ ان لوگوں سے دریافت کر کے لکھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک تکلیف اور دینی ہے اور وہ یہ کہ مجھ کو کتاب The Arab Heritage جو Edited by Nabih A. Faris New Jersey ‍Princeton University Press میں ۱۹۴۶ء میں چھپی تھی۔ درکار ہے۔ یہاں ہند اور پاک دونوں جگہ اوس کو میں نے تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملی۔ اگر لندن یا کسی اور جگہ ہو تو مطلع فرمائیے اور وہاں سے منگوانے کی جو ترکیب ہو اوس سے بھی؟

اظہار الحق صاحب اور اون کے متعلقین بہمہ وجوہ بخیریت و عافیت ہیں۔

میرے امریکہ جانے کی بالفعل کوئی صورت نہیں ہے اور خدا اچانک کوئی صورت پیدا کر دے تو وہ اوس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ ولیس ذالک علی اللہ العزیز اور کیا عرض کروں۔ و منتظر بالخیر و العافیہ والسلام۔

مخلص: سعید احمد، کلکتہ۔ ۵ فروری ۵۴ء

—(۳)—

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

حبیبی الصدوق الامین المختار! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بے حد شرمندہ ہوں کہ آپ کے عنایت نامہ کا جواب غیر معمولی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ اگرچہ اعذار اس قسم کے ہیں کہ

اگر میں آپ کے سامنے بیان کروں تو آپ ضرور اوس کو در خور اعتنا قرار دیں گے لیکن چونکہ یہ رسم درہ عام ہے اس لیے میں اس کو اختیار نہیں کرنا چاہتا اور بلا کسی عذر تاخیر کے اظہار کے اس غیر معمولی تاخیر پر اظہار افسوس و ندامت کرتا ہوں۔

تعجب ہے کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی جلد اوّل اب تک نہیں پہونچی اور نہ اس سلسلہ میں پبلشر کا کوئی خط ملا۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کتاب مل جائے تو آپکے حسب مشورہ روپیہ پیشگی بھیج دوں۔ بہرحال اگر اوس کو یہ صورت منظور نہیں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب یہ کتاب کلکتہ کی مارکیٹ میں بھی آگئی ہے میں یہاں سے خرید کر لوں گا اور جو جو جلد آتی رہے گی وہ لیتا رہوں گا۔ البتہ The Arab Heritage کا ضرور خیال رکھئے وہ کتاب یہاں نہیں مل رہی ہے۔

مسند عمرؓ کی اشاعت کی خبر سے بڑی خوشی ہوئی۔ یہ کہاں ملے گی؟ آپ نے اس پر ایک مقالہ لکھ کر بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اس کا منتظر ہوں۔ اس کے علاوہ اگر آپ برہان کو اپنا ہی پرچہ سمجھ کر وقتاً فوقتاً یاد فرماتے رہیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔ اب یہاں اس طرح کے خالص علمی اور ٹھوس کام آپ ایسے حضرات کی توجہ اور امداد کے بغیر نہیں چل سکتے ہیں۔

اب تک غالباً آپ کی ریسرچ کا موضوع متعین ہو چکا ہوگا۔ کیسے کیا رہا! لیکن میرے خیال میں اگر آپ بجائے Classical Literature کے Modern کے کسی شعبہ پر کام کرتے تو بہت بہتر ہوتا اور علمی دنیا کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا۔ ورنہ طہٰ حسین۔ محمد حسین ہیکل وغیرہ انہیں جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہٗ اور ابراہیم شوقی وغیرہم سبھی؟ ان پر دو سال تحقیق و ریسرچ کرنے کی ایسی کیا ضرورت ہے؟ مگر غالباً آپ وظیفہ کے شرائط کے ماتحت کسی Modern پر ہی کام کرنے پر مجبور ہیں۔ خیر؟ بہرحال آپکے بقول اس کا فائدہ بھی ضرور ہوگا کہ آپ مصر کے ادبیات جدیدہ کے مبتصر ہو جائیں گے۔ Charles C. Adams کی کتاب کا اب تک پتہ نہیں چل سکا کہ کہاں ملے گی۔ متعدد جگہ دریافت کیا مگر جواب نفی میں ملا۔ خیال میں برابر ہوں۔ مصر جدید پر تو خود عربی میں کافی کتابیں ہیں۔ مصر کے کسی بڑے دار الاشاعت کی فہرست ملاحظہ فرمائیے اوس میں اون کے نام مل جائیں گے۔

آپ نے میرے دوبارہ تقرر پر جو مبارک باد پیش کی ہے اوس کا شکر گزار ہوں مگر حق یہ ہے کہ اب تو یہ چاہتا ہوں کہ آزادی کے ساتھ لکھنے پڑھنے کی فرصت نصیب ہو۔ اس فرصت کے نہ ملنے کی وجہ سے میرے قلب و دماغ پر کیا گزرتی ہے۔ میرے سوا کوئی دوسرا اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

چھٹیوں میں آپ وہیں رہے، یا کہیں گئے بھی تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہمہ وجوہ بخیریت و عافیت رکھے اور بہمہ وجوہ فائز المرام کر کے بخیریت وطن واپس لائے۔ آمین ثم آمین۔ آپ اگرچہ نظروں سے دور اور بہت دور ہیں لیکن یقین کیجیے دل کی دعائیں اور تمنائیں آپکے ساتھ ہیں اور کبھی آپ تنہا نہیں ہیں! اظہار صاحب اور اون کے متعلقین سب بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہیں اور آپ کو

سلام کہتے ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص، سعید احمد، کلکتہ - ۱۹ جون ۶۵۴

—— (۴) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

حبیبی الصمیم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ کا بہت بہت شکریہ! اگرچہ پچھلے دنوں مراسلت بند رہی لیکن بحکم الارواح جنود مجندہ آپ سے روحانی تعلق اور قلبی لگاؤ ہے اس لیے برابر آپ کی خیریت اور حالات و کوائف معلوم کرتا رہا اور آپ کی ترقیات کا حال سن سن کر خوش ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کو اس لائق بنائے کہ آپ اپنے علم و کمال سے اسلام کی زیادہ سے زیادہ گرانقدر خدمات انجام دے سکیں کہ اصل مقصود یہی ہونا چاہیے۔ آپ کے اکتسابات و فتوحات علمیہ سے استفادہ کرنے کی میں بھی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور دوسرے مصنفین مصر جدید کا میں نے بھی کافی مطالعہ کیا ہے اس لیے طبعی طور پر میں ان لوگوں کے بارہ میں آپ کی رائے سننا چاہتا ہوں۔

آپ نے جن کتابوں کے نام لکھے ہیں وہ سب بھجوا دیجیے، مع منہ شکریہ کے۔ ان میں سے کچھ لائبریری کے لیے اور کچھ اپنے لیے خریدوں گا۔ بہر حال قیمت اظہار صاحب کو ادا کر دی جائے گی۔ ان کتابوں کے علاوہ (۱) بغیۃ الآمل فی شرح الکامل للامین (۲) طبقات الشعراء في صدر الاسلام (۳) دیوان المعانی لابن قتیبہ اور نقد الشعر النثر لابن قدامہ بھی دستیاب ہو سکتی ہوں تو وہ بھی بھجوا دیجیے مصر سے منگانے میں تو currency کے اختلاف کی وجہ سے بڑی زحمت ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہے اور یہاں میں نے ... Heritage اور ... The ... کے لیے پہلے لکھا تھا۔ غالباً یہ دونوں کتابیں اب تک ملی نہیں بلیک ویل سے کہیے گا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے ابھی تک صرف جزو اوّل کے دو حصے ملے ہیں حالانکہ روپیہ بہت کافی اون کے پاس پیشگی بھیج دیا گیا ہے اور سنا ہے کہ نمبر ۳ حصہ مارکیٹ میں آبھی تو گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ حصہ انھوں نے دفتر برہان کے پتہ پر دہلی بھیج دیا ہو جہاں سے کہ ان کو روپیہ بھیجا گیا تھا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر بھی افسوس ناک بات ہے۔ کیونکہ میں اون کو صراحتاً لکھ چکا تھا کہ روپیہ دہلی سے پہونچے گا۔ مگر کتاب یہاں میرے پاس آئے گی۔ بہر حال از راہ کرم ذرا اس کی تحقیق کر لیجیے گا۔ آپ غالباً ابھی ایک سال وہاں اور قیام کریں گے۔ مقالہ کب تک مکمل ہو جائے گا۔ مولانا حفظ الرحمٰن پر میرا مضمون کلکتہ کے آزاد ہند کے ایک خاص نمبر کے لیے لکھا گیا تھا اوسی میں چھپا پھر اوس سے پاکستان اور ہندوستان کے بیسیوں اخبارات نے اوس کو نقل کیا۔ یہ مضمون برہان کے لائق نہیں تھا۔ اس لیے نہ اوس کے لیے لکھا گیا اور نہ اوس میں نقل ہوا۔

اظہار صاحب، نور آمین کی وجہ سے چند ماہ بہت پریشان رہے مگر اب بخیریت ہیں اگرچہ پریشانی چلی جاتی ہے

ڈاکٹر ذاکر حسین

—— (۱) ——

بنام ڈاکٹر سید عبداللہ

محب مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

نوازش نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ یہ 'شاگردی' اور 'نیازمندی' کا ذکر آپ نے کیا فرمایا؟ میں تو تھوڑی دیر کو یہ بھی کہ کسی اور کو خط لکھا ہے اور مجھے بھیج دیا! میرے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ آپ مجھے جانتے پہچانتے ہیں اور میرے ساتھیوں کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانے کو تیار رہیں۔ آپ جیسے مخلصوں کی محبت اور توجہ ہی ہمارا سب سے بڑا انعام ہے۔ نذیر صاحب نے ذکر کیا تھا کہ آپ نے ان کی درخواست پر جامعہ کے لیے ایک مضمون تیار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ مضمون ضرور تیار کر دیجیے۔ وہ روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہے۔ فراہمی زر کے سلسلے میں آپ کا خیال درست ہے کہ شاید مجھے خود ہی لاہور حاضر ہونا چاہیے۔ ان شاء اللہ حاضر ہوں گا اور حاضری سے پہلے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ شرم ضرور آتی ہے کہ آؤں تو مانگنے آؤں اور روپیہ مانگنے، اور آپ جیسے لوگوں کو ساتھ گھسیٹوں۔ مگر یہ کام جو اپنی قوتوں کا اندازہ کیے بغیر اپنے سر لے لیا ہے آپ سب کی مدد ہی سے آگے بڑھے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس مدد سے محروم نہ ہوں گا، اور پھر روپیہ ملے نہ ملے، مجھے

آپ کا مخلص: ذاکر حسین، جامعہ نگر، دہلی ۲۴ر اگست ۱۹۴۵ء

—— (۲) ——

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی

محب مخترم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ مجھے پرسوں ملا۔ یعنی ۱۲ اکتوبر کا، یہ کیا کم ہے کہ مل گیا۔ خطوں اور تاروں کے نہ ملنے پر اب تعجب نہیں تھا۔ مسعود! خدا کرے زاہد صاحب کے یہاں ٹھہر کر ۱۰ اکتوبر کو بخیریت روانہ ہو گئے ہوں۔ — اس خط کے لکھنے سے پہلے ٹیلی فون پر دریافت حال کی کوشش کی تو ٹیلی فون بھی کام نہیں کرتا! آج یا کل زاہد صاحب تک پہنچ سکا تو معلوم کر لوں گا۔ یہاں جو کچھ ہوا اس کا ذکر کیا کروں، ایک قیامت گزر گئی۔ بہرحال زندہ ہوں، جیتا ہوں، کمال کر رہا ہوں۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

والسلام۔

مخلص: ذاکر حسین، جامعہ نگر دہلی ۱۴ نومبر ۴۷ء

—— (۳) ——

بنام سید مبارک علی شاہ جیلانی

مکرم بندہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

گرامی نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ امام مہدی شاہ اور صالح دونوں بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ یہاں یوں بھی فی الجملہ خیریت ہے۔ گاندھی جی کے انتقال کے بعد سے دہلی اور نواح دہلی میں فرقہ وارانہ حالات بہت بہتر ہیں۔ لوگوں میں پہلے کے سے میل جول اور سکون کے آثار نمایاں ہیں۔ بچوں کی حفاظت کا انتظام اپنی جان کی حفاظت سے کچھ زیادہ ہی کر دیں کا کم نہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔

خدا کرے آپ سب بخیریت ہوں۔ والسلام

مخلص: ذاکر حسین، جامعہ نگر دہلی ۷ار فروری ۴۸ء

——————

غلام السیّدین

—(۱)—

بنام مولانا تاجور مرحوم نجیب آبادی

مکرمی. تسلیم و نیاز۔

گرامی نامہ ملا۔ آپ کو یہ کیوں خیال ہو گیا کہ میرے پاس کوئی "گرا پڑا" مضمون ہوگا اور اگر ہوتا تو میں شاہکار کے لیے اسے موزوں سمجھتا۔

یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپ اُردو کی ریڈریں لکھ رہے ہیں۔ مروّجہ ریڈریں بالعموم اس قدر ناقابلِ اطمینان ہیں کہ جب کوئی اہل ان کی طرف توجہ کرتا ہے تو خوشی ہوتی ہے لیکن عام طور پر جب تیار ہو جاتی ہیں تو مایوسی ہوتی ہے کیونکہ مقتدر ناموں والے خود محنت نہیں کرتے بلکہ دُوسروں کے سپرد یہ کام کرکے کتاب کو محض اپنے مقدس ناموں کی برکت بخش دیتے ہیں اور بس!

لیکن آپ جو کتابیں خود تیار کر رہے ہیں وہ یقیناً قابلِ توجہ ہوں گی۔ اگر میں ان کے بارے میں کوئی مشورہ دے سکوں تو حاضر ہوں۔

آپ نے والد مرحوم سے تعلق کا ذکر کرکے تجدید اور تاکید مراسم کر دی۔ خدا آپ کو اس ذکر کی جزائے خیر دے۔ شاید ہم لاہور انجمن کے جلسہ میں حاضر ہوں اور اس وقت مُلاقات ہو سکے۔

"گرے پڑے" مضمون کے ضمن میں یاد آیا کہ لاہور ریڈیو سٹیشن سے ایک تقریر کی تھی گزشتہ اتوار کو، لیکن اس کو میں قابلِ اشاعت نہیں سمجھتا۔

خاکسار: غلام السیّدین۔ جموّں۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۳۸ء

—(۲)—

بنام محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ

میری بہت پیاری مصداق۔ دعائیں۔

غالباً اس دفعہ تو میرا ہی پچھلا خط تمہارے ذمے ہے لیکن باوجود اس کے یہ دُوسرا خط لکھ رہا ہوں۔ اس کی ایک وجہ محبت، دُوسری وجہ سستی (کہ کسی اور کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا!) تیسری وجہ یہ کہ تمھیں یہ بتانا کہ کل زندگی کے ۵۰ چکر پورے ہو گئے اور قاعدے کی رُو سے پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ اب خدا اپنی مصلحت سے جتنے سال اور دے یہ اس کی مصلحت ہے۔ اور کیا ہوں بظاہر تو کوئی خاص جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اتنی طویل مدت میں کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑا۔ یہ بربنائے انکسار یا الغول الحزیز

کے ہنسی پکڑنے کے لیے نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ واقعہ یوں ہی ہے۔ چند تقریریں کر لینا یا کتابیں لکھ دینا تو محض لفظوں کے ساتھ کھیلنا ہے۔ اس سے کون سے پہاڑ سر ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ملک کی کم معیاری کا فیض ہے کہ ایسی کتابوں یا تقریروں کو کتابوں اور تقریروں میں شمار کیا جائے . . . . . رہا حقوق کی ادائیگی کا معاملہ سو وہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ اس پر پردہ پڑا رہے تو اچھا ہے۔ باقی اللہ اللہ خیر سلّا۔ کئی سال ہوئے جب 'اپنی یادیں' دہلی ریڈیو سے تقریر کی تھی تو زیادہ اُمید اور اعتماد کا ۵ ۵ ۵ ۱۸ تھا۔ اب تو وہ بھی کمزور ہے۔

تم رامپور سے اب تک دہلی آ گئی ہو گی۔ خدا کرے کہ وہاں کے قیام کا اثر تمہاری اور عابد صاحب کی صحت اور طبیعت پر اچھا پڑا ہو۔ اس دفعہ کے اخبار میں جو آج ہی آیا ہے عابد صاحب کا مقالہ اور اُن کی شاندار نظم پڑھنے میں آئی لیکن 'نئی روشنی' میں بیگم عابد حسین کی روشنی کی خاص کرن شامل نہ تھی۔ تم نے اس قدر ایثار کیونکر کیا؟ . . . . رامپور کا کیا حال ہے؟ باجی کا کئی دن سے کوئی خط نہیں آیا۔ آج انھیں بھی ایک شکایت نامہ لکھا ہے۔ پچھلے خط میں تم نے کچھ اشاریہ انداز میں ذاکر صاحب کے علی گڑھ کے سلسلے کا ذکر کیا تھا۔ اس کی تفصیل معلوم کرنے کا اشتیاق ہے۔ ان کی کس کس سے ملاقات ہوئی اور کیا باتیں ہوئیں۔ علی گڈھ کے جلسے میں کیا ہوا۔ V. C کا انتخاب تو نہیں ہوا۔ یہاں تو اس طرف کی خبریں ملتی نہیں ہیں۔ اس لیے تمہارے یا عابد صاحب کے خط کا خاص انتظار رہتا ہے کہ اسی سے کچھ پتہ چلے گا۔ لہٰذا تعلیمی سیاست کا حال ذرا تفصیل سے لکھو اور اس میں ذاکر صاحب کی صحت کی رپورٹ بھی شامل ہونی چاہیے کیونکہ وہ بھی قومی سیاست کا ایک قیمتی جزو ہے۔

یہاں کے حالات تمھیں عزیز کے خطوں سے معلوم ہی ہوتے رہتے ہیں۔ بمبئی آ کر تو بقول غالب کے ؎

مری تنخواہ میں تہائی کا ہو گیا ہے شریک ساہوکار (یعنی ڈاکٹر)

کچھ نہ کچھ سلسلہ کسی نہ کسی کی بیماری کا چلتا ہی رہتا ہے۔ اب تین چار روز سے ذرا اطمینان ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ عزیز کی سانس کی تکلیف آج کل بہت کم ہے اور پڑوس کا خوف بھی کم ہے۔ (لیکن مکان کو بدلنے کی کوشش اور اس میں تاحال ناکامی جاری ہے) لیکن دوا علاج کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ امن خدا کے فضل سے اچھی ہیں اور بچی کا وزن باقاعدگی اور چیونٹی کی سی رفتار (یعنی ایک اونس روزانہ کے حساب) سے بڑھتا رہتا ہے۔ بچوں کی آج کل چھٹی ہے۔ دو تین روز بعد مہابلیشور جانے کا خیال ہے لیکن ابھی اس کے انتظام کا سہرا سر پر سوار ہے! آج مسز اشفاق معہ اپنے دونوں بچوں کے (جن کی صلاحیت اور عادات سے تم واقف ہو) آئی تھیں۔ وہ تین روز بعد امریکہ جا رہی ہیں۔ ان کا قیام اشفاق کے ایک عزیز کے ساتھ ہے۔ اظہر بخیریت ہیں۔ صحت اچھی ہے، وزن ذرا سا کم ہو گیا ہے!

اچھا اب بہت لکھ چکا ہوں۔ خدا حافظ۔ عابد صاحب کو سلام اور بیگم لودھا کو مزاج پرسی یہ مزاج پرسی ان لفظوں میں کر رہا ہوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی طبیعت کیا خراب رہتی ہے۔ اہل جامعہ کو سلام و دعا۔

رسالے کے لیے کچھ لوگوں کو لگا رکھا ہے۔ شاید کچھ خریدار اور اشتہار مل جائیں۔ دفتر سے کہہ کر نئی روشنی کے چند پرچے مندرجہ ذیل پتے پر نمونے کے لیے بھجوا دو: سید شہاب الدین صاحب دسنوی۔ پرنسپل جامعہ صدیق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ

پالی ہل، بمبئی۔

ہمیشہ تمہارا اپنا بھائی السیدین، بمبئی ۱۷، اکتوبر ۱۹۴۸ء

—(۳)—

بنام ڈاکٹر عابد حسین و صالحہ عابد حسین

میری پیاری بہن اور بھائی۔ دعا و سلام

آپ دونوں کے خط ملے اور انھوں نے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زخم پر مرہم سا رکھ دیا ہو۔ ماضی کی ساری یادوں اور رشتوں کا سلسلہ صرف چچی اماں کے دم سے قائم تھا لیکن اب خدا نے اپنی مصلحت کی بنا پر اسے بھی توڑ دیا۔ وطن چھوٹا، عزیز تتر بتر ہو گئے، مدفون ہو گئے، ان کے دل (بظاہر) بدل گئے۔ زندگی کا سارا نقشہ ہی درہم برہم ہو گیا۔ اس انقلاب میں جو دو چار دوست عزیز رہ گئے ہیں ان کی قدر اور محبت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور ان میں چچی اماں کی ذات ایک لائٹ ہاؤس کی طرح تھی کیونکہ ان کی محبت اور دل کی لگن اسی طرح تھی بلکہ جدائی کی وجہ سے اور زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ بزرگ کی بزرگ تھیں اور دوست کی دوست۔ ایسے محبت اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے چھوٹے ہنسی مذاق تک کر سکتے تھے۔ تمہیں تو شاید یاد نہ ہو (اور ہو سکتا ہے اچھی طرح یاد ہو) کہ انھوں نے اپنی عمر کے آخری دس سال میں اپنی طبیعت اور مزاج کو کس طرح اور کس حد تک بدلا تھا۔ ایک زمانے میں ان کا مزاج بہت مختلف تھا لیکن انھوں نے کوشش کر کے (خاص طور پر چچا ابا کے انتقال کے بعد) اس میں بڑا توازن پیدا کیا، دل کو اتنا وسیع بنایا کہ اس میں اپنوں پرایوں، دوستوں عزیزوں سب کے لیے جگہ ہو گئی، دوسروں کے کام اور خدمت کرنے کے لیے زیادہ آمادگی آ گئی۔ بڑی عمر میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کر سکنا بڑی تعریف کی بات ہے اور ان کی سیرت کی اخلاقی قدر کو بہت بڑھا دیتا ہے۔ خدا ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو توفیق دے کہ ان کی نیکیوں اور شرافت اور محبت کو اپنائیں۔ یہ صدمات ہیں جس قدر [illegible] اور صدمہ ہو کم ہے۔ لیکن جب صبر ممکن نہ ہو تو جبر کرنا پڑتا ہے اور کام کے بوجھ میں غم کی خلش کو دبانا پڑتا ہے۔ باجو بھی کر رہا ہے اس نے اس صدمے کو بہت ہمت سے برداشت کیا ہے اور اس کی وجہ سے (بظاہر) اپنے کام کے معمول میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اور یہی ایک طریقہ ہے جو اس حالت میں کام دے سکتا ہے۔ وہ آج کل کھانا بھی کھاتا ہے — رات کو یہاں سوتا ہے۔ صبح اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ جاتا ہے۔ خالہ اماں کے پاس ہم لوگ گئے تھے اور کل وہ یہاں آئی تھیں۔ ان کی حالت کا اندازہ تم نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ میں نے نجم الحسن کو بتا دیا تھا کہ تم نے باندرہ لکھ کر انھیں خط بھیجا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انھیں مل جائے گا۔ ان کا پتہ Turner Road, Bandra ہے۔

"نئی روشنی" ابھی نہیں ملا۔ شاید آج آ جائے۔ میرا پتہ اس پر ٹھیک کرا دینا اگر ابھی تک پرانا پتہ لکھا جاتا ہو۔ میں نے اس کے لیے ایک قسط اور لکھی ہے (جو گزشتہ ماہ کلکتہ کے اسٹیشن پر چند گھنٹے کی مہلت ملی تھی اس وقت لکھا تھا) ذرا لمبا ہے۔ اسے بھیجوں گا، جتنا مناسب ہو اتنا چھاپ دینا۔

ذاکر صاحب کی کیا خبر ہے۔ رامپور جاؤ تو خیریت سے مطلع کرنا۔ زیدی صاحب کو آج ایک خط لکھا ہے۔ تمہارے خط سے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ میں نے زاہدہ وغیرہ کے متعلق (عابدہ صاحب کو) جو خط لکھا تھا وہ ملا یا نہیں۔ یہاں کم و بیش خیریت ہے۔

معاف کرنا یہ لکھنا بھول گیا کہ میرا دہلی آنا ملتوی ہو گیا تھا۔ اب شاید فروری کے تیسرے ہفتے میں آنا ہو۔

آپ دونوں کا: سیدین۔ بمبئی

جوش ملیح آبادی

بنام تمکین کاظمی

کیوں حضرت! مومنؔ کے کلام پر رائے لینے کا جب موقع آیا تو آپ نے اس شخص کو یاد فرمایا جسے آپ مردہ سمجھ کر دل سے بھلا بیٹھے تھے — میں پوچھتا ہوں آپ نے اب تک کیوں دریافت نہیں فرمایا کہ جوشؔ زندہ ہے یا مرگیا، رہا یہ امر کہ میں نے خط کیوں نہ لکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کس کافر کو آپ کا پتا معلوم تھا۔ اب رہے حیدرآباد کے دوسرے احباب سو ان بے چاروں ہی کو خط لکھنے کی کب توفیق ہوتی ہے۔ اس قدر ہولناک صورت سے مشغول رہتا ہوں کہ خود سے بھی اب گاہے ماہے کی ملاقات رہ گئی ہے۔

آپ مومن خاں کی شاعری کے باب میں میری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں:

غزل گوئی محض ایک رسمی اور غلط چیز ہے مومن کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے اس رسمی اور غلط چیز میں ایک بڑی حد تک رنگینی و دلکشی پیدا کر دی تھی۔

علی اختر کے پتے سے مطلع فرمائیے۔ آپ نہیں دہلی بھی آسکیں گے؟

میں یہاں بہت خوش ہوں، اور مہربان قدرت کے فیوض سے بہرہ مند۔

نیاز مند جوشؔ۔ دہلی ۲۹ جنوری ۳۸ء

(۲)

بنام سید مبارک شاہ صاحب جیلانی محمد آباد بہادر پور

دھول پور۔ ۴ اکتوبر ۳۵ء

کرمی۔ آج پچیس روز کے بعد سفر سے واپس ہوکر آپ کا محبت نامہ ملا۔ یاد آوری اور پرچے کی خریداری کا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ رسالے کا نام بعض احباب کے اصرار پر اب 'کلیم' کر دیا گیا ہے۔ جو نومبر کے پہلے ہفتے میں شائع ہو جائے گا۔

اپنا مفصل احوال کیا لکھوں۔ اس عظیم و نامعلوم قوت کا جو اس عظمت آفریں کارخانۂ عالم کو چلا رہی ہے، ہر حال میں شکر ہی ادا کرنا قرین دانشوری ہے

خدا کرے آپ اس عالم "شر" میں "خیر" سے ہوں۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے "شر" کیا بلا ہے اور "خیر" کسے کہتے ہیں۔

میں آپ کی ہمدردی اور توجہ کا ایک بار اور شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نیاز مند۔ جوشؔ

(۳)

بنام جناب میاں محمد صادق صاحب مسلم ٹاؤن لاہور

ملیح آباد، لکھنؤ - ۴ جون ۱۹۳۹ء

میرے محبوب میاں صاحب، جوڑی بخار کے تواتر اور تسلسل نے میری ہڈیاں تک توڑ ڈالی ہیں، اس پر طرہ گرمی، اور لو، العظمۃ للہ! غلط کیا لکھ رہا ہوں ایک خواب پریشاں دیکھ رہا ہوں، یا یوں سمجھ لیجیے سرسام میں ہذیان بک رہا ہوں -

آپ کا خط اس قدر خطِ شکست میں لکھا گیا ہے کہ میں اسے اچھی طرح پڑھ نہیں سکا ہوں، ذرا بات روک کر لکھیے تو کون سا نقصان ہے -

اپنی مطبوعہ کتابوں کا ایک ایک ایڈیشن مع کتاب جدید، میں رشیدیہ کتب خانے کے ہات فروخت کر چکا ہوں - اب ایک نیا مجموعہ طیار کر رہا ہوں اس کے متعلق ناشروں سے بات چیت کیجیے - اگر اس نئے مجموعے کو میں چھاپ کر دوں گا تو اسے پچاس فی صد نقد قیمت پر فروخت کر دوں گا، اور اگر کوئی ناشر اسے چھاپے گا تو تیس فی صد نقد رائلٹی لے کر ایک ہزار کے ایک ایڈیشن کا اختیار دے دوں گا -

ملیح آباد کے سناٹے، اور خصوصیت کے ساتھ شام کے وقت میرا بری طرح تعاقب کرتے ہیں، کبھی پاس آکر بغل گیر ہو جاتے ہیں اور کبھی دور سے مسکراتے ہیں - میں چاہتا ہوں آپ کو بھول جاؤں، اور اس عذاب فراق سے نجات پاؤں، مگر یہ میرے بس کی بات نہیں - آپ کو تو سیکڑوں جوش مل جائیں گے، مگر مجھے ایک صادق بھی نہیں ملے گا - کیسی شدید بیچارگی ہے -

اگر آپ کسی روز اچانک یہاں آجائیں، تو میں خوشی کے مارے رقص کرنے لگوں - مگر یہ میری قسمت کہاں !

جولائی کے پہلے ہفتے میں ضرور آئیے گا - مدت کے بعد باغوں میں آم کھائیں گے، تالابوں میں نہائیں گے، شاخوں میں جھولا جھولیں گے، رنگین گھٹاؤں کے رنگین سایوں میں ملارگائیں گے، شام کو بادۂ گلگوں کا، آپ کے علی الرغم، دور چلے گا، اور غریب انسان کے حق میں دعائے خیر کی جائے گی -

آپ کا پرستار مرحوم جوشؔ

(۴)

ملیح آباد، لکھنؤ - ۲۱ جون ۱۹۳۹ء

میرے میاں صاحب، اب کسی قدر طبیعت بحال ہے، مگر ناطاقتی ہنوز باقی ہے - جسم تو توانا ہے، مگر دل کمزور ہے -

گرمی کی شدت اب تک ناقابلِ برداشت ہے - آم برائے نام ہیں - گھٹائیں آتی ہیں نہ برسے گذر جاتی ہیں - آئیے اور اچانک آئیے لیکن ایک ہفتے کے واسطے، ——— میں آدم کی اولاد سے نافر ہو چکا ہوں، مجھے انسان کی صورت دیکھ کر غصہ آتا ہے، میں آدمی کو سب سے زیادہ کینہ حیوان، نہیں کینہ درندہ سمجھنے لگا ہوں، مگر اس کے باوصف میرا دل میاں محمد صادق کی طرف کھنچتا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ میاں صادق انسان نہیں، فرشتہ ہیں - لیمپ پہنچے، گھر روشن ہو گیا، خدا آپ کے سینے کو شراب انگوری سے روشن کر دے - آپ کا جوشؔ

(۵)

ملیح آباد، لکھنؤ - ۷ جولائی ۱۹۳۹ء

شفیق، بڑے انتظار کے بعد خط آیا، دل باغ باغ ہو گیا یہ مژدہ سن کر کہ آپ یہاں آنے والے ہیں، جلد تر لکھیے کب تشریف لا

رہے ہیں، دیر نہ کیجیے گا، آتشِ شوق تیز تر ہو چکی ہے۔

میں ہنوز جُوڑی بخار کا سیدِ زبوں ہوں، ایک سوا پانچ تک بخار آتا ہے، کمزوری بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے، اچھا ہے، نہ مرض ہی رہے، نہ مریض، اسس لیے ؎

آنا ہے اگر تو آجاؤ، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

جُوڑی آنے میں آدھ گھنٹہ باقی ہے، جسم کے اندر آثار شروع ہو چلے ہیں، ورنہ ابھی اور بہت کچھ لکھنا تھا۔

آپ کا مرحوم جوشؔ

"چھوٹے دادا" بیچارے بھی سخت بیمار ہیں، اور کہتے ہیں "میاں صاحب میری حالت دیکھ کر رونے لگیں گے"

(۶)

ملیح آباد، لکھنؤ ۲۹/۷/۳۹

میرے شفیق میاں صاحب۔ گرامی نامے کے جواب میں، بوجوہ، کافی تاخیر ہو گئی، معاف فرمائیے گا — "بوجوہ" کی تفصیل نہ پوچھیے، اس لیے کہ اجمال، تفصیل سے بہتر ہوتا ہے۔

احمدیہ فرنیچر کے منیجر نے لکھا ہے کہ سیٹ انھوں نے قسطوں پر نہیں دیا تھا، اور یہ کہ وہ میرے ذمے اس کا کرایہ لگا رہے ہیں، اور پہلی قسط کو انھوں نے اصل میں نہیں کراتے میں محسوب کر لیا ہے — یہ کیا ظلم ہے۔ میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں اقساط پر خرید سکتا ہوں، اور خود کارخانے نے بھی پہلی قسط بے چون و چرا تسلیم کر لی تھی، لیکن اب کہا جا رہا ہے، اس کے بالکل خلاف — مہربانی فرما کر اس مسئلے کو جلد تہ طے کرا کے ملا دیجیے۔

میرے نئے مجموعے کی ضخامت سَو صفحے ہو گی، سائز "شعلہ و شبنم" کے مثل رہے گا، کتاب مجلّد ہو گی اور قیمت عہ رکھی جائے گی۔

کتاب میں خود طبع کراؤں گا اور ۵۰ فیصدی کمیشن کے حساب سے جو کل جلدیں نقد خریدنے پر آمادہ ہو گا، اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ اگر رائے صاحب آمادہ ہوں تو براہِ نوازش معاملہ طے کرا دیجیے۔

اب جُوڑی بخار سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔ لیکن دل کی افسردگی ایک مستقل شے بن کر رہ گئی ہے۔ گھٹائیں آتی ہیں، پانی برستا ہے — اور چڑیاں چہچہاتی ہیں، مگر میرا دل ہے کہ کھلتا ہی نہیں۔ نہیں معلوم اس دل کو کیا ہو گیا ہے۔

آپ بھی تشریف نہیں لاتے، دل اور بھی بجھ کر رہ گیا، سناٹا ہے اور میں ہوں۔ برسات کی یہ رُت بھی بیتی چلی جا رہی ہے، افسوس ؎

اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے :

آپ کا جوشؔ

(۷)

ملیح آباد، لکھنؤ۔ ۲۴/۸/۳۹

اب تو خط سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ اللہ

اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا!

احمد یہ فرنیچر والے سے براہ کرم معاملہ طے کرا دیجئے۔ میں نقد نہیں دے سکتا ہوں۔

(۸)

ملیح آباد، لکھنؤ ۲۲/۱۰ ۳۹

شفیق: میں، اور آپ کے خطوں کا جواب دیر میں دوں، یہ عجیب بات ہے۔ آپ خود اندازہ فرمائیں کہ وہ کیا حالات ہوں گے جن میں آپ کے خطوں کا میں جواب نہ دے سکا ہوں گا۔ آپ کے خطوں میں تساہل کرنا کفر سے بدتر سمجھتا ہوں، مگر حالات اس کفر پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔

اس وقت اس سے زیادہ لکھ نہیں سکتا کہ

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں

آپ کا پرستار جوش

تفصیل سے کہوں، تو کہے جاؤں تابہ حشر
اجمال سے کہوں تو فقط ایک حرف ہے

(۹)

ملیح آباد لکھنؤ ۲۱/۱۱ ۳۹

میرے شفیق دوست، پھر جوڑی بخار میں مبتلا ہو گیا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ وہی کم بخت گلے کی شکایت بھی شروع ہو گئی تھی۔ پرسوں سے افاقہ ہے، لیکن سر میں شدید درد ہے، برابر کھانسی آ رہی ہے، اور پسلیاں پھوڑے کی طرح دکھ رہی ہیں۔

اب آپ کیسے ہیں، کام کر رہے ہیں کہ رخصت پر ہیں۔

میں اپنے متعلق کیا لکھوں میاں صاحب!

مرا حال لکھنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر مل گئے تو زبانی کہوں گا۔ لیکن یہ "اگر مل گئے" کی نوبت کب آئے گی، افسوس کہ اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا — ہم دونوں ایک دوسرے سے ملنے کے آرزومند ہیں۔ بے چینی کے ساتھ آرزومند ہیں، لیکن اس کے باوجود نہیں مل سکتے — میرے مکان کے سامنے سے روز وہ گاڑی گزرتی ہے جو لاہور سے، ملیح آباد ہوتی ہوئی، براہِ راست کلکتے جاتی ہے، اور ہر بار اس کی طرف میری مشتاق آنکھیں اٹھ جاتی ہیں کہ اس میں سے میاں صاحب جھانکتے نظر آ جائیں گے، اور جب وہ گزر جاتی ہے تو دیر تک اس کے دھوئیں کو دیکھتا رہتا ہوں۔

اکثر بیوی سے میں نے کہا آج لاہور کی گاڑی سے میاں صاحب ضرور آ جائیں گے، "شرط بدو"، اور ہر بار ناکام رہا — تھوڑی دیر کی پروردۂ فریب تسلی، اور پھر وہی بے چینی۔ یہ ہے زندگی — آخر زندگی ساز کو اس میں کیا لطف آتا ہے۔ آپ "کریم" " " "رحیم" ہو جائیں کہیں، میں تو اس کے برعکس القاب سے اسے یاد کروں گا۔

نہ بھائی ہماری یہ طاقت نہیں
تجھی سے اٹھیں میر یہ خواریاں

سر کا درد شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے ہیں، اور دل ہے کہ بیٹھا ہی جاتا ہے، کیا کروں، حالات بیمار، ماحول بیمار،

اہل بیت بیمار، حبیب بیمار، جسم بیمار، دل بیمار اور روح بیمار — اور کسی غمگسار کا کوسوں پتا نہیں، جس چہرے کو دیکھتا ہوں، آنکھوں میں سرد مہری کا چپکا لگ جاتا ہے، ایک مدت کے بعد ملتے تھے میاں محمد صادق، سو انھیں بھی بے دردی مشیت نے چھڑا دیا —

آپ کا پرستار جوش

پہلو میں مرے دیدۂ پُرنم ہے، کہ دل؟
معبود! یہ مقیاسِ تپِ غم ہے، کہ دل؟
ہو ذرّہ بھی کچھ، تو بال پڑ جاتا ہے،
یہ شیشۂ ناموسِ دو عالم ہے، کہ دل؟

(۱۰)

ملیح آباد، لکھنؤ ۲۹ $\frac{۱۲}{۱۲}$ سرِشام

میرے غمگسار، اس وقت کمرے میں دوات قلم تو موجود ہے، مگر دوات کی روشنی بہت پھیکی ہے، اور قلم کی زبان گھس چکی ہے، اس لیے پنسل سے لکھ رہا ہوں، معاف فرمائیے گا۔

میرے حالات، حسبِ دستورِ قدیم، جمود و تعطل میں گرفتار ہیں، اور اس وقت تک ایک قرینہ بھی ایسا پیدا نہیں ہوا ہے، جس سے یہ توقع کی جا سکے کہ مستقبل قریب میں اس جمودِ مطلق کے اندر کوئی ادنیٰ سی حرکت بھی پیدا ہو سکے گی۔

میں، بخت و اتفاق کہیے یا لطیفۂ غیبی، ان دونوں میں سے کسی ایک کا بے چینی کے ساتھ منتظر ہوں۔ آنکھیں راہ دیکھتے دیکھتے پتھرا چلی ہیں، مگر کاروانِ امید کی دور سے بھی گرد نظر نہیں آ رہی ہے۔

'کلیم' بند نہیں ہوا ہے، لکھنؤ سے نکل رہا ہے، "نیا ادب" اور "کلیم" کے مشترک نام کے ساتھ، مگر اب میرا اس سے کوئی انتظامی یا کاروباری تعلق باقی نہیں رہا۔

گلا اب اچھا ہے، جوڑی بخار سے بھی فرصت ہے، مگر ——— آپ نے فروری میں صورت دکھانے کا وعدہ کیا ہے، گن گن کر دن گزار رہا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو وقت کی پشت پر اس زور سے چابک لگاتا کہ فروری کا مہینہ صرف دو گھنٹے کے اندر اندر دُنیا میں آ جاتا۔ میں نے آپ کے باب میں جو دو اہی اشعار کہے تھے، روانہ کر رہا ہوں۔

میرے تمام اہل بیت آپ کی خدمت میں آداب گزار ہیں۔ چھوٹے دادا اپنے چار سے نصف دیوانے ہو چکے ہیں، اور آج کل میرے دہاں نہیں آ رہے ہیں۔

شیخ سراج الدین آذر کا کبھی کوئی خط آتا ہے؟ یہ شخص بلا کا سرد مہر و بے نیاز ہے۔ سامنا ہو جائے تو پروانہ معلوم ہوتا ہے، اور آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو آہوئے رمیدہ بن جاتا ہے۔

آپ نے اُدھر کا حال پوچھا ہے، سو اس کا یہ عالم ہے کہ:-

حسبِ حالے نہ نوشتیم و شُد ایّامے چند

قاصدے کو؟ کہ فرستم بتو پیغامے چند
من بداں منزلِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما، پیش نہد گامے چند

کیا کہوں میاں صاحب، میرا قلب روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جا رہا ہے، زندگی کی ہوائیں مجھے سازگار نہیں ہیں ؎

پہلو میں مرے دیدۂ پُرنم ہے کہ دل
معبودیہ مقیاسِ تپِ غم ہے کہ دل
ہو ذرہ بھی کج تو بال پڑ جاتا ہے
یہ شیشۂ ناموسِ دو عالم ہے کہ دل؟

لیکن اس کے باوصف دُنیا کے تمام دردمند انسانوں میں ایک میں ہی ہوں جو ہر لمحے اور ہر آن بچوں کی طرح قلقاریاں ہی مارتا رہتا ہے اور اپنے غم کو ہر نفس فریبِ مُسرّت ہی میں گرفتار کیے رہتا ہے ؂

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ ما

آپ کا مزاج اب کیسا ہے، لاہور میں سوسائٹی تو اچھی مل گئی ہو گی۔

ابھی اور بھی کچھ لکھتا، مگر میری "عبادت" کا وقت آ ہی نہیں گیا، بلکہ بہت کچھ گذر چکا ہے۔ اب قلم کو رکھتا ہوں اور شیشے کو اٹھاتا ہوں "یا میاں محمد صادق" کا نعرہ لگا کر ——— اے قوتِ حیات میری مدد کر، مجھ دردمند انسان کی مدد کر اور مجھے مُسرّت کا فریب کھا جانے کی توفیق عطا فرما ——— اے اعصاب کی سنسناہٹ رُک جا، اے دھڑکتے ہوئے دل آہستہ خرام ہو جا کہ شیشہ، جھکتا ہوا شیشہ، مرہمِ زخمِ جگر شیشہ، دلوں کو طہارت اور تخیلات کو پر پرواز بخشنے والا شیشہ فضا میں بلند ہوتا ہے

یا غفور و یا رحیم — یا صادق و یا عظیم!

جوشؔ

رات گزر چکی ہے۔ اس وقت پچھلا پہر ہے، تارے درخشاں جواہروں کی طرح چمک رہے ہیں، سردی شباب پر ہے، مُرغ بانگ دے رہے ہیں، اور عود کی بتی سلگ رہی ہے۔ سلگتے ہوئے دل کے ساتھ عود کی بتی کیا سلوک کر رہی ہے، یہ بات بیان میں نہیں آ سکتی ؂

فاش اگر گویم، جہاں برہم زدم

(۱۱)

ملیح آباد۔ لکھنؤ ۱۴/۳ ۴۰

میاں صاحب، پنسل سے لکھنا معاف کیجئے گا، روشنائی اور قلم نیچے ہے۔ قوت نہیں کہ پکار کر منگاؤں۔ دو مہینے سے علیل اور فریش ہوں۔ وہی نامراد گلے کا مرض گلا گھونٹے ہوئے ہے۔ اب تو قلب کے دورے بھی پڑنے لگے ہیں۔ کھانسی آتے آتے بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ دم رُک جاتا اور

نبضیں ساقط ہونے لگتی ہیں، ایسے مرتع پر انجکشن دیا جاتا ہے، جس سے زندگی، جسے میں بالکل عزیز نہیں رکھتا، واپس آتی ہے ——— یہ خط بستر پر بیٹھے بیٹھے تکیے سے ٹیک لگائے لکھ رہا ہوں ۔ غذا صرف ایک چپاتی رہ گئی ہے، اور وہ بھی بسا اوقات ایک وقت ہوتی ہے ۔

آپ کے دیکھنے کو دل بے تاب ہے، جی چاہتا ہے حرکت قلب بند ہونے سے پیشتر آپ کو دیکھ لوں ۔ مگر میری یہ قسمت کہاں ——— وہ طویل نظم کہیں حفاظت سے رکھ دی تھی، اگر قوت آگئی تو تلاش کر کے بھیج دوں گا ——— اس طرف میں نے ایک نہایت طویل نظم شروع کی تھی، جس کے ایک ہزار شعر کہہ چکا ہوں، لیکن ابھی دو تین ہزار شعر اور کہنا ہیں، اپنے مرنے کا صرف اس لحاظ سے مجھے غم ہے کہ یہ آخری نظم ناتمام رہ جائے گی ۔

اب لکھا نہیں جاتا، بات میں درد اور سانس میں بے ضابطگی پیدا ہو چلی ۔ بدقسمتی سے اچھا ہو گیا تو لکھوں گا ۔

میرے حق میں دعا کیجئے، اور بہترین دعا ہے، دعائے مرگ، کہ میں اس زندگی سے قطعی طور پر نافر ہو چکا ہوں ۔

بچے آداب گزارتے ہیں اور میری بیوہ سلام کہتی ہیں ۔ آپ کا مرحوم ۔

تشنۂ دیدار جوش

چھوٹے دادا کا بھی میرے ہی ساتھ چل چلاؤ ہے، ان کا بھی سلام قبول ہو ۔

(۱۲)

ملیح آباد ۔ لکھنؤ ۔ ۵/۱ ۳۴

شفیق و حبیبی، پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جب کبھی میں آپ کو خط نہ لکھوں، یا جواب میں دیر کروں تو آپ اپنی جگہ یہ قیاس فرمالیں کہ میں کسی پریشانی کا شکار ہوں، ورنہ میرے واسطے یہ ممکن نہیں کہ ایسا کروں ۔ چنانچہ اس اثنا میں بھی پریشان رہا، اور اس حد تک کہ آج سے پیشتر جناب کو خط لکھنے کا وقت نہ نکال سکا ۔

جمعیت خاطر مجھے ہمیشہ کے لیے ترک کر چکی ہے، اس وقت بھی وہ ذہنی خلفشار ہے کہ خط لکھتے بن نہیں پڑ رہا ہے اور اضمحلالی کیفیت یہ ہے کہ بدخطی سے اپنے سواد خط کو بچا نہیں سکتا ہوں ۔

آپ کب تک پنشن پائیں گے ؟ کیا آم کی فصل میں آسکیں گے ؟ اہل و عیال کیسے ہیں، سب باتوں کا مفصل جواب دیجئے ۔

گرمی کی شدت نے اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے ۔ ہر وقت مضمحل رہتا ہوں لیکن اس رونا رونے سے فائدہ ؟ مصمم ارادہ تھا اس مہینے میں کشمیر چلے جانے کا، لیکن تہی دستی نے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں ۔ تو کہاں ہے موت، ظالم موت، اور بے رحم موت کہ

میرا اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہے دل

زیادہ لکھا نہیں جا رہا ہے، اُف ری بات کی کپکپاہٹ ۔ آپ کا پرستار جوش مرحوم

(۱۳)

ملیح آباد ۔ لکھنؤ ۔ ۷/۳۱ ۳۴

محب صادق، خط ملا، سینے سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ۔ جب تک آپ کا خط نہیں آیا تھا، دل کس قدر ہولناک اوہام کا مسکن بنا ہوا تھا ۔ اور دن میں کم سے کم، دو تین بار بڑے بڑے خیالات آیا کرتے تھے ۔ سچ ہے محبت بری چیز ہوتی ہے ——— کل مجھے "بہار" کے زلزلے

کی سی شدید جُوڑی آئی اور ایک سو چار درجے پر بخار ہو گیا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں حرارت باقی ہے۔ لیکن ناتوانی ایسی ہو گئی ہے گویا برسوں کا بیمار ہوں۔ عہد اختلاط بھی عجیب بلا ہے۔ یہ وہ موسم ہے جس میں مرجانا سب سے بڑی سعادت ہے

اگر بن پڑا تو جاڑوں میں آؤں گا، ورنہ اسکول پر آپ ہی آ جائیں، کوئی ملاقات کی صورت ضرور نکلنا چاہیے۔ آنکھیں دیدار کو ترستی ہیں

ناتوانی کے ہاتوں لکھا نہیں جا رہا ہے، اور دماغ بھی کام نہیں کر رہا ہے ——— آپ کا پرستار

براہِ کرم ہر خط میں پتا لکھا کیجیے۔ مرحوم جوشؔ

(۱۴)

بنارسی باغ، لکھنؤ ۲۱/۹ ۴۰

شفیقی و حبیبی، مدت سے باب مراسلت بند ہے۔ لیکن قصور میرا ہی ہے۔ کیونکہ آپ کے آخری خط کا جواب مجھ پر باقی تھا، جسے اب ادا کر رہا ہوں۔

میں اب مستقلاً لکھنؤ آ گیا ہوں۔ ملیح آباد میں رہنے کی بہت کوشش کی، مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ناچار لکھنؤ آنا پڑا۔ اس اثنا میں میرے بال توڑ نکل آیا تھا، جس سے کافی تکلیف رہی اور کسی قدر اس وقت بھی ہے۔

اپنی خیریت و مصروفیت اور گرد و پیش کی حالت سے مطلع فرمائیے۔ جاڑے آ رہے ہیں۔ اگر حالات نے اُسنے دیا تو لاہور حاضر ہوں گا۔

کل رات کو 'عالم خاص' میں آپ بہت یاد آئے۔ یہ یاد بھی عجیب کمبخت اور موذی شے ہے۔ آپ کا جوشؔ

(۱۵)

بنارسی باغ۔ لکھنؤ۔ ۹/۱۱ ۴۰

میاں صاحب۔ پَر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو طائروں کے، جن سے وہ پرواز کرتے ہیں اور دوسرے پَر اُمراء کے ہوتے ہیں سونے چاندی کے، جن کی مدد سے وہ اڑا کرتے ہیں۔ میں ان دونوں پروں سے محروم ہوں، کیونکہ نہ تو طائر ہوں، نہ امیر۔ اور اس لئے آپ تک اڑ کر نہیں آ سکتا۔

بالقوۃ ہزاروں بار اڑ کر آپ تک پہونچا ہوں، لیکن بالعمل ایک بار بھی یہ دیرینہ تمنا نہیں نکل سکی ہے۔ اور اس بنا پر ؎

اب دید کی حسرت کا وہ انداز نہیں ہے
پرواز۔ بجز حسرت پرواز نہیں ہے

آپ کی محبت کا مارا ہوا مرحوم جوشؔ

(۱۶)

برکت گنج روڈ۔ مکان راجہ مورادان، نظر باغ، لکھنؤ

۱۰ جون سنہ ۱۹۴۱ء ——— برادر شفیق۔ آپ کا معذور افتادہ اور حواس باختہ بھائی، جس کا نام جوشؔ ہے آپ کو بہت یاد کیا

کرتا ہے۔ اُس نے ایک مدت سے آپ کو خط نہیں لکھا ہے۔ وہ اُن افراد کو بہت کم خط لکھتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو بھی بہت کم خط لکھتا ہے۔ اور یہ اس کی محبت کی عملی دلیل ہے اس لیے شکایت کے عوض، یہ خیال کر کے آپ کے دل کو اطمینان ہو جانا چاہیئے کہ جوش آپ کو چاہتا ہے، اور آپ کی محبت جوش پر رائیگاں نہیں گئی ہے۔

گرمی کی شدت نے آپ کے دوست کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ بے مہر آفتاب ہر وقت لکھنؤ کو گھورا کرتا ہے جس کی کرنیں بدن میں دہکی ہوئی پنوں کی طرح چبھتی رہتی ہیں۔ دماغ پگھلا ہوا ہے، اور پسینے کے دھارے چل رہے ہیں۔ آدھے کمرے میں بے مروت دھوپ گھسی ہوئی ہے۔ تم تپ اُبے اور کنپٹیاں جل رہی ہیں۔ اُس پر طرہ یہ کہ زندگی کے نامراد افکار اور خانگی زندگی کا خلفشار۔ الحفیظ والامان — کس کے سامنے فریاد کی جائے ہے کوئی سننے والا؟

آج شراب کی امید بھی موہوم سی ہے، اس لیے کہ بیوی ناخوش ہیں، بول چال بند ہے۔ دیکھیے غروب کے وقت کیا ہوتا ہے۔ شام کو ایک دوست بھی آنے والے ہیں، اُنھیں کیونکر منہ دکھاؤں گا۔ لعنت ہے اس زمین پر!

آپ کیسے ہیں۔ کیا مشاغل ہیں۔ آج نماز کے بعد اپنے "رحیم و کریم" معبود سے عرض کیجیے گا کہ میرا ایک دوست جوش ہے، جس کی تیسے اخلاق کے متعلق بہت ہی بُری رائے ہے۔ وہ تو تجھے ایک تسلی بخش ورحم کہتا ہے "اے مولیٰ" جوش کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ جوش۔

(۱۷)

ایمپائر ہوٹل، نینی تال ۲۲ رجون ۱۹۴۱ء

جوش کے محبوب میاں صاحب، میں آج کل ایک ضرورت سے نینی تال آیا ہوا ہوں، یہ نہ خیال کیجیے گا کہ میں خدانخواستہ اُن خدا کے نوازے ہوئے مخصوص بندوں میں سے ہوں جو پہاڑوں پہ گرمیاں بسر کیا کرتے ہیں۔ مجھے تو یہاں ایک شدید ضرورت گھسیٹ لائی ہے، اور پرسوں تک لکھنؤ، چلا جاؤں گا۔ نینی تال کے خنک موسم کو چھوڑ کر لکھنؤ، کی تپتی ہوئی بستی میں جانے کا تصور کس قدر ہولناک ہے، اُس کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں۔

مجھے آپ کے لاہور سے ، رجولائی ۱۹۴۱ء کو طلب کیا گیا ہے، لیکن آپ ہی جب وہاں نہ ہوں گے تو میں آکر کیا کروں گا — اگر آپ ، سے ۹ — ۱۰ جولائی تک بھی دہلی سے لاہور آسکتے ہوں تو فوراً لکھیے، تاکہ میں ، رجولائی کو لاہور پہونچ جاؤں، ورنہ انکار کر دوں — اگر میں لاہور آؤں گا تو آپ کو میرے ہمراہ لکھنؤ، چلنا پڑے گا۔ اس بات پر طیار رہیے اور اگر میں لاہور نہ آسکا تو آپ کو جولائی کے پہلے ہفتے میں بہر حال لکھنؤ پہونچنا ہے۔ اس کا خیال رکھیے گا۔

جواب اسی وقت لکھیے۔ آپ کا مرحوم جوش

آپ کا جواب مجھے لکھنؤ، میں زیادہ سے زیادہ ۲۵ رجون تک مل جائے۔ کیونکہ لاہور جواب دینا ہے۔

لکھنؤ، کا پتا ہے۔ برکت گنج روڈ۔ مکان راجہ مرزا واں نظر باغ لکھنؤ۔

(۱۸)

۳۰ رجون ۴۱ء مخلص میاں صبا۔ میری "تشریف آوری" کے اشتہار غلط چسپاں ہوئے ہیں۔ میں چھ جولائی کو لاہور آ رہا ہوں، آپ ہوتے تو آپ

کے سوا اور کس کے پاس ٹھہر سکتا تھا۔ ناچار کہیں اور ٹھہر جاؤں گا۔ اور ۸ جولائی کو جب آپ دہلی سے لاہور آجائیں گے تو آپ ہی کے ہاں منتقل ہو جاؤں گا، بشرطیکہ آپ کو کوئی دشواری نہ ہو۔

اگر آپ ۸ جولائی کو لاہور واپس نہ آئے تو میں سر پیٹ لوں گا اور سارے لاہور کو سر پر اُٹھا لوں گا۔ یہ اس لیے لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

آپ کا مرحوم جوش

برکت گنج روڈ۔ نظر باغ، لکھنؤ شریف ۳۰ جون ۱۹۶۱ء

خدا کے واسطے ذرا ہاتھ سنبھال کر خط لکھا کیجیے۔ آج تین آدمیوں کے پورے پندرہ بیس منٹ کی متفقہ مشقت کے بعد آپ کا خط پڑھا گیا، لیکن پھر بھی سب کا سب نہیں پڑھا گیا۔ یہ مکتوب الیہ کی کیسی بدبختی ہے۔ دیکھیے اس وقت میرا ہاتھ بھی بُری طرح کانپ رہا ہے، مگر کیا مجال کہ کوئی حرف نہ پڑھا جاسکے۔

میں سمجھتا ہوں کہ زہد مسلسل کی بنا پر آپ کی زبانِ قلم میں حضرت موسیٰ کی ہکلاہٹ سرایت کر گئی ہے۔

آپ کے خط میں نہ تاریخ ہے، نہ پتا۔ کیا جناب والا اب اُس لامحدودیت کی منزل میں پہونچ گئے ہیں جہاں زمان و مکان کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔

جوش

(۱۹)

طاہر پیلس۔ شنکر سیٹھ روڈ پونہ ۲

میرے، یعنی مجھ بے دین کے دیندار محبوب دوست میاں صاحب، آپ دراصل "میاں" بھی ہیں اور "صادق" بھی۔ لعنت ہو اس شخص پر جو آپ کو برسوں خط نہیں لکھتا، لیکن رحمت ہو اُس پر کہ خط لکھے یا نہ لکھے، آپ کو ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہے۔ اب تو زندہ احباب میں، زیادہ سے زیادہ دو چار ہی ایسے، یا یوں سمجھیے کہ دو ایک ہی ایسے دوست رہ گئے ہیں، جن کی یاد کانٹے کی طرح دل میں چبھا کرتی ہے اور ان ضدیوں اور ظالموں میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ ایسے دوست کس قدر موذی ہوتے ہیں آپ کے دل کو بھی اس کا اندازہ ہوگا۔

لوگ کہتے ہیں خدا دشمن کے شر سے بچائے۔ لیکن میں کہتا ہوں "خدا" دوستوں کی خیر" سے بچائے، اس لیے کہ دشمن کی عداوت کبھی اتنی موذی ہو ہی نہیں سکتی، جس قدر کہ دوستوں کی محبت ہوتی ہے۔

ذرا سوچیے تو، جب ہم دہلی میں یکجا تھے، وہ چند روز کی مسرت اب کس قدر بے پایاں غم کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کاش ہم کبھی نہ ملے ہوتے۔ کاش ہم کبھی خوش نہ ہوئے ہوتے۔

گاہ گاہ آراستہ ہوتے ہیں جلسے عیش کے
آنسوؤں کے ساتھ برسوں یاد آنے کے لیے!

میاں صاحب آپ اپنے کو "مقید" اور مجھے "آزاد" سمجھتے ہیں، اس میں کچھ حقیقت تو ضرور ہے مگر میاں صاحب غم کی زنجیر سے کسے رستگاری ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ ایک تولہ مسرت حاصل کرنے کی خاطر ایک من خون صرف کر دینا پڑتا ہے۔

طالبانِ عیش سے کہہ دوں تو اڑ جائیں حواس
کس قدر رویا ہوں میں اک مسکرانے کے لیے

میاں صاحب یہ ہے دُنیا، اور یہ ہے اس دنیا کا نظام!

ملنے گا اسے کون کہ ہوتا ہے طلوع

آنسو کے اُفق سے ہر تبسم میرا

ذرا غور تو فرمایئے اس خلاقِ عالم کی بے پایاں "شفقت" پر جس نے ہر پھول میں کانٹے کو اس طرح رکھا ہے کہ پھول مرجھا جائے اور کانٹا باقی رہے۔ اور اس "مرحمتِ عام" کے باوصف اپنے کو بڑی بے باکی کے ساتھ رحمٰن و رحیم کہتا رہتا ہے۔

میں اس بار پوری سعی کروں گا کہ جاڑوں میں آپ سے ملنے کی خاطر لاہور آؤں اور آپ سے بھی درخواست ہے کہ برسات میں یہاں تشریف لانے کی پوری کوشش کیجئے۔ کہیں فسانۂ عزائم کو اس کی خبر نہ ہو جائے۔ ورنہ وہ یا تو ہمارے ہاتھ پاؤں یا ریلوں کے تمام پُل توڑ کر رکھ دے گا اور پھر کاستہ پی پی کر مسکرائے گا۔ اسے خلاقِ شیطان، مجھے نورانی خدا سے محفوظ رکھ۔ میاں صاحب آمین کہیے آمین۔

آپ کے صاحبزادے کہاں اور کیا کر رہے ہیں؟ آپ کی بیگم صاحبہ اور بچوں کا مزاج کیسا ہے، اور آپ خود کس حال میں ہیں، جلد مطلع فرمایئے۔ تلا کمبخت اس قدر خراب، اور ہاتھ کا ذہنی رعشہ اس قدر تکلیف دہ ہے کہ لکھا ہی نہیں جاتا۔

کھڑکی کھلی ہوئی ہے، ہوا کے گرم جھونکے پھولوں کی خوشبوئیں لیے اس طرح آ رہے ہیں گویا کوئی حبشی محبوب کا پیام سُنا رہا ہے۔ میری اہلیہ محترمہ اور بچے آپ کو سلام کہتے ہیں۔

آپ کا شیدائی جوش مرحوم ۲۸/۴/۴۹

اے عمرِ رواں کی رات، آہستہ گزر

اے ناظرِ کائنات، آہستہ گزر

اب تک یہ بھی تجھے نہیں پاتی ہے نگاہ

اے قافلۂ حیات، آہستہ گزر

(۲۰)

38, REGENT HOTE

BALLARD PIER. BOMBAY.

۱۹/۹ شفیق ——— یہاں زندگی حرام ہو چکی ہے۔ ہر لمحہ جان جانے کا یقین ہے۔ میں آج اپنے اہل بیت کے ساتھ پوسے تین جا بالیوں میں بھاگ رہا ہوں۔ وہاں پہونچ کر صرف اُتنے دن ٹھہروں گا کہ آپ لاہور میں ایک اچھے چھ سات کمروں کے صاف ستھرے بنگلے کو میرے واسطے دو تین سو اسی روپے ماہانہ کرائے پر لیتے ہی تار کے ذریعے سے مجھے مطلع فرمائیں۔ آپ کا تار ملتے ہی پہلے جہاز سے کراچی روانہ ہو جاؤں اور کراچی سے ریل کے ذریعے سے لاہور آ جاؤں گا۔ بمبئی سے روانگی کے وقت آپ کو تار دے دوں گا۔

میرے ایک دوست میجر اے، ایم، خاں، ڈی، اے، اے، جی اینڈ کیو ایم، جی، نمبر (۱۴۱) انفنٹری بریگیڈ، لاہور کل ہوائی جہاز سے کراچی پرواز کر کے لاہور گئے ہیں۔ وہ بھی میرے واسطے بنگلے کا وعدہ کر کے گئے ہیں۔ آپ ٹیلیفون پر اُن سے بھی گفتگو فرمالیں، تا ... مل لیں، اور "دو دل یک شود بشکند کوہ را" بن کر فوراً میرا بندوبست کر دیں۔ میں ہر لمحہ آپ کے تار کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ ...

نہیں، اور نہ حواس ہیں۔ جہاں تک ہو سکے میرے واسطے ایسے مقام پر بنگلہ لیجئے جس کا محل وقوع ایسا ہو جسے عرف عوام میں "پُر فضا" مقام کہتے ہیں۔

آپ کا جوشؔ

(۲۱)

8, OLD AGHA KHAN BUILDING.

۳۱/۳/۴۸ JACOB-CIRCLE, BOMBAY (11)

اخی الحبیب، آپ کو صرف اس قدر لکھ دینا کافی، بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہے کہ حامل رقعہ اظہار میرا حقیقی بھانجہ ہے، اس لیے کہ آپ کا سا حقیقی دوست اس علم کے بعد کہ فلاں شخص بیشتر فلاں دوست کا عزیز ہے، اس امر کی ضمانت ہے کہ آپ اُس کی ہر ممکن امداد کرنے پر بالطبع مجبور ہو جائیں گے۔

جوشؔ

اس وقت فرصت نہیں، مندرجہ بالا پتے پر مجھے خط لکھئے، اور جواب میں میرا دردِ دل سُنیے۔

(۲۲)

AJKAL-OLD SECRETARIAT, DELHI,

۲۴/۹/۴۸ — حضور والا کا مزاج، اور سرکارِ والا تبار کے حالات کیسے ہیں۔ اور صحت کا کیا عالم ہے ؎

مدت ہوئی کہ آشتیٔ چشم و گوش ہے۔

آجکل یہاں موسم نہایت خوشگوار ہے۔ بار بار آپ یاد آ رہے ہیں، اور یہ سمجھ میں نہیں آتا ملاقات ہو تو کیونکر ہو ؎

راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائیں کیوں

کیا اب ہم ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکیں گے؟ یہ ایک سوال ہے، جو بار بار دل میں پیدا ہوتا ہے، اور کوئی جواب نہ پا کر سینے میں کھٹک جاتا ہے۔ للہ کسی صورت سے ادھر آئیے اور طلعتِ زیبا دکھا جائیے۔ آپ کا پرستار جوشؔ

(۲۳)

PUBLICATIONS DIVISION

MINISTRY OF INFORMATION & BROADCASTING

OLD SECRETARIAT, DELHI

بنام قوت و حیات ۲۲ - ۱۲ - ۵۰ء

نحمدہ و نصلی علی الانسان العظیم

میرے محبوب میاں صاحب، آج پھر لہر آئی آپ کو خط لکھنے کی، سچی مدت آگئی بھیجن کی۔ آپ کے بغیر دلی کیسی اُجڑی اجڑی نظر آتی ہے، قیامت تو یہ ہے کہ اب یہاں آپ ہیں نہ "وہ" زباں پہ بارِ خدایا ۔ .. .. .. ہائے کیا ویرانی ہے۔

آپ تو وہاں مزے کر رہے ہیں، رات دن نمازیں پڑھتے، ہر آن وضو کرتے، اور ہر وقت لانبی لانبی داڑھیوں کی چھاؤں میں چہکتے ہونگے۔

ادھر ہم ہیں کہ نہ کوئی حبیب ہے، نہ محبوبہ۔ شراب کے ساتھ جو شخص آنسو پیتا ہو، وہ کیوں کر جی رہا ہے۔ ذرا تصور فرمائیے :۔
بہت ہی چاہتا ہے لاہور آؤں، آپ کی صورت دیکھوں، آپ کو کلیجے سے لگاؤں، مگر مور کی طرح پاؤں دیکھ کر شرما جاتا ہوں۔ دیکھئے کب
ملاقات ہوتی ہے۔ کبھی ہوتی بھی ہے کہ نہیں یہ کون کہہ سکتا ہے۔
کم سے کم اپنی کوئی تازہ تصویر ہی بھیج دیجئے، اسی سے تسکین حاصل کر دوں گا۔ آج کل کیا مشاغل ہیں؟ لیکن آپ سے یہ پوچھنا ہی بے کار
ہے، وہی مصلّے ہوگا، وہی وضو کا لوٹا، اور وہی زاہدانِ خشک کا مجمع۔ ہائے آپ کا سا پیارا انسان اور یہ ساز و سامان :

جو اہلِ حرم میں، نہ گمِ آیات میں ہوتا
یہ مردِ حسیں کاش خرابات میں ہوتا

آپ کا بخیرِ محبت جوشؔ

(۲۴)

AJKAL

OLD SECRETARIAT DELHI,

۱۹۶۳

میرے محبوب میاں صاحب۔ خدا، آپ کو ہر فتنے سے محفوظ رکھے اور نیکی، یعنی تفکر و تدبر کی ہدایت دے۔
دیکھا آپ نے کہ فرزندانِ توحید اور بچگانِ شاہین نے آپ حضرات پر کس گونج گرج کے ساتھ دھاوا بولا تھا؟ اور کیا اس پختہ عمر اور تلخ
تجربات کے باوجود اب بھی آپ اس متعفن اور سڑی ہوئی لاش کو کلیجے سے لگائے رہیں گے جسے، عقیدت کی چڑھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، مذہب
کہا جاتا ہے؟
آپ فرمائیں گے یہ اصلی مذہب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصلی مذہب کبھی اور کسی حالت میں بھی فتنہ پردازیوں کی اجازت نہیں دیتا۔
بجا ارشاد فرمایا حضورِ والا نے، اس بات کو مانے لے رہا ہوں۔ لیکن دو باتوں پر اس سلسلے میں غور فرما لیجئے تو بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ اصلی مذہب، جب اپنے شباب پر تھا، اُس دور میں بھی انسانی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ شکر کرنے والے بندے
قلیل، اور ناشکرے کثیر تھے، "خیر" کا دائرہ، عبرت ناک حد تک تنگ اور "شر" کا میدان، حیرت ناک حد تک کُشادہ تھا، اور انسانوں کا سوادِ اعظم
اس دورِ حسن میں بھی یزیدیت کا دوست اور حسینیت کا دشمن تھا۔
تو پھر میاں صاحب انسانی تاریخ کے اعداد و شمار پر نگاہ کر کے یہ غور فرمائیے کہ جس دین داری کا شباب، انسان کو مجموعی حیثیت سے درست
نہیں کر سکا، اس کا بڑھاپا ہمیں کیا دے سکے گا، اور جس دین کی صحت ہماری بیماریوں کو دور نہیں کر سکی، اس کی بیماری ہماری صحت کی دست گیری کس طرح
کر سکے گی؟ اچھا اسے بھی جانے دیجئے، حالانکہ یہ "جانے دیجئے" کے قابل نہیں ہے، بہر حال، دوسری بات پر نگاہ ڈالیے، اور وہ یہ ہے کہ آیا اس امر کا
امکان باقی ہے کہ "اصلی مذہب" کی میّت کا احیا ہو جائے؟ میں اس کے جواب میں بہ بانگِ دُہل نہیں کہوں گا، کیونکہ انسانی ذہن اس وقت ارتقا
کی جس منزل میں، اور تفکر کی جس بلندی پر ہے، وہاں دین یا حقیقی دین، یا اس قبیل کی کسی اور چیز کے احیا کا تصور بھی امکان سے خارج ہے
LIKE A GOOD BOY بندہ پرور جب اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زُومَن تیل حاصل کیا ہی نہیں جا سکتا تو پھر آپ کو

داد حاجی کے نچانے کا خیال ترک ہی کر دینا پڑے گا۔

اس لیے میری رائے یہ ہے کہ پاکستان میں غیر مذہبی حکومت کا اعلان کر دیا جائے، اور جس قدر جلد اعلان کر دیا جائے اتنا ہی مفید ہوگا۔ اس لیے کہ آدم خواری دینداری سے کہیں بہتر ہے آدم نواز میاں صاحب، اب تو، نام خدا، آپ بالغ ہو چکے ہیں، ذہن کے منہ پر داڑھی مونچھ نکل آئی ہے، کب تک اس کمسن بندریا کی پیروی کرتے رہیے گا جو مرے ہوئے بچے کو کلیجے سے لگائے ٹہنیوں ٹہنیوں پھرا کرتی ہے۔

جب تک عقل بالغ نہیں ہوئی تھی، اور اس کے گال چکنے چپڑے تھے، امرد عقائد و اوہام کے لوطی اس کا منہ چومتے رہے تو کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی، لیکن اب ریش و بروت کے بعد ان اوباشوں کی ہمت افزائی کرنا انتہائی بد مذاقی ہے۔

"اللہ" آپ کو سب سے بڑی نیکی یعنی عقل کے صحیح استعمال کرنے کی توفیق بخشے۔ اے میرے مولوی دوست، اس لیے کہ اس کرۂ ارض پر آپ ہی وہ تنہا مولوی ہیں جسے یہ رند خرابات اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے۔ آپ کا طالب دیدار، جوش

(۲۵)

JOSH MALIHABADI

OLD SECRETARIAT DELHI-

۲-۹-۵۴

میرے محبوب اور محب صادق آپ کا جب بھی خط آتا ہے تو مسرت سے زیادہ ملال طاری ہو جاتا ہے، دل مسوس کر رہ جاتا ہوں کہ ابھی کل کی بات ہے کہ اسی دہلی میں آپ چلتے پھرتے، رہتے سہتے تھے، اور آج یہاں آپ کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔

ہائے کیا دن تھے کہ روز آپ کا دیدار حاصل ہوتا تھا۔ آپ کی صورت دیکھ کر ایمان کا کفر تازہ ہوا کرتا تھا۔ اور اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی ؎

یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

شاید اکتوبر کے اواخر میں لاہور آ سکوں گا۔ بشرطیکہ فتاخ عزائم صاحب نے ٹانگ نہ اڑا دی، یہ حضرت بہت بری طرح پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی اور بھی کچھ لکھتا، لیکن ایک مردود ازلی کمرے میں داخل ہو گیا ہے۔ اچھا میرے پیارے دوست آپ کے "اللہ" نے چاہا تو اکتوبر میں ملیں گے اور آپ کو چھاتی سے لگا کر کلیجہ ٹھنڈا کریں گے۔

میرے واسطے اسکاچ کی سو بوتلیں طیار رکھیے گا، جنہیں میں آپ کے مصلے پر قبلہ رو بیٹھ کر انشاء اللہ، ایک ہی سانس میں خالی کر دوں گا۔

آپ کا پرستار وہی جوش کافر دین دار

(۲۶)

JOSH MALIHABADI

OLD SECRETARIAT, DELHI

۲۳-۱۰-۵۴

حضرت، یہ آسمان کا باغی اور زمین کا مطیع جوش، ۵ نومبر کو ریل کے ذریعے سے لاہور کو اپنے ورود مسعود سے فیض یاب کرے گا، اور دن بھر قیام کر کے، رات کی گاڑی سے مع ام الشعراء، سوئے راولپنڈی روانہ ہو جائے گا۔ اور راولپنڈی سے واپس آکر

دو چار روز پھر لاہور میں قیام کرے گا۔ آپ کو پہلے سے اس بنا پر آگاہ کر دیا گیا ہے کہ آپ نہا دھو کر پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ جوش کے استقبال کے واسطے خود کو حاضر کریں، اور ان کو اپنے معانقے سے لطف اندوز فرمائیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اسکاچ وہسکی کی ۵ ہزار بوتلیں، کاگ کھول کر میز پر سجا لیں، اور اس کے سامنے اپنا مصلّے بچھا لیں، تاکہ ہم دونوں اپنی اپنی عبادت میں مصروف ہو کر تمام کرۂ ارض کو فراموش فرما دیں۔

وہی آپ کا بہت پرانا چاہنے والا — یعنی جوش

(۲۷)

JOSH MALIHABADI　　　　　　　　OLD SECRETARIAT, DELHI.

۲۹۔۱۰۔۵۴

حضرۃ، آپ کے فسانخ عزائم صاحب سے میں جیت گیا۔ اب میں ۳ نومبر کی گاڑی سے روانہ ہو کر ۴ نومبر کو لاہور پہنچوں گا، اور اسی دن، رات کی گاڑی سے کراچی روانہ ہو جاؤں گا۔ اور کراچی سے پلٹوں گا تو دو تین روز لاہور میں قیام کروں گا۔

آپ ۴ نومبر کو لاہور اسٹیشن پر مجھ سے مل لیں۔ باقی زبانی۔　　　　آپ کا مخلص　جوش

(۲۸)　　　　۲۹۔۱۰۔۵۴

پیارے میاں صاحب، لیجئے آپ کے فسانخ عزائم وارد فرما گئے، مشاعرہ ملتوی اور میرا عزم سفر فسخ ہو گیا۔

اگر جئیں گے تو پھر ملیں گے میرے دوست　　　　نیاز مند جوش

(۲۹)

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

محترمی "ترانۂ دل" نظر نواز ہوا۔ اس التفات خاص کا شکریہ کیوں کر ادا کروں۔

"نگار" میں جو میری تحریر شائع ہوئی ہے وہ ایک پرائیویٹ چیز تھی۔ نیاز نے بددیانتی سے شائع کر دی۔ آپ کی داد کا شکریہ۔

اپنی خیریت سے گاہ گاہ مطلع فرماتے رہیے۔ آپ کی ذاتِ گرامی اردو زبان کے حق میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

نیاز مند　جوش

حفیظ جالندھری

"جناب طفیل کا ارشاد ہے کہ حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھری کے ان خطوں کے بارے میں کچھ تحریر کروں۔ ان کا پس منظر کچھ اور دوستانہ مراسلت سے زیادہ نہیں۔ مجھ سے اور حفیظ صاحب سے ربع صدی کا یارانہ ہے یہ مدت ماہ و سال کی طویل شاہراہوں پہ اس انداز سے پھیلی ہوئی ہے کہ بقول کسے دوست تو کہاں آشنا پرانا دشمن بھی چراغ رُخ زیبا لے کر ڈھونڈے سے نہ ملے گا۔

یہ تیس برس پہلے کی بات ہے جب میرے ادبی شعور نے اول اول کروٹ لی، اور میں نے حفیظ کو مقامی انجمن اسلامیہ کے سالانہ اجتماع میں پہلے پہل سنا تو مجھے احساس ہوا کہ میرا رُخ بھی حفیظ کی مانند در محبوبؐ کی جانب ہے ——— وہ شروع اپریل کی ایک شبنمی رات تھی۔ اُس نے سلک کی شیروانی اور جناح کیپ اوڑھ رکھی تھی اور اس لباس میں ابھی تو میں جوان ہوں کی مکمل تصویر لگ رہا تھا۔ اس نے شاہنامہ اسلام حصہ اول سے ولادت کا باب پڑھا۔ وہ جب اپنے غیر فانی سلام ——— سلام اے آمنہ کے لالؐ ——— تک پہنچا تو رات بھی بھیگ چکی تھی اور میری پلکیں بھی ———

یہ ابتدائی نقش بہت گہرا میرے دل میں اُترا۔

اس کے بعد حفیظ کو اکثر و بیشتر محفلوں میں سنا۔ اس کا مخصوص انداز اور کوثر میں ڈھلی ہوئی آواز میرے فکر و خیال میں پیہم گونجتی رہی۔ ایوان شعر و ادب ہو کہ بزم ملت اس کے نغمہ سخن کے تیور اس کی منفرد شخصیت کی مانند مجھے ہمیشہ ممتاز نظر آئے۔ میں نے انبوہ در انبوہ انسانوں کو اس کے جنبش لب کا منتظر پایا۔ وہ خطاب کے لئے سٹیج پر آتا تو محفل میں مکمل سناٹا اور سامعین پہ کیف آگیں سکوت چھا جاتا۔ اس سناٹے کے طلسم کو توڑنے کے لئے وہ اپنا جادو جگاتا۔ جونہی اس کا پہلا مصرعہ ؎

شاعر ملت بہ فیض صاحب اُم الکتاب

فضا کی پہنائیوں میں گونجتا ——— پوری محفل کا رنگ بدلنے لگتا وہ جوں جوں پیر پرواز کھولتا جاتا اپنے ساتھ سامعین کو بھی ستاروں سے اوپر اڑائے لئے جاتا تحسین کا کوئی ایسا ہی لمحہ رہا ہوگا جب سجاد حیدر یلدرم مرحوم نے اس آفاقی کیفیت کے باب میں کہا تھا ——— "حفیظ اردو ادب کا بانسری بجیا اور اسلام کا شہنائی نواز ہے ———" ظاہر ہے کہ یہ مقام اس وقت تک کسی فنکار کو مقدر نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے احساس و خبر اور فکر و نظر میں کوئی نورانی قندیل روشن نہیں کر لیتا۔ کیونکہ شاعر خیال بندی کی حدود کو اس وقت تک پھلانگ نہیں سکتا جب تک وہ الفاظ کے پردوں میں اپنے دل کو دھڑکانے کی صلاحیت پیدا

نہ کرے، اور دل اُس وقت تک دھڑکا یا جا نہیں سکتا جب تک وہ درِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوکھٹ چوم نہیں لیتا ہے۔
بہرکیف ایک مدت کی خیالی رفاقت کے بعد ایک روز ستمبر ۱۹۳۹ء میں سری نگر کشمیر میں اس سے میرا رسمی تعارف ہوا۔ لیکن وہ اتفاقی مصافحہ بہت جلد اتنی شدید اور اندھا دھند دوستی میں تبدیل ہو گیا کہ آنے والے طویل عرصہ تک میں اس کے لئے اور وہ میرے لئے دردِ سر بن گیا۔ دردِ سر اس راہ سے کہ ہم دفعتہً دوستی کی اُن گہرائیوں میں اتر گئے جہاں اس کے معاملات میرے قلب پر اثر انداز ہونے لگے اور میرے حالات اس کے لئے مستقل بے چینی کا سبب بنتے چلے گئے — اسی اضطراب مسلسل کا فسانہ یہ خطوط ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۲ء تک التزام کے ساتھ ہماری مراسلت رہی ۱۹۶۲ء کے بعد وہ بعض کاروبار مستقل طور پر بیڑیاں آ گئے تو یہ باب بند ہو گیا۔ خط وکتابت کے اس انبار سے میں نے صرف چند خط اشاعت کے لئے چنے ہیں۔ بقیہ کی اشاعت اس لئے مناسب نہیں سمجھی کہ وہ انتہا کی حد تک نجی ہیں یا اُن میں بعض ایسے سخن گسترانہ مسائل ہیں جن کا چرچا مجھے منظور نہیں ہے۔ ویسے بھی دوست کے راز وہ خزینہ ہیں جن کو سینے میں چھپا رکھنے کا قرینہ مجھے آتا ہے —
عزیز ملک

(۱)

میرے عزیز السلام علیکم۔
آپ کا ۵ دسمبر کا خط مجھے مل گیا۔ آپ کے احساسات باوجود اچھے خاصے ضبط کے اس خط سے ظاہر ہیں اور میں اُس قلب کا اندازہ کرتا ہوں جو چاروں طرف سے مجروح ہے۔ — اگر اس مجروح قلب پر میرے ہاتھ سے یا میری کسی حرکت سے دانستہ یا نادانستہ مزید چوٹ لگی ہے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں ندامت کا اظہار کروں۔ مُٹھی بیٹیاں بیٹے۔ حقیقی بھائی نہیں بھی ایک دوسرے کی نیت کو پہچان نہیں سکتے تو آپ مجھ پر اور میں آپ کی ذات پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ دو جسم اور دو روحوں میں قُرب تو ہو سکتا ہے لیکن وہ مل کر ایک نہیں ہو سکتے۔ یہ ممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور ہے۔ بہرحال ایک دن ضرور آئے گا کہ آپ میرے عزیز یہ جان جائیں گے کہ حفیظ جو کچھ بھی تھا آپ کے لئے اخلاص کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں جان بوجھ کر ایک حرکت نہیں کر سکتا جس سے آپ کو مزید اُلجھنوں کا سامنا ہو۔
نسیم سے مجھے آپ کی مصروفیات اور آپ کے والد صاحب یعنی میرے محترم دوست حکیم صاحب قبلہ کے حالات و خیالات معلوم ہوئے۔ ریڈیو پر وہاں تو کچھ نہ کچھ تمہارے لئے پھر بھی ہے۔ یہاں سوائے معاندت کے اور کچھ نہیں۔ ابھی مجھے دوزخ سے گذرنا ہے۔ یہ راہ تنہا ہی طے کرنا ہے جیلانی صاحب سے میرے مقدمے کی بابت بھی پوچھ کر لکھئے۔ خط لکھتے رہیئے۔ خفا بھی ہو تو لکھتے رہیئے۔

حفیظ ۱۱/۱۲/۵۱ ۷۰ کیلا لائنز مالیر چھاؤنی

(۲)

عزیز۔ ابھی ابھی تمہارا خط ملا۔ اس خط سے کرب ظاہر ہے اور مجھے رسول اللہ کی قسم اس سے اتنا دکھ ہے کہ اگر میرا

اپنا معاملہ ہوتا تو یقیناً اتنا دکھ نہ ہوتا ——— بیکسی عزیز ——— کیا اللہ پر بھروسہ نہیں رکھتے ۔ نماز کیوں پڑھتے ہو ۔ کیا نماز اور ذکر اللہ تمھیں یہ نہیں بتاتے کہ مصیبت میں اللہ کا سہارا اور زیادہ پکڑنا چاہیئے اور مردوں کی طرح برداشت کرنا اور حوادث کا مقابلہ کرنا ضروری ہے ۔ میں جانتا ہوں تم ایک سعید شریف محنتی اور باغیرت ہو لیکن میرے عزیز میرے چھوٹے بھیا ۔ گرو نہیں ، اور تن جاؤ ۔ سلامت روی اور تحمل کے ساتھ مقابلہ کرو ۔ اللہ ضرور مدد کرے گا ۔ ضرور مدد کرے گا ۔ وہ نہ کرے گا تو اور کون ہے مدد کرنے والا !

نامی پریس یا کوئی پریس ——— اب مجھے درکار نہیں ۔ ملت کو جو صورت حال درپیش ہے میں اپنی بساط بھر اس کے سلسلے میں اپنا فریضہ ادا کر رہا ہوں ۔ فوج کو مضبوط کرنا اور مضبوط رکھنا یہ عظیم الشان کام عزیز میری اپنی اور اپنے خاندان کی ننھی سی مصیبت ملت کے مصائب کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتی ہے ۔ میں اس کام کو انجام دیتے رہنے کا تہیہ کئے ہوں جو پاکستان کی بقا کے لئے ضروری ہے ۔ میں ایک قطرہ ایک ذرہ ناچیز ہوں لیکن اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے ۔ میں محمدؐ کی امت سے اس کے معاملہ میں بیوفائی نہیں کر سکتا ۔

۱۳/۱۱/۵۱۶ ۷۰ کیلا لائنز مایبر حفیظ

(۳)

عزیز پیارے السلام علیکم

معلوم ہوتا ہے بہت گم ہو اور اس ربودگی کے عالم میں ہو جہاں سے اللہ کے خاص بندے واپس آنے کے خلاف ہیں ۔ خیر یہاں الحمد للہ میری مالا ٹوٹ رہی ہے اور رام چھپن سے چھٹکارا ملنے والا ہے ۔

اپنا قلم درست کرو ۔ عنقریب آپ کا امتحان ہونے والا ہے شمشیر کا معرکہ جہادِ اصغر ہے اور قلم کا معرکہ جہادِ اکبر میں نے فیصلہ تو یہی پڑا ہی قائم رکھا ہے ۔ راولپنڈی کے قریب مری کے پہاڑوں میں عقابی گھونسلہ ۔ آپ اور میں قلم کے پنجے اور ہمت کے بازو تول تول کر فضا میں رقص کرتے ہوں گے ۔ یہ بات کسی دوسرے سے کہنے کی نہیں ۔

حکیم صاحب کیسے ہیں ۔ میں مئی میں آؤں گا ۔ تمھیں میرے ساتھ مری چلنا ہوگا ۔ اب کے میں کوئی عذر نہ سنوں گا ۔

۳۰/۴/۵۲۶ ۷۰، کیلا لائنز مایبر حفیظ

(۴)

میرے پیارے عزیز السلام علیکم

تم کتنے اچھے بھائی ہو کہ میری بار بار کی تکلیف دہی کو خندہ پیشانی جھیل لیتے ہو ۔ اللہ کریم تمھیں جزا دے ۔ خط مل گیا ۔ میرا آئندہ پروگرام ——— فی الحال یہ ہے کہ سعیدہ میری بیٹی جو اس وقت موت اور زندگی کی حالت میں ہے اور جس کے مرگی اور ہسٹریا کے دوروں کے سبب ہم سب موت اور زندگی میں ہیں ۔ اس کو ذرا افاقہ ہو تو میں اس قافلے کو لے کر لاہور ماڈل ٹاؤن پہنچ جاؤں ——— پھر تم اور میں اللہ کے بھروسے پر ——— سنتے ہو تم اور میں اور اللہ ——— بیٹھ کر کام کریں ———

الحمد للہ نئے اور پرانے سب دوست اپنا اپنا جوہر دکھا کر تشریف لے جا چکے۔ رہے تم۔ تم مجھ سے کبھی الگ نہیں تھے۔ یہ محض بڑ نہیں ہے۔ ایک دن تمہیں نظر آجائے گا۔ البتہ اس کے چرچے کی ضرورت نہیں۔ میرا معاملہ محکمہ سے اُلجھ گیا ہے، وہ مجھے تین سال سے پہلے قانوناً جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے ٹھن گئی ہے ؎

اُدھر دنیا ہے اور دنیا کے بندے

اِدھر میرا خدا ہے اور میں ہوں!

۲۲/۵/۵۳ء ۷۰ ۔کیملا لائنز مالیر چھاؤنی حفیظ

(۵)

برادر عزیز السلام علیکم

۲۰ کا پوسٹ کارڈ مل گیا۔ سفید پھر ز نسلی ہے لیکن بُرے حالوں ——— کفن چوروں کا خیال تھا کہ مُردے بولتے نہیں۔ لیکن یہ مُردہ پلٹ گیا ہے۔ اب اُن کو جان چھڑانا مشکل ہوگیا ہے۔ یہ بھی دیکھنے کا سین ہے۔ ایک اچھی خاصی کتاب کا مضمون ہے۔ میری زندگی کا ایک اور واقعہ۔ خدا پر کیوں چھوڑوں۔ خدا کی راہ پر چل کر ایک آدھ کفن چور پر بھوت بن کر سوار کیوں نہ ہو جاؤں۔ کیا تمہارا جی کوئی تماشہ دیکھنے کو نہیں چاہتا۔ ان لوگوں نے شہید مردوں سے دل لگی کی ہے۔

"میرم" در حجابہ تو آسان ہے" زندم" مشکل ہیرت حبیبؓ لکھتے ہوا نہ میرم" کی بات کرتے ہو۔ اُس نے ایسا مارا ایسا مارا کہ آج تک یزید کی ذریت کی دعویداری کا کسی کو حوصلہ نہ ہو سکا۔ میرا ارادہ بھی یہی ہے۔

۱۲/۶/۵۳ء ۷۰، کیملا لائنز ملیر چھاؤنی حفیظ

(۶)

میرے عزیز السلام علیکم

آپ کا ۱۲ ستمبر کا خط (میرے خط کے جواب میں) آج جواب لکھنے کے لئے میرے سامنے ہے۔ میں دو ماہ سے برابر مکان کی تلاش میں رہا ہوں۔ چار سو روپیہ ماہوار پر یہ مکان کراچی کی مضافاتی نئی آبادی میں لیا گیا ہے۔ یہ ہیں میری امیری کے ٹھاٹ۔ کون کہتا ہے میں لکھ پتی نہیں ہوں اور کیوں نہ مجھ پر سرمایہ دار ہونے کا گمان کیا جائے ——— !

لیکن جانِ برادر بات کچھ اور ہے۔ یہ مکان مجھے ایک فلم پروڈکشن کمپنی نے چند ماہ رہنے کے لئے دیا ہے۔ اب تم ناک بھوں چڑھاؤ گے بلکہ شاید تمہارے اعصاب غصے کے مارے رعشہ براندام ہو جائیں۔ لیکن غصہ تھوک دو تم مجھے شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ پھر شاعرِ اسلام کی حیثیت! اور خدا نے قرآنِ مجید میں جو کچھ لکھا ہے اس کے باوجود مجھے گوارا کرتے تھے۔ اب میں ایک فلم بنانے والا ہوں۔ اگر وہ فلم گندی، شہوت انگیز اور اخلاق سوز ہونے کے بجائے اس کا اُلٹ ہو تو آخر تم کیوں مجھے مردود سمجھو۔ لیکن چونکہ ابھی مبادیات طے ہو رہی ہیں۔ اس لئے اس پر مزید گفتگو پھر ہوگی۔

میری اس مضحک تحریر پر خفا نہ ہونا۔ میں جانتا ہوں تم بہت دُکھ میں ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ جب کبھی میں خود نہایت

کرب میں مبتلا ہونا ہوں تو مضحک ہو جاتا ہوں کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں - حال یہ ہے کہ آج کل مفلسی میں محض اس لئے آ گیا ہے کہ حکومت نے میری مئی کی تنخواہ وقت پر نہ دی - تین ہزار مزید میرے ٹی اے وغیرہ کے دبالئے اور میں تیسرے کنبہ کو بلا نہ سکا - چار مہینے کا کرایہ مکان - کرایہ فرنیچر - بجلی پانی صفائی اور ہر روز موٹر کار میں تلاش مکان کا خرچ - ستھراؤ ہو گیا - زندہ باد حفیظ جالندھری شاعر اسلام فردوسئی اسلام ——!

میں نے ان چار مہینوں میں جو نیا تجربہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بڑے عہدہ دار دوست اس ملک میں تفریح کے دوست ہیں ہم لوگوں کی دوستی اب صرف طلب و نظر کی بنیادوں پر قائم ہونا ضروری ہے - ورنہ ہم برباد ہیں -

قبلہ حکیم صاحب سے میرا سلام کہیئے - میں نے آپ کو جو لکھا تھا کہ کوئی خدمت میرے قابل ہو تو بے تکلف لکھو - وہ محض دکھاوا نہ تھا - مجھے معلوم ہے غم کتنے غیور ہو اور ظاہر ہے کہ میں بھی آخری حدوں پر ہوں - بہر صورت جب بھی یاد کرو گے مجھے بے وفا نہ پاؤ گے - انشاء اللہ -

ضمیر جعفری کو بھی آج ہی اُن کے خط کا جواب دے رہا ہوں - میں اپنے حال میں نہیں ہوں - میری کشمکش حیات کا یہ دَور صرف خدا ہی دیکھ رہا ہے -

میری جان میرے بھائی عزیز حوصلہ حوصلہ حوصلہ حوصلہ اور کروڑ مرتبہ لکھوں گا اور کہوں گا کہ حوصلہ کرتے رہو - پہلے سے بھی زیادہ حوصلے کی وادی اور سنگلاخ گھاٹیاں سامنے ہیں -

میرا سب کو سلام - اباجی کو سلام بچوں کو پیار -

تمہارا بھائی
حفیظ

۲۰۶ - پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی ۲۹/۹/۵۳ء

(۷)

میرے عزیز السلام علیکم

میری جان یہ زندگی کے فریضے اللہ پاک کی طرف سے ہیں - ہم بڑے خوش نصیب ہیں - کہ خدا نے دوسروں کی ہمدردی اور اُن کی خدمت کی ہمیں توفیق دی - اب میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ یہ تکلیفیں اس کی طرف سے کسی بڑے ہی سعادت بخش معاملے کے لئے ہوتی ہیں -

اب کوئی اُلجھن نہیں - یہ سفر ہے کبھی ہم راہ میں گر پڑے دوسروں نے سنبھالا کبھی دوسروں کی ہم نے مدد کر دی - ایک ایک منزل سب کے لئے ——

مجھے حکیم صاحب کی بیماری کی خبر سے دلی صدمہ ہُوا - آپ کو معلوم ہے مجھے اُن سے کتنی عقیدت ہے - آپ کو معلوم ہے کہ میرے خیال میں ایسا وجود پھر اس دُنیا میں ہمارے لئے ممکن نہیں - اس لئے ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ خدا وند کریم عبدالرحمٰن کو ہم میں موجود رہنے دے ——— میرا سلام اُن سے کہیئے - میں کراچی جانے سے پہلے انشاء اللہ محض اُن کو دیکھنے کے لئے راولپنڈی آؤں گا - کب آؤں گا؟ یہ میری بیوی کی صحت پر منحصر ہے - ضمیر صاحب کے خط سے بھی حکیم صاحب کی بیماری اور

صحت کا حال معلوم ہوا۔ اللہ آپ کو ہمت دے خدمت کی۔

حفیظ

لاہور ۹/۱۲/۵۴۶ء

(۸)

میرے عزیز۔ ابھی ابھی خط ملا۔ آپ بیگم عزیزہ اور اپنے والد صاحب کو چھوڑ کر لاہور آنے کا قصد نہ کریں۔ یہاں معاملہ طویل نظر آتا ہے۔ میں ہی کسی روز اللہ نے چاہا تو آجاؤں گا۔ آپ نے اس خط میں حکیم صاحب کی طبیعت سے مطلع نہیں کیا۔

میرے گھر میں اللہ ہی اللہ ہے ستیدہ بیمار۔ فہمیدہ بیمار۔ اس کا شیر خوار بچہ بیمار۔ ہسپتال میں میری بیمار۔ اللہ کریم ہے اور شاہد عادل ——— اور شافیٔ مطلق!

حفیظ

لاہور ۱۴/۱۲/۵۴۶ء

(۹)

عزیز القدر السلام علیکم

ضمیر کی زبانی پھر حکیم صاحب کی علالت کا سنا۔ علالت چاروں طرف علالت۔ آسمان و زمین علالت سے بھر گئے ہیں۔ میری ساری دنیا مریض و علیل ہے ؎

سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

میری بیوی ——— سرطان کے اثر سے جو کچھ ہونا چاہیئے وہ پیشِ نظر ہے۔

میں ——— خیال نہیں تھا کہ یہ سب کچھ برداشت کر سکوں گا۔ یہ درد و کرب۔ عقوبت جسمانی جو میری بیوی برداشت کر رہی ہے وہ مجھ پر اس طرح اثر انداز ہے جیسے سورج کی شعاعیں محدب شیشے سے گزر کر کسی دوسری چیز کو جلا دیتی ہیں، میں اس طرح جل رہا ہوں اور جلنے کی کراہ تک اوپر نہیں کوئی دھواں نہیں ——— یہ وہ آگ ہے ———

بیٹیاں حسبِ معمول اصل مصیبت جو آنے والی ہے ——— وہ سیاہ بادل جو اُمڈ رہا ہے۔ اس سے بے خبر ہیں۔ کچھ وہاں کراچی ہیں۔ دو یہاں ہیں اور تیمار داری میں لگی ہوئی ہیں۔

میری حالتِ مادی ——— میری کیفیتِ ذہنی کو بھی اُجاڑ کئے دے رہی ہے۔ اب اللہ ہی اللہ ہے میرے دوست حکیم صاحب کی صحت اور اپنی خیر و عافیت یا چند الفاظ بطور یادآوری۔

حفیظ

لاہور ۱۵/۲/۵۴۶ء

(۱۰)

انا للّٰہ

عزیزِ من میرے السلام علیکم۔ آج میری ۳۵ برس کی رفیقۂ حیات نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ آج سہ پہر ساڑھے تین بجے

میری زندگی کی یہ جنگ بھی میری شکست پر منتج ہوگئی ؎

جینا پڑے گا اسے جانِ شیریں
کرنی پڑے گی تلخی گوارا

سید ضمیر۔ وصیت یاب خان صاحب کو اور ہو سکے تو اشتک صاحب اور بریگیڈیر حبیب الرحمٰن کو اطلاع دے دیں۔ میں اگر الگ الگ خط نہ لکھ سکوں تو معذور جانیئے۔ حکیم صاحب سے معاملہ واحد ہے۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں۔ میت یا وہ جسدِ فانی جسے کل سپردِ خاک کرنا ہے ابھی دوسرے کمرے میں اپنی بیٹیوں اپنی بہن ماں اور چند رشتہ دار عورتوں کے جھرمٹ میں میٹھی نیند سو رہا ہے۔

مجھے جاگنا ہے۔ پہلے سے بھی زیادہ ——— پانچ بیٹیاں اُس کی اور ایک دوسری ماں کی اب میرے ذمہ ہیں اللہ کی طرف سے۔

۷/۳/۵۴ء لاہور   آپ کا بھائی حفیظ

(۱۱)

مکرم و محترم حکیم صاحب السلام علیکم

گرامی نامہ ملا۔ عزیز کا تار بھی مل گیا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ دونوں اور آپ کے تمام متعلقین مجھ ناچیز کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ انسانی تعلقات کی جس نوعیت سے ہم وابستہ ہیں اسی نے مجھے سب سے پہلے عزیز کو یہ اطلاع دینے پر مجبور کیا۔ کیونکہ صلبی اور رحمی رشتہ سے زیادہ مضبوط اور مربوط رشتہ بے لوث اتحادِ خیال و اخلاص کا ہے ——— اور میرا خیال ہے کہ میں آپ عزیز اس میں اللہ کریم کی مرضی سے بندھے ہوئے ہیں ——— کیوں! ——— یہ اللہ جانے۔

حکیم صاحب آپ نے قطعی اور حتمی طور پر حرفِ آخر لکھ دیا۔ یقین جانئے کہ میں رضائے الٰہی پر معترض نہیں ہوں۔ میں نے گذشتہ چھ ماہ اس ضعیفہ مرحومہ کے مرض کے خلاف شدید جنگ کی ہے۔ اب اللہ کریم نے اس کو اپنے دامن پناہ میں لے کر اس کا مرض ہمیشہ کے لئے دور فرما دیا۔ میرا کیا منہ ہے کہ میں اس کو اپنی اہمیت جتاؤں۔ باقی رہا میں ؎

مری مجبوریاں کیا پوچھتے ہو؟   کہ جینے کے لئے مجبور ہیں ہوں

چلوں گا جب تک اس کی مرضی مجھے چلا رہی ہے۔ چلتا جاؤں گا نازیبانے مطّوکریں مشکلات ناتوانی۔ لیکن چلتے چلے جانے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

ابھی ابھی اخبار میں پڑھا ہے کہ حکومت پنجاب نے میری پنشن مقرر کر دی ہے ——— یعنی میری تھکن میری ہمت کو معلوم ہو گئی ہے۔ میں شکر گذار ہوں اللہ کا ——— اور حکومت کا بھی ——— جس میں کم از کم اتنی صلاحیت دکھانے کی توفیق ہے۔ لیکن مجھے کب تک زندہ رہنا ہے۔ یہ کون جانے؟

۱۲/۳/۵۴ء ماڈل ٹاؤن لاہور   حفیظ

لہ یہ خط میرے والد مرحوم کے نام تعزیت کے جواب میں موصول ہوا تھا۔

(۱۲)

میرے عزیز السلام علیکم۔

آج آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ اس سے پہلے "تعمیر" کا کٹنگ ضمیر نے بھیجا تھا۔ محبت کا مظہر تھا۔ آپ ابھی مری میں ہیں۔ جو زندگی میں مری میں ہوتا ہے وہ مر نہیں سکتا۔

مجھے جس حالت میں اب ۔ بے بہے سانس گذارنا پڑ رہے ہیں وہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ میرے خط کا انتظار کئے بغیر میرے پیارے مجھے یاد کرتے رہیں۔ یہ ایک مدد ہے جو میرے سانس کے چلتے رہنے کے لئے اور منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ تم میری زندگی کا ضروری حصہ بن چکے ہو۔ دم گھٹے تو گلے پر ہاتھ خود بخود آتا ہے۔ لہذا ہاتھ بن جاؤ اور افسوس نہ کرو۔ یہی ہوتی آئی ہے۔ اُوپر کے لباس یعنی وہ بڑے بڑے ذمہ مروت دوست جو مجھ پر لدے ہوئے تھے الحمد للہ خود بخود اُتر چکے ہیں۔ اب ہلکا ہوں۔

مشاغل — تم نے کبھی نیچہ دیکھا ہے حقہ پینے والے کبھی کبھی ایک خاردار بنٹ سے اس کی نالی صاف کیا کرتے ہیں۔ میں اپنے خاردار سانس سے اپنے سینے کی میل کو دُور کر رہا ہوں۔ یہی ہیں لیل و نہار — !

حفیظ

۲۰/۷/۵۴ء ۲۰۶، پی ای سی ایچ سوسائٹی۔ کراچی

(۱۳)

میرے عزیز السلام علیکم

خط ملا۔ ہاں میرے خط سے ذہنی کرب نمایاں ہوگا —— کیا ہوا؟ کونسی انوکھی بات ہے۔ غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہو جائیں گے۔

انسان کیوں اپنے حالات لکھے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کیا جذبہ ہے؟ اس کی کیوں ضرورت ہے؟ کیوں آئینہ دیکھ کر بدشکل سے بدشکل آدمی اپنی ذات کو اہم پاتا ہے — مجھے معلوم نہیں —— تاہم واقعہ یہی ہے کہ اپنے "تذکرے" سے خوشی ضرور ہوتی ہے۔ میری کیفیت دوسروں سے مختلف نہیں جز اینقدر کہ مبالغہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔ میرے عیوب شاید مجھے بہت زیادہ معلوم ہیں۔ لیکن میری خوبیاں جن کا آپ ذکر کرتے ہیں مجھے مطمئن نہیں کریں تو یہ احساس کیا کم ہے کہ زشت نہیں ہوں کسی کی آنکھ میں خوب یا کسی قدر خوب بھی ہوں —— اس لئے جو تم لکھنا چاہتے ہو میں مدد کے لئے حاضر ہوں اور اپنے عیوب بھی ظاہر کر دوں گا جن کی لوگوں کو کم خبر ہے —— جب تم قلم اُٹھاؤ مجھے کچھ لکھ کر بھیجو۔ میں اس پر اپنے خیال کے مطابق کچھ عرض کر دیا کروں گا۔

آخر کار مرکزی وزارت کے مرحلے سے میرا قومی ترانہ گذر گیا۔ بہزار خرابی۔ خدا کرے تم تندرست تمھارے بچے میری ماں باپ خوش و خرم ہوں۔

حفیظ

۹/۸/۵۴ء ۲۰۹، پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی

(۱۴)

میرے عزیز دوست السلام علیکم ۔

تمھارا خط مجھے پرسوں ملا۔ تمھاری ذہنی تکلیف سے مجھے اپنی اس علالت کے دَور میں مزید پریشانی کا سامنا ہے ۔ میں گذشتہ دُو ماہ سے تقریباً چار پائی پر ہی رہا ہوں اور اس وقت ایسی حالت ہے کہ تم مجھے پہچان نہیں سکتے ۔ چل بھی نہیں سکتا ۔ لیکن اُمید قائم ہے ۔

ابھی باقی ہے میعادِ مصیبت — ابھی کچھ اور جینا چاہتا ہوں

آپ نے صدیقی صاحب کی نئی شرارت کا اپنے بارے میں ذکر کیا ہے ۔ میرے عزیز میں تو شروع سے کہہ رہا تھا کہ شیطان کی خدمت کا نتیجہ جہنم ہے ۔ میں جانتا ہوں تم مجبور تھے ۔

اب بہت فکرمندی ضروری نہیں ۔ خاموش کام کرتے جاؤ ۔ اگر وہ تم پر ہاتھ ڈالے گا تو تم نے خدانخواستہ کوئی جرم تو کیا نہیں جس کی وجہ سے تمہیں خوف ہو ۔ صرف اپنی مفلسی اور تنہائی کے سبب تمھاری پریشانی ہے ۔ اللہ کا نام تم نے سُنا ہوگا ۔ وہ ہر بےکس اور تنہا کا یاور و مددگار ہے ، تم ان سب کو نہیں جانتے ۔ زبان بند رکھو ۔ سنو اور اپنی بھی بات بھی ان لوگوں سے نہ کہو ۔ اگر ان لوگوں نے تمھیں خراب کرنے کی جرأت بھی کی تو تم یقین رکھو کہ تنہا نہیں ہو ۔ میں عاجز سہی اللہ کے فضل و کرم سے اُمید رکھتا ہوں کہ دوستوں کا ہر حال میں ساتھ دوں گا ۔

ان دنوں اظہر صاحب ولایت جا چکے ۔ چوہدری محمد علی صاحب ۱۴ کو جا رہے ہیں ۔ ممتاز ابھی ولایت ہی میں ہیں ۔ وہ آئیں تو میں تمھارے لکھے ہوئے کے مطابق کوشش کروں گا ۔ انشاءاللہ ۔

گھبراؤ نہیں میری جان ۔ گھبراؤ نہیں ۔ مرد بنو ۔ میری طرف دیکھو ۔

بچوں کو پیار ۔

حفیظ — ۱۰/۹/۵۴ء — ۲۰۶ پی ای سی ایچ سوسائٹی ، کراچی

(۱۵)

عزیزم السلام علیکم

خط ملا ۔ میرے خیالات کی استقامت کے لئے آپ کی دُعا کا شکریہ ۔ معراج اس انقلاب کا نام ہے جو انسان کی رُوح میں اُس وحی کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے ۔ جب یہ انقلاب پیدا ہوتا ہے تو انسان مومن بننا چاہتا ہے اور بلندی کی طرف رجوع کرتا ہے یہیں سے معراج شروع ہوتا ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا ہی مسلمان کی معراج ہے اس سے آگے کوئی مقام ہی نہیں ۔ لیکن یہ کہنا کہ کون وہاں تک پہنچا ہے ؟ آسان نہیں ۔ اس کے لئے صرف ایک معیار ہے اور وہ ہے وحی جس کا نام قرآن ہے —— میں نہیں جانتا کہ میرے یہ خیالات میرے سینے میں کب سے ہیں ؟ مگر یہ نئے نہیں ہیں ۔

تم بہت اچھے آدمی ہو مگر گھر کے حالات اور سستا بک جانے اور کلرکی کو مجبوراً اپنا محور بنا لینے کی وجہ سے اپنی

آرزوؤں میں تلخ کامی دیکھتے ہو اور تم سچے بھی ہو لیکن مایوس نہ ہو۔

ہاں قومی ترانہ ——— میرا ایک تازہ شعر ہے بلکہ دو ہیں۔ کل ہی لکھے ہیں۔ ؎

عرضِ ہنر بھی وجہِ شکایات ہو گئی   چھوٹا سا منہ تھا مجھ سے بڑی بات ہو گئی

دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف   اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

ڈاکٹر باقر ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بھی ٹھیک کہتا تھا۔ تم بھی ٹھیک تھے جو عمل نہ کر سکے۔ ہر چیز اپنے لئے ایک وقت اور مقام رکھتی ہے۔

دسمبر میں رخصت سے لوٹ کر کہاں رہنے کا ارادہ ہے؟

۲/۱۰/۵۴ء ۲۰۶ پی ای سی ایچ سوسائٹی   دعاگو حفیظ

(۱۶)

عزیز میرے۔ آج جواب دینے کے لئے یا رسیدِ خط دینے کے لئے ندامت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ ابھی آئندہ کام کی سکیم اور اس پر سٹاف کی ضرورت وغیرہ کو قلمبند کر رہا ہوں۔

عزیز میں چاہتا ہوں کہ تم کو رسالہ کے ایڈیٹروں یا ریسرچ آفیسر کے طور پر لے لوں۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھے بتاؤ۔ بے تابی اور اضطراب کے ساتھ نہیں۔ کسی بھی پریشانی کے ساتھ نہیں۔ سکون دل سے حساب دانوں کی طرح حالاتِ موجودہ کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر مجھے بتاؤ۔

حکیم جی کیسے ہیں؟ بچے کیسے ہیں؟ میرا سلام۔ میری دعائیں سب کے لئے۔

۲۰/۶/۵۵ء کراچی   حفیظ

(۱۷)

میرے عزیز السلام علیکم۔

تمہارا خط مجھے لالہ موسیٰ سے واپسی پر ملا ہے۔ یہاں ڈاکٹر اعظم کریوی ایک دوست بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ کچھ دنوں سے وہ میرے ممد و معاون تھے۔ اب پھر تنہا ہوں۔ اردو کے مشہور اخبار نویس اور شاعر حسرت صاحب بھی اٹھ گئے ؎

ساقیا یہ روا روی کا ہے دَور

پھر دے بھر دے کچھ اور پیمانہ

یار ——— میرے دَور کی دنیا جلد جلد رخصت ہو رہی ہے۔ نئے میلے سے میں مانوس نہیں۔ اس لئے ——— خیر جانے دو۔ منیر صاحب کو لازماً حسرت صاحب کے انتقال سے صدمہ پہنچا ہو گا۔ میں نے اخبار میں دیکھا ہے کہ مری کے کسی مشاعرے میں اُن کی طرف سے ایک ماتمی ریزولیشن تھا۔ ملک میں بھی ماتم کیا جا رہا ہے۔ اب حسرت کو بڑا اور جید اور سب کچھ مان رہے ہیں۔ زندگی میں اس سے بیس گنا کم بھی اگر اعتراف ہوتا تو بے چارے کی حوصلہ افزائی ہو جاتی۔ یہ ہے یہ شریر دنیا!

اب اس کو ان تعریفوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے تو کس قدر اسراف کیا جا رہا ہے۔
میرا سلام اپنی محفل میں، اپنے ابا کو، ضمیر کو سب کو۔

۶۵۵/۷/۷ کراچی — حفیظ

(۱۸)

ملک صاحب —

جناب کراچی سیر کرنے تشریف لے گئے۔ کاش مجھے پہلے سے اس ارادے کی خبر دیتے۔ جناب کراچی سے لاہور ہوتے ہوئے راولپنڈی تشریف شریف کو واپس لے گئے۔ کاش مجھ سے مل کر جاتے۔

جناب ایک خط لکھیں کہ آیا اب راولپنڈی ہی میں ہیں یا نہیں، تاکہ میں جب آؤں تو آپ کو اطلاع دے کر آؤں اور یہ بھی اطلاع دیں کہ آیا حق صاحب ڈپٹی کمشنر پنڈی ہی میں ہیں؟

آپ کا نالائق دوست
حفیظ جالندھری

۶۳۵/۱/۵ ماڈل ٹاؤن لاہور

(۱۹)

پیارے عزیز، السلام علیکم۔

تمھارا ۱۷ / اگست کا پوسٹ کارڈ مجھے آج صبح ملا ہے۔ صبر کی تلقین دنیاداری طرز کے وہ الفاظ جو رائج ہیں۔ نہ بھی لکھوں تو آخر کون سی صورت ہے جس سے تم کو معلوم ہو کہ اس رنج و غم کے عالم میں تمھارے دوست تم سے کیا چاہتے ہیں۔ میں اس خبر سے متعجب نہیں ہوا۔ مجھے اس مرتبہ قطعی طور پر معلوم تھا کہ حکیم عبدالرحمن ہم سے جدا ہو جائیں گے اور وہیں چلے جائیں گے جہاں میرے بہی خواہ، بزرگ دوست اور سرپرست مربّی جا چکے ہیں۔ لیکن مجھے خود کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یتیم ہو گیا ہوں۔ ان کی مجھ پر جس قدر شفقت تھی اگرچہ تمھاری وجہ سے پیدا ہوئی لیکن میرے لئے بہت بڑی پناہ تھی۔ آج چاروں طرف دیکھتا ہوں سر عبدالقادر، سید راس مسعود، گرامی مرحوم اور اپنے والد کے بعد یہی ایک وجود تھا جو حفیظ کو حفیظ کی وجہ سے عزیز رکھتا تھا — رہے تم عزیز، کیا کرو گے۔ دفن کر آئے ہو۔ اولادِ نرینہ ہو۔ ان کی چھوڑی ہوئی کوئی ایسی سخت قسم کی ذمہ داریاں تو نہیں ہیں جن کو تم نئی سمجھو۔ البتہ وہ وجود اتنا بڑا جیّد عالم۔ اتنا بڑا خیرِ طلب جس کے فرزند ہونے کا تم کو شرف حاصل ہوا اس کا موجود نہ ہونا بھی تو کچھ کم مصیبت نہیں ہے۔ بہرصورت کیا کرو گے۔ چار و ناچار سانس لو گے اور اس وقت تک لیتے چلے جاؤ گے جب تک سانس کی آمد و شد کا خالق ضروری جانے۔ عزیز جو کچھ لکھ چکا ہوں خود مجھے ہلکا اور بے معنی معلوم ہوتا ہے میں تمھیں تا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ میں تسلی دینے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے باوجود یہ جاننے کے کہ حکیم صاحب اس مرتبہ جانے ہی کے لئے بیمار ہوئے تھے۔ یہ انتقال اچنبا اور کچھ انہونی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ سچ ہو گئی ہے۔ میری طرف سے یہ سمجھ لو کہ تمھارا ایک بڑا بھائی ہوں اور خود مجھے ضرورت ہے کہ کوئی تعزیت فرمائیں ؎

ان تلخ آنسوؤں کو نہ یوں منہ بنا کے پی
یہ مے ہے خود کشید اسے مسکرا کے پی

اُتریں گے کس کے حلق سے یہ دلخراش گھونٹ　　　کس کو پیام دوں کہ میرے ساتھ آ کے پی

۳۰/۸/۵۷ء　باتھ آئی لینڈ، کراچی　　　تمہارا بھائی حفیظ

(۲۰)

عزیز من السّلام علیکم ۲۲ ستمبر کا خط ملا۔ آپ نے دفتر جانا شروع کر دیا ہے" مطلب" حالات کی رُو سے جائز نظر نہیں آیا۔ یہ آپ کے خط سے اخذ کر رہا ہوں۔ گُم کردہ راہ آپ کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔ بجز این قدر کہ من نہ کردم شما حذر بکنید میں تو سنگلاخ چٹانوں میں گھاس کی طرح اُگ آیا تھا۔ جب تک میری اندرونی نمو کار فرما رہی سانس لیتا رہا۔ تنہا نخ چٹانوں کی سختی اور تمازت کے اثر نے مجھے جھلسا کر رکھ دیا اور اب نسیاً منسیاً ہونے والا ہوں۔ آپ ایک تعلیم یافتہ باپ دادا کے نونہال تھے اب تمام ذمہ داری آپ کی ذات پر ہے۔ ذمہ داری اپنی والدہ کی اور اپنی بیوی کی اپنے بچوں کی اضافہ ہی اپنے مقاصد حیات کی۔

مجھے کل مفتی صاحب نے "خونِ حسین" کا ایک نسخہ آپ کی طرف سے عطا کیا۔ میں نے مختار صدیقی صاحب اور آپ کی پیش گفتار اور تقریب سرسری نظر سے ابھی ابھی پڑھی ہے۔ "نوائے وقت" میں اس سے پہلے اس کتاب پر تبصرہ بھی پڑھا تھا جس میں کتاب کو سراہا گیا تھا۔ میری یہ لائین چونکہ نہیں ہے اس لئے آپ کی ریسرچ پر محاکمہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے جن مآخذ سے کام لیا ہے۔ اُن کے پیشِ نظر آپ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ میں نفسِ مضمون کے بارے میں کہہ رہا ہوں، رہ گیا اسلوبِ بیان، وہ مؤرخانہ ہے اور آپ نے بڑی خوبی سے اس کو نبا ہا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر اس تقریب میں چند سوالات پیدا ہوئے آئندہ مطالعہ کتاب شاید جوابات بھی مہیا کر دے۔ یہ صرف میری اپنی ذاتی افتادِ طبیعت کا خاصہ ہے ورنہ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست میرا شعار ہے۔

۲۳/۹/۵۷ء　باتھ آئی لینڈ۔ کراچی　　　حفیظ

(۲۱)

برادر عزیز السّلام علیکم۔

آپ کا ۱۲ ستمبر کا مکتوب میرے خط کے جواب میں مل گیا۔ کسی حصولِ شکریہ کے لئے میں نے خط نہیں لکھا تھا عزیز! آجکل بیتی ہوئی راہِ زندگی کے وہ پھول اور وہ کانٹے رہ رہ کر ملنے آ رہے ہیں جو میرے لئے حاصلِ حیات ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو شاید عنقریب اُس منزل پر جا ملوں جو اس مادّی وادی سے گذر چکنے کے بعد مقدّر ہے ——— اگر وہ اور آگے اور آگے نہیں چل دیئے ——— لیکن چند ایک ایسے بھی ہیں جو ابھی میری ہی طرح بھٹک رہے ہیں۔ ایسی گھاٹی میں جہاں میں پاشکستہ پڑا ہوں۔ اُن چند میں ایک تم بھی ہو عزیز۔ تم نہیں جانتے تھے یا نہیں جان سکتے تھے کہ تمہارے ابا مرحوم تم سے کیوں خفا ہو جایا کرتے تھے۔ وہ تم سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ ان کو تم سے ہر وہ توقع تھی جو ایک عاشقِ زار باپ کو اپنے اکلوتے فرزند سے ہونی چاہیئے۔ لیکن تم ابھی نادان تھے۔ اُن کی خفگی کے اندر کی گرمیٔ شفقت سے بے خبر رہتے تھے ——— اتنا تو نہیں لیکن اس

طرح کا تعلقِ خاطر مجھے بھی تم سے تھا۔ تمہاری کسی خوبی کے سبب سے نہیں اور نہ اپنی فرشتہ خصلتی کے سبب سے۔ یہ ایک ذاتی تعلق ایک ذات سے تھا اور بس۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم آغاز سے انجام تک (اب میرا انجام قریب ہے) اس جذبہ کو نہیں سمجھ سکے۔ میں جانتا ہوں کہ کسی کو بے سمجھ گردانا اور کہہ دینا کہ تم بات کو نہیں سمجھے انتہائی اشتعال کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن عزیز بہت سی باتیں ہیں جن کو ہم تم واقعی نہیں سمجھتے یا جلد نہیں سمجھ پاتے۔ چلو خیر آؤ اس سمجھ بوجھ کی بات چیت سے درگذر کریں۔

تمہارے خط میں انتہائی کرب ہے۔ یہ تنہائی ہے جس کا تم شکار ہوا اور شکار رہتے ہو۔ یہی ہے سمجھ لینے کی بات گدھے، کتّے اور اس طرح کے جانور تنہا نہیں ہوتے انسانوں میں بھی گدھے کتّے بے شمار ہیں۔ یہ سب "گدھے گھر کی" اور "کتا جھونکی" کو رفاقت جانتے ہیں کلیلیں بھی کرتے ہیں دولتیاں بھی جھاڑتے ہیں۔ لیکن آدمی ——— آدمی تو تنہا ہی رہنے کے لئے مجبور ہے۔ آدمی حصولِ رفاقت کے لئے مارا مارا پھرتا ہے اور کسی کو نہیں پاتا۔ آدمی کا کوئی رفیق نہیں۔ جیسے جیسے گدھا پن اور کتا پن دُور ہوتا جاتا ہے آدمی کی تنہائی بڑھتی جاتی ہے ——— اس سے زیادہ کیا کہوں عزیز ——— یہ تمہارا بدنصیب آدمی پن ہے جس کو تنہائی کے سوا کچھ بھی نصیب نہیں اور نہ ہوگا۔ اللہ اور رسولؐ کے سوا کوئی رفیق آدمی کا نہیں اور آدمی اپنی آلودگی جب تک دُور نہیں کر لیتا ان کی رفاقت سے شرماتا ہوا الگ ہی الگ رہتا ہے۔

تم میرے اور اپنے بارے میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ اس کو تم بھی بھول جاؤ۔ عزیز یہ ممکن ہی نہ تھا کہ میں تمہاری شکی ہو جاؤں۔ یہ تمہاری اپنی غلط فہمیوں کی آخری منزل تھی۔ لیکن اب اس کا تذکرہ فضول ہے۔ میں نے نفرت کا احساس آپ سے کبھی نہیں کیا۔ البتہ حیرت مجھے ہوئی۔ گذشتہ ۳۰ اپریل کو میں دراصل مر چکا تھا۔ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ۳۰ اپریل سے پہلے اگر کوئی تاثر میرے قلب پر اس طرزِ سلوک کا ——————— تھا بھی تو وہ موت نے دُور کر دیا۔ مجھے تو اب اُن کانٹوں سے بھی رنج نہیں جن سے میری رُوح فگار رہے۔ پھولوں سے کیسے تکدّر ہو سکتا تھا۔ اور تم جو کچھ بھی تھے میرے لئے پھول سے کم نہ تھے جو مسرت بخشتا تھا اور اب تو یہ رُوح پر نقش ہے۔ معاف کرنا میری دماغی حالت مضمون آرائی کی حامل نہیں۔ پراگندہ خیالی اس کاغذ پر سند ہو رہی ہے۔ فلسفہ یا فلسفہ آرائی دوستی سے گھٹیا باتیں ہیں۔ آؤ ان سے مُنہ پھیر لیں۔ میرے لئے میرے عزیز تم وہی ہو جو پہلے تھے۔ میرا جسمانی طور پر گم ہو جانا بہت ہی قریب کا متوقع حادثہ ہے۔ (حادثہ ہی کہنا چاہیئے) حرکاتِ مذبوحی کے معنیٰ تو تم جانتے ہو گے۔ اُنہی میں مبتلا ہوں۔ ارادہ کی حرکت کوئی نہیں۔ ذبح شدہ جانور ارادہ سے حرکت نہیں کیا کرتا عزیز۔ میں بھی ایسا ہی جانور ہوں۔

حفیظ

معرفت پوسٹ ماسٹر مری ۲۴/۹/۶۱ء

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تم نے سب روزے رکھے ہیں اور تم مولویوں کے فرزند بھی ہو۔ اس لئے تم کو عید مبارک ہو۔ میں نے صرف ۱۵ روزے اس مرتبہ رکھے۔ زیادہ بوجہ شکستِ اعصاب نہ رکھ سکا اس لئے آدھی عید میری بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں گلے ملنے والا کوئی نہیں۔

اس لئے عید کے دوسرے روز تڑ کی شام شاید راولپنڈی پہنچ کر اپنے دل کا پہلو آپ کے اس پہلو کے سپرد کر دوں جس پہلو کے نیچے دل نہیں ہے تمھاری کتاب کی ایک کاپی میرے ساتھ ہوگی۔

۱۶/۳/۶۶ء ماڈل ٹاؤن لاہور حفیظ

(۲۴)

عزیز السلام علیکم۔

تمھارا ۲۷ ستمبر کا خط پہلے اور ۲۹ ستمبر ۶۱ء کا پوسٹ کارڈ بعد میں ملا۔ جواب جلد نہ لکھنے اور خود بخود نہ لکھ سکنے کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کی رحلت کے بعد چند جوان طالب علم لڑکے میرے پاس آئے اور کہا حفیظ صاحب آپ کو انجمن ترقی اردو اور اُردو کالج وغیرہ کے معاملے میں بابا کی جگہ کے لئے کوشش کرنا چاہیئے۔ میں نے اُنھیں یہ کہہ کر بھگا دیا کہ میں اس سازش گڑھ میں قدم تک رکھنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے پنجابی کا طعن سُنتے رہنے کے باوجود اُردو کو مُلک اور بیرونِ مُلک جتنا کچھ بھی پھیلایا وہ میرا ذاتی جذبہ تھا اور اس کے ساتھ ہی میں اُردو کے سلسلے میں پاکستان اور بھارت ہی نہیں بعض دوسرے ملکوں میں بھی اپنی بری بھلی شعروشاعری کے ذریعہ جو کام کر رہا ہوں اس میں نمائش کا یا کسی ادارہ پر اقتدار کا قطعًا کوئی خیال میرے دل میں نہیں ہے۔ میں تنِ تنہا اپنی بساط بھر کام کرتا رہا، کر رہا ہوں، کرتا رہوں گا۔ بابائے اُردو نے بیشک اُردو کے لئے عمر بھر جنگ لڑی۔ وہ اردو یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو مرحوم نے رفیق بنایا —— وہ یافت عہدہ اور اور رسوخِ دنیوی کے ساتھ اقتدار کے طالب تھے۔ انہوں نے بابا کو پہلے تو اپنی ذاتی خواہشات کا ذریعہ بنایا۔ پھر جب دیکھا کہ اب یہ اُردو کے مقصد کے لئے کام لینے پر مُصر ہے تو اس کے ایسے مخالف ہوگئے کہ میں نے خود بابا کو آٹھ آٹھ آنسو روتے دیکھا۔ وہ تو خدا بھلا کرے صدرِ مملکت پاکستان کے لائے ہوئے انقلاب کا اور خود فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی ذات کا خداوند کریم حافظ و ناصر ہو جس نے اُس ۹۳ برس کے بوڑھے خادم قوم و ملت کو ان شرفا کے چنگل سے نکالا اور اس توہین اور مسلسل دل شکنی سے مرنے کے بجائے بابا نے جب اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی تو اُسے آج ہم سب قومی ہیرو کی حیثیت سے یاد کرنے کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ یقینًا وہ اُردو کے سلسلے میں بہت ہی بڑا مجاہد تھا۔ لیکن انجمن ترقی اُردو اور اُردو کالج کے با اقتدار لوگوں نے جو بابا ہی کے پروردہ تھے اور اب اُس کو کاٹ رہے تھے اگر ایوب آڑے نہ آتے تو اُسے بدنام کر کے مارتے —— خیر میں نے ان لڑکوں سے کہا میرے جوان دوستو میں بابا کی سی شخصیت بھی نہیں رکھتا اور اگر میری کچھ شخصیت ہے بھی تو میں اُسے سازشوں کے رتھ اور اپنی نیک نامی کو بچانے کی کد میں اُلجھانا نہیں چاہتا، آپ کسی اور کو ڈھونڈیئے —— لڑکے چلے گئے۔ تیسرے دن پھر آئے۔ اُس روز صدرِ مملکت نے مرحوم بابائے اُردو کی قبر پر فاتحہ خوانی کے بعد کچھ الفاظ فرمائے تھے جن میں سے ایک فقرہ یہ تھا کہ "بابائے اُردو نے جو ادارے قائم کئے تھے ان کو قائم رہنا اور بہتر طریق سے چلنا چاہیئے" —— لڑکوں نے مجھے بتایا کہ مولوی عبدالحق اُردو یونیورسٹی کے قیام کے معاملہ میں جب اپنے ساتھیوں سے مایوس ہوگئے تو آپ

نے پاکستان کے طلبہ کو امداد کے لئے پکارا۔ طلبہ نے لبیک کہا۔ اور ایک مجلس طلبہ مرکزی بابائے اُردو نے قائم کی اور ایسی ہی مجالس
طلبہ پورے ملک میں قائم ہو گئیں۔ میں نے طلبہ سے پوچھا پھر مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں۔ لڑکوں نے کہا کہ گزشتہ دنوں
کراچی میں کچھ طالب علموں نے جبل پور کے مسلمان مقتولوں کے لئے غم و غصہ کی حالت میں مظاہرہ کیا تھا۔ اگرچہ اس مجلس طلبہ کا اس
شورش سے کوئی تعلق نہ تھا جو پولیس اور لڑکوں لڑکیوں کے درمیان ہوئی لیکن طلبہ کے نام کے سبب سب اُس لپیٹ میں آ کر
اُسی لاٹھی سے ہانکے گئے جس لاٹھی سے شورش پسند ہانکے گئے تھے۔ اور مزہ یہ کہ اُردو کالج کے مقتدر لوگوں نے بھی محض اس وجہ
سے کہ بابائے اُردو بھی بدنام ہوں، بابا کے ساتھی طلبہ کو پہلے تو بھڑکایا جب وہ نہ بھڑکے تو اُن کو دوسروں میں شامل بتا کر بدنام
کروا دیا تھا۔ اس لئے اب ہم بابائے اُردو کی موت کے بعد یتیم ہیں۔ ہم بابا کے سامنے قسم کھا چکے ہیں کہ اردو یونیورسٹی کے لئے
جد و جہد کریں گے۔ لیکن بڑے لوگ ہمیں (پولیٹیکل) سیاسی مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ
آپ ہماری رہنمائی کریں۔ ہم اشتراکی یا خلافِ پاکستان یا خلافِ حکومت کسی تحریک میں ہرگز شامل نہیں ہونا چاہتے۔ ہم محض اردو
یونیورسٹی کے لئے ملک بھر میں ایک فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں جس طرح لاہور کے طلبا نے پاکستان کے لئے حضرت قائداعظم کے ایما
پر کام کیا تھا۔ پھر مجھ سے لڑکوں نے شاہنامۂ اسلام اور میری دوسری نظموں کا ذکر کیا اور کہا حفیظ صاحب آپ ہم کو یہ مصطفیٰ
برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست کی تلقین تو کرتے ہیں۔ لیکن ہماری رہنمائی سے گریز کر رہے ہیں۔ عزیز تم جانتے ہو۔ میں جذباتی
ہوں حضور سرورِ کائنات ﷺ کا نام آتے ہی مجھ گناہگار سے کسی ایسے امر سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ میں نے ان سے کہا میرے
بیٹو! میں بہت کمزور و بیمار ہوں۔ تن تنہا یہ بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ میرے آنسو نکل آئے تھے۔ یہ بچے بھی متاثر ہوئے۔ میں نے
اُن سے کہا میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو اپنا لیڈر مان چکا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ یہ فردِ واحد ہم سب کو اُس سربلندی کی
طرف لے جا رہا ہے۔ جو پاکستان کا مقصود ہے۔ اس لئے میں مجلس طلبہ کی سرپرستی اس شرط کے ساتھ کہ میں اس راہ پر چلوں گا
جو صدرِ مملکت نے ہمارے لئے تجویز کی ہو اور تم بھی اُس راہ پر چلو گے۔ تو جب تک تمھیں میری جگہ بہتر آدمی نہ ملے۔ میں مشورہ دینے
کو حاضر ہوں۔ بشرطیکہ کام میرے مشورے کے خلاف نہ کیا جائے۔

اس طرح عزیز میں نے ان نوجوان طلبۂ پاکستان کی بات مان لی اور لڑکوں نے میرے ہی گھر میں بیٹھے ہوئے ایک میٹنگ
کر کے مجھے اپنا سرپرستِ اعلیٰ چن کر اخباروں میں اعلان کر دیا۔

میرے مقصود اس سلسلے میں دو ہیں۔ پہلا یہ کہ نوجوان طلبۂ پاکستان، پاکستان کے ان مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کریں
اور اشتراکی ہو یا ثقافتی، مغربی ہو یا مشرقی کوئی بھی ہوا چلے وہ سوائے اسلامی تہذیب و معاشرہ کے اور کسی سے متاثر نہ ہوں اور ہرگز
ہرگز قومی حکومت کے لئے کسی بھی اشتعال کے ماتحت ایسی حرکت نہ کریں جو ملک و ملت کو خلجان میں ڈالے۔ دوسرا مقصد یہ ہے
کہ اگر اردو یونیورسٹی کی تجویز جو بہت ہی اہم تجویز ہے جو حکومت کے منشا کے بغیر کسی طرح بھی صورت پذیر نہیں ہو سکتی اگر حکومت
اس تجویز کو بروئے کار لانا چاہے اور یہی چاہیئے کہ عوام الناس بھی مالی و زر اور جذبۂ ملی سے اپنی مدد آپ بھی کریں تو ان
نوجوانوں کو قوم میں کام کرنے کی تحریک کا ہراول دستہ بنایا جائے۔

باقی رہا ہیں — میرے عزیز — میں تو اب چلا ہوا کارتوس سمجھ لیا گیا تھا۔ ورنہ میں نے بھی گوشۂ تنہائی کو قبول کر لیا تھا۔
لیکن اگر قوم کو مجھ سے توقعات ہیں تو جب تک میرے ایمان پر ضرب کا خطرہ نہ ہو میں پاکستان میں معاشرۂ اسلامی کی ہر تحریک کا
وفا شعار سپاہی بنے رہنے کو گوشہ گیری پر ترجیح دوں گا۔ چونکہ میں نے بچوں سے الگ رہ کر دیکھ لیا ہے اور ابھی اُن کا ردِعمل دیکھ رہا
ہوں اور آٹھ کو یہ ارمغان ایک شامِ غم منا رہے ہیں۔ اور میرے محض اس انتخاب سے کہ لڑکوں نے محض خالی جدوجہد جلسہ اردو
کے لیے مجھے ریسٹ بنا لیا ہے۔ ایک تلاطم بپا ہے اور طوفان کی آمد آمد نظر آ رہی ہے۔ بہرحال یہ وجہ چار پانچ دن سے خاص
طور پر چند نہ لکھ سکنے کی ہو گئی تھی۔

اب تمہاری کتاب " میں نے لیا " اس پر امروز میں جو چند سطور ریویو کی شائع ہوئی ہیں وہ ارسال ہیں۔ مجھے پسند نہیں
تم کو بھی پسند نہ آئیں گی۔ کاش میں تمہاری کتاب پر اپنی رائے ظاہر نہ کر چکا۔ اگر میں نے یہ رائے کتاب پر چھپوا نہ دی ہوتی تو
میں خود اس پر کچھ نہ کچھ لکھ کر اخبار میں بھجواتا۔ گھبراتا نہیں۔

بچوں کو دعا۔ میں ہر روز یہاں سے لاہور آنے کی سوچ رہا ہوں اور وہاں سے پنڈی لیکن یہ تماشا خانہ ہو گیا۔ اب آئندہ تاریخ
کے بعد چلنے کی ٹھہراؤں گا۔

باتھ آئی لینڈ کراچی — حفیظ

(۲۴)

عزیز تمہارا ۱۶ اکتوبر کا کارڈ مل گیا۔ ہاں یہ ہے اپنے مولا سے لو لگانے کا آغاز کہ سب سے پہلے اپنے ہی مقام سے
بے خبری کا سامنا ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خود بے مقام اور ہمہ مقام ہے اس لئے عزیز اس کا ہو جانے والا بھی ہمہ گیری کے لئے
مقام از بے خبری سے آغاز کر کے عرش کی طرف اُٹھتا ہے۔ اب تک سالک اور مجذوب میں اس کیفیت کے اندر نمایاں امتیاز یہ
سالک ہمہ گیر ہو جانے کے بعد جس مقام سے چلتا ہے اس کو ملحوظ رکھتا ہے اور ہر جگہ موجود بھی ہوتا ہے۔ اس کے لئے جہاں
وہ ہے عرش والا موجود ہے البتہ مجذوب اپنے پہلے مقام کو پہچانتا تک نہیں۔ وہ کسی بھی مقام کو نہیں پہچانتا۔ خیر یہ
سلوک کی باتیں ہیں۔ مجھے زیب نہیں دیتیں۔ میں تو نہ سالک نہ مجذوب۔ میرے لئے یہ بھی خوب وہ بھی مرغوب۔

میں نے واپسی کی کوئی تاریخ متعین نہ کرنے میں اپنے ارادے کی مطابقت نہیں کی۔ میں بھٹکا ہوا ہوں۔ میرا کوئی
ارادہ نہیں ہے۔ رتی بیمار ہے۔ بہت بیمار ——

ریویو کے لئے "اُدھر میں نے کہا" کے ریویو کے لئے آپکی تمامی عقل و خرد اور اسلوب درکار ہے۔ یہ ہمارا اور تمہارا دوست
ہی نہ کوئی نقش ثنائی کے شہکار ہیں۔ بہرحال میرا تھا ایک جاننا ہی کام اس کو انجام دے سکے گا۔ خاکی صاحب کا ایک خط
مجھے ملا تھا۔ میں نے جواب دے دیا۔ تم اُن کو میری طرف سے لکھ دو کہ وہ اس کا ریویو لکھ دیں۔

تم صحت کے لئے تردد نہیں کرتے۔ حالانکہ ہمارے آقا و مولیٰ کا حکم ہے صریح حکم کہ صحت جسمانی اور روحانی دونوں کے
لئے سعی کرو۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس کے مقام تک پہنچنے میں دقتیں ہیں۔ خوش رہو عزیز۔ تمہاری وجہ سے

موجود ہے۔

۶ ۱۸/۱۰/۶۱ باتھ آئی لینڈ کراچی — حفیظ

(۲۵)

عزیزہ ——— ہ

تمہارا خط بالآخر مل گیا ہے
پرانا زخم دل پھر کھل گیا ہے

بچی کی کالی کھانسی میری بیوی کو لے بیٹھی ہے۔ وہ بھی نیم مردہ ہو رہی ہے کراچی سے تمہاری بھیجی ہوئی دوائی نہیں آئی اور تم نے دوبارہ لاہور نہیں بھجوائی دیکھا تم نے کیسے قافیے پہ قافیہ جڑ رہا ہوں، اس سے ظاہر ہے کہ میرا اپنا قافیہ تنگ ہے۔
یہ اب نئے باب کہاں کھلے ہیں۔ کس کو نئی تکلیف حفیظ سے پہنچی ہے۔

لاہور — حفیظ

(۲۶)

عزیز

میں نے کراچی سے چلتے وقت ایک پوسٹ کارڈ تمہیں لکھا تھا جس میں بچی کی کالی کھانسی کی کوئی مجرب دوا پوچھی تھی میں ۱۴ ار کی شام کو یہاں پہنچا ۱۵ ار ۱۶ ار ۱۷ ار کو یہیں تھا۔ تمہارا جواب نہ ملا۔ اگر آپ نے میرے پوسٹ کارڈ کا جواب لکھا ہے تو ممکن ہے وہ کراچی پہنچ گیا ہو، اور وہاں میرے گھر میں سے اب تک کسی نے میری ڈاک لاہور بھیجی ہی نہیں ——— یہ تھی پہلی بات جو میں نے تم کو لکھ دی۔

دوسری بات بہت طول طویل ہے۔ شیطان کی آنت میں نے تو دیکھی نہیں لیکن جس نے یہ محاورہ گھڑا ہے یا وہ جس کو اس آنت سے واسطہ پڑا ہو مجھے اس سے ملنے کی تمنا ہے جس الجھن میں گرفتار ہوں اگر یہ شیطان ہی کی آنت ہے تو واقعی یہ کوئی ایسی آنت نہیں جس سے چھٹکارے کی صورت کسی قصاب کی چھری سے ہو سکے۔ بس اللہ ہی چاہے تو رہائی ورنہ چاہے تو پھر جائے یہ آنت سانپ کی طرح مجھے کس چکی ہے۔ یہ ہے میری گھریلو زندگی۔ عزیز آج میری بیوی نے مجھے بہت سنجیدگی سے تلقین کی اور کہا جن لوگوں کو آپ دوست سمجھتے یا دوست بنانے کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ مناسب ہے کہ دوستی کے حدود قائم کر لیجئے۔ دریافت کیا تو شخص مذکور کا نام لے کر فرمایا گیا کہ ملاحظہ فرمایئے آپ نے کن حدود کو توڑا۔ ان کو کیا سمجھ بیٹھے اور آخر ایسے وقت جب کوئی دشمن ایسا وار نہ کرتا، ان دوست صاحب نے آپ کو کیا سبق دیا۔ علیٰ ہذا القیاس میرے مزید استفسار پر کہا شخص مذکور نے خود فرمایا تھا کہ جب حفیظ صاحب خود ہی اپنے گھریلو حالات اپنے دوستوں سے بیان کر دیتے ہوں تو دوست کیوں نہ ان سے مزا لیں اور اپنے دوسرے مزا لینے والے دوستوں سے بیان کر کے محظوظ کرائیں۔ باقی رہی دلسوزی تو بیوی نے فرمایا وہ تو شعر شاعری تک آپ کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔ عملی دلسوزی کی توقع آپ کیوں کرتے ہیں ——— میں نے

عرض کیا میں خود جو عملی دلسوزی اُن سب سے کرتا رہتا ہوں — تو اس نے آہ بھری اور کہا حفیظ صاحب یہیں تو حدود کی ضرورت ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حفیظ کو ہم سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا ہوگا جبھی تو ہم پہ جان چھڑکتے ہیں — میں چپ ہو گیا عزیز اور بیوی کاشی کو لے کر ڈاکٹر کے ہاں شہر کو چلی گئی ہے۔ میں سرور گیہان پہ شیطان کی آنت سے بیٹھا ہوں — اور تم کو اس میں باندھ رہا ہوں — اور تم کو کیوں باندھ رہا ہوں — اس لئے کہ اس دو تین گھنٹے کے غور و خوض نے مجھے یہ بتایا کہ اگرچہ تم نازک مزاج ہو۔ غصیلے بھی ہو لیکن دنیوی لحاظ سے ایسے نہیں ہو کہ مجھے اپنی ذات سے کوئی مادی منفعت کے حصول کا ملزم گردان سکو۔ تاہم غور و خوض نے مجھے یہ بتایا ہے کہ دوست اگر کسی منفعت کے حصول کے لئے مجھے کوشاں بھی خیال کرتے ہوں تو بے جا نہیں تھا۔ یقیناً میرا عملی غم و دوا ان کے مصائبِ دنیوی دُور کرنے کے لئے ایک نفع چاہتی تھی اور وہ نفع تھا میری محبت اور خلوص ہمدردی کا احساس اُن کے دلوں میں اور بس — میں ایسا کیوں چاہتا تھا۔ میری بوالہوسی کہہ لیجئے — لہٰذا اپنا ہی شعر مجھ پہ وارد ہے:

مطلب پرست دوست نہ آئے فریب میں
بیٹھا رہا لئے ہوئے دامِ دلسا کو میں

بیوی نے یہ بھی کہا کہ اپنے گھر کے دُکھڑے اپنے دوستوں سے رونے کے بعد منتظر رہو کہ کب وہ ان دُکھڑوں پہ داستانیں گھڑ گھڑ کر آپ کی تشہیر آپ کے بیوی بچوں کی رُسوائی سے دُنیا بھر کو لذت آشنا کرتے ہیں اور خدا کی قسم یہ بات سچ ہے عزیز — یار میرے اب تم ہی فیصلہ کرو میں اپنی شیطان کی آنت کا تذکرہ تم سے بھی کروں یا نہ کروں لیکن بقول غالب ؎

چو ناگفتن دانی نگفتن چہ سود

۱۳/ کو چلا ۱۴/ کو ماڈل ٹاؤن رات کے وقت پہنچا — بچی ساڑھے پانچ برس کی عمر انتہائی ذہین۔ دمہ کالی کھانسی اور نزلہ زکام کی ایسی شدید حالت میں پائی کہ سانس بند ہو جاتا ہے۔ ننھی جان پھڑکتی اور تڑپتی ہے اور کھانستی ہے۔ بڑی مشکل سے سیروں بلغم ہی بلغم خارج ہوتا ہے تو نڈھال ہو کر گر پڑتی ہے۔ ساری ساری رات یہی ہوتا رہتا ہے۔ انگریزی ہومیوپیتھی یونانی اور دیسی ٹونے ٹوٹکے کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔

۱۰/ کو سرکاری حکم [illegible] جانے کا ہوا۔ بیسک ڈیموکریسی کے کنونشن میں شرکت لازمی گردانی گئی — ۱۰/ ۱۹/ وہاں رہا۔ پھر ملتان — ۲۱/ کی صبح پھر گیا۔ گورنر صاحب کی موجودگی میں مجھے اپنی نظم کے ذریعے مخاطب کرنا تھا۔ کیا۔ ۲۳/ کی شام لوٹا۔ مردہ نڈھال۔ بے آس بے سہارا گل پڑا رہا۔ آج محض تم کو خط لکھ رہا ہوں۔ اور کہو کیا کرتے ہو۔

لاہور — حفیظ

(۲۷)

السلام علیکم

عزیز تمہارا خط اور دوائی ابھی ابھی ملے۔ تمہارا شکوہ بجا ہے اور میں بھی جلد نہ لکھ سکنے میں بجا ہوں۔ مزا یہ ہے کہ مجھے تمہارا بے تابی سے منتظر رہنا معلوم اور محسوس ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں تم کو میرے حال کی اتنی خبر نہیں جو تمہیں بتا دے کہ

حفیظ تساہل یا تغافل برت نہیں رہا۔ میں ۱۲ / کو کراچی سے جس وقوعہ یا سانحہ جاریہ کو ایک دوست کی بیوی کے سر پر مڑھ کر چلا تھا وہ کہانی اتنی دردناک ہے کہ سنائی نہیں جا سکتی۔ لکھنا تو ہے ناممکن ....

وہاں سے چلا تو بہت کام کرنے کے لئے ساتھ لایا تھا۔ یہاں پہنچا تو بیٹی کو واقعی اسی حالت میں پایا کہ حواس میرے بھی گم ہو گئے۔ کالی کھانسی کہو یا دمہ یا جو کچھ بھی ہے۔ ساری ساری رات بچی کا سانس بند۔ پھیپھڑوں میں تشنج اور انتڑیاں سینے میں اور آنکھیں نکل آتی ہیں اور وہ ننھی چھ برس سے بھی کم عمر کی ضعیف اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بچی کئی کئی مرتبہ غفوبت اور جانکنی میں مبتلا قے کر کے بیہوش اور ساقط النبض ہو ہو جاتی ہے۔

اس حالت میں میرے پیارے عزیز ملک اگر میری طرف سے خط لکھنے میں کوتاہی ہوئی ہے تو یہ کوتاہی ارادۃً نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میں مر نہیں چکا تو قریب المرگ ہوں اور جانکنی کر رہا ہوں۔ جان کنی کو وہ کنی سے زیادہ صعب ہے میرا دھڑ کہیں ہے سر کہیں ہے۔ بازو کہیں ہیں۔

تم نے لوگوں کی چہ مگوئی پہ جو کچھ لکھا ہے۔ درست ہے، لیکن عزیز اس کا توڑ کیوں کیا جائے۔ میرے پیارے بھائی۔ میرے ساتھ ہی نہیں معاشرہ خود دسڑی ہوئی ایک ایسی صورت کا مظہر ہے جس کو تعفن کے سوا اور کچھ نام نہیں دیا جا سکتا۔ تعفن میں بلبلے اور کیڑے دونوں ایک دوسرے کو کھانے اور کھا جانے کے لئے پیدا اور ہو رہے ہیں —— شکایت فضول ہے۔ آؤ اپنی راہ چلتے چلیں۔ اس وجودِ پاک کا تصور کرتے رہیں۔ اگرچہ خاطی ہیں۔ گناہگار ہیں لیکن وہ رحمۃ للعالمینؐ ہے۔

اس وقت میں تنہا اپنے کمرے میں قالین پر لیٹا ہوا یہ حروف لکھ رہا ہوں۔ میری بیوی ننھی کو سامنے کر ساڑھے دس یا گیارہ بجے سے شہزادی یا ماں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ میں نے ڈیڑھ بجے آگ سلگائی۔ سالن وہ رات کا پکا ہوا رکھ گئی تھی۔ کل شام کا گندھا ہوا آٹا جو خود بخود خمیر ہو گیا تھا پڑا تھا۔ میں نے سالن گرم کیا اور توے پر روٹی بھی پکانے کی کوشش کی۔ قتلے سے بن گئے۔ وہ میں نے کوئلوں پر سینک سینک کر کھائے ہیں۔ تمہارا خط اسی دوران ملا تھا۔ اسی دوران پڑھا جواب لکھنے میں جلدی کر لی ہے۔ ورنہ جو کچھ میں نے کھایا ہے وہ میرے معدے میں تبخیر کا طوفان اٹھا چکا ہے ـــ لکھنا تو یہ چاہتا تھا کہ بہت سا کام ساتھ لایا تھا۔ اگر یہاں کچھ خیریت ہوتی تو پنڈی آتا اور تمہارے ساتھ بیٹھ کر بہت کچھ مکمل کر لیتا۔ لیکن اب یہ سب ایک ڈھیر کی صورت میں پڑا ہے۔

تین تازہ شعر سن لو ——

غم موجود ہے، آنسو بھی ہیں کھا تو رہا ہوں پی تو رہا ہوں
جینا اور کسے کہتے ہیں؟ اچھا ناصاحب جی تو رہا ہوں

یارو میں نے اپنا سینہ اپنے ہاتھوں چاک کیا ہے
سچ کہتے ہو لیکن دیکھو اپنے ہاتھوں سی تو رہا ہوں

خونِ جگر آنکھ سے نہ ٹپکا! منہ سے شعلہ بن کر لپکا
شعبدہ بازی فن پہ ہنستے! میں بھی ہنستا ہی تو رہا ہوں

لاہور

حفیظ

(۲۸)

یہ عید ہے روزہ داروں کی
محبوبِ خدا کے پیاروں کی

— عید مبارک —

عزیز! اللہ کریم سے دعا ہے کہ تم تمہارے بیوی بچے سب خوش و خرم ہوں۔ میرے ایک خط کا جواب نہیں آیا۔ چونکہ یہ نئی بات ہے اس لئے تشویش لازمی ہے۔ کل اتفاق سے ضمیر صاحب ایک دوست کے مرحوم والد کے قل کی رسم پر مل گئے۔ معلوم ہوا کہ راولپنڈی میں آپ ہی کے مہمان تھے۔ اُن سے خیریت معلوم ہوئی۔ لیکن اور کوئی بات میں نے دریافت کی نہ کپتان صاحب نے مزید کچھ کہنا مناسب سمجھا۔ بہرحال یہ معلوم ہوا کہ مرکز عزیز ہی کا گھر ہو گیا ہے۔ خدا اس گھر پر اپنی رحمتیں برسائے اور اپنے حبیب کے طفیل عزیز کو دنیا و دین میں سرفراز و کامیاب کرے۔ آمین۔

میں لکھ چکا ہوں کہ حمید نظامی کی وفات سے مجھ پر کچھ زیادہ ہی اثر پڑا جو مجھے تقریباً مفلوج کر گیا ہے۔ تاہم مشیّتِ الٰہی سے وابستہ ہوں۔

میرا سلام محبت حضرت میاں صاحب مدظلہ کی خدمت میں ضرور پہنچا دینا اور بھابی صاحب کو بہت بہت یاد اللہ پیش کرنا

حفیظ ۲/۳/۶۲ باتھ آئی لینڈ کراچی

(۲۹)

بعزیز

عزیز السلام علیکم

تمہارا ۲۰ $\frac{5}{62}$ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ تم نے مدت سے میرے خطوط سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں کس قدر حواس باختہ ہوں۔ یہ ایک برزخ ہے جس سے گذر رہا ہوں یا گذارا جا رہا ہوں۔ ایک تم ہو تنہا تم جس کو میں اس عالم میں بھی لایعنی طرز و اسلوب کے الفاظ سے مخاطب کرتا چلا جا رہا ہوں۔ وہ رحیم کریم جس نے بائیس برس سے مجھے اس خاکدان میں اس کشاکش میں رکھ کر آلائشوں سے پاک کرنے کی آزمائشوں میں ڈال رکھا ہے۔ اب ہر آن مہربان ہے۔ کسی اور کو ایسے خطوط یا امور لکھوں تو وہ یقیناً مجھے پاگل قرار دے گا۔ یا پھر روحانی دوکانداری کے لئے تیاری بتائے گا۔ مجھے نہیں معلوم کیوں میرے چاروں طرف سے وساوس ہائے شیطانی ہجوم اندر ہجوم حملہ آور ہیں۔ ساتھ ہی اللہ والے اپنی نورانی حوصلہ افزائی سے تسلی دے رہے ہیں گا

میں کیا ہوں اس خیال سے آتا ہے ڈر مجھے
کیوں دیکھتے ہیں غور سے اہلِ نظر مجھے

ظاہر ہے یہ زمانہ، یہ دور زمانہ عقلی منہیات کا ہے۔ منطق اور فلسفے روح کے تصورات کو مادی نظریات کی محک پر جانچتے ہیں۔ یہ باتیں جو میں کر رہا ہوں یعنی آجکل جو درپیش ہے اس دور زمانہ میں حواس باختگی گردانا جاتا ہے حتیٰ کہ بیشتر جو ایک ہی جملہ

سے دیوانہ ہو گیا تھا فلسفی دیوانہ کہلایا۔ حالانکہ وہ نسبتِ رسول سے بہت دور تھا تاہم اقبال تک نے اس کی باتوں پر غور کیا۔ میں کہ نہ فلسفی ہوں نہ علم طبیعات سے میرا کوئی دور کا واسطہ ہے کس منزل کی طرف رواں دواں ہوں مجھے کیا معلوم۔ البتہ مجھے ہر عالم رحمۃ للعالمینؐ کا روئے منور اپنی سطح میں جگمگاتا نظر آتا ہے۔

عشق بھی حسن ہے ایسا نظر آتا ہے مجھے   پسِ پردہ کوئی بیٹھا نظر آتا ہے مجھے

تم کو کیوں لکھ رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا۔ کیا حروف سادہ کی یہ تحریر کسی آنے والے دور میں سند بنے گی میری حواس باختگی یا راہ یافتگی کی؟ کون کیا کہہ سکتا ہے۔

میرے کرب کا تم پر اثر سوائے کرب کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ عزیز کاش میں دوبارہ تم سے نہ ملا ہوتا۔ پہلے آکر ملا اس دور میں مجھ سے تم نے کیا دیکھا ہے تمھیں یاد نہیں وہ زمانہ جب میں ہر عالم میں شگفتہ نظر آتا تھا۔ لیکن وہ تو دور جاہلیت تھا۔ اگرچہ ابھی اس کے اثرات موجود ہیں لیکن عملی قہقہے مفقود ہیں۔

اچھا تمھیں انگار کے مدیر صہبا لکھنوی کا خط مل چکا ہے۔ جو کچھ تم پوچھو گے میں جواب دوں گا۔ میرے آنے پر موقوف نہ رکھو۔ شاید میں ہمیشہ کے لئے چلے جانے کی منزل پر ہوں عزیز۔

کبھی کبھی لے ڈی شیخ صاحب کو ٹیلی فون کر دیا کرو۔ مجھے ان سے بہت پیار ہے۔

حفیظ   ۲۳/۵/۶۲ء ہائڈ آئی لینڈ

(۳۰)

میرے عزیز السلام علیکم

یہ فوٹو حاضر ہے۔ میرا خیال ہے یہی مناسب ہے۔ یہ ایک یادگار فوٹو ہے اس کے پیچھے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی یادگار ہے لیکن میرے لئے۔ وہ تسنیم کی تحریر ہے اس لئے اس کا محفوظ رہنا ہی بہتر ہے۔

یقین ہے آپ بلاک بنوا کر یہ فوٹو مجھے واپس فرما دیں گے۔

آپ نے شعر مجھ سے پوچھا ہے۔

شعر دراصل یہ ہے۔ جو میری حالت کا آئینہ ہے

اے مصور ایک تصویر اس طرح کی کھینچ دے   بار دوشِ بیکسی، کوہِ گرانِ زندگی

حفیظ   ۷/۱۲/۶۳ء   ۶۶/F سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

(۳۱)

بعونہٖ

میرے پیارے عزیز ملک

یہ چٹھی ڈاکٹر باقر کی ارسال کر رہا ہوں۔ میں پوری طرح جانتا ہوں کہ آپ گذشتہ دنوں سے اور بھی زیادہ جسمانی علالت کا شکار

ہیں۔ اُس دن بخار کی حالت میں آپ کا چڑچڑا پن دیکھ کر مجھے حیرت نہیں عبرت ہوئی۔ آخر عزیز کیا کرے۔ اعصاب تھک ہار گئے۔ پھر برسوں جس مردنی چھائی صورت میں آپ ڈیوٹی دے رہے تھے اس سے عبرت مزید ہوئی۔ اور اپنی حالت کو بھول گیا بلکہ اپنا محاسبہ کیا تو یہ پایا کہ میں اپنا مقصود تو صرف یہ رکھتا تھا کہ آپ کو مزید تکلیف کی بجائے آسانیٔ حیات کا دامن مل جائے۔ میں نے آپ کو آپ کے اپنے مقام سے خبردار کیا تھا اور اس میں میرا ذاتی کوئی بھی فائدہ مدِنظر نہ تھا۔ اِلّا یہ کہ آپ کی ذہنی کوفتوں میں کمی اور مادّی آمدنی میں ترقی دیکھ کر خوشی ہوتی۔

میں کل کراچی جا رہا ہوں۔

راولپنڈی

حفیظ

(۳۲)

عزیز

کل تمھارا خط ملا۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے اپنے ایسے حالات لکھ دیئے جو شاید تم کسی اور کو اپنے آخری سانس تک بتانا پسند نہ کرو گے۔

عجیب معاملہ ہے اس بھری دنیا میں تم ایک جیّد عالم کے پوتے ایک جیّد عالم اور طبیب کے بیٹے لیکن ماں باپ کے ایک ہی فرزند ہونے کے سبب سے جہنم میں ہو۔ اور میں ہی جس کے ماں باپ مدت ہوئی گذر چکے ان کی زندگی میں اُس چھوٹے جہنم سے نکل کر ایک بڑے جہنم کی تلاش میں سرگردانی کے بعد ایک ایسے بادیہ میں ہوں جس کا تمھارے سوا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

عزیز تم جانتے ہو کہ خطوط میں مضمون نویسی سے مجھے نفرت ہے۔ لہٰذا میں سوچ رہا ہوں کہ جب تک ہم قریب نہ ہوں کچھ بھی ایک دوسرے کو سہارا نہیں دے سکتے۔

"ترجمۃ القرآن کے سلسلے میں میں جس وقت بھی لاہور پہنچا۔ انتہائی کوشش کروں گا۔ عزیز انتہائی کوشش۔ انشاءاللہ

تمھاری کتاب" میں نے کہا" ایک ہفتہ کے اندر اندر میرا خیال ہے نکل آئے گی۔ دوسرے مجموعہ کا نام "بے نقاب چہرے" نہ جانے کیوں علاؤالدین کو پسند نہیں۔ اس نے ایک نام تجویز کیا تھا "کونے پیمانے" جس کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔ لیکن بہر صورت ایک نام رکھا تو ضرور جائے گا۔

کراچی

حفیظ

حامد علی خاں

(۱)

بنام شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

مخدومی و محترمی جناب شیخ صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا پُرخلوص نوازش نامہ مل کر دلی مسرت کا باعث ہوا۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں۔

مجھے خود بارہا حاضرِ خدمت ہونے کا خیال آیا مگر یہی گرمی نکلنے نہیں دیتی۔ اب بارشوں سے موسم میں کسی قدر تبدیلی تو ہوئی ہے۔ ممکن ہے کسی ابر آلود دن میں اُدھر آ نکلوں۔ یوں میں کبھی کبھی یعنی شاید دسویں دن لاہور جاتا ہوں، مگر مال روڈ سے آگے جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آپ کی تشریف آوری میرے لیے موجبِ مسرت ہوگی۔ تشریف لانے سے دو دن پہلے ایک کارڈ ضرور لکھ دیجئے تاکہ میں اس دن (جیسا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے) لاہور نہ چلا جاؤں۔

اچھا اب آپ کو مُبارک ہو کہ آپ کا خواب جو آپکے خط کی تحریر کا باعث ہوا، سچا ہے۔ ایک مہینے سے کچھ اوپر دن گزرے ہیں میں نے "الحمرا" کا ڈیکلریشن داخل کیا تھا ابھی اس کی منظوری کے تمام مراحل طے نہیں ہوئے۔ یہ ادبی اور ثقافتی ماہوار رسالہ ہوگا۔ ممکن ہے اس نام کی تحریک تحت الشعور میں آپکے تراجم (بنو احمر کے افسانوں) سے ہوئی ہو۔

بے سرمایہ ہونے کے باوجود میں یہ جرأت کر رہا ہوں مگر اُمید ہے کہ مخلص احباب اس رسالے کی توسیع اشاعت میں ممد و معاون ہو کر اس کمی کی تلافی کر دیں گے۔ میرے پاس 'قومی زبان' کے دو پرچے ہیں جن پر مولانا حالی کی تصویریں ہیں۔ ایک ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کا ہے، دُوسرا یکم جنوری ۱۹۵۱ء کا۔ ان دونوں میں سے کوئی آپ کا پرچہ تو نہیں؟

نیاز مند: حامد علی خاں۔ ۲۴ جے بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۶ جولائی ۱۹۵۱ء

(۲)

بنام شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

مخدومی و محترمی جناب شیخ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۹ جولائی مل کر موجبِ مسرت ہوا۔ آپ نے الحمرا کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا ہے اس سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ کیا آپ نے الحمرا کا ڈیکلریشن ۱۹۴۸ء میں لاہور سے منظور کرایا تھا کیونکہ میری درخواست دیکھ کر متعلقہ کلرک نے مجھے بتایا تھا کہ اس نام کے رسالے کا ڈیکلریشن ۱۹۴۸ء میں بھی منظور کیا گیا تھا مگر پھر وہ رسالہ

نہ نکلا۔ مجھے تعجب ہوا تھا کہ اس سے پہلے کسی صاحب کو یہ نام رکھنے کا خیال آیا۔ بہرحال یہ بھی خواب توارد ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے الحمرا کے متعلق مضمون لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا مگر وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ اس کے بعد میں نے یاد دہانی کی مگر اب تک ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ جیسا مضمون آپ نے لکھنے کی پیشکش فرمائی ہے ویسے مضمون کی بہت ضرورت ہے "الحمرا کیا تھا، اس کی مختصر تاریخ اور اب الحمرا یا اس کا نام ہمارے لیے کس بات کی علامت ہے؟" اس قسم کا مضمون ہونا چاہیے۔ اگر آپ بھی یہ مضمون لکھ ڈالیں تو بڑی عنایت ہو۔ کیونکہ ممکن ہے ان کا مضمون آئے ہی نہیں اور اگر آ بھی جائے تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است آپ کا مضمون بعد میں چھپ جائے گا۔

ڈیکلریشن کی منظوری میں ابھی چند دن کا وقفہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پہلا پرچہ اگست ہی میں شائع ہو سکے گا۔ اگر الحمرا کی کوئی اچھی تصویر مل گئی تو میں پہلے پرچے کے سرورق پر شائع کر دوں گا اور مناسب معلوم ہوا تو وہی مستقل سرورق ہو جائے گا۔ کم از کم کچھ عرصے کے لیے۔ عربی تراجم مزید شائع کیے جائیں گے لیکن رسالے کا حجم چونکہ ابتدا میں ۵، ۶ جزو سے زیادہ نہ ہوگا اس لیے مضامین کا مختصر ہونا ضروری ہے۔

کاروباری معاملات میں آپ کے مفید مشوروں کا میں ہمیشہ محتاج ہوں۔ مکتبۂ الحمرا کی تجویز میرے پیش نظر ہے۔ پہلے اس کی صورت ایجنسی کی ہوگی یعنی دوسرے لوگوں کی کتابیں کمیشن پر لے کر ان کا اشتہار دیا جائے گا۔ اس کے بعد اپنی کتابیں بھی چھپوائی جائیں گی

غالباً سب جواب طلب باتوں کے متعلق میں نے اظہارِ خیال کر دیا ہے۔ آپ شاید کہیں کہ تم نے کسی سرمایہ دار کو اپنے ساتھ شریک کیوں نہیں کیا؟ سو عرض یہ ہے کہ میں شرکت سے بہت گھبراتا ہوں۔ اس کی بہت تلخ مثالیں میں نے دیکھی ہیں اور پھر یہ کوئی ایسا بڑا کاروبار بھی نہیں جو منفعت بخش ہو۔ یہ زیادہ تر اپنے اور اپنے احباب کے ذوق کی تسکین کا سامان ہے۔ اگر نفع کی صورت ہوئی تو اس کا بیشتر حصہ الحمرا کے ظاہری اور معنوی حسن پر صرف کر دیا جائے گا۔ البتہ شروع میں کوئی ایسی فضول خرچی نہ کی جائے گی جو اس کی زندگی کی شمع گل کر دے۔ ریشم پہن کر مر جانے سے بہتر شاید یہ ہے کہ چیتھڑے لگا کر روح و جسم کا اتحاد برقرار رکھا جائے۔

آپ کا دوستانہ خلوص میرے لیے بہت بڑی دولت ہے اور میں اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہوں کہ میرے احباب کے دل میں میری قدر ہے۔ خدا کرے کہ میں اس کا اہل ثابت ہوں۔

نیازمند: حامد علی خاں۔ ۴۲-جے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۵۱ء

——(۳)——

بنام شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

مخدومی و محترمی حضرت شیخ صاحب زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج بذریعہ حکیم صاحب اردو مرکز کا چیک بابت اشتہار مطبوعہ اگست ۱۹۵۲ء ملا۔ اس اشتہار کے حاصل کرنے میں اور پھر اس کی اجرت وصول کرنے میں آپ نے جو تکلیف اٹھائی اس کے لیے میں دل سے ممنون ہوں۔ محض دعائی

کی مقبولیت کے اس دور میں اگر المجرا اپنا پہلا سال کامیابی سے گزار سکا ہے تو وہ انھیں چھوٹی چھوٹی کوششوں کے طفیل ہے جو آپ جیسے بزرگ اور ہمدرد مسلسل اس کے لیے کرتے رہتے ہیں۔ خیال تھا کہ پہلا سال گزرنے پر المجرا اپنا بار خود برداشت کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن آخر معلوم ہوا کہ یہ دور پاکیزگی اور پاکیزہ خیالی کے لیے اس سے زیادہ نامساعد ہے جتنا پہلے سمجھا گیا تھا۔ سال کے خاتمے پر یعنی ستمبر میں جو وی پی گئے ان میں سے ۵۰ فی صدی سے اوپر واپس آگئے۔ اس طرح سو خریدار پھر کم ہو گئے اور احباب کی انتہائی کوششوں کے باوجود اب تک ان میں سے صرف پچاس کی کمی ہی پوری ہوئی ہے یعنی پچاس خریدار اور بنیں گے تو پھر کہیں سال سابق کے برابر خریدار ہوں گے۔ یہ پچاس کی کمی بھی اتنی جلدی یوں پوری ہوئی کہ ایک قدر دان کے طفیل ضلع سرگودھا کے ۳۲ مدرسوں کے لیے یکدم المجرا جاری ہو گیا۔

مشکلات اور حوصلہ شکنیوں کے باوجود ابھی صحیح و صالح ادب کی خدمت کا شوق کم نہیں ہوا نہ کم ہو گا۔ بشرطیکہ مخالف حالات بالکل غالب آکر اس کو ترک کر دینے پر مجبور نہ کر دیں۔

حال میں مرکزی حکومت کے نشر و اشاعت کے محکمے سے مجھے پھر سات سو کی ایک جگہ کی پیشکش ہوئی تھی۔ اگر اس سے آدھی تنخواہ کی بھی کوئی جگہ یہاں مل جاتی تو میں المجرا کی مدد کے لیے قبول کر لیتا۔ مگر کراچی جا کر المجرا کو جاری رکھنا تقریباً ناممکن ہے اور میں وہاں جانا نہیں چاہتا۔

اُمید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ چیک کی رسید ملفوف ہے۔

نیاز مند: حامد علی خاں ——— ۵ نومبر ۱۹۵۲ء

—— (۴) ——

بنام شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

حضرت مخدوم جناب شیخ صاحب زاد مجدکم!

گرامی نامہ مورخہ ۸ نومبر ملا۔ حضرت مولانا ظفر علی خاں کی رحلت پر اظہار ہمدردی کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ مولانا کی ذات واقعی مجموعۂ صفات تھی۔ کسی ایک شخصیت میں بیک وقت اتنی قابلیتوں اور خوبیوں کا جمع ہونا بہت ہی شاذ ہوتا ہے۔ اگرچہ میں نے ان سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا تھا مگر میں اپنی نوجوانی کے زمانے میں ایک مدت تک ان کا ادبی مرید اور مداح رہا ہوں۔ خود انھوں نے بچپن ہی کے زمانے سے بارہا میری تعریف اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ بہرحال یہی راستہ ہم سب کے لیے مقرر ہے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون!

مجھے ۲۷ کو بجے مولانا صلاح الدین احمد نے مولانا کی رحلت کی خبر دی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی میں اپنے بڑے بھائی پروفیسر محمود احمد خاں صاحب کے ہاں گھبرا گیا۔ اس کے بعد ہم دونوں بیگم، وڈ پہنچے وہاں سے اپنے چھوٹے بھائی پروفیسر حمید احمد خاں کو لیکر میں رات کے آٹھ بجے کے قریب کرم آباد پہنچا۔ اس وقت قرآن خوانی ہو رہی تھی لیکن تابوت نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد ہم لوگ مولانا اختر علی خاں کے پاس گئے جو اپنے کمرے میں تھے۔ ان پر رعشہ طاری تھا اور ان کی حالت بہت قابل رحم تھی گھنٹہ بھر ٹھہرنے کے بعد ہم لوگ واپس لاہور چلے آئے۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ اپنی بڑھی ہوئی مصروفیات میں میرے لیے کوئی مضمون لکھنا بہت مشکل ہو گا۔ مولانا کی عمر ۸۲ سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ زمیندار اور دوسرے اخبارات میں عمر غلط درج ہے۔ ظفر علی تاریخی نام ہے ۸۰ سال قمری ہوتے ہیں مگر ہمارے ہاں عمر قمری سالوں

میں شمار نہیں ہوتی۔ مولانا نے ستارۂ صبح ہفتہ وار کے علاوہ ستارۂ صبح روزانہ جاری کیا تھا۔ ایک زمانے میں جب حکومت زمیندار کے اجرا کی اجازت نہیں دیتی تھی تو ایک اخبار "لمعات" کے نام سے بھی کچھ عرصے تک جاری رہا تھا۔ ۱۹۱۲ء کے قریب زمیندار دن میں دو بار بھی نکلتا رہا ہے۔ اشاعت الصباح اور اشاعت المساء مجھے اب تک یاد ہے۔ ۱۹۱۲ء کے قریب ان کا ایک مختصر مجموعۂ کلام "رزمیہ نظمیں" کے نام سے چھپا تھا۔ ان کی تصانیف میں غلبۂ روم اور تراجم میں omar the great (انگریزی ترجمہ الفاروق) شامل ہیں۔ ایک ترجمہ "جنگل میں منگل" ہے اور کئی پمفلٹ اردو و انگریزی اُنھوں نے لکھے۔ یہ کتابیں ان کتابوں کے علاوہ ہیں جن کے نام آپ نے اپنے خط میں لکھے ہیں۔

والد مرحوم کی تاریخ وفات ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء ہے۔ اُنھوں نے لاہور سے زمیندار کا پہلا پرچہ ۱۹۰۳ء میں جاری کیا تھا۔ شاید وہ بڑا مکان جس میں زمیندار جاری ہوا شہر کے اندر اب بھی موجود ہوگا۔ اس دفتر میں مولانا حالی اور دیگر بزرگ جو اس زمانے میں انجمن کے جلسے میں تشریف لاتے تھے والد مرحوم سے ملنے آتے تھے۔ اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں بھائی محمود احمد خاں صاحب کو کسی حد تک یاد ہے۔ "سنہرا گھونگا" اور "میری عینک" دو افسانوں کے تراجم ہیں۔ ایسے تو کئی اور تراجم بھی ہیں مثلاً "تولہ بھر ریڈیم" "ڈاکٹر ہیڈیگر کا تجربہ" وغیرہ۔ "نازلی بیگم کا فیصلہ" اور "پردے کا جنازہ" طبعزاد افسانے ہیں۔ ایسے اور بھی ہوں گے۔ زمیندار میں یہ غلط لکھا ہے کہ اُنھوں نے حیدرآباد میں سنہرا گھونگا میری عینک وغیرہ کا ترجمہ کیا، یہ ترجمے ہفتہ وار 'ستارۂ صبح' میں چھپے تھے۔ ان دنوں مولانا کرم آباد میں نظر بند تھے۔ جب وہ نظر بند تھے شب و روز میرا بہت سا وقت ان کے ساتھ گزرتا تھا۔

نیاز مند: حامد علی خاں۔ ماڈل ٹاؤن۔ ۲ دسمبر ۱۹۵۶ء

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

لودی کٹرہ - پٹنہ سٹی

۱۴ر دسمبر ۲۳ء ــــــــ سب سے پہلے تو مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ آپ نے دیوان شاد کے پروف کی تصحیح کی زحمت گوارا فرمائی۔ آج مجھے سید سلمہ کا ایک خط ملا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ مقابلہ کے لیے دیوان کی ایک نقل مطلوب ہے۔ میرے پاس سرے سے اب کوئی دیوان موجود ہی نہیں، میں اس کی نقل بھیجوں تو کیونکر۔ اس اجمال کی تفصیل سنیے۔ تقریباً ایک برس گزرا کہ میں نے حضرت شاد کے ایک شاگرد کی وساطت سے ان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مجھے اپنا دیوان چھپوانے کی اجازت دیں۔ کئی مہینے کا انتظار کرنے کے بعد میں نے آپ کو خط لکھا، اس خط کا جواب مجھے اکتوبر یا نومبر میں ملا کہ وہ بخوشی مجھے اجازت دیتے ہیں، اور غزلوں کے انتخاب اور ترتیب دیوان میں مجھے پورا اختیار حاصل ہوگا۔ چنانچہ حضرت موصوف کا وہ خط اب تک میرے پاس موجود ہے۔ اس خط کے چند ہفتوں کے بعد مجھے انہوں نے اپنے دیوان غزلیات کی چند نقلیں عنایت کیں۔ دو تو ضخیم مجلدات تھے، جس میں غالباً ان کا تمام سرمایہ موجود تھا، تیسرا مجموعہ غیر مجلد تھا اور اس میں ردیف الف کی کچھ غزلیں، اور ردیف "یا" کی تمام غزلیات تھیں، بظاہر یہ وہ نقل تھی جو انھوں نے اس وقت تیار کی تھی جبکہ وہ خود دیوان کی اشاعت کے لیے آمادہ تھے، بلکہ ایک جزو انھوں نے طبع بھی کرایا تھا۔ یہ مجموعہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، نظر ثانی سے محروم نہ تھا، اس لیے کہ دوسرے سے یہ بہت مختلف تھا۔ حضرت شاد کی اجازت مجھے جس وقت ملی، اس وقت مجھے اس سے فائدہ اٹھانے میں بہت تامل تھا، اس لیے کہ میں نے ۲۳ء کے موسم بہار میں انگلستان جانے کا عزم کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ ابتدا میں خود میں نے خواہش ظاہر کی تھی، اور ان کے بعض تلامذہ کا بہت اصرار بھی تھا، میرا آخری فیصلہ یہی ہوا کہ جو کچھ بھی اس جلدی میں ممکن ہو سکے شائع کر دیا جائے۔ پہلے تو میں نے یہ انتظام کرنا چاہا کہ غزلوں کا انتخاب خود جناب شاد کریں۔ یہ سلسلہ شروع بھی ہوا۔ لیکن اس میں دو خرابیاں نظر آئیں۔ ایک تو یہ کہ معاف فرمائیے گا، شاعر کے لیے خود اپنے کلام کا انتخاب بہت دشوار ہے، اور اس وجہ سے دیوان کی ضخامت ضرورت سے زیادہ بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جس رفتار سے موصوف چل رہے تھے، اس سے ذرا بھی اس کی امید نہ ہو سکتی تھی کہ دیوان ایک برس میں بھی چھپ کر تیار ہو سکے گا۔ بادل ناخواستہ یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا، اور باوجود اپنی ناقابلیت کے شدید احساس کے انتخاب غزلیات کی خدمت خود اپنے ذمے لینی پڑی۔ لیکن میں نے اس کا خیال رکھا کہ وہ غزلیں نہ منتخب ہوں جو بظاہر نظر ثانی سے محروم تھیں

نتیجہ یہ ہوا کہ الف اور یا کی غزلیں تو بہت ہو گئیں، لیکن اور حروف کی ردیفیں رہ گئیں۔ جب اس طرح چند اجزا کی کتابت ہو گئی تو حضرت شاد نے یہ فرمایا کہ کاپیوں کی تصحیح مجھ سے کرالی جاتے، اس کے بعد مطبع بھیجی جائیں۔ میں نے اس کو قبول کیا، لیکن پھر وہی دقت رونما ہوئی یعنی ایک ایک جزو کی تصحیح میں کئی کئی ہفتے صرف ہونے لگے۔ ناچار میں نے تمام کاپیاں، اصلاح شدہ اور غیر اصلاح شدہ علی گڑھ بھیج دیں، حضرت شاد کو جب یہ علم ہوا، تو ان کی برہمی کی کوئی حد نہ رہی، اب انھوں نے یہ حد درجہ نامعقول تجویز پیش کی، کہ تمام کاپیاں ضائع کر دی جائیں، مطبوعہ اجزا برباد کر دیے جائیں اور دیوان کی ترتیب وہ خود از سر نو کریں۔ میں نے جواب میں یہ عرض کیا کہ ترتیب تو کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، غزلیں بھی وہی چھپی گئی ہیں، جو خود آپ نے اشاعتِ دیوان کے وقت علیحدہ کی تھیں، اگر اس پر بھی غلطیاں رہ گئی ہوں یا بعض اشعار کو آپ دیوان سے خارج کرنا چاہتے ہوں، تو بعد میں مفصل غلط نامہ شامل کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی متروکات کے متعلق بھی ایک طویل نوٹ درج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس پر بھی ان کا اطمینان نہ ہوا، اور انھوں نے کہا کہ نہیں وہ بالکل غلط ہے اور مجھے اس پر اعتماد نہیں، از سر نو اس کی ترتیب ہوگی۔ رہا آپ کا مالی نقصان وہ میں برداشت کروں گا۔ میں نے اس صورت میں اشاعتِ دیوان کی ذمہ داری سے علیحدہ کیے جانے کی درخواست کی، اور صاف کہہ دیا کہ اگر میرے روپے مل گئے تو میں علی گڑھ لکھ دوں گا کہ چھپائی ابھی بند کی جائے، میرے نام کے بدلے، فرمائش میں حضرت شاد کا نام درج کر لیا جائے۔ شام کو میں نے حساب بھیج دیا۔ اس وقت تو وہ بقول خود اختلاجِ قلب میں مبتلا تھے، دوسرے دن روپے ادا کرنے کی وہ آمادگی نہ نظر آئی، جواب یہ لا کہ مجھے آپ کے فیصلے سے پرسوں آگاہی ہوئی یہ خبر بھی ملی ہے کہ انھوں نے آپ کو خط لکھا ہے کہ آپ چھپائی دیوان کی بند کرا دیں۔ میں نے اس سے پیشتر ہی سعید سلمہ کو لکھ دیا ہے کہ میری اجازت کے بغیر ہرگز چھپائی نہ بند ہو، اور اگر استادی شاگردی کا تعلق آپ کے لیے کچھ دشواریاں پیدا کرتا ہو، تو اگر اس کی صحت کے لیے کچھ غلطیاں ہو جائیں تو مجھے ذرا ملال نہ ہوگا۔ گو میں اتنا عرض ضرور کروں گا کہ آپ کے تمام ہی تلامذہ، مثل، بیتاب، و نہال وغیرہم کی رائے ہے کہ دیوان، موجودہ حالت میں ضرور طبع کرایا جائے اور ہرگز جناب شاد کی بات نہ مانی جائے۔ مہربانی فرما کے، آپ حضرت شاد کی تحریک کے مطابق، طباعت دیوان میں رکاوٹیں نہ پیدا کریں، ہر قسم کی اخلاقی، قانونی، مالی ذمہ داریاں میرے سر ہیں۔ مفصل لکھنے کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ نہ معلوم واقعات کو جناب شاد نے کس رنگ میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ ہاں یہ بات لکھنے سے رہ گئی کہ کاپیوں کی تصحیح کے وقت دیوان کی نقلیں حضرت شاد نے منگوائی تھیں، صرف ردیف 'یا' غزلوں کی نقلیں موجود ہیں اور وہ اگر آپ فرمائیں تو بھیجی جا سکتی ہیں۔ سامعہ خراشی کے لیے معافی طلب ہوں۔ جواب جلد عنایت ہو۔

والسلام : قاضی عبدالودود۔

اخی و محبی! اکرمکم اللہ تعالے و حیاکم

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

میں ایک نہیں بلکہ دو دو تقریبوں کی شرکت کے خیال سے چھپرہ گیا ہوا تھا۔ اور وہاں احباب و اقران کے اصرار سے ایک

عشرے سے زیادہ رہ گیا۔ آیا تو بعض اور خطوط و اخبارات کے ساتھ آپ کا کارڈ پایا۔ پہلی نظر آپ ہی کے کارڈ پر پڑی۔ یہ تھی کشش محبت۔ رات بھر فکر کی اور چند مادہ ہائے تاریخ نکالے۔ صبح کو معمولات سے فارغ ہو کر قطعہ درست کر رہا تھا کہ ایک حقیقی سانڈو کے لڑکے بائی پور سے سائیکل پر تشریف لاتے اور لگے کہنے کہ میں پرسوں بھی آیا تھا اور کل بھی آیا۔ مگر آپ سے ملاقات نہ ہوئی۔ آج پھر آیا ہوں۔ جناب ہی سے ایک خط ہزاری باغ لکھ دیجئے۔ میرے امتحان کی کاپی پروفیسر اسلم صاحب کے پاس گئی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو انہیں کو خط لکھ رہا ہوں۔ دیکھو یہ اُن کا خط آیا ہے۔ جس کی تعمیل کر رہا ہوں۔ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا تو پھر کیا ہے اس خط میں میرے متعلق بھی دو جملے لکھ دیجئے۔ اس لیے التماس ہے کہ اس کی کاپی پر جس قدر نمبر بھی آپ دے سکتے ہوں جی کھول کر دے دیجئے۔ اس کا رول نمبر ۱۸۵ ہے جو "فقر" کا عدد ہے۔ آپ لوگ اہلِ حدیث ہیں۔ یہ میں جانتا ہوں۔ مگر فقہ سے زیادہ بیر رکھنا مناسب نہیں۔

رول نمبر کے ساتھ اس نے ایک لفظ اور بھی بتایا ہے۔ یعنی "پیٹ" یہ لفظ بالفتح تو میں نے تمام اردو فارسی عربی کے لغات میں ڈھونڈ مارا مگر کہیں نہ ملا۔ البتہ "پیٹ" یہاں مجہول ایک متعارف عضو ہے۔ جو اعضائے حیوان سب سے زیادہ قابلِ لحاظ عضو ہے، جس کے متعلق چچا سعدی نے کہا ہے ؎

گر کشاید چنانکہ نتوان بست   گو شوار حیات دنیا است

در بہ بندد چنانکہ نکشاید   گو دل از عمر بر کند شاید

مختصر یہ ہے کہ رول نمبر ۱۸۵ کے ساتھ "پیٹ" کا بھی خیال رہے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے پیٹ ہی کے لیے کرتا ہے۔ یہ غریب بھی پیٹ ہی کے لیے پڑھ رہا ہے۔ آئی۔ ایس۔ سی کے درجے میں ہے۔ "آئی" سنا ہے کہ انگریزی میں "آنکھ" کو کہتے ہیں۔ اور "آنکھ" کی فارسی "چشم" ہے اور "چشم" "بمعنی" امید" متعارف ہے۔ اور "اس" کو تو اردو میں اسم ضمیر یا اسم اشارہ قریب آپ جانتے ہی ہیں۔ "سی" فارسی میں "تیس" عدد کو کہتے ہیں۔ آپ تو فارسی کے پروفیسر ہیں۔ کیا اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ یہ "سی" مہینے کے "تیس" دنوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

مختصر یہ کہ اب "ہر روز" "اس" غریب کو آپ سے "امید" لگی رہے گی۔ اس کی امید برآری آپ کا فرض ہے ؏

تاں بھلا کر، ترا بھلا ہوگا

اب اپنے دولت خانے (مامن) عَمّرہُ اللہ بالامن والامان کی تاریخیں ملاحظہ فرمائیے۔ جو صفحہ مقابل پر درج ہیں۔ بھابی صاحبہ کی خدمت میں سلام شوق فرما دیجئے۔ بچوں اور بچیوں کو سلام و دعا ہائے کہیے۔

فارسی میں ایک مثنوی لکھی ہے "مذہب و عقل" اس کا نام ہے۔ زیرِ طبع ہے۔ بعد طبع انشاء اللہ خدمت میں ارسال کروں گا۔ دوسری مثنوی "معاش و معاد" زیرِ تصنیف ہے۔

والسلام

تمنا العمادی

قطعاتِ تاریخیہ

مسلم، وہ مسلم جن سے ہے بچپن سے اک اُلفت مجھے ‌ ‌ ‌ ‌ یارب نہ ہواون کو کبھی حزن و غم و رنج و محن

پونہچے ہزاری باغ وہ رنچینہ، عظیم آباد سے ‌ ‌ ‌ ‌ کالج کے ایسے ہو رہے، کرنا پڑا ترکِ وطن

ام اسے بھی ہیں پھر ام اے ال اس پر پروفیسری ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ ہیں صدر بزمِ اہلِ دل، ہیں شمعِ جمعِ اہلِ فن

اہلِ عرب اہلِ عجم مائیں نہ کیوں ان کا ادب ‌ ‌ ‌ ‌ گویا ہزاری باغ میں ہیں عندلیب نغمہ زن

لکھا ہے خط مجھ کو کہ اب کوٹھی بھی بنوالی یہاں ‌ ‌ ‌ ‌ یارب رہے آباد وہ جبتک ہے چرخِ کہن

لیکن یہ کوٹھی نام سے بیوی کے بنوائی گئی ‌ ‌ ‌ ‌ وہ حورِ عین ہیں اور یہ گھر ہے قصرِ جنت نسبہ

اس وجہ سے تعمیر کی تاریخ جب دریافت کی

ہاتف تمنا بول اٹھا "جائے زنِ شیریں سخن"

سنہ ۱۳۵۱ھ

قطعۂ فارسیہ

از پئے ترکِ مولد و موطن ‌ ‌ ‌ ‌ چاکری شد بہانۂ مسلم

بُرد وش از عظیمہ تا ہزاری باغ ‌ ‌ ‌ ‌ کششِ آب و دانۂ مسلم

ہر کجا باد این عطائے منست ‌ ‌ ‌ ‌ نگزرد جوش زمانۂ مسلم

من کہ دارم بدل نہ بدو شعور ‌ ‌ ‌ ‌ اُلفتِ مخلصانۂ مسلم

او بنا کرد قصر و گفتم سال

ہست پاکیزہ خانۂ مسلم

ایضاً

مرحبا مسلم پاکیزہ گہر ‌ ‌ ‌ ‌ کہ مرا ہست عزیز از دل و جان

خانہ کرد بنا مامن نام ‌ ‌ ‌ ‌ تا ابد باد خدایا بامان

مصرعِ سال تمنا بنوشت

مامنِ مسلم فرخندہ مکان

سنہ ۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ تکمیل تعمیرِ ماموں

کیا ہی زیبا مکانِ مسلم ہے　　یا الٰہی رہے سدا آباد
اس کی تعمیر ہو گئی پوری　　مرحبا مرحبا مبارک باد
شادمانے بجا کریں اس میں　　جو رہے اس میں وہ رہے دلشاد
نام ماموں ہے جب تو ظاہر ہے　　کہ ہے امن و امان ہی بنیاد

اس کی تکمیل کا تمنا سال
لکھ ہ مکان ہزاری باغ آباد
سنہ ۱۳۵۱ھ

نقرات

ماموں خیریت	ماموں مستقل	آبادی زمین ہزاری باغ
سنہ ۱۳۵۱ھ	سنہ ۱۳۵۱ھ	سنہ ۱۳۵۱ھ

(۳)

باسمہٖ تعالیٰ و تبارک

اخی المکرم دام لطفکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ——— عید مبارک۔ میں امسال بھی حج کے لیے نہ جا سکا۔

وجود ہی میں نہ لاتے عدم سے کاش مجھے　　وہ اپنے در سے نہ فرماتے دور باش مجھے

بہرحال راضی برضائے رب ہوں۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ اگر زندہ رہا تو آئندہ سال قسمت آزمائی کروں گا۔ رقم جینک میں جمع رہے گی۔ خط میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ ۱۱ ذی الحجہ کو عزیزم غلام نبی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عید کے لیے انعام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گیا تھا۔ دیر تک سویا تھا میرے جانے سے پہلے سلمہ باتھ روم میں منہ دھونے کیلئے گئی تھیں تو دورہ آ گیا اور سخت چوٹ چہرے پر آئی باتھ روم کا کواڑ اندر سے بند کر دیا گیا تھا بمشکل کواڑ کھلوا گیا تو بیہوش اس میں سے نکالی گئیں اس کے کئی دن کے بعد میں پھر گیا تھا میں اب کے لیے ہر طرح سے اچھا پایا اب کوئی اثر چوٹ نہیں ہے۔ رو کر کہنے لگیں کہ ابا کا خط چار مہینہ سے نہیں آیا ہے معلوم نہیں کیوں خفا ہیں۔ صورت دیکھنے سے محروم ہیں تو کم سے کم ان کے ہاتھ کی تحریر تو دیکھیں۔ مگر انھوں نے اس سے بھی محروم کر دیا ہے۔ معلوم نہیں ہم لوگوں سے کون سی ایسی خطا ہوئی ہے کہ بالکل تعلقات منقطع کر دیے ہیں۔ مجھے خاص طور پر کہا کہ آپ خط لکھ کر ان کی خدمت میں ہم لوگوں کا سلام عرض کر کے ہم لوگوں کی طرف سے معافیٔ قصور کی درخواست کر دیجئے کہ وہ ہم لوگوں کو معاف کر دیں اور اپنے ہاتھ سے معافی اور اپنی اور سب لوگوں کی خیریت لکھ کر دی۔ ان سے وعدہ کر کے آیا مگر یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں مصروف رہا لوگ آتے رہے اس لیے بھول گیا۔ آج رات کے ۱۱ بجے مجھے یاد آیا ——— تو یہ

کارڈ لکھ رہا ہوں بواپسی ڈاک ان کو اپنی خیریت اور دیگر احباب کی خیریت سے مطلع کر دیجئے۔

میں ضعف بصارت کی وجہ سے پڑھنے سے بہت زیادہ معذور ہو گیا ہوں۔ خطوط وغیرہ کا پڑھنا بہت دشوار ہو گیا ہے اخبارات کی موٹی موٹی سرخیاں پڑھتا ہوں مضامین سے محروم رہ جاتا ہوں۔ کیا کروں مجبور ہوں۔ چشمے کی مدد سے کس طرح پڑھ لیتا ہوں بقدر ضرورت مگر با وجود اس کے اب تک اپنے کام میں لگا رہتا ہوں۔ ابھی تک اپنا مشغلہ چھوٹا نہیں ہے

تمنا

تمنا عمادی غفرلہٗ پوسٹ بکس ۵۵۳ چاٹگام ۱۲ ذوالحجہ ۴ اپریل ۱۳۸۵ھ

(۴)

۱۲ جون ۱۹۶۶ء

۱۹۰ شیخ صاحب بازار روڈ ڈھاکہ ۱

اخی الکرم۔ دام مجدکم و علیکم السلام و رحمۃ اللہ ——— آپ کا کارڈ مورخہ ۲۸ مئی مجھ کو ۳۱ جون کو مل گیا تھا اور آپ کے کارڈ کے ساتھ مولانا محمود احمد عباسی کی رجسٹری بھی۔ انھوں نے خط میں ایک فرمائش کی۔ ایک شخص کو چند شعر لکھ کر اس کا جواب مانگا تھا اور یہاں آ کر میں لیٹے ایک عزیز دوست کی علالت اور انکے اہل و عیال کی پریشانی کو دیکھ کر بتقاضائے مروت و اخوت ان کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ریڈیو پر جانا تو ضروری تھا۔ کنٹریکٹ تھا۔ اس لیے روزانہ ۶ بجے صبح کو جاتا اور آٹھ بجے سے پہلے واپس آجاتا تھا۔ باقی وقت تیمارداری وغیرہ میں صرف ہوا۔ آخر جمعہ کے دن ۱۰ جون کو مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ گیارہ تک ان کے پسماندگان کی دلجوئی میں لگا رہا۔ اس کے بعد مولانا کی فرمائش کی فکر ہوئی تو اس میں مصروف ہوا اور مصروف ہوں جو قریب التکمیل ہے۔ شاعری تو محض بھر لی نگاہ کی محتاج ہے مگر نام و نسب میں حرکت و سکون کا بھی کچھ اہتمام ہے پھر ردیف کی چسپانی بھی اکثر زبردستی ہی کی ہے مگر ایک پوری تاریخ کو پیش نظر رکھ کر اب تک کوئی ایک سو دس شعر لکھ چکا ہوں تین دنوں میں۔ رات دن اس میں لگا رہا۔ ابھی کچھ اور مضامین باقی ہیں۔ چار سو اشعار ہو جائیں گے۔ اب ان کو صاف کرانا بھی ہے۔ کاتب کی اجرت دینی پڑے گی پچیس تیس صفحے غالباً ہوں گے، دیکھیں کیا اجرت طے ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتے میں مولانا محمود احمد صاحب کے پاس رجسٹری بھیج دوں گا۔ یہ چیز دیکھنے کے قابل ہوگی۔ ان دنوں یہ سن کر کہ آپ ڈھاکے اور چاٹگام آنا چاہتے ہیں اس کی خوشی تو ضرور ہوگی کہ انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات کا موقع ملے گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لیے بیٹھے بیٹھے علمی کام کے مواقع وہاں زیادہ تھے۔ اگرچہ یہاں سے بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ انگریزی کتابوں کے ترجمے کریں تو یہ بہت مفید ہوگا۔ چاہے وہاں بیٹھ کر چاہے یہاں رہ کر۔ بہرحال میری دعا ہے کہ جہاں کی اقامت آپ کی صحت، ورزش پرستی کے اعتبار سے اور دنیاوی و دینی مصالح کے لحاظ سے آپ کے لیے بہتر مناسب حال ہو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسی اقامت کا سامان کر دے اور آپ کی عمر و تندرستی میں زیادہ سے زیادہ طوالت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ ۱۹ جون تک میں ڈھاکہ میں رہوں گا۔ ۲۰ کو انشاء اللہ تعالیٰ باہر ایک ہفتہ کے لیے چلا جاؤں گا

چھوٹے داماد اسی علاقے میں ایک جگہ مقیم ہیں۔ تین برس سے بچوں کو دیکھا نہیں ہے۔ وہاں سے اسی جون کے آخر میں ڈھاکہ واپس آ جاؤں گا۔ اگر ہو سکا تو ۲ اور ۳ جولائی کو ان شاء اللہ تعالیٰ چاٹگام پہنچ جاؤں گا۔ اب کے انعام سلمہ مع اہل و عیال کراچی چلنے والے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ ہی آنے کا ارادہ تھا۔ مگر ان کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ اس لئے وہ بھی ساتھ نہیں آئیں آج چاٹگام بھی خط لکھا ہے آپ کو بھی لکھ رہا ہوں اور بھائی مولانا محمود احمد صاحب کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ آپ نے صرف پوسٹ بکس کا نمبر لکھا ہے۔ مکان کا پتا معلوم ہوتا تو خود چلا جاتا۔ پروفیسر عبدالرحیم صاحب سے برابر ملاقات ہوتی ہے۔ آج جلسے کے بعد وہ اپنے چھوٹے داماد کے یہاں لے گئے تھے۔ بھابھی کو سلام و بچوں کو سلام و دعا۔ تمنا عمادی

(۵)

بہار گورنمنٹ کیمپ

۱۰ جنوری ۵۵ء — محب محترم۔ السلام علیکم۔

نوازش نامہ ملا۔ آپ کا کام شروع تو ہو گیا ہے۔ مگر جو صاحب یہ کام کر رہے ہیں وہ ذرا سست رفتار ہیں۔ غالباً خاصا وقت لیں گے۔ تمتہ آپ ابھی اپنے پاس ہی رکھیں تو اچھا ہے۔ جی چاہے تو مجھے بھیج دیں، پڑھ لوں گا۔ مقابلہ کے لیے تو بہرحال آپ کے پاس مسودہ اور اصل دونوں پہنچیں گے ہی۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ شمسی صاحب سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مخلص ذاکر حسین

(۶)

راج بھون پٹنہ

۱۴ اکتوبر ۵۸ء — مکرم و محترم بندہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

گرامی نامہ شرفِ صدور لایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ عزیزم سلمان سلمہ نے ٹھیک کیا کہ میرا نام حوالہ میں دے دیا۔ جمشید پور سے دریافت کیا جائے گا تو ان کی پُر زور سفارش کر دوں گا۔ ان سے انکے اپنے تعلیمی کیریر کے متعلق ایک مختصر سا نوٹ مجھے بھیج دیں۔

شاد کی خود نوشت سوانح عمری ضرور شائع ہونی چاہیے۔ نسخہ مجھے بصیغۂ رجسٹری بھیج دیں تو دیکھ کر مشورہ دے سکوں گا کہ اشاعت کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ دعا ہے کہ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام۔ نیاز مند۔ ذاکر حسین۔

(۷)

راج بھون پٹنہ

۱۰ نومبر ۵۸ء — محب محترم مسلم صاحب۔ السلام علیکم۔

نوازش نامہ مورخہ ۳۱ اکتوبر بھی ملا اور شاد کی کہانی شاد کی زبانی کا مسودہ بھی۔ چیز تو خوب ہے۔ کم ایسا ہوا ہو گا کہ کوئی اپنی سوانح حیات کسی اور کی طرف سے لکھ دے۔ اسے تو جیسا کا تیسا شائع کرنا چاہیے۔ اشاعت کی کیا صورت ہو، یہ ابھی سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک خط انجمن ترقی اردو کو علی گڑھ لکھا ہے۔ شاید وہ چھاپنے پر آمادہ ہو جائیں۔ وہاں سے جواب آ جائے تو کچھ اور

سوچوں ۔ "تعارف" کا جو آپ نے ذکر فرمایا اس کے متعلق عرض ہے کہ میں تو سرے سے تعارف اور پیش لفظ وغیرہ کو پسند نہیں کرتا۔ کتاب اچھی ہو تو آپ اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی ہے، دوسروں کا سہارا اسے بجتا نہیں۔ البتہ اس کتاب میں تعارف کی ضرورت ہے جو بہ حیثیت امین آپ ہی کو کرانا چاہیے اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ آپ نے جو لکھ دیا ہے وہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔ شمسی صاحب کیسے ہیں؟ میرا سلام ان کی خدمت میں پہنچا دیں۔ والسلام۔ مخلص ذاکر حسین۔

(۸)

راج بھون پٹنہ

۲۶ نومبر ۱۹۵۸ء　　محب کرم۔ السلام علیکم

"شاد کی کہانی" کے متعلق میں نے انجمن ترقی اردو سے خط و کتابت کی۔ وہ اسے شائع کرنے پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی مسودہ مانگتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسودہ چونکہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور آپ کا قصد جیسا کہ آپ کے مقدمے سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اسے خدا بخش لائبریری میں محفوظ کرا دیں، اس لیے مجھے اس کے بھیجنے میں کچھ تامل ہے۔ سوچتا ہوں کہ اس کی نقل کر لوں اور بھیج دوں۔

مقدمہ میں آپ نے ایک جگہ لکھا ہے: "یہ غیر صاف شدہ مسودہ پانچ چھ سو صفحوں پر محیط میرے حوالہ کر دیا۔" مگر جو مسودہ آپ نے مجھے بھیجا ہے اس میں تو صرف ۱۰۷ صفحے ہیں۔ کیا مسودہ کا کوئی حصہ ابھی آپ کے پاس باقی ہے؟

آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔　　والسلام　　مخلص ذاکر حسین

(۹)

راج بھون پٹنہ

۲ دسمبر ۱۹۵۸ء ۔　　محب کرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ نومبر ملا۔ شکریہ۔ صفحات کا معاملہ صاف ہو گیا۔ میں اس کا انتظام کر رہا ہوں۔ آپ "تتمہ" لکھ ڈالیے دونوں چیزیں ساتھ ساتھ تیار ہو جائیں تو اچھا ہے۔

شمسی صاحب کی خدمت میں آداب نیازمندانہ۔　　والسلام۔　　مخلص ذاکر حسین

(۱۰)

راج بھون پٹنہ

۱۳ مارچ ۱۹۵۹ء ۔　　مجی مسلم صاحب۔ السلام علیکم

کارڈ مورخہ ۱۰ مارچ ملا۔ معافی چاہتا ہوں کہ "شاد کی کہانی" کے تتمہ کی رسید بروقت نہ بھیج سکا۔ اکثر دورہ میں رہا۔ تتمہ پہنچ گیا اور حفاظت سے میرے پاس ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ شاد کے صاحبزادہ کا ذکر اتنی تفصیل سے نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ مگر اس کے متعلق مفصل رائے بعد کو لکھوں گا۔ افسوس کہ آپ کے کام میں تاخیر ہوئی۔ جو صاحب کر رہے ہیں وہ زیادہ تر رخصت

پر رہے کچھ تو کر لیا ہے۔ مگر بہت کچھ باقی ہے۔ واپس کی جائیں تو تاکید کردوں۔ شمسی صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں۔

والسلام ذاکر حسین

(۱۱)

راج بھون ۲۱ اپریل ۵۹ء

محب محترم۔ السلام علیکم۔

معاف فرمائیں کہ گرامی نامہ مورخہ ۸ اپریل کے جواب میں اتنی دیر ہوئی آپکا کام تقریباً پورا ہو گیا ہے۔ کوئی ۲۰ صفحے باقی ہیں۔ کاتب یہاں نہیں تھے کچھ دنوں کیلئے رخصت پر رہے بسنت تو نہیں مگر دوسرے کاموں میں مصروف رہے۔ اس لیے دیر ہوئی۔ تیار ہوتے ہی تتمہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ مگر آپ پھر اسے ذرا جلد ہی واپس فرما دیں۔ اس لیے کہ انجمن کی طرف سے بھی تقاضا آچکا ہے کہ تم نے ایک کتاب کے لیے لکھا تھا، مسودہ بھیجو۔ وہ دیکھنے کے بعد ہی اسے اپنے پروگرام میں شامل کر سکیں گے۔

شمسی صاحب کی خدمت میں میرا آداب پہنچا دیں۔ تعجب ہے کہ انھوں نے مجھے اطلاع نہ کرادی کہ وہ اس قدر قریب ہیں، میں خود حاضر ہو جاتا۔ اور خیالی کے کنایہ "پڑ سو ادب" کی آپ نے خوب کہی۔ کسی نے خوب کہا ہے

مگر تھے امام بو حنیفہ کون اک بزانہ تھے

مخلص ذاکر حسین۔

(۱۲)

راج بھون ۱۳ مئی ۵۹ء

محب کرم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ شکریہ۔ بہت نادم ہوں کہ مبیضہ کے بھیجنے میں اتنی دیر کی۔ اور اب مجبور ہوں۔ شاید کچھ دیر اور ہو گی میں یہاں اپنے مفصل طبی معائنہ کے لیے رانچی سے آیا تھا۔ اور یہاں سے نینی تال جا رہا ہوں۔ وسط جون میں رانچی واپسی ہوگی مسودہ اور اصل دونوں وہاں ہیں۔ میں نے خود مقابلہ شروع کیا تھا کہ بیمار پڑ گیا۔ رانچی پہنچ کر انشاء اللہ جلد سے جلد بھیجوں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ طبی معائنہ سے کوئی بات تشویشناک نہیں نکلی۔ شمسی صاحب کی خدمت میں آداب نیاز۔ خدا کرے ان کی آنکھ پوری طرح ٹھیک ہو جائے۔

مخلص ذاکر حسین

(۱۳)

راج بھون رانچی ۲۹ جون ۵۹ء — محب کرم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ ملا - میں مقابلہ نہیں کر سکا - نادم ہوں - اور دیر کروں تو خود ہی اور زیادہ ندامت اٹھانی ہوگی - اس لیے اب مسودہ اور اصل الگ الگ رجسٹری کرا کے بھیجتا ہوں - جو چند صفحات میں نے اس سے ملائے ان سے یہ معلوم ہوا کہ احتیاط سے مقابلہ کی ضرورت ہے کچھ الفاظ میں نقطے بسا اوقات فی بطن محرر رہ گئے ہیں - اور غلطیاں بھی مطالب کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں - دیر جب بہت ہو رہی تھی تو ایک حصہ میں نے خود صاف کرنے کے لیے لے لیا تھا - وہ مسودہ کے صفحہ ۸۹ سے صفحہ ۱۲۰ تک کا ہے -

غلطی سے اس پر پنسل سے صفحے مسلسل ڈے دیئے گئے تھے وہ کاٹ دیئے ہیں یہ مسودہ کے صفحہ ۸۸ کے بعد آئے گا اور اس کے بعد مسودہ کا صفحہ ۱۲۱ آئے گا۔

آپ کے ہاتھوں اسے پریس میں بھیجنے کے قابل بنا دیں تو بڑا کام ہو جائے -

شمسی صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں، خدا کرے آپ اچھی طرح ہوں - والسلام - مخلص ذاکر حسین -

نوٹ :- نگار والا مطبوعہ مضمون مسودہ میں شامل نہیں ہے -

(۱۴)

راج بھون رانچی ۲۲ جولائی ۱۹۵۹ء

محب محترم - السلام علیکم

نوازش نامہ بھی ملا اور کتاب کا مسودہ بھی - شکریہ - مسودہ آل احمد سرور صاحب، سکریٹری انجمن ترقی اردو کو علی گڑھ بھیج رہا ہوں - امید تو ہے کہ وہ جلد اس کی اشاعت کا انتظام کریں گے - مسودہ کو خدا بخش لائبریری میں ضرور محفوظ کرا دیجئے -

میں تو اصولاً کتابوں پر کسی سے پیش لفظ لکھوانے کو پسند نہیں کرتا - اور اس کتاب میں تو آپ کا مقدمہ موجود ہے - مگر میری التماس ہو تو شروع سے "ہدیۂ تشکر" بھی نکال دیجئے - کسی مفید اور خود اپنی دلچسپی کے کام میں ذرا سی توجہ کرنے پر کوئی اتنے بالاعلان شکر کا مستحق نہیں ہو جاتا - اس سے لوگوں کی عادت بگڑتی ہے - شمسی صاحب کی خدمت میں آداب -

مخلص - ذاکر حسین

(۱۵)

راج بھون رانچی ۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء

محب مکرم - السلام علیکم

نوازش نامہ ملا - مسودہ میں نے آل احمد صاحب کو علی گڑھ بھیج دیا - یقین ہے کہ وہ جلد اشاعت کی سبیل نکالیں گے - تصویر اگر اچھی مل جائے تو ضرور شامل کرنی چاہیے - چند تصویریں فراہم کرنے کی کوشش کیجئے - بلاک بنانے کے لیے سب تصویریں ایک سی نہ ہوں تو بہتر ہے -

"ہدیۂ تشکر" میں آپ نے جو لکھا تھا وہ محض تکلف پر ہی موقوف نہ تھا میں اسے اس کتاب کے نکات سمجھتا ہوں کہ اتنی سی بات

کے لیے کتاب کا پورا ایک صفحہ ضائع کیا جائے۔ اگر اس "حقیقت" کا "بلا مبالغہ" اظہار لازم ہے تو مقدمہ کے ختم پر دو سطریں بڑھا دیجئے۔ شمسی صاحب کی خدمت میں آداب۔ مخلص۔ ذاکر حسین

(۱۹)

کیمپ ایبٹ آباد ۲۴ اگست ۱۹۶۵ء

محترمی و کرمی جناب محمد اسلم صاحب۔ سلام مسنون!

آپ کا خط محررہ ۲۲ جولائی مجھے جولائی کے آخری ہفتے میں ملا تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب آپ کا لٹریچر مجھے مل جائے تو اسے دیکھنے کے بعد ہی جواب دوں گا۔ لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے آپ کے مسودے کے شائع شدہ مضامین تاحال مجھ تک نہیں پہنچے۔ یا تو آپ نے بھیجے نہیں۔ یا میرے دفتر والوں نے اسے عام لٹریچر سمجھ کر کسی لائبریری یا ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دیئے ہیں۔ بہرحال چونکہ میری نظر سے یہ چیز گزری نہیں۔ لہٰذا کسی قسم کے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔

آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ پشاور یونیورسٹی آجکل مالی بحران سے گزر رہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں بہت ہی اہم منصوبوں کو بھی ملتوی کرنا پڑا ہے۔ اندریں حالات ہم کوئی ایسی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے، جس سے ہمارے اخراجات پر بوجھ پڑتا ہو، چاہے وہ اخراجات قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

میرے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے لیے مشکور ہوں۔ دعا فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ ملک۔ قوم اور خصوصاً پشاور یونیورسٹی کی خدمت کے لیے توفیق بخشے۔ مخلص محمد علی

قاضی عبدالودود

جوشش عظیم آبادی (سنہ ۱۲۱۵ھ) کا نام صبح مخلص فضل الرحمن افضل پھپردی کے ذریعہ پہلے پہل میرے کانوں میں پڑا۔ اس کے کچھ دنوں بعد ایک مختصر سا مضمون بعنوان جوشش عظیم آبادی مع نمونۂ کلام قاضی عبدالودود بیرسٹر پٹنہ کا تحریر کردہ رسالہ "اردو" اورنگ آباد دکن میں نظر سے گزرا۔ قاضی صاحب کے نام سے یہ میری پہلی شناسائی تھی چونکہ مضمون مذکور میں قاضی صاحب موصوف نے مشکل سے چند سطریں لکھی تھیں بخلاف اس کے اشعار کی تعداد قابل لحاظ تھی اس لئے جوشش عظیم آبادی تو یاد رہ گئے مگر قاضی صاحب کا نام ذہن میں کچھ دھندلا سا رہ گیا۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں دیوان جوشش مرتبہ قاضی عبدالودود انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی نے شائع کیا۔ اس کا میں نے بڑے اشتیاق سے مطالعہ کیا۔ اس دیوان نے شاعر سے آگاہ کیا اور مرتب دیوان کی رتبہ شناسی کے بھی مواقع فراہم کئے۔ دیوان جوشش کے ۱۱۶ صفحات میں پھیلا ہوا مقدمہ نہ تھا بلکہ قاضی صاحب کے اعجاز قلم کی مسیحائی تھی جس نے جوشش کو دوبارہ زندہ کر دکھایا تھا۔ اب قاضی صاحب کا علم و فضل اور تحقیق و تلاش اپنی تمام و کمال تابانیوں کے ساتھ میرے سامنے آگئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی صاحب تو جوشش عظیم آبادی کے نو دیہان میں روح پھونک رہے تھے مگر آنکھوں نے خود قاضی صاحب کا مرقعۂ حیات دیکھ لیا۔ اور ایک ایسی علمی شخصیت ابھری جس نے گوشۂ دماغ میں نقش کامل بن کر جگہ لے لی۔ بایں ہمہ اتنا اثر لینے کے باوجود بھی میں قاضی صاحب سے یہی نہیں کہ قریب نہ تھا بلکہ دور تھا۔

ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء کا زمانہ تھا۔ اب کلکتہ میں سنہ ۴۷ء کے سے ہنگامے تو نہ تھے مگر پھر بھی باقی ماندہ اثرات غبار کاروں کے طور پر ہنوز باقی تھے۔ نقل و حرکت میں ہر متنفس محتاط تھا۔ دیکھی بھالی گلیاں ابھی تک دیار غیر تھیں۔ ایسے زمانے میں علم و ادب کا کس کو دماغ مگر میں اس کو حسن اتفاق ضرور کہوں گا کہ ایک دن میں اپنے گھر سے نکلا اور کارکنان قضا و قدر نے مجھی صابر علی خاں ضبط[1] کے مکان تک میری رہنمائی کی۔ عزیز موصوف جواں بخت سے زیادہ جواں سال ہیں۔ ان دنوں افسانہ نگار خواتین کا ایک تذکرہ با تصویر مرتب کر رہے تھے۔ اس کے کچھ صفحات دیکھے۔ کچھ تصویریں دیکھیں۔ تعریف کی۔ اب موضوع بدل چکا تھا اور افسانہ نگار خواتین کی جگہ میرے محترم بزرگ قاضی صاحب لے چکے تھے۔ موصوف کے علم و فضل کی گفتگو کے بعد ان کے جاری کردہ رسالہ "معیار" پٹنہ کا ذکر آیا۔ میں اس کا مدت سے شائق تھا۔ ضبط صاحب سے اس کا فائل لیتا ہوا مکان واپس لوٹا۔

قاضی صاحب کے تمام مضامین دیکھ ڈالے۔ "معیار" پٹنہ کے مئی سنہ ۱۹۳۶ء کے شمارے میں سالنامہ "سہیل" علی گڑھ سنہ ۱۹۳۶ء کے ایک مقالہ "بہار اور اردو شاعری" پر جب موصوف کا فاضلانہ تبصرہ پڑھا تو اب پیمانۂ ضبط لبریز ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس موضوع[2]

---

[1] ان دنوں تعلیمی اغراض سے لندن میں قیام پذیر ہیں۔

[2] یہ خطوط آج سے دس بارہ برس پہلے ملے تھے۔ اب یاد نہیں رہا کہ کس مہربان نے بھیجے تھے اور کس کے نام ہیں۔ (ادارہ)

سے راقم کو بھی قدرے دلچسپی ہے۔ چنانچہ ایک طویل خط قاضی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ جس کا جواب اسی گرمجوشی کے ساتھ جلد ہی ملا اور یہ سلسلہ پیام و سلام چھ سال سے تاحال جاری ہے۔ اس طویل مدت میں مختلف مسائل و موضوعات باہمی طور پر زیر بحث آئے جن سے آگاہی ان خطوط کے مندرجات سے بخوبی ہو جائے گی۔ جن کو میں نے قیمتی کاغذات کی طرح محفوظ کر رکھا ہے۔ اور اب تحفۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

قاضی صاحب اپنے اسلوب نگارش و انداز تحریر میں اختصار پسند ہیں۔ مگر اس اختصار کو جامعیت ہمیشہ کمک پہنچاتی ہے۔ اسی لیے ان کا مافی الضمیر بے کم و کاست موزوں و مناسب صورت میں ادا ہو جاتا ہے اور مخاطب سلسلۂ کلام میں کہیں بھی تشنگی اور ناآسودگی کا شکار نہیں ہوتا۔ ان کا یہ وصف خطوط میں اور لطف دیتا ہے۔ جہاں طویل تمہیدیں لکھنے والے بھی اپنے قلم سے اختصار کی آرزو کرتے ہیں اور شاید کما حقہ کامیاب نہیں ہوتے۔ مگر اس اختصار کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کم لکھتے ہیں اور کم لکھتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قاضی صاحب بوقت وقت جس طرح اپنے ذخیرۂ بیکراں کا ثبوت دیتے ہیں۔ اسی طرح جب لکھتے ہیں تو پھر تواتر و تسلسل کے باعث ان کی تحریریں جہاد بالقلم ہو کے رہ جاتی ہیں۔ ایک خط لکھا اور یوں محسوس ہوا کہ باتیں پوری نہیں ہوئیں دوسرا کارڈ اسی تاریخ کو ایک ہی شیرازۂ مکتوب میں شامل ہو گیا۔ کلام نے طول پکڑا تو تیسرے کارڈ کے سرنامے کو بھی شمارہ ۳ کے عدد سے مزین کر دیا۔ قاضی صاحب کی طبیعت ضابطہ پسند اور باقاعدہ ہے اپنے افکار و اعمال میں ایک خاص قسم کی پابندیٔ وضع نے ان کے لیے آئینی حیات کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ خطوط میں بھی تخاطب کے لئے آداب و القاب روز اول سے وہ مکتوب الیہ کے لیے مقرر کر لیتے ہیں تو وہ بلا مبالغہ بغیر تغیر و تبدل یکساں چلے آتے ہیں۔ کسی اطلاع کے بہم پہنچانے یا کسی امر کے سرانجام دینے کی صورت میں ان کا اظہار تشکر فیاضانہ ہوتا ہے۔ خطوط پر تبصرہ طول کلام کا باعث ہے اسی لیے آپ اصل خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

پٹنہ ۴

۲۸ اکتوبر ۶۲ء

شفیق مکرم

یاد آوری کا شکریہ۔ مسرت ہوئی کہ 'معیار' آپ کو پسند آیا۔ صوبۂ بہار میں آپ کے ہم نوا کم ملیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ میری لکھی ہوئی کئی کتابیں اگر بالکل تیار نہیں، تو اس حالت میں ہیں کہ بہت جلد تیار ہو سکتی ہیں۔ لیکن پٹنہ میں کوئی مطبع حسب دلخواہ موجود نہیں، اور باہر چھپوانے میں جب تک میں بہت زیادہ خرچ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں صحت کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے ان کتابوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔

دیوان جوششؔ[1] کے بعد میں نے دیوان کمالؔ[2] دیوورہ ضلع گیا۔ متوفی ۱۲۱۵ھ، دیوان رضاؔ عظیم آبادی[3] شاگرد میر ضیاؔ دہلوی اور مثنوی

---

[1] شیخ محمد روشن جوششؔ عظیم آبادی (م ۱۲۱۵ھ)

[2] شاہ کمال علی کمالؔ ۱۲۱۵ھ

[3] میر محمد رضا رضاؔ عظیم آبادی ۱۲۱۶ھ

مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق[۴] شائع کی ہے۔ راسخ[۵] کے کلام کا انتخاب اور اس کے ساتھ ان کے حالات وغیرہ پر ایک رسالہ اوائل سنہ آئندہ میں چھپوایا جائے گا۔ اس کا کلیات ایک بار طبع ہو چکا ہے۔ اور اس کے انطباع میں دو ڈھائی ہزار روپے کا صرف ہے۔ اور یہ بھی پتھر کی چھپائی میں۔ ٹائپ ہو تو کم از کم ۴ ہزار۔ یہ کہاں سے لاؤں؟ میں نہیں کہہ سکتا کہ تذکرۂ شورش[۶] و عشق[۷] کی کب نوبت آئے گی۔ ان چیزوں کے قدر دان کم ہیں۔ تاجرانِ کتب انہیں چھپوانے سے رہے۔ کوئی ادبی ادارہ اس صوبہ میں ایسا ہے نہیں جس سے اس کی امید ہو سکے کہ انہیں طبع کرائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اہل بہار آپ سے اس قسم کی خدمت کے مستدعی ہوں تو اس کو بے جا نہیں کہا جا سکتا" میرا خیال ہے کہ دس پانچ آدمیوں سے قطع نظر، بہاریوں کو اس کی حاجت نہیں۔ کم از کم مجھ پر یہ بات اب تک ثابت نہیں ہوئی کہ انہیں اس کی ضرورت ہے۔

میں نے بھی سنا ہے کہ دل[۸] کا دیوان کسی صاحب کے پاس ہے۔ سید حسن عسکری[۹] صاحب وغیرہ سے میں نے کہا بھی کہ مالک کتب سے اس کی نقل لینے کی اجازت لیجئے۔ لیکن اب تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ امین[۱۰] کے دیوان کا پتہ نہیں، حضور[۱۱] کا دیوان بھی مفقود ہے۔ لیکن اس کا بہت سا کلام ایک بیاض میں مرقوم ہے۔ اس کی مثنوی سے متعلق آپ کے سوال کا جواب بعد کو دوں گا۔

جوہری[۱۲] کی مثنوی جس کا حال حسن عسکری صاحب نے لکھا ہے۔ اب تک چھپی نہیں۔ اگر رسالہ "معاصر" جاری رہا تو ممکن ہے کہ اس میں بالاقساط شائع ہو۔ ان کی ایک اور مثنوی اور مراثی دستیاب ہوئے ہیں۔

سید عار ہستہ ہرگز عماد[۱۳] کی نہیں۔ تمنا[۱۴] صاحب کے معیار میں جو شبہات ظاہر کئے گئے تھے۔ ان کا کوئی جواب نہیں دیا اور میری قطعی رائے ہے کہ یہ جعلی ہے۔

---

۴. مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق (پسر راجہ شتاب رائے ناظم بہار) سنہ ۱۲۳۷ھ

۵. شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی سنہ ۱۱۷۰ھ سنہ ۱۲۳۸ھ

۶. میر غلام حسین شورش عظیم آبادی (سنہ ۱۱۹۵ھ)، صاحب تذکرۂ شورش۔

۷. شیخ محمد وجیہہ الدین عشق عظیم آبادی (سنہ ۱۲۲۲ھ)، صاحب تذکرۂ عشق۔

۸. شیخ محمد عابد دل عظیم آبادی (سنہ ۱۱۷۶ھ) برادر بزرگ جوشش عظیم آبادی (سنہ ۱۲۱۹ھ)

۹. پروفیسر سید حسن عسکری نقوی صاحب صدر شعبۂ تاریخ پٹنہ کالج متوطن ضلع چھپرہ۔

۱۰. خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی (سنہ ۱۱۹۱ھ)

۱۱. شیخ غلام یحییٰ حضور عظیم آبادی (سنہ ۱۲۰۶ھ)

۱۲. شاہ آیت اللہ جوہری پھلواری (سنہ ۱۱۲۶ھ سنہ ۱۲۱۰ھ)

۱۳. حضرت محبوب رب العالمین خواجہ عماد الدین قلندر پھلواری (سنہ ۱۰۶۵ھ۔ سنہ ۱۱۲۴ھ)

۱۴. سید محی الدین تمنا مجیبی پھلواری مقیم مشرقی پاکستان

ادبیات بہار کی تاریخ جس طور پر آپ چاہتے ہیں لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ بہت سی کتابوں کی نقلیں مختلف مقامات سے منگوانی پڑیں گی

میں نے آپ کے کل سوالات کا جواب دے دیا اور جس جذبہ نے آپ کو خط لکھنے کے لئے مجبور کیا اس کی دل سے قدر کرتا ہوں! امید ہے کہ آپ آئندہ بھی وقتاً فوقتاً یاد فرماتے رہیں گے۔

ہاں معیار[ه] انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا اور میں کارکنان انجمن کو اس کی اطلاع دے دوں گا کہ آپ کو اس کے پرچوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو میرے مضامین سے دلچسپی ہے تو رسالہ معاصر[ه] (سہ ماہی) کے دو شماروں کو بھی جو شائع ہو چکے ہیں اور تیسرے کو جو بہت جلد نکلنے والا ہے دیکھئے۔

آپ کے خط سے آپ کا ذوق ظاہر ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ آپ خود کچھ لکھتے ہیں یا نہیں اور لکھتے ہیں تو کس نوع کے موضوعات پر؟

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

عبدالودود

ضبط[ه] صاحب کے خط کا جواب دو تین دن میں دوں گا۔

(۲)

۶ نومبر ۵۲

پٹنہ ۴

شفیق مکرم تسلیم

۱۔ رضا کا دیوان پورا چھپ گیا تھا۔ مگر بعض وجوہ سے مقدمہ ناتمام رہ گیا تھا۔ سو ڈیڑھ سو جلدیں الگ سے طبع ہوئی تھیں اور سیکن عسکری صاحب نے پارسال مجھ سے فرمائش کی تھی کہ مقدمہ مکمل کر دوں، لیکن جب تلاش سے مطبوعہ دیوان کی ایک جلد بھی نہ ملی، تو مقدمے کی تکمیل کا خیال ترک کر دیا گیا۔ کتاب دوبارہ چھپے تو اور بات ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ آپ کے پاس کل اوراق ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں بعد کو لکھوں گا۔

۲۔ عاشق کی مثنوی کا ناقص نسخہ ملا تھا اور یہ بہ اقساط طبع ہو گیا تھا۔ اس کی سو ڈیڑھ سو جلدیں بھی غائب ہو گئیں۔

۳۔ کمال کا دیوان الگ سے نہیں چھپا تھا۔ معاصر کے پرانے پرچے بھی اب بالکل دفتر میں نہیں۔ کم از کم سید صاحب کا

[ه] رسالہ معیار پٹنہ قاضی عبدالودود صاحب کی ادارت میں مارچ ۱۹۳۶ء میں نکلا تھا اور جون ۱۹۳۶ء تک زندہ رہا۔

[ه] رسالہ معاصر پٹنہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم مرحوم کی ادارت میں نومبر ۱۹۴۰ء سے جاری ہوا اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اب ماہنامہ کے بجائے سہ ماہی کی شکل میں زندہ ہے۔

[ه] صابر علی خاں ضبط صدر شعبہ اسلامک ہسٹری اینڈ کلچر سنٹرل کلکتہ کالج کلکتہ، متوطن کلکتہ۔

یہی بیان ہے۔

۴۔ دردائی[18] صاحب نے جس مثنوی[22] کے بارے میں لکھا ہے اس کا مطبوعہ یا قلمی نسخہ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔

۵۔ تمنا صاحب نے جو رسالہ مجھے دیا تھا اس کی اصلیت میں مجھے شبہ تھا، شبہات کے ازالہ کا وعدہ انہوں نے کیا لیکن آج تک ایفائے وعدہ کی نوبت نہ آئی۔ شبہ کرنے کے وجوہ معیار شمارہ میں درج ہیں، کچھ اب تک تمنا صاحب پر ظاہر نہیں کئے گئے "نشان زدہ "کچھ" کو ایک وجہ" پڑھیں اور عبارت اس کی رعایت سے بدلی ہوئی سمجھیں) تمنا صاحب نے اور چیزیں بھی جو شائع کی ہیں ان کی اصلیت مشتبہ ہے۔ وہ قطعات جن سے انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ راسخ نورالحق[19] تپاں پھلواری کے شاگرد تھے قطعاً جعلی تھے۔ تمنا صاحب کی غرض صرف یہ دکھانا ہے کہ ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اہل پھلواری[20] کا جو کلام خانقاہ یا حکیم محمد شعیب[21] صاحب کی بیاضوں میں ہے وہ البتہ اصلی ہے۔

۶۔ آپ نے منتظمین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا ہے۔

۷۔ معاصر کا چوتھا شمارہ تو ضرور نکلے گا، لیکن اس کے بعد بھی جاری رہے گا یا نہیں اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا تین چار آدمیوں کے سوا کسی کو اس سے دلچسپی نہیں۔ بلکہ اگر بند ہو جائے تو بیشتر ارکانِ دائرہ ادب کو خوشی ہوگی۔ یہ لوگ اس وضع کے رسالے کو پسند نہیں کرتے۔ اس وقت تک جو شمارے نکلے ہیں دراصل دائرہ ادب کو ان سے بہت کم سروکار ہے۔

مصارف طبع کلیم الدین[23] احمد صاحب سید حسن عسکری صاحب اور میں نے ادا کئے ہیں۔ خریداروں سے جو رقم وصول ہوئی ہے وہ بہت کم ہے اور دائرۂ ادب کے ارکان (بہ استثنائے کلیم الدین احمد صاحب و سید حسن عسکری صاحب) نے جو کچھ دیا ہے وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ میں خود اس ادارہ کا رکن نہیں۔

۸۔ میں نے راغب[24] کی ایک مثنوی نقل کر لی ہے نامکمل آپ کو ڈاک سے بھیج سکتی ہو تو اس سے مطلع کیا جاؤں۔ راغب عظیم آبادی نہیں لیکن شورش عشق اس شہر میں کہی گئی ہے اور اس میں درگاہ شاہ ارزاں کا ذکر ہے۔

---

[18] پروفیسر محمد معین الدین دردائی ایم۔اے علیگ مصنف بہار اور اردو شاعری۔

[19] شاہ نورالحق تپاں پھلواری (۱۱۶۵ھ تا ۱۲۲۲ھ)

[20] قصبہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔

[21] حکیم شاہ محمد شعیب صاحب رضوی پھلواری (۱۳۰۱ھ تا ۱۹۵۴ء) مصنف اعیان وطن آثار پھلواری شریف تذکرہ شعرائے پھلواری۔

[22] مثنوی جواہر الاسرار (۱۱۱۶ھ)

[23] کلیم الدین احمد پرنسپل پٹنہ کالج مصنف اردو شاعری پر ایک نظر، اردو تنقید پر ایک نظر، فن داستان گوئی، سخنہائے گفتنی۔

[24] محمد جعفر خاں راغب (۱۱۵۶ھ تا ۱۲۱۷ھ)

۹۔ اگر معاصر جاری رہا تو جوہری کی گوہر جوہری[25] اور ان کا دوسرا کلام، حضورؔ کے باقی ماندہ اشعار اور دوسری چیزیں جو دستیاب ہوں گی اس کے بیشتر حصہ میں جو اس وقت زیر طبع ہے اور بہت جلد تیار ہو جائے گا ایک قدیم دہلوی ہندو شاعر مقیم پٹنہ معاصر حزیںؔ کی اردو غزل اور جوہریؔ کا ایک اردو مرثیہ ہے۔ عجب نہیں کہ ایک بہت قدیم اردو دستاویز جس کا ایک نہایت مشہور خاندان سے تعلق ہے اس میں شامل ہو۔ یہ چیزیں سید حسن عسکری صاحب کی وساطت سے ملی ہیں۔ میں نے خود ایک طویل مضمون (۹۵ صفحات) یہاں کے ایک اردو اخبار اردو انڈین کرانیکل[26] پر لکھا ہے۔ اس کی طوالت کے ذمہ دار سید صاحب ہیں۔ میں نے ابتداء میں بیس پچیس صفحوں کا ایک مضمون اس پر لکھا تھا۔

مخلص

عبدالودود

(۳)

۱۷ نومبر ۱۹۵۲ء پٹنہ ۴

شفیق کرم۔ آپ کا خط ملا، شکریہ۔ یہ تو معلوم تھا کہ آپ بہاری ہیں لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ کس ضلع کے رہنے والے ہیں۔ اتحاد ذوق آپ سے متعلق استفسارات کا باعث ہوا۔ میں گذشتہ جولائی میں دس بارہ روز کے لیے کلکتہ گیا تھا، افسوس کہ آپ سے ملاقات نہ ہوئی اگر پٹنہ آنا ہو تو ضرور ملئے گا۔

معیار کی کچھ ہی جلدیں رہ گئی ہیں اور سب آب زدہ ہیں۔ جتنے ہی پرچے چھپے تھے جتنے آپ کو بھیجے گئے ہیں۔ بھیجنے والے نے اگر اس کے خلاف لکھا ہے تو غلطی کی ہے۔ رضاؔ کا قلمی دیوان جو مجھے ملا تھا اس میں صرف غزلیں تھیں اور حرف ی تک مکمل تھا۔ دیوان کے آخر میں میں نے ان اشعار کا اضافہ کر دیا ہے جو تذکروں میں ہیں مگر دیوان میں نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ آپ کے پاس سب اوراق ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ آخری صفحے کا شمار کیا تھا بعد کو لکھوں گا۔

کمالؔ کی ایک مثنوی کا ناتمام نسخہ مجھے ملا ہے اور امکان ہے کہ مکمل نسخہ بھی کہیں ہو۔

سید حسن عسکری صاحب سے ملاقات ہوئی تو دیوان دلؔ کے بارے میں ان سے دریافت کروں گا۔ شعرائے شیخپورہ کے کسی خاص تذکرہ کا مجھے علم نہیں۔ لیکن ایک کتاب میں علی ابراہیم[27] خاں مصنف گلزار ابراہیم سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ذکر ہے اور ان میں شعرا بھی ہیں۔

جوہریؔ کی دوسری مثنوی کے جو اشعار حکیم محمد شعیب صاحب کے پاس ہیں وہ کچھ زیادہ نہیں۔ آپ کا یہ خیال صحیح ہے کہ ان کا

---

[25] مثنوی گوہر جوہری ۱۱۶۶ھ میں لکھی گئی۔ تعداد کل اشعار ۱۲۰۱۔ مصنف شاہ آیت اللہ جوہری پھلواری۔

[26] اخبار اردو انڈین کرانیکل پٹنہ (۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۶ء)

[27] نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی (۔۔۔ھ تا ۱۲۰۸ھ) مصنف تذکرہ گلزار ابراہیم۔ صحف ابراہیم۔ خلاصۃ الکلام وغیرہ۔

کوئی بہاری ہم عصر ایسا نہیں جس نے اتنے اشعار چھوڑے ہوں جتنے انہوں نے چھوڑے ہیں۔ دلدار[۲۸] کا مجموعہ کلام بہار ہسٹوریکل ریسرچ سوسائٹی کے کتب خانے کے لئے خرید لیا گیا ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب وہاں ہے یا نہیں۔ میں نے کئی بار سید حسن عسکری صاحب کہا کہ اسے آئیے کہ میرے پاس جو اس کی نقل ہے اس سے مقابلہ کروں مگر وہ نہ لائے۔

آپ نے صورۃ الخیال[۲۹] کا سال اشاعت ۱۸۸۸ لکھا ہے۔ یہ لغزش قلم ہے۔ یہ اس سے دو چار سال قبل چھپی تھی۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے طبی مشورہ سے چند ہفتوں کے لئے رانچی جانا پڑے۔

مخلص۔ عبدالودود

(۴)

۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء

پٹنہ ۴۔ شفیق کرم۔ پرسش احوال کا شکریہ۔ میری شکایتیں بہت پرانی ہیں (کھانسی، نزلا، کیفیت تنفس میں تکلف، مگر یہ تشخیص ابھی حال میں ہوئی ہے کہ یہ برونکائیٹس ہے جس کا وقتاً فوقتاً دورہ ہوا کرتا ہے۔ یہ رائے ڈاکٹر گھوشال (پروفیسر آف میڈیسنا پٹنہ میڈیکل کالج) کی ہے اور ان سے پہلے کسی کو اس کا خیال نہ آیا۔

آپ بے تکلف جو دریافت کرنا ہو دریافت کریں جو کچھ معلوم ہوگا لکھوں گا۔ ہاں موجودہ حالت میں کتابوں کی طرف رجوع مشکل ہے۔ میرا ایک مضمون بہار کی اردو شاعری ۱۱۵۱ھ سے ۱۲۵۰ھ تک شان ہند دہلی نومبر ۱۹۵۲ء میں چھپا ہے۔ (اس رسالے کو میں نے کس طرح مضمون دیا یہ ضبط صاحب کو لکھ چکا ہوں) یہ محض سرسری طور پر لکھا گیا ہے مگر آپ کی دلچسپی کا ہے۔ علی محمد شاد کی ایک کتاب تذکرہ الاسلاف غالباً فارسی میں ہے۔ بہت دن ہوئے چھپی تھی اس میں ان کا نسب نامہ ہے۔ اگر کلکتہ میں کہیں ہو تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔ میر غدا استاد رضا کے دیوان کا ایک ناقص نسخہ بھی میرے پاس ہے۔ فدوی استاد راسخ کا دیوان بھی ملا ہے۔ اس پر ایک صاحب کام بھی کر رہے ہیں۔

مخلص

عبدالودود

(۵)

۲۹ نومبر ۱۹۵۲ء

شفیق کرم۔ (۱) آپ کا خط ملا۔ مجھے اردو والے مضمون کی ضرورت نہیں۔ شاد کی اس کتاب کی ضرورت ہے جس کا نام میں نے لکھا ہے۔ (۲) شان ہند ایک خاص نمبر بہار کے لیے مخصوص نکالنا چاہتا تھا اور اس کے ایڈیٹر نے مجھ سے بہار کی ادبی تاریخ پر مضمون مانگا تھا۔ اور اس کے لیے وقت مقرر کر دیا تھا۔ میں نے لکھا کہ میں وقت مقررہ کے اندر مضمون نہیں لکھ سکتا اور وہ سمجھا

---

[۲۸] دلدار ساکن آرہ مرید پیر مجیب اللہ پھلواری ۱۱۹۳ھ۔ تعداد کل اشعار ۲۴۰۔

[۲۹] ناول صورۃ الخیال مصنفہ شاد عظیم آبادی مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ ۲ جلدیں۔

کہ معاملہ ختم ہوگیا۔ لیکن زمانہ کی توسیع اتنی زیادہ کی گئی کہ مجھے عذر کا موقع نہ رہا۔ ایڈیٹر نے خاص نمبر نکالا بھی نہیں اور مضمون مجھ سے استمزاج کئے بغیر ایک معمولی نمبر میں شائع کر دیا۔ میں ایسے رسالوں کو مضمون نہیں دیتا مگر کبھی کبھی کسی نہ کسی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ (۳) میں نے حسن عسکری صاحب کی وساطت سے حکیم شعیب صاحب سے یہ دریافت کیا تھا کہ سجادؔ[۳۰] کے اشعار انہیں کہاں ملے اس کا جواب مجھے اب تک نہیں ملا۔ اگر خانقاہ پھلواری یا خود حکیم صاحب کی خاندانی بیاضوں میں ہیں تو شبہ کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن حکیم صاحب کو تمنا صاحب سے ملے ہیں تو مجھے شک ہے کہ واقعی سجادؔ کے ہیں یا خود تمنا صاحب کے۔ ۴۔ جوہری کے متعلق حکیم صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا تھا جو ان کے بغیر کوئی بات کس طرح مان لی جائے۔ ممکن ہے یہ محض بے پروائی ہو اور معتبر سند ان کے پاس ہو۔ اس وقت مجھے خاص طور پر تحقیقات مدِ نظر تھی بھی نہیں آئندہ تحقیقات کروں گا۔ غالباً ان کے زمانہ حیات و ممات سے متعلق حکیم صاحب کا بیان صحیح ہے۔ ۵) تذکرۃ الصالحین میں ہر قسم کی روایتیں درج ہیں۔ مصنف پرانی وضع کے آدمی تھے اور تحقیقات کے طریقوں سے ناآشنا۔ ۶۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تذکرۂ شورش[۳۱] و تذکرۂ مسرت افزا[۳۲] کی عکسی نقلیں یورپ سے آجائیں۔ آگئیں تو تاریخ ادب بہار کا لکھنا سہل ہو جائے گا۔ ۷۔ بستان ہند[۳۳] والا مضمون اضافہ کے ساتھ دوبارہ لکھوں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ اس وقت اور بہت سے کام درپیش ہیں۔ ۸۔ ولیؔ کے دیوان کے بارے میں حسن عسکری صاحب سے کہوں گا کہ وہ تحقیقات کریں کہ یہاں ہے یا باہر چلا گیا۔ ۹۔ حسرتؔ[۳۴] کا دیوان حسرت موہانی کے پاس تھا۔ خبر نہیں اب کہاں ہے۔ میں نے تحریک کی تھی کہ حسرت موہانی کا کتب خانہ انجمن ترقی اردو خرید لے۔ لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ ۱۰ حسن عسکری صاحب نے جوہری کی مثنوی پر جو مضمون لکھا تھا وہ آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ مثنوی انہوں نے دکھائی تھی۔ مگر مضمون اس وقت تحریر ہوا جب میں پٹنہ میں تھا۔ ایڈیٹر نے انہیں وہ شمارہ بھی نہ بھیجا جس میں مضمون چھپا تھا۔ حالانکہ حسن عسکری صاحب نے یہ لکھا بھی کہ میرے

---

۳۰ حضرت شمس العارفین شاہ غلام نقشبند سجاد پھلواری بن خواجہ عماد الدین قلندر (۱۱۱۹ھ تا ۱۱۷۳ھ)۔ آپ کے ۱۱۹ اشعار خانقاہ پھلواری کی قدیم بیاض میں مندرج و محفوظ ہیں۔ کل غزلوں کی تعداد ۱۹ ہے۔ قدمائے بہار کے دور اول سے ان کا تعلق ہے۔ اسی سے ان کے کلام کی اہمیت ظاہر ہے۔

۳۱ یہ غلام حسین شورش عظیم آبادی (۱۱۹۰ھ) شاگرد میر باقر حزیں ان کے تذکرہ کی عکسی نقل پٹنہ یونیورسٹی کی طرف سے آکسفورڈ سے منگائی گئی ہے۔

۳۲ اس تذکرہ کا مصنف ابوالحسن امیر الدین احمد عرف امیر اللہ الہ آبادی ہے۔ ۱۱۹۲ھ میں عازم کلکتہ ہوا اور راہ میں عظیم آباد و مرشد آباد میں بھی کچھ دن اقامت کی (قاضی عبدالودود)۔ اسی وجہ سے شعرائے بہار کی بابت اس تذکرے میں کافی مواد موجود ہے اس کی نقل وہاں بھی آکسفورڈ سے پٹنہ میں آگئی ہے۔ رسالہ معاصسر پٹنہ میں اس کو بالاقساط قاضی صاحب مدظلہ شائع فرما رہے ہیں۔

۳۳ دہلی کا ایک ماہوار رسالہ۔

۳۴ ہیبت قلی خاں حسرت (عظیم آباد)، ۱۲۱۰ھ شاگرد میر باقر حزیں و مرزا مظہر۔

پاس نہیں پہنچا۔ ۱۱۔ دیوان قدوی[۳۵] کے تین نسخے اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں اور امکان ہے کہ ایک اور مل جائے۔ کام میری حاشیوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ ۱۲۔ حزیں کا دیوان اب تک نہیں ملا۔ غالباً نایاب ہے۔ ۱۳۔ حکیم شعیب صاحب کو میں ثقہ تسلیم کرتا ہوں مگر تمنا صاحب ثقہ نہیں۔ اس لئے مجھے شبہ ہے کہ جو کلام تپاں کے نام سے انہوں نے چھپوایا ہے وہ خود ان کا ہے یا تپاں کا۔ راسخ کی طرف جو قطعہ منسوب کیا ہے اور تپاں کی طرف سے جو اس کا جواب ہے وہ قطعاً جعلی ہے۔ تپاں کے کل مراثی میری نظر سے گزرے ہیں۔ شاعری محض ادنیٰ درجے کی ہے۔ ۱۴۔ آپ خود کوئی تحقیقی کام کیوں نہیں کرتے؟ کلکتہ میں اس کے مواقع بہت ہیں۔

ع - و

(۶)

۲ دسمبر ۱۹۶۱ء پٹنہ ۴

شفیق کرم تسلیم۔ آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔ تمنا صاحب ذہین آدمی ہیں اور چاہتے تو اچھا کام کر سکتے تھے۔ لیکن وہ اپنے علم اور ذہن سے صحیح طور پر کام نہیں لیتے۔ معیار میں عماد کے رسالے کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے گئے تھے ان کے بارے میں ایک خط انہوں نے مجھے لکھا تھا۔ لیکن وہ اشاعت کے لئے نہ تھا۔ یہ وعدہ کہ آئندہ اشاعت کے لئے مفصل خط بھیجوں گا آج تک وفا نہ ہوا۔ راسخ و تپاں کے قطعے پہلے معاصر میں چھپے تھے اور میں نے اس سلسلہ میں متعدد سوالات تمنا صاحب سے کئے تھے لیکن انہوں نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے اس وقت تک آپ کا کوئی مضمون نہیں دیکھا۔ لیکن آپ کی صلاحیت آپ کے خطوں سے ظاہر ہے۔

مجوزہ[۳۶] کتاب کس طور پر لکھی جائے گی۔ اس کے بارے میں مجملاً کچھ لکھتا ہوں۔ تفاصیل بشرط ضرورت آئندہ۔

باب ۱

(۱) صوبہ بہار کی قدیم زبان کیا تھی؟ مسلمان جس وقت یہاں آئے ہیں اس وقت کیا زبان تھی؟ کیا اردو کا پالی سے کچھ تعلق ہے؟ آخری حروف میں جو بارھویں صدی ہجری سے قبل کے اشعار اس صوبے میں ملتے ہیں وہ کس زبان میں ہیں؟ (۲) فارسی کتابوں میں جو مسلمانوں کی آمد سے بارھویں صدی کے نصف اول تک لکھی گئی ہیں ان میں کون کون سے ہندوستانی الفاظ ملتے ہیں؟ (۳) مسلمانان بہار کی لکھی ہوئی نظمیں جو ہندی عروض کے مطابق ہیں وہ کس زبان میں ہیں؟ (۴) نصاب الصبیان کی وضع کی جو قدیم کتابیں ہیں ان سے زبان پر کیا روشنی پڑتی ہے؟

---

[۳۵] مرزا محمد علی فدوی استاد راسخ عظیم آبادی۔ ان کا دیوان پروفیسر سید محمد حسنین گیاوی نے ڈاکٹر جٹ کے سلسلے میں مرتب کیا ہے۔ بہاری زبان علی گڑھ۔

[۳۶] تاریخ ادبیات بہار لکھنے پر میں نے قاضی صاحب مرحوم کو آمادہ کیا تھا۔ قاضی صاحب موصوف کی آمادگی میرے تعاون پر مشروط تھی۔ بدنصیبی سے میں اس طرف ابھی تک متوجہ نہیں ہو سکا جس کا نتیجہ ہے کہ قاضی صاحب کی بیش قیمت تصنیف جو اس موضوع پر اہم کتاب ہوتی شائع نہ ہو سکی۔

باب ۲۔

سنہ ۱۱۵۱ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک کی ادبی تاریخ۔

باب ۳۔

سنہ ۱۲۵۱ھ سے جنگ عظیم اولین کے آغاز تک ادبی تاریخ۔ اس دور میں انگریزی اثر کیا ہے؟ اس کے بعد کی تاریخ سے مجھے بحث نہیں۔

مجوزہ کتاب ۳ ابواب میں ہوگی۔ اور مجھے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو میرے مطمح نظر اور طریق کار سے اتفاق رکھتے ہوئے مجھے مدد دے۔ اس کی ضرورت خصوصیت کے ساتھ باب ۱ و ۳ کے لیے ہوگی۔ باب ۲ کے لئے مجھے چنداں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں کتاب صرف میرے نام سے نہیں بلکہ میرے معاون کے نام سے بھی شائع ہوگی۔ ایسا آدمی جب تک مجھے نہیں ملے گا میں اس کام کو اپنے ذمہ نہ لوں گا۔ اور فی الحال پٹنہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں۔ واضح رہے کہ پالی اور دوسری قدیم ہندوستانی زبانوں سے ذاتی واقفیت ضروری نہیں۔ دوسروں کی تحقیقات سے کام چل سکتا ہے۔ آپ اس کے لئے تیار ہوں تو لکھیں۔

آپ کلکتہ میں رہ کر فورٹ ولیم کالج کے متعلق ایک مقالۂ تحقیقی لکھ سکتے ہیں جس پر آپ کو بآسانی پی ایچ ڈی کی ڈگری مل سکتی ہے بیشتر مواد کلکتہ میں ہے۔ آپ کے پاس وقت ہو تو اور چھوٹے چھوٹے بہت سے کام ہیں۔ یہ خط بہت عجلت میں لکھا گیا ہے ممکن ہے کہیں کہیں مطلب واضح نہ ہو۔

مخلص ع۔ د

(۷)

۱۴ دسمبر ۵۲ء

(۱) خیالؔ عظیم آبادی اور ان کی تقلید میں اور اصحاب نے جن میں اخترؔ اور رینوی شامل ہیں لکھا ہے کہ اردو پالی سے نکلی ہے جو بہار کی زبان تھی۔ اور خیالؔ نے اردو کا ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ یہ پالی ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے پالی سے واقفیت کی حاجت نہیں۔ ہندوستانی لسانیات پر کسی مستند کتاب کا مطالعہ کافی ہوگا۔ کتاب کے حوالے سے یہ بتانا ہوگا کہ پالی دراصل کس علاقہ کی زبان تھی اور بعد کو اور کہاں کہاں اس کا رواج ہوا۔ اس سوال کا بھی جواب دینا ہوگا کہ اس زبان سے جو اردو اور ہندی کی ماں تھی اس کا کیا تعلق تھا۔ پالی کی کسی کتاب سے چند سطریں بھی نقل ہوں گی (اردو اور ناگری رسم خط میں) اور ان کا ترجمہ دینا ہوگا۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں، مگر کتاب مستند ہو۔ پروفیسر چٹرجی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سی کتاب دیکھنی ہوگی۔ (۲) اس سوال کا بھی جواب دینا ہے کہ وہ زبان جسے میں نے اردو ہندی کی ماں کہا ہے کون سی تھی۔ اور کہاں کہاں بولی جاتی تھی۔ اور بہار میں مسلمانوں کی آمد سے قبل رائج تھی یا نہیں۔ گیرسن کی تحقیقات قابل التفات نہیں۔ اس کے لئے پروفیسر چٹرجی سے مستند کتابوں کے نام معلوم ہو سکتے ہیں۔

(۳) میتھلی اور بھوجپوری وغیرہ کے نمونے بھی دینے ہوں گے۔ (۴) اس امر کی تحقیق ہندی دانوں سے کرنی ہوگی کہ کھڑی بولی

بسیج بھاشا اور ساودھی میں قدیم بہاریوں کے کیا کیا کارنامے ہیں؟ ذاتی تحقیقات کی حاجت نہیں۔ دوسروں کی تحقیقات پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ (۵) فارسی کی کچھ کتابیں میرے علم میں ہیں کچھ تلاش سے ملیں گی آپ ان کی فکر نہ کریں۔ (۶) اردو کی جو کتابیں مطالعہ کے لیے نہ مل سکیں گی ان سے متعلق دوسروں نے جو کچھ لکھا ہے اسی کو پیش کرنا ہوگا۔ (۷) حکیم شعیب صاحب کا نقطۂ نظر وہ نہیں جو کسی محقق کا ہونا چاہیئے۔ ان کی طرح تمنا صاحب کہہ سکتے ہیں کہ مجھ سے سند طلب کرنا "بے محل" ہے۔

(۸) ناظم خاں نے کوئی کتاب خیر اللہ نامی نہیں لکھی اور نہ اس نام کی کسی تاریخی شخصیت کا مجھے علم ہے۔ وہ تذکرہ بھی جس کے حوالے سے عبدالباقی خاں نے شیر شاہ کے اشعار ندیم[۳۸] کے بہار نمبر میں نقل کئے تھے وجودِ خارجی نہیں رکھتے۔ میں نے اس کے بارے میں اپنے ایک خط میں ایک مختصر سا سوال بھی کیا تھا جو ندیم میں چھپ بھی گیا تھا۔ ریاست علی ندوی صاحب سے زبانی میں نے کہہ دیا تھا کہ ناظم خاں عبدالباقی خاں کے بحرِ تخیل کی موجیں ہیں اور تذکرے کے متعلق ان کا بیان بالکل غلط ہے۔ رامپور یا کلکتہ میں اس کا کوئی نسخہ نہیں۔ (اس کے بعد خاں مذکور نے ریاست[۳۹] علی صاحب کو ندیم کے بہار نمبر کی ایک تنقید بھیجی جس میں خاص طور پر ان کے مضمون کا ذکر تھا اور اس کے بارے میں لکھا کہ یہ انگلستان کے ایک مقتدر رسالہ کی تحریر کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اصل بھی ملفوف ہے مگر ر۔ ع (ریاست علی صاحب) کا بیان ہے کہ اصل ملفوف نہ تھی۔ خاں صاحب کی غرض یہ تھی کہ وہ تنقید ندیم میں چھاپ جائے مگر ر۔ ع کو میں نے جو کچھ کہا تھا یاد تھا اور وہ سمجھ گئے کہ خاں صاحب فریب دینا چاہتے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے بارے میں آئندہ لکھوں گا۔ آپ فی الحال اتا ہم کی طرف توجہ کریں۔

قاضی عبدالودود پٹنہ ۴

۱۴ دسمبر ۵۲ء

(۸)

شفیق مکرم۔

۱: بہار اور اردو کی تصنیف کے سلسلے میں چند باتیں فراموش نہ کرنی چاہییں۔ (۱) یہ کام جلد ہونا چاہیے۔ فی التاخیر آفات۔ (۲) اس مواد پر جو موجود ہے یا آسانی سے فراہم ہو سکتا ہے۔ قناعت کرنی چاہیئے۔ طلب الکل فوت الکل۔ (۳) اگر آپ آگے چل کر یہ محسوس کریں کہ آپ اس کام میں میرے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے تو فوراً اس کی اطلاع دینی چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ آپ دراصل الگ ہو جائیں اور میں سمجھتا رہوں کہ ساتھ ہیں۔

---

[۳۸] رسالہ ندیم۔ گیا کا مشہور ماہنامہ تھا۔ جون ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر اور مالک مشہور مزاحیہ نویس مولانا [illegible] گیاوی (رامپوری) تھے۔ یہ رسالہ مدتوں زندہ رہا۔ اخبار البنیح بانکی پور ۱۸۸۵ء تا ۱۹۱۱ء کے بعد اس کی خدمات ادب بہار کی ادبی تاریخ میں اہم ہیں۔

[۳۹] مولانا سید ریاست علی ندوی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ مصنف تاریخ صقلیہ۔ اسلامی نظام تعلیم، ہندوستان میں اسلامی علوم [illegible] عرصہ تک معارف اعظم گڈھ کے شریک مدیر رہے۔ "ندیم گیا" بھی عرصہ تک ان کے زیر ادارت نکلا کیا۔

۲) سنسکرت ڈرامے پالی پتر میں لکھے گئے تھے اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے ان میں خاص خاص اشخاص پراکرت استعمال کرتے ہیں۔ ان ڈراموں کا حال سنسکرت دانوں سے معلوم ہوگا اور ان ڈراموں سے پتہ چلے گا کہ جس زمانے میں یہ لکھے گئے ہیں پالی پتر کی زبان کیا تھی۔ ۳) صفیر بلگرامی نے ناول بھی لکھے ہیں اور یہ چھپے بھی تھے۔ کلکتہ میں ممکن ہے ملیں۔ اسٹار آف انڈیا پریس والوں سے بھی اس بارے میں تحقیقات کی جا سکتی ہے (۴) آپ کو جو کچھ وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہے اسے قلمبند کرتے رہیں اور ایک فہرست ایسی کتابوں اور رسالوں کی تیار کریں جن سے کتاب زیرِ بحث کی تصنیف میں مدد مل سکتی ہو۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کی غرض کیا تھی، کن لوگوں کا اس سے تعلق رہا (اہلِ مغرب اور اہلِ ہند) کون کون سی کتابیں لکھوائیں اور ان میں سے کون کونسی طبع ہو چکی ہیں اور کون کون اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کتابوں کی اہمیت کیا ہے یہ ہے مجملاً آپ کا کام، اور اس کے لئے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قیام کالج سے قبل اس سلسلے میں انگلستان و ہند کے درمیان کیا کیا مراسلات ہوئے۔ ان کتابوں کا جس میں یہ ملیں گے پتہ چلانا چنداں دشوار نہ ہوگا۔ فورٹ ولیم کالج پر ایک کتاب رویک نے لکھی ہے یہ ایشیاٹک سوسائٹی اور نیشنل لائبریری میں ہے اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے جو کتابیں لکھوائی تھیں ان سب کو باقاعدہ طور پر دیکھنا چاہیے۔ ان میں سے بیشتر ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہیں۔ نیشنل لائبریری میں بھی کچھ چیزیں ہیں۔ فی الحال اسی قدر کافی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ذہن میں آتا رہے گا وقتاً فوقتاً لکھتا رہوں گا۔ یہ خط اس خط کا تتمہ ہے جو میں نے پرسوں لکھا تھا۔

۵۲ $\frac{۱۴}{۱۲}$ مخلص عبدالودود

گیریسن کی لنگوسٹک سروے کی کسی جلد میں (یہ یاد نہیں کہ کون سی) ببلیوگرافی آف ماڈرن ہندی ہے۔ اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ چیز الگ بھی چھپی ہے آپ براہِ کرم دریافت کریں کہ کلکتہ میں ملتی ہے یا نہیں۔

(۹)

۵۲ $\frac{۱۹}{۱۲}$ پٹنہ ۴

شفیق مکرم۔ آپ کا خط ملا۔ حکیم صاحب کی میں بھی قدر کرتا ہوں لیکن یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ انہیں تحقیق و تدقیق سے کچھ سروکار نہیں۔ فورٹ ولیم کالج پر جو کتاب لکھی گئی ہے وہ میں نے دیکھی ہے۔ وہ کچھ نہیں۔ مصنف نے اس کی تصنیف کے وقت حیدرآباد سے باہر قدم بھی نہیں رکھا اور فورٹ ولیم کالج پر کوئی کتاب کلکتہ میں کچھ دنوں قیام کئے بغیر لکھنا ایک فعل لغو ہے۔ معاصر حصہ ۲ چھپ گیا۔ اس میں بہت سی باتیں میرے منشا کے خلاف ہیں۔ اس طرح میں اس سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اور اس صورت میں ممکن ہے چوتھا شمارہ بھی نہ نکلے۔ میں اس معاملے میں کسی سے خود گفتگو نہ کروں گا۔ اگر کلیم الدین احمد صاحب اور حسن عسکری صاحب نے اسے جاری رکھنا چاہا اور اس سلسلے میں مجھ سے مدد طلب کی تو اس صورت میں کہ کوئی معقول انتظام طباعت وغیرہ کا ہو اور روپے کا بھی سامان ہو سکے تو میں حسبِ سابق ان کے ساتھ رہوں گا ورنہ نہیں۔ ابھی مجھے یہی نہیں معلوم کہ خود ان صاحبوں کا کیا ارادہ ہے۔ میری صحت میں کچھ ابھی فرق نہیں ہوا۔ مخلص ع۔ و

---

[۷] سید فرزند احمد صفیر بلگرامی (۱۲۴۹ھ تا ۱۳۰۸ھ) مشہور شاعر، مصنف تذکرہ جلوۂ خضر ۲ جلدیں۔

(۱۰)

۸ جولائی ۵۳ء پٹنہ ۴

شفیق مکرم ——— آپ کا خط ملا۔ حسن عسکری صاحب سے ابھی میں نے شرکت کے لئے کہا نہیں۔ مگر غالباً وہ راضی ہو جائیں گے۔ میں نے لکھا تھا کہ ببلیوتھیکا انڈیکا ایشیاٹک سوسائٹی کی فہرست مطبوعہ سوسائٹی میں ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲ میں فضلی کی دہ مجلس کے قلمی نسخہ کا حال (شمارہ ۱۸۱) مندرج ہے۔ اس کی ہو بہو نقل روانہ فرمائیے۔ اور یہ بھی بتائیے کہ فہرست اردو مطبوعات انڈیا آفس و برٹش میوزیم مرتبہ بلمہارٹ میں کتاب مذکور کے متعلق اگر کچھ ہے تو کیا ہے یہ باتیں ابھی تک جواب طلب ہیں۔ دیوان ناجی میں اگر کوئی نظم یا نظمیں ایسی ہوں جن پر واسوخت کا اطلاق ہو سکے تو ان کا پہلا بند عنایت ہو۔ دیوان قائم میں بھی ایک واسوخت ہے (یہ نسخہ لندن کے بارے میں کہہ رہا ہوں) اگر وہاں کے نسخے میں ہو تو اس کا پہلا بند بھی مطلوب ہے۔ بابو جگن ناتھ ملک سے متعلق اطلاع کا شکریہ۔ دیوان راسخ کے ایک قلمی نسخے میں مثنوی کا زمانہ ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ ہے۔ رامپور سے اب تک جواب نہیں آیا۔ دیوان ناجی کا نسخہ کلکتہ خراب لکھا ہوا ہے مگر دنیا میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں۔ کاتب سے معلوم کر کے لکھئے۔ شکریہ۔ اجرت بہت زیادہ ہے۔ یہاں بھی کاتب کی تلاش میں ہوں۔ سید محمد حسنین صاحب نے اس کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ نیاز صاحب[۱] سے روپے وصول ہو چکے ہیں۔ طالب حسین راسخ کے بارے میں دیوان جہاں[۲] میں جو کچھ ہو اس سے مطلع فرمائیے گا۔ دیوان راسخ اور قطعات ولدار کا کام سرعت سے جاری ہے۔ راسخ کے متعدد دواوین (بہ شمول دیوان مطبوعہ) سامنے ہیں۔ اس لئے صحیح متن پیش ہو سکے گا اور سب سے بڑی بات یہی ہے۔ قطعات دلدار کا معاملہ دشوار ہے۔ چونکہ ایک ہی نسخہ ہے۔ کتابوں کے ریویے آکسفرڈ گئے۔ مضمون کا رد عمل کیا ہوا اس کا مجھے علم نہیں نہ میں نے کسی سے پوچھا۔ مطبوعہ دیوان (راسخ) کے ایک مصرعہ میں جگن ناتھ بہادر۔ ایک دوسرا مصرعہ: "ہے تو مہاراجہ عالی جناب"

مخلص عبدالودود

راقم السطور کے پاس خطوط کی تعداد کافی ہے اور سب بفضلہ محفوظ ہیں۔ سر دست دس خطوط پیش کئے گئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے نہ صرف مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ مکاتیب اپنے دامن میں بعض تصنیفات کے بیش قیمت خاکے، متعدد شعرائے اردو کے متعلق گرانقدر تفصیلات اور اہم مخطوطات اردو کی بابت قطعی انداز کی معلومات کے قابل قدر خزانے چھپائے ہوئے ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں اہل بصیرت کے نزدیک قاضی صاحب موصوف کا انہماک علم و ادب، ذوق تحقیق و تدقیق اور پاس احتیاط و حزم مجسم سانس لیتا دکھائی دیتا ہے۔ جن کی تفصیلات ایک طرف مکتوب نگار کو واجب التعظیم و توقیر بناتی ہیں تو دوسری جانب مرتبہ شناسی کے صلے کے طور پر مخاطب کے درجے اور رتبے بھی بلند کرتی ہیں۔

شاہ مقبول احمد شیعی[۳]

شعبۂ اردو۔ سنٹرل کلکتہ کالج کلکتہ۔

---

[۱] پروفیسر نیاز احمد خاں استاد اردو سنٹرل کلکتہ کالج مصنف میزان۔

[۲] تذکرہ دیوان جہاں مصنفہ بینی نارائن جہاں ۱۸۱۲ء مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔

[۳] ان خطوط کے شروع میں لکھا تھا کہ مکتوب الیہ کے نام کا پتہ نہیں چل رہا۔ تلاش کے بعد وہ آخری صفحہ ڈھونڈ نکالا جس سے یہ عقدہ حل ہوا۔ (ادارہ)

جوش ملسیانی

بنام دِل شاہجہانپوری

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ پنجاب۔ ۲ نومبر ۱۹۴۲ء

محترم بندہ جناب دِل صاحب زاد اشفاقہ،

تسلیمات عرض۔ مزاج گرامی۔ تازہ غزل کا شکریہ۔ اس غزل کے ساتھ چند سطور جو جناب نے بہ صورتِ اشفاق نامہ تحریر فرمائی ہیں۔ وہ بھی نظر سے گزریں۔ ان سطور میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ:

جس بزرگ کا تخلّص جوشؔ ہو ان سے ڈرنا چاہیے

اس میں شک نہیں کہ یہ ارشاد سراسر مزاحیہ ہے اور شاید اکبر آبادی معاملات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن جوش سے ڈرنے کی ضرورت صرف اسی کو ہے جو بے دل ہو۔ دل والے کو یہ خدشہ محض توہم ہے۔ حضرتِ نوحؔ ناروی سے جناب کے جو دوستانہ مراسم ہیں ان کی بناپر بھی میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ طوفانی دوستی میرے دعوے کی تائید کرتی ہے۔ طوفان میں بھی جوشِ طوفان ہوتا ہے اس لیے اگر دل والا طوفان سے نہیں ڈرتا تو جوش سے بھی نہیں ڈر سکتا یہ ڈر تو انہیں کا حصّہ ہے جو اپنی بے دلی کی وجہ سے سیمابی کیفیت رکھتے ہیں۔ زیادہ اظہارِ خلوص و نیاز۔ یاد فرمائی کا مزید شکریہ۔

جوشؔ ملسیانی

(۲)

نکودر۔ ضلع جالندھر پنجاب

۱۴ر نومبر ۱۹۴۷ء

محترمی جناب دِل صاحب زاد اشفاقہ،

تسلیمات عرض۔ مزاج گرامی۔

عزیزی رتنؔ کے محبت نامے سے یہ معلوم ہوا کہ جناب نے ان سے میری صحت و عافیت کے حالات دریافت فرمائے ہیں۔ اس التفات و ہمدردی کا شکرگزار ہوں آج کل کے فتنۂ و شر میں صحت و عافیت کی اطلاع بھی بسا غنیمت ہے چونکہ یہ علاقہ مشرقی پنجاب میں شامل رہا ہے اس لیے میں اور میرے متعلقین محفوظ رہ گئے ہیں ورنہ خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑتی۔ فرقہ وارانہ اور مذہبی لحاظ سے جو ملکی تقسیم ہوئی ہے اس نے پنجاب کو بالکل تباہ کر دیا ہے اور ابھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ طوفان کب اور کہاں جا کر تھمے۔ ڈاک کا سلسلہ ڈیڑھ مہینہ بالکل منقطع رہا۔ ریل تو ابھی تک بند ہے۔ برانچ لائن سے مراد ہے۔ ڈاک بھی ابھی تک کچھ بے قاعدہ سی آ رہی ہے۔ کبھی تیسرے دن کبھی چوتھے

دن اس تشویش ناک عالم میں ادبی زندگی قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ کسی کا یہ مصرع احباب کے دریافت حال پر اکثر یاد آجاتا ہے ؎

خدا کا شکر ہے جو حال بھی ہے خیر اچھا ہے

ہاں یاد آگیا سردار صاحب ۱۰ مئی سے دہ میوڑ ضلع شملہ میں بڑے صاحبزادے کے علاج کی وجہ سے مقیم تھے اب تک وہیں ہیں لاہور میں ان کا مکان لوٹ لیا گیا ہے۔ متعلقین نے بے سروسامانی میں بھاگ کر جانیں بچائیں۔ شدید مالی نقصان کی وجہ سے مغموم و مہموم رہتے ہیں۔ توجہات کا مزید شکریہ۔ زیادہ اظہار خلوص و نیاز۔

جوش ملسیانی

(۳)

نکودر۔ ضلع جالندھر مشرقی پنجاب
۲۴ فروری ۵۲ء

مُحترمی دِل صاحب دام برکاتہ'

آپ کا مکتوب گرامی بہ غرض مطالعہ سردار صاحب نے میرے پاس حسب الارشاد بھیجا۔ آپ کی طویل علالت سے قلق ہوا۔ میری دعائیں آپ کے شامل حال تو ہیں گو میں ان کے زود اثر ہونے کا معتقد نہیں لیکن یہ عین ممکن ہے کہ آپ کے بے شمار مخلص دوستوں اور خیر اندیشوں میں سے کسی ایک کی دعا کارگر ہو جائے خدا کرے کہ ایسا ہوا اور ضرور ہو۔

آپ کے حُسنِ ظن اور مخلصانہ جذبات کا ہمیشہ سے شکر گزار رہوں گا۔

؎ خود جو اچھے ہیں وہ اچھا ہی کہیں گے سب کو

زیادہ اظہار احترام اور دعائے صحت۔

جوش ملسیانی

(۴)

نکودر۔ ضلع جالندھر مشرقی پنجاب
۱۵ اگست ۵۵ء

محترمی جناب حکیم صاحب دام برکاتہ'

ترانۂ دل ایک جلد بھیجنے کی تکلیف کا بہت بہت شکریہ رہنمائے تعلیم کے ادارتی فرائض میں نے دو ڈھائی سال سے چھوڑ رکھے ہیں۔ سردار صاحب سرورق پر میرے نام کی اشاعت کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے ورنہ حقیقتِ حال یہی ہے کہ میں اب رسالۂ مذکورہ کا کوئی کام نہیں کرتا۔ ترانۂ دل کی توسیع اشاعت کو زیر نظر رکھ کر اپنے خیالات قلم بند کئے ہیں اور سردار صاحب کی خدمت میں ارسال کر دئیے ہیں منظور پرچہ آپ کی خدمت میں بھیجنے کی تاکید بھی لکھ دی ہے توجہات گرامی کا مزید شکریہ کلام میرے اظہار خیالات کا محتاج ہی نہیں اس لیے توسیع اشاعت ہی کا مقصد زیر نظر رکھ کر چند سطریں لکھی ہیں۔

زیادہ اظہار نیاز برخوردار شفیق حسن کو دعائے درازیٔ عمر۔

جوش ملسیانی

بنام آغا محمد صادق پروفیسر

نکودر ضلع جالندھر

۲ مارچ ۱۹۴۵ء   کرمفرمائے من شاہ صاحب زاد لطفہ،

لفافہ پہنچا۔ یاد فرمائی اور التفات کا نہایت شکریہ۔ غزل کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش وقت ہوئی۔ رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور میں جس کا میں چیف ایڈیٹر ہوں شائع کر دی جائے گی۔ متعلقہ پرچہ ارسال خدمت ہوگا۔ اطمینان فرمائیں۔ لفافہ پر سابق مدرس ڈی بی۔ ہائی سکول لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نکودر کوئی اتنا بڑا شہر نہیں ہے کہ تفصیلات درج کرنے کی ضرورت ہو۔ صرف جوش ملسیانی لکھ دینا کافی ہے۔

ایک شعر میں آپ نے فائزِ مرام لکھا ہے۔ فائز المرام لکھنا مناسب تھا فارسی کی اضافت بھی برقرار ہوتی تو معنی بہ حال ہو جاتے۔ خیر یہ شعر چھوڑ دیا جائے گا۔ حسن سخن اور حسن طبیعت کی داد دیتا ہوں فیشن کے خلاف دو رباعیات کہی تھیں۔ تفنن طبع کے لیے درج کیے دیتا ہوں ؎

اپنا لئے عورتوں نے مردوں کے نشاں   مردوں پہ بھی عورتوں کا ہوتا ہے گماں
آیا کس کو کہیں گے آئی کس کو   کچھ اس کا جواب دیں مجھے اہلِ زباں

مقصد ہو تو دور کر آلائشِ دل !   پاکیزگیٔ دل سے ہے زیبائشِ دل
آرائشِ تن کا خبط رکھنے والے   آرائشِ تن نہیں ہے آرائشِ دل

اُمید ہے کہ آپ گاہے گاہے اسی طرح افکارِ تازہ اور حالاتِ صحت و عافیت سے ممنون فرماتے رہیں گے۔ زیادہ اظہارِ خلوص و محبت۔

جوش ملسیانی

(۲)

نکودر ضلع جالندھر

۷ جولائی ۱۹۴۵ء   کرمفرمائے من زاد عنایتکم

الطاف نامہ پہنچا۔ آپ کے مزاحیہ قطعات جولائی نمبر میں شائع ہونے ہیں، پرچہ پہنچے گا۔ حسن و عشق کے عنوان پر آپ کی وہ نظم جس کا پہلا شعر آپ نے تازہ مکتوب میں تحریر فرمایا میرے پاس نہیں پہنچی۔ دوبارہ ارسال کرنے کا تصدیعہ گوارا فرمائیں۔

آپ کے ہاں موسمی تعطیلات شاید موسم سرما میں ہوتی ہوں گی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ اب تک کالج میں ہیں۔

تازہ کلام اس اشتداد موسم میں کیا ہو سکتا ہے۔ تین چار شعر لکھے دیتا ہوں پوسٹ کارڈ کی تنگ دامانی اس سے زیادہ قلم فرسائی کی اجازت بھی نہیں دیتی ؎

لا اور بھی اک جام کہ آئی ہیں گھٹائیں   اے ساقیِ مے خانہ تری دور بلائیں

پی لو گے تو اے شیخ ذرا گرم رہو گے ٹھنڈا ہی نہ کر دیں کہیں جنت کی ہوائیں
محشر میں بشر قابل پرسش ہے انہی سے حق یہ ہے کہ اعمال کی زینت ہیں خطائیں
نافہم ہیں وہ جو انھیں کہتے ہیں ستم گر پیغام محبت ہیں محبت کی جفائیں
وہ چار جگہ خطِ جلی میں جو لکھی ہیں وہ دفترِ عصیاں میں ہیں میری ہی خطائیں

زیادہ اظہار خلوص۔ جوش ملسیانی

(۳)

نکودر ضلع جالندھر
۲۶ فروری ۱۹۵۶ء

محبت نواز صادق صاحب زاد لطفہ'

لفافہ پہنچا۔ ذکر خیر کا ایک نسخہ پہنچا تھا۔ اس عطیہ کا شکریہ۔ مرحوم کی یادگار اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔ لائل پور کا مشاعرہ ۲۱۔۲۲ فروری کو تھا۔ یکتا صاحب بھی وہاں شامل تھے مگر افسوس کہ میں آپ کا ذکر کرنے سے قاصر رہ گیا۔ یہ بات یاد ہی نہ رہی۔ خیر۔ انہیں خط لکھنا ہو تو خواجہ محمد شفیع بی اے۔ دہلی مٹیا محل کی معرفت لکھئے۔ یہ لکھ دیجئے کہ ان کا ڈاک کا صحیح پتہ مجھے معلوم نہیں۔ اس لیے یہ خط ان کی خدمت میں پہنچا دینے کی تکلیف آپ کو دے رہا ہوں۔ کپور تھلہ کا مشاعرہ ۲۳۔۲۴ کو تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر کل واپس آیا ہوں اور آج شام کو پشاور کے لیے گھر سے روانہ ہوں گا۔ کپور تھلہ میں ۲۴ کی رات کو دس بجے براڈ کاسٹ شروع ہوا تھا۔ میں۔ جوش۔ نوح ناروی۔ سیماب وغیرہ شامل تھے۔ پشاور ریڈیو کا وقت پونے آٹھ بجے شام کو شروع اور دس بجے ختم ہے۔ مگر یہ خط اس تاریخ کے بعد ہی آپ کو مل سکے گا اس لیے وقت کی تفصیل درج کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ زیادہ اظہار خلوص۔

جوش ملسیانی

(۴)

نکودر۔ ضلع جالندھر، مشرقی پنجاب
۵۔ جون ۱۹۵۸ء

اخلاص پرور محبی صادق صاحب زاد لطفہ'

محبت نامہ اور یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ شیخ صاحب کی وفات دنیائے ادب اردو میں سانحہ عظیم ہے۔ وہ اردو ادب کے بہت بڑے سر پرست اور گراں مایہ ہستی تھے۔ آپ کا مضمون آخری ملاقات کے عنوان سے میں نے پڑھا ہے' وہ ان کی ادب پروری کا نمایاں ثبوت ہے۔ آپ کی یاد ہمیشہ دل میں تازہ رہتی ہے۔ اس کے لیے کسی خاص تحریک کی ضرورت ہی نہیں۔ بادۂ سرجوش اب بالکل نایاب ہے۔ دوسرا مجموعہ ابھی شائع نہیں کیا۔ مگر اس کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کر دینے کی تجویزیں اب سوچ رہا ہوں۔ آپ کی ادبی سرگرمیوں اور حالات صحت و عافیت سے مسرت ہوئی۔ ملاقات کا موقع تو ابھی تک موہوم ہے۔ معلوم نہیں یہ رکاوٹیں کب تک حائل رہیں۔ شرح غالب لاہور کی ایک فرم نے ۱۹۴۶ء میں لکھوائی تھی مگر وہ فرم فسادات میں تباہ ہو گئی۔ میں نے معاہدہ کے مطابق میعاد کے اندر اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ اس خیال سے کہ اتنی محنت شاقہ گوارا کر چکا ہوں اسے بھاری اخراجات برداشت کر

ماہ فروری سنہ ۵۰ء میں شائع کر دیا۔ اخراجات بھی نکل آئیں تو اس دور میں غنیمت جانیے۔ مخزن میں اس پر مفصل ریویو شائع ہوا ہے۔ ادھر بھی بڑے بڑے ادبی رسالوں میں اشتہار اور ریویو شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً رسالہ آفتاب، جادہ، احسن، پارس، بیسویں صدی، معارف، آجکل۔ اسی طرح اخباروں میں بھی یہ اشتہار اور ریویو نکلے ہیں مگر فروخت ابھی ۲۰۰ جلد سے زیادہ نہیں۔ خیر۔ دیدہ باید۔ آپ کی فرمائش پر ضرور توجہ کرونگا۔ زیادہ خیریت۔

جوشؔ ملسیانی

(۵)

نکودر ضلع جالندھر مشرقی پنجاب
۵ جولائی سنہ ۵۰ء

کرمفرمائے من صادق صاحب زاد لطفہٗ

الطاف نامہ اور یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ شرح غالب، لاہور رام گلی کوچہ نمبر ۳ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی سے مل سکے گی۔ عروض پر کتاب تالیف کرنے سے مسرت ہوئی۔ بادۂ سرجوش کا دوسرا ایڈیشن چھپوانے کا ارادہ نہیں ہے۔ دوسرا مجموعہ جس میں شاید بادۂ سرجوش کے منتخب حصے بھی شامل کر کے ضخامت ۲۵۰ صفحے تک پہنچا دوں، مرتب کرنے اور پھر جلد شائع کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ پرشوتم لال ضیاؔ ایم اے کا پتہ یہ ہے:۔

انبالہ شہر، بازار تنوراں، کرشنا بک ڈپو۔

صحیح قیام تو معلوم نہیں مگر ان کے کاروباری شریک کا پتہ یہی ہے۔ اس لیے اس پتے پر خطوط انہیں ضرور مل جاتے ہیں، خواہ کچھ تاخیر ہی سے ملیں۔ مخزن کے لیے ایک غزل میں نے بھی بھیجی ہے۔ ستمبر کے پرچے میں شامل ہوگی۔ عزیزی عرشؔ کا بھی ایک مضمون مخزن ماہِ اگست میں شاید شائع ہو۔ بارش خوب ہو رہی ہے۔ موسم خوش گوار ہے۔ میں آپ کی دعا سے خوش و خرّم اور صحت و عافیت سے ہوں۔ بچوں کو دعائے درازیٔ عمر۔ دو تین تازہ شعر سنیے:

یہی عہد کر لیا ہے نہ ہلوں گا اب یہاں سے
یہ ملا ہے درس مجھ کو ترے سنگِ آستاں سے

وہ غلط بھی کچھ کہیں گے تو وہی بجا رہے گا
جو نکل گیا زباں سے وہ نکل گیا زباں سے

کبھی آئی ہے چمن میں تو کیا ہے طوف اسی کا
رہی برق کو عقیدت مری شاخِ آشیاں سے

نہ فنا سے انس ہم کو نہ بقا میں چین ہم کو
کبھی آ گئے وہاں سے کبھی چل دیے یہاں سے

جوشؔ ملسیانی

(۶)

نکودر ضلع جالندھر
۲۹ ستمبر سنہ ۵۰ء

اخلاص پرور محبی صادق صاحب زاد لطفہٗ

گرامی نامہ کا بہت بہت شکریہ۔ ذکر و فکر کے عنوان کے ماتحت ایک صفحے پر کئی غزلیات کو شامل کر دینا امر مجبوری ہے۔ دفاتر بالادست

کے ارکان کی ادبی بدذوقی بھی اس کی ذمہ دار ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ غزلیات شائع نہ کی جائیں اور حصہ نظم بھی بہت کم ہو۔ اس لیے یہ ڈھنگ نکالا گیا کہ غزل کی جگہ ذکر و فکر کا عنوان لکھ کر تین چار غزلیات ایک ہی صفحے پر لکھوا دی جائیں۔

تازہ غزل کا شکریہ۔ باب خلوص وا نہیں۔ وہ تو ہمیں ملا نہیں۔ آخری فیصلا نہیں۔ ایک گھر رہا نہیں۔ میں تجھے چھوڑتا نہیں یہ اشعار مجھے خاص طور پر پسند آئے۔ داد دیتا ہوں۔ ایک گھر رہا نہیں۔ یہ طرز تو بہت ہی لاجواب ہے۔ مقامی مشاعرے کی کیفیت پڑھ کر بھی مسرت ہوئی۔ مطلع کا مصرع اوّل دل نشیں نہیں ہے۔ پورا مصرع ایک نہ ٹوٹنے والا جملہ ہونا مناسب تھا۔ درخورِ اعتنا نہیں۔ یہ الفاظ اپنے مبتدا کے لیے تشنۂ بیان ہیں۔ میرے خیال میں پہلا مصرع اگر یوں کہا جائے۔ تھوڑی سی لغزش بیان درخورِ اعتنا نہیں تو میرے ذوقِ سخن کو مطمئن پائیے۔

س کے علاوہ مُنہ سے نکل گیا نہیں۔ یہاں ردیف بہ لحاظ تانیث محلِ نظر ہے۔ مگر اس کی کچھ نہ کچھ تاویل ہو سکتی ہے، خواہ وہ کمزور سی ہو۔ پہلا مصرع تو مذکورہ ترمیم سے مصرع ہو گیا۔ مگر دوسرے مصرع میں نہیں کی تانیث کو برقرار رکھنا لاعلاج بات نظر آتی ہے۔ زیادہ اظہار خلوص و محبت۔ توجہات کا مزید شکریہ۔ جوشؔ ملسیانی

(۷)

نکودر ضلع جالندھر

۲ ؍جون سنہ ۵۲ء اشفاق پرور مجی صادق صاحب زاد لطفہٗ

محبت نامہ اور یاد آوری کا شکریہ۔ مئی کا پورا مہینہ یونیورسٹی کے کام اور دہلی و انبالہ کے مشاعروں کی بھاگ دوڑ میں گزرا۔ آپ کو خط نہ لکھنے سے نادم ہوں۔ ع

لغزشوں کی حسرتیں پھیلیں تو انساں ہو گئیں

خوب شعر ہے۔ بندش بھی چست اور قابلِ داد ہے۔ تقابل کی شان مزید برآں۔ قومی زبان پر آپ کی نظم میری نظر سے نہیں گزری۔ دل و دماغ میں وہ رس ہی نہیں رہا تو ثمرات کہاں۔ کبھی کبھی دو تین شعر کہہ لیتا ہوں تو پھر غزل کو مکمل کرنے سے معذور رہتا ہوں۔ مجموعہ کلام جنون و ہوش ابھی مطبع سے باہر نہیں آیا۔ بڑوں کی بات جو کچھ ہے بڑی ہے۔ دیکھیے منشی گلاب سنگھ کی فرم کب تک مشق تغافل کرتی ہے۔ جلد بندی باقی ہے شاید سنہ ۵۲ء کے اخیر تک ہو جائے۔ عزیزی عرش دہلی میں عافیت سے ہیں۔ حالاتِ صحت و عافیت سے اسی طرح اطلاع دیتے رہیں۔

زیادہ خلوص۔ جوشؔ ملسیانی

(۸)

نکودر ضلع جالندھر

۱۱ ؍ستمبر سنہ ۵۲ء اخلاص پرور شفق صادق صاحب زاد لطفہٗ

محبت نامہ پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ جسمانی تکالیف سے افاقہ ہو جانا باعثِ اطمینان ہوا۔ آپ کے اشعار سے طبیعت خوش وقت ہوئی تم تو ہر بات کر دیتے ہو اک افسانہ بنا۔ یہ تقدیم و تاخیر ناروا ہے۔ ہر بات کر دیتے ہو۔ یہ ٹکڑا بھی بار گوش ہے اور بنا دیتے ہو کی جگہ دیتے ہو بنا اور بھی محلِ نظر ہے۔ اس قسم کی تقدیم و تاخیر روزمرہ کے خلاف اور قابلِ ترک ہے۔ میں تو آتا ہے کی جگہ بھی ہے آتا کبھی نہیں لکھتا۔

کوئٹہ میں ادب نواز اور ادب پرور اصحاب کا اجتماع موجب مسرت ہے۔ عزیزی عرش رخصت پر آئے ہوئے ہیں۔ ایک ہفتہ اور ٹھہریں گے۔
اپنی مکمل صحت سے اطلاع دیں۔ دو شعر سنو:۔

وہ جھلک اپنی دکھا کر خود بھی پنہاں ہو گئے اور مجھ کو بھی مری نظروں سے پنہاں کر دیا
گریۂ شرم گنہ سے اور رسوائی ہوئی داغ عصیاں میں نے دھو دھو کر نمایاں کر دیا

زیادہ اظہار خلوص اور دعائیں۔
سنا ہے کہ انڈو پاکستان مشاعرہ دہلی میں پھر اخیر اکتوبر یا شروع نومبر میں ہوگا۔ جوش ملسیانی

(۹)

نکودر، ضلع جالندھر
۲۶ اکتوبر ۱۹۵۳ء اخلاص پرور محبی صادق صاحب زاد لطفہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ کہاں ہوتا ہے۔ گماں ہوتا ہے۔ اس زمین میں آپ کی غزل پڑھ کر مسرت ہوئی۔ مطلع بھی قابل داد ہے۔ گماں کا قافیہ آپ کا حصہ ہے۔ اس شعر کے ماقبل اور مابعد کے دونوں شعر بھی خوب ہیں۔ مگر جاں کا قافیہ کھٹکتا ہے۔ اس شعر کو خارج کر دیں تو اچھا ہو۔ نون کا اعلان نہ کرنا اسی صورت میں قافیہ کے لیے روا ہے جب کہ وہ ترکیبی صورت میں ہو مثلاً رگِ جاں وغیرہ۔

تہذیب پٹنہ میں آپ کی غزل پڑھی تھی اور خوش وقت ہو کر پڑھی تھی۔ مورخہ ۱۸ اکتوبر کے مشاعرہ کراچی میں شامل ہوا تھا۔ انجمن ترقی اردو کا جشن جوبلی (پنجاہ سالہ) اس مشاعرے کا محرک تھا۔ چار آدمی ادھر سے مدعو ہوئے تھے۔ مشاعرہ اچھا رہا۔ مگر نشر نہیں ہوا۔ ہاں اس کا ریکارڈ مورخہ ۲۱ اکتوبر کو نشر کیا گیا اور یہاں بیشتر اصحاب نے سنا۔ داد وغیرہ بھی اس کے ساتھ شامل تھی۔ لاہور اور پشاور سے بھی کچھ شعرا آئے تھے۔
میں ۲۱ اکتوبر کو یہاں واپس پہنچ گیا تھا۔ عجلت کی وجہ یہ تھی کہ یونیورسٹی کا کام ختم کرنا باقی تھا۔ بیچ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یاد آوری کا شکریہ
زیادہ اظہار خلوص۔ جوش ملسیانی

(۱۰)

نکودر، ضلع جالندھر
۲ دسمبر ۱۹۵۳ء اخلاص پرور آغا صاحب زاد لطفہٗ

محبت نامہ کا شکریہ۔ وظیفہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ ہے۔ مرزا یگانہ چنگیزی، بیخود دہلوی اور انور صابری بھی اسی قسم کے عطیے کے مستحق سمجھے گئے ہیں۔ مرکزی حکومت نے یہ رقم آرٹ فنڈ میں سے منظور کی ہے۔ یہ فنڈ پچھلے سال ہی بنایا گیا تاکہ فنون لطیفہ کی سرپرستی کی جائے۔ آغا صادق نمبر پہنچ گیا تھا اور اسے پڑھ کر مسرت ہوئی تھی۔ لکھنے والوں نے حق گوئی سے کام لیا ہے۔ مجھے بھی حیرت ہوئی تھی کہ کوئٹہ کی طرف سے شعرا نہیں بلائے گئے۔ پشاور کے تین چار شامل تھے۔ میں نے جو غزل کراچی میں پڑھی تھی، اس کی زمین اقبال کی مشہور زمین تھی۔
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ غزل کامیاب رہی۔ تنگ دل اصحاب کی ذہنیت کو کیا کہوں۔ لاہور کے ایک اخبار نے میرے اس شعر کو قابل سرزنش خیال کیا

حرم سے کچھ آگے بڑھے ہم تو دیکھا　　جبیں کے لیے آستاں اور بھی ہیں

کہا گیا ہے کہ پاکستان میں آکر ایسا شعر پڑھ گئے اور حرم کی عظمت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اب اس تنگ دلی کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ معترض عرفان کی مختلف منزلوں سے قطعی ناواقف معلوم ہوتا ہے۔

زیادہ اظہارِ خلوص۔　　جوشؔ ملسیانی

ڈاکٹر پروفیسر حمید اللہ

—— (۱) ——

بنام مختار الدین احمد آرزو

مکرمی۔ سلام مسنون

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ میں ان دنوں ترکی میں ہوں۔ پرسوں بروصہ جا رہا ہوں۔ پاریس کو فروری کے آغاز سے قبل واپس نہ ہو سکوں گا۔

پاریس میں روزانہ ایک ڈیڑھ پونڈ قیام و طعام کے لیے ناگزیر ہے۔

میں مسند عبد اللہ بن عمرؓ سے واقف نہیں جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔

والسلام۔ مخلص: محمد حمید اللہ استانبول، ۲۹ جمادی الاوّل ۷۴ھ

—— (۲) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

محترمی:

سلام مسنون۔ نوازش نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

۱۔ گب کا جو بھی استاد جانشین بنے گا، وہ آپ کو مدد دے گا۔ اصل کام تو خود طالب علم کو کرنا اور سیکھنا ہوتا ہے۔ قدیم نثر و نظم کا فی الوقت سب سے بڑا عالم Prof. G. Levi della Vida 9, Via Po, Rome ہے لیکن اس کی صحت آج کل بہت خراب ہے۔

کتاب البنات کا جو حصہ جس نے دریافت کیا، وہ اسے شائع کرنے کا ترجیحی حق رکھتا ہے۔ میرے پاس جو حصہ تیار ہے اس کے لیے کوئی ناشر تا حال نہ ملا (ڈیڑھ دو ہزار صفحے ہیں)

آپ غالباً واقف ہوں گے کہ نسب القریش لمصعب الزبیری چھپ گئی ہے۔ اس کے بھتیجے زبیر بن بکار کی کتاب مکمل نہیں ملتی۔ ایک ٹکڑا آکسفرڈ میں ہے اور دوسرا استانبول میں (اس کو میں نے دیکھا ہے مگر میکروفلم میرے ہاں نہیں ہے) اسے خوشی سے آپکے دوست شائع فرمائیں۔ میرے پاس دوسرے کام کافی ہیں۔ مجھے میکروفلم کی عارضی ضرورت ہے۔ اگر وہ آ جائے تو بعد استفادہ آپ کے دوست کو بھیج سے روانہ کر دے سکتا ہوں۔

مسکویہ، سیبویہ وغیرہ ناموں کا لاحقہ (جو علامت تصغیر ہے۔ "زدو" مردزد، چھوٹا مرد)۔ اس کا تلفظ ہوگا چونکہ کسرۂ مجہول عربی میں نہیں اس لیے یاء ما قبل مفتوح سے ظاہر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نیازمند: محمد حمید اللہ۔ پاریس۔ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

—— (۳) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

مکرمی۔ سلام مسنون۔

میں کل شام واپس آیا۔

انساب قریش کو مشرق ہی میں چھپانا چاہیے مثلاً جامعہ علی گڑھ، یا کتب خانہ ہائے کلکتہ، حیدرآباد، اعظم گڑھ وغیرہ۔ لیمی پرووان سال سے میرے تعلقات ایسے نہیں ہیں کہ میں ان سے ایسا کام لے سکوں۔

ترکی اور مصر کے متعلق کس قسم کا مشورہ مراد ہے؟

چلاف کوئی درخت نہیں، خلاف ہے اور مشہور ہے۔ ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات کا ایک ٹکڑا کوئی دو سال ہوگئے B. Lewin نے شائع کیا۔ اس میں اس کا کئی بار ذکر ہے۔ (انڈکس دیکھیے) لسان العرب، تاج العروس، مخصص ابن سیدہ سب میں اس کا ذکر ہے اور ان کے حوالے بھی مذکورہ کتاب میں برموقع درج ہیں۔

جی ہاں، ترکی قطعۂ انساب زیر کا میں نے فلم لیا ہے۔ بعض اجزا آکسفرڈ سے مشترک ہیں اور بعض مختلف۔

مخلص: محمد حمید اللہ۔ پاریس ششم۔ ۵ رجب ۱۳۷۵ھ

—— (۴) ——

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو۔

مکرمی زاد مجدکم!

سلام مسنون۔ عنایت نامہ ملا۔ دلی شکریہ۔ پھر کتاب بھی آئی۔ میں نہیں جانتا کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اگر قیمت معلوم کرائی جائے تو ادا کردوں۔

خدا کرے آپ بھی بخیر و خوبی اپنے مقالے سے فارغ ہوں اور بصحت و سلامت وطن واپس پہنچیں۔

اگر فرانس میں کوئی کار آمد خدمت انجام دے سکتا ہوں تو یاد سے ضرور ارشاد فرمائیں۔

معلوم نہیں خان صاحب ابھی جرمنی سے واپس آئے یا نہیں۔ میں نے انہیں اٹلی سے چند فلم بھیجے تھے۔

نیازمند محمد حمید اللہ۔ پیرس ششم۔ ۱۲ رجب ۱۳۷۵ھ

———

بنام واجدہ تبسم

(۱)

الہ آباد
۹/۸/۶۵

مائی ڈیئر واجدہ

غیر متوقع طور پر تمہارا محبت بھرا خط ملا۔ میرؔ کو غم نے معزور بنا دیا تھا۔ مجھے میرے غم نے صرف غمگین بنا دیا ہے معزور نہیں بنایا۔ اس لئے تعریفیں بھی مجھے غمگین ہی رہنے دیتی ہیں اگرچہ ایک غم آمیز خوشی بھی بہ مقتضائے انسانیت مجھے حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ تمہاری تعریف خلوص و محبت پر مبنی ہے اس لئے مجھے خوشی ہوتی اور مجھے اپنا یہ شعر یاد آ گیا:۔

دی مجھے آج تم نے دادِ سخن
دردِ سنے درد کو سلام کیے

واجدہ میرے اچھے اشعار (اگر میرے کچھ اشعار کو اچھا کہا جا سکے) خود میرے رقیب ہیں۔

اچھا اب میرے جس سیدھے سادے شعر کی وضاحت تم نے چاہی ہے کچھ اس کے بارے میں:

رونا غمِ زندگی یا احساسِ زندگی کے اظہار کا ایک ردِعمل ہے۔ رونے میں وہ رونا بھی شامل ہے جیسے گریۂ بے صدا، گریۂ بے اشک حتیٰ کہ آہِ بے نفس تک بھی کہہ سکتے ہیں، اُداسی بھی رونے کی ایک لطیف قسم ہے اس سے بھی اعلیٰ قسم وہ سنجیدگی ہے جسے SOPHOCLES نے THE HIGHER SERIOUSNESS کہا ہے۔ ورجل (لاطینی شاعر) کا یہ فقرہ بھی سُن لو:۔ THE SENSE OF TEARS IN THINGS HUMAN

کچھ اور فقرے سنو:۔ THE STILL SAD MUSIC OF HUMANITY

A SAD LUCIDITY OF SOUL (M. ARNOLD)

میرے یہاں رونا ایک اشاریہ یا SYMBOL ہے میرا ہی ایک اور شعر ہے ——

زندگی کو بھی مُنہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے بیقرار بہت

زندگی کے دُہرے تقاضے ہیں۔ غم یا مصیبت میں رونا اور دوسرا تقاضا ہے زندگی اور اس کے فرائض کو نبھانا اور دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنا۔

چپ ہو گئے تیرے رونے والے
دنیا کا خیال آ گیا ہے

"دنیا کا خیال آ گیا ہے" بہت بلیغ ٹکڑا ہے اور بہت پہلو دار حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً فرائضِ زندگی کی تکمیل جس میں دوسروں سے اپنی غمزدہ حالت چھپائے رکھنا بھی شامل ہے اور یہ فرض بھی شامل ہے کہ ہم اپنے آنسوؤں کی اتنی عزت کریں کہ

ہر خاص و عام کو اپنے آنسو دکھاتے نہ پھریں۔ یہی سوچ کے تو غالب نے کہا تھا:۔

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

"اندازۂ ہمت" اس امر سے بھی تو ہوگا "چپ ہو گئے تیرے رونے والے"

بہت بہت سا پیار۔

تمہارا
فراقؔ

میرے شعر میں دنیا کے معنی ہیں اہل دنیا۔ اور فرائضِ دنیا۔ تمہارے کئی افسانوں میں بھی تو آنسوؤں کے چھپانے یا دوسروں کی نظر سے انہیں بچائے رکھنے کی طرف نہایت مؤثر اشارے ہیں۔ پھر تم نے میرے شعر کا مطلب مجھ سے کیوں پوچھا؟

عصمت چغتائی

(۱)

بمبئی
۲۵/۳/۵۸

پیاری واجدہ۔ تمہیں فوراً خط لکھا پھر سوچا دو چار دن ٹھہر کر پوسٹ کر دوں گی۔ بس پھر بھول گئی۔ تم نہ جانے کیا سوچتی ہوگی نہیں بہتر مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی۔ لگتی تو اور بھی جلدی جواب دیتی۔ بمبئی نہ آ سکنے کا بہانہ بیشک پھسپھسا سا لگا۔ خیر نہ آؤ مگر میرا ارادہ بدستور حاضر بموجب حالات اجازت دیں آ جاؤ۔

کام نہیں کرنا چاہتیں۔ یعنی کہ میاں کے لئے بیٹر سے لگانے کا پروگرام بھی کچھ برا نہیں۔ ایسے میاں ہندوستان میں عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ میاں بیوی دونوں مل کر گاڑی گھسیٹیں تب بھی پہیئے چوں چوں بولتے رہتے ہیں۔ خیر ایسا بھی کیا تلاش سے تو خدا بھی مل جاتا ہے تو پھر خدائے مجازی کی کیا مجال ہے جو نہ ملے۔ میں خود ایک سال آرام کرنا چاہتی ہوں اپنی کمپنی کی پکچر بنانے کا ارادہ نہیں ہے۔ کتنے سال پڑھا پڑھایا پھر پڑھوایا۔ پھر فلم کے چکر میں قلابازیاں کھائیں جتنا سکوں چاہا اتنا ہی گول مال ہوتا چلا گیا۔ ناول لکھتے لکھتے ایک دم جیسے سناٹا سو کھ گیا۔ یا تو آٹھ دن میں ڈھائی سو صفحے لکھے یا اب دس بارہ ماہ سے قلم ہی نہیں چھوا۔ اپنی بیٹی کو بھی ایک ہفتہ گول کر کے خط لکھ رہی ہوں۔ آج شاید پھر موڈ آ رہا ہے۔

تمہارے خط کا مضمون بھی دماغ سے اتر گیا۔ میں نے تمہیں کافی لمبا خط لکھا تھا۔ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ۔ کچھ محبت کے بارے میں بھی لکھا تھا۔ نہ جانے کیا۔ ہاں کہ تم اتنی بڑی ڈھونگڑی ہو گئیں اب تک جھک نہیں ماری عزیزہ محبت دنیا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ دو چیزوں کے لئے انسان پیدا ہوا ہے ایک تو محنت دوسری محبت اوپر نیچے نقطے کا فرق ہے، تو بہنو پہلی فرصت میں محبت کر ڈالو۔ بہت مفید دل و دماغ ہے۔ میں نئے لکھنے والوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں ہم لوگ شاید زیادہ دل پھینک تھے، ہم نے تو پہلے پہلے عشق و محبت کا ماتم کیا۔ برسوں جنسی الجھنیں نہ سلجھ سکیں۔ کیا نئے لکھنے والوں کی سب گتھیاں سلجھ گئی ہیں اور صرف روٹی کپڑے کا مسئلہ رہ گیا ہے، ہو سکتا ہے یہ اٹھتی زمانہ ہے۔ یا کچھ ایسی بات تو

نہیں کہتے لکھنے والے سمجھتے ہیں سوائے روٹی کپڑے کے اور دوسرے مسائل غیر ترقی پسند ہیں۔ اُف کتنے دن ہوگئے ہیں کوئی پھڑکتی ہوئی عشقیہ نظم یا کوئی دل کو گدگدانے والی کہانی نہیں پڑھی۔ کیا لوگوں نے پیار کرنا چھوڑ دیا، ہم بڑے بوڑھوں کو روٹی کپڑا چولہا ہانڈی ستاتے تو ایک بات بھی ہے۔ مجھے روسی ادب اسی لئے پسند نہیں کہ اس میں انسان کم مشینیں زیادہ ہوتی ہیں۔

اُف بھوک لگ رہی ہے۔ آج تمہارے بینگن پکے ہیں میں نہ کھا سکوں گی پرہیز کر رہی ہوں۔

بہت سے لوگ آگئے۔ اگر یہ خط بھی ڈاک کے سپرد نہ کیا تو پھر بھول جاؤں گی۔ اس لئے زیادہ طویل نہ ہوتے ہوئے بند کئے دیتی ہوں۔

زیادہ پیار۔

عصمت آپا

(۲)

بمبئی
۱۴/۴/۵۸

اے بی واجدہ۔ اتنی جلدی جواب دینے کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ تم شاید بمبئی کے لئے اپنے پر تول رہی ہو۔ میرے ہشکانے سے شاید پر پھڑپھڑانے لگو۔ تم میرے بارے میں جاننا چاہتی ہو۔ تو شوق سے جانو۔ مگر اتنی دور کے ڈھول سہاؤنے معلوم ہوتے ہوں گے۔ ذرا پاس سے دیکھو اور مجھے بھی تم کو دیکھنے میں مدد دو۔ مجھے نہیں معلوم کہ دراصل میں کیسی ہوں۔ تم واجدہ کو صحیح معنوں میں جانتی ہو۔

جیلانی بانو نے اپنی کتاب مجھے بھی بھیجی واقعی بڑی خوبصورت کتاب ہے مجھے تو روس میں اپنی کتابیں کسی کو دیتے بڑی شرم آئی۔ اب جو میں اپنی کتابیں چھپواؤں گی تو ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ قصہ طوطا مینا جیسی نہ چھپیں۔

سٹرو تم مجھے امیر کیوں سمجھتی ہو۔ مجھے تو پیسے کی بڑی قلت رہتی ہے۔ بہت سا قرضہ ہے۔ ڈھائی سو مکان کا کرایہ کئی کئی ماہ کا چڑھ جاتا ہے۔ میں اور شاہد دونوں مل کر کماتے ہیں پھر بھی کڑکی آتی رہتی ہے۔ میرے بینک میں اس وقت ایک سو چھبیس روپے ہیں۔ گھر کا خرچ دو ہزار مہینہ ہے۔ دنیا کے کوئی عیش نہیں کرتی صرف ڈیڑھ روپیہ کے ٹکٹ سے سینما دیکھتی ہوں اور ایک نیا پیسہ پوائنٹ سے رمی کھیلتی ہوں۔ کتابیں خریدنا بہت کم کر دی ہیں ورنہ کسی زمانے میں میں اور شاہد دو ڈھائی سو روپے مہینہ کی کتابیں ضرور خریدتے تھے۔ کتابیں بہت ہیں لیکن بہت سا کوڑا بھی ہے۔ دو فلم تیار ہیں لیکن سب قرضداروں کی مٹھی میں ہیں۔ سونے کی چڑیا تیار ہے صرف بیک گراؤنڈ میوزک رہ گیا ہے کچھ خاص ہے چلے تب جانیں۔ سو فی صدی ناچ گانے سے بھرپور کچھ نہیں ہے۔

بانو اور تم دوست ہو۔ یہ تم دونوں کی خوش نصیبی ہے۔ تم دونوں کے علاوہ ہاجرہ، خدیجہ، عینی اور تسنیم مجھے بہت پسند ہیں۔ عینی کا انداز تحریر بڑا حسین ہے۔ ویسے مواد پر انگلی رکھی جا سکتی ہے۔ ہاجرہ[1] مسرور کے قلم میں شہد کی شیرینی اور شمپین کا نشہ ہے کبھی پی ہے تم نے کوئی نشہ آور چیز۔ میں شرط بدتی ہوں نہیں پی۔ شاید بچپن میں دانت نکلتے وقت اماں نے افیون کھلائی

---

[1] یہ بات ۱۹۵۸ء کی ہے۔ (ادارہ)

ہو۔ یہ مرد ادیب اور خاص کر شاعر تو بغیر نشے کے نہیں چل پاتے۔ بھئی یہ شاعر بڑے جذباتی جانور ہوتے ہیں۔

مجھے جیلانی بانو کا پتہ ٹھیک سے نہیں معلوم تھا اس لئے تمہارے پتہ پر خط لکھ رہی ہوں۔ پہنچا دینا۔ میں نے اُسے بمبئی بلایا ہے۔ کیا مصیبت ہے تم لوگ سمجھو گی مجھے لوگوں کو بمبئی بلانے کی بیماری ہے۔ میں نے لکھا ہے وہ اور تم آجاؤ بمبئی۔ اب دیکھنا ہے وہ بیگم صاحب کیا بہانہ تراشتی ہیں اور کون سا اپنی مجبوریوں کا افسانہ گھڑتی ہیں۔

میری بڑی بیٹی سیما تیرہ سال کی ہے وہ پونا سے ذرا آگے پنچگنی ہل اسٹیشن ہے وہاں بورڈنگ میں ہے۔ میرے گھر میں ذرا فلموں کا زور رہتا ہے اس لئے اُسے اس فضا سے دور بھیج دیا۔ چھٹیوں میں آتی ہے تو نرگس ویسپ کماہ پہ مرتی ہوئی آتی ہے۔ میں اُسے دو تین دن کے لئے دلیپ کے ہاں رہنے کو بھیج دیتی ہوں وہ اُسے بہت ستاتا ہے بس پھر سارا گلیمر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے یہ عمر ہی ہیرو ورشپ کی ہوتی ہے۔ آجکل وہ اورس پریسلے اور پیٹ بون اور راک ہڈسن پر فدا ہے۔ میرے خیال میں جنوں کی حد کو نہ پہنچے تو یہ ہیرو ورشپ بری چیز نہیں۔

میری چھوٹی بیٹی چھ سال کی ہے۔ اور وہ بمبئی میں ہی پڑھتی ہے۔ وہ ذرا اور سیما کے بعد سیما کی پوجا کرتی ہے۔

میں بیمار نہیں ہوں۔ میں اپنا ایک وزن رکھتی ہوں۔ ذرا بڑھا اور فوراً پرہیزی کھانا شروع کیا۔ ایف اے سے کر اب تک میرا وزن ایک ہی ہے۔ جہاں بڑھا اور میں نے روک تھام کی، میری صحت بہت اچھی رہتی ہے۔ ذرا سا چکنا کھانا کھاؤں وزن بڑھنے لگتا ہے۔

تم ہو روزے وغیرہ رکھے؟

یہ خط تمہیں جلدی پہنچے تو خیال نہ کرنا۔ جیلانی کو کئی دن قبل خط لکھنا چاہیئے تھا۔ اس لئے تمہیں بھی لکھنا پڑا!

اچھا بھئی خدا حافظ

تمہاری عصمت آپا

(۲)

بمبئی	ہمارے ہاں بھی فون آگیا	
۵۸/۵/۱۵	نمبر ہے	۲۴۲۲۴۰

کیوں بی بھول دیں ناکہ خط میں کوتاہی تمہاری طرف سے ہوئی میری طرف سے نہیں۔ میں تمہیں کبھی جلدی جواب نہ دیتی مگر تم نے اپنی لاغری کا اتنا حسین نقشہ کھینچا کہ جی بولا گیا۔ خدا کرے حقیقت کم اور زور قلم زیادہ ہو۔ خدا نظر بد سے بچائے تم تو ہی چرب زبان ہو گیا کیا زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں خدا نہ کرے دونوں سوتیں نہ ہوتیں تب بھی ہوا تم ہمیں نہ جھیل سکتیں ایک تو تم کوئی تیسری چوتھی گھروالی ہو نہیں کیونکہ میں تو تمہارے آپا کی ہم عمر ہوں۔ کل کی تاریخ پورے تیتالیس[۴۳] سال دنیا میں ہنگامہ آرائی کرتے بیت گئے۔

خیر چلو تیسری چوتھی ہو بھی جائیں تو ہر لمحہ اللہ پاک سے رانڈ ہونے کی دعائیں مانگا کرتیں۔ لوگوں کا خیال ہے اُس

ببول کی جھاڑی کو اونٹ ہی مشکل سے چاب سکتا ہے ۔ ایک تو کانٹے ہیں اوپر سے زہریلے ۔

اچھا بھئی تو تم مجھے اتنا یاد نہ کیا کرو میری زبان کٹ کٹ جاتی ہے ۔

کیا تم واقعی ان تمام امراض میں لپٹی ہوئی ہو، تو یہ مجھے تو فکر ہو گئی ۔ میری تندرستی تو عموماً اچھی رہتی ہے بس زکام کھانسی سال میں دو تین دفعہ ہو جاتا ہے وہ بھی اچار اور مرچیں کھانے سے ۔ خدا کے واسطے علاج کراؤ ۔ یہ دنیا بڑی چٹپٹی ہے اسے جی بھر کر نہ چکھا تو پھر پیدا ہی کیوں ہوئی تھیں ۔ علاج میں دیر نہیں کرنا چاہیے ۔ ورنہ پھر مرض اپنے نشان عمر بھر کے لئے چھوڑ جاتا ہے ۔ مذاق میں مرض کو نہیں ٹالنا چاہیئے ۔

یہ چکر کیوں آتے ہیں ؟ یہ مرض انوکھا ہی تمہیں ہوا ہے ۔ دراصل مرض سے زیادہ میل ملاپ نہیں رہا اس لئے تمہارے اس مرض کی وجہ کچھ ٹھیک نہیں معلوم ۔ اندازاً کہتی ہوں کہ شادی کر کے زندگی کے سب سے بڑے چکر میں پڑ جاؤ ۔ سارے چکر چوکڑی بھول جائیں گے ۔ تم بیمار رو بیا ۔ کچھ نہیں ہو ضرورت سے زیادہ حساس معلوم ہوتی ہو ۔ ذرا سخت جانی کی عادت ڈالو ۔ غم سہو مگر غم کو اپنی پیٹھ پر چڑھی نہ بیٹھے دو ۔ تمہاری بھابی کی بچی مر گئی بڑا دکھ ہوا مگر فکر نہ کرو اور ہو جائے گی ۔ دکھی ہونے کی کیا بات ہے ۔

خیر سے اللہ والی ہو ۔ روزہ نماز کی پابند یا عاقبت کے بورے سمیٹو ۔ بھول چوک کر سارے لئے بھی دعا کر دینا ۔ اپنی تو اللہ پاک سے کٹی ہو گئی ۔

شاہد نے تمہاری پہلی کہانی نہ جانے کا ہے کی تیاں ..... برین کی تیاں یا نہ جانے کیا پڑھی اور تیور سے لڑنے لگے ۔ میں بھی پڑھ کر چپ رہ گئی ۔ مگر آج بس وہ بیاہ میں تمہاری کہانی پڑھ کر اپنے الفاظ واپس لے لئے ۔ ان کی بھی رائے بہت عجیب سٹرن لڑکی ہے ۔ داستان گو میں نمائش پڑھ کر یاد رکھی چٹکارے ۔ خیر تم بے دھڑک لکھے جاؤ ۔ یہی تیکھا پن قائم رکھو ۔

اور اللہ کے واسطے اتنی بیمار نہ رہو ۔ اُف میرا وزن نہ پوچھو تم سے پچاس پونڈ اوپر ہو گا ۔ پانچ فٹ پانچ انچ قد ہے خاصی دیوزاد ہوں ۔ سخت ڈائیٹنگ کرتی رہتی ہوں ورنہ نہ جانے کیا گت بنے مجھے کبھی کبھی تو اپنے غیر دیہاتی قد و قامت پر بڑا دکھ ہوتا ہے پھر سوچتی ہوں چھ فٹ اور چھ فٹ تین انچ کے بھائیوں کی بہن نازک اندام کہاں سے پیدا ہوتی ۔ کافی سے زیادہ گنہگار ہوں ۔ ہرا لا بلا کھائی اور پی ہے ۔ بڑی دھائیں دھائیں زندگی گذاری ہے اور آئندہ بھی لگا میں کھینچنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔

یقین مانو یہ خط تمہارا خط ملتے ہی لکھنا شروع کیا ۔ خط پورا نہ کر پائی تھی کہ سبھا کی چھٹیاں آ گئیں ۔ پندرہ دن لئے لئے آئی تھی بس اتنے دن پھر ہنگامہ آرائی رہی ۔ سینما دعوتیں جو بوٹ کے چکر بس خط اتنا ہی لکھا پڑا رہ گیا ۔ کئی مرتبہ چاہا دو سطریں لکھ دوں پھر سوچا ادھوری بات سے فائدہ ہی کیا ۔

کیوں کیا بلبلی نہیں آ رہی ہو ۔ ہم تو یہاں تمہاری شادی کے چکر میں تھے ۔ خیر کچی کمر کا نشے پڑی رہو نہ آؤ ۔

آجکل عجب بیروگی رام ہے میں پکسا ماسٹر سے دیدانت پڑھ رہی ہوں ۔ ابھی تین دن سے ایک ہی سبق پڑھ رہی ہوں تھکا

دُنیا کا آغاز کیسے ہوا؟ ارادہ ہندو مائی تھولوجی پڑھنے کا تھا مگر ساتھ ساتھ فلسفہ بھی چپکا ہُوا ہے وہ بھی پڑھنا ہوگا۔ صرف دو منتروں کا لب لباب پڑھا اور سمجھا ہے۔ ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے عقاید پر بھی بحث ہو رہی جا رہی ہے۔ بڑا لطف آتا ہے۔ ہندو مائی تھولوجی میں دنیا بڑے مزے سے بنی ہے۔ کچھ اپنی "کن" سے ہی ملتا جلتا عقیدہ ہے۔

لو بھئی کافی لمبا خط لکھ دیا۔ تمہاری عصمت آپا

(۴)

دیکھو بھئی جھوٹ بولنے والے کے منہ سے مینڈک نکل آتا ہے۔

قسم سے میں نے تمھیں بہت طویل خط لکھا سنتی ہوں کھو گیا۔ اچھا ہی ہوا خدا اکرے وہ خط جو بانو کو لکھا ہے وہ بھی کھو جائے بھئی یہ خط و کتابت بڑی احمقانہ چیز ہے میں اُوٹ پٹانگ انسان نہ جانے کیا کا کیا لکھ جاتی ہوں۔ بس وہی خط اچھے ہوتے ہیں جو میں پوسٹ نہیں کرتی۔ زبانی جو کچھ کہہ سنا لیتی ہوں کہیں ریکارڈ نہیں ہوتا۔ مگر یہ خط تو اعمال نامے کی طرح کٹہرے میں کھڑا کر دا سکتے ہیں۔ اف اف اف اتنا دل دکھاتی ہوں۔ اور دنیا کا سب سے بڑا جرم دل دکھانا ہی سمجھتی ہوں۔ پھر بھی چٹکی لینے کی بزدلانہ عادت ہے۔ میں نے بانو کو آج خط لکھ کر پوسٹ کر دیا۔ پھر نہ جانے کیسے کیسے وہم دل میں آنے لگے۔ دوبارہ نہیں پڑھا۔ جان کر نہیں پڑھا کہ شاید ٹال جاؤں۔ اچھا دیکھو تم اُس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔ اف یہ میں نے رازداریاں شروع کر دیں۔ اُنہہ تو کیا ہوا۔ ایسی تک چڑھی نہیں جو بُرا مان جائے بیماری نے گھر دیکھ لیا ہے۔ چھوٹی کو خسرہ ہوئے پھر چکن پاکس۔ پھر مجھے کھانسی زکام نے آ دبایا۔ سر دھو کر بھیگے بالوں سے ایئر کنڈیشن ہال میں سینما دیکھ لیا۔ بس موت آگئی۔ اب تک کھانسی نے جان نہیں چھوڑی۔

آج شاہد کی پرانی گردے کے درد کی شکایت اُبھر آئی۔ شاہد گھر میں رہیں تو وحشت ہوتی ہے، برسوں سے شام کو گھر میں رہنے کا پروگرام نہیں ہوتا ماشاء اللہ جب کبھی اللہ کی مہربانی سے بیمار پڑتے ہیں تو گھر میں رونق افروز ہو جاتے ہیں سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور مجھے سڑک پر بیکار کی بھیڑ سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میرے اور شاہد کے تعلقات کچھ کشیدہ ہیں قطعی نہیں۔ کچھ زیادہ گہرے کبھی بھی نہیں ہو پائے۔ اگر خوش مزاجی سے غور کرو تو ہم دونوں کی شادی بحد کامیاب ہے۔ کیونکہ سوائے بچوں کے کوئی مروت ہمارے درمیان نہیں۔ بہت کم ایک دوسرے سے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ میں ذرا لوگوں میں گھسنے کی عادی ہوں مگر شاہد بڑے کم سخن ہیں۔ ہم دونوں میں کروڑوں میل کا فاصلہ ہوتے ہوئے بھی کچھ زیادہ دوری نہیں۔ بڑا پُرلطف رشتہ ہے ہمارا۔ مجھے تو تنہا کا ڈر ہے نہ دین کا پھر بھی ساتھ رہنے میں کچھ کوفت نہیں ہوتی۔

میری جان! ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کی مدد سے آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور پھر مجھ میں کہوں تو لال جڑے ہیں۔ میں بھی ماشاءاللہ کافی نکمی ہوں۔ شاہد شراب خانہ میں دھر دیئے گئے۔ میں نے صرف بمشکل بازی کی۔ بخدا غصہ نہیں آیا۔ لوگ متعجب ہیں کہ میں جو چیڑی کی ڈگی پر مر بیٹھتی ہوں جو راہ چلتوں سے الجھتی ہوں شاہد کی زندگی کیوں نہیں حرام کر دیتی۔ اس کا جواب بڑا لمبا ہے پھر کبھی سہی۔ لعنت ہے خط لکھنے بیٹھتی ہوں اور شیطان کی آنت پکڑ کر لے آتی ہوں جبھی اسی لئے میں خط لکھتے گھبراتی ہوں۔

اچھی تو ہو۔ ہم سب تو کافی بُرے ہیں۔ دو چار دن کے لئے پنچگنی جانے کا ارادہ ہے چھوٹی بچی کو بورڈنگ میں ڈال کے پھر سوچوں گی کہ کیا کروں۔

کچھ کروں گی ضرور، رقی کھیلنی آتی ہے؟
پچھلے چند ماہ میں زندگی کے کچھ ایسے تجربات ہوئے کہ اب تک گرفت میں نہیں آئے ہیں۔
شمع بجھنے سے پہلے کیا ایک بار بھڑکتی ہے!

تمہاری عصمت آپا

(۵)

واجدہ خانم۔ اتنی بجھی تمہیں نہ کھاؤ بدہضمی ہو جائے گی۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تمہارے خط مجھے بور کرتے ہیں۔ یہ لفظ بور تمہارے اوپر کیوں ٹوٹ پڑا اگر تم مجھے بور کر سکتیں تو تمہیں ذرا لکھ دیتی۔ نہیں تو تمہارے خطوں میں تو گھنگرو چھنکتے ہیں تم ضد کر کے خود ہی بگڑتی ہو خود ہی لمبے چوڑے محبت کے دعوے کرتی ہو۔ مجھے ہنسی آجاتی ہے۔ مجھ میں محبت کا مادہ خود شدت سے موجود ہے۔ دنیا میں بہت کم آدمی بُرے لگتے ہیں۔ جو بُرے بھی لگتے ہیں ان میں بھی کوئی پیاری سی چیز نظر آ ہی جاتی ہے۔

تم ذرا تنک مزاج ہو کبھی چھیڑنے میں مزا آتا ہے جیسے جلتے توے پر انگلی کی پور سے ننھا سا چھینٹا مارنے سے چھناکا ہوتا ہے ویسے ہی پارہ صفت انسان کو چھیڑتے سے کچھ نکھار کا سا لطف آجاتا ہے۔

میری بڑی لڑکی جو چودہ برس کی ہے یعنی سیما پنچگنی میں تھی ہی چھوٹی جو سات برس کی ہے صبرینہ اسے بھی بورڈنگ میں پنچگنی پہنچا آئی۔ اسے بورڈنگ میں چھوڑتے کے بعد بڑی وحشت رہی اور پنچگنی سے آنے کو دل نہ چاہا۔ ایک ہفتہ وہیں رہ پڑی۔ بڑا پرلطف گذرا یہ ہفتہ۔ بہت پُر فضا مقام ہے بالکل حجاب امتیاز علی کے افسانوں جیسا لمبے شاہ بلوط کے درخت اور رنگین پھول کی نارنگی کی کلیاں! میرا کمرہ الگ تھلگ کونے میں تھا۔ دل بہلانے کو بجائے پڑھنے کے لکھتی رہی۔ پہاڑ پر چڑھنا لمبی لمبی سیریں، بہت اچھا وقت گذرا کل واپس آکر تمہارا اور بانو کا خط تکیے کے نیچے ملا۔ میرا تکیہ میرا دفتر بے معنی ہے۔ بڑی دلچسپ چیزیں رہتی ہیں نیچے۔

ہاں جی اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ میں بہت عظیم ہستی ہوں۔ کیونکہ جب تم مجھے میری اپنی "عظمت" سے دھمکاتی ہو تو واقعی میں دھمک جاتی ہوں۔ مجھے عظیم ہستیاں بور کرتی ہیں۔ اللہ کا واسطہ مجھے ہستی وستی نہ بناؤ۔ میں عصمت آپا ہوں۔ اور بہت چھچھوری باتیں کر جاتی ہوں۔ میرے دل کے بہت سے کونے ہیں۔ ایک سو سالہ بوڑھا ہو چکا ہے دوسرا ابھی بچپن سے بھرا ہے۔ میں بزرگوں کے ساتھ فلسفہ بگھار لیتی ہوں سیاست بھون لیتی ہوں اور بچوں کے ساتھ کبڈی کھیل لیتی ہوں۔ سو بھئی اپنے دل سے عظمت کا خیال نکال دو۔ ہاں محبت میرے سر آنکھوں پر۔ پنسل سے لکھ رہی ہوں کیونکہ قلم بیٹی نے چھین لیا۔ میری بیٹی بڑی طرار ہے جیسی بیٹی میرے خیالوں میں تھی بس ویسی ہی ہے۔ تھوڑی میم صاحب ہے بڑی ہو جائے تو ٹھیک کر لوں گی۔ اچھا یہ بتاؤ جی تو اچھا ہے نا۔ حیدر آباد کی آب و ہوا تو اچھی ہوگی آج کل۔ اور نہ بھی ہو تو کیا تم بمبئی تھوڑی آجاؤ گی۔

پنسل سے خط تو لکھ لیا اب پتہ کیسے لکھوں۔ شام کو قلم دستیاب ہو سکے گا جب ہی پتہ لکھوں گی۔ بمبئی میں آج کل بڑی چہل پہل ہے انڈو پاک مشاعرہ تو اپنے نصیب میں نہیں تھا۔ اچھا خدا حافظ!

تمہاری عصمت آپا

(۶)

پیاری واجدہ۔

تمہارا خط ایک عرصہ کے بعد آیا۔ جواب میں اس لئے دیر ہوگئی کہ میری بچیاں چھٹیوں میں پنچگنی سے آئی ہوئی ہیں۔ ذرا ان کی خاطر مدارات میں لگ گئی تھی۔

تم نے اپنا نام تبسم رکھ کر بڑا ظلم کیا۔ شاید نصیب کو نام سے کد ہو جاتی ہے۔ زخمی مجروح بسمل بڑے عیش کرتے ہیں۔ کیوں نہ تم اپنا نام آنسو رکھ ڈالو۔ پھر دیکھنا ہے کہ قسمت تمہیں کیسے رلاتی ہے۔

تم پریشان رہیں۔ کاش کسی کی پریشانیاں کوئی بانٹ سکتا تو تم سے کہتی ذرا سی پریشانیاں مجھے ایکسپورٹ کر دو۔ حالانکہ میری اپنی بھی پریشانیاں ماشاء اللہ کچھ کم نہیں۔ سب جھیل جاتی ہوں۔ روپیہ کی تکلیف نہیں سہی جاتی۔ بڑی ٹھوس حقیقت ہوتی ہے۔ صرف خیال سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بقول بمبئی والوں کے ڈیڑھ سال سے کچھ کمایا نہیں۔ افسانہ نگاری سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا اور میرا تو خرچ بہت ہی ہے۔

یہ نہ کہو کہ تمہارا خیال ہی نہیں آیا۔ کئی بار آیا۔ سوچا کوئی ایسی ویسی بات لکھ دی ہو گی اور تم برا مان گئی ہو گی۔ آگ لگے اس قلم کو نہ جانے کیوں بے قابو ہو جاتا ہے۔

بانو کا بھی شاید میں نے جی جلا دیا ہو گا وہ بھی روٹھی ہوئی ہے جبھی تو میرے خط کا جواب نہ دیا، یا شاید میرا وہم ہوا۔ اسے فرصت نہ ہوئی ہو۔ خیر اللہ کرے غصہ اتر گیا ہو اور جان بوجھ کر خط نہ لکھا ہو۔

میرا ارادہ تو قائم ہے۔ تمہارے بھائی یہاں ہیں ان کے ہاں تو آ سکتی ہو۔ پتہ نہیں کہاں ہیں۔ کیا ان کا ہی نام قدیر ہے کبیر قریشی کو تم جانتی ہو۔ وہ ایک دن ذکر کر رہے تھے کہ تمہارے بھائی سے ملنے جانا ہے۔ شاید پریل کی طرف کہیں ہیں۔

جب کبھی کہانی چھپتی ہے تو تمہارا ذکر ہوتا رہتا ہے تمہیں یاد کرنے کی کوشش نہ کریں تب بھی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان دنوں بہت پڑھا۔ کاش روزی کی فکر سے آزاد ہو کر زندگی بس پڑھنے لکھنے ہی میں گذارنے کو ملے۔

آج میرا دل بہت بری طرح بیٹھا جا رہا ہے۔ آج میری ایک بڑی پیاری دوست کا سوئم ہے۔ پرسوں احمد عباس کی بیوی مجتبائی کا نمونیہ میں انتقال ہو گیا۔ دل کا اپریشن ہوا تھا وہ تو کامیاب رہا۔ پانچ سال کی بیماری میں اتنی نازک ہو گئی تھی۔ آسانی سے ڈبل نمونیا نے دبوچ لیا۔

آج مجھے وہ سولہ برس پہلے کی مجی (اسے پیار میں مجی کہتے تھے) یاد آ رہی ہے۔ پندرہ بیس دن کی بیاہی دلہن مجھ سے

ملنے کے لئے رات کے وقت پہنچی تھی۔ کتنی گڑیا سی لگ رہی تھی ہاتھوں کی مہندی بھی میلی نہ ہوئی تھی۔ موتیوں کی لڑی جیسے دانت چمکا چمکا کر مجھ سے الجھا کرتی تھی۔ پندرہ دن ہوئے اُسے ہسپتال میں دیکھنے گئی تھی۔ بالکل ٹھیک تھی مجھ سے ویسے ہی الجھنے لگی جیسی کہ اُس کی عادت تھی۔ میں نے کہا ٹھہر جا تیری باتوں کا تھوڑا دم آ جائے تجھے میں جب جواب دوں گی۔ اور میرے جواب میرے دل ہی میں گھٹ گئے۔

آج دل بڑا اُداس ہے۔ وہ جینا چاہتی تھی۔ بڑی ضد سے جینا چاہتی تھی۔

امید ہے کہ تم اب پُرسکون ماحول سے گذر رہی ہوگی۔ یہ دل اتنی گہری چوٹ کیوں لیتا ہے۔ اِسے پتھر بنانا چاہیئے مگر پتھر بھی تو چٹخ جاتے ہیں۔

تمہاری عصمت آپا
۳۱ / ۸ / ۵۹

سجاد ظہیر

(۱)

عزیزی واجدہ، تمہارا ۱۲ جولائی کا خط لفافہ در لفافہ مجھے آج شام کو ہی ملا۔ میں دہلی سے باہر تھا، کل ہی واپس آیا۔ میرا پتہ اوپر لکھا ہے۔

بھئی تم نے تو مجھے اتنا پیارا سا خط لکھا ہے کہ اگر میری عمر بیس سال کم ہوتی تو اُسے پڑھتے ہی تم پر عاشق ہو جاتا۔ سچ تمہارا خط بہت اچھا ہے۔ تبھی تو فوراً جواب دے رہا ہوں!

لیکن تم ہو کون؟ ہم تو حیدر آباد اتنی دفعہ جا چکے ہیں، تم وہاں ملیں کیوں نہیں؟ بات یہ ہے کہ ہم شاید آؤٹ آف ڈیٹ ہوتے جا رہے ہیں، کوئی سال بھر ہوا کیفی کے ساتھ بیٹھے اردو کے جدید ادیبوں کی ایک فہرست بنا رہے تھے، اس میں انہوں نے "واجدہ تبسم" کا نام بھی لکھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہاں کی ہیں؟ انہوں نے کہا حیدر آباد کی ایک نئی لکھنے والی ہیں۔ افسانے اچھے لکھتی ہیں۔ میں شرمندہ ہوا کہ مجھے ان کا نام تک معلوم نہ تھا، پھر دماغ پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ شاید سب رس یا صبا میں ان کی لکھی ہوئی چیز پڑھی تھی۔ لیکن (تم برا نہ ماننا!) کوئی افسانہ یاد نہیں آیا۔ پھر یہ ہوا کہ گذشتہ فروری میں دہلی میں اردو کانفرنس کے موقعہ پر کسی نے مجھے 'شاہکار' (الہ آباد) کی دو جلدیں دیں۔ دوسری جلد میں تمہارا نام دیکھا تو چونکا۔ جلدی جلدی تمہارا افسانہ 'فاختہ' پڑھا۔ اسے پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔ خوشی اس کی کہ تمہارا افسانہ بہت ہی دلچسپ، بڑا خوبصورت بڑا شگفتہ اور سچا تھا۔ لیکن پھر میں سوچ میں پڑ گیا، کہ اتنی زیادہ ہونہار لکھنے والی، جس کی تحریر میں ایک سچے آرٹسٹ کی جھلک ہے، (یعنی زندگی کی معمولی تفصیل اور معمولی رشتوں اور علاقوں کو نئے اور اچھوتے انداز اور حقیقی نظر سے دیکھ کر ایک حسین مرقع پیش کرنے کی صلاحیت) اس کا CANVAS اتنا محدود کیوں ہے؟ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم خواہ مخواہ ایسے افسانے لکھیں جس میں سیاسی یا بڑے سماجی موضوع ہی لائے جاتے۔ لیکن تم نے "ٹالسٹائے کا اینا کارینینا" پڑھا ہے؟ ہے وہ بھی ایک محبت کی کہانی۔ ناکام محبت۔ مگر دیکھو کہ اُس ٹریجڈی میں انسانی کردار کے کتنے پہلو در پہلو، سماجی اخلاق، سماجی رشتے، طرح طرح سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور

کس طرح وہ ہمیں ایک حیرت انگیز طور سے متاثر کرتے ہیں، ہمیں سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ہمارا تزکیۂ نفس کرتے ہیں! کارمی تین جو "صحیح" اخلاق اور "صحیح" کردار کا پتلا ہے، کس قدر غلط معلوم ہوتا ہے اور بیچاری آئینا جو بدکردار ہے، کس طرح پوری مظلوم انسانیت کی نشانی بن جاتی ہے!

ارے، یہ تو میں تم کو ایک بور قسم کا لکچر دینے لگا۔ معاف کرنا۔ اور کچھ خیال نہ کرنا۔ تم بے تکلفی سے جیسے جی چاہے لکھتی رہو۔ — اور مجھے خط ضرور لکھو —

تمھارے کل ملا کر کتنے افسانے چھپے ہیں اور کل کتنے لکھے ہیں؟ اگر مجھے بتاؤ تو میں اور بھی پڑھوں۔ جی چاہتا ہے۔

اور تم کیا کرتی ہو؟ کیا پڑھتی ہو؟ باپ ماں بھائی بہن سب کتنے ہیں؟ سب تم سے بہت بہت پیار کرتے ہیں نا؟

اچھا اب خوش رہو اور اس خط کو پڑھ کر خوب ہنسو!

تمہارا اپنے (سجاد ظہیر)

(۲)

عزیزہ واجدہ۔ واہ تم تو ناراض ہوگئیں! مجھے تمھارا وہ بڑا خط ملا، اور پوسٹ کارڈ بھی۔ کئی دنوں سے تمھیں لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن بے حد مصروف تھا۔ دم لینے کی فرصت نہیں تھی، اور کوفت اس کی تھی کہ بہت غیر تخلیقی قسم کا کام تھا۔ تاشقند میں ایشیا اور افریقہ کے ادیبوں کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے ۔ ۷ اکتوبر سے ۱۵ اکتوبر تک۔ اس کے لئے ہندستان سے ایک ڈیلیگیشن جاتا ہے۔ ہر زبان کے ادیبوں کا۔ کوئی ۳۰ (تیس) ادیب ہوں گے۔ اور یہ ادیبوں کی ذات کوئی خاص شریف نہیں ہوتی۔ سب ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اپنے کو سب سے بڑا اور اہم سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اکٹھا کرنا، بہت ہی مصیبتوں کا سامنا کرنا ہے۔ پھر کمیونسٹوں سے سب کو ایک دہشت سی ہوتی ہے۔ سترہ آدمیوں کی ایک پریپریٹری کمیٹی ہے ۔ میں واحد کمیونسٹ ہوں۔ لیکن پنڈت جواہر لال سے مل کر میری شکایتیں کرتے ہیں کہ میں اپنے "آدمیوں" کو بھرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس سے اچھا تو یہی تھا کہ میں جیل میں تھا، اطمینان سے کتابیں پڑھتا تھا اور لکھتا تھا، یا تم ہو جسے باہر گھومنے پھرنے اور لوگوں سے ملنے اور ان کی "تنظیم" کرنے کا موقع نہیں۔ مزے سے گھر بیٹھ کر کہانیاں لکھتی ہو! خیر یہ تو مذاق کی بات ہوئی لیکن تمھاری تنہائی اور تنگی کے بھی فائدے ہیں! گو کہ اس کنج قفس سے اڑ جانے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے، اور ٹھیک چاہتا ہے!

ازبکستان میں ایک بہت مشہور شاعرہ اور ادیب ہیں، زُلفیہ خانم۔ دو سال ہوئے وہ ہندوستان آئی تھیں اور میں اُن سے ملا تھا۔ گو ہم اُن کی ازبکی نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہماری اردو نہیں جانتی تھیں، لیکن اتنی اچھی تھیں کہ میرے اوپر اُن کی انسانیت اور شرافت کا بڑا اثر پڑا۔ ضرور ادیب بھی اچھی ہوں گی۔ ہم اُن سے ضرور تمھارا ذکر کریں گے اور اُن سے کہیں گے کہ ہماری نئی اور اچھی ادیب واجدہ تبسم کا پتہ اپنی ڈائری میں لکھ لیں اور تمھیں لکھا کریں کبھی کبھی — اُن کا پتہ تم کو لکھتا ہوں۔ تم بھی اُن کو

لکھو (انگریزی میں شاید بہتر ہو) اُن کی عمر کوئی چالیس پینتالیس سال کی ہوگی۔ وہاں کی پارلیمنٹ کی بھی ممبر ہیں۔
ان کا پتہ یہ ہے:۔

Madam Zulfia Khanum
Uzbek Writers' Union,
Tashkent (U.S.S.R)

میں غالباً اکتوبر کے پہلے ہفتے میں تاشقند جاؤں (ابھی یقینی نہیں اس لئے کہ کرایے کا انتظام ہم غریب لوگ کیسے کریں؟) اردو کے دوسرے ادیبوں میں راجندر سنگھ بیدی اور ساحر لدھیانوی بھی جا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو اب پیسے والے ہوگئے ہیں۔

میں نے ان دنوں تمہاری ایک کہانی اور پڑھی۔ بھوپال گیا تھا۔ وہاں! شاید 'نکار' میں تھی۔ یا 'صبا' میں۔ وہ مجھے کچھ زیادہ اچھی نہیں لگی۔ جن کہانیوں کے بارے میں تم نے اپنے خط میں لکھا تھا وہ ابھی تک مجھے مل نہیں سکی ہیں۔

اچھا واجدہ، فی الحال رخصت، یہ خط بہت جلدی میں لکھ دیا ہے۔ کہ تم ناراض نہ ہو۔ اچھی اور پیاری لڑکیوں کی ناراضی سے ہم بہت ڈرتے ہیں۔ ان دنوں تم نے کیا پڑھا؟ یعنی ادبی چیز، اور کیا لکھا؟ خوب پڑھو، چاہے لکھو کم۔ اور سب کچھ پڑھو۔ اچھے ناول، نظمیں۔ تم کو شیکسپیئر پڑھنے کا شوق ہے؟ آج کل میں Othello کا اردو ترجمہ کر رہا ہوں۔ ساہتیہ اکاڈمی کے لئے۔

تم نے ہمارا ترجمہ کیا ہوا فرانسیسی ناول کانڈید پڑھا ہے؟ اگر نہیں تو مجھے لکھو۔ میں تم کو بھیج سکتا ہوں۔

پیار، تمہارا بھائی
(سجاد ظہیر)

جاں نثار اختر

(۱)

میری پیاری بہن،

خط ملا، پڑھتے ہوئے نہ جانے کتنی بار میری آنکھیں بھیگ بھیگ گئیں، تم نے حقیقت میں مجھے تھوڑی دیر کے لئے دکھی بنا دیا، پھر بھی مجھے اس احساس سے خوشی ہے کہ تم نے دکھ اٹھائے مصیبتیں جھیل لے اور فاقے کرکے بھی ہار نہیں مانی۔ کبھی کبھی البتہ جو تم میں جینے سے بیزاری پیدا ہونے لگتی ہے اُس سے ذہن کو بچانے کی ہمیشہ کوشش کرو۔ "یہ کشتی اب تک تو خود ہی نہیں ڈوبی، لیکن اب اگر وہ ڈوبنا چاہے تو بھی میں اسے ڈوبنے نہ دوں گی۔" تم نے خود یہ بات اپنے گزشتہ خط میں مجھے لکھی تھی نا؟ ! تم حوصلے والی لڑکی ہو، پھر کیوں نہ ہر دکھ اور ہر پریشانی سے زندہ رہنے کی قوت اخذ کرو۔ میری بہن اپنے دل کو ایک لمحے کے لئے بھی یقین اور امید سے خالی نہ رکھو تم "جس انقلاب کے سہارے جی رہی ہو"۔ وہ انقلاب ضرور آئے گا۔ آج ہم سب زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو ترستے ہیں کل ہمیں زندگی کی بڑی بڑی مسرتیں بھی حاصل ہوں گی۔ یہ میرا ایمان اور اعتقاد ہے۔ وہ دن بہت دور تو ہرگز نہیں جب ہمیں فاقے نہ سہنے پڑیں گے۔ ہمارے پاس روٹی بھی ہوگی،

کتابیں بھی ہوں گی امتحان کی فیس بھی ہو گی، ہمارے بھائیوں کی جیبیں خالی نہ ہوں گی، اُن کے جسم پر خوب صورت سوٹ ہوں گے
ہماری بہنیں گھریلو زندگی کی چھوٹی بڑی ساعتوں کو نہ ترسیں گی، اُن کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں گے، نرم مسکراہٹیں ہوں گی۔
ان کی کلائیاں سونی سونی نہ ہوں گی، اُن میں سنہری چمکیلی چوڑیاں کھنک اُٹھیں گی اور ہمیشہ کھنکتی ہی رہیں گی ———

میری بہن، تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو، جیسے تم خود اپنی زندگی کا درد ناک پہلو بتاتی ہو۔ ہماری زود حسی ہماری زندگی میں واقعی تلخیاں گھول دیتی ہے، ہمیں اُن چھوٹی چھوٹی باتوں کو جو اکثر لمحوں میں ہمارے دل کو بُری طرح چھو جاتی ہیں REASON OUT کر کے ٹال دینا چاہئے۔ تم نے ایک چھوٹے سے واقعہ سے متاثر ہو کر آٹھ سال سے چوڑیاں نہیں پہنیں اور آج کبھی اچھی اچھی چوڑیاں پہننے کو تمہارا جی چاہتا ہے تو تم محسوس کرتی ہو کہ کوئی جیسے کہہ رہا ہو۔ ”ہم غریبوں کے پاس ایسی چوڑیاں پہننے کے لئے پیسے کہاں“۔ میں تمہارے اس احساس اور ان جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن اس سے اتفاق نہیں کر سکتا یقین کرو واجدہ میرا دل تمہیں ڈانٹنے کو چاہ رہا ہے۔ بات ہی ڈانٹ کھانے کی ہے۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم کھانا کھانا بھی چھوڑ دیں۔ کیونکہ نہ جانے کتنے لوگوں کو دو وقت کیا ایک وقت بھی کھانا میسر نہیں ہوتا۔ میری بہن کے ایسی بے تکی باتیں کرنے کی تمہیں اجازت نہیں مل سکتی تمہیں اپنا یہ فیصلہ بدلنا ہی پڑے گا، میرے سامنے تو تم اپنے سونے ہاتھ لئے نہیں آسکتیں، بہر حال اس کا ایک ہی حل ہے جو میں فی الحال تمہیں نہیں بتاؤں گا ———

تم نے میرے بارے میں مجھ سے پوچھا ہے۔ تو میری پریشانیوں اور تکلیفوں کا دور بھوپال کی سروس ترک کرنے کے بعد سے شروع ہوا۔ ۱۹۴۰ء میں علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد مجھے دوسرے سال ہی گوالیار کالج میں ملازمت مل گئی تھی، فسادات کے زمانے میں مجھے گوالیار چھوڑ کر بھوپال آنا پڑا۔ حمیدیہ کالج بھوپال میں میرا اور صفیہ دونوں کا تقرر پروفیسر کی حیثیت سے ہو گیا۔ اس سے پہلے صفیہ ٹیچرس ٹریننگ کالج علی گڈھ میں کام کرتی تھی۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں مجھے بھوپال کی ملازمت سے دست بردار ہونا پڑا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس زمانہ میں پارٹی کی کیا پالیسی ہو گئی تھی اور انجمن پر اُس کے کیا اثرات مرتب ہوئے تھے۔ حکومت نے اپنے ملازمین کے لئے انجمن کی ممبر شپ کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ میں جس کالج میں کام کرتا تھا وہ بھی بد قسمتی سے گورنمنٹ کالج تھا لہٰذا سوال انجمن یا ملازمت ان دونوں میں ایک کے انتخاب کا تھا۔ میں نے انجمن کا ممبر رہنا پسند کیا اور ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ صفیہ اپنی ملازمت چلاتی رہیں بمبئی کی زندگی ابتداً تو میرے لئے بالکل ساز گار نہ ہوئی تین چار مہینے کے بعد کہیں مجھے ایک فلم کمپنی میں تین سو روپیہ ماہوار کی ملازمت مل گئی۔ لیکن فلم کمپنیوں کی سروس میں تنخواہ کا باقاعدہ ملتے رہنا معجزات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کبھی پیسے مل گئے کبھی دو دو مہینے نہیں ملے۔ تقریباً سال سوا سال کے بعد یہ سرا بھی ٹوٹ گیا، اس پورے عرصہ میں، میں نے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی کہ حالات ایسے تو ہو جائیں کہ صفیہ کو میں بمبئی بلا لوں، لیکن شاہین پکچرز کی ملازمت ختم ہونے کے بعد تو حالات اور بھی بگڑ گئے۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد چند گیت اِدھر اُدھر لکھے کو مل جاتے، آدھے پیسے ملتے آدھے مارے جاتے۔ یہی یہاں کی کمپنیوں کا وطیرہ ہے۔ میں تمہیں اُس زمانے کی تکلیف کیا بتاؤں۔ جب صفیہ بیمار ہو کر لکھنؤ میں پڑی تھی، اُس کی چھٹی منظور نہیں ہوئی تھی، اور تم ہنسو گی کہ اُس کی درخواست کا آج تک فیصلہ

نہیں ہو سکا ہے۔ چھ مہینے وہ بلا تنخواہ چھٹی پر تھی، ان چھ مہینوں میں مجھے اُسے ہر طرح سپورٹ کرنا تھا جبکہ خود اپنا حال یہ تھا کہ اکثر و بیشتر ایک ہی وقت کھانے کی نوبت آتی تھی۔ جو کچھ دوڑ دھوپ کر کے مل جاتا تھا، وہ اکثر کچھ نہ کچھ قرض کر کے میں اُسے پیسے ضرور بھیجتا رہا۔ میں نے قرض کی بات اُسے کبھی نہیں لکھی، لیکن وہ تو بہت حساس تھی۔ تم اُس کا ۴ ستمبر ۵۱ء کا خط پڑھ دو ——روپیے مل گئے، نہ معلوم دل کیسا کیسا ہوا یہ سوچ کے کہ کہیں تم نے قرض اُدھار کر کے تو نہیں بھیجے اختر۔ . . . تم چار مہینے میری کفالت کرو، اس کے بعد مجھے اِدھر یا اُدھر ہو ہی جانا چاہیئے"۔ اور اس کے چار مہینے بعد ہی تو تھوڑی ہی اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے جو فیصلہ کیا تھا، جو بات کہی تھی وہ اُس سے ہٹی نہیں اُس کی خطرناک حالت کا جس دن مجھے تار پہنچا ہے تم یقین کرو میرے پاس گنتی کے چند روپے تھے شاید چار یا پانچ۔ پھر بیس گھنٹے کی دوڑ دھوپ کے بعد اس بمبئی شہر میں مجھے کسی کے گھر سے پچاس روپے مل سکے اور وہ پیسے لیکر میں دوسرے دن لکھنؤ روانہ ہو سکا لیکن صفیہ یہ چوبیس گھنٹے انتظار کے نہ گزار سکی۔ میرے پہونچنے سے پہلے ہی وہ ختم ہو چکی تھی، وہ مجھے دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔ شاید اُس نے سوچا ہو کہ میں اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گا۔ اور پھر جب میں تین ساڑھے تین مہینے شہر شہر مارا مارا پھر کے بمبئی واپس آیا تو واپس آتے ہی تو مجھے چار سو روپیہ ماہوار کی نوکری مل گئی اور آج تو میرے حالات اقتصادی طور پر بہت ہی اچھے ہیں اوسطاً مجھے ایک ہزار روپیہ ماہانہ ضرور مل جاتا ہے۔ بہر کیف یہ بھی حالات کی ستم ظریفی ہے کہ جب مجھے صفیہ کے علاج کے لئے پیسے کی شدید ضرورت تھی، مجھے قرض بھی مشکل سے ملتا تھا اور آج جب مجھے ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں مجھے ضرورت سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ اور تم جانتی ہو میں ان پیسوں کا کیا کرتا ہوں؟ میں انھیں انتہائی بیدردی سے اُڑاتا ہوں، یہ میرا جذباتی پن ضرور ہے مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن مجھے اپنا جذباتی پن ہمیشہ عزیز رہا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو میں جیتا ہی ہوں اس کے سہارے۔

تم نے میرے بہن بھائیوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ تو میری صرف دو بہنیں ہیں، ایک مجھ سے بڑی بہن ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ کراچی میں ہے، اُس کے کئی بچے ہیں، بڑی لڑکی کا نام نفیس ہے، صفیہ کے خطوط میں تم نے اُس کا نام کئی جگہ پڑھا ہوگا۔ اب تو اُس نے ایم اے کر لیا ہے اور پاکستان ریڈیو پر اناؤنسر ہو گئی ہے۔ تم کبھی اُس سے مل سکیں تو خوش ہو جاؤ گی۔ بڑی زندہ دل اور محبت والی لڑکی ہے —— اور میری دوسری بہن تو مجھ سے بہت چھوٹی ہے، لیکن یہ تو دیکھو وہ کبھی کبھی ایسا محسوس کرنے لگتی ہے کہ وہ میری بہت بڑی بہن ہے۔ مجھے لکھتی ہے "فرماں بردار بچوں کی طرح میرا کہنا مان لیا کرو کبھی کبھی ایسا بھی سوچ لیا کرو کہ میں تمہاری بڑی بہن ہوں، چھوٹی تو ہوں ہی" میں اُسے اگر لکھتا ہوں کہ تم کبھی بمبئی آ کر مجھ سے ملو تو لکھتی ہے اگر میں بمبئی آئی بھی تو آپ سے نہیں ملوں گی، خیر چھوڑو اب ایسی نٹ کھٹ بہن کا میں تم سے کیا رونا روؤں۔

ہاں میرے دو بڑے بھائی بھی ہیں، میری پہلی والدہ کے بطن سے۔ لیکن عالم یہ ہے کہ دو دو تین تین سال ملنے کی نوبت نہیں آتی۔ کوئی کہیں ہے کوئی کہیں، ویسے مجھے دونوں بھائی بہت چاہتے ہیں اور میرا بے حد خیال کرتے ہیں۔ رہے میرے بچے، سو وہ صفیہ کے انتقال کے بعد صفیہ کی چھوٹی بہن حمیدہ سالم کی سرپرستی میں ہیں۔ حمیدہ کے خود دو بچے ہیں اور وہ کرامت گرلز کالج لکھنؤ میں اکنامکس کی پروفیسر ہے۔ میں نے بچوں کو کئی بار بمبئی لانا چاہا مگر حمیدہ قطعی راضی نہیں ہوتی، وہ کہتی ہے آپ تنہا انھیں کیسے سنبھالیں گے جب تک یہ میٹرک نہ کر لیں گے میں انھیں ہرگز بمبئی نہ جانے دوں گی بس، میں انھیں پیسے بھیج دیا کرتا ہوں،

فی الحال تو اتنی ہی خدمت اپنے بچوں کی میرے سپرد ہے۔ جادو اور سلمان (اویس) دونوں نے اس سال چھٹا کلاس پاس کر لیا ہے اور اب ساتویں میں ہیں۔ جادو بہت زود حس اور جذباتی بچہ ہے۔ بالکل PROBLEM CHILD اُس کے برخلاف اویس اس عمر میں بھی بڑی سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں۔ صفیہ کہا کرتی تھی کہ اویس تو تمہارا بچہ کم اور میرا زیادہ ہے کل ہی اُن دونوں کے خط آئے ہیں، اب اس وقت تمہیں خط لکھنے کے بعد میں اُنھیں کو خط لکھوں گا۔

اور واجدہ اب میں تمھیں کیا لکھوں۔ ہاں صبا کے تازہ شمارے میں تمہارا افسانہ شیراز و شیریں کی کہانی میں نے پڑھا۔ مجھے تمہارا طرزِ تحریر تو بہت پسند آیا البتہ مجھے تمہاری کہانی کا پلاٹ اور خصوصاً اُس کا اختتام بہت کمزور محسوس ہوا۔ تمہاری کہانی کا پلاٹ کیا ہے؟ صرف یہی تو کہ ایک مزدور کی بیوی نے اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک سے مجبور ہو کر اپنی عصمت کو بھینٹ چڑھا دیا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ بالکل ممکن ہے اور ایسے ہزاروں واقعات دن رات ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی کہانی کا نیا پن نہیں ہے۔ یہ بڑی پٹی ہوئی ڈگر ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تم افسانہ کا پلاٹ سوچنے میں Formalism کا شکار ہوتی ہو۔ میں پوچھتا ہوں کیا تم اس طرح نہ سوچ سکتی تھیں کہ وہ عورت اپنے بچوں کو بھی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جانے دیتی ہے لیکن اپنی عصمت گنوانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی۔ اس طرح ایک غریب عورت کے کردار کی عظمت اُبھرتی، مزدور کے گھر کی عظمت اُبھرتی، اُس محنت کش طبقے کی عظمت اُبھرتی جس کے لئے آج زندگی کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ آج ترقی پسند فکر منٹو اور عصمت کے ابتدائی افسانوں کی سمجھ بوجھ سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ اب اگر تھوڑی دیر کو یہی سمجھ لیا جائے کہ تمہیں ایک ایسی ہی عورت کی کہانی کہنا منظور تھا جس نے افلاس سے تنگ آ کر عصمت فروشی کا اقدام کیا تو یہ خاتمہ کیا ہوا کہ اُس نے شوہر سے بغیر کسی باز پرس کے اس راز کو ظاہر کر دیا۔ اگر اس طرح تم نے اُس کے ذریعہ اُس مرد کو اُس کی بیکاری اور بے روزگاری کی سزا دینی چاہی ہے تو یہ تو بڑا INHUMAN عمل ہوا۔ سزا تو اُس سماج کو ملنی چاہیے جس میں ایک مزدور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے آواز اُٹھاتا ہے تو اُسے بھوکوں مار دیا جاتا ہے۔ بہرکیف، تمہاری صلاحیتوں سے مجھے انکار نہیں، تم پڑھی لکھی لڑکی ہو، اپنی سوچ کو صحیح راستے پر ڈال سکتی ہو اور آئندہ میں تم سے ضرور مطالبہ کروں گا۔ تمہارے قلم میں لکھنے کی قوت ہے، اسے صحیح استعمال کرو۔ ہاں آج میری نظموں کا مجموعہ "جاوداں" چھپ کر آیا ہے، پروف کاپی۔ پندرہ تاریخ کو کتابیں آ جائیں گی۔ میں تمہیں جاوداں اور زیرِ لب دونوں کتابیں پندرہ سولہ تک بھیجوں گا اور بچوں کی تصویریں بھی ——

اچھا، اب اجازت دو، میں اب اچھا ہوں اور تمہاری اُس ہمدردی اور محبت کا شکر گزار ہوں جو تم نے مجھے میری توقع سے زیادہ دی ہے۔

اپنی نانی صاحبہ کی خدمت میں میرا آداب پہونچاؤ۔ نازنین ساجدہ، شاہدہ اور ناہید کو میری دعائیں اور اپنے بھائیوں کو میرا سلام کہو۔

تمہارا بھائی
جاں نثار اختر
۱۰/۹/۵۵

(۲)

عزیزی ساجدہ

بہت دن بعد تمہارا خط ملا - اتنے دن بعد سہی، لیکن تم نے یاد تو کیا یہ کیا کم ہے - تم نے مجھے خط نہ لکھنے کا تہیہ کیا تھا تو مجھے حافظ کا ایک شعر بے اختیار یاد آگیا

گو نام ما زیاد بعمداً چہ می بری
خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

"اُس سے کہو کہ وہ عمداً میرے نام کو اپنی یاد سے کیوں ہٹانا چاہتا ہے - وہ وقت تو خود آنے والا ہے جب اُسے میرا نام یاد نہ آئے گا۔"

بہرکیف مجھے تمہاری خیریت اظہار اور اشتیاق کی زبانی معلوم ہی ہو جاتی ہے -

میری جانب سے سب کو سلام و دُعا کہو۔

محبت اور پیار
تمہارا بھائی جان نثار اختر
۱۷ / ۲ / ۵۶

(۳)

عزیزی ساجدہ

تم نے یہ کہانی تو بہت اچھی لکھی ہے - "ساجدہ بھابی" - اس کہانی کو پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ تم نے وہ نکتہ پا لیا جو اچھے افسانوں کی جان ہوتا ہے، میرا مطلب ہے انسان کی انسانیت میں بنیادی طور پر یقین رکھنا - اس کہانی کا خاتمہ بغیر اس "یقین" کو اپنائے تم لکھ نہیں سکتی تھیں۔ بہرکیف، تم نے جو سوال مجھ سے ایک دفعہ کیا تھا کہ "میں کیا لکھوں اور کس طرح لکھوں"؟ اور جس کا جواب میں نے تمہیں بالکل نظریاتی طور پر دیا بھی تھا، اُس کی عملی صورت تم خود اپنی اس کہانی میں دیکھ سکتی ہو -

تمہیں ایک دو دن ہوئے ایک مختصر سا خط لکھ چکا ہوں - ملا ہوگا یہ تو معلوم ہے کہ تم مجھ سے برہم ہو - پھر بھی اگر کبھی مجھ سے اپنا برہم ہونا بھول سکو تو اپنی خیریت مجھے لکھ دیا کرو -

میری جانب سے سب بہن بھائیوں کو سلام و دُعا کہو، اور نانی صاحبہ کی خدمت میں آداب -

۵۶/۳/۱۱ — تمہارا دُعاگو جان نثار اختر

(۴)

پیاری ساجدہ

تمہارے تیرہ تاریخ کے خط کا جواب آج لکھ رہا ہوں - تمہارے خط کو آئے آج پندرہ دن ہو گئے، لیکن جواب صرف

اس لئے ہی تو نہیں لکھا کہ تمہیں اپنی ذہنی الجھنوں سے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بہرکیف اب "موڈ" نارمل ہے۔

تم بعض اوقات جس شدت سے میرے لئے محسوس کرنے لگتی ہو وہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے سہارا سا دیتا ہے۔ شاید میں سوچنے لگتا ہوں کہ میں تمہارے اتنے پیار کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے تم سے تھوڑا سا خلوص اور گداز ملتا رہے یہی میرے لئے بہت ہو گا۔ لیکن پھر، بعض وقت تمہاری اس شدید محبت پر ناز محسوس کرتا ہوں۔ تم اگر پوچھو گی کہ اس کا ثبوت تو میں کہوں گا کہ تمہیں معلوم نہیں کبھی کبھی میں تمہارے خطوں کے جواب میں جان کے بھی تاخیر کرتا ہوں۔

اچھا، کام کی بات یہ —— کہ تم افسانہ نگاری کے علاوہ کچھ امتحان کی تیاری بھی کر رہی ہو یا نہیں؟ میرا تو آج بھی یہ خیال ہے کہ بجائے اردو ادب میں ایم اے کرنے کے انگلش لٹریچر میں ایم اے کرو۔ اس میں اگر تم سیکنڈ ڈویژن بھی لا سکیں تو آگے بہت کچھ بات بن سکے گی۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین" ——

کل شام اظہر ملنے کے لئے آئے تھے۔ اشفاق تو آجکل ناگپور گئے ہوئے ہیں۔

اور اب کیا لکھوں تمہیں۔

اپنے بہن بھائیوں کو سلام کہو، افروز کو اور خود کو پیار۔

۲۸ مارچ ۵۶ء

تمہارا بھائی
جاں نثار اختر

(۱)

۱۰۰ - انارکلی، لاہور (مغربی پاکستان)
۲۷ جولائی ۶۴ء

پیاری واجدہ بہن، دعائیں۔ میں تو مایوس سا ہو چلا تھا۔ البتہ یہ ارادہ قطعی نہیں تھا کہ آپ کا پیچھا چھوڑ دوں۔ دراصل اب میں اپنے بہنوئی صاحب کو لکھنے والا تھا کہ میری مدد کو پہنچیے۔ آپ نے یہ خط لکھ کر میرے اعتماد کو بڑا سہارا دیا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور آپ سے افسانہ نگاری کسی بہانے نہ چھوٹے۔

میرے تین بچے ہیں۔ دو بیٹیاں، ایک بیٹا۔ ان کی عمریں بالترتیب ۱۳، ۱۱ اور ۸ سال ہیں اور فیصلہ ہے کہ یہ کافی ہیں، ویسے جب یہ بچے چھوٹے چھوٹے سے تھے، تو جب بھی میں ان کی حشر سامانیوں سے محفوظ رہا۔ مرد بڑی چالاک ذات ہے۔ وہ اس قیامت کا سارا بوجھ عورت پر ڈال دیتا ہے اور پھر اس کی تربیت میں سے کیڑے بھی نکالتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ آپ نے اتنی دیر کے بعد میرے عریضے کا جواب کیوں لکھا۔ پھر ۱۱ کو جس خط کا آغاز ہوا تھا وہ تین سطروں کے بعد رک کیوں گیا اور ۱۶ کو جا کر کیوں مکمل ہوا۔ (مجھے یہ خط کل ۲۶ کو ملا ہے) میں نے ہاجرہ اور خدیجہ کا عالم دیکھا ہے اور اب علاقائی ادبی سرگرمیوں پر جو (خدانخواستہ) اوس سی پڑنے لگی ہے، اس کی وجہ بھی موجود یا غیر موجود بچے ہی ہیں۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ نے خود کو لکھنے پر پھر آمادہ کر لیا ہے۔ آئندہ افسانہ نگاری کو ترک کرنے کا خیال بھی نہ

میں نہ لائیے گا۔ کیا آپ کو پورا پورا احساس نہیں ہے کہ اُردو افسانے میں آپ کی کیا اہمیت ہے اور آپ کے کیا کچھ بننے کے امکانات ہیں؟ کیا آپ نے اپنے فن کے کٹیلے پن اور چٹیلے پن اور نکیلے پن کے حسن کا کبھی اندازہ کیا ہے؟ مجھے یقیناً بڑی نعمت ہے مگر فن پارہ بھی تو بچے سے کم عزیز نہیں ہوتا۔ میں نے نظموں اور افسانوں کو تو جنم دیا ہے نا، اس لئے اس حد تک تو میں ذاتی تجربے کی بات کر سکتا ہوں۔

فنون کا نیا شمارہ یکم ستمبر کو آئے گا اس لئے ۵ ار ۱۹ اگست تک اسے پریس میں دوں گا۔ اگر آپ میرا یہ عریضہ ملتے ہی بذریعہ ایئر میل افسانہ بھجوا دیں تو مجھے وقت پر مل سکتا ہے اور میری تمنا ہے کہ آپ اس شمارے میں بہرصورت شامل ہوں۔ میں بطورِ خاص ہندوستانی ادیبوں کی چیزیں معاوضہ ادا کر کے چھاپنا چاہتا ہوں مگر وہاں میرا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو میری طرف سے رقوم ادا کرتا رہے۔ البتہ کوشاں ہوں کہ اپنی حکومت کے توسط سے ایسا کوئی ذریعہ پیدا ہو جائے۔ اُس وقت تک تو آپ مجھے مفت ہی افسانے بھجوائیے۔ "میں ظالم" نہیں ہوں مگر ظالم بننا پڑ رہا ہے۔ البتہ اب یہ ظلم کے دن تھوڑے ہیں۔ یعنی اب ادائی کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لوں گا۔

"پہاڑوں کی برف" کی اتنی بھرپور داد بڑے دم کرشن کے بعد آپ سے ملی ہے اس لئے بہت مغرور ہو رہا ہوں، اور بے حد ممنون ہوں۔

آپ کے بچوں کے نام کیا ہیں؟ محترم اشفاق صاحب آداب۔

آپ کا بھائی ندیم

(۲)

فنون

۱۷۰- انارکلی - لاہور

۔ - فروری ۶۵ء

پیاری واجدہ بہن، دعا اور محبت

جس انداز سے آپ نے مجھے میرے کلام کی داد دی ہے، اس سے سرشار ہو رہا ہوں لیکن اس بھرپور داد میں ایک کمی رہی۔ آپ نے اشفاق بھائی کا ردِعمل تو لکھا ہی نہیں حالانکہ آپ نے لکھا تھا کہ وہ خوش ذوق ہیں۔ یقیناً میرے کلام کی پسندیدگی ہی ان کی خوش ذوقی کی دلیل نہیں ہو سکتی، وہ اسے ناپسند بھی کر سکتے ہیں مگر ان کے تاثر کا مجھے انتظار ہے۔ یہ ایک عجیب سی خواہش ہے بالکل بچوں کی سی، مگر میں جسے اپنا بناتا ہوں اسے سارے کا سارا اپنا بناتا ہوں، اور وہ آپ کا ایک ناگزیر حصہ ہیں، اس لئے۔

اس سے پہلے آپ کا مفصل خط ملا تھا جس کے اس فقرے سے میں لرز کر رہ گیا تھا کہ "آپ تو ولی اللہ خوب جچتے!" نہیں واجدہ بہن، میں تو اسی دنیا کا انسان ہوں جو روتا ہے تو ہنستا بھی ہے، حسن و خیر کا پرستار ہے مگر گناہ کی معصومیت پر بھی اسے پیار آ جاتا ہے۔ میری ایک نظم کا ایک حصہ ہے۔ شاید یہ نظم "دشتِ وفا" سے پہلے کے مجموعے "شعلۂ گل" میں شامل ہے۔ عنوان "میری شکست" ہے۔ اس میں ایک جگہ میں نے کہا ہے :-

——— اسی شکستِ تمنا کے دم سے، آج مجھے
دکھائی دیتے ہیں کتنے صنم چٹانوں میں
رہی عزیز کچھ ایسی زمیں کی لاج مجھے
کہ میں بھٹک نہ سکا تیرہ آسمانوں میں
مری بہشت ہے تنکوں کے آشیانوں میں
بڑا سرور ہے انساں کی داستانوں میں
نبھا سکا فقط انسان کا مزاج مجھے

سو آپ خود تو اپنے بچوں میں خوش ہیں، اپنے میاں سے خوش ہیں، اپنے آپ سے خوش ہیں اور مجھ غریب پر "ولی اللہ پن" تھوپے دے رہی ہیں جس کا مفہوم کم سے کم ان دنوں تو آدم بیزاری ہے اور میں آدمی بیزار رہوں تو تڑپ کر مر جاؤں۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ

وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشتِ انساں پر
کسی بھی شہر میں جاؤں، غریبِ شہر نہیں

اور دیکھیے، یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ جب آپ میں عورت پن کی حس جاگتی ہے تو آپ بچوں کو دھن دھن کوٹ کر بھی رکھ دیتی ہیں تو یہ آئندہ نہ کیجیے گا ورنہ اسی بات پر لڑائی ہو جائے گی۔ بچوں کو ذرا سی سزا دینا الگ بات ہے مگر اس دھن دھن کوٹنے کے عمل سے مجھے ازلی چڑ ہے۔ بچے کی سی چیز کو دھن دھن کوٹنا! یہ ایسا ہی ہے جیسے کلیوں کو جوتے ملائے جائیں کہ جلدی جلدی سے پھول بن کر خوشبوئیں نہیں دیتیں۔ نہیں اچھی واجدہ بہن، ایسا نہ کیا کیجیے، ورنہ یاد رکھیے۔ میں آپ سے شاید دُگنا بڑا ہوں اور بڑے بھائی بھی چھوٹی بہنوں کو پیٹ ڈالتے ہیں۔ (یہ اس لئے کہہ دیا ہے کہ کہیں میری اوپر والی نصیحت سے آپ مجھ پر پھر سے ولی اللہ کا الزام نہ چپکا دیں)

اور وہ کہانی؟ جو آپ مجھے بہرحال دے رہی تھیں؟ وہ کہاں ہے؟
اور وہ ناولٹ جو کم سے کم پاکستان میں تو صرف "کتاب نما" ہی چھاپے گا؟
کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے اشفاق بھائی کی اور اپنی اور بچوں کی تصویر بھجوا دیں؟
میں گذشتہ دنوں خاصا بیمار رہا ہوں۔ مگر اب تندرست ہوں اس لئے تفصیل لکھ کر آپ کو پریشان کیوں کروں۔
بچوں کو پیار۔ اشفاق بھائی سلام شوق۔ دعا اور محبت کے ساتھ، آپ کا بھائی

ندیم

(۳)

۱۷۰۔انارکلی۔ لاہور (مغربی پاکستان) ۱۰ جون ۱۹۶۵ء

بہت پیاری بہن۔ میرے خیال میں جس روز آپ مجھے خط لکھ رہی تھیں، اسی روز میں ایک پوسٹ کارڈ لکھنے کی بیہودگی کا

ترتیب ہو رہا تھا۔ یہ خط آپ کو اب تک یقیناً مل چکا ہوگا۔ بہر حال اب آپ کی بہت پیاری، بہت مکمل اور بہت مؤثر کہانی مل چکی ہے۔ غالب نے سچ کہا تھا ؎

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے

یہ کہانی کتابت کے لئے دے دی ہے۔ مکمل ہوتے ہی اصل ہی آپ کو بھجوا دوں گا تاکہ آپ اسے ہندی میں منتقل کرا سکیں۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ آپ اپنی گھریلو مصروفیتوں کے باوجود نہ صرف لکھ رہی ہیں بلکہ مسلسل بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ سال میں دو کہانیاں میرے نام الاٹ کر دیجئے۔ جنوری میں جب میں پرچے کو دو ماہی کر دوں گا تو جب بھی میرے اس مطالبے میں اضافہ نہیں ہوگا۔ "بے طلب دینے" کی بات دوسری ہے۔ اگر 'فنون' کاروباری سطح پہ ہندوستان جا رہا ہوتا تو میں معاوضے کا بھی انتظام کر سکتا تھا۔ فی الحال ایسا ممکن نہیں جس کی مجھے ندامت ہے۔

آپ نے اس سے پہلے بھی محض پوسٹ کارڈ پر اکتفا کی تھی اور اب کے بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ یوں بھی آپ خاصے طویل وقفوں کے بعد خط لکھتی ہیں اس لئے کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ جب بھی لکھیں، مفصل لکھیں۔ سارے گھر کی صحت کے بارے میں، اپنی مصروفیتوں کے بارے میں، اپنے مطالعے کے بارے میں۔ مجھے یہ تفصیلیں معلوم کر کے یک گونہ مسرت ہوگی۔ دراصل آپ کی طرف سے بھرپور اپنائیت نے آپ کو مجھ سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ جب آپ کی طرف سے خط میں تاخیر ہو یا آپ غیر ضروری اختصار سے کام لیں، تو تشنگی سی رہتی ہے۔

اب کے پرچہ ۲۵ر اگست کو پوسٹ ہوگا اور آئندہ باقاعدگی کا ارادہ ہے۔ پھر آپ سے جنوری کے پرچے کے لئے افسانہ مانگوں گا اور یہ کہانی آپ کو نومبر کے وسط تک بھیجنی ہوگی۔ پانچ مہینے کا وقفہ ہے۔ "اتنی" وسیع القلبی آپ نے اور کس ایڈیٹر کے ہاں دیکھی ہوگی؟

اور وہ ناولٹوں والا قصہ کہاں گیا؟ مجھے تو مہینوں سے انتظار تھا۔

ان دنوں بہت مصروف ہوں اور یہ مصروفیت تخلیقی کم اور معاشی زیادہ ہے۔ سوچتا ہوں اگر اتنی معاشی فکریں نہ ہوتیں تو میں کیا کچھ لکھتا، مگر پھر سوچتا ہوں کہ اگر یہ فکریں نہ ہوتیں تو شاید لکھ ہی نہ سکتا۔

عزیزان کو دعائیں۔ برادرم اشفاق صاحب کو محبت بھرے سلام۔

پیار کے ساتھ

آپ کا بھائی
ندیم

(۱)

۵۹/۱۰/۲، کراچی ۵

محترمہ۔ سلام مسنون۔

دسمبر میں 'ساقی' کے تیس سال پورے ہو رہے ہیں اس سالگرہ کے موقع پر ساقی کا ایک خاص نمبر شائع کرنے کی تجویز ہے،

جو اُردو کی افسانہ نگار خواتین کے پسندیدہ افسانوں پر مشتمل ہو۔ اِس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ التماس ہے کہ:

آپ کو اپنا جو افسانہ سب سے زیادہ پسند ہو اُس کی ایک نقل عنایت فرمائیں۔

اگر ہو سکے تو پسندیدگی کی وجہ بھی لکھ دیں۔

اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو اپنے مختصر حالات زندگی اور تصویر بھی بھیج دیں۔

یقین ہے کہ آپ کی توجہ سے ساقی کا یہ خاص نمبر ایک یادگار نمبر بن سکے گا۔ شکریہ

خاکسار شاہد احمد دہلوی

(۲)

ساقی ۵ ، کراچی ، ۱۷/۷/۶۰

محترمہ، سلام مسنون

آپ کا ۴ جولائی کا خط کسی قدر تاخیر سے مجھے ملا۔

جسے غصہ نہیں آتا وہ بے غیرت ہوتا ہے۔ اور یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ حالات نے مجھے بے غیرت ہی بنا دیا ہے

ایک زمانہ تھا کہ میں کسی کی آدھی بات بھی نہیں سہہ سکتا تھا، یا اب یہ کیفیت ہے کہ گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوتا ہے

یہ اپنی وضع اور یہ دُشنام سے فروش

سُن کر جو پی گئے یہ مزہ مُفلسی کا تھا!

مفلسی روپے پیسے ہی کی نہیں ہوتی ذہن کی بھی ہوتی ہے، احساس کی بھی اور اقدار کی بھی، اور جو شخص کہ ان سب کا شکار ہو وہ تحمل و بُرد باری سے کام نہ لے تو کیا کرے؟ پھر آپ ایک ادیب خاتون ہیں، ویسے بھی آپ میرے لئے محترم ہیں۔ آپ سے ناراضگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہے۔

خاکسار

شاہد احمد

(۱)

داستان گو، پوسٹ بکس نمبر ۳۰۳-۲۷- دی مال، لاہور ۲۰ جون ۵۸ء

اب میں کیا کہوں، آپ چھوٹی سی بہن ہیں اور پنجاب میں چھوٹی بہنوں کو بڑا مان دیا جاتا ہے۔ خطوں کا جواب نہ دینا اور پھر جب دیا تو ایک بار ائیر میل لکھ کر چھوڑ دینا یہ کہاں کی بھلمنساہٹ ہے؟ میں آپ سے ناراض ہوں اور اس وقت تک رہوں گا جب تک کہ ناولٹ نمبر کے لئے کچھ آ نہ جائے۔ چالیس پچاس صفحوں پر مشتمل کوئی چیز ہو۔ ناولٹ نمبر میں نے یونہی نام رکھا ہے ورنہ اصل میں یہ طویل مختصر + ناولٹ نمبر ہوگا۔

قدسیہ آپ کی کہانیوں سے بڑی متاثر ہوتی ہے اور شام کو جب ہم کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو آپ ہی لوگوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ کبھی آپ کبھی جیلانی بہن۔ ہم اور بڑی دیر تک آپ سے متعلق باتیں کرتے اگر ہمارے بچے کو دانت نکالنے کی دشواری

نہ ہوتیں۔ وہ رونے لگتا ہے تو قدسیہ بھی ساتھ ہی آنسو بہانے لگتی ہے۔ میں ان دونوں کو چپ کراتے کراتے سو جاتا ہوں۔

داستان گو کو یونہی مختصر سا نہ سمجھئے اس کے لئے بڑے سے بڑا افسانہ بھیجیے یہ ضرور تحمل ہوگا آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے کہ داستان گو کے لئے چھوٹی چیزیں ہونی چاہئیں۔

اگر حیدرآباد میں کوئی "حیرت کدہ" قسم کی چیز لکھ سکے تو اس کی توجہ ادھر ضرور مبذول کرا لیجئے گا۔ اور مجھے ان کا پتہ بھجوا دیجئے گا اب کس دن جواب کی اُمید رکھوں؟ والسلام

اشفاق احمد

(۲)

باجی جان سلامت تا قیامت باشید

ہم دونوں میاں بیوی آپ کو اپنا بزرگ اور مربی تصور کرتے ہیں۔ خدا شاہد ہے آپ سے عمر یا تجربے میں بڑا ہونے کی کبھی جرأت نہیں کی۔ اور یہ ہے بھی حقیقت باجی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کے ہو کر آپ کے منہ کیسے لگیں۔ میں ایک تو اپنے اباجان سے ڈرتا ہوں دوسرے آپ سے۔ آپ اتنی دور رہتی ہیں لیکن پھر بھی میرا خون خشک رہتا ہے۔ جونہی کوئی آپ کا نام لیتا ہے کہ آنے دو باجی کو، میں فوراً سہم جاتا ہوں۔ قدسیہ نے بڑی حماقت کی جو اس نے آپ کو چھوٹی جان کہہ کے بے تکلفی سے مخاطب کیا۔ پتہ نہیں وہ اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے میں تو جب بھی آپ کا نام آتا ہے تعظیم سے سر جھکا لیتا ہوں۔ آپ سے ڈرتے ڈرتے مضمون اور ناولٹ طلب کرتا ہوں۔ آپ ننگے پاؤں آنگن میں گھومتی ہیں تو میں بھی جوتے اتار دیتا ہوں۔ . . . . بس جو باجی کرتی ہیں وہی میں کرتا ہوں۔ اب آپ یوں کیجیے کہ ایک دن . . . . بھئی لعنت بھیجو اس ساری گفتگو پر۔ دیکھو سیدھی طرح یہ بتاؤ کہ ناولٹ کب بھیج رہی ہو میں ٹکٹوں وکٹوں کے پیسے نہیں جانتا مجھے ناولٹ بھجواؤ۔ وہ جو تم مدراس میں لے۔ ایم۔ افضل صاحب سے "داستان گو" کا تذکرہ کر آئی تھیں انھیں پرچے بھجوا دیئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہ ہمارے سالانہ ممبر بننے پر تُل گئے تو دس روپے ٹکٹوں کے لئے تمہیں بھجوا دیئے جائیں گے۔ اس وقت یہاں صرف چھ پیسے کے ٹکٹ مل سکے ہیں۔ مزے اڑاؤ چاہے کسی کو خط لکھو چاہے ایک آنے والی ملفی منگوا کر کھا لو۔ ناولٹ مجھے ہر حال میں ایک ہفتہ کے اندر اندر مل جانا چاہیئے۔ رجسٹری کروا کے بھیجنا۔ یونہی بتصویروں کی طرح اٹھا کے عام ڈاک سے نہ بھجوا دینا تمہاری طبیعت ایسی ہی لاابالی ہے۔

قدسیہ ہر روز تمہارے خط کا انتظار کرتی ہے اور تمہیں "استاد" بکلک" ماننے لگی ہے۔ اگر خدانخواستہ تم دونوں کہیں مل گئیں تو ایک دوسرے کی تعریفیں کر کر کے دیوانی ہونے لگو گی۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے، اور تم دور دور ہی رہو — بتاؤ اس مہینے کا "داستان گو" کیسا لگا؟ اس میں اور کیسی کیسی تبدیلیاں کی جائیں؟

جواب جلد ناولٹ جلد تر — ہاں یہ تمہارا پچھلا خط بیرنگ ہو کر ملا تھا یعنی اس پر کافی ٹکٹ نہیں تھے۔ والسلام

دعاگو

اشفاق احمد

(۳)

۲۷ - دی مال، لاہور　　　　　　　　　　۵۸/۹/۲

سنو ونجو آئندہ میرے خط میں قدسیہ کے نام کوئی خط نہ بھیجنا۔ اگر ایسی ہی ضرورت آپڑے تو مجھ پر یہ پابندی نہ لگانا کہ خط پڑھا نہ جائے۔ اس وقت تمہارا خط (قدسیہ کے نام) میرے سامنے پڑا ہے اور میں ضبط کرتے کرتے عاجز آچکا ہوں۔ ذہن میں خارش سی ہو رہی ہے۔

تمہارا ناولٹ مل گیا ہے۔ اس کے لئے میں تمہارا واقعی شکر گزار ہوں۔ میں نے ابھی تک اس کا جاپانی گیت ہی پڑھا ہے، سارا مسودہ کل پرسوں تک دیکھ لوں گا۔ اچھا ہوگا۔ اچھا جو لکھتی ہو! ہم نے جب لکھنا شروع کیا تھا تو یونہی طوطے مینا کی کہانیاں لکھا کرتے تھے مگر آج کل کے لڑکے لڑکیوں نے وہاں سے سٹارٹ لیا ہے جہاں پہنچ کر ہم منہ کے بل گرے تھے۔ تگڑے کرو ہم ایک بار پھر اپنے آپ کو "اوور ہال" کرا کے میدان میں آ رہے ہیں۔ اس وقت لگے گی سر دھڑکی۔

یہ جو تم نے میرے خطوں سے میری خارص نیتی کا اندازہ لگایا ہے، اچھا نہیں کیا اور بہت سے لوگوں کو بھی ایسے ہی گمان تھے۔ خدا کا شکر ہے ان کے مان گمان سب ٹوٹ گئے اور میری شخصیت آئینہ ہو کر سب کے سامنے آ گئی۔ قدسیہ نے بھی اسی دھوکے میں آ کر مجھ سے شادی کروائی تھی اب رویا کرتی ہے۔

ہاں بھئی رونے سے مجھے یاد آیا ہمارا "نوکی" (انیق احمد صاحب) روتا بالکل نہیں دست دراز ضرور ہے کبھی ماں کے بال نوچتا ہے کبھی میرے کان کھینچتا ہے۔ چند دنوں سے جناب دانت نکالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اب انہیں کچھ کچھ رونا آیا ہے۔

حیران ہوں تمہیں پچھلا پرچہ کیوں نہیں ملا! اب میں کل نئے پرچے کے ساتھ پچھلا پرچہ بھی روانہ کر دوں گا۔ تمہارا ناولٹ اکتوبر کے شمارے میں کھلے گا۔ اگر کبھی جمیلانی بانو سے ملاقات ہو تو اُسے کہنا کہ اس پر میرے دو خطوں کا جواب واجب ہے ــــ تم پاکستان کا چکر کب لگا رہی ہو۔ قدسیہ تم سے ملنے کے لئے بے چین ہے مگر مجھے کچھ ایسی جلدی نہیں ہے ــــ کیا میں تمہارا خط پڑھ لوں؟ سامنے میز پر رکھا ہے۔ والسلام

شفقہ

(۴)

"داستان گو" ۲۷ ــ دی مال، لاہور　　　　　　　　　　۲۸ را کتوبر ۵۸ء

ونجو بی سلامت رہو،

واقعی تمہارے دو خطوں کا جواب مجھ پر واجب تھا کہ تیسرا آ دھمکا میں نے ان خطوں کو کمال حفاظت سے ڈائری میں رکھا ہوا تھا کہ موقع ملے گا تو تفصیل سے جواب دوں گا لیکن اس "داستان گو" نے ایسی مت مار رکھی ہے کہ ذرا سی فرصت بھی تو نہیں ملتی ــــ خط کا جواب دے رہا ہوں لیکن مفصل نہیں۔ وہ ہماری تمہاری لاڈو قدسیہ بی دیں گی۔

بندا میں دوسرے بچے کی ولادت سے بالکل بے خبر تھا، تمہاری بھابھی نے کچھ بتایا ہی نہ تعارات کو گھر جو پہنچا تو یہ گل کھلا دیکھا۔ مزا آگیا اس کی ساری ذمہ داری قدسیہ پہ ہے جس نے بچوں سے ایسا عشق لگا رکھا ہے باقی رہا تمہیں اطلاع دینے کا سوال تو یقین مانو میں شرما گیا۔ زندگی میں یہ دوسرا واقعہ ہے کہ مجھے شرم آئی ہے اور میں ایک چھوٹی سی بچی سے (جمعہ جمعہ آٹھ دن والی) شرما گیا ہوں۔ جیلانی بانو کو میں نے اس لئے اطلاع دیدی تھی کہ وہ تمہیں خبر پہنچا دے گی اور میں زیادہ خفیف ہونے سے بچ جاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر بانو نے اطلاع نہ دی تو ہماری بانو صاحبہ جلیبہ بنانے سے پیشتر لکھ دیں گی کیونکہ اپنی نند پر تو وہ جان چھڑکتی ہیں اور وجو کے خطوں کو گٹھری کی طرح اٹھائے اٹھائے پھرتی ہیں۔ انشاءاللہ مستقبل قریب میں تمہارا آمنا سامنا ہوگا اور پھر جو مایوسی تم دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر ہوگی اس کا لطف میں اٹھاؤں گا۔ جس قدر کڑوی تم اصل میں ہو اسی قدر شکر تم دونوں نے اپنے اوپر چڑھا رکھی ہے۔ قدسیہ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کبھی مجھ سے کوئی معمولی سا قصور ہو جائے تو تین تین دن تک کھانا نہیں دیتی اس وقت بھی میں ہوٹل سے کھانا کھا کر آ رہا ہوں کیونکہ قدسیہ مجھ سے ناراض ہے کہ میں نے اتوار کے روز اس کا مٹی کے تیل سے چلنے والا چولہا کیوں نہیں صاف کیا۔ (یہ ڈیوٹی میرے ذمے ہے اور میں اسے گذشتہ آٹھ مہینوں میں دو بار پوری کر چکا ہوں)

انیق صاحب ان دنوں شیر کی بولی بولنے میں مصروف ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ اتوار کے دن انھیں چڑیا گھر لے گئی تھیں اور وہاں بٹیا شیر کی ایک ہی دہاڑ سے نیم مردہ ہو کر گھر پہنچے تھے۔ قدسیہ کا کہنا ہے کہ وہ دونوں پنجرے کے بہت نزدیک تھے اور ZOO KEEPER کا یہ بیان ہے کہ بیگم صاحبہ کا دل کمزور ہے۔ وہاں تو انہوں نے اپنی برتری کا یہ مظاہرہ کیا اور گھر پہ یہ حال ہے کہ انیق صاحب سارا دن شیر کی بولی بولتے ہیں اور ان کی والدہ شیر سے متعلق ہر طرح کی سائنٹفک نیم سائنٹفک اور دیومالائی کتابیں پڑھ رہی ہیں۔ اب تم ہی کہو ایسی بیوی کے ساتھ ہم سا جوانمرد ادیب رو رو کر وقت نہ گذارے تو اور کیا کرے۔

'جلا وطن' کی کتابت مکمل ہو چکی ہے اور میں پروف دیکھ رہا ہوں۔ ہو تو تم چھوٹی سی ذہن بھی ناپختہ ہے اور باتیں بھی، لیکن کہانیاں اچھی لکھ لیتی ہو۔ تمہارے مکالمے خاص طور پر داد طلب ہوتے ہیں۔ یہاں ہمارے شہر میں یہ مشہور ہے کہ تم کہانیاں کسی اور سے لکھواتی ہو تمہارے ناناجان کے وقتوں کے ایک اہل زبان تمہارے ملازم ہیں اور وہ "ننھی" کا دل خوش کرنے کو کہانیاں لکھ کر دیتے رہتے ہیں۔

اب یوں کرو کہ اس اہل زبان سے ایک عدد افسانہ لے کر فوراً بھیج دو مجھے سخت ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ داستان گو کے لئے ضرور لکھا کر وان کو میرا سلام کہنا اور پوچھنا پاکستان سے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں روانہ کروں ایسے نیک آدمی اب اس جہاں میں کہاں ملتے ہیں۔

ہاں سچ وجو! ایک کام تو کرو، قدسیہ سے یہ کہو کہ وہ افسانے وغیرہ لکھنے چھوڑ دے بڑا مشکل کام ہے اور اس کے

بس کا روگ نہیں۔ خدا کی قسم مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے بڑے افسانہ نگار کی بیوی ایسی گھٹیا کہانیاں لکھے۔ ضرور رکھنا تمہارے بچے سے وہ مان جائے گی میری تو ایک نہیں سنتی!

پیار اور دعائیں شفتو

(۱)

ڈیر واجدہ۔

کئی دن سے تمہیں خط لکھنے کو سوچ رہا تھا، مگر حیدرآباد کا ایڈریس نہ مجھے یاد تھا، نہ اختر صاحب کو، ابھی ابھی تمہارا پتہ معلوم ہوا ہے، چنانچہ خط لکھ رہا ہوں، بات یہ ہے۔ کہ 'وشوا بھارتی فلمز' والوں کو (جنہوں نے برسات کی رات بنائی تھی) ایک کہانی درکار ہے۔ 'مشاعرہ' نام کی، اگر تم کوئی پلاٹ مرتب کر سکو، تو میں چاہتا ہوں، کہ ضرور کوشش کرو۔ حیدرآباد میں تمہارا قیام کب تک ہے، یہ بھی لکھنا۔ مگر فوراً مت لکھنا۔ کیونکہ میں کل بمبئی سے باہر جا رہا ہوں، دہلی، جے پور، پٹیالہ اور الہ آباد وغیرہ ۸ ر یا ۱۰ ار اپریل کو واپس آؤں گا۔ اس دوران میں اگر تم کوئی کہانی (جو پروڈیوسروں کی ضرورت کے اعتبار سے کچھ رومانی اور کچھ سماجی (یعنی ترقی پسند) ہونی چاہیئے) لکھ لو، تو تمہارے بمبئی آنے پر کروا دی جائے۔

اپنے فیصلے اور اپنی آمد کی تاریخ سے تم مجھے دہلی کے پتے پر مطلع کر دینا۔

معرفت پرکاش پنڈت ۔ ۹۳۰ کوچہ قابل عطار چاندنی چوک دہلی ۶

اور کیا حال ہیں؟ ۔ تم ماں بن گئی ہو، یا ابھی تک صرف بیوی ہو؟

وشوامتر
۲۰/۳/۶۲

اشفاق آجکل کہاں ہیں؟ ۔ بمبئی میں یا حیدرآباد میں؟ حیدرآباد میں ہوں، تو سلام کہنا۔

(۱)

۳۲ ۔ جیل روڈ، لاہور ۶ ر فروری ۱۹۵۶ء

پیاری واجدہ

آپ کا خط ملا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ دراصل جب سے میں نے "آئینہ" میں آپ کا "میری یادداشت سے" پڑھا تھا مجھے آپ سے شدید دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ آپ کو "آئینہ" کی معرفت خط لکھوں اور آپ کی حقیقت پسندانہ جرأت کی داد دوں، مگر مصروفیتوں میں موقعہ نہ مل سکا۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے، شاید اسی لئے آپ نے مجھے خط لکھ ڈالا۔ بہت ممنون ہوں۔

دراصل میرے متاثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم اور آپ جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس میں اتنی جرأت تو

ہے کہ دوسروں کے بارے میں سچ کہہ دے، مگر اپنے بارے میں یعنی اپنی ذات کے بارے میں سچ کہنے سے گریز کرتے ہیں فاقہ کرنا ہم سفید پوشوں کے لئے ممکن ہے مگر اسے چھپانا، اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنا انتہائی شرافت کی بات سمجھی جاتی ہے، ایک بار بہت بُرے دنوں میں فاقہ میں نے بھی کیا پورے اڑتالیس گھنٹے کا فاقہ۔ مگر میں ابھی تک اس بات کو نہ لکھ سکی۔ آپ نے یہ بات لکھ دی، اور آپ بہت آگے جا کر کھڑی ہو گئیں میں آپ کی اسی بات سے بہت متاثر ہوئی۔

میں نے اس کے بعد آپ کے افسانے بہت دلچسپی سے پڑھے۔ ان پر رائے پھر تفصیل سے دوں گی۔

آپ بے تکلفی سے مجھے خط لکھتی رہیئے۔ مجھے بڑا ادیب وغیرہ فی الحال بالکل نہ سمجھئے۔ مجھے اپنے بارے میں ابھی تک ایسی کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکی ہے۔ ہم سب کو ابھی بہت لکھنا ہے اور اس کے بعد کسی کو بڑا کہلانے کا حق حاصل ہو سکے گا۔ اور اس کا فیصلہ بھی شاید آئندہ نسلیں کریں گی۔

میں آپ کو فوراً جواب لکھتی مگر گذشتہ ہفتے میں بہت مصروف رہی، کل ہم سب بہنیں اپنی پانچویں بہن عابدہ کی پہلی برسی منانے ایک جگہ اکٹھا ہوئے تھے۔ کل ہی جب اس کے فاتحہ سے فارغ ہوئے تو اطلاع ملی کہ ندیم بھائی کی والدہ لاہور سے دور اچانک چل بسیں۔ یہ سب باتیں بڑی تکلیف دہ تھیں۔ گذشتہ سال ندیم بھائی کی والدہ ہمارے گھر ہی تھیں۔ جب عابدہ کا انتقال ہوا تھا۔ معاف کیجیے گا یہ سب باتیں میرے دماغ پر چھائی ہوئی ہیں اس لئے ان کا تذکرہ کر بیٹھی۔ پھر کسی وقت آپ کو تفصیل سے خط لکھوں گی۔

ایک بہت پرانے اور خراب قلم سے خط لکھ رہی ہوں، میرا قلم کل گر کر ٹوٹ گیا۔ آپ کو میرا یہ خط ذرا دقت سے پڑھنا پڑے گا۔ گو ٹھیک قلم سے لکھنے کے باوجود میری تحریر لوگوں کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔

اُمید ہے آپ بعافیت ہوں گی۔

آپ کی

ہاجرہ مسرور

بنام نادم سیتاپوری

بسم اللہ

صدق

مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء دریاباد ضلع بارہ بنکی

کرم گستر۔ وعلیکم السلام۔ جواباتؒ عرض ہیں۔؟

۱۔ سب سے بڑھ کر مولانا شبلی، ان سے کم درجہ میں کچھ اور لوگ ہیں۔

۲۔ سب سے بڑھ کر مولانا شبلی کی "الکلام" اور رسائل۔ ان سے بھی قبل کے دور میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مرزا غلام احمد قادیانی کی مناظرانہ کتابیں، آریہ وغیرہ کی رد میں۔

۳۔ پھر وہی مولانا شبلی، جب کالج کی زندگی شروع ہوئی تھی تو لکھنؤ میں مولانا سے ذاتی نیازمندی اور حاضر باشی بھی رہی۔ ادبی اور شعری مذاق جو کچھ بھی پیدا ہوا مولانا ہی کا فیض ہے۔

۴۔ مستقل پہلی تصنیف "فلسفۂ جذبات" اس سے بھی پیشتر دو مقالے جو ایک ناشر نے رسالے کی صورت میں شائع کر دیئے تھے ایک محمود غزنوی دوسرا غذائے انسانی۔

۵۔ اس کا جواب مشکل ہے۔ یوں تو ظاہر ہے اپنی سب سے بڑی خدمت تفسیر قرآن (اردو انگریزی) کو سمجھتا ہوں۔ باقی حکیم الامت محمد علی کی ذاتی ڈائری اور سفر حجاز ہی شاید کچھ وزن و قیمت رکھتی ہوں۔

والسلام
عبدالماجد

ؒ میں نے مولانا سے پوچھا تھا کہ آپ کے تصنیفی شعور کی رہنمائی کن مصنفین اور کن کتابوں نے کی — اور آپ کی پہلی تصنیف کونسی ہے۔ یہ اپنی تصانیف میں آپ کس کو اولیت کا مستحق سمجھتے ہیں؟
نادم سیتاپوری

(۲)

دریاباد ضلع بارہ بنکی
یکم نومبر ۱۹۵۷ء

برادرم - وعلیکم السلام

۱- جی ہاں[1] ——— "الناظر" میں وہ سلسلہ مضامین ایک طالب علم کے فرضی نام سے اپریل ۱۹۱۰ء سے جنوری ۱۹۱۱ء تک سات نمبروں میں جاری رہا تھا اور بڑے لوگوں نے اس وقت بڑی ہمت افزائی کی ہو میں اس وقت انٹر کا طالب علم تھا۔

۲- علمی مضامین اس سے قبل بھی لکھ چکا تھا سہ روزہ "وکیل" امرتسر میں ۱۹۰۸ء و ۱۹۰۹ء میں۔

۳- والد مرحوم[2] کا قیام سیتاپور میں ۱۹۱۱ء تک رہا غالباً اکتوبر تک! آغاز قیام ۱۸۹۹ء سے ہوا۔

۴- میری تعلیم بفرڈ کلاس (برانچ اسکول) سے لے کر دسویں درجہ تک وہیں ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں میٹرکولیشن وہیں سے کیا۔ ہیڈ ماسٹر برابر بابو گھنڈی لال رہے۔ والد مرحوم کے تعلقات۔ علاوہ اپنے افسران اور ہمسر حکام کے۔ پبلک سے بہت گہرے اور مخلصانہ رہے۔ میر مظفر حسین[3]۔ سید نذیر احمد[4]۔ عبدالمجید خان۔ مولوی ہادی علی خان۔ سید رضی۔ منشی احمد حسن لاہرپوری۔ حکیم انوار حسین خیرآبادی۔ آغا میر محمد ہاشم[5] سید محمد احمد (ریٹائرڈ سب جج) (اور) حکیم مہدی[6] کے نام اس وقت یاد آ گئے۔ ہاں حافظ امیر احمد لاہرپوری بھی ہیں۔

شہر کے علاوہ خیرآباد۔ لاہرپور۔ ہرگاؤں۔ محمود آباد والوں سے بھی بہت تھے۔ نیز رئیسوں میں راجہ سورج بخش سنگھ (تعلق دار کملاپور) اور پرسینڈی کے ٹھاکر۔ .. ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد سے خصوصی تعلقات دوستی و بزرگی کے تھے۔

---

[1] مولانا شبلی کے چند مضامین پر "ایک طالب علم" کے عنوان سے مولانا نے منفی نظریہ کے تحت ایک سلسلہ مضامین شروع کیا تھا۔ یہ خط اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

[2] مولانا کے والد مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم پنشنر۔ سیتاپور میں تحصیلدار رہے پھر ڈپٹی کلکٹر۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ دنوں تک میونسپل بورڈ سیتاپور کے سیکرٹری بھی رہے۔

[3] اپنے عہد کے ایک مشہور وکیل جن کی فیاضی اور دریادلی کے افسانے سیتاپور اور اس کے پاس پڑوس میں آج تک مشہور ہیں۔

[4] میرے حقیقی چچا۔ سیتاپور کے مشہور وکیل اور اپنے زمانے کی ایک ہر دلعزیز شخصیت! مدتوں میونسپل بورڈ کے ممبر۔ وائس چیئرمین آنریری اسسٹنٹ کلکٹر اور آنریری مجسٹریٹ رہے۔ مولانا کے والد مولوی عبدالقادر مرحوم سے خصوصی تعلقات تھے۔

[5] سردار محمد ہاشم خان، ایک تاریخی شخصیت! جن کے پوتے آغا سید احمد رضا مرحوم سابق صدر پاکستان اسکندر مرزا کے ہمزلف تھے۔

[6] سیتاپور کے ایک مشہور طبیب! جنہوں نے نصف صدی ہوئی وفات پائی

نادم سیتاپوری

۶ - اپنے استادوں میں بابو گھمنڈی لال، ماسٹر دولت رام، حکیم محمد زکی، مولوی عظمت اللہ فرنگی محلی کو بڑے شکریہ کے ساتھ یاد رکھتا ہوں۔ نیاز احمد مرحوم - اعجاز احمد - دوست محمد - راج نرائن ہرکولی - آغا حسن بھی تھے۔

۷ - بھائی صاحب بحمد اللہ بخیریت ہیں۔ گو کمزور بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ والسلام

خدا کرے کہ آپ کی سب باتوں کا جواب آ گیا ہو۔

عبدالماجد

کارڈ موصولہ - ۴ نومبر ۱۹۵۰ء

(۳)

بسم اللہ -

دریاباد ضلع بارہ بنکی
۱۱ نومبر ۱۹۵۰ء

برادرم - وعلیکم السلام

۱ - جی ہاں جسٹس سید محمود[1] مرحوم کا نام آپ نے خوب یاد دلایا۔ .. یہیں رہتے تھے بعد کو اسٹیشن والی کوٹھی (بیگم باغ) میں اٹھ گئے تھے۔ انتقال جون ۱۹۰۲ء میں نماز جمعہ کے وقت فرمایا۔ باوجود دائم الخمر ہونے کے بڑے پختہ مسلمان تھے۔

۲ - جی ہاں - وہ .. زکی نہیں - یہ حکیم مرزا محمد ذکی لکھنوی مرحوم ابن مرزا محمد تقی .. کے باشندے تھے ان کے چھوٹے بھائی آج بھی لکھنؤ کے ایک بڑے طبیب ہیں - حکیم محمد تقی - شفا منزل گھسیاری منڈی - میرے عربی کے سب سے پہلے استاد - اور شفیق استاد تھے - عادات و اقتادِ مزاج کے لحاظ سے خالص لکھنوی - ذہانت کو بہت ہی بیجا مصرف میں صرف کرنے والے۔

۳ - جی ہاں - سید اعجاز احمد دہی ہیں پہلے کہیں سب انسپکٹر تھے - بھگوان دین وکیل کا نام بھی آپ نے خوب یاد دلایا - دوست محمد خاں محلہ عالم نگر کے رہنے والے تھے - پستہ قد چیچک رو - فٹ بال کے اچھے کھلاڑی - ایک نام امراؤ[2] مرزا عشق کا رہ گیا تھا - اب غالباً مرحوم ہو چکے ہیں - سید محمد طاہر وکیل کا ساتھ کالج میں رہا تھا۔

۴ - "الناظر" کی وہ جلدیں اب کہاں ملیں گی؟ میرے پاس رہیں تھیں - آپ کا اب لکھنؤ جب آنا ہو تو وہ ایک گھنٹے کا وقت نکالیے، دفتر الناظر بک ایجنسی حکیم عبدالعزیز روڈ جا کر وہیں ان پرچوں سے نوٹ حاصل کر لیجیے۔ ممکن ہے کتب خانہ محمود آباد (اسٹیٹ)

---

[1] سید محمود آخر عمر میں سیتاپور اپنے چچازاد بھائی سید محمد احمد خان سب جج کے پاس چلے آئے تھے یہیں ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا۔ لاش علی گڑھ بھیجی گئی۔ [2] مرزا امراؤ بیگ عشق لکھنوی - جوش ملیح آبادی کے عزیزوں میں ہیں - اور اب بھی بقید حیات ہیں۔

نادم سیتاپوری - یکم جولائی ۱۹۶۸ء

بیس جلدیں ہوں۔ میرے لئے اب ان مضمونوں میں کیا کشش ہو سکتی ہے الٹی تکلیف ہی اس کا خیال کر کے ہوتی ہے۔ اس وقت تمام تر ملحد تھا۔ دہریہ و منکرِ خدا کے مضمون ہیں بلکہ RATIONALIN یا "لاادریہ" کے معنی میں۔ تنقید یکسر عقائدِ اسلامی۔ وجودِ باری۔ نبوت ضرورت مذہب وغیرہ پر تھی۔ "الکلام" کو صرف آڑ بنا لیا تھا۔ عمر اس وقت ۱۸ - ۱۹ سال کی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

موصولہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۶ء

(۴)

بسم اللہ

صدق جدید

مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء

دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم وعلیکم السلام

ابھی کچھ روز ہوئے آپ کا کوئی مضمون کسی پرچہ میں پڑھا تھا اور وہ بہت پسند آیا تھا۔ بلکہ اسی وقت آپ کو داد کا خط بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پھر موقع نہ ملا۔ اس وقت نہ اس پرچے کا نام یاد آ رہا ہے نہ مضمون کا عنوان؟

"نوائے بھوپال"[1] آ تو بیشک رہا ہے لیکن آنے کو تو خدا معلوم کتنے پرچے رہتے ہیں۔ سب کہاں پڑھ سکتا ہوں؟ صرف چند کا انتخاب کر لیا ہے۔ آپ کا اس سے کوئی خصوصی تعلق تو آج معلوم ہوا۔ اب انشاء اللہ اسے بھی اس منتخب فہرست میں رکھ لوں گا۔

بھائی صاحب[2] لکھنؤ میں بدستور ہیں اور ماشاء اللہ بخیریت ہیں۔ "بخیریت" اس معنی اور اس نحیف جثے کو دیکھتے ہوئے۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

کارڈ کا پتہ - جناب نادم سیتاپوری - احمد برادرس - چوکی امامباڑہ بھوپال   BHOPAL

مہر ڈاک خانہ دریاباد   مہر ڈاک خانہ بھوپال

27-JUL-59   29-7-59

---

[1] بھوپال کا ایک ہفت روزہ جواب بند ہو چکا ہے۔ عزیز گوالیاری کی ادارت میں جاری ہوا تھا۔

[2] جناب ڈپٹی عبدالمجید صاحب مرحوم۔ مولانا دریابادی کے حقیقی بڑے بھائی۔   نادم سیتاپوری

(۵)

بسم اللہ

صدق جدید!

مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۸ء

دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم وعلیکم السلام

اور تو یاد نہیں پڑتا اتنا یاد ہے کہ آخر جنوری میں آپ کا جو خط ملا تھا۔ اس میں یہ سوال تھا ——— شررؔ[1] نے شبلی پر اعتزال کا الزام کیسے لگا دیا؟

جواب میں یکم فروری کو عرض کر دیا تھا کہ شررؔ نے ٹھیک لکھا۔ شبلی کا اعتزال ان کے "الکلام" میں نمایاں ہے۔ "علم الکلام" اور مقالات وغیرہ میں بھی کسی قدر جھلک رہا ہے بعد کو ان کی جو تکفیر ہوئی وہ انھیں عقاید کی بنیاد پر ——— بس اس کے بعد پھر کوئی خط نہیں آیا تھا۔ والسلام۔

دعاگو

عبدالماجد

(۶)

بسم اللہ

صدق (ہفتہ وار)

۶ اگست ۱۹۶۱ء۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم۔ السلام علیکم

"انتخاب[2] فتنہ" جابجا سے پڑھ لیا۔ آپ نے ایک فریضہ اخلاص و نیاز ادا کر دیا۔ ورنہ اب کون "فتنہ" کو پوچھتا ہے اور کون "ریاض[3] الاخبار" کو ——— دنیا ہی دوسری ہو گئی ہے۔

آپ کے دیباچہ یا مقدمہ میں دلکشی متن کتاب سے کم نہیں۔ لیکن اب ان تلمیحات و کنایات سے لطف اٹھانے والے رکتنے رہ گئے ہیں؟

---

[1] مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی

[2] ریاض خیرآبادی کے مشہور مزاحیہ اخبار "فتنہ و عطر فتنہ" کا انتخاب۔ جسے نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔

[3] ریاض کا مشہور و معروف ہفتہ وار جو گذشتہ صدی میں گورکھپور سے جاری ہوا تھا۔

خادم سیتاپوری

بہرحال جس عمدہ حلقہ کے لئے آپ نے کتاب تیار کر دی ہے وہ انشاء اللہ اس کی پوری قدر کرے گا اور آپ کے ذوق و تلاش دونوں کی داد دل کھول کر دے گا۔ والسلام

میرا وہ ڈاک والا خط سیتاپور کے پتے سے تو مل ہی گیا ہوگا؟

دعاگو

عبدالماجد

(۷)

بسم اللہ

ہفتہ وار صدق جدید

مورخہ یکم ستمبر ۱۹۶۳ء - دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم - السلام علیکم

۳ر کی شام تک لکھنؤ انشاءاللہ پہنچ جاؤں گا اور ۳ - ۳½ ہفتے تک بیڈ کوارٹر یہی رہے گا یعنی مستقل قیام وہیں! لیکن بیچ بیچ میں باہر بھی برابر جانا رہے گا -

قیام کی صورت میں یہ سمجھ لیجئے کہ جیسے کوئی مسجد میں معتکف ہوتا ہے صرف سہ پہر یعنی مغرب سے ایک گھنٹہ قبل فارغ رہوں گا۔ اسی میں آج فلاں قبرستان چلا گیا اور کل فلاں لائبریری - کبھی کبھی.. - پھر یہ لوگوں سے مل لوں گا۔ وقت میں اس حد تک بخل سے کام نہ لوں تو کچھ کام بھی نہیں کر سکتا - آپ کو محض اطلاع دئیے دیتا ہوں کہ اگر اتفاق سے اس دوران میں لکھنؤ آنا ہو جائے تو بس خبر کر دیجئے گا - محض مجھ سے ملنے کے لئے سفر ہرگز نہ اختیار کیجئے گا - والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۸)

بسم اللہ

صدق جدید

۱۱ مارچ ۱۹۶۱ء - دریاباد ضلع بارہ بنکی

۲۳ ر رمضان المبارک -

برادرم - وعلیکم السلام ـــــ انشاءاللہ ۱۲ مارچ (منگل) کو صبح دس بجے کی گاڑی سے سیتاپور پہنچوں گا - کچھ دیر بعد بڑی لین

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

(E . I . R) سیتاپور سٹی کے لئے مل جاتی ہے اسی پر آپ کے اسٹیشن[1] پہ اتروں گا - ایک ملازم ساتھ ہوگا -

مقام افسوس ہے کہ اب یہ قیام اور مختصر کرنا پڑے گا (ایک ہی ہفتہ کے بعد کئی دن کے لئے سفر دہلی و علی گڑھ پر روانہ ہو جانا ہے ۱۰ ، پھر وسط اپریل میں خیال ڈیڑھ دو ہفتے کے لئے لاہور کا ہے ،

۲۲ - (بدھ) کی شام کو ۶ بجے واپسی کی اجازت چاہوں گا - بیشتر وقت چلنے پھرنے میں گزرے گا - سول لائن کے تھیٹے تو پیدل ہی دیکھنا چاہتا ہوں - اس " مرحوم کوٹھی "[2] کی خبر بد آپ نے سنا ہی دی - دل نے وہی قلق محسوس کیا جو کسی عزیز کی خبر وفات سن کر ہوتا ہے - زوال محمود آباد چھوٹے پیمانے پر زوال حیدر آباد ہے سارے مسلمانوں کی کمر توڑ دینے والا - انا للہ - - ۱۲ بجے سے شام تک یہی پروگرام رہیگا کمیونسٹ سے بھی خاصی یادیں وابستہ ہیں - عیدگاہ - مسجد عالم نگر وغیرہ بھی دیکھنا ہیں یعنی قبروں پر فاتحہ پڑھنا ہے - دوسرے دن یہ سب کچھ ہو سکتا ہے - صبح کی چائے ذرا سویرے پینے کا عادی ہوں - نماز فجر کے (یہ حنفیوں کے ہاں دیر میں پڑھی جاتی ہے) کوئی آدھ گھنٹہ بعد - باقی کسی اور وقت کی کوئی خاص پابندی نہیں -

اطہر[3] صاحب میرے لئے اجنبی نہیں - فرنگی محل میں ایک بار " جمال میاں " کے ہاں ملاقات ہو گئی تھی بڑی محبت سے پیش آئے

حاشیہ صفحہ ۴۳۴ - برسہا برس کے بعد میری درخواست پر مولانا ۱۲ ، مارچ سنہ ۱۹۶۱ء کو چند مختصر لمحات کے لئے سیتاپور تشریف لائے تھے - چونکہ مولانا کا بچپن سیتاپور ہی میں گزرا ہے - اس لئے یہاں کے ذرّے ذرّے سے اُنھیں والہانہ وابستگی اور محبت ہے - زحمت سفر اس شرط پر گوارا فرمائی کہ ان کا سیتاپور آنا عوام پر ظاہر نہ کیا جائے اور نہ کسی جلسے وغیرہ کا اہتمام ہو - سیتاپور آنے کے شرائط اتنے سخت تھے کہ اسٹیشن پر سواری لانے تک کی ممانعت تھی - بہت ڈرتے ڈرتے عرض کیا گیا کہ اتفاقاً ایک موٹر کا انتظام ہو گیا ہے - اگر کوئی خاص زحمت نہ ہو تو غریب خانے تک اسی پر تشریف لے چلیئے - بارے کوئی اعتراض نہیں کیا - صرف یہ فرمایا کہ پہلے سول لائن چل کر اس کوٹھی کے در و دیوار کو گلے لگاؤں جس سے بچپن کی صدہا یادیں وابستہ ہیں - یہ کوٹھی ریاست محمود آباد کی ملکیت تھی جو انسداد زمینداری کے بعد فروخت کر دی گئی تھی - اس کوٹھی میں میرے ملاقاتی ایک A.D.M رہتے تھے میں نے انہیں پہلے سے اطلاع کر دی تھی - وہ بے چارے منتظر تھے - مولانا نے اس کوٹھی کے ایک ایک در و دیوار کو دیکھا ان کی آنکھوں سے عجیب حسرت برس رہی تھی - دو دن اور ایک شب کے اس مختصر قیام میں مولانا نے سیتاپور کے ایک ایک گلی کوچے میں پھر کر ماضی کی یادوں کو تازہ کیا - یہ کارڈ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے -

حاشیہ صفحہ ہذا - [1] سٹی اسٹیشن سے میرا گھر قریب ہے -

[2] محمود آباد اسٹیٹ کی وہی کوٹھی جس میں مولانا کے والد ماجد مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم کا قیام تھا اور مولانا کا بچپن جس میں گزرا تھا - یہ کوٹھی سول لائن سیتاپور میں ہے - مگر اب نقشہ بدل گیا ہے -

[3] میرے بڑے بھائی سید محمد اطہر صاحب مینجر محمود آباد اسٹیٹ -

نادم سیتاپوری

اپنی موٹر پر خاتون منزل[1] پہنچ گئے تھے۔ آپ نے ایک نام "غلام رسول"[2] کا لیا ہے کچھ اور اتا پتہ دیجئے۔ آپ ہی کے محلے میں ایک صاحب ماسٹر ایوب حسین رہتے ہیں۔ انہیں ۲۰ مارچ کو مطلع کر دیجئے گا۔ اگر وہ ملاتے یا چلئے کو کہیں تو میری طرف سے منظور کر لیجیے گا۔

محمود آباد سے ہم لوگوں کے تعلقات امیرالدولہ راجہ امیر حسن خان[3] مرحوم کے زمانے سے چلے آتے ہیں ان کی صاحبہ سنا ہے کہ ہم لوگوں کی عزیز بھی تھیں "مہاراجہ" کے وقت تو یہ تعلقات عزیزانہ حد تک پہنچ گئے تھے۔

ایک صاحب "نادر مرزا"[4] اسکول میں مجھ سے سینئر تھے۔ محمود آباد میں بجلی کے کام پر ہو گئے تھے۔ ایک بار اتفاق سے ریل میں ملاقات ہو گئی تھی۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۹)

بسم اللہ!

صدق جدید

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۱ء دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم وعلیکم السلام۔

مولوی عبدالغنی[5] مرحوم کو اپنے بچپن میں بارہا دیکھا۔ والد مرحوم سے ملنے اکثر تشریف لاتے رہتے۔ خود بھی ایک آدھ بار ان کے ہاں جا کر دعوت کھانے کا اتفاق ہوا۔ اتنا ہوش اس وقت کہاں تھا کہ ان کے کلام وغیرہ کو کچھ بھی سمجھ سکتا!

صرف اتنا یاد ہے کہ ان کی نیکی خدا ترسی عبادت گزاری کی شہرت عام تھی۔ قد لانبا تھا کثیرالاولاد تھے۔ چہرہ پر نورانیت تھی ضعیفی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ داڑھی کے بال کھچڑی تھی۔

---

[1] "خاتون منزل" گولا گنج لکھنؤ کی وہ تاریخی عمارت ہے جس میں سب سے پہلے "ندوہ" قائم کیا گیا تھا۔ مولانا شبلی کا قیام بھی اسی میں رہتا تھا۔ چونکہ یہ عمارت خود مولانا کے اہل خاندان نے خریدلی ہے۔ اس لئے مولانا جب بھی لکھنؤ جاتے ہیں۔ اسی عمارت میں قیام فرماتے ہیں۔

[2] سابق صدر پاکستان اسکندر مرزا کے ہم زلف آغا سید احمد رضا مرحوم کا خاص ملازم۔ جو بچپن میں مولانا کو کرکٹ اور ٹینس وغیرہ کھلایا کرتا تھا مولانا نے بارہا اس کا ذکر کیا مگر نام انہیں یاد نہیں تھا۔ جب سیتاپور آئے تو بڑی محبت سے غلام رسول کو گلے لگا کر ملے۔

[3] انقلاب ہندوستان کے بعد اودھ کے ایک دریادل اور فیاض رئیس، راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد کے دادا۔

[4] مولانا کو سہو ہوا۔ ان کا نام "نادر مرزا" نہیں "بہادر مرزا" تھا۔ محمود آباد اسٹیٹ میں الکٹرک انجینئر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے گئے تھے۔ گرمیاں ہندوستان کی تھی۔ غالباً دو سال ہوئے عارضی پرمٹ سے ہندوستان آئے تھے یہیں حرکت قلب بند ہو گئی غالباً جون پور میں دفن ہیں۔

[5] حکیم مومن خان مومن دہلوی کے داماد۔ سیتاپور میں وکالت کرتے تھے۔ نادم سیتاپوری

ان کے بڑے صاحبزادے ناصر حبیب غالباً ابھی زندہ ہیں۔ کسی ریاست (غالباً گوالیار) میں قیام تھا۔ وہی غالباً مومن خان کی صاحبزادی کے بطن سے تھے اور بعد کو سُنا کہ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔

جی ہاں۔ رئیس[1] صاحب کی بابت آخری اطلاع یہی تھی کہ اکتوبر ورنہ نومبر میں لکھنؤ آئیں گے۔ کوئٹہ میں تھے غالباً لاہور واپس آگئے ہیں۔

جی ہاں، ماسٹر ایوب[2] صاحب کی عیادت کے لئے "وزیر اعلیٰ صاحب" کے جانے کی خبر اخبار میں پڑھی تھی، ایسی شرافت کی مثالیں اب کم یاب ہیں۔ والسلام

عبدالماجد

(۱۰)

بسم اللہ

۴؍ نومبر ۱۹۶۱ء

برادرم۔ وعلیکم السلام

۱۔ جی ہاں۔ بیویاں ایک سے زائد تو یقیناً تھیں۔ یاد ایسا پڑتا ہے کہ تین تھیں۔ اور اولاد تینوں سے تھی۔ مرحوم[3] کی آمدنی وکالت سے کچھ ایسی کم نہ تھی۔ لیکن کثرتِ عیال سے زیر بار ہی رہا کرتے تھے۔

۲۔ جی ہاں۔ ایک کا نام عبدالغنی تھا وہ سیتاپور ہی کی کسی عدالت (غالباً کلکٹری) میں کوئی اہل کار ہوگئے تھے۔

۳۔ مرحوم کے لڑکے پڑھے لکھے کچھ واجبی ہی سے تھے۔ ایک لڑکا عبدالحئی نسبتاً کچھ پڑھ لکھ گئے تھے۔ کوئی چھوٹا سا امتحان پنجاب سے پاس کیا تھا۔ وہی چھوٹا امتحان اس وقت بڑا سمجھا گیا PLAYER بھی اچھے تھے۔ ایک بھائی ان سے چھوٹے عبدالقیوم تھے۔ سن میں مجھ سے کئی سال بڑے تھے پھر بھی نیچے درجہ میں میرے ساتھ ہی تھے۔ مدت دراز ہوئی انتقال ہوگیا۔

۴۔ ایک نواسہ کا نام احمد حسن تھا برانچ اسکول سیتاپور میں مجھ سے ایک سال آگے تھے، انتقال وہیں کم سنی میں ہوگیا۔

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی

[2] میرے محترم بزرگ۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ سی۔ بی گپتا کے استاد۔ عرصہ سے بیمار رہتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ جب سیتاپور کے سرکاری دورے پر آئے تو بلا کسی پروگرام کے ان کی عیادت کے لئے آئے تھے۔

[3] مولوی عبدالغنی وکیل سیتاپور، داماد حکیم مومن خان مومن دہلوی۔

[4] میرے ملاقاتیوں میں تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا تقریباً بیس پچیس سال ہوئے وفات پائی۔

نادم سیتاپوری

۵۔ مرحوم کا تخمینی سالِ وفات ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء کہہ سکتا ہوں یقیناً ۱۹۰۱ء و ۱۹۱۰ء کے درمیان۔

۶ جی ہاں۔ مرحوم کے نام کے ساتھ غازی پوری ہی سنتا اچھی طرح یاد ہے۔ غالباً زمانیہ (ضلع غازی پور) ہی کے تھے باقی بیویوں کی بابت کوئی علم نہیں عجب نہیں کہ اپنے ہی وطن و خاندان کی ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱۱)

بسم اللہ

دریاباد - ۱۱ اپریل ۱۹۶۲ء

برادرم - وعلیکم السلام -

دورہ[۱] پیہ یومیہ تو کچھ ایسا گراں نہیں۔ کھانے کا انتظام تو ڈاک بنگلے کے آدمی ہی سے ہو جاتا ہوگا۔

مختاری والے مکان میں بعد کو میری ہی برادری کے ایک صاحب مدتوں رہے تھے۔ شیخ مشتاق علی قدوائی مسولی محمود آباد کے مختار تھے۔

مرزا قاسم[۲] حسین قزلباش کورٹ انسپکٹر تھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ اس وقت تک شاید تھا ہی نہیں؟ میرے والد کے خصوصی دوستوں میں سے تھے۔ ان کے بیٹے فیاض مرحوم کا میرا ساتھ کچھ دنوں رہا تھا۔ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔ پہلے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سیتاپور ——— بعد محمد تقی ہو کر آئے تھے۔

دوست محمد خاں کی بھی کچھ خبر ہے؟ زندہ ہیں؟ میرے زمانے میں فٹ بال میں بڑا نام پیدا کئے ہوئے تھے۔ عالم نگر میں رہتے تھے ان کے بہنوئی چھیدا خان دیناون بیرسٹر کی محرری کرتے تھے اور بڑے عبادت گزار رکھے جاتے تھے۔

والد مرحوم کے ایک خصوصی دوست[۳] سید منشی محکوم آنریری مجسٹریٹ تھے۔ اب ان کی کوئی اولاد باقی ہے؟

آپ اس وقت لکھنؤ ہوں گے۔ اس لئے یہ خط وہیں کے پتے پر ہے۔

---

[۱] سیتاپور سے مولانا کو جو فطری اور روحانی لگاؤ ہے۔ اس اعتبار سے وہ سیتاپور کو اپنا وطن ثانی سمجھتے ہیں۔ مدتوں بعد ۱۹۶۱ء میں میری درخواست پر سیتاپور تشریف لائے تھے۔ غریب خانے ہی پر قیام فرمایا۔ ۱۹۶۲ء میں جب میں نے پھر استدعا کی تو اس شرط پر سیتاپور آنے کے لئے راضی ہوئے کہ قیام ڈاک بنگلے میں کریں گے۔ یہ سارا ماجرا اسی ڈاک بنگلہ کا ہے ــ لیکن سارا پروگرام بنانے کے بعد عین وقت پر ملتوی کر دیا۔

[۲] مرزا حاتم علی بیگ مہر کے پوتے۔

[۳] سیتاپور کے عمائدین میں تھے۔ لسان القوم صفی لکھنوی کے بزرگ اعزہ میں تھے۔ نادم سیتاپوری۔

ہاں صاحب۔ اگر موقع دیکھیے گا تو گورنر صاحب[1] کی خدمت میں صرف یہ مصرعہ میری طرف سے عرض کر دیجئے گا کہ

بھول جانا ہمارا یاد رہا۔

اور پورا قصہ سن لیجئے — ان کے آتے ہی خط لکھا — "یوپی کو ایک اردو نواز گورنر ملا۔ اردو والوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں۔" جواب اردو میں آیا اور بڑے اخلاق کا — کہ آپ سے ملنے کی میں مسرت حاصل کروں گا۔ اس کے بعد سے آج کی تاریخ تک میں وقت ملاقات کے تعین کا منتظر ہی رہا۔ لطیف یاد دہانی، ایک نہیں، کم سے کم دو بار (عجب نہیں کہ تین بار) کی۔ مطلق جواب ملنا نہ ملا۔ سعدی نے "در سیرت بادشاہان" جو کہا تھا کہ "گاہے بسلامے برنجند گاہے بدشنامے خلعت دہند" بس اسے یاد کر کے خاموش ہو گیا۔ اور اب تو موقع اتنا بھی نہ رہا کہ تار برقی ہو سکے۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱۲)

بسم اللہ

۱۳؍ اپریل ۶۴ء

دریاباد (بنکی)

برادرم۔ وعلیکم السلام

خط بڑے وقت سے آگیا۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ سے میں انتظار ہی کر رہا تھا، بلکہ خود ہی لکھ دینا چاہتا تھا۔ اب مستقل شغل کیا رہتا ہے؟ اکبر کا وہ شعر تو یاد ہوگا؟

اٹھا تو تھا ولولہ یہ دل میں کہ صرف یادِ خدا کریں گے
معاً مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کریں گے؟

خیر خدا کرے ہر طرح خیریت ہو۔

مضمون سجاد حسین کی سنجیدہ صحافت[2] یوں تو خاصہ ہے، لیکن کچھ تاریخی بے ترتیبیاں نظر آئیں۔

(۱) دلگداز معرکۂ گلزارِ نسیم سے پیشتر ہی نہیں بہت پیشتر ۸۷ء میں نکل چکا تھا۔ نکل کر بند ہو چکا تھا، بند ہو کر نکل چکا

---

[1] محبی ڈاکٹر بی راما کرشنا راؤ۔ حیدرآباد کی ایک ذی علم شخصیت۔ فارسی اردو اور تلنگی زبانوں کے ماہر۔ میرے خصوصی مخلصین میں تھے۔ اپریل ۱۹۶۲ء میں یو۔پی کی گورنری سے ریٹائر ہوئے۔ ان کی اردو دوستی اور اردو نوازی آج بھی یو پی میں ضرب المثل ہے۔

[2] مطبوعہ نیا دور لکھنؤ

نادم سیتاپوری

تھا۔ یہ معرکہ تو کہیں سنہ ۹۵ء یا سنہ ۹۶ء میں پیش آیا۔

(۲) "آزاد" شوق والا اصلاً سیاسی رنگ کا تھا۔ ادبی رنگ میں اودھ پنچ کا حریف و مقابل ظریف تھا۔ شرر صاحب کے اشارہ پر منشی نثار حسین کا نکالا ہوا۔

(۳) "خادرزار نسیم" (شوق) کا علم مجھے پہلی بار ہوا۔ اور اس پر مجھے حیرت بھی ہے کہ اب تک کیوں نہیں ہوا تھا۔ معرکہ کا زمانہ بھی سنہ ۹۷ء کے بعد کا ہے۔ اور اس وقت میں معرکہ کی بیشتر چیزوں کے پڑھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ خادرزار کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔

(۴) تپش کا سال وفات ۱۹۰۲ء کے بعد تو یقیناً ہے، عجب نہیں کہ سنہ ۱۹۰۳ء کے بھی بعد ہو۔ مرحوم کا آخری زمانہ بڑی عسرت کا گزرا۔ میرے والد مرحوم سے ان سے دیرینہ تعلقات تھے انہیں کبھی کبھی وہ اپنے مصائب لکھ بھیجتے تھے اور کم سے کم ایک بار تو سیتاپور اہم کے پاس ضرور آئے تھے۔ اغلباً سنہ ۱۹۰۲ء میں۔

بانی صاحب اس وقت سیتاپور میں قدوائی صاحب کون ہیں؟ یا تو کوئی وکیل ہیں یا کوئی عہدے دار۔ میرے ایک دور کے لکھنوی عزیز کا انتقال انہیں کے مکان پر ہوا۔ بس اس سے زیادہ معلوم نہیں۔ ان کے پورے نام کی تلاش ہے۔

آپ نے ہر جگہ "تپش" "ت" سے لکھا ہے۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ مرحوم اپنے کو "طپش" "ط" سے لکھتے تھے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱۴)

بسم اللہ

دریاباد

۱۸ جون سنہ ۶۴ء

برادرم۔ السلام علیکم

آپ کا نام دیکھ کر ہمیشہ مضمون پڑھ لینے کا وقت نکال لیتا ہوں۔

تازہ مضمون "معارف"[1] میں پڑھا حسب معمول اچھا ہے۔

صرف دو ایک جزئیات آئندہ کے لئے نوٹ کر لیجئے۔

۱۔ مولوی عبدالغنی[2] مرحوم کے بڑے لڑکے جو "بنت مومن"[3] کے بطن سے تھے ان کا نام ناصر حبیب تھا۔ دہلی کے مشہور خاندان سے

---

[1] معارف اعظم گڑھ (جون سنہ ۱۹۶۴ء) میں میرا ایک مضمون سیتاپور کے کتب خانوں پر چھپا تھا۔

[2] مومن دہلوی کے داماد۔

[3] مومن دہلوی کی صاحبزادی جو سیتاپور میں مولوی عبدالغنی وکیل کو بیاہی تھیں۔ (ناظم سیتاپوری)

تھا ناصر نذیر وغیرہ کے رنگ کا، خوب لمبے چوڑے تھے اور ابھی کئی سال قبل تک زندہ تھے۔ گویا یارسے کہیں ادھر چلے گئے تھے جو بدھی کی ماں دوسری تھیں۔

۲۔ لائبریری جہاں تک مجھے یاد ہے خورشید محمود ہی کی تھی۔ سید محمود نے سیتاپور میں پریکٹس ایک دن کے لئے نہیں کی۔ بالی کورٹ کے جج رہ کر دوبارہ عدالتوں میں جاتے کیسے؟ اور بڑی بات یہ کہ وہ قابل پریکٹس ہی ان دنوں کب رہ گئے تھے۔ ہر وقت مخمور!

"بیگم باغ" نہیں مدتوں سول لائن میں رہے تھے ہماری کوٹھی کے بالکل مقابل۔ مشرق کی طرف! بچوس والے بنگلے میں۔ بیگم باغ بالکل آخری زمانے میں اٹھ گئے تھے۔

۳۔ ٹھاکر جواہر سنگھ تو پڑھے لکھے نہ تھے۔ ان کے لڑکے سورج بخش سنگھ البتہ بڑے علم دوست تھے۔ انگریزی میں... اور فارسی سے بھی خوب واقف!

حسرت ہے کہ "اختر الدولہ" سے اپنے زمانہ قیام سیتاپور میں نہ واقف ہو پایا۔

والسلام

عبدالماجد

مالک رام

12/5 W. E. A

KROWL BAGH - نئی دہلی۔

۲۴ ستمبر ۱۹۵۸ء

مکرم بندہ ـ میں نے کل صبح آپ کی خدمت[۳] میں لکھا ہے شام گھر پہنچنے پر آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ مزید شکریہ۔ دربار دہلی، دسمبر ۱۹۱۱ء میں ہوا تھا گویا شوکت[۴] کی وفات جون ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ ان کے مدفن کا جو پتہ آپ نے لکھا ہے وہ ٹھیک طور پر معلوم نہ ہوا کہ یہ لفظ "بیرسیہ" (ب ی ر س ی ہ) ہے یا پیرسیہ (پ ـ ی ـ ر ـ س ـ ی ـ ہ) وضاحت فرمائیے[۵] ؟ اگر شوکت

---

[۱] سید محمود بیرسٹر مرحوم جو آخری ایام زندگی میں سیتاپور آ گئے تھے۔ یہیں ۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔ لاش علی گڑھ بھیجی گئی۔

[۲] "ہندوستانی صحافت کی پہلی تاریخ" "اختر شاہنشاہی" کے مصنف، سیتاپور کے رہنے والے تھے یہیں وفات پائی۔

[۳] یہ خط و کتابت تذکرہ "تلامذۂ غالب" کے سلسلے کی ہے جسے جناب مالک رام نے مرتب کر کے چھپوایا ہے۔

[۴] غالب کے شاگرد۔ نواب یار محمد خان شوکت بھوپالی۔

[۵] شوکت کا مزار بیرسیہ روڈ (ب ی ر س ی ہ) پر ہے۔ نادم سیتاپوری

کی تصویر بھی مل جائے تو اس کا عکس بھی حاصل کیجیے۔ رفعت[1] سے متعلق کل لکھ چکا ہوں۔ تصویر کے عکس پر اتنا خرچ نہیں آتا جتنا آپ کا خیال ہے؛ بلکہ بلاک تک اس سے ارزاں قیمت پر بن جاتا ہے۔ آپ کسی فوٹوگرافر سے پوچھیے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ میں نے یہاں بہت سے عکس خود اس سلسلے میں تیار کرائے ہیں اور مجھے اس کا تجربہ ہے۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار

مالک رام

کارڈ کا پتہ کرم نادم سیتاپوری معرفت احمد برادرس چوکی امامباڑہ بھوپال (M P)

(۳)

یوسف

۱۶ راگست سنہ ۱۹۶۱ء

کرمفرمائے من۔ ۳ راگست کے گرامی نامہ کا شکریہ۔

میں جلدی میں جواب اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ نے لکھا ہے "غالب کی چچازاد بہن کے صاحبزادے مرزا عباس[2] بیگ" میں ڈر کہ کہیں آپ کسی مضمون یا اپنی زیرِ طبع کتاب میں بھی نہ لکھ دیں۔ یہ ان کی حقیقی بہن تھیں نہ کہ چچازاد بہن؛ ان کے چچا نصراللہ بیگ خاں کی تو کوئی اولاد تھی ہی نہیں؟ اس سے متعلق میری کتاب "ذکرِ غالب" میں اچھا خاصہ طویل حاشیہ موجود ہے! "سرور[3] الملک" کے خاندان میں غالب کی کوئی چیز نہیں۔ اسی سے ایک اور بات یاد آئی — آپ نے کسی زمانے میں اصرار کیا تھا کہ غزل جس کا مطلع ہے:

کب رہا ہے اب ہمیں حرر و نشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا مجھ کو نظر کا اعتبار

غالب کی ہے اور میں اس سے انکاری تھا کہ اس کی زبان اور بعض الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے! پٹنے سے 'دیوانِ جہان' (بہیِ زبان) کا مطبوعہ نسخہ موصول ہوا ہے۔ اس میں یہ "غالب" تخلص نام غالب جنگ (؟) کے نام سے درج ہے۔

والسلام والاکرام   خاکسار مالک رام

---

[1] مرزا محمد عباس رفعت شروانی۔ علامہ احمد یمنی صاحب "نفحۃ الیمن" کے صاحبزادے۔ غالب کے شاگرد اور دوست!

[2] خان بہادر مرزا عباس بیگ تعلقدار بڑاگاؤں ضلع سیتاپور غالب کی حقیقی بہن چھوٹی بیگم کے صاحبزادے تھے۔

[3] سرور جنگ آغا مرزا بیگ! غالب کے حقیقی بھانجے مرزا عاشور بیگ کے بڑے بیٹے جن سے غالب کی حقیقی بھتیجی عزیز النساء کی صاحبزادی منسوب تھیں۔ سرور جنگ آصف جاہ میر محبوب علی خاں کے استاد تھے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں بمقام علی گڑھ وفات پائی۔

نادم سیتاپوری

(۳)

431, MATHRA ROAD
JANGPURA B
۱۰ - NEW DELHI-14 اگست ۱۹۶۴ء

حضرت المکرم - آپ کا دوسرا گرامی نامہ ملا - دونوں کا شکریہ -

چونکہ آپ کا دوسرا پوسٹ کارڈ گھر پر رہ گیا - اس لئے جواب اسی سیتاپور ہی کے پتے پر لکھ رہا ہوں - خدا کرے موصول ہو جائے -
غالب کی جس غزل[1] کا ذکر آپ نے کیا ہے اور جو "چمن بے نظیر" سے لے کر ڈاکٹر مختار الدین احمد نے "علی گڑھ میگزین" کے "غالب نمبر" میں شامل کی تھی وہ یقیناً غالب (اسد اللہ) کی نہیں - مجھے شروع سے یقین تھا کہ اس کی زبان اور اسلوب مرزا غالب کا نہیں - اس کے بہت دن بعد پٹنے سے "دیوان جہان" کا مطبوعہ نسخہ ملا - اس میں یہ غزل کسی اور غالب کے نتیجۂ فکر کے طور پر درج تھی -
۱۹۵۷ء میں خدا معلوم میں نے کیا لکھا تھا - اگر آپ اسی وقت دریافت فرما لیتے تو یقیناً میں اپنا مافی الضمیر بوجہ احسن عرض کر دیتا لیکن میرے خیال میں بہت سا کلام جو نظامی بدایونی کے نسخے میں غالب کے نام سے درج ہے اور جسے انہوں نے سید حسین بلگرامی یا ان کے بھائی میجر حسن بلگرامی کی سند پر شامل دیوان کر لیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ غالب کے رنگ میں ہے - خاکسار کی رائے میں غالب کا نہیں - !

آسی الدنی[2] نے بہت سا کلام خود کہہ کر غالب سے منسوب کر دیا اور کہا کہ انہیں یہ کسی پرانی بیاض سے ملا ہے - یہ بھی یقیناً غالب کا نہیں - ! اس کی طرف میں نے اس تبصرے میں بھی اشارہ کیا تھا جو میں نے نسخۂ عرشی پر لکھا تھا -
آپ کی تالیف "غالب نام آورم" یقیناً میری نظر سے نہیں گذری بلکہ سچ پوچھیے تو مضمونوں کے علاوہ آپ کی کوئی مستقل تالیف یا تصنیف آج تک نہیں دیکھ سکا - دیکھیے اب اللہ تعالےٰ کوئی موقع بہم پہنچا دے گا - انشاء اللہ !

والسلام والاکرام خاکسار
مالک رام

سید مسعود حسن رضوی

ادبستان - دین دیال روڈ - لکھنؤ - ۱۶ اگست ۱۹۶۰ء ——— مکرمی تسلیم ——— آپ کا کارڈ ۱۲ اگست کو ملا - ۱۲ کو

---

[1] غالب معرض بحث "بشر کا امتیاز" "نظر کا امتیاز" والی غزل تھی -

[2] " یہ کلام "مکمل شرح کلام غالب" شائع کردہ صدیق بکڈپو لکھنؤ میں شامل ہے اور میں نے اپنی کتاب "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" میں نقل کیا ہے

ناوم سیتاپوری

جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ ۱۴ اور ۱۵ کو ڈاک خانہ بند رہا۔ اس طرح آج سے پہلے جواب نہ دیا جا سکا۔ "تحریر الشہادتین" کا سنہ طباعت ۱۳۰۲ھ نہیں ہو سکتا۔ شاید ۱۳۰۸ھ ہو۔ ہندسوں کو لکھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔ بہر حال بغیر کتاب کو دیکھے ہوئے کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔

"طوطی نامہ" کلیات میر جعفر میں شامل ہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق میر جعفر کا انتقال فرخ سیر کی تخت نشینی کے سال یعنی ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں ہوا۔

آپ لکھنؤ کب تک آئیں گے؟

خیر اندیش

(رضوی ادیب) سید مسعود حسن رضوی

(۲)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ۔

۱۲ دسمبر ۱۹۶۱ء

مکرمی تسلیم۔

آپ کا کارڈ دوسرے کاغذوں میں مل کر کھو گیا تھا۔ آج اتفاق سے نظر آ گیا تو اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اس کارڈ میں آپ نے اُس سے پہلے کے ایک خط کا ذکر کیا ہے۔ وہ خط مجھ کو نہیں ملا۔ قادر نامہ بیسیوں مرتبہ چھپ چکا ہے اور ہر چھاپ میں سرورق پر اس کا نام قادر نامۂ غالب لکھا گیا ہے جس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف کوئی غالب ہیں۔ اس میں دو غزلیں بھی شامل ہیں، جن میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں ہے جو مشہور و معروف غالب کی طرف منسوب کرنے کے قابل ہو۔ اس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ قادر نامہ کسی اور غالب کی تالیف ہے۔ لیکن غالب دہلوی کے شاگرد محمد عباس رفعت[1] اس کو اپنے اُستاد کی تالیف بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب دہلوی ہی کی ابتدائی تالیف ہے۔ رفعت کا عباس نامہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔

عزیز مکرم سید کلب مصطفےٰ[2] صاحب کل اپیل کی نقل لے کر آئے تھے، مگر میں اس وقت مکان پر موجود نہ تھا۔ آپ آئیے تو ہم لوگ جمع ہو کر اس پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ اپنی آمد کی تاریخ سے مجھ کو مطلع کر دیجیے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے قیام لکھنؤ کے دوران میں دعوت کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

(رضوی ادیب) سید مسعود حسن رضوی۔

---

[1] ابو الفضل مرزا محمد عباس رفعت شروانی غالب کے دوست اور شاگرد۔

[2] سید کلب مصطفےٰ ایڈوکیٹ لکھنؤ۔

(۳)

ادبستان، دین دیال روڈ۔ لکھنؤ
۱۹ ستمبر سنہ ۶۳ء

مکرمی، تسلیم۔

کارڈ ملا۔ جواب میں تحریر ہے کہ منطقی مغالطوں پر مرزا احمد ہادی صاحب کا رسالہ المغالطات شیعہ کانفرنس کے دارالترجمہ نے شائع کیا تھا۔ وہ میرے کتب خانے میں ہے مگر تلاش سے ملے گا۔ آپ کو ضرورت ہو تو تلاش کیا جائے۔ ناسخ کی مثنوی سراج نظم کا صرف ایک مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں ہے جو محمد حسین کے مطبع میں ۱۲۶۵ھ میں چھپا تھا۔ اس کی کسی دوسری چھاپ کا مجھے علم نہیں۔ عہد واجدی کے شاعر سے میں بالکل ناواقف ہوں۔

خیرآباد جانے کی جو تاریخ مقرر ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے میرے سر میں شدید تکلیف پیدا ہو گئی اور اس دن بارش بہت شدت سے ہونے لگی۔ جو حضرات اس دن میرے منتظر رہے اور جن حضرات نے میرے آرام کا انتظام کیا ان سب منتظرین و منتظمین سے معذرت خواہ اور ان کا شکر گزار ہوں۔ والسلام۔

خیر اندیش

(پروفیسر) سید مسعود حسن رضوی

(۴)

ادبستان، دین دیال روڈ۔ لکھنؤ ۳
۲۵ نومبر سنہ ۶۳ء

مکرمی، تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ آپ کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ خواجہ میر درد کی فارسی مثنوی کا مجھے علم نہیں۔ عبدالجلیل بلگرامی کی انشائے جلیل میرے کتب خانے میں ہے۔ عقد ثمین کا مجھ کو علم نہیں۔ عشق تخلص کے متعدد شاعر گزرے ہیں۔ اگر آپ ان کا دیوان یہاں لے آئیں تو شعرا کے تذکرے جو میرے کتب خانے میں ہیں ان کی مدد سے آپ غالباً عشق کی شخصیت کا تعین کر سکیں گے۔

میں نے ایک مرتبہ آپ سے غالب کے ایک شاگرد کی مثنوی کا ذکر کیا تھا وہ مثنوی تو پھر مجھ کو ملی نہیں لیکن محمد حسین محمود شاگرد غالب کی ایک مطبوعہ مگر کمیاب کتاب حلوائے بے دود مل گئی جس سے آپ کو ایک مختصر مضمون کا مواد مل سکتا ہے۔ لکھنؤ آنا ہو تو اس کو دیکھیے اور جی چاہے تو اس پر ایک مضمون لکھ ڈالیے۔

مقدمے کی تاریخ تو کبھی کبھی مقرر ہو جاتی ہے۔ مگر پیشی کی نوبت نہیں آتی۔

خیر اندیش

سید مسعود حسن رضوی

جوشؔ ملیح آبادی

بنام سید سجاد ظہیر

طاہر پیلس بشنکر سیٹھ روڈ
پونا (۲) ۲۸ راپریل ۴۶ء

عزیزی بنے۔ حامل رقعہ[1] حضرت نادم صاحب سیتاپوری کے تعلقات آپ کے خاندان سے بہت دیرینہ ہیں۔
نادم صاحب ———

شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

کی قسم کے انسان ہیں۔ جو نہایت اچھے ادیب و شاعر ہیں۔ لیکن جنہیں خودداری ابھرنے نہیں دیتی۔ آپ کو زیادہ لکھنا آپ کے خلوص سے بدگمانی رکھنے کے برابر ہے مختصر یہ کہ جہاں تک ہو سکے نادم صاحب کی امداد کیجئے جس کے واسطے میں ہرگز شکرگزار نہیں ہوں گا۔ اس لئے کہ یہ امر آپ کے فرائض میں داخل ہے۔

مناسب ہو تو آپ عزیزی خواجہ احمد عباس سے بھی ملیئے۔ انہیں میرا خط دکھائیے اور میری طرف سے کہئے کہ وہ نادم صاحب کا ہر صورت سے ہاتھ بٹائیں جس کے واسطے میں ان کا بھی ہرگز شکرگزار نہیں ہوں گا کہ آپ کی طرح ان کا بھی یہی فرض ہے۔

جوشؔ

(۲)

بنام ڈاکٹر صفدر آہ سیتاپوری

اولڈ سیکریٹریٹ دہلی

۱۴؍ اکتوبر ۵۲ء ——— بھائی اس خیال میں اس قدر مدت گزر گئی کہ آپ کو فرصت نکال کر خط لکھوں گا۔ مگر یہ دیکھ کر

---

[1] بمبئی کے زمانۂ قیام میں جوشؔ صاحب کو میری بہت ہی فکر رہتی تھی وہ چاہتے تھے کہ میں "اخبار نویسی" کے آنکھ پھوڑ کام سے چھٹکارا پاکر موٹر نشین سیٹھ بن جاؤں۔ فلمی دنیا میں شاعروں اور ادیبوں کی کھیپ پہنچ رہی تھی۔ جوشؔ صاحب چاہتے تھے کہ میں بھی کسی فلم کمپنی میں گیت نگار یا مکالمہ نویس بن کر دولت مند ہو جاؤں۔ اسی خلوص میں انہوں نے یہ خط مجھے بھیجا تھا کہ میں سجاد ظہیر اور خواجہ احمد عباس کے ذریعہ سے فلمی دنیا میں پہنچ جاؤں — لیکن میں جوشؔ صاحب کے اس خلوص کی قدر نہ کر سکا اور "حامل رقعہ" بن کر سجاد ظہیر سے کبھی نہ مل سکا نہ یہ خط انہیں بھجوایا۔ "بنے" سجاد ظہیر کا عرف ہے۔

نادم سیتاپوری

(۳)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ

۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء

مکرمی۔ تسلیم۔

کارڈ ملا۔ جواب میں تحریر ہے کہ منطق مغالطوں پر مرزا احمد ہادی صاحب کا رسالہ المغالطات شیعہ کالفرانس [illegible] شائع کیا تھا۔ وہ میرے کتب خانے میں ہے مگر تلاش سے ملے گا۔ آپ کو ضرورت ہو تو تلاش کیا جائے۔ ناسخ [illegible] ایک مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں ہے جو محمد حسین کے مطبع میں ۱۲۶۵ھ میں چھپا تھا [illegible] کی کسی دوسرے [illegible] عہد واجدی کے شاعر سے میں بالکل ناواقف ہوں۔

خیرآباد جانے کی جو تاریخ مقرر ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے میرے سر میں شدید تکلیف پیدا ہوگئی [illegible] بہت شدت سے ہونے لگی۔ جو حضرات اس دن میرے منتظر رہے اور جن حضرات نے [illegible] و منتظمین سے معذرت خواہ اور ان کا شکر گزار ہوں۔ والسلام۔

خیر اندیش

(پروفیسر)

(۴)

ادبستان۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ ۳

۲۵ نومبر ۱۹۶۳ء

مکرمی۔ تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ آپ کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ خواجہ میر درد کی فارسی مثنوی کا [illegible] کی انشائے جلیل میرے کتب خانے میں ہے۔ عقد اللئالی کا مجھ کو علم نہیں، عشق تخلص کے متعدد شاعر گزرے [illegible] یہاں سے آئیں تو شعرا کے تذکرے جو میرے کتب خانے میں ہیں ان کی مدد سے آپ غالباً عشق کی شخصیت [illegible]

میں نے ایک مرتبہ آپ سے غالب کے ایک شاگرد کی مثنوی کا ذکر کیا تھا وہ مثنوی تو پھر مجھ کو [illegible] شاگردِ غالب کی ایک مطبوعہ مگر کمیاب کتاب حلوائے بے دود مل گئی جس سے آپ کو ایک مختصر مضمون کا مواد [illegible] اس کو دیکھیے اور جی چاہے تو اس پر ایک مضمون لکھ ڈالیے۔

مقدمے کی تاریخ تو کبھی کبھی مقرر ہو جاتی ہے۔ مگر پیشی کی نوبت نہیں آتی۔

خیر اندیش

سید مسعود حسن رضوی

جوشؔ ملیح آبادی

بنام سید سجاد ظہیر

طاہر پیلس، شنکر سیٹھ روڈ
پونا (۲)، ۲۸ اپریل ۴۶ء

عزیزی بنّے۔ حامل رقعہ[1] حضرت نادم صاحب سیتاپوری کے تعلقات آپ کے خاندان سے بہت دیرینہ ہیں۔
نادم صاحب ——— ؎

شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

کی قسم کے انسان ہیں۔ جو نہایت اچھے ادیب و شاعر ہیں۔ لیکن جنہیں خود داری ابھرنے نہیں دیتی۔ آپ کو زیادہ لکھنا آپ کے خلوص سے بدگمانی رکھنے کے برابر ہے مختصر یہ کہ جہاں تک ہو سکے نادم صاحب کی امداد کیجئے جس کے واسطے میں ہرگز شکر گزار نہیں ہوں گا۔ اس لئے کہ یہ امر آپ کے فرائض میں داخل ہے۔

مناسب ہو تو آپ عزیزی خواجہ احمد عباس سے بھی ملیئے۔ انہیں میرا خط دکھائیے اور میری طرف سے کہئے کہ وہ نادم صاحب کا ہر صورت سے ہاتھ بٹائیں جس کے واسطے میں ان کا بھی ہرگز شکر گزار نہیں ہوں گا کہ آپ کی طرح ان کا بھی یہی فرض ہے۔

جوشؔ

(۲)

بنام ڈاکٹر صفدر آہؔ سیتاپوری

اولڈ سیکرٹریٹ دہلی
۱۴ اکتوبر ۵۴ء ——— بھائی اس خیال میں اس قدر مدت گزر گئی کہ آپ کو فرصت نکال کر خطا لکھوں گا۔ مگر یہ دیکھ کر

---

[1] بمبئی کے زمانۂ قیام میں جوشؔ صاحب کو میری بہت ہی فکر رہتی تھی وہ چاہتے تھے کہ میں "اخبار نویسی" کے آنکھ پھوڑ کام سے چھٹکارا پا کر موٹر نشین سیٹھ بن جاؤں۔ فلمی دنیا میں شاعروں اور ادیبوں کی کھپت کی کھیپ پہنچ رہی تھی۔ جوشؔ صاحب چاہتے تھے کہ میں بھی کسی فلم کمپنی میں گیت نگار یا مکالمہ نویس بن کر دولت مند ہو جاؤں۔ اسی خلوص میں انہوں نے یہ خط مجھے بھیجا تھا کہ میں سجاد ظہیر اور خواجہ احمد عباس کے ذریعہ سے فلمی دنیا میں پہنچ جاؤں ——— لیکن میں جوشؔ صاحب کے اس خلوص کی قدر نہ کر سکا اور "حامل رقعہ" بن کر سجاد ظہیر سے کبھی نہ مل سکا نہ یہ خط انہیں بھجوایا۔ "بنّے" سجاد ظہیر کا عرف ہے۔

نادم سیتاپوری

کہ فرصت نکل نہیں رہی ہے۔ یہ خط گھبرا کر لکھ رہا ہوں کہ کہیں آپ کو جواب نہ دینے کی شکایت نہ پیدا ہو جائے۔ آپ کی نظم کے مطالعہ کا ابھی تک وقت نہیں مل سکا ہے۔ لیکن جانتا ہوں کہ "آہ" کی نظم کیسی ہوگی! یہ خط نہیں آپ کی نظم کی محض رسید ہے۔ اس لئے بھائی بُرا نہ مانیے گا کہ میں آپ کو اس طرح بصد ہزار عجلت خط لکھ رہا ہوں۔

دو چار روز میں وقت نکال کر آپ کو لکھوں گا۔

بچے کو دعا اور اپنے کو پیار۔

آپ کا شیدائی

جوش مرحوم

لفافہ کا پتہ انگریزی میں ہے۔ حضرت آہ[1]۔ ۱۲۸۔ ڈاکیشور روڈ بمبئی (۶)

مُہر ڈاک خانہ دہلی 54-10-14 مُہر بمبئی 54-OCT-15

(۲)

بنام نادم سیتاپوری

قیصر باغ لکھنؤ۔

۷ راگست ۱۹۶۴ء

بندہ نواز۔ کل رات کو دہلی جا رہا ہوں۔ نمبر ۵، سری رام روڈ پر قیام کروں گا اور ۱۶ راگست کی رات کو پاکستان روانہ ہو جاؤں گا۔

اپنے باغوں کے سلسلے میں یہاں آنا ہوا تھا۔ موسم کی شدت سے دل بجھا ہوا ہے کس سے ملوں اور کس کو اطلاع دوں کہ

جی ٹھکانے ہو تو سوجھے کہیں آنا جانا

خیال ہے کہ جاڑوں میں آؤں گا اور آپ کے پاس پہنچوں گا۔

افسوس کہ آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اس وقت اس قدر شدید حبس ہے کہ بجلی کا پنکھا بھی کام نہیں دے رہا ہے۔

اور اعصاب کا یہ عالم ہے کہ حروف میں ۔ ۔ ۔ پیدا ہو رہی ہیں۔

لفافہ کا پتہ[2] حضرۃ نادم ملاحظہ فرمائیں

نیاز مند

جوش ملیح آبادی

---

[1] ڈاکٹر صفدر آہ سیتاپوری۔ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اور مؤلف! "فلسفۂ میر" اور "ہندوستانی ڈراما" ان کی مقبول تصانیف سمجھی جاتی ہیں۔

[2] جوش صاحب نے یہ لفافہ سیتاپور دستی بھیجا تھا۔ نادم سیتاپوری

غلام رسول مہر

مسلم ٹاؤن لاہور
۹ راپریل ۱۹۶۳ء

باسمہٖ سبحانہٗ

مکرمی۔ یاد فرمائی کے لئے تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

بعض وقت اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انسانی خواہش عجیب طریقے پر پوری کر دیتا ہے۔

پچھلے ایک دو مہینے میں آپ کے دو تین لفافے نظر سے گزرے اور دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ آپ کا پتا معلوم ہو جائے تو عریضۂ نیاز آپ کی خدمت میں بھیجوں۔ میں نے دو تین دوستوں سے ذکر کیا۔ مگر کوئی بھی آپ کا پتا نہ بتا سکا۔ یہی کہتے رہے کہ کسی رسالے کی معرفت عریضہ بھیج دو۔

دیکھیئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں لطف و نوازش کا جذبہ اُبھار دیا اور یوں ارتباط کی وہ صورت پیدا ہو گئی جس کے لئے میں دو مہینے سے مضطرب تھا۔

میں نے "سرگذشت غالب" نہیں دیکھی اور نہ اس کے فاضل مصنف سے روشناس ہوں بلکہ اس کتاب کا نام بھی پہلی مرتبہ سنا۔ اب انشاء اللہ کتاب منگوا کر دیکھوں گا۔ ایم فرمان علی صاحب عموماً درسی کتابیں ہی شائع کرتے ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

ابھی میں نے مولانا عبدالحکیم صاحب نشتر سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آغا صاحب روزی کسی ہائی اسکول میں ماسٹر ہیں، اور وہ ایم فرمان علی صاحب کے لئے کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ لطفاً۔ سید نذر حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔

نیاز مند
مہر

فراق

۸ ہسٹنگز روڈ۔ الٰہ آباد ——— مکرمی تسلیم ——— یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ خرابیٔ صحت کے عالم میں جو کچھ کبھی کبھی

لہ میرے عزیز ترین دوست اور کراچی کے میزبان! ——— نادم سیتاپوری

اظہار خیال کر دیتا ہوں، اُسے غنیمت جانیئے۔ کسی کی فرمائش سے میں کچھ نہیں لکھ پاتا۔ اردو شاعری کہاں سے کہاں پہونچ چکی ہے حضرت وسیمؔ تو کیا خود ریاضؔ خیرآبادی اب اوراق پارینہ ہو چکے ہیں۔ میرے پاس تو دو تین اشعار بھی حضرت وسیمؔ کے نہ ہیں نہ کبھی تھے۔ مشکل سے انہوں نے میری ایک یا ڈیڑھ غزلیں دیکھی تھیں اور کوئی خاص اصلاح نہیں دے سکے تھے۔ یوں احتراماً میں ان کو اپنا استاد تسلیم کرتا ہوں۔ کبھی الہ آباد تشریف لائیے تو ضرور ملیئے۔

اُمید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

فراق

آل احمد سرورؔ

از علی گڑھ۔ ۹ مئی سنہ ۶۰ء

محبی تسلیم

آپ کا خط ملا۔ ۲۵ اپریل کو جو ہنگامہ ہوا اس میں یونین ہال کے اندر میرے سر میں ایک اینٹ لگی۔ اس کے بعد جب وہاں پتھراؤ ناقابل برداشت ہوگیا تو میں نے وہاں سے کچھ لوگوں کے ساتھ ایس ایس ہال کے ڈائننگ ہال میں پناہ لی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہاں سے نکلا تو کچھ لڑکوں نے مجھ پر حملہ کیا اور ڈنڈوں اور اینٹوں سے تواضع کی جس کی وجہ سے سر اور شانہ میں چوٹیں آئیں اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ مگر ابھی ڈاکٹروں نے اور آرام کا مشورہ دیا ہے آپ نے جس محبت ہمدردی اور دلسوزی کا خط لکھا ہے۔ اس سے بڑی تقویت ہوتی۔ علاوہ جسمانی چوٹوں کے طلباء کی اس دیوانگی کا اعصاب پر بھی گہرا اثر ہے۔ اُمید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

مخلص

آل احمد سرورؔ

عرشیؔ رامپوری

رامپور رضا لائبریری رامپور

۸ ستمبر سنہ ۶۴ء

مکرمی! الحمد للہ کہ آپ کے صاحب کو رب العزت نے صحت عطا فرما دی۔ دعا ہے کہ وہ آپ کو اور آپ کے متعلقین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

انتخاب سے مراد انتخاب غالبؔ کا وہ نسخہ جو سنہ ۱۹۴۲ء میں رامپور سے شائع کیا گیا تھا جو نواب کلب علی خان کی فرمائش پر انہوں نے کیا تھا۔ اور فارسی و اردو دونوں قسم کے اشعار پر مشتمل تھا۔ نسخۂ عرشی کے دیباچہ (ص ۲۵) میں اس کا مختصر ذکر کر دیا گیا ہے۔ آپ نے جس مجموعۂ انتخاب کا ذکر فرمایا ہے وہ غالباً وہی ہے جو نگارستان سخن کے نام سے چھپا تھا۔ ہمارے یہاں اس کا

نسخہ موجود ہے۔ بعض اور اصحاب کے پاس بھی ہے۔ یاد نہیں کس پرچے میں، لیکن اس پر ایک مقالہ بھی شائع ہوا تھا۔
میں نے اس کا مقابلہ متداول دیوان سے کیا تھا۔ اس میں کچھ تھوڑی سی ترمیم بھی ہوئی ہے۔ آپ مقابلہ فرمائیں گے تو یہ بات صاف ہو جائے گی۔ میں نے اپنے نسخہ میں اسے یوں شامل نہیں کیا کہ یہ نسخہ اس نسخہ کا چربہ ہے۔ والسلام

مخلص - عرشی

اکبر آداب عرض کرتا ہے۔

پروفیسر احتشام حسین

بنام سید محمد حیدر اسعد

بارہ دو خانہ لکھنؤ
۲- جنوری ۱۹۶۲ء

محترمی۔ صحت کے ٹھیک نہ رہنے کی وجہ سے اب تک ریویو نہ لکھ سکا اس وقت جو لکھنے بیٹھا تو لفافہ نہ تھا مجبوراً اسی پر لکھتا ہوں۔

نیاز مند

احتشام حسین

" جدید اردو ادب کی پیدائش جن حالات اور جن تقاضوں کا نتیجہ ہے ان کا تعلق جدت طرازی یا صرف نئی بات کہنے سے نہیں ہے بلکہ وہ اس نئے انسان کے دل و دماغ کا نتیجہ ہے جو قدیم راستوں سے اپنے لئے پوری آسودگی کا حقدار نہیں۔ ہمارے نئے شاعر نئے راستوں پر اس لئے نہیں چل رہے ہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے بلکہ اس لئے نیا انداز بیان۔ نیا تصور حیات۔ اور نیا طریقہ اظہار اختیار کیا ہے کہ موجودہ نسل ہر چیز اور ہر واقعہ کو عقل اور جذبات کی آمیزش کی روشنی میں چاہتی ہے اور چونکہ وہ نئی نسل کے سامنے اپنا کلام پیش کر رہے ہیں اس لئے انہیں بھی اپنا لہجہ بدلنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔
زائر سیتاپوری صاحب کا نیا مرثیہ :

دنیا کو راہنما کی تلاش ہے۔

میرے سامنے ہے اور میں اس میں اس احساس کی وہی بات اور خیالات کی وہی جدت پاتا ہوں جو مرثیہ میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ زائر صاحب نے اپنے پیش لفظ میں انکسار سے فرمایا ہے کہ " انہیں اپنی ژولیدہ بیانی کا احساس اور اعتراف ہے "۔ لیکن اگر ژولیدہ بیانی سے وہ بیان مراد ہے جو دل کی بات کو واضح طور پر پیش نہ کر سکے تو میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی ہے۔ مرثیہ کا انداز بیان بہت ہی صاف اور پُر درد ہے۔
واقعۂ کربلا کا یہ نیا تجربہ شاید مرثیت کے اصول پر پورا نہ اترے لیکن سبق آموزی اور جذبات کی صالح برانگیختگی کے لئے مرثیہ پڑھنے والے اسے ضرور مفید پائیں گے۔

احتشام حسین

نوٹ :۔ ترقی پسندی کے جدید رجحانات نے مرثیہ نگاری کے قدیم اسلوب میں ایک "نیا پن" پیدا کیا۔ "جدید مرثیہ" میں روایات کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی۔ آل احمد رضا۔ نادیہ سیتاپوری۔ ڈاکٹر صفدر حسین اور اکبر آفندی کا شمار "نئے مرثیہ" کے پیش روؤں میں کیا جاتا ہے۔

پروفیسر احتشام حسین کا یہ کارڈ سید محمد حیدر، سابق ایڈیٹر "نیا پرچم" بمبئی کے نام ہے۔

نادم سیتاپوری۔

سبط حسن

بنام نادم سیتاپوری

۸۸۲ - این سمن آباد۔ لاہور۔

۱۸ رجون سنہ ۶۲ء

برادرم نادم صاحب، سلام شوق۔

آپ نے مجھے یاد کیا ——— اور مجھے اب سے بیس برس پرانی صحبتیں یاد آگئیں۔ جی ہاں! میں وہی "نیا ادب" والا سبطِ حسن ہوں۔ مگر! میاں — اب وہ جوانی کے دن کہاں سے لاؤں؟ حافظے پر لاکھ زور دیتا ہوں لیکن آپ کا سراپا ذہن میں دھندلا سا بنتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ آپ نے اپنا پورا نام نہیں لکھا ورنہ شناخت اتنی مشکل نہ ہوتی۔ شاید آپ کو یاد ہو گا کہ مجاز میرے لئے "اسرار" رہا اور منٹو کو میں "سعادت حسن" ہی کہتا رہا۔ مجھ سے یہ دم چھلّے برداشت نہیں ہوتے۔ ذرا تفصیل سے لکھیے آپ ان دنوں کیا کرتے ہیں؟۔

میں نے سنا ہے کہ سیتاپور کی لائبریری میں "اندر سبھا" کا ایک نسخہ ہے جس کے حاشیوں پر نواب واجد علی شاہ نے اپنے قلم سے چند ہدایتیں اداکاروں کے لئے لکھی تھیں۔ موقع ملے تو دیکھیے گا۔ لکھنؤ جائیں تو میرے تفصیلی حالات آپ کو فرنگی محل سے رضا انصاری سے مل جائیں گے۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

نیازمند

سبط حسن

ڈاکٹر حکم چند نیر

D. 53/92 LUXA ROAD

VARANASI

نادیہ محترم قبلہ نادم سیتاپوری صاحب۔ زاد لطفہٗ۔ ——— DATE. 11/9/1962

تسلیم! مجھے آپ کی زیارت کا شرف تو حاصل نہیں ہو سکا، لیکن آپ کے نظر افروز تحقیقی و تنقیدی مقالات سے آپ کی ذات والا صفات سے متعارف ہوں۔ آپ کے تحقیقی مقالات۔ آپ کی دیانت، خلوص اور دیدہ ریزی کی بدولت اردو ادب میں ایک مستحسن اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو ادب میں کچھ دنوں تک تنقید کو تحقیق کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کے بغیر تنقید محض ہوا میں لاٹھیاں چلانے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ تحقیق تنقید کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے اسی لئے ایک اچھا محقق بھی ایک اچھا نقاد بن سکتا ہے۔ جو لوگ تحقیقی تصرف سے محروم ہیں، اچھے نقاد نہیں بن سکتے۔

آپ کی ذات میں بفضلہ یہ دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس لئے آپ کے مقالات ادبی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

میں سرور جہاں آبادی مرحوم پر تحقیقی کام کر رہا ہوں۔ سرور مرحوم کا تمام کلام ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۰ء تک کے دور میں شائع ہونے والے رسائل اور اخبارات میں بکھرا پڑا ہے۔ میں اس کلام کو تاریخی ترتیب سے مرتب کرنا چاہتا ہوں۔

یکم ستمبر ۱۹۶۱ء کے "ہماری زبان" (علی گڑھ) میں آپ کا ایک مضمون "شمس بنگالہ" کے بارے میں شائع ہوا ہے۔ نظموں کی فہرست کے سلسلے میں سرور مرحوم کی نظموں کا بھی ذکر آپ نے فرمایا ہے۔ "شمس بنگالہ" میں سرور مرحوم کی کونسی نظمیں شائع ہوئی ہیں؟ ان کے عنوانات کیا کیا ہیں؟ اور کس کس شمارے میں شائع ہوئی ہیں؟ میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں میری اعانت فرمائیں گے۔

میرٹھ کے "ودیا درپن پریس" سے ایک ہفتہ وار اخبار "انیس ہند" کے نام سے ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک شائع ہوتا رہا۔ مجھے اسی اخبار کے فائل کی تلاش ہے۔ سرور مرحوم کا ابتدائی کلام سب سے پہلے اس اخبار میں شائع ہوا اور "نالۂ خونچکاں"، "نشتر ماتم" وغیرہ نظمیں ۱۸۹۶ء کے پرچوں میں شائع ہوئی ہیں۔ بعد میں یہ نظمیں علیحدہ کتابوں میں شائع ہوئی تھیں۔ دو کتابچے مجھے ملے ہیں۔ انہیں کتابچوں میں سرور مرحوم کے اور کتابچوں کے اشتہار بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان اشتہاروں میں ایک اشتہار دو ناولوں کے بارے میں بھی شائع ہوا ہے۔ ایک ناول "وصال" اور دوسرا ناول "ہنگامۂ محشر" کے نام سے تھا۔ سرور کو شاعر کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ناول نگاری بھی کی۔ علاوہ ازیں ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۰ء تک سرور مرحوم اخبار "انیس ہند" میرٹھ کے مدیر رہے۔ اگر اخبار انیس ہند کا فائل کہیں سے دستیاب ہو جائے تو تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ میں اس سلسلے میں ابھی تک ناکام رہا ہوں۔ آپ کے اکثر مضامین اخبارات و رسائل کے بارے میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انیسویں صدی کے صحافتی ادب پر آپ کی نظر بہت گہری ہے اور آپ کو مختلف کتب خانوں میں اخبارات و رسائل کے فائل حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں "اخبار انیس ہند" کا کوئی فائل ملا ہو تو بندہ کو مطلع فرما کر نوازیں گے۔ میں از حد ممنون و متشکر ہوں گا۔!

اس ضمن میں بندہ کو ایسے کتب خانوں کے بارے میں اطلاع دیں، جہاں اخبارات و رسائل کے فائل محفوظ ہوں تاکہ میں وہاں پہنچ کر تلاش کر سکوں۔ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی میرے لیے خضر راہ کا کام دے گی۔

آپ کی مستقل تصانیف میں سے صرف ایک مولوی اکرام علیؒ اور فورٹ ولیم کالج " کو دیکھنے کا کہیں موقع ملا تھا۔ اتفاق سے پبلشر کا پتہ گم ہو گیا۔ آپ اپنی تصانیف کی مکمل فہرست درج فرمائیں گے تاکہ میں ان کو حاصل کر سکوں۔ میں چاہتا ہوں کہ " بنارس ہندو یونیورسٹی لائبریری " کے لئے آپ کی تصانیف منگاؤں۔ بنارس ہندو یونیورسٹی لائبریری میں اردو و فارسی کی عمدہ عمدہ کتابیں ہیں، لیکن مولوی مہیش پرشاد کی وفات کے بعد سے ناگفتہ بہ حالت میں پڑی تھیں۔ دو سال تک متواتر ارباب حل و عقد کے ساتھ لڑنے جھگڑنے کے بعد اور میمل سکشن کے لئے دو کلرکوں کی تقرری کرائی ہے۔ اب تمام کتابوں اور مخطوطات کو درست کیا جا رہا ہے اور نئی فہرستیں تیار ہو رہی ہیں۔ میں مخطوطات کی ایک فہرست تیار کرا رہا ہوں۔ دیکھئے کب شائع ہوتی ہے؟ اشاعت پر ارسال خدمت کر دوں گا۔ لائبریری کچھ سنور جائے تو جناب کو زحمت دوں گا، بنارس تشریف لائیے گا۔ یہاں آپ کو عمدہ عمدہ کتابیں دیکھنے کو ملیں گی۔ آپ کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ خط " ہماری زبان " (علی گڑھ) کی معرفت ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

میرے لائق کوئی خدمت؟ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

خاک نشین

حکم چند نیر!

نوٹ:۔ ڈاکٹر حکم چند نیر، صدر شعبہ اردو و فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی، جنہوں نے حال ہی میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے اردو میں " سرور جہاں آبادی " پر اپنا مقالہ پیش کر کے P.H.D کیا ہے۔ ڈاکٹر نیر پہلے شخص ہیں جن کو بنارس ہندو یونیورسٹی میں اردو مقالہ پیش کرنے کا فخر حاصل ہے۔ نادم سیتاپوری

ل میری ایک تحقیقی کاوش جسے یوپی گورنمنٹ نے انعام کا مستحق قرار دیا تھا۔ نادم سیتاپوری

بنام گوپی چند نارنگ

ذکاء اللہ روڈ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

محترمی۔ تسلیم۔

سالِ نو کی تہنیت موصول ہوئی۔ کتنا خوب صورت کارڈ اور کتنی اچھی باتیں جو آپ نے اس پر میرے لئے تحریر فرمائی ہیں! اچھے شخص سے اچھی باتیں سننا یوں بھی خوش طالعی ہے چہ جائیکہ وہ باتیں خود اپنے لئے ہوں! بہت بہت شکریہ اور دعائیں۔

موسم یہاں کا بھی خوب ہے۔ کہاں کا نہیں ہوتا؟ اپنے اپنے رنگ میں۔ پھر عشق کی طرح حسن و صداقت کسی کی ذات نہیں! آپ نے زیرِ ترتیب ریڈروں کے لئے میرے مضامین نے شیخ نیازی اور چارپائی کا انتخاب کیا ہے۔ پہلا ٹھیک ہے۔ دوسرا طلباء کے لئے موزوں نہیں۔ دھوبی بہتر ہوگا۔ معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرا ہے یا نہیں نہ گذرا ہو تو فی الفور ہوائی ڈاک سے بھیج دوں۔ چارپائی میں کہیں کہیں بے جھجک ہونے کی مثال ملتی ہے جس کی مضامین رشید کی حالیہ اشاعت میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ اس کے باوجود اس کے حق میں نہیں ہوں۔ دھوبی عالم گیر دلچسپی کا موضوع ہے لیکن اگر آپ کا اصرار چارپائی ہی میں ہے تو مطلع فرمائیے تاکہ اصلاح شدہ کاپی آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں۔ دعا ہے کہ آپ خوش ہوں اور اپنی گراں قدر خدمات سے وہاں کے اہلِ دانش میں وطن کا نام نیک چھوڑ کر مع الخیر واپس آئیں۔

مخلص،

رشید احمد صدیقی

(۲)

ذکاء اللہ روڈ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۱۳ مارچ سنہ ۶۳ء

مجّبی۔ سلام شوق۔ والا نامہ مورخہ ۵ ابھی ابھی صادر ہوا۔ آپ نے میرے خطاب پانے پر جس لطف و محبت سے تہنیت دی ہے۔ اس کا دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ نے بہت یاد رکھا اور ایک اجنبی دور دراز دیار میں بھی اس وضعداری کو نباہا جو کبھی شریفوں کا شیوہ تھا! خطاب پانے کی اب میرے لئے اتنی اہمیت رہ گئی ہے کہ دوستوں اور عزیزوں کو اس

سے خوشی حاصل ہوئی۔ یہ بھی کچھ کم نعمت نہیں ہے۔ یوں حکومت کا احسان تو سر آنکھوں پر ہے ہی۔ آپ کی خیریت اور علمی خدمات کی خبر کسی نہ کسی وسیلے سے اکثر معلوم ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی آپ کے لکھے ہوئے مضامین بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں اور جی خوش ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو صرف اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اردو کی ترقی میں آپ حصہ لے رہے ہیں۔ میں اردو کو ایک قدر اعلیٰ سمجھتا ہوں اور جس کسی کو اس کا عملاً شیدائی پاتا ہوں اس کے ذوق و ظرف سے مطمئن ہو جاتا ہوں بلکہ اس پر فخر کرتا ہوں کہ اس میں اردو کی اعلیٰ صفات پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کا ملکہ بھی ہے اور حوصلہ بھی — وہاں ہے کہ اپنے ملک کے جو نوجوان باہر جائیں وہاں اپنی ذہنی و اخلاقی بلندیوں سے ان لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیں جن کا شمار علم و فضل کے اکابر میں ہوتا ہے۔ ولایتیوں سے متاثر ہونا یا متاثر کرنا نوجوانوں کا کوئی ایسا کارنامہ نہیں ہے جس پر کم سے کم میں فخر کرسکوں۔ ایسا تو شاید وحشی قبائل کے افراد بھی کر لیتے ہوں۔ بات تو جب ہے کہ مغرب کے اکابر علم و فن ہمارے نوجوانوں سے متاثر اور ان کے ثناخواں ہوں۔ آپ نے وہاں کی سردی کی شکایت کی ہے، جہاں استادوں کی اتنی عزت کی جاتی ہو وہاں کی سردی کی شدت گوارا کرنی چاہیے۔ جس کو انگریزی میں کہتے ہیں NOT A BAD BARGAIN آپ نے جو پتہ خط کے باہر لکھا ہے وہ مخلص رشید احمد صدیقی مہربانی کی بدخطی سے اس قابل نہیں رہا کہ یقین کے ساتھ کہا جاسکے کہ جو پڑھا گیا وہ صحیح بھی ہے۔ اندازے سے کام لیتا ہوں۔

مخلص،

رشید احمد صدیقی

(۴)

برلن۔ ۸ جون ۱۹۶۲ء

مکرم بندہ!

بہت دن کے بعد اب کے آپ نے یاد کیا۔ مجھے اطمینان ہے کہ ذکر غالب کا کام خوش اسلوبی سے ہو رہا ہوگا۔ اگرچہ تاباں صاحب نے پہلے لکھا تھا کہ کتاب مئی میں شائع ہو جائے گی، لیکن آپ کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ کام جولائی سے پہلے مکمل نہیں ہو سکتا، بہرحال مجھے کوئی عجلت نہیں۔ کام ٹھیک سے ہونا چاہیے، دیر سویر سے کیا فرق پڑ سکتا ہے اور جولائی بھی کونسا دور ہے! مجھے یقین ہے کہ آپ نے فہرست مضامین اور اشاریے پر نظر ثانی کر کے صفحات کے نشان درست کر دئے ہوں گے۔
میرے اضافی مواد میں جو کچھ بآسانی داخل متن ہو سکے، وہ شامل کر لیجیے، بقیہ چھوڑ دیجیے۔ ان شاء اللہ ایک مفصل مضمون قلمبند کر دوں گا۔ میں چاہتا تھا کہ اب کے کتاب ایسی مکمل چھپے کہ آئندہ اس میں رد و بدل کی ضرورت نہ رہے۔ لیکن لسانؔ کیا، اور اس کے ارادے کیا؟ ابھی اس کا چھپا پا بھی ختم نہیں ہوا اور نیا مواد مہیا ہو گیا ہے۔ پھر نیا ایڈیشن خدا معلوم کب شائع ہو۔

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اس سلسلے میں آپ نے بہت زحمت اٹھائی۔ شکریہ ادا کرتا ہوں —— کیا بیل (BE ILE) کی کتا…

A ORIENAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY آپ کے وہاں کتاب خانے میں ہے۔ اس کا جواب یاد سے دیکھئے گا۔

آزاد صاحب کا خط مجھے بھی موصول ہوا تھا، جس میں انہوں نے اپنے سفرِ یورپ کی خوش خبری لکھی تھی، وجہ بھی معلوم ہوئی، اگرچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ شادی کا تعلق انگلستان سے کیا ہے۔ والسلام والاکرام۔

خاکسار

مالک رام

(۴)

برسلز

۰ رمئی ۱۹۶۲ء

کرمفرمائے من! ۲۴،۴ کے گرامی نامے کا شکریہ۔

یہی دنیا کا دستور ہے کہ کرتا کوئی ہے، بھرتا کوئی ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اپنی سی کئے جائیے، خدا اس میں برکت دے گا اور فی نفسہٖ کام کرنے میں جو لذت ہے، اس سے آپ کو کامیابی میں دوہرا مزا آئے گا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کے وہاں سال بھر رہنے کے امکانات ہیں۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ میری ملازمت ختم ہونے کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ قاعدے کے مطابق مجھے ۱۹۶۵ کے مارچ میں سبک دوش ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد اگر موقع ملا تو امریکہ کا ایک چکر لگانے کا ارادہ ہے۔ خدا کرے، یہ پورا ہو جائے اور مبارک بھی ثابت ہو۔ ورنہ یوں تو اس ۲۵ سالہ ہرزہ گردی سے واقعی تنگ آگیا ہوں لکھنے پڑھنے کے کئی ولولے اس ملازمت کی نذر ہو گئے۔

بیوی ابھی تک بیمار ہے۔ علاج جاری ہے۔ سکون اور اطمینان کی بات صرف اتنی ہے کہ وہ روبہ اصلاح ہے۔ پوری صحت بحال ہونے کے لئے بہت مدت درکار ہوگی۔

ذکرِ غالب کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ مکتبہ والوں یعنی تاباں صاحب کی شکایت یہ ہے کہ پہلے تو کاتب نے اس کا ستیاناس کیا۔ پھر آپ کی طرف سے کاپیاں اتنی دیر سے واپس آئیں کہ وہ خراب ہو گئیں۔ چنانچہ جو پروف میرے پاس آئے تھے۔ اب کیا عرض کروں کہ ان کا حلیہ کیسا تھا۔ سطروں کی سطریں اڑ گئی ہیں۔ آپ نے جو تصحیح کی ہے۔ کاتب نے اسے متن میں درست کرنے کی جگہ حاشیے پر لکھ دیا ہے۔ آپ نے کسی جگہ لکھا ہے: یہ عبارت فلاں صفحے پر جائے۔ کاتب نے بعینہٖ یہی الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ حاشیے میں کسی جگہ آدھی عبارت لکھی ہے اور آخر میں ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر) اور اگلے صفحے پر بقیہ لکھا ہی نہیں۔ ایک بات ہو تو لکھوں، ایں خانہ تمام آفتاب است۔ قصہ کوتاہ میں نے تاباں صاحب کو لکھا کہ میں کتاب کے موجودہ شکل میں چھاپنے کے سخت مخالف ہوں اسے دوبارہ لکھوایا جائے وہ اس پر تیار ہو گئے ہیں۔ تاخیر تو ہو گی ہی۔ لیکن اس سے مفر بھی نہیں۔

ارجن کا ایک خط ملا تھا کہ میں عنقریب لنڈن جا رہا ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو، تو ساتھ لیتا آؤں۔ میں اپنی مصروفیتوں

میں اس کا جواب نہ دے سکا۔ اب تو وہ واپس بھی پہنچ چکا ہوگا۔ دو ایک دن میں اسے شکریہ کا خط لکھوں گا۔
میری واپسی کا ڈول بن رہا ہے۔ اگست میں یہاں آئے ہوئے تین برس ہو جائیں گے۔ غالباً ستمبر، اکتوبر میں روانگی ہو۔ اصلی تشویش بیوی کی صحت سے متعلق ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ خدا کرے آپ کو نیا ماحول راس آئے اور آپ کی تمام نیک تمنائیں بر آئیں۔ آمین۔ والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۵)

سیٹھیہ سادھن ماٹنگا بمبئی - ۱۹

۱۳ر فروری ۱۹۶۶ء

محترم ڈاکٹر صاحب، تسلیمات!

آپ کے نقد و نظر کے علاوہ آپ کے خطوں نے ہمیشہ مجھے تقویت دی۔ آپ کے تہنیت نامے کے لئے میں بہت ممنون ہوں۔ اس انعام کو میں اتنی ہی اہمیت دیتا ہوں جتنی کہ کوئی بدن پر ایکا ایکی کسی شے کے ابھر آنے کو دیتا ہے۔ البتہ جب میرے ساتھی آنکھیں پھیلا کر میری طرف دیکھتے ہیں تو مجھے ان پہ اور اپنے آپ پر رحم آنے لگتا ہے۔

میں ۱۹ر فروری کو دلی پہنچ رہا ہوں۔ ایوارڈ وغیرہ کے ہفوات سے فارغ ہو کر میں آپ کے نیاز حاصل کروں گا۔ ہماری ملاقاتیں صیغۂ جمع غائب ہو کر رہ گئیں۔

خوشونت سنگھ نے ایک چادر میلی سی، کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ زبان خوب صورت تھی۔ لیکن وہ کتاب کی روح کو نہ پکڑ پائے۔ شاید اس لئے کہ رُوح لطیف چیز ہوتی ہے۔

Weekly "امن" کے ایڈیٹر غالباً اسے قسط وار شائع کر رہے ہیں۔ اپنے "دکھ مجھے دے دو" کی حیثیت بھی یہی ہے کیوں کہ وہ افسانہ ہے جو ایک شمارے میں آ سکتا ہے۔ آپ اسے ضرور ویکلی کے ایڈیٹر کو بھیجے گا۔

عنقریب آپ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوگی۔

نیازمند

راجندر سنگھ بیدی

(۶)

ارد و سٹے مطلہ شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی دہلی -

۱۸ر جون ۱۹۶۰ء

عزیزی!

آپ کا تار اور خط موصول ہوا۔ ممنون و مسرور فرمایا۔ اب بھی آپ کا نمبر پہلا ہی ہے۔ شکر ہے کہ آپ کی دعائیں مستجاب ہوئیں

اور عہدہ کامیابی ہوئی یہ خدائے کریم کی بخشش خاص ہے ورنہ .. .. ماہیچ۔ سچ یہ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید و بہانہ می جوید۔ مومن و غالب کے اس شہر میں اردو کی خدمت ایک سرمایہ سعادت ہے جو ہم تہی دستوں تک پہنچا ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی اہلیت دے۔ اگر ہم نے اردو کے کام کو بے غرض اور بے لوث ہو کر نیک کے ساتھ اور اسے خدا کا کام سمجھ کر انجام دیا تو مجھے یقین ہے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر میں ہم شوریدگانِ دہلی کا بھی حصہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں ایک نئی تہذیب کی اساس رکھی گئی ہے اور جو تجربہ یہاں ہو رہا ہے وہ ایشیا ہی میں نہیں بلکہ تاریخ عالم میں اہمیت رکھتا ہے۔ کامیابی کا انحصار صرف اس پر ہے کہ ہم مل جل کر کام کریں اور قدم ملا کر چلیں، اور ہمارے استاد جوان تجربہ گاہوں کے نگراں ہیں وہ علم کو میزانِ قدر میں سب سے بڑی اہمیت دیں، خود تہذیب اور شائستگی کا نمونہ ہوں اور تعلیمی کام کو سب سے بڑی عبادت سمجھیں۔

نیر میاں بفضلہ ایم ایس سی میں پاس ہو گئے۔ سیکنڈ ڈویژن آئی۔ "شمیم دوپہر" میں ریسرچ کے وظیفہ کے لئے دفتروں کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔

آپ کے اس سفر میں رام پور کو بھی نہ ٹالیں۔ غالب نمبر کے لئے دو تین دن کے لئے آپ کا وہاں جانا اور لوہارو کے ذخیرہ کو دیکھنا بہت فائدہ مند ہوگا۔ بلکہ ضروری ہے۔ دہلی بھی ایسے آجائیے کہ آپ داخلہ کے کام میں مدد دے سکیں۔

آپ کی تہنیت کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھائی، عزیز اور شاگرد سب ہی کے حصے کی خوشی ہوئی ہوگی۔ آپ کی تہنیت ایک "تحفہ" ہے۔ اس لئے بقول انگریزوں کے بغیر چھان بین کے اسے قبول کرتا ہوں لیکن مجھے سب سے زیادہ خوشی اس کی ہے کہ مل کر کام کرنے کے مواقع ملے اس لئے کہ عہدہ نقد صالح کی نظر میں خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

بیا کہ روے بہ محراب کاوِ نور نہیم ! بنائے کعبۂ دیگر ز سنگِ طور نہیم

یہاں بچے تسلیم اور بیگم دعا لکھواتی ہیں۔

خواجہ احمد

(۷)

جموں اینڈ کشمیر یونیورسٹی جموں ڈویژن
۶ ستمبر ۶۶ء

بھائی نارنگ۔ تسلیم۔

آپ کا خط کل ملا۔ میں تو اس سے پہلے ہی آپ کو لکھنے کی سوچ رہا تھا۔

(۱) ساتھ میں ملفوف مضمون "نقوش" لاہور کے لئے ہے اس میں ایک چیٹھی بھی چسپاں ہے۔ آپ اس مضمون کو اپنے پاس سے ایک بڑا لفافے کر بند کر دیجئے اور اس پر پتہ لکھئے:۔

ایڈیٹر نقوش۔ ایبک روڈ۔ انارکلی لاہور (مغربی پاکستان)

اور اس پر ۲۵ پیسے کا ٹکٹ (جو میں نے لفافے میں رکھ دیا ہے) لگا دیجیے۔ یہ مضمون اور مشفق خواجہ کے نام کی چھوٹی ڈاک میں ڈال دیجیے۔

مضمون دیکھ لیجیے۔ آپ کا شعبہ اس مضمون سے برہم تو نہ ہوگا۔ طباعت تک اس کا ذکر اپنے شعبے میں نہ کیجیے۔

۲۔ دلی کبھی آنا ہوا تو آپ کے یہاں مضمون پڑھ دوں گا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کس بزم میں۔ خواجہ تو سرد مہری برتتے ہیں پھر آپ کیوں مجھے بلانے پر اصرار کریں۔

۳۔ آپ کا بھیجا ہوا رسالہ اردو کا ایک شمارہ ملا۔ مشفق نے لکھا تھا کہ دو شمارے بھیجے ہیں۔ پہلا کہیں گم ہو گیا ہوگا۔

۴۔ آپ کو ہمارے تین طلبہ کی کاپیاں مل گئی ہوں گی۔ آپ کا کون سا پرچہ تھا؟ غالباً دوسرا۔

کربل کتھا کے مضمون کے اندراجات یا انکشافات پر کیا خواجہ بُرا مانیں گے۔ ماننے ہیں تو مانا کریں۔ ویسے میں نے پہلو بچا کر لکھا ہے۔

آج اردو نامہ ملا۔ آپ کا مضمون پڑھا۔ اچھا ہے۔ شوکت سبزواری کو آپ نے خوب جواب دیا ہے۔ میرے سلسلے میں جو لکھا ہے وہ میں نے سرسری پڑھا ہے۔ کیونکہ بہت باریک مسائل ہیں اس لئے کبھی طبیعت حاضر ہوگی تب پڑھ کر سمجھوں گا۔ اب اس موضوع پر کچھ لکھوں گا نہیں، لسانیات سے جی بھر گیا۔ میری جو محدود معلومات تھیں اب ان میں اضافہ نہیں ہو رہا جس کے معنی رفتہ رفتہ اندوختہ ختم ہو جائے گا۔

آپ نے اٹھا (ماضی اور امر) میں بل کے زور پر معنی بدل جانے کا جو انکشاف کیا ہے۔ ایسی مثال میری نظر میں نہ تھی لیکن یہ STRESS کی جگہ INTONATION کے ذیل میں نہ آجائے۔ جس طرح

کیا تم آج دلی جاؤ گے

کے مختلف اجزا پر زور دینے سے یعنی جملے کا INTONATION بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اسی طرح اٹھا کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ تنہا 'اٹھا' کو ہم مختلف لہجوں میں بول کر مختلف مفہوم وضاحت سے ادا نہیں کر سکتے۔ بہرحال یہ لسانیات آپ کی چیز ہے آپ کی سیر دلی۔ آپ مانیں۔ شوکت سبزواری نے نذر عرشی کے لئے جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں کم بخت نے سنسکرت یا ہندی کے انوسوار اور چندر بندو میں بھی خلط ملط کر دیا ہے۔ سنسکرت کا یہ عالم نہیں جانتا کہ انوسوار کسے کہتے ہیں۔ میں تو کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔ کون بھڑ کے چھتے میں ڈھیلا مارے۔

ڈاک کی ترسیل میں آپ کو جو زحمت دے رہا ہوں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

مخلص گیان چند

(۸)

۲۶، مالویہ نگر۔ بھوپال

۴، اگست ۱۹۶۵ء ——— محبی نارنگ صاحب۔ تسلیم ——— معلوم نہیں آپ امریکہ سے نزول اجلال کر چکے ہیں

کہ نہیں اسی لئے یہ خط یونیورسٹی کے پتے پر لکھ رہا ہوں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اب آپ کے پاس وہی مکان ہے کہ بدل لیا ہے۔ آپ کو خبر ہوگئی ہوگی کہ آپ کو وکرم یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز میں لے لیا گیا ہے۔ دوسرے بیرونی ممبر احتشام حسین ہیں ۱۱ر اگست کو جلسہ ہوگا۔ احتشام صاحب نے آنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ آپ لکھئے کہ کب آ رہے ہیں؟ ایک دن اجین کی نذر ہو جائیگا ایک دن بھوپال کے لئے رکھئے ۱۲ اگست کو چھٹی ہے رکشا بندھن کا وہ دن بھوپال میں غریب خانے پر گزار دیجئے۔ ہم لوگ ۱۱ر اگست کی صبح بھوپال سے ساڑھے چھ بجے بلاسپور اندور ایکسپریس سے اجین کے لئے چلیں گے۔ آپ ۱۰ کی رات تک آجائیں تو بہت اچھا، ورنہ ۱۱ کی صبح کو SOUTHERN EXPRESS سے یا گرانڈ ٹرنک ایکسپریس سے آجائیے۔ آکر ویٹنگ روم میں انتظار کیجیے۔ میں سوا چھ بجے تک اسٹیشن آجاؤں گا۔ آپ کا سامان کسی کے ہاتھ گھر پر بھجوا دوں گا اور آپ کو اسٹیشن ہی سے اجین کے لئے لے چلیں گے SOUTHERN EXPRESS سے آنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ گرانڈ ٹرنک لیٹ ہو سکتی ہے۔ دیر ہو گئی تو ہم بعد میں کسی بس سے اجین جا سکتے ہیں۔ آپ محض بھوپال تک کا ٹکٹ لے کر آئیے۔ ویسٹرن ریلوے کی طرف سے نہ آئیے۔ اردو کے علاوہ عربی فارسی کے بورڈ کا اجلاس بھی ہوگا۔ اس میں ضیا بدایونی بیرونی ممبر ہیں۔ دلّی سے انہیں بھی ساتھ لے آئیے اجین سے شام کو واپس آجائیں گے اور آپ رات اور اگلا دن یعنی ۱۲ ر اگست بھوپال ہی میں گزاریئے۔ معلوم نہیں احتشام صاحب بھوپال ٹھہریں گے کہ نہیں۔

آپ کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ خادم کا جموّں میں پرویز کی جگہ پر انتخاب ہو گیا ہے۔ ۱۹ر جولائی کو انٹرویو کے لئے سری نگر میں بلایا تھا۔ اتنا وقت نہ تھا کہ بس سے جا کر پہنچ سکوں۔ میں نے یونیورسٹی کو تار دے دیا تھا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے میں نہیں آ سکتا درخواست کی بنا ہی پر فیصلہ کر لیجئے۔ ہوائی جہاز کی تلاش میں ۱۸ ر اگست کی صبح دلّی پہنچا۔ گاڑی ڈھائی گھنٹہ لیٹ ہو کر ۹ بج کر ۵ منٹ پر پہنچی سرور اور فاروقی بطور ماہر گئے تھے۔ میں نے .A .C کے دفتر میں پوچھا کہ کل تک کسی جہاز میں سری نگر کے لئے جگہ مل سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ۳۰ سے پہلے نہیں مل سکتی۔ ناچار میں ہاتھ کے ہاتھ بھوپال لوٹ آیا ساڑھے گیارہ بجے صبح کی جنتا سے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ آپ آگئے ہیں یا نہیں۔ اور آئے ہیں تو اسی مکان میں ہیں یا کہیں اور مجھے انٹرویو کے بغیر منتخب کر لیا گیا۔ معلوم نہیں ہو سکا، اور کون کون امیدوار تھے۔ لکچرر شپ کے لئے علی گڈھ کے ڈاکٹر منظر عباس زیدی اور جموّں کے کنول کرشن بانی کو لیا ہے۔ میں ان دونوں حضرات سے واقف نہیں۔ ریڈر کا تقرر میرے مشورے سے ہوگا۔ ابھی تک یونیورسٹی سے میرے تقرر کی خبر نہیں آئی۔ اس ماہ کے پہلے ہفتے میں کشمیر یونیورسٹی سنڈیکیٹ کا جلسہ ہوگا، اس میں تقرر کی توثیق کے بعد مجھے اطلاع کی جائے گی۔ میں یہاں ایک سال کی چھٹی کی کوشش کروں گا۔ اسی طرح اگست کے آخری ہفتے میں جموں پہنچوں گا کیا آپ بالی کو جانتے ہیں۔ اس کا پتا معلوم ہو تو لکھیے تاکہ کچھ جموّں کے بارے میں دریافت کر دوں۔ فاروقی صاحب سے پوچھئے شاید انہیں معلوم ہو۔ دوسری اگست کو ڈاک گاڑی کا ڈاک کا ڈبہ جل گیا، جس میں دلّی سے پہلی اگست کو چلنے والی ڈاک تلف ہوگئی۔ آپ نے پہلی کو مجھے کچھ لکھا ہو تو وہ نہ ملے گا۔ اب دوبارہ لکھئے۔ آپ سے امریکہ کی داستان سُننی ہے۔

مخلص:

گیان چند

(۹)

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ (یو۔پی)، انڈیا

۱۴ر

برادرم نارنگ صاحب ——— سلام محبت و شوق

میں گذشتہ چند ہفتوں سے بیوی کی علالت کی وجہ سے پریشان رہا۔ کئی ڈاکٹروں کا علاج چل رہا ہے۔ لیکن صحیح بات کا پتا کوئی نہیں بتاتا۔ بہرحال اب کچھ بہتر ہیں۔ یہ خط جو گذشتہ ماہ آپ کو لکھنے والا تھا اب لکھ رہا ہوں۔ امید ہے میری مجبوریوں کا خیال رکھتے ہوئے آپ درگزر فرمائیں گے۔

آپ کو پروفیسر منصور سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے وسکونسن یونیورسٹی کی وزٹنگ پروفیسرشپ سے استعفا دے دیا ہے۔ میں ابھی آپ کو لکھنا یہ چاہتا تھا کہ وزٹنگ پروفیسرشپ کو قبول نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے یا اس طرح کا کوئی فقرہ لیکن جو آج ان کا خط ملا اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "ہم نے بڑے افسوس اور صدمے کے ساتھ آپ کا استعفا قبول کیا۔ دیکھیے امریکی کس قدر حقیقت پسند ہوتے ہیں اور ان کا قلم حقیقت نگاری کے آداب سے کس قدر واقف ہوتا ہے۔ جب یونیورسٹی نے مجھے پروفیسرشپ تفویض کی اور میں نے قبول کر لی اور میں ان کی فیکلٹی کے اسٹاف پر آگیا (گذشتہ ماہ وسکونسن یونیورسٹی کے HOUSING BUREAU کا خط آیا تھا — کوئی صاحب C. F. ALLEN ہیں ACTING DIRECTOR — کہ ہمیں اس اطلاع سے مسرت ہوئی کہ اب ستمبر میں وسکونسن آرہے ہیں۔ رہائشی مکانات کے سلسلے میں کچھ اطلاعات بھیج رہا ہوں تاکہ آپ کو یہاں آکر زحمت نہ ہو) تو اب میرے اس عہدے کو قبول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اب تو میں وہاں پروفیسر ہوں گا۔ اس لئے استعفا کا لفظ موزوں ہے۔ اس لئے آپ کو یہی لفظ میں نے لکھا۔

پروفیسر منصور اور آپ کے آخری خط ملنے کے بعد ہم لوگوں نے غور کیا اور سکون اور عافیت کی راہ یہی نظر آئی کہ انہیں انکار لکھ دوں۔ اس لیے کہ آپ لوگوں کا مشورہ تھا کہ ابھی بیوی بچوں کے ساتھ نہ آؤں بلکہ ایک سال کے بعد انہیں بلاؤں (یہی مشورہ اور لوگوں نے بھی دیا تھا) میرے حالات ایسے نہ تھے کہ انہیں ایک سال کے لیے چھوڑ کر جاتا۔ اب سارے دوستوں کے مشورے کے خلاف میں نے عمل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دس ہزار ڈالر کی رقم ہمارے لئے دس مہینے یا ایک سال کے لیے کافی تھی۔ لیکن آمد و رفت کے اخراجات کے لیے وسکونسن یونیورسٹی کے پاس فی الحال کوئی فنڈ نہ تھا اور تنخواہ بارہ تیرہ ہزار کر دینا ظاہر ہے آسان نہ ہوگا۔ اس لیے کہ خود پروفیسر منصور کی تنخواہ بھی غالباً اس وقت بارہ تیرہ ہزار نہیں جیسا کہ ان کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے۔ بہرحال آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ میں نے بڑی مشکل سے کیا ہوگا۔ میں نے ایک بہت اچھا خط انہیں لکھا تھا اور انہوں نے جو کچھ میرے لیے کیا اور جو عزت افزائی کی اس کا میں نے بہت شکریہ ادا کیا اور میرے اس وقت امریکہ نہ آنے کے فیصلے سے جو زحمت انہیں ہوگی اس کے لیے معذرت کی ہے۔

خیال تھا کہ دوسرے دن آپ کو خط لکھوں گا لیکن بیوی علیل ہوگئیں اور میں سخت الجھنوں میں مبتلا ہوگیا۔ اب میں سوچتا

ہوں کہ اُس وقت لکھنے آپ کو بیٹھ بھی جاتا تو کیا لکھتا! جو باتیں لکھنا چاہتا تھا وہ دو چار سطروں میں کیوں کر ادا ہو تیں!! آپ نے جس شوق اور محبت سے مجھے امریکہ بلایا اور اس کے لیئے جو جتن کیے اس کا شکریہ کس طرح ادا کروں، اس وقت اس خط میں بھی صرف یہ لکھنا چاہتا ہوں، میرے نہ آنے کے فیصلہ سے آپ کو جو مایوسی ہوئی ہوگی اور جو کچھ تکلیف ہوتی ہوگی تو اس کے لئے بہت معذرت خواہ ہوں۔ لیکن آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے کہ احتیاط کی راہ وہی تھی جو میں نے اختیار کی۔

امریکہ آنے اور وہاں کے قیام میں دو فائدے ہو سکتے تھے۔ ایک مالی اور دوسرا علمی۔ مالی حالت یہ تھی کہ دو سال میں مجھے تقریباً ایک لاکھ روپے ملتے۔ جو میں یہاں دس سال میں کماتا اور یہ یقیناً بڑی رقم تھی جو وسکونسن یونیورسٹی نے مجھے پیش کی تھی لیکن دو سال کے قیام میں یہ ساری رقم خرچ ہو جاتی۔ یہ بھی کوئی بری بات نہ تھی۔ ۲۰۰۰۰ خرچ کر کے اگر ہم لوگ امریکہ دیکھ لیتے اور وہاں بھی زندگی کا کچھ تجربہ ہو جاتا تو میں سمجھتا چلو ٹھیک ہوا، لیکن خطرہ یہ تھا کہ یہ رقم کافی نہ ہوگی اور زحمت اٹھانی پڑے گی اور جس عافیت میں میں یہاں ہوں اس سے بھی محرومی ہوتی۔

دوسرا فائدہ علمی ہو سکتا تھا، لیکن یہ میں جانتا تھا کہ وہاں میرے مطلب کی کتاب یونیورسٹی میں کوئی نہیں ہے اور ہر ہفتہ شکاگو یا ہارورڈ جانا بھی آسان نہیں، پھر ڈیپارٹمنٹ سے کاموں کی جو تفصیلات آئیں اور آپ کے خط کی روشنی میں انہیں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ہفتہ کے پورے پانچ دن یونیورسٹی کے کاموں میں اس طرح صرف ہوں گے کہ مجھے اپنی ریسرچ کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں ملے گا، سنیچر اتوار آپ بتاتے ہیں کہ سوشل پارٹیوں میں گزارنا ضروری ہے اور میں چپ چاپ گوشہ نشین بن کر کام کرنا بھی چاہوں تو ممکن نہیں، یہاں تعلیمی لحاظ سے ٹیچر کے دو لڑکے تقریباً آخری منزل پر ہیں ان کا تو بیڑہ ہو جاتا۔ بے چارے یا تو دو سال میری واپسی کا انتظار کرتے یا معلوم نہیں ان کا انجام کیا ہوتا؛ دونوں طالب علم بہت اچھے ہیں اور مجھے بہت عزیز ہیں، اپنی موہوم خوشی کے لئے ان کا نقصان کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوا۔

منصور صاحب نے لکھا ہے کہ دو اسکالر کا اس کے لئے انٹرویو ہو گا اور ایک صاحب غالباً لیے جائیں گے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ "وہ بات نہیں پیدا ہوگی" ویسے بھی آپ کا نہ آنا میں اپنا بہت بڑا ذاتی نقصان سمجھتا ہوں۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ آئیں گے تو ہم لوگ مل کر بہت سے کام ایک ساتھ کریں گے۔ لکھیے گا یہ دونوں حضرات کون ہیں اور کن صاحب کا انتخاب ہوا؟۔

آپ نے اپنے متعلق بھی مطلع نہیں کیا کہ کیا فیصلہ ہوا؟ دہلی سے مجھے کوئی واضح اطلاع نہیں مل سکی۔ اگر رہنا ہوا تو آپ کب تک رہیں گے۔

ایک دو چیزیں امریکہ سے اپنے ساتھ لانے کا پروگرام بنایا تھا، لیکن نہ ہوا اس لئے آپ کو لکھوں گا کہ آپ اپنے ہمراہ لیتے آئیں۔ آپ کو زحمت یقیناً ہوگی لیکن میری خوشی کا خیال کرتے ہوئے یقین ہے آپ یہ زحمت برداشت کر لیں گے۔

میں وحید مرزا صاحب کو اس ہفتہ خط لکھوں گا۔ مالک رام صاحب اواخر مئی تک دہلی پہنچ رہے ہیں۔ روشن صدیقی ریڈیو سے علیحدہ ہو گئے۔ آزاد صاحب کشمیر منتقل ہو کر جا رہے ہیں۔ اردوئے معلیٰ کا نفرنس نمبر شائع ہو گیا، لیکن غالباً اس لیے کہ ان

کے اصرار کے باوجود میں نے اپنا مضمون بھیجنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ شمارہ میرے پاس اب تک نہیں آیا ہے۔ قاضی صاحب آجکل دہلی میں ہیں۔ سیلانی صاحب کو اکیڈیمی کا انعام اس سال ملا۔ اب خبریں ختم ہوئیں کل سات بجے صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ بچے ہنسند۔

سہ شنبہ کو یہ خط بھیجا نہ جا سکا۔ آج بھیج رہا ہوں۔

کل دیر بندر سکسینہ آئے تھے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آپ کا بھی ذکر رہا۔ کہتے تھے چالیس سے زائد قلمی کتابیں انھوں نے آپ کو ایک جگہ سے دلوادی ہیں۔ آپ نے مجھ سے ذکر نہ کیا۔ دیوانِ بے صبر اور تذکرۂ طبقات سخن کی تو مجھے اطلاع تھی۔ یہ تذکرہ اب کس کے پاس ہے اور کیا ارادے ہیں؟

آرزو

(۱۰)

امروہہ۔ ضلع مُراد آباد

۲۳ جون ۱۹۶۴ء سہ شنبہ

برادرم، ۱۸ جون کا مکرمت نامہ ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کو لسانیات پر مزید کام کرنے کے لیے فورڈ گرانٹ مل گئی اور اب آپ وہاں کے قیام کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ اردو زبان میں لسانیات پر ابھی تک کوئی معیاری بھرکم کام نہیں ہوا ہے آپ سے اُمید ہے کہ یہ خلا پُر کریں گے۔ یہ میدان ابھی تک وتاز کے لئے بالکل خالی ہے۔ (۲) آپ نے بل پاس کر کے بھیج دیا تھا تو وہ یقیناً دہلی میں آگیا ہوگا۔ آجکل وہاں کی ڈاک میرے پاس ری ڈائرکٹ ہو کر نہیں آرہی ہے۔ نہیں آیا ہوگا تو امروز و فردا میں آجائے گا (۳) برنس لال صاحب کو آپ کی ہدایت کے مطابق روپے ضرور ادا کر دیئے جائیں گے۔ لیکن ابھی آپ انہیں لکھیں نہیں۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ پچھلی مرتبہ چیک کیش ہونے میں توقع سے زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ بنک نے STATEMENT طلب کر لیا تھا کہ اس رقم میں EXCHANGE تو INVOLVE نہیں ہے۔ وغیرہ۔ اس عرصے میں نارنگ صاحب نے ۲ ۔ ۳ پھیرے کیے مجھے ندامت ہوئی کہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ دینا نہیں چاہتا، ٹال رہا ہے اور دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ مجھے دہلی پہنچ کر فوراً کچھ DUES ادا کرنے ہیں جو میں نے کالج کے لئے بطور قرض لیے تھے۔ اگر انہیں ادا کرنے کے بعد رقم کچھ کم بچی تو میں انہیں دو قسطوں میں ادا کر سکوں گا۔ اس لیے آپ انھیں صرف اتنا لکھ دیجئے گا کہ میں نے کہہ دیا ہے عندالموقع وہ یہ رقم تمہارے پاس پہنچا دے گا (۴) مبارک باد کا شکریہ۔ یقیناً آپ کو خوشی ہوئی ہوگی۔ اب محنت کی وصولی صحیح معنوں میں اس وقت ہے جب ملازمت کا آغاز ہو جائے۔ میں مجبوری کی وجہ سے ابھی دہلی نہیں جا رہا ہوں ورنہ کچھ بھاگ دوڑ کرتا۔ (۵) MR. ADAMS کا میرے پاس خط نہیں آیا۔ حالانکہ پراسپکٹس میں لکھا تھا کہ انتخاب کی اطلاع مئی کے پہلے ہفتے میں دے دی جائے گی۔ میں انہیں خط لکھوں گا تو اطلاع دے دوں گا۔ مجھ سے زیادہ آپ کا لکھنا مناسب ہے آپ انہیں خط لکھ دیجئے کہ فاروقی صاحب کا نتیجہ بھی آگیا ہے، اتنے نمبر ہیں اور یہ پوزیشن ہے! اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ (۵) ویسے فی الحال یہاں شعبے میں

COURSE کا DIPLOMA IN MODERN ARABIC شروع ہوگیا ہے۔ مصر سے پروفیسر ڈاکٹر داؤد ایک سال کے لیے آرہے ہیں۔ شاید ایک لیکچرر کی جگہ بھی خالی ہوگی۔ اگر اس میں تقرر ہو جائے تو اچھا ہے۔ بہیم صورتِ حال کا اندازہ دہلی جاکر ہی ہوگا۔ (۷) نقوش کا آپ بیتی نمبر آگیا ہے۔ آپ کا مضمون بھی دیکھا۔ اچھا ہے یعنی متوازن ہے۔ ایسے مضامین میں اختلافی مسائل کا نہ چھیڑنا ہی دانشمندی ہوتی ہے اور آپ نے یہی کیا ہے۔ میں نے بھی بڑی احتیاط اور آزمائش سے کام لیا تھا۔ میری خرافات دراصل "بیتی" نہیں یعنی اتنی باتیں جو دردِ مشترک کے ذیل میں نہیں آتیں۔ خیر ——— اس پر کسی سے کیا داد چاہتیں۔ دیکھ لیجئے گا۔ عبرت ہی ہو جاتی ہے۔ شاید (۸) اردو نامہ دہلی میں آیا پڑا ہوگا۔ میں نے ابھی سبزواری کا مضمون نہیں دیکھا۔ حتی الوسع مناظروں سے بچیے اپنی بات لکھتے رہیے۔ دوسروں کی تردید یا تنقید میں سے جو بات حق ہو قبول کر لیجئے مگر مناظرہ نہ کیجئے۔ اس سے ذہن بہت محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ نتیجہ صفر ہوتا ہے۔ علی العموم۔ (۸) آپ کے جو کام کرنے باقی ہیں اب وہ سب دہلی ہی جاکر ہوں گے۔ میں ۸ ر جولائی تک دہلی پہنچوں گا۔ ابھی آپ ایک خط یہاں امروہے کے پتے پر اور لکھ سکتے ہیں۔ (۹) اسبابِ بغاوتِ ہند کا جو ایڈیشن پاکستان سے چھپا ہے وہ اچھا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ خود سرسید کے زمانے میں چھپا تھا۔ وہ میں نے دیکھا ہے۔ اگر کہیں مل جائے تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ اگر پہلا اردو ایڈیشن جو غالباً ۱۸۶۲ء میں چھپا تھا مل جائے تو اچھا ہے (۱۰) سودا کا وہ قصیدہ جس کی ردیف "دو شہ ہے" دو حضرات کی منقبت میں ہے۔ غالباً حضرات حسن اور حسین کی مدح میں ہوگا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رض کی شان میں ہوگا اور ہو سکتا ہے وہ دونوں تصاویر انہیں ممدوحین کی ہوں۔ مضمون آپ ضرور لکھیے لیکن مطبوعہ کلیات سامنے رکھ کر یہ دیکھیے کہ متن میں اہم اختلافات ہیں یا نہیں۔ سید علی خاں بہادر کے حالات دہلی جاکر تلاش کروں گا جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں۔ والسلام

نثار احمد فاروقی

(۱۱)

محلہ قریشی، امروہہ، ضلع مراد آباد

۸۔ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء

برادرم نارنگ صاحب۔ آپ کا خط ملا تھا جس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ میں ابھی تک امروہے میں مقیم ہوں مگر اسی ہفتے میں دہلی جانے کا ارادہ ہے۔ ۱۶ ر سے یونیورسٹی کھل رہی ہے۔ اب یہ فکر ہے کہ سروس کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ اس میں کچھ وقت تو ضرور لگے گا۔ آپ نے لکھا تھا کہ بل پاس کر کے بھیج دیا ہے اور چیک وہاں سے روانہ ہو گیا ہوگا۔ میرے پاس دہلی کی سب ڈاک ری ڈائرکٹ ہو کر آجاتی ہے۔ میں نے تحقیق کیا تو ابھی تک وسکانسن سے کوئی خط نہیں آیا۔ یا تو وہاں سے بھیجا ہی نہیں گیا یا راستے میں ضائع ہوا۔ پہلے بھی چیک سادہ ڈاک سے آیا تھا۔ آپ براہِ راست انہیں خط لکھ دیں کہ اگر بھیجا جا چکا ہے تو وہ چیک کے نمبر سے مجھے اطلاع دیں اور نہیں بھیجا گیا تو اُسے بھجوا دیں۔ یہ خط اسی ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ دہلی پہنچ کر سب سے پہلے آپ کے کام ختم کروں گا۔ اس سال گرمی اتنی بلا کی ہوئی کہ میں جو پہلے ہی بے حد کاہل اور بہانہ طلب

واقع ہوا ہوں، موسم کی شدت کے باعث کوئی کام نہیں کر سکا، سب پڑے ہوئے ہیں۔ دہلی جاکر شاید کچھ کاموں کے ختم کرنے کا موقع ملے۔ ان میں سر فہرست آپ ہی کے کام ہیں۔

اب دیکھئے ہمارے شعبے میں کب تک جگہ نکلتی ہے؟ میرا دل تو اب "ادب کی خدمت" سے سیر ہو گیا ہے۔ یہ دو دو ماہ بازیاں مجھ سے آتی نہیں اور جو کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے مناسب سروسامان نہیں ملا۔ عمر کا جو حصہ انتہائی VIGOUROUS ہوتا ہے وہ بیکار گزر گیا۔ اس لئے اب صرف اتنا دل چاہتا ہے کہ کنج گمنامی میں خاموشی سے زندہ رہوں اور خاموشی سے مر جاؤں اس سے زیادہ کی ہوس بھی نہیں۔ لیکن زمانے کو شاید یہ بھی منظور نہ ہو۔ نقوش آپ کے پاس پہنچا ہوگا اس میں جو میرا ۲،۰۰۰ اور TONE ہے وہ تصنع سے بالکل خالی ہے۔ واقع یہی ہے، سب ڈھکوسلا معلوم ہوتا ہے۔

میں آپ کی دلسوزی اور ادائے حق دوستی کی دل سے قدر کرتا ہوں اور اس کے لیے حاضر و غائب ہمیشہ مدح کرتا رہا ہوں دوسروں کی دوستی کا بھی اعتبار نہیں رہا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

ADAMS صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ کچھ دن اور انتظار کر لوں پھر انہیں اور PROF. SMITH کو لکھوں گا۔ یہ سب امور بھی قسمت سے علاقہ رکھتے ہیں SCHOLORSHIP کی کاروائی بھی دہلی جاکر کروں گا۔ اب اس کے لیے ہمبر سے پہلے تو درخواست بھی نہیں دی جا سکتی، اور ۲-۳ مہینے فیصلہ ہونے میں اور اتنا ہی وقت (بشرط انتخاب) پہلی قسط ملنے میں لگے گا۔ واہ رے تیر

حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

حجابی سے آداب کہیے گا۔ میر نمبر آپ کو ملا یا نہیں ؟

مخلص : نثار احمد فاروقی

میر نمبر نہ ملا ہو تو بیگ صاحب کو براہِ راست ایک خط ضرور لکھ دیجئے۔

(۱۲)

۱۱- ایبک روڈ، انار کلی - لاہور

برادرم، تسلیمات!

آپ کی شکایت بجا کہ میں آپ کو خط نہیں لکھتا۔ مگر میں کیا کروں۔ میں تو انہیں خط لکھا کرتا ہوں، جو میرے خط پڑھ کر بدمزہ نہیں ہوتے۔ آپ کے تو اپنے خطوں میں غالب کے خطوں کی سی مٹھاس ہوتی ہے۔ یہ کم بخت غالب بھی بہت برا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ آج تک شرمندہ ہو رہے ہیں۔ نہ وہ پیدا ہوتا ؟ نہ آپ کو مجھ سے شکایت پیدا ہوتی کہ میں خطوں کے جواب نہیں دیتا۔ قصور غالب کا، آپ کا، میرا تو نہیں۔ میں تو بالکل "معصوم" ہوں۔

آج آپ کی کتاب "اُردو دشمنیاں" ملی۔ اسے پڑھوں گا۔ پھر اس میں سے چوری کروں گا۔ تحقیقی کاموں میں چوریوں کا

ایسا سلسلہ چلتا ہے کہ پھر ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ جو جتنا بڑا چور ہوگا۔ وہ اتنا ہی بڑا محقق ہوگا۔ آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ میرا یار نارنگ، سارے ہی چوروں سے بازی لے گیا۔ میرے نامۂ اعمال میں، دوستوں کی مخبری نہ ہی لکھی جاتی تو اچھا تھا۔

آپ نے صاحب پر نہیں نہیں جناب پر تبصرہ کرکے بھجوا ہی دیا۔ دیکھئے اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کچھ نہ لکھوں گا۔ اگر آپ نے خدا کو حاضر ناظر جان کر تبصرہ کیا ہوگا تو میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ یاری نبھائی ہوگی تو آپ کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ لہٰذا میں آئندہ ایسا کوئی موقع نہ دوں گا کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ڈوبے۔ ابھی ہم نے دنیا کا لطف ہی کون سا اٹھایا ہے کہ بے موت مر جائیں۔

آپ کا مضمون "ایک چادر میلی سی" پر ملا۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو ناول، افسانے کا کچھ پتہ نہ ہوگا۔ جیسے ہمارے ادبی محققوں کو علم نہیں۔ مگر آپ تو چوکھی لڑ سکتے ہیں۔ آپ جیسا شریف زادہ، اور یہ سب کچھ، لے اللہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

آپ نے جو پچھلی صدی میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آئندہ صدی میں ایک مضمون بھیجوں گا۔ وہ اب مکمل ہو ہی گیا ہوگا۔ وہ بھیج دیجئے نا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ صرف وعدہ حور کی ذیل میں لا کر نہ ماریئے۔

یہ خط آپ نے پڑھ لیا۔ اس لئے اسے پھاڑ دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی نامحرم کے ہاتھ پڑے۔

۹ جولائی ۶۲ء　　　　　محمد طفیل

(۱۳)

۱۱۔ ایبک روڈ۔ انارکلی لاہور

جناب! — خط لکھنے کا وعدہ تھا۔ خط لکھ نہ سکا۔ یوں تو خط یہ بھی ہے۔ مگر میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ خط جلد نہ لکھ سکا۔ آپ کو بھی کیا پروا ہوگی۔ میں اپنی جگہ بلاوجہ شرمندہ ہو رہا ہوں۔ اتنے میٹھے انسان کے ہاں، دوستوں کی کیا کمی ہوگی۔

اس وقت میں بڑے غصے میں ہوں۔ ابھی ابھی ایک صاحب نے موڈ خراب کر دیا ہے۔ چونکہ خط لکھنا شروع کر چکا تھا۔ اس لئے اب اسے کھینچنا ہی پڑے گا۔

آج کل سالنامہ کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ہونا کیا ہے۔ دو تین سیر وزن کم ہو جائے گا۔ اپنے آپ سے بیزار ہو جاؤں گا۔ بیوی ایک بار پھر مجھے رو دے گی۔

آپ کا بڑا اچھا مضمون میرے پاس ہے۔ اس میں وہ چھپے گا۔ اپنی تصویر بھی بھیجیں۔ (سوہنا مکھڑا) اب تخلیق اور صاحبِ تخلیق دونوں کو رسوا کرنے کا ارادہ ہے۔ تخلیق تو خود بخود رسوا ہو جائے گی۔ صاحبِ تخلیق کو میں رسوا کروں گا۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں دلی آیا تھا۔ چند دن، چند گھنٹے ثابت ہوئے۔ جانا اتنا اچانک ہوا تھا کہ اتوار کی صبح ٹرنک کال آیا۔ دلی پہنچو۔ اسی دن بارہ بجے چل پڑا — پھر لاہور سے ٹرنک کال پہنچا۔ لاہور پہنچو۔ اسی دن لاہور کے لئے چل پڑا۔ یہ تو ہوا اس غریب کے ساتھ۔ بجائے ہمدردی کے آپ ناراض ہوتے ہیں۔ ہے نا ستم! — رسید حاضر ہے۔ خود بغیر حاضر ہوں۔

۲۶ دسمبر ۶۲ء　　　　　محمد طفیل

؎ رسالہ شاعر یہاں تو ملتا نہیں! ؎ میرا مطالبہ یہ تھا۔ نارنگ صاحب کا مطالبہ ہے کہ خط چھپے گا بھی! (محمد طفیل)

بنام غلام حسین مصطفیٰ

۱۷-۱۱-۵۲

شیش محل ساری روڈ لاہور

مکرمی معظمی مصطفیٰ صاحب سلام مسنون

"ڈان" گجرات کا پرچہ مجھے ملا نہیں ورنہ اس کے متعلق ضرور لکھتا۔ رنگین بلاک تو آپ کو ادھر ادھر سے ضرور مل جائیں گے۔ مگر جناب ان کا ہندوستان بھیجنا اور پھر واپس منگوانا آسان کام نہیں ہے۔ یہ حکومت ہے اور حکومت میں آپ بھی رہتے ہیں۔ اور پھر ایسے خط لکھتے ہیں جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو —— میرے افسانوں کی کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرنا ہوگا۔ وی پی بہت خوب رہا۔ سرکار چھپ سے بطور نذرانہ کے پیش کروں گا۔

فوٹوگراف بھیجوں گا کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔

آپ کی محبت اور دلچسپی کا ممنون ہوں۔ خدا کرے پاکستان میں ذوق نظری پیدا ہو۔ واقعی :-

آرٹسٹ افراد کی سلامتی کا ضامن ہے۔

آرٹ زندہ ہے زندہ قوم سے۔

رموز فن کی گہرائیاں قوم کی بیداری میں سربستہ ہیں۔

آرٹ اس قوم کا حصہ ہے جس کے افراد بیدار ہوں۔

آرٹ نے ہمیشہ قوم کی زندگی میں نئی کروٹ لی ہے۔

دعا کیا کریں ہماری قوم بیدار ہو تاکہ ہمارا آرٹ اس کا ورثہ بننے کا اہل بن سکے۔

دوبارہ آپ کے خلوص کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام

مخلص چغتائی

(۲)

۳۰-۵-۵۲

برادرم مصطفیٰ صاحب سلام مسنون!

گجرات کے دونوں رسالے آپ کے ارشاد کے مطابق مجھے مل گئے تھے محض آپ کے خط کا انتظار تھا۔ روی شنکر۔ اول سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ میرے مکان پر آج سے سات آٹھ سال پہلے تشریف لاتے تھے۔ لیکن مجھے قطعی علم نہ تھا کہ انہوں نے یا ان کے بھائی نے میرے فن کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ ان لوگوں کی محبت اور خلوص ہے جو یاد کرتے ہیں اور کچھ لکھ

بھی لیتے ہیں۔ تصویروں کے بلاک کے متعلق بہت بڑی مشکل جو راستے میں حائل ہے وہ یہ ہے کہ آپ یا میں کوئی بلاک بغیر حکومت کی اجازت کے بھیج نہیں سکتے۔ وہاں میں میرے آرٹ پر ایک بالکل نئی کتاب شائع ہوئی ہے اس میں سے اگر کوئی بلاک انہیں پسند ہو اور ان کے رسالے میں چھپ سکے تو میں اس کا انتظام کرنے کی کوشش کروں گا۔

لگان اور گاڑی بان کا ترجمہ آپ ضرور کریں مجھے خوشی ہوگی۔ اس سے پہلے بمبئی ایک صاحب جن کا نام غالباً صادق صاحب تھا، گجراتی سماچار بمبئی میں انہوں نے میرے تین چار افسانوں کا ترجمہ کیا تھا اور وہاں بہت مقبول ہوئے تھے مگر یہ بات ۱۹۲۹ء کی ہے۔ یہ یقینی بات ہے۔ لگان اور گاڑی بان یہ دونوں افسانے ان میں شامل نہ تھے۔ بلکہ بہت بعد چھپے ہیں۔

میری افسانوں کی ایک کتاب ستاروں کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ اس میں افسانوں کے علاوہ اور بھی بہت مواد ہے۔ میں نے ایک لمبا چوڑا مضمون اپنے فن پر خود لکھا ہے۔ کتاب چھپ لے آپ کو اطلاع دوں گا۔ مجھے یقین ہے میرے یہ افسانے میری تصویروں کی طرح زندہ رہیں گے۔

آج کل ماہ رمضان ہے۔ خدا نے زندگی رکھی تو میں ماہ رمضان کے بعد آپ کے سوالوں کا جواب دے سکوں گا کہ میرا اپنا تخلیق کے متعلق کیا نظریہ ہے اور ان کی نزاکتوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

میرے چھوٹے بھائی رحیم نے آپ کی بہت تعریف کی تھی لیکن انہیں آپ کا پتہ یاد نہیں جب آپ احمد آباد خط لکھیں تو میرا ان لوگوں کو سلام اور خلوص لکھ دیں۔ کبھی ہندوستان گیا تو ان کو ضرور ملوں گا۔

کاہ لالکتہ سے یاد فرماتے رہا کریں۔ والسلام

مخلص چغتائی

(۱)

۱۳ ـ لکشمی مینشن، ہال روڈ لاہور

برادر عزیز۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ میرا خیال ہے، اس سے قبل آپ کو میرا خط مل چکا ہوگا، اور آپ کو میری جراتِ رندانہ پر تعجب ضرور ہوا ہوگا۔ اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

اس دوران میں دو افسانے لکھے گئے ہیں ایک نقوش میں چھپ رہا ہے وہ اس قابل ہے کہ گجراتی میں ترجمہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کا ماحول گجراتیوں کے لئے مانوس ہوگا۔

میں اس کی نقل کرا کے آپ کو بہت جلد بھیج دوں گا۔ مصیبت یہ ہے کہ میں جب افسانہ لکھتا ہوں تو اسے دوبارہ پڑھ بھی نہیں سکتا۔ بہرحال آپ کو اس افسانے کی نقل مل جائے گی۔ اس کا عنوان "ممد بھائی" ہے۔

تصویروں کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہاں کے فوٹوگرافر بہت بیہودہ قسم کے آدمی ہیں۔

خاکسار

۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء — سعادت حسن منٹو

(۲)

برادرِ مکرم

السلام وعلیکم۔ آج بذریعہ تار سو روپے کا منی آرڈر وصول ہوا جس پر بھیجنے والے کا نام حاجی غلام حسین درج تھا۔ آپ کے سوا اور یہ صاحب کون ہو سکتے ہیں

میری طرف سے دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ مجھے افسوس ہے کہ شکریہ ادا کرنے میں مجھ سے ہمیشہ بھونڈے پن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

افسانہ آپ کو بہت جلد مل جائے گا خدا آپ کو خوش رکھے۔

خاکسار

۲۔ اگست ۱۹۵۲ء — سعادت حسن منٹو

(۳)

برادرِ عزیز

السلام وعلیکم۔ آپ کا خط ملا اور منی آرڈر مل گیا تھا۔ میں ان دنوں اس قدر پریشان ہوں کہ آپ کو اس کی رسید سے بھی مطلع نہ کر سکا۔ امید ہے آپ مجھے معاف فرما دیں گے۔

کچھ مقدموں اور کچھ مالی مشکلات نے اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ میں اپنی حالت آپ پر اچھی طرح واضح نہیں کر سکتا۔

آپ کا منی آرڈر وصول ہوا تو اس کے دوسرے روز صبح سویرے ایک سمن آ گیا۔ ہائی کورٹ کی طرف سے تھا کہ حاضر عدالت ہو کر وجہ بیان کریں کہ کیوں نہ تمہارا افسانہ "ٹھنڈا گوشت" تلف کر دیا جائے۔ حاضر عدالت ہوا مگر اس روز مقدمہ پیش نہ ہوا۔ چوتھے روز میری غیر حاضری میں فیصلہ سنا دیا گیا کہ 'ٹھنڈا گوشت' تلف کر دیا جائے اور 'ٹھنڈا گوشت' (کتاب) اس سے پندرہ روز پہلے دوسرے ایڈیشن کی صورت میں مارکیٹ میں آ گئی تھی۔ اب اس کی رائلٹی پبلشر سے وصول کرنی مشکل ہو گئی ہے۔

مجھے افسوس ہے بلکہ میں سخت نادم ہوں کہ میں ٹان کے لئے آپ کو افسانہ ابھی تک نہیں بھیج سکا۔ لیکن میں انشا اللہ ایک ہفتے کے اندر اندر ضرور روانہ کر دوں گا۔

آپ کے خلوص اور آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، میں ان دنوں بڑی مشکلات میں گرفتار ہوں۔ کیا آپ مجھے سو روپے روانہ فرما سکتے ہیں؛ میں عنقریب کراچی آنے والا ہوں۔ خدا نے مجھے توفیق اور استطاعت

دی تو آپ کا یہ قرض رہیں چکا دوں گا اور اپنے امتنان و تشکر کا دیہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ مگر خدا کے لئے یہ بات آپ ہی تک رہے۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں آپ سے کچھ مانگنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔ خاکسار

سعادت حسن منٹو

(۴)

برادرِ مکرم

السلام و علیکم۔ میرا خیال ہے کہ میں اس سے پیشتر آپ کے خط کا جواب دے چکا ہوں۔

اب صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر آپ کچھ بھجوا سکیں تو میں ممنون و متشکر ہوں گا۔

فوٹو کے متعلق جو آپ نے ارشاد کیا تھا اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ اگر آپ دو ہفتے انتظار فرما سکیں تو میں روانہ کر دوں گا۔

آپ کے خلوص سے میں بے حد متاثر ہوں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ خاکسار

سعادت حسن منٹو

(۵)

بھائی جان

السلام و علیکم۔ مجھ ایسا کم حافظہ اور زود فراموش آپ کو یاد رکھ سکا، یہ واقعی ایک معجزہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ آپ کے دو خط ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں اور "نو چندن" کا وہ تراشہ بھی جس میں میرا افسانہ ہے۔

آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک قلاش آدمی ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہاں پاکستان میں بھی میری آمدنی سات آٹھ سو روپے ماہوار کے قریب ہے لیکن یہ بالکل ناکافی ہے کیونکہ میرا ذاتی خرچ تیس چالیس روپے روزانہ ہے۔

بہر حال میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں جس کا شاید میں حقدار بھی ہوں۔

آپ کے پچاس روپے جو آپ نے میری بیوی کے نام ارسال فرمائے تھے۔ میں نے خود وصول کئے تھے۔ ان کا شکریہ۔

عید سے قبل جو کچھ آپ روانہ کرنے والے ہیں ان کا پیشگی شکریہ قبول فرمایئے۔

بھائی میرے۔ مجھ سے میرا فوٹو کیا مانگتے ہو۔ میں اپنی شکل سے بیزار ہوں۔ ہاں، دیباچہ لکھنے کے لئے میں تیار ہوں۔ لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ میری مختلف تصانیف کے دیباچوں میں سے کچھ ایسی سطور منتخب فرمالیں کہ وہ ایک جامع دیباچہ ہو جائے، ویسے اگر آپ چاہیں تو میں یہ کام خود کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میں جب بھی کراچی آیا، آپ سے ضرور شرفِ ملاقات حاصل کروں گا۔ اگر ہو سکے تو آپ میرے لنگوٹیے "حسن عباس" سے ضرور ملئے۔ اس سے آپ کو میرے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہو سکیں گی وہ آپ کو جیمس فن لے لمیٹڈ

یں ہو سکے گا۔

اگر اُدھر ہو سکے تو آپ میرے ایک اور عزیز خواجہ نصیر الدّین صاحب سے بھی ملئے وہ لیور برادرز میں بنگال ایڈوائزر ہیں —

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

خاکسار

سعادت حسن منٹو

۶ جون ۱۹۵۲ء

مکرّر: آئندہ آپ ٹکٹ والا لفافہ ملفوف کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔

غلام رسول مہر

بنام امتیاز علی عرشی

(۱)

۱۹-۵-۴۳ — باسمہ سبحانہ

برادر محترم۔ کتاب مل گئی۔ اس نوازش کے لیے ایک عاجز خدمت گزار علم کا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

میں سردار شوکت حیات خان وزیر امور عامہ حکومت پنجاب کے انتخاب کے سلسلے میں کیمبل پور گیا ہوا تھا۔ رات واپس آیا۔ آج صبح کتاب دیکھی، سرسری ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ یہ سید صاحبؒ کے ان حالات و سوانح کا مرقع ہے جو جہاد سے پیشتر پیش آئے۔ میں ان شاء اللہ چند روز میں اسے دیکھ کر رجسٹرڈ واپس بھیج دوں گا تاکہ دوسری جلد آپ ارسال فرماسکیں۔ میرے نزدیک وہ جلد زیادہ اہم ہوگی۔ کم از کم سید صاحبؒ کی سیرۃ و حیات کا اہم ترین حصہ وہی ہے۔

اس نوازش کا صلہ آپ کو منعم حقیقی دے گا۔ انبیاء کرام نے بار بار ان اجری الا علی اللہ فرما کر حقیقت واضح کر دی ہے البتہ عاجزانہ خدمت گزاری یا امتثال امر کے لیے پہلے بھی تیار تھا اب بھی تیار ہوں لیکن یادگاری پتھر کی تنصیب کے لیے آپ کو کسی دوسری شخصیت کی طرف توجہ فرمانی چاہیے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ البتہ اگر یہ تقریب ایسے اوقات میں انجام پائے کہ مجھے دو تین روز کی فرصت ہو تو اس میں شرکت اپنے لیے باعث سعادت سمجھوں گا۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس طرح رام پور آنے اور آپ کے خزینۂ عامرہ کے جواہر علم کی زیارت کرنے کا موقع مل جائے گا۔

رہا غالب کے متعلق مقالہ تو اس کے لیے ہمہ تن تیار ہوں، بلکہ آپ اگر کوئی خاص موضوع بھی تحریر فرما دیں تو نوازش ہوگی۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ اس ضمن میں مجھے اتنی مہلت مل جائے کہ میں سید صاحبؒ کے سوانح کی ترتیب سے فارغ ہو کر مقالہ لکھ سکوں۔

باقی ان شاء اللہ بوقت فرصت۔ انتخاب غالبؒ کی طباعت کی تکمیل پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان علمی کارناموں کے سرانجام کے لیے جزائے خیر دے اور ان سے بہتر کارناموں کے سرانجام کی مہلت عطا فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

سالک صاحب کی طرف سے سلام شوق قبول فرمائیے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا مہر

(۲)

۱۷/۱۱/۴۳ — باسمہ سبحانہ

صدیق محترم۔ سیرۃ کے مہیا کر دینے کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں۔ پہلی جلد سید شہیدؒ کے صرف ابتدائی حالات

تھی اس لیے اسے چند روز میں دیکھ لیا گیا دوسری جلد میں جنگوں کے حالات ہیں اور ان میں خاص کاوش ضروری تھی۔ اس کے لیے بے تکلف استفادہ کیا، اب کتاب خدا کے فضل سے قریب الختم ہے اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ آپ کی کتاب واپس بھیج دوں گا۔ جہاں اتنا احسان فرمایا ہے، چند روز کے لیے مزید احسان کیجیے اور صاحب کتاب سے تاخیر کے لیے معذرت فرما دیجیے۔

افسوس کہ کتاب پوری نہ ملی، دوسری جلد بھی بالا کی جنگ پر ختم ہو گئی ہے، فتح پشاور اور بالاکوٹ وغیرہ کے حالات تیسری جلد میں ہونے چاہئیں۔ لیکن خدا جانے وہ مرتب ہوئی یا نہ ہوئی؟ اگر ہوئی تو ٹونک یا دوسرے مقامات میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

فروری کے آخری ہفتے میں ابھی بڑے دن ہیں، وعدہ نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ عرض کر سکتا ہوں، آپ کی اور آپ کے کتب خانے کی زیارت کی نیت سے رام پور آنے کا قصد ہے، مقالے کر آؤں یا خالی ہاتھ آؤں۔ آنا بہرحال ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ فروری میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد۔

"انتخاب غالب" کے چھپ جانے کی خبر سنی۔ لیکن کتاب اب تک دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ میں سید صاحب کی کتاب میں اتنا مشغول ہوں کہ پتا بھی نہیں کر سکا کہاں سے ملتی ہے؟

ہاں بھائی پنج آہنگ کے سلسلے میں ہر خدمت کے لیے ہمہ تن آمادہ ہوں۔ مہر

میں بے حد مصروف ہوں، اس وجہ سے عاجلاً چند سطریں گھسیٹ دی ہیں کہ عرض جواب میں تاخیر کا مجرم نہ ہوں

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا

مہر

(۳)

۱۸/۱۱/۱۹۴۳ باسمہ سبحانہ

صدیق محترم۔ میں نے کل عجلت میں چند سطریں گھسیٹیں تھیں، چند ضروری کام در پیش تھے اور وقت بالکل کم تھا۔ جواب خط کو ملتوی اس لیے نہ کیا کہ آپ شاید تاخیر کو منافی آداب نیاز و عقیدت تصور فرمائیں۔ رات سوچتا رہا کہ "پنج آہنگ" کے سلسلے میں مجھے کون سی خدمت انجام دینی چاہیے۔ یہی آرزو اس عریضہ کی محرک ہے، اس سلسلے میں کام کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً۔

۱۔ کتاب کی ایسی ترتیب جس میں مختلف مکتوب الیہم کے مکاتیب تاریخ وار یکجا ہو جائیں۔
۲۔ جن مکاتیب پر کوئی تاریخ ثبت نہیں داخلی شہادت کی بنا پر ان کی تاریخ کا تعین یا تخمینہ۔
۳۔ مکتوب الیہم یا ان رجال کے حالات جن کا ذکر مکاتیب میں آیا ہے۔
۴۔ غیر مطبوعہ فارسی مکاتیب کی تلاش اگر ایسے مکاتیب ہوں۔

شق اول کے سلسلے میں آپ کو کسی اعانت کی ضرورت نہیں، شق چہارم کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ پورے یقین و وثوق

سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ پنج آہنگ کے مکاتیب اصل ذخیرے کا محض ایک حصہ ہوں گے۔ غالب ابتدا ہی سے کثیر الاحباب تھے اور مکاتبت میں ان کی وسعت مشرب محتاج توضیح نہیں، غیر ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی ہوشمندی کی زندگی کے بیس برس میں صرف اتنے مکاتیب لکھے ہوں جن پر پنج آہنگ کا آخری حصہ مشتمل ہے۔ یقیناً بہت سے خط ضائع ہو گئے لیکن اب ان کا ملنا محال ہے۔" تاہم آپ کوشش کریں تو تقاریظ کے سلسلے میں غالباً کچھ مل جائے۔" الناظر" ۱۹۳۴ء میں جن غیر مطبوعہ مکاتیب کے اقتباسات چھپے تھے اگر آپ کے پاس وہ رسالہ ہو تو خیر ورنہ میرے پاس وہ ہے اور اسے خدمت والا میں یقیناً بھیج سکتا ہوں۔ ممکن ہے میرے کاغذات میں بعض اور مکڑے بھی مل جائیں لیکن اس بارے میں فی الحال قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا اس سلسلہ کہ غالب سے قطع علائق کیے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ اب تو حال

ازما بجز حکایت "مہر و وفا" مپرس

باقی رہیں درمیان کی دو شقیں۔ تو میں نے ایک زمانے میں اس بارے میں کاوش کی تھی اور کچھ مواد فراہم بھی ہوا تھا، لیکن اب اس سارے مواد پر باہتمام نظر ڈالنے کی فرصت نہیں۔ البتہ اگر آپ کو میری یہ گزارش غیر مستحسن معلوم نہ ہو اور آپ اسے قبول فرمالیں تو یہ عرض کر سکتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً غیر واضح امور کے متعلق تبادلہ افکار فرماتے رہیں گے تو ممکن ہے میری گزارشات کسی درجے میں معاون ہو سکیں۔ اپنے علم کی فرومایگی کا پورا احساس ہے اور اس سے زیادہ جسارت نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں کوئی معین حکم ہو تو بے تکلف فرمائیں۔

سیرۃ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں آپ کی نوازش سے اتنا متمتع ہوا کہ اس کا صحیح اندازہ پیش نہیں کر سکتا۔ اس کتاب نے کئی عقدے حل کر دیئے جو اب تک حل نہیں ہوئے تھے۔ میری کتاب کا ابتدائی مسودہ قریباً مکمل ہو چکا ہے۔ صرف دو باب باقی ہیں۔ اول جہاد و مسئلہ تکفیر، دوسرا باب چنداں اہم نہیں لیکن باب اول میں صرف اس وجہ سے توقف ہوا کہ جن شرعی اصول کی بنا پر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کیا تھا ان کا حکم آج بھی نافذ و جاری ہے، لیکن بدلے ہوئے حالات میں ان کے تقاضے کو پورا کرنے کی صورتیں کیا ہیں؟ میں نے خود ایک راستہ سوچ لیا تھا لیکن ضروری معلوم ہوا کہ اس بارے میں اعلم و افقہ ارباب علم سے مشورہ کیا جائے۔ مشورہ شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ اکثر اصحاب نے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا۔ وہ صرف شریعت کے احکام بتا سکتے ہیں لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ آج ان پر عمل کیوں کر ہو؟ جن اصحاب نے کچھ بتایا وہ کافی و وافی نہ تھا۔ آج کل اسی کاوش میں ہوں۔ اگر میرے سوچے ہوئے راستے پر چند معتمد علیہ علما نے صاد کر دیا تو ان شاء اللہ یہ باب بھی چند روز میں مکمل ہو جائے گا۔

اس کے بعد دس بارہ روز کے لیے ان مقامات کو دیکھنا ہے جو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدات کے مرکز بنے رہے۔ تاکہ بعض جنگوں کے حالات زیادہ تفصیل و تشریح کے ساتھ لکھے جا سکیں۔ پھر کتاب کی تبییض باقی رہ جائے گی اور یہ کام دیر طلب معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کی کتاب صرف اس لیے روک رکھی ہے کہ دوران تبییض میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان رفقا کے اسما و حالات الگ کاغذوں پر لکھتا جاؤں جن کے سوانح سیرۃ کا دوسرا حصہ ہوں گے۔ پھر مولوی سید نصیر الدین کی امارت سے کتاب

کی تیسری جلد کا آغاز ہو گا۔

آپ یقین رکھیں کہ میں کتاب کو جلد سے جلد فارغ کر کے بھیج دوں گا۔ دیانت کا تھوڑا سا احساس رکھنے والے آدمی کے لیے اتنی گراں بہا چیز کو امانتاً اپنے پاس رکھنا خوشی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف مجبوری کی حالت ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جس روز اس امانت کو آپ کی خدمت میں بھیج کر رسید حاصل کر لوں گا اس روز بہ صد خوشی دوگانہ شکر ادا کروں گا۔

افسوس کہ کتاب مکمل نہ ہوئی یا کم از کم مجھے کہیں نہ ملی، ورنہ جو الجھاؤ اب تک باقی ہیں یا جن کا حل صرف قیاس کی بنا پر کیا گیا ہے وہ بھی دور ہو جاتے۔ بہرحال آپ کی نوازش کا شکر گزار ہوں اور اگر میرا ناچیز کام کسی درجے میں بھی دینی اور قومی کام ہے (جیسا کہ میں سمجھتا ہوں) تو آپ اس کے ثواب میں شریک غالب ہوں گے۔ البتہ ہمارے بھائی مولانا ظفر اقبال کا حصہ ثواب بہت زیادہ ہے اس لیے کہ انہوں نے ایسی کئی کتابیں فراہم کرنے میں گراں بہا امداد فرمائی اور آپ کی کتاب میرے لیے فراہم کرنے میں بھی شریک رہے۔ باقی رہا میں تو جس حد تک جد و جہد کا تعلق ہے ہر ثواب میں شریک مغلوب ہوں۔

ہاں بھائی! کسی نے بتایا تھا کہ آپ نے "مکاتیب غالب" کا دوسرا ایڈیشن چھاپا ہے۔ اس کے مقدمے میں بہت سے تغیرات کیے ہیں! کیا یہ درست ہے؟ اگر ایسا ہو اور آپ پر کوئی بوجھ نہ پڑے تو اس کتاب اور "انتخاب غالب" کے طلبگاروں کی فہرست میں میرا نام بھی لکھ لیجیے۔ لیکن یہ فرض کر لینا ضروری نہیں ہے کہ میں محض مفت خور ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا مہر

(۴)

۱۹۴۴/۱۰/۲۶ باسمہ سبحانہ

بھائی۔ میں اتنا گنہگار ہوں کہ اگر میرے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے جو غالب نے اپنی زندگی کے آخری دور میں گناہوں کی فراوانی کے پیش نظر اپنے لیے تجویز کیا تھا تو یقین جانئے کہ اسے بالکل بجا سمجھوں گا۔ لیکن طلب عفو کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

رام پور آنے کی مدت سے آرزو ہے۔ اور پھر وہاں کے ارباب ذوق کو اگر آپ جیسا مایۂ ناز ترجمانِ شوق مل جائے تو مطلوب اپنی ہستی بھی اس راہ شوق میں قربان کر ڈالے تو سمجھے گا کہ

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

لیکن میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں سید صاحبؒ والے کام کو جلد از جلد مکمل کر دینا چاہتا ہوں مہینوں کی سعی و اہتمام کے بعد ایک سرحدی دوست نے جہاد گاہ کے مختلف مقامات پر جانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس غرض کے لیے کیا بی کے اس دور میں پچیس گیلن پٹرول بہ صد مشکل فراہم کیا ہے۔ ۱۰ فروری تک ان کی طرف سے تار کا انتظار ہے۔ غالباً آٹھ دس دن اس سفر میں لگیں۔ اس میں تقدیم و تاخیر ممکن نہیں تقدیم اس وجہ سے مشکل ہے کہ جن مقامات پر جانا ہے شدت سرما کے باعث پہنچنا

ممکن نہیں۔ تاخیر کو رفیق کے اپنے مشاغل سے مطابقت نہیں۔ اس ایک عذر کے سوا کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں ارباب ذوق کے ارشاد گرامی کی سعادت تعمیل کے علاوہ بھی آپ کے خزانۂ عامرۂ علمیہ کی زیارت کی غرض سے رام پور کے لیے اپنے دل میں کتنی تڑپ پاتا ہوں۔ خدا کرے میں سرحد سے جلد فارغ ہو سکوں۔

"اشاعر" یا رضوی صاحب کا مضمون بہر حال جلد سے جلد خدمت والا میں پہنچ جائے گا۔ میری حالت میرے لیے باعث شرم ہے اور میرے کرم فرماؤں کے لیے باعث رحم۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

(۵)

باسمہ سبحانہ

۱۷/۲/۱۹۴۴

برادر محترم۔ میں تیار تھا۔ قصد یہ تھا کہ دہلی پہنچوں اور وہاں سے ایک روز کے لیے رام پور آ جاؤں۔ لیکن اب بے بس ہوں۔ جن صاحب کے ساتھ سرحد کے دورے کا پروگرام بنایا تھا وہ ۳۱ ر جنوری کو بیمار ہو گئے۔ ۶ ر فروری کو ان کی طرف سے معذوری کا خط آیا۔ میں نے سمجھا کہ اب دورے کے لیے فراغت ہے۔ کل دفعتہً ان کا والا نامہ آیا کہ وہ ۲۲ ر فروری کو مع شریکے کے پشاور پہنچیں گے اور وہاں سے ۲۳ کو دورہ شروع ہو گا۔ اس وجہ سے بصد حسرت و افسوس دہلی و رام پور کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اور لازماً مجھے ۲۱ یا ۲۲ کو سرحد پہنچنا چاہیے۔ میں بڑی پریشانی کے عالم میں دلی افسوس کے ساتھ یہ عریضہ بھیج رہا ہوں۔ للہ میری بے بسی پر نظر لطف فرماتے ہوئے معافی دے دیں۔

مفصل واپسی پر ان شاء اللہ۔

ہاں بھائی۔ انتخاب کلام غالب میں نے شیخ مبارک علی کی دکان پر ایک مرتبہ دیکھا ضرور تھا اور وہ غیر مجلد تھا لیکن مجھے کتاب نہیں ملی۔ مکاتیب غالب کا تازہ ایڈیشن مل گیا۔ اسے ابھی تک پڑھ بھی نہیں سکا۔ حالانکہ ارادہ یہ تھا کہ اس پر کچھ لکھوں گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا

مہر

(۶)

باسمہ سبحانہ

۲۴/۸/۱۹۴۴

برادر محترم۔ وفور ندامت میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ خدا کے لیے معاف فرما دیجیے۔ حق یہ ہے کہ رسالے کے ارسال میں توقف نہ ہوتا لیکن میں نے اسے دوبارہ پڑھا تو خیال ہوا کہ اس کے بعض اقتباسات تو ایسے ہیں جو پنج آہنگ کے مطبوعہ رقعات سے ملتے ہیں۔ بعض اقتباسات کسی قدر تشریح اور ترتیب نو کے محتاج ہیں۔ لہٰذا سوچا کہ کسی سے نقل کرا کے خود ضروری حواشی لکھ کر آپ کو بھجوا دوں گا۔ لیکن بدبختی سے بھول گیا۔ اب آپ کا نوازش نامہ آیا اور اپنی نالائقی پر متنبہ ہوا تو خود بیٹھ

گیا اور جو کچھ ضروری تھا اسے نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ اس ناچیز خدمت گزاری کو گزارش عفو جرم سمجھیے، بہت بدخط ہوں اس لیے خود نقل کرنے میں تامل تھا۔ لیکن میرا خیال ہے جو کچھ بھیج رہا ہوں اس کی عبارتوں اور ترک و حذف کے باوجود آپ کو ضروری چیزیں سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ اگر کوئی خاص امر دریافت طلب نظر آیا تو آپ پوچھ لیں گے۔ رضوی صاحب کے پاس چند تحریریں یقیناً ہیں لیکن ان میں انہوں نے بعض مطبوعہ تحریرات شامل کر کے غالباً مزید اعتبار پیدا کرنا چاہا ہے واللہ اعلم۔

(۲) نکات و رقعات غالب کا ایک نسخہ میں نے ایک مرتبہ یونیورسٹی لائبریری میں دیکھا تھا اگرچہ میرے نزدیک وہ بالکل بیکار ہے، اگر منقول رقعات کا پتا لینا منظور ہو تو یہ انتظام چنداں مشکل نہیں لیکن تعطیلات کے اختتام کا انتظار بہرحال ضروری ہے۔

(۳) کلام کے سلسلے میں کیا خدمت مطلوب ہے، اگر انتخاب اچھا مطلوب ہے تو میں یہ کر سکتا ہوں کہ غالب کا کوئی مطبوعہ دیوان لے کر اپنی رائے کے مطابق اچھے اشعار پر نشان لگا دوں۔ کلام قدیم میں بہت کم اشعار اچھے ہیں وہ الگ بھیجوں اگر کوئی اور خدمت مطلوب ہو تو لطفاً تفصیل کے ساتھ مطلع فرما دیجئے۔

(۴) وقائع احمدی کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ شرمسار ہوں، خیال تھا کہ آخری تسوید میں کتاب پاس رہے تو شاید بعض مقامات پر مراجعہ کی ضرورت پیش آئے اور تسوید زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں مکمل ہو جانی چاہیے تھی، لیکن یہاں سیاسی ہنگامہ بپا ہو گیا جس نے آرام و انقطاع و یکسوئی کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی، اس وجہ سے وعدہ بھی ٹوٹا اور نادم بھی ہونا پڑا۔

آپ ان صاحب کو یقین دلائیں کہ کتاب بالکل محفوظ ہے اور میں ذرا فراغت پاتے ہی اپنا کام کر کے واپس کر دوں گا۔ کتاب ان کے پاس محض ایک تبرک تھی۔ یہاں اس سے بقدر صلاحیت و استطاعت اہم کام لیا گیا اور جس وجہ سے وہ تبرک بنی۔ اس کے کارناموں کی اشاعت کا بندوبست ہوا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جلدی میں یہ سطریں لکھی ہیں معاف فرمائیں۔

ہاں نہ تو انتخاب غالب مجھے ملا اور نہ آپ کی کتاب جس کا نام میں بھول گیا اور جس کا ریویو میں نے غالباً معارف میں دیکھا تھا۔

مہر

(۷)

باسمہ سبحانہ — ۱۴/۹/۱۹۴۴

برادر محترم۔ کتابوں کے لیے شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ رمضان کے بعد ریویو لکھوں گا۔ نکات و رقعات کا صرف ایک ہی نسخہ میرے علم میں ہے جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ اس میں صرف پندرہ خط ہیں، اگر مجھے حکم ہو تو کتاب نکلوا کر مطبوعہ نسخے سے مقابلہ کر کے نتائج سے آپ کو اطلاع دے دوں۔ مع اس تشریح کے کہ کون کون سے خطوط اس میں منقول ہیں۔

پنج آہنگ کے کسی قلمی نسخے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ میں اب پبلک لائبریری میں دیکھوں گا۔

میں نے بعض افراد و رجال کے حالات جگہ جگہ نوٹ کر رکھے تھے۔ بعض خطوں کی تاریخوں کا قیاساً تعین کیا تھا۔

آپ کو اگر ان امور میں کہیں کوئی زحمت ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ جو چیز آپ پر منکشف نہیں ہوگی وہ مجھے کیا معلوم ہوگی تاہم ایک بعید سا امکان تو ہے کہ شاید کوئی خدمت انجام پا سکے۔

کلام غالب کے متعلق میرا ابتدائی تصور یہ تھا کہ انتخاب مطلوب ہے۔ اگر پورا کلام مرتب کرنا ہے تو لازماً صحیح اور احسن طریق وہی ہوگا جو آپ کے سامنے ہے البتہ یہ ظاہر ہے کہ کلام قدیم زیادہ ہے اور غیر مطبوعہ کم۔ پھر غیر مطبوعہ بھی اضافی حیثیت رکھتا ہے مثلاً بعض کلام ایسا ہے جو دیوان میں شامل نہ ہوا لیکن اردوئے معلّٰی میں چھپ گیا۔ مثلاً

آپ نے مسنی الضر کہا ہے تو سہی

اب آپ اسے اس طرح تو غیر مطبوعہ قرار نہیں دے سکتے جس طرح مثلاً اپنے مکاتیب والے قطعہ کو

نواب کلب علی خاں جئیں ہزار برس

اس سلسلے میں سوچ رہا ہوں اگر کوئی بات ذہن میں آئی تو ضرور لکھوں گا۔ اس سلسلے میں جس خدمت کی ضرورت ہو بے تکلف حکم دیں ان شاءاللہ تعمیل و امتثالِ امر میں توقف نہیں ہوگا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

(۸)

باسمہ سبحانہ ۱۰/۳/۱۹۴۵

حضرت مکرم و محترم۔ مبارک علی کے خط میں شکوہ نظر سے گزرا، جس کے دو پہلو تھے۔

۱۔ یہ پہلو تقاضائے محبت و شفقت کا نتیجہ تھا۔ اس کے لیے بہ دل شکر گزار ہوں۔

۲۔ دوسرا پہلو نکات غالب سے متعلق تھا، میرا حافظہ اگر غلطی نہیں کرتا تو مدت ہوئی آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ میرے نام کوئی حکم نامہ نہ آیا، میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ کتاب بالکل بے حقیقت ہے۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟

خدا کے لیے میری طرف سے تحریر و کتابت میں تساہل کو قلت عقیدت پر محمول نہ کیجئے، عقیدت میخ کی طرح دل میں پیوست ہے جو آپ کے گوناگوں فضائل کا ایک ناچیز خراج ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم و فضل کی بہترین توفیقات سے مشرف و مفتخر رکھے۔ آمین۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

ہاں بھائی آپ کے ہاں ایک کتاب انتخاب یادگار چھپی تھی۔ اگر وہ وہاں بازار میں ملتی ہو تو لطفاً مجھے وی پی بھجوا دیجئے گا یا اگر اس تاجر کتب کا پتا مل جائے جس کے ہاں سے مل سکتی ہے تو میں خود منگا لوں۔

مہر

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۹)

۴۵/۳/۲۸ باسمہ سبحانہ

برادر مکرم - میں بھول گیا، معافی چاہتا ہوں - اب کسی روز شیخ مبارک علی صاحب کی طرف جاؤں گا اور تیمیہ سے اڈیشن کی ایک دستخطی کاپی خدمت والا میں بھجوا دوں گا۔ دوستوں کے لئے جو کاپیاں مطلوب تھیں، وہ ابھی تک مجلد نہیں ہو سکیں اگر جلد سازی میں غیر ضروری تاخیر ہوئی تو بے جلد بھیج دوں گا ان شاء اللہ -

اس اڈیشن میں صرف سرسری ترمیمات ہوئی ہے - کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی کے باعث دل کھول کر لکھنے کی گنجائش ہی کہاں تھی -

اب اپنے سوالات کو لیجیے :-

۱- میں نے اقبال اکیڈیمی کا شائع کردہ انتخاب نہیں دیکھا، میرے علم کے مطابق غالب کی تحریرات میں صرف دو انتخابوں کا سراغ ملتا ہے - اول وہ انتخاب جو سراج الدین احمد خاں لکھنوی کے ایما پر "گل رعنا" کے نام سے کیا تھا - یہ غالباً سفرِ کلکتہ کے دوران میں یا اس کے فوراً بعد ہوا تھا - وہی مولوی سراج الدین احمد ہیں کہ متعلق غالب نے لکھا ہے :

باسراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست
ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا

یہ انتخاب میں نے نہیں دیکھا، سنا تھا کہ مولانا حسرت کے پاس یہ نسخہ یا اس کی نقل موجود ہے لیکن مولانا سے مجتہم سے اس واقعہ کی تصدیق نہ کر سکا -

دوسرا انتخاب بالکل آخری دور میں نواب کلب علی خاں مرحوم کی فرمائش پر کیا تھا، وہ رام پور والوں نے چھاپ دیا ہے میں نے اسے غائر نظر سے نہیں دیکھا - سرسری نظر سے دل پر یہ اثر پڑا کہ انتخاب بہت اچھا نہیں - ممکن ہے غالب کے سامنے اپنے ذوق کے بجائے فرمائش کنندہ کا ذوق ہو -

۲- ہرمزد یا ملا عبدالصمد کی شخصیت کو پہلے بھی لوگ فرضی مانتے رہے ہیں اور غالباً غالب کا ایک قول بھی اس مضمون کا ہے لیکن مجھے اس بارے میں کبھی کوئی وسوسہ نہیں ہوا۔ یادگار میں حالی مرحوم نے لکھا ہے کہ نواب مصطفیٰ خاں نے ملا صاحب کا ایک خط بنام غالب دیکھا تھا جس میں درج تھا : اے عزیز چہ کسی . . . الخ

میرے نزدیک اس باب میں غالب کو تصنع کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی لہٰذا ملا عبدالصمد کے واقعہ کو نادرست ماننے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں -

۳- قتیل کے متعلق بڑی بحثیں ہوئی ہیں - ایک صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ قتیل کے اجداد بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے - اس کے دادا نے بٹالہ کی سکونت چھوڑ کر باغ پت میں توطن اختیار کیا - پھر وہ یا اس کا بیٹا دہلی میں یا اس کے مضافات

میں مقیم رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فریدآباد کی سکونت ثابت نہیں لیکن اس تحقیق اور غالب کے دعوے کی تطبیق یوں فرمائی گئی ہے کہ دہلی کے عہد عروج میں فریدآباد بھی اس شہر کا ایک حصہ تھا۔

میرے نزدیک اس قسم کی باتیں سراسر مضحکہ خیز ہیں۔

قتیل کا دادا اور باپ کہیں رہے ہوں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس دور کی کوئی تحقیقی وکاوش اس خاندان کی حرکت و نقل کا پورا خاکہ مرتب نہیں کر سکتی۔ غالب نے جس وثوق کے ساتھ اسے فریدآبادی لکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فریدآباد سے قتیل کو خاص مناسبت تھی۔ اس کی تفصیل خواہ کچھ ہو۔ بعض اوقات تو غالب قتیل کا نام بھی نہیں لکھتے صرف "فریدآباد کا کھتری بچہ" کہتا ہے، اور معلوم ہے کہ اس عہد میں مخالفوں نے یہ انتساب سنا اور اسے بے چون و چرا قبول کیا۔ قتیل کی حمایت کرنے والے ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے غالب پر اعتراضات بھی کیے۔ لیکن فریدآباد کے انتساب سے اختلاف کی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری، لہذا اس انتساب کو درست مان لینے میں میرے نزدیک مضائقہ نہیں بلکہ اس کے خلاف جو کچھ فرمایا جاتا ہے وہ سراسر تکلف ہے۔ ایسے ہی حالات میں تحقیق بے سود کاوش بن جاتی ہے۔ البتہ اگر آپ کے سامنے قتیل کا فریدآبادی ہونا کسی مستند شہادت کی بنا پر غیر مسلم ہو تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ جس حد تک مجھے یاد ہے آپ نے پہلے ازالہ حیثیت عرفی والے مقدمے کا ذکر فرمایا تھا میں نے اس سلسلے میں اپنی معلومات پیش کر دی تھیں۔ اب آپ فرماتے ہیں کہ پنشن کے کاغذات کسی نے چھاپے ہیں۔ میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی اور نہ اس کے متعلق اب تک علم ہوا اگر آپ کو علم ہو تو لطفاً مجھے بھی مطلع فرمائیں۔

پنشن کے کاغذات کا بڑا ریکارڈ لاہور کے ریکارڈ آفس میں ہے، جو نواب شمس الدین احمد خاں والی فیروزپور جھرکا کے کاغذات میں شامل ہے اس لئے کہ غالب کی پنشن اصلاً اسی ریاست سے متعلق تھی۔ ان میں غالب کی بعض درخواستیں ہیں جو فارسی میں مرقوم ہیں۔ بعض کے انگریزی تراجم ہیں جو بڑے لغو ہیں اور ان پر غالب نے اپنے قلم سے چند سطریں فارسی میں لکھی ہیں۔ جس حد تک مجھے علم ہے اس ریکارڈ کو آج تک کسی نے نہیں چھاپا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ذوق و شوق میں مزید اضافہ کرے جو اس زندگی میں صلاحیت ادب کی ایک بہترین متاع ہے۔ میں نے مصروفیتوں کے ہجوم میں بڑی مشکل سے یہ چند سطریں گھسیٹی ہیں اس لئے کہ آپ نے جلد جواب طلب فرمایا تھا اور توقف میں اندیشہ تھا کہ آپ کو ملال ہوگا، اگر کوئی بات آپ کے حسب منشا پوری تفصیل سے عرض نہ کر سکا تو لطفاً مکرر زحمت تحریر گوارا فرمائیں۔

میں اب دو تین برس سے سید احمد بریلویؒ اور جماعت مجاہدین کے حالات کی ترتیب میں مشغول ہوں اور ہمہ تن اسی کے لئے وقف ہو گیا ہوں۔ یہ کتاب غالباً چار جلدوں میں مکمل ہو۔ سید صاحب کی سیرۃ کا حصہ قریباً مکمل ہو چکا ہے، جو غالباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اس سلسلے میں کوئی خاص مواد آپ کے پیش نظر ہوں تو مہربانی فرما کر مجھے اطلاع دیں۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

ہاں بھائی۔ مولانا ابوالکلام پر جس طنزیہ تحریر کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل سے ضرور مطلع فرمائیے، والسلام

آپ کا

مہر

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۰)

۱۹۴۵/۳/۲۹ باسمہ سبحانہ

بھائی۔ ایک عریضہ عجلت میں پہلے لکھا تھا جس میں ایک ضروری استفسار کا جواب رہ گیا۔

شیرانی صاحب کا قلمی نسخہ دیوان غالب میں نے یونیورسٹی لائبریری کے حوالے ہونے سے پہلے دیکھا تھا، سرسری طور پر، کہ بالاستیعاب میرے نزدیک اس میں کوئی خاص چیز نہیں۔ البتہ بعض غزلیات کے مقابلے میں حاشیہ پر مرقوم ہے (از باندہ فرستادہ) شلاً

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں؟

یعنی یہ غزلیں کلکتہ جاتے وقت باندہ میں لکھی گئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باندہ میں غالب کا قیام کافی ممتد تھا۔

قلمی کتابوں کے لئے ممبر کو درخواست دے کر منظوری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر ایک وثیقہ لکھوایا جاتا ہے اگر میری ممبری کا جلد فیصلہ ہو گیا تو میں خود یہ سب کچھ کر لوں گا۔ لیکن میرے دل پر اس دیوان کا اب تک جو اثر ہے اس کی کیفیت اوپر بیش کر چکا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا

مہر

ہاں بھائی! میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے ہاں کبھی ایک کتاب "انتخاب یادگار" بھی چھپی تھی؟ اگر وہ رام پور میں کسی کے ہاں ملتی ہو تو مجھے وی پی بھجوا دیجئے۔

مہر

(۱۱)

۱۹۴۵/۷/۲۱ باسمہ سبحانہ

برادر محترم۔ اگر ملزم سے کوئی بیان لیے بغیر محض ظواہر کی بنا پر فیصلے صادر کرنے کا دستور رائج ہوتا تو اس میں شبہہ نہیں میں سرمد و منصور کے مقام و مرتبہ کا نہیں تو کم از کم نفس و نوعیت سزا میں اُن کی ہمسری کا مستحق تھا اور دل نواب بھی یہی چاہتا ہے کہ بے تکلف عرض کر دوں کہ:

سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

مجرم ہوں گنہگار ہوں ہر تعزیر و تعذیب کا مستحق ہوں، ہر سزا کا مستوجب ہوں، اور آپ یقین رکھیں کہ ایک عزیز

دوست اور بھائی کے دل میں گوناگوں وساوس و شبہات پیدا ہونے سے بڑھ کر اور کون سی سزا باعث اذیتِ قلب و سوہانِ روح ہو سکتی ہے؟ پھانسی کے عمل کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہے کہ جو واقعہ بہر حال پیش آنا ہے اور جس کے لئے لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون کا غیر متبدل قول سامنے ہے۔ وہ ایک خاص صورت میں پیش آجائے اور انسان سمجھ لے کہ یہ معاملہ بہر حال مقدر تھا۔ لیکن کیا آپ اس شہید لطف و محبت کے دل کی حالت کا اندازہ کریں گے جس کی عقیدت و نیاز مندی کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے حالانکہ اس دنیا میں اس کے پاس بجز اس کے کوئی قابلِ ذکر متاع موجود نہ تھی؟

غالب نے شاید میرے ہی جذبات کی ترجمانی کی تھی کہ:

بقلین عشق کی واز سر گمان برخیز
بہ آشتی ننشین یا بہ امتحان برخیز

سب سے پہلے نامہ غالب کا قصہ سنیے۔ میں اپنی ممبری کے چکر میں مبتلا ہو گیا اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ارباب انتظام طبع یار سے زیادہ نازک مزاج اور زلف دوست سے بڑھ کر برہم پسند۔ نہ جواب دیں تاکہ انسان صبر کر کے بیٹھ جائے اور نہ قبول کریں۔ کئی مہینے امید و بیم میں گزار دیئے۔ میں خود بھی "وہابیوں" کے متعلق بعض کتابیں نکلوانے کا آرزو مند تھا۔

اس کے بعد میری ممبری کی منظوری آگئی۔ خوشی خوشی امانت کی رقم داخل کرائی تو معلوم ہوا کہ مجھے چوتھے درجے (ڈی) کا ممبر بنایا گیا ہے۔ یعنی ایک وقت میں صرف تین کتابیں لے سکتا ہوں اور کوئی کتاب پندرہ دن سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ میری ممبری کی وہ حالت جو اوپر پیش کی ہے، حرام قطعی ہے جو ایک کتاب بھی لی ہو۔

خدا کے لیے میری بے بسی پر نظر رکھیے۔

باقی رہی سید احمد بریلوی والی کتاب، تو اس کے باب میں میری روش ہی اس پیمانے پر پہنچ چکی ہے کہ اب کوئی عذر پیش کرتے ہوئے بھی حقیقۃً شرم آتی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ وہ کتاب ناقص ہے بڑی مشکل سے اس کے بقیہ حصے کا سراغ ملا۔ چھ سات مہینے سے اس کی نقل حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ پہلے ایک انتظام کیا جو ناکام رہ گیا، اب اس کی نقل چند روز میں مجھے مل جائے گی۔ اس کے آتے ہی دو چار روز میں مقابلہ کر کے کتاب بھیج دوں گا۔ اور آپ سے عرض کروں گا کہ جس قیمت پر بھی ممکن ہو ان دونوں حصوں کی نقل کرا دیجئے یعنی دونوں کے صفحات قریباً تیرہ چودہ سو ہیں، صرف مائیکرو فلم کتابت مطلوب ہے، جتنی رقم بنے وہ میں پیشگی بھیج دوں گا۔

پشتو کی مستند گریمر کے متعلق کس سے پوچھوں؟ اگر آپ کو کسی ایسی گریمر کا نام معلوم ہو تو لکھ بھیجئے میں یہاں سے یا پشاور سے منگا کر بھیج دوں گا۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو پھر بواپسی مطلع فرمائیں تاکہ میں پشاور کے دوستوں سے استصواب کر لوں، پھر جہاں سے بھی مل سکے آپ کو بھجوا دوں "وی پی" یا "مستعار" کا ذکر نہ فرمایئے جو شے بازار میں مل سکتی ہو یا پنجاب پبلک لائبریری میں، وہ آپ کو بہر حال بھیج دی جائے گی۔ اگر جنگ کی پابندیاں حائل نہ ہوتیں تو میں افغانستان سے بھی گریمر منگا سکتا تھا جہاں آج کل پشتو پر بڑی توجہ مبذول ہے لیکن اب پابندیاں اتنی ہیں کہ میرا خط ہی وہاں بمشکل پہنچے گا۔

رضوی صاحب کے خطوط کی زیارت کا منتظر رہوں گا، اعتقادات و اخبار تھوڑی سی تلاش کے بعد مل سکتے ہیں۔ میں ان شاء اللہ کسی وقت چند منٹ کی فرصت نکال کر فائل دیکھوں گا پھر خدمتِ والا میں بھیج دوں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا

مہر

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۲)

۱۹۴۵/۱۱/۱۷ باسمہ سبحانہ

برادرِ عزیز۔ میرے خط کے پہنچنے میں اتنی تاخیر یقیناً تعجب انگیز ہے مجھے اپنے بدخط ہونے میں کبھی شبہ نہیں ہوا۔ پھر ایک مصیبت یہ ہے کہ جو کچھ بھی لکھنا پڑتا ہے یعنی بصورت مکاتیب، وہ انتہائی عجلت میں اور گوناگوں مشاغل کے ہجوم میں لکھنا پڑتا ہے۔ ادھر کوئی صاحب تشریف فرما ہوتے۔ ادھر ٹیلی فون بج رہا ہے۔ دفتر کے مختلف کمروں سے اور دیگر حصوں سے مختلف النوع آوازیں آ رہی ہیں۔ گویا سارا دفتر ایک خارج از آہنگ ساز ہے، جس کے مختلف تار بے تکلف بج رہے ہیں۔ سکون ایک لمحے کے لئے بھی میسر نہیں۔ چونکہ دفتر سے کم و بیش چار میل کے فاصلے پر رہتا ہوں تاکہ کچھ وقت تو سکون میں گزارا جا سکے۔ اس لئے صبح ہی اُٹھ کر ایڈیٹوریل لکھتا ہوں بس وہی ایک دو گھنٹے سکون کے ہوتے ہیں۔ خطوط کے جواب بالعموم دفتر میں لکھنے پڑتے ہیں اس لئے جو کچھ لکھتا ہوں وہ بڑی ہی بُری حالت میں لکھتا ہوں۔ شور و ہنگامہ کی طبعی زشتی بدنمائی میں اضافہ کر دیتی۔

خیر، کتاب کی کیفیت معلوم ہوئی۔ انشاء اللہ چند روز میں بات چیت کر کے عرض کروں گا۔ لیتھو کا اندازہ بھی کرا دوں گا اور ٹائپ کا بھی۔ کتاب کے ظاہری حسن و تزئین کے سلسلے میں آرزو کو بے لگام چھوڑ دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کاغذ اور ساری طباعت کی گرانی ابھی تک ہوشربا ہے، لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ معاملے کے اس پہلو کو بھی بطورِ خاص پیش نظر رکھوں گا۔ لیتھو کی صورت میں کاپیاں اور پروف اور ٹائپ کی صورت میں پروف خود دیکھ لوں گا تاکہ حتی المقدور کوئی غلطی نہ رہ جائے اگر مناسب رقم یک مشت مل گئی تو مسودہ ایک اشاعت کے لیے دے دوں گا اگر خدانخواستہ اس میں کوئی توقف نظر آیا تو پھر کتاب چھپ جائے گی پھر کسی پبلشر سے بعد طباعت سودا کر لوں گا۔ اس بارے میں خاطر خاطر کو ہر تشویش سے محفوظ رکھیے

آپ کو غالباً معلوم نہیں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ میرے روابط نیازہ کالج کے زمانے سے ہیں، وہ جب لاہور آتے ہیں تو متواتر ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اب کے وہ صرف سات دن رہے۔ ان میں سے چھ دن ملاقاتیں ہوئیں حالانکہ وہ بیمار تھے اور ملاقاتوں کا سلسلہ بڑا محدود رکھا تھا۔ لیکن جو اوقات انہوں نے آرام کے لئے رکھے تھے۔ ان کا بیشتر حصہ روزانہ مجھے مرحمت فرماتے رہے۔

ان کے مکاتیب نہیں چھپ رہے۔ بلکہ پچھلی اسیری کے دوران میں انہوں نے ایک دوست کے نام چند خط لکھے تھے۔

جو کبھی پوسٹ نہیں ہوئے۔ ان میں متفرق مسائل پر بحث ہے، بعض تاریخی، بعض دینی، بعض فلسفیانہ، یہ مجموعہ چھوٹے سائز کے قریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہوگا "غبار خاطر" اس کا نام ہے، چھپائی کا انتظام میرے ذمے ہے۔ ۲۷۲ صفحے کتابت ہو کر آچکے ہیں اور چھپ رہے ہیں، بقیہ کاپیوں کا انتظار ہے۔ کلکتہ میں مولانا کی طبیعت زیادہ علیل ہوگئی تھی لہذا وہ بغرض سیاحت ضلع مرزاپور چلے آئے۔ اگر کاپیاں جلد آگئیں تو کتاب مہینے ڈیڑھ مہینے میں چھپ جائے گی۔ فرماتے تھے کہ کوئی صاحب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی سفارش لے کر آئے تھے اور پوری کتاب ان کو دے دینے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ کتاب چھپوا کر مولانا کے حوالے کر دوں یا جن صاحب کو وہ فرمائیں دے دوں۔

میں نے اپنے کام کے خطوط الگ نقل کرا لیے ہیں اس خیال سے کہ ان میں جو باتیں عام پڑھنے والے کے لئے تشریح طلب ہوں ان پر حواشی لکھ دوں۔ لیکن یہ خطوط ان کی اجازت کے بغیر چھپوا نہیں سکتا۔ میرے پاس دور حاضر کے اکثر اکابر کے خطوط ہیں اور بعض نہایت اہم مسائل کے متعلق ان سب کے سلسلے میں اسی طرح شرح نگاری کا خیال ہے۔ یہ مجموعہ بھی بڑا عجیب اور بیش بہا ہوگا۔

قتیل والا مضمون میں نے سرسری طور پر ایک مرتبہ اسی روز پڑھ لیا تھا جس روز میرے پاس پہنچا۔ اطمینان سے اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ آپ کی تحقیق و کاوش بڑی سے بڑی ستائش کی مستحق ہے، لیکن میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ قتیل کو فریدآباد سے یقیناً خاص تعلق ہوگا۔ ورنہ غالب اس کے مسکن و موطن کی تصریح پر اتنا زور نہ دیتا کہ مثلاً بعض اوقات وہ نام بھی نہیں لیتا اور محض فریدآباد کا کھتری بچہ کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہے۔

پھر غالب پر سینکڑوں اعتراض ہوئے، اس کے خلاف متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جن کے بیشتر حصے مغویات سے لبریز ہیں، اگر فریدآباد کی نسبت میں کوئی سقم ہوتا تو معترضین اسے سب سے پہلے منظر عام پر لاتے۔ لیکن حقیقتہً فریدآباد سے قتیل کو کیا نسبت تھی اور اس کے لئے مثبت دلائل کیا ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں میرا اندوختہ معلومات بے حد فرومایہ یا بہ اصطلاح قرآن حکیم محض بضاعت مزجاۃ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان معاملات کا کھوج لگایا جائے، لیکن اب فرصت کے جو چند لمحات نصیب ہوتے ہیں (اور وہ بہت تھوڑے ہیں) ان سب کو سید احمد بریلوی کی نذر کر رہا ہوں۔ خدا کرے یہ کتاب جلد کتابت کے لیے تیار ہو جائے تاکہ پھر میں جماعت مجاہدین کے حالات لکھ سکوں، اس سلسلے میں زیادہ اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ مجھے حسن اتفاق سے زیادہ حالات مل گئے۔ اگر وہ منضبط و مرتب نہ ہو سکے تو خدا جانے پھر کسی صاحب کو ان وسائل تک رسائی ہو یا نہ ہو اور مبادا مسلمانوں کے جہاد آزادیٔ ہند یا احیائے حکومت اسلامی کے لئے جانبازیوں اور جاں فشانیوں کا یہ درخشاں ترین مرقع ہمیشہ کے لئے قعر گمنامی میں دفن ہو جائے۔

لطفاً اطلاع دیجیے کہ ہاتھ کے دانوں کی صورت اب کیا ہے! اللہ تعالیٰ شفائے عاجل عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا مہر

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۳)

۱۹۴۵/۱۲/۱۹

باسمہ سبحانہ

برادر محترم - یہ عریضہ صرف اس اطلاع کے لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ کی بھیجی ہوئی کتاب "وقائع احمدی" جلد دوم ابھی میں نے اپنے سامنے بندھوا کر اور آپ کا پتا لکھوا کر تیار کرائی اور آدمی رجسٹری کے لیے لے گیا۔ اگر کسی وجہ سے آج رجسٹری نہ ہو سکی تو کل لازماً ہو جائے گی۔ اس طرح مدت مدید کے بعد ایک بارگراں سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ آپ کی اس نوازش کا بہ دل ممنون ہوں اور اپنی کوتاہی و نالائقی پر شرمسار کہ آپ کے تقاضوں کے باوجود جلد اسے نہ بھیج سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے تیسرے حصے کی تلاش میں تھا اور اسی کے مقابلے کے لیے اس کے ارسال میں متوقف رہا، جن صاحب نے تیسرے حصے کا وعدہ فرمایا تھا وہ بوجوہ اسے جلد پورا نہ کر سکے۔ اس وجہ سے میں اضطراراً ایک افسوسناک جرم کا مرتکب ہوتا رہا اور آپ کے لیے باعث تشویش بنا رہا۔

آپ جانتے ہیں کہ اس معاملے میں آپ کی نوازش کا میرے دل پر کتنا گہرا اثر ہے۔ احسان شناسی کا تقاضا یقیناً وہ نہیں تھا جس پر میرا عمل رہا۔ اور اس عمل کو اختیار وارادہ کے بجائے اضطرار سے وابستہ کر دینا میری مجرمیت میں کوئی کمی نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ سزا میں ایک حد تک کمی ہو جائے۔

بہر حال میں آج آپ کی نوازش کا پہلے سے بڑھ کر شکر گزار ہوں اور ان شاء اللہ تادمِ زیست شکر گزار رہوں گا۔

اب صرف دو التماس ہیں:

۱۔ میرا گناہ معاف کر دیا جائے۔

۲۔ کتاب کے پہنچنے کی رسید مرحمت فرمائی جائے۔

اگر حالات بہتر ہو جائیں اور آدمی مل جائیں تو مہربانی فرما کر مجھے ان دونوں کتابوں کی نقلیں لے دیں۔ جتنی رقم بنے میں اطلاع ملتے ہی پیشگی بھیج دوں گا یا جس حساب سے آپ اس کام میں لگائیں اس کی اجرت ماہوار حاضر خدمت کرتا رہوں گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مہر

بنام مختار الدین احمد آرزو

(۱۴)

۱۹۴۶/۱۲/۲۳

باسمہ سبحانہ

برادر مکرم - مدت مدید کے بعد آپ کا گرامی نامہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ آپ کاموں میں مشغول ہو گئے ہیں اور کوئی تحریر طلب بات بھی پیش نظر نہ تھی، صرف مزاج پرسی اور خیریت طلبی۔ اس باب میں واقعی مجھ سے کوتاہی

ہوئی۔ جس کے لئے عفو خواہ ہوں۔

ہاں بھائی! بہار کا واقعہ بڑا دہشتناک اور الم انگیز ہے، اس کی جو متفرق تفصیلات مختلف ذرائع سے مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوئیں۔ وہ اس درجہ رنج افزا ہیں کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ آج کل ایسی پابندیوں میں جکڑے ہوئے جا رہے ہیں کہ ان تفصیلات کو چھاپ نہیں سکتے، آنکھیں روتی ہیں، دل روتا ہے لیکن فریاد زبان پر نہیں آ سکتی۔ میں خود تو پابندیوں سے کہیں بڑھ کر اپنے بھائیوں کی مصلحتوں کے خیال سے ضبط پر کار فرما ہو گیا ہوں یعنی چاہتا تھا کہ ان پر جو قیامت گزر چکی ہے اس کے اعادہ کے اسباب بالکل محو نہ ہوں تو کم از کم ان میں تخفیف ہو جائے لیکن یہ سن کر بے حد قلق ہوا کہ آپ کے نزدیک "سکون عارضی ہے اور بالکل عارضی"۔ پھر علاج کیا ہے؟

یہاں مبادلۂ آبادی یا کہنا چاہیے کہ نقل مکان کا آوازہ بلند ہوا تھا، میں نے اس پر بڑی دیر تک غور کیا۔ لیکن کسی پہلو سے بھی یہ تجویز مجھے قابل عمل یا مفید معلوم نہ ہوئی۔ باہر سے وقتی اعانت: سود مند ہے اور نہ ممکن العمل یعنی متواتر۔
آپ کے مختصر سے فقرے نے وہ ساری عمارت منہدم کر ڈالی جو خیالات سے میں نے اپنے ذہن میں تیار کر رکھی تھی۔ کیا آپ میری رہنمائی کریں گے کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یعنی ایک ناچیز خدمت گزار ملت کی حیثیت میں میں کیا طرز عمل اختیار کروں کہ اپنے عزیز و محترم بھائیوں کو پریشانیوں سے محفوظ رکھنے کے کاروبار میں اپنے حصے کے واجبات پورے کر سکوں!

خدا کا شکر ہے کہ آپ اور آپ کے اعزہ محفوظ رہے۔

مولانا عبدالباقی صاحب آج کل یہیں ہیں اور رحال ہی میں حکومت پنجاب نے انھیں سات آٹھ سو روپے ماہوار پر پبلسٹی افسر بنایا ہے۔ ان سے اگر کوئی کام ہو تو آپ جب چاہیں مجھے تحریر فرما دیں یا براہ راست انھیں لکھ دیں۔
سیدؒ صاحب کے سوانح کے قریباً نو ۹ باب لکھے جا چکے ہیں۔ تین چار باب باقی ہیں، اس سلسلے میں دو مزید کتابیں شروع کر دی ہیں۔ ان کے بھی چھ سات باب لکھ چکا ہوں۔

ہاں! "آثار غالب" کا کیا بنا؟ چھپا یا نہیں چھپا؟ اگر چھپا تو کہاں سے مل سکتا ہے؟

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا

مہر

(۱۵)

باسمہٖ سبحانہٗ ۷/۱/۱۹۴۷

برادر محترم! مفصل مکتوب ابھی ملا۔ دفتر کی غیر ساکن بلکہ سکون شکن فضا میں بھی اسے پورے غور سے پڑھا۔ شام کو گھر جا کر پھر پڑھوں گا۔

میں نے ابتدا سے اب تک ہر ذریعہ سے جو میری دسترس میں تھا ہنگامۂ بہار کے زیادہ سے زیادہ مفصل حالات معلوم کرنے کی کوشش کی اور میں کہہ سکتا ہوں کہ یہاں غالباً کوئی بھی ان حالات سے اتنا واقف نہ ہو جتنا کہ میں ہوں۔ میں نے بہترین کانگریسی ذرائع سے حاصل کردہ معلومات بھی دیکھی ہیں۔ (لیکن وہ نہیں جن پر بابو راجندر پرشاد وغیرہ کے بیانات کا مدار ہے)

جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ بہ اعتبارِ مفہوم پہلے سے میرے سامنے ہے۔ لیکن جو معاملہ ابتک سمجھ میں نہیں آیا وہ صرف یہ ہے کہ آیندہ کے لئے حفاظت کی شکل کیا ہو؟ ہجرت یا نقلِ وطن میرے نزدیک ہر نقطۂ نگاہ سے ناقابلِ تصور ہے اور محدود سے محدود درجے میں بھی ممکن العمل نہیں۔ جن لوگوں کا مدار بقول علامہ اقبالؒ "نفسِ غیر" پر ہے:

جینا وہ کیا کہ ہو نفسِ غیر پر مدار

اور جن لوگوں کی لیڈریوں کا سہارا وہ تقریریں ہیں جو جلسوں میں سنائی جائیں یا وہ بیانات ہیں جو اخباروں کے صفحات پر جلوہ گر ہوتے رہیں، ان کی سب باتیں میں نے سنی ہیں، پڑھی ہیں، ان پر غور کیا ہے۔ پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان میں خلوص یا عقل کا شائبہ تک موجود نہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے لوازم کیا ہیں۔ "مباہلہ" خارج از بحث ہے اس لیے کہ فریقِ ثانی اس پر تیار نہیں۔ پھر کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ کوئی مسلمان جس کے دل میں اپنے بھائیوں کی ہمدردی کے لئے مدد کا ایک نقطہ بھی موجود ہے یہ تصور نہیں کر سکتا کہ انھیں بہ دستور حوادثِ وخطرات کی بے یقینی میں معلق چھوڑ دیا جائے۔

میں صرف اس معاملے میں اپنے عزیز بھائی کی رہنمائی کا طلب گار ہوں۔ آیا آپ مجھے کوئی راستہ بتائیں گے؟ یقین رکھیں کہ جو راستہ تجویز فرمائیں گے اس پر غور و فکر کے بعد ان شاء اللہ پورے اہتمام کے ساتھ عمل کرانے کی سعی کروں گا اور خدا کے فضل سے امید ہے وہ کامیاب ہو۔

باقی رہا آپ کا استفسار تو اجمالاً اس کا جواب سن لیجیے:

سید صاحب کی تحریک کے سلسلے میں سرحد کے جس خاندان نے قربانیوں کو انتہا پر پہنچایا اور جس کی قربانیاں اہلِ صادق پور کے گراں بہا مرقعِ ایثار سے اگر فائق نہیں تو فروتر بھی نہیں ہیں، وہ سادات ہی ہیں۔ میں نے ان کی تاریخ بھی ساتھ ساتھ شروع کر دی ہے اور کئی باب لکھے جا چکے ہیں۔ دوسری کتاب تاریخ امب ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ امب کے ساتھ سید صاحبؒ کا خاص تعلق رہا۔ مجھے اس سلسلے میں تمام پرانے حالات تلاش کرنا پڑے۔ سید صاحبؒ کے سوانح میں وہ حالات اجمالاً آئے ہیں۔ میں نے الگ ان کو قدرے تفصیلاً بھی قلمبند کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ضمناً تیار ہو جائیں گی۔

اہلِ صادق پور کے حالات میرے مجوزہ سلسلے کی تیسری کتاب میں آ جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"نامۂ غالب" کے سلسلے میں اگر منفعتِ عاجلہ کا خیال معیارِ فیصلہ نہ ہو تو آپ مسودہ میرے پاس بھیج دیجیے۔ کوشش کروں گا

کہ یہ جلد چھپ جائے۔

میں اس وقت ملاقاتیوں کے ہجوم میں غیر مطمئن سا بیٹھا ہوں اور جلدی میں یہ چند سطریں گھسیٹ دی ہیں، مفصل پھر!

ہاں! آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ غالب کے پچھتر خطوط (بنام منشی نبی بخش صاحب حقیر) مل گئے ہیں۔ میں گذشتہ نومبر میں دہلی گیا تو اچانک ایک صاحب نے وہ خطوط دکھائے۔ بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔ وہ صاحب انھیں مرتب کر رہے ہیں اور حواشی کے ساتھ چھاپنا چاہتے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا

مہر

(۱۶)

باسمہٖ سبحانہٗ

۱۱/۲/۱۹۴۷

برادر مکرم - جواب میں تاخیر کے باعث مجھے یہ خیال ہو رہا تھا کہ آپ غالباً حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

بہار کے متعلق اضطراب تھا۔ ہے اور نہ جانے کب تک رہے، وہاں سے تدریجاً نقل مکانی کا مسئلہ وقتی جوش کی حالت میں اٹھایا گیا اور ہمارے رہنماؤں کے عام شیوہ و اسلوب کی طرح اب تک وہی صورت جاری ہے۔ کاش میں تفصیلات لکھ سکتا۔ کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ ان نااہلوں نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا کتنا دردناک منظر پیش کیا ہے۔ مجھے یہ تحریک کبھی بھی مناسب معلوم نہیں ہوئی اور میرے نزدیک یہ بہ لحاظ غیر ممکن العمل ہے۔ بس دیکھتے جائیے۔

حقیر کے نام کے خطوط بے شک قیمتی ہیں اور غالب کی زندگی کے متعلق بھی ان میں بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔ سید اشفاق حسین صاحب ایک نوجوان ہیں جو انھیں مرتب کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے رام پور والے مکاتیب غالب کا پیمانہ تھا۔ میں نے لمبی بحث کے بعد انھیں اس ارادے سے باز رکھا اور عرض کیا کہ معمولی حواشی اور سرسری مقدمہ کے ساتھ کتاب چھاپ دیں۔ بارے وہ تیار تو ہوئے ہیں، لیکن کام کی رفتار بڑی سست ہے۔ میں پچھلے دنوں دہلی گیا تھا تو دوبارہ ان سے یہی استدعا کی تھی۔

نامۂ غالب کے متعلق معلوم ہوا۔

مالک رام صاحب آگئے ہیں۔ مجھے دسمبر میں ایک مرتبہ ملے تھے۔ پھر جنوری میں ملنے کا وعدہ کر گئے تھے لیکن نہیں آئے۔ ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ "ذکر غالب" کو طبع ثانی کے لئے مرتب کر رہے ہیں۔

ان کا پتا معلوم نہیں، سنا تھا کہ چند روز کے لیے دہلی جانے والے ہیں، پتا مل گیا تو ان شاء اللہ اطلاع دوں گا۔

میں بعض کاموں کی وجہ سے عجلت میں ہوں۔ یہ آپ کے محبت نامہ کی رسید ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا

مہر

(۱۷)

باسمہ سبحانہ

۱/۱۲/۱۹۴۸

بھائی - دو تین مہینے ہوئے آپ کا ایک گرامی نامہ آیا تھا اور میں نے اسی وقت مفصل جواب لکھ کر ہوائی ڈاک سے آپ کو بھجوا دیا تھا۔ تعجب ہے وہ جواب آپ کو نہیں ملا۔ میں نے اس میں عرض کیا تھا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں غالب کے مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی پر کچھ لکھ دوں گا۔ اور ضمناً اس میں قاطع برہان کا قصہ آجائے۔ آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی تو میں نے سمجھ لیا کہ حالات نے آپ کے ارادوں کو معرض التوا میں ڈال دیا ہے -

اب فرمایئے - میرے لیے کیا حکم ہے ؟ - غالب کے "آثار" میں سے کون سی چیز رہ گئی ہے -

مقدمہ پر ایک مرتبہ "اردو" میں ایک مضمون چھپا تھا لیکن اس میں ساری چیزیں ایسے انداز میں چھپی تھیں جسے علمی نقطۂ نگاہ سے خوشگوار نہیں سمجھا جا سکتا اگر اس کے سوا کوئی چیز آپ کے خیال میں آسکے تو مجھے فرما دیجیے ۔ امتثالِ امر میں تامل نہیں ہوگا -

مصیبت یہ ہے کہ مکاتبت کے سلسلہ کی حیثیت اطمینان بخش نہیں رہی ۔ اور نہیں کہہ سکتا کہ جو سطریں اب لکھ رہا ہوں یہ آپ کے ملاحظہ میں پہنچیں گی یا نہیں پہنچیں گی - تاہم حکم کی تعمیل میں عذر نہیں کر سکتا -

پہلے عریضے میں بعض مشورے بھی عرض کیے تھے - اب آپ کا پہلا گرامی نامہ پیشِ نظر نہیں اور نہ یہ یاد رہا کہ آپ نے کیا تحریر فرمایا تھا اور میں نے کیا لکھا تھا ؟

بہرحال میں بندۂ فرمان عالی ہوں - آپ جو کچھ فرماویں گے اُسے پورا کرنے میں بقدرِ امکان انشاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی -

ہاں ! ایک بات یاد آئی - آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے فرید آبادیت کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ غالب قریشی ہوں یا نہ ہوں غالب کا انتساب درست تھا - اس لیے کہ اس پر بہیوں اعتراضات ہوئے لیکن قتیل کے فرید آبادی ہونے کے متعلق کم از کم میری نظر سے معاصرین کا کوئی اعتراض نہیں گزرا -

چند روز ہوئے میں "مآثر الامرا" دیکھ رہا تھا - جہانگیر کے رفیقانِ خاص میں سے ایک صاحب شیخ فرید بخاری تھے جنھیں جہانگیر نے ۱۶۰۶ء میں اپنے بیٹے خسرو کے تعاقب میں پنجاب بھیجا تھا جبکہ وہ آگرہ سے باغی ہو کر دہلی ہوتا ہوا لاہور پہنچا تھا - شیخ فرید نے بھیروال کے مقام پر خسرو کو شکست دی - وہ بھاگ کر کابل جانا چاہتا تھا لیکن سوہدرہ کے گھاٹ پر پکڑا گیا -

جہانگیر خود بھی شیخ فرید کے پیچھے پیچھے پنجاب پہنچا - سلطان پور سے آگے بڑھا تو اسے خسرو کی شکست کا علم ہوا - شیخ فرید کو گلے سے لگا لیا اور وہیں اسے مرتضیٰ خاں کا خطاب دیا - نیز بھیروال کو پرگنہ بنا کر اس کی جاگیر میں دے دیا -

اس مرتضیٰ خاں (یعنی شیخ فرید) کے متعلق سیرۃ نگاروں کا بیان ہے کہ شجاعت اور سخاوت میں بڑا بلند پایہ تھا - لاولد تھا - اس نے لاہور، احمد آباد اور دہلی میں دو محلے آباد کیے تھے - احمد آباد والے محلے کا نام "محلہ بخارا" تھا - اور دہلی والے محلے کا نام "فرید آباد" -

جہانگیر کے زمانے میں دہلی شہر وہی تھا جسے اب پرانی دلی کہتے ہیں - محلہ فرید آباد میں بڑی عالی شان عمارتیں تھیں - ممکن

ہے شاہ جہاں آباد بن جانے کے بعد پرانے محلوں نے شہر کے متعلقہ دیہات کی شکل اختیار کر لی ہو اور تقی کے والدین اسی میں رہتے ہوں اس وجہ سے وہ فرید آبادی مشہور ہو گیا ہو۔

میں اس سلسلے میں مزید تحقیق نہ کر سکا۔ آپ کو اچھے مواقع حاصل ہیں کوشش کیجیے کہ شاید اس محلہ فرید آباد کا کوئی سراغ مل جائے اور دیرینہ عقدے کے حل کی کوئی شکل نکل آئے۔

شیخ فرید بخاری اور اس کے آباد کردہ محلہ فرید آباد کا ذکر مآثر الامراء کی دوسری جلد میں صفحہ ۶۳۹ پر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے کہ "در دہلی محلہ فرید آباد با عمارات و تالاب یادگار گذاشت"۔

یہ عریضہ آپ کو مل جائے تو لطفاً جواب سے مشرف فرمائیے تاکہ میں تعمیل ارشاد گرامی کر سکوں والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

(۱۸)

۵۰/۲/۷

باسمہ سبحانہ

جان برادر۔ آپ کا گلہ بالکل بجا، کاش میں غالب کا یہ شعر آپ کو سنا سکتا:

تعیین عشق کن راز سرگماں برخیز ◦ بر آشتی بنشیں یا بہ امتحاں برخیز

آپ کے بھیجے ہوئے پرچے مل گئے تھے۔ میں ڈاکٹر سید عبداللہ سے ملا بھی، لیکن پرچہ انھیں نہ پہنچا سکا۔ واقعی میں ایک الجھن نہیں کئی الجھنوں میں مقید رہا۔ اب ان کی تفصیل بیان کرنے سے آپ کے اطمینان خاطر میں کمی تو پیدا کرنا بہت نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ میں نے "انقلاب" کو گذشتہ اکتوبر میں بند کر دیا تھا۔ ایک ایرانی شاعر کی رباعی بے اختیار یاد آگئی سن لیجیے:

اندر طلب یار چو مردانہ شدم ◦ اول قدم از وجود بیگانہ شدم

او علم نمے شنید، لب بربستم ◦ او عقل نمے خرید، دیوانہ شدم

جی چاہتا تھا کہ سیاسیات سے الگ ہو کر ان علمی کاموں میں لگ جاؤں، جن کے لیے برسوں سے چند لمحات فروغ کا خواہاں تھا۔ لیکن احباب کے تقاضوں نے تنگ کر دیا۔ نہ فراغ ملا، نہ دل کی آرزو پوری ہوئی۔

کئی برس سے سید احمد بریلویؒ کے حالات کی ترتیب میں مشغول تھا۔ ایک ہزار صفحہ کی کتاب صرف سید صاحب کے سوانح میں لکھ رکھی تھی۔ اب چاہتا تھا کہ اسے چھاپ دوں۔ چند امور کے متعلق مشورے ضروری تھے اور ایک مرتبہ ٹونک جانا چاہتا تھا، جہاں سیدؒ صاحب کے متعلق چند کتابیں موجود ہیں۔ مشورے صرف مولانا ابوالکلام آزاد سے مل سکتے تھے۔ انھیں کے پاس پہنچ کر ٹونک جانے کا انتظام ہو سکتا تھا۔ میں نے یہاں سے پرمٹ حاصل کیا۔ پھر ہندوستانی ڈپٹی ہائی کمشنر کے دفتر سے اجازت لینی تھی اور گزشتہ نومبر میں دہلی پہنچنے کا پختہ ارادہ تھا۔ خیال تھا کہ تاریخ سفر متعین ہو جائے تو آپ کو لکھوں۔ دفعتہً کراچی جانا پڑا۔ واپس آیا تو احباب فیصلہ کر چکے تھے کہ اخبار از سر نو جاری ہو۔ میں تامل میں تھا۔ اخبار شروع ہو جائے تو فرصت کا

ملنا خارج از بحث۔ اس وقت سے شش و پنج میں پڑا ہوا ہوں۔ کیا کروں، کیا نہ کروں؟ پہلے تو میرے بیمار ڈسمبر میں جانے کا فیصلہ کیا۔ پھر جنوری میں۔ اب اس مہینے میں قصد ہے۔ پہلا اجازت نامہ زائد المیعاد ہوگیا۔ دوبارہ درخواست دے رکھی ہے۔ آسکا تو روانگی سے پہلے آپ کو لکھوں گا۔ میں اس تذبذب اور اس پریشانی میں آج کل، آج کل کرتے کرتے وقت ٹال رہا، یہاں تک کہ آپ کو لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

جیسا کہ مجھے اندیشہ تھا۔ مضامین خاصے غلط چھپے۔ میں کاپیاں خود دیکھ لیتا تو بہتر ہوتا لیکن آپ بھیج نہ سکے۔ خیر، اب ان مضامین کو بعد تصحیح دوبارہ چھاپنا بالکل فضول ہوگا۔ اور کوئی بات ذہن میں آئی تو ضرور لکھوں گا۔ فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔

میں نے اس اثنا میں غالب کے اردو رقعات تاریخ وار مرتب کر دیئے اور ان پر ضروری حواشی لکھ دیئے۔ یہ کام پہلے منشی مہیش پرشاد نے انجام دیا تھا۔ لیکن وہ صرف پہلی جلد چھاپ کر رک گئے اور اس میں بھی بعض افسوسناک غلطیاں رہ گئیں۔ میں نے سارے خطوط کو مرتب کرنے کے علاوہ حواشی لکھ دیئے، جن کی وجہ سے خطوط کی افادی حیثیت بڑھ گئی۔ اب ان پر ایک مختصر مقدمہ "انشائے غالب" کے متعلق لکھنا ہے۔ اس ترتیب و تہذیب کے بعد غالب کے خطوط کا مطالعہ کیا جائے تو بالکل ایک نیا عالم سامنے آجاتا ہے۔ یہ کام مدت سے پیش نظر تھا۔ فرصت نہیں ملتی تھی، خدا کا شکر ہے کہ یہ بھی پورا ہوگیا، امید ہے کتاب جلد چھپ جائے۔

لیکن میں سب سے بڑھ کر فکر مند سید صاحب کے سوانح کے متعلق ہوں، کئی برس کی محنت سے ایک چیز تیار کی۔ سوانح چھپ جائیں تو میں "تاریخ مجاہدین" کا کام شروع کر دوں جو دراصل ہندوستان میں اسلامی حکومت کے دور زوال کے بعد پنجاہ اہم واقعات کا مرقع ہوگی۔ اس کے لئے مواد مدت سے فراہم ہے۔ اخبار کو از سر نو جاری کرنے میں ہچکچاہٹ کا سبب یہی ہے کہ اگر ادھر مصروف ہوگیا تو پھر سارے ضروری کام رک جائیں گے۔

بہر حال اپنی کوتاہی قلم کے لئے عفو خواہ ہوں۔ خدا کرے کہ میں دہلی آؤں تو کسی طرح آپ سے ملاقات ہو جائے۔ میں آیا تو امید ہے کہ مولانا کے پاس ٹھہروں گا اس لئے کہ انھیں سے کتاب کے متعلق چند ضروری مشورے لینے ہیں اور انہیں کی توجہ سے ٹونک کے ذخیرے تک پہنچنے کا امید وار ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا

مہر

(۱۹)

لاہور ۱۹۵۰/۳/۱۸   باسمہ سبحانہ

جان برادر۔ آپ نے برسات میں اکثر دیکھا ہوگا کہ تیز بارش ہوئی، جگہ جگہ سیل رواں ہوگئے اور خس و خاشاک کو ساتھ بہا لے گئے۔ میری حالت مدت سے سیل میں خس کے ایک تنکے کی سی ہے۔ معیشت کے جن وسائل پر بدو شعور سے تکیہ تھا۔ وہ چھن گئے ان کا بدل ملنے کی کوئی صورت فی الحال نظر نہیں آتی۔ بیس بائیس متوسلین کے نان و نفقہ کا بوجھ سر پر، لکھنے پڑھنے کے سوا کوئی کام آتا نہیں۔ اسے بھی باندازۂ آرزو انجام دینے کی صلاحیت نہیں۔ پھر اپنی بعض غیر مکمل تصانیف کو پورا کر لینے کا

اضطراب۔ کیا عرض کروں کہ لیل و نہار کس طرح گزرتے ہیں، زندگی اگر سانس کی آمد و رفت کا نام ہے تو بے شک زندہ ہوں۔ لیکن زندگی کی وہ معنویت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے انسان کو اس خاکدان سے ایک گونہ دلبستگی ہوتی ہے۔ تاہم :

شاد باید زیستن ، ناشاد باید زیستن

علمی کاموں کے ساتھ، باوجود فرومایگی علم و نظر، جو دلچسپی تھی، اس میں افسردگی آ گئی۔ برسوں کی مزاولت کے باعث ایک عادت سی پیدا ہو گئی تھی، اسے ملکہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ بس وہی عادت میرا سرمایہ ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ تنہا اس سے محفل علم و تحقیق میں کام نہیں چل سکتا۔ غور و تحقیق کے لیے فرصت و جمعیت خاطر مطلوب ہے۔ کتابوں کے مطالعہ کے لیے ایک خاص درجے کا اطمینان درکار ہے۔ یہ چیزیں مفقود ہیں۔ فرمایئے اس حالت میں یہ حاشیہ نشین بساط نیاز آپ کی کیا خدمت بجا لائے؟ اگر زندگی کے کچھ سانس باقی ہیں اور تھوڑا سا اطمینان میسر آ جائے تو یقیناً آرزو ہے، خواہش ہے کہ آپ جیسے سلیم الطبع اور محبت پرور دوست کے ارشاد فرامین و احکام کی تعمیل بہتر سے بہتر طریق پر کروں :

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا؟ فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

اس وقت تو بقول غالب :

آیندہ و گزشتہ تمنا و حسرت است یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

اب اپنے گرامی نامے کا جواب سنیئے۔ اجمالاً نہ کہ تفصیلاً :

ا۔ میں اوائل مارچ میں دلی گیا، چونکہ سفر کا انتظام عجلت میں کیا تھا یعنی ایک عزیز دوست اچانک تیار ہو گئے اور میں نے ان کی معیت سے فائدہ اٹھایا اس لیے اطلاع نہ دے سکا تھا۔ میں طبعی اور سکون پرور حالات میں بھی کسی مستعد ہم سفر کے بغیر باہر نہیں نکل سکتا اگرچہ ساری عمر سفر میں گزری اور ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ ممالک غیر میں بھی لمبے سفر کیے۔ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں ساتھی کے بغیر کیوں کر سفر کا ارادہ کر سکتا تھا؟ عجلت میں اطلاع نہ دے سکا۔ یہی سوچا کہ دہلی پہنچ کر لکھوں گا۔ اس لیے کہ دس پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد تھا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دلوں میں اضطراب ہے پھر ہولی کے موقع پر علی گڑھ کی کشمکش کی خبر آ گئی۔ اس لیے آپ کو لکھنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ ایک روز قاضی عبدالغفار اور آپ کے محترم وائس چانسلر صاحب تشریف لے آئے۔ چند گھنٹے مولانا کے ہاں ٹھہرے، دو تین مرتبہ ارادہ کیا کہ ان کے ہاتھ آپ کو پیغام بھیج دوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک دن کے لیے آ جائیں۔ پھر اس خیال سے رک گیا کہ خود غرضی کی بنا پر آپ کو زحمت و تشویش میں ڈالنا بالکل غیر مناسب ہوگا۔ ادھر اچانک ایسے مسائل سامنے آ گئے کہ مجھے اپنی مدت قیام گھٹانی پڑی اور جس دوست کے ساتھ گیا تھا، اسی کے ساتھ واپس آ گیا۔ یار زندہ صحبت باقی۔ نہ مل سکنے کا دلی رنج ہے لیکن اب زندگی کے بیشتر سوانح ایسے ہی ہیں کہ آرزو کے بجائے شکست آرزو کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ اخبار کو از سر نو جاری کرنے کا ارادہ پختہ ہے، بعض انتظامات میں خلاف توقع تاخیر ہو گئی۔ خدا چاہے تو جلد نکل آئے۔ تاخیر میں میرے تذبذب کا بھی خاصا حصہ ہے۔ فراغت بال ہر شخص کو طبعاً اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مہینوں سے یہ کیفیت ہے

کہ صبح اُٹھا جس کتاب کو دل چاہا پڑھا کہ جو کچھ خیال میں آیا لکھ لیا۔ جہاں جی چاہا چلا گیا، دوست آ گئے تو جتنی دیر چاہا باتیں کریں۔ اخبار نکل آئے تو یہ فراغت کب نصیب ہوگی۔ صبح اٹھتے ہی لکھنے کی فکر اور ان بحثوں میں کاوشِ دماغ سوزی کا تواتر جن سے مدت ہوئی دل بجھ چکا ہے۔ ہر لحظہ "رد و قدح" کے قضیہ میں الجھے رہنا کون دل سے پسند کرتا ہے؟ فراغت کے جو لمحے میسر ہیں۔ ان کو جس حد تک مبارک کرنے کی خواہش پوری ہو سکتی ہے کرتا جاتا ہوں۔ والامر بید اللہ تعالےٰ۔

۳۔ "نوادر" میں کئی چیزیں میرے پیش نظر ہیں۔ لیکن تھوڑا سا وقت ملے اور میں ریکارڈز آفس تک جا سکوں تو ان کا بندوبست کروں۔ ابھی تک وقت نہیں نکال سکا۔

۴۔ "شمس الامراء" والا قصیدہ میرے نزدیک وہی ہے جو بعد میں غالب نے ایک دو شعر بدل کر وزیر الدولہ والیٔ ٹونک کو بھیج دیا تھا۔

۵۔ "نسخۂ گلستان" والا قطعہ الگ کاغذ پر لکھ دیا ہے۔ وہ کاغذ اس عریضے کے ساتھ ملاحظۂ گرامی سے گزرے گا، احتیاطاً کاتب کے مختصر سے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔

۶۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو "قتیل فریدآبادی" والا فارسی قطعہ رسالہ اردو میں چھپا تھا۔ اب مجلدات "اردو" کی ورق گردانی کی فرصت نہیں۔ آپ لطفاً دیکھ لیں۔ اگر نہ ملا تو میں بھیج دوں گا۔

۷۔ مولانا عبدالحق نے جو تحریر چھاپی تھی، وہ میری نظر سے گزر چکی ہے لیکن اب اسے نکال نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے کہ اور کچھ چھپا ہی نہیں تھا اور نہ مولانائے موصوف کے پاس اور کوئی چیز ہے۔

۸۔ غالب کے فارسی خطوں پر میں نے کبھی غور نہیں کیا کہ پہلا خط کون سا ہے۔ ان خطوط میں سے اکثر پر تاریخیں درج نہیں ہیں۔ داخلی شہادتوں کی بنا پر تاریخیں متعین کرنے کا کام سہل نہیں۔ اردو خطوط میں سے میرے نزدیک مقدم ترین وہی ہیں جو حقیر کو لکھے گئے اور اب "نادرات" کے نام سے چھپ گئے ہیں۔ لیکن یقین رکھیں کہ فارسی یا اردو کے سارے خطوط جمع نہیں ہوئے۔ پنج آہنگ میں صرف وہ خطوط آئے جو کتاب کی ترتیب کے وقت فراہم ہو سکے یا میرزا نے بلحاظ محاسنِ نگارش انھیں قابل اشاعت سمجھا۔

۹۔ ولی داد خاں والے خط پر ۱۸۰۴ء کی تاریخ یقیناً غلط ہے۔ غالب اس زمانے میں صرف سات برس کے تھے۔ غیر ممکن ہے کہ انہوں نے مہر بنوائی ہو یا ان کی تحریر کو ادائے قرض کے سلسلے میں موثق سمجھا جا سکتا ہو۔ ۱۸۱۲ء کی تاریخ اقرب الی الصواب ہے۔ فارسی یا اردو کے کسی خط میں غالب نے والدہ کے انتقال کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ دہلی میں مستقل اقامت کے بعد بھی ان کی والدہ زندہ تھیں، چنانچہ ایک خط میں میرزا علاؤالدین خاں کو لکھتے ہیں: بھائی (یعنی امین الدین احمد خاں) سے

نوٹ: یاد آیا کہ مہریں ہر سال نہیں بنوائی جاتی تھیں۔ ان پر اس وقت کی تاریخ کندہ ہوتی تھیں جب بنوائی جاتی تھیں۔ لیکن زیرِ غور مہر کے سلسلے میں ۱۸۰۴ء کو درست ماننے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

کہو کہ یہ وہ زمانہ نہیں...... تمسک مہری موجود، شہد لگاؤ چاٹو، نہ مول، نہ سود، بایں ہمہ کبھی خان نے کچھ دے دیا۔ کبھی الور سے کچھ دلوا دیا۔ کبھی ماں نے آگرے سے کچھ بھیج دیا...... الخ

غرض ۱۸۲۲ء کی تاریخ اقرب الی القیاس ہے، لیکن اس کی تصدیق و توثیق کا فی الحال کوئی ذریعہ نہیں۔

یہاں تک آپ کے متفرق سوالات ختم ہو گئے۔ باقی رہا عبدالصمد والا مضمون تو میں نے پہلے اسے سرسری طور پر دیکھا تھا۔ پرسوں رات دوبارہ دیکھا۔ مجھے تو قاضی صاحب کی رائے گرامی سے اتفاق نہیں۔ تعجب ہے کہ جس طرح انہوں نے غالب کی "راست بازی" کے معاملے میں میرے نزدیک بیشتر مغالطوں سے کام لیا تھا۔ بالکل وہی روش اس مضمون کے سلسلے میں اختیار فرمائی۔ ان جیسے دقیقہ رس فاضل سے ایسی امید نہ تھی مثلاً:

۱۔ یہ کتنا حیرت انگیز استدلال ہے کہ غالب نے کلکتے کے ہنگامہ ادبی میں فیض کے دوسرے سرچشموں کا تو ذکر کیا ملا عبدالصمد کا ذکر نہ کیا، لہٰذا عبدالصمد کے وجود کو موہوم ماننا چاہیئے۔

کسی ایک سلسلے میں ایک چیز کا ذکر نہ کرنا اس کے عدم کا مستلزم کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یقیناً قاضی صاحب جیسا بالغ نظر فاضل یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ادبی ہنگامے کے سلسلے میں میرزا کو فیض کے تمام منابع از الف تا یے سنانا چاہئیں تھے۔ پھر قاضی صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ اس موقع پر میرزا کے لئے استدلال کی صحیح صورت یہی تھی کہ ان منابع کا ذکر کرتے جو سب کے نزدیک مسلّم تھے۔ عرفی، نظیری، حزیں، ظہوری وغیرہ کے بلند ادبی مقام سے کسی کو بھی اختلاف کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ ملا عبدالصمد کو کون جانتا تھا؟ استدلال کا احسن طریق یہی ہے کہ مخاطب کے مسلّمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ملا عبدالصمد کا نام اس سلسلے میں لیا جاتا تو معروف کے بجائے مجہول پر مدار رہ جاتا، جو بہ ذات خود اثبات کا محتاج تھا۔ غالب جیسا دقیقہ سنج آدمی ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا قاضی صاحب کو سوچنا چاہیئے تھا۔

۲۔ ایک عجیب استدلال یہ ہے کہ غالب کے زمانے سے پہلے ایران میں بیدل، اسیر اور شوکت کی طرز متروک ہو چکی تھی۔ عبدالصمد کا ذوق شاعری بھی ایران کے متداول کا حامل ہونا چاہیے تھا اور اسی کا پرتو میرزا پر پڑنا چاہیئے تھا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ میرزا کی ابتدائی شاعری لفظاً اور معناً بیدلیت سے لبریز تھی۔

قاضی صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ میرزا نے ملا عبدالصمد سے فارسی پڑھی، اس کے قواعد یا رموز و خوامض سیکھے شاعری نہیں سیکھی۔ ان کی طبیعت دقت پسند تھی۔ وہ عام راستے سے الگ رہ کر چلنا چاہتے تھے۔ بیدل کا کلام پڑھا تو اس کا گہرا اثر قبول کر لیا۔ عبدالصمد کی آموزش کے امتحان و پیمایش کے لئے یہ طریق موازنہ اختیار کرنا بالکل غیر مناسب ہے، چونکہ میرزا سلیم الطبع تھے۔ اس لئے جلد اس چکر سے نکل گئے اور متوازن اسلوب پر آ گئے

میرے نزدیک بیدلیت میں پھنسنے اور بچ نکلنے کی تفصیل یہ ہے کہ ابتدا میں دماغی قویٰ ناپختہ تھے، جو تاثرات قلب میں پیدا ہوتے تھے، ان کو ٹھیک ٹھیک گرفت میں لانے اور خوشگوار و دل پذیر انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جب قویٰ

میں پختگی آگئی تو ہر شے اپنی اصل جگہ پر آ بیٹھی۔ ادب و شعر میں میرا تجربہ یہی ہے کہ ابتدا میں خیالات معمولی ہوتے ہیں اور الفاظ زیادہ، درمیانی دور میں الفاظ و افکار میں ایک گونہ توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ کمال پختگی کے دور میں الفاظ خیالات کے بہاؤ کا ساتھ دینے سے عاجز رہ جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پختگی اور انسجام کا نقشہ ابتدائی دور میں تلاش کرنا بالکل بے سود ہو گا۔

۳۔ قاضی صاحب کو ایک مشکل یہ پیش آئی کہ وہ " او سخن از پرورش یافتگان مبدا فیاضم " کے معنے نہیں سمجھے۔ یہاں سخن سے مراد شاعری ہے نہ کہ فارسی آموزی۔ میرزا جس بات کی نفی کرتے ہیں وہ شعر میں کسی کی شاگردی ہے یہ نہیں کہ نفس تعلم کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ میرزا غالب نے ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد کسی سے کچھ نہ سیکھا۔ انہوں نے استادوں سے پڑھا اگرچہ وہ ملا تہ حال تک ہی ہو۔ عبدالصمد سے فارسی بحث اور فارسی آمیختہ بہ عربی کے غوامض و لطائف سیکھے لیکن شاعری میں نہ ملا عبدالصمد کے شاگرد تھے اور نہ کسی اور کے۔

۴۔ یہ بہ کہ، شیفتہ، کریم الدین، صہبائی یا سید احمد خاں کے بیانات میں اگر عبدالصمد کا ذکر نہیں آیا تو اس کی حیثیت وہی ہے جس کا بیان ملے میں آچکا ہے۔ ان تذکروں میں میرزا کے سوانح کی اکثر چیزیں غائب ہیں۔ پھر کیا قاضی کو ذہنی و جبلی یا نا قابل پذیرائی مان لیا جائے؟

۵۔ فارسی زبان کے بعض نکات میں یا پارسیوں کے مذہبی معاملات کے متعلق میرزا کی معلومات اگر صحیح ثابت نہ ہوں تو اس پر پریشان ہونے کی کون سی وجہ ہے؟ بے شک یہ باتیں میرزا نے اپنے قول کے مطابق عبدالصمد سے سیکھیں۔ ہم فرض کر سکتے ہیں کہ عبدالصمد کی معلومات ہر لحاظ سے درست نہ تھیں۔ اس میں تکلف کیا ہے؟ عبدالصمد بلند منزلت آدمی یقیناً ہو گا لیکن عالم الکل نہ تھا اور یہ دلیل اس کے وجود کو محل نظر نہیں بنا سکتی۔

۶۔ ساسان پنجم بے شک خیالی شخص ہو۔ غالب کو منطق و فلسفہ سے قابلِ ذکر آگاہی ہو یا نہ ہو۔ عبدالصمد کو مولوی فضل حق خیر آبادی کا نظیر قرار دینے میں ان سے غلطی ہوئی ہو تو اسے بھی مان لینے میں تامل کیوں کیا جائے؟ لیکن ان میں سے کون سی چیز قاضی صاحب کے لیے حقیقتہً اثبات مدعا میں مفید ہو سکتی ہے؟ اعتراف کر لیجیے کہ عبدالصمد ویسا نہ تھا جیسا میرزا نے اسے ظاہر کیا ہے۔ لیکن وہ یہاں آیا۔ دو برس میرزا کے مکان میں ٹھہرا رہا۔ میرزا نے اس سے فارسی کے ایسے رموز و لطائف سیکھے جو اس زمانے میں ہندوستانی استادوں کی زبان پر نہ تھے۔ قاضی صاحب کے اختیار کردہ معانی کی بنا پر عبدالصمد کو بے وجود قرار دینا کہاں کی منطق اور کہاں کا فلسفہ ہے؟

۷۔ میرزا کا یہ دعوے یقیناً درست ہے کہ وہ ہندوستانی فرہنگوں سے بہتر ماخذ کے طلب گار تھے۔ عبدالصمد کی صحبت نے ان کی اس طلب کی پیاس ایک حد تک بجھا دی۔ رہا یہ امر کہ عبدالصمد ہمارے زمانے کے معیار تحقیق کے مطابق پارسی مذہب یا دوسرے متعلقہ امور کو جانتا تھا یا نہیں تو یہ بحث جتنی چاہیں پھیلا لیں، اس سے عبدالصمد کا وجود یا عدم نہیں ہو سکتا۔

۸۔ " حیات بے نظیر " میں پروفیسر عبدالغفور شہباز نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ میری نظر سے گزر چکا ہے۔ قاضی صاحب کو بھی آرزو تھی کہ عبدالصمد کو بے وجود ثابت کریں۔ لہٰذا اس بات کو نصب العین بنا کر انہوں نے حالی یا حکیم غلام رضا خاں

سے خط و کتابت کی۔ ان اصحاب نے جو جواب دیئے، ان سے شہباز صاحب نے اپنے نصب العین کی توثیق فرما دی۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ حکیم غلام رضا خاں کون سے ادبی آدمی تھے کہ میرزا غالب سے انہوں نے سب کچھ پوچھ لیا ہو یا میرزا نے اپنے تعلیم کی پوری داستان انھیں سنائی ہو؟ ایسی باتوں کو تحقیقی امور میں مورد اعتبار بنانا ٹھیک نہیں۔

۹۔ غالب نمبر کے صفحہ ۶۸ کی نویں سطر میں "خزانہ دولت دیدار تنہا بہر فرد" کے آگے (کذا) لکھا ہے۔ یہ طباعت کی غلطی ہے۔ "بہر فرد" نہیں، "ہرمزد" ہے جو عبدالصمد کا پارسی نام تھا۔

بہر حال میرے خیالات کا مقدمہ یہی ہے تفصیل کے لئے وقت چاہیئے۔ آپ چاہیں تو ان خیالات کو خود پیش کر دیں۔ مفصل مضمون درکار ہو تو یہ اوراق میرے پاس بھیج دیں میں تفصیل سے لکھ دوں گا۔ چونکہ مالک رام صاحب نے بھی اس پر لکھنے کا وعدہ کیا ہے اور وہ میرے عزیز دوست ہیں۔ (اس لیے (اپنے نام سے) اسی موضوع پر مضمون شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ (البتہ فرضی نام سے چھاپنا قبول کر سکتا ہوں یا جیسا آپ پسند فرمائیں)

"مرگِ انبوہ جشنے دارد"، مجھے یہ دیکھ کر مزید خوشی ہوئی کہ غالب نمبر میں دوسرے اصحاب کے مضامین بھی خاصے غلط چھپے ہیں اور وہ سب غالباً میری طرح بدخط نہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ کاتب صاحب نے تصحیح میں کوتاہی کی اور کاتبوں کا عام شیوہ یہی ہے۔

اُردو رقعات مرتب ہو چکے ہیں اور دو جلدوں میں، مقدمہ لکھ رہا ہوں آج غالباً مکمل ہو جائے۔ زیادہ مفصل نہ ہوگا۔ لیکن غالب کی نگارش کی خصوصیات کا ذکر اس میں ہونا چاہیئے۔ بہر حال یہ کتاب دو تین روز میں کاتب کے حوالے کر دی جائے گی۔ پھر دوسرے کاموں پر توجہ ہوگی۔ میں نے پہلے بھی یہ کام شروع کیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ منشی مہیش پرشاد نے اسے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو میں نے اپنے کاغذ ایک لفافے میں بند کر کے صندوق میں رکھ دیئے۔ ان کے مرتبہ خطوط کی پہلی جلد دیکھی تو معلوم ہوا کہ باوجود وسعت وسائل ان سے کئی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ نیز انہوں نے حواشی بالکل نہ لکھے۔ پھر پہلی جلد کے بعد ان کا کام رک گیا۔ اس طرح مجھے دوبارہ اپنے کاغذ نکال کر کام مکمل کرنا پڑا۔ تاریخیں بھی مرتب کر دیں۔ مختصر حواشی بھی لکھ دیئے۔ مکتوب الیہم کے حالات بھی رقم کر دیئے۔ شاید اس طرح غالب کی اُردو نثر پر عوام کی توجہ زیادہ مبذول ہو سکے۔

بیان و خط کی طوالت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

مہر

ہاں، بھائی میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ اوراق منسلکہ کے جس پلندے کو میں غالب نمبر کی دوسری کاپی سمجھتا تھا اور اسے ڈاکٹر سید عبداللہ کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا تھا، چند روز ہوئے وہ پلندہ نکالا تو معلوم ہوا کہ وہ میرے مضامین کی دو دو کاپیاں ہیں۔ غرض میرے پاس غالب نمبر کی دوسری کاپی نہیں پہنچی۔ سید عبداللہ کو اب کیا دوں۔ اپنا نمبر دے سکتا تھا لیکن اس پر دو جگہ آپ کی تحریر ہے جو میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ اس وجہ سے دے نہیں سکتا۔ فرمایئے کیا حکم ہے؟

مہر

(۲۰)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

۱۹۵۱/۷/۲۳ باسمہ سبحانہ

برادر محترم - آج بھائی مبارک علی سے ملنے کے لئے آیا تو مومن کے اشعار کی نقل مل گئی، اس نوازش کے لئے تہ دل سے شکر گزار ہوں، البتہ یہ تردد رہا کہ آپ نے اس نقل کے لئے جو مصارف برداشت فرمائے، اُن کے بارے میں اطلاع نہ دی۔ اطلاع مل جائے تو رقم خدمت گرامی میں بھیج دی جائے -

میں نے سرسری نظر سے پورے شعر دیکھ لیے، احساس یہ ہے کہ غلطیاں خاصی ہیں۔ کئی مصرعے اور بعض شعر بھی سمجھ میں نہیں آئے - گھر جا کر غور سے پڑھوں گا تو ممکن ہے بعض غلطیوں کی تصحیح قرینے سے معلوم ہو جائے - اب مزید تصحیح کے لئے جیب گنج کا خط لکھوں گا - جو اشعار مجھے مطلوب تھے وہ صاف پڑھے جاتے ہیں -

آخری دو قطعے تاریخی ہیں لیکن ان کی تاریخیں سمجھ میں نہیں آئیں اور یہاں اس فن کے استاد صرف ہمارے محترم دوست مرزا ہادی علی بیگ تھے، وہ اس وقت ایران میں ہیں - اور کوئی صاحب ایسے نہیں جن سے پوچھ لیا جائے - آپ سے ہو سکے تو تاریخی اشعار کا مطلب واضح کر دیجئے مثلاً :

شنیدم بہ آخر مہ و وسط سال	ز اسرار واں "بشرا لمؤمنین"
ہم از حرف اعداد و اعداد حرف	چو کردم شمار شہور و سنین
بہ مطلب رسیدم کہ در فن شعر	چنانم کہ کمتر بود ایں چنیں
بریدم سر طاغی و حاسد ش	رہ حرف ملفوظی این است ایں

دوسرے قطعے کا مصرعۂ تاریخ ہے :

چوں بیاید ہنوز خبر باشد

اس سے ۱۲۶۱ھ نکلتے ہیں، اس وجہ سے یہ سید صاحب کے زمانے کا تو ہو نہیں سکتا، کیا یہ درست ہے؟

بھائی مبارک علی صاحب کل شام کو مری جا رہے ہیں وہاں سے ایبٹ آباد جائیں گے، میں ۲۷ر لاہور سے نکل کر ۲۸ کی صبح کو ایبٹ آباد پہنچ جاؤں گا - وہاں سے ہم آٹھ دس روز کے لیے کاغان جائیں گے - ۹ر اگست کو انشاءاللہ واپس آ جائیں گے۔ امید ہے اس وقت تک گرامی نامہ پہنچ جائے گا -

بھائی مبارک علی صاحب اور باقر صاحب کی طرف سے محبت بھرا سلام قبول فرمائیے -

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

بنام خدیجہ مستور

(۱)

سنٹرل جیل حیدرآباد، ۲۴ اگست ۱۹۵۱ء

عزیزہ،

مجھے افسوس ہے آپ لوگوں کے دوران ابتلا میں آپ سے اظہار ہمدردی نہیں کر سکا، بہرصورت اب چونکہ صبح کے گئے شام کو گھر لوٹ چکے ہیں اس لئے گذشتہ ہمدردی اور موجودہ حسرت دونوں قبول کیجیے، یہاں پہ تو صبح و شام کا امتیاز مدت سے مٹ چکا ہے اور وقت کے ٹھہرے ہوئے پانی میں دوستوں اور عزیزوں کی یاد کے علاوہ کوئی لہر نہیں اٹھتی، شاید یہ بات بھی بالکل صحیح نہیں اس لئے کہ یہاں کے روز و شام دیس سے مختلف ہیں یہاں چاند نکلتا ہے تو چاندنی میں لارنس باغ کے سبز و سیاہ سائے، شہر کی خاموش اور خوابیدہ گلیاں یا شاہی مسجد اور مقبرہ جہانگیر کے محو خیال مینار تصور میں نہیں آتے، یہاں کی چاندنی کے "پردۂ فلم" پہ ان مانوس نقوش کے بجائے لق و دق صحرا، ریت کے گداز ٹیلوں میں گزرتے ہوئے اونٹوں کی قطاریں اور ان اونٹوں پہ اجنبی شہزادیوں کے رنگین محمل دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح یہاں کی صبحوں میں شبنم اور سمن و گلاب کی باس نہیں ہے، نہ خواب آلود حسیناؤں کی بیداری کا البیلا پن، اس کے بجائے ان میں نادار کسانوں کی آنکھوں کی بے رونقی ہے اور ویرانوں کی تپتی ہوئی دھوپ میں کسی شجر سایہ دار کی افسردہ ٹھنڈک!

یوں "گوشہ میں قفس کے" عافیت بھی بہت ہے، خوب کھاتے ہیں، خوب سوتے ہیں، زیادہ نہیں تو اس عارضی وفات نے کچھ عرصہ کے لیے بہت سی ذاتی الجھنوں سے دل کو (اور شاید چند دوستوں کی الجھنوں سے اُن کو) نجات دلا دی ہے۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

ہاجرہ، احمد علی، تاجی اور اپنے میاں کو میرا پیار پہنچا دیجئے۔

مخلص فیض

(۱)

۳۰ جون ۱۹۵۱ء

عزیزہ محترمہ، تسلیم! آپ کے خط سے عزیزم ظہیر بابر کے حالات معلوم ہوئے۔ میں خود بھی اُن کے حالات پوچھتا

رہتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ وہ بخیر و عافیت ہیں۔
سگرٹیوں کا شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے ندامت ہے کہ اُس وقت میرے پاس زیادہ پیسے نہیں تھے۔ اس لئے بہت تھوڑے سے سگرٹ بھجوا سکا۔ بہرحال آپ فکر نہ کیجیے۔ انھیں سگرٹ اور دوسری ضرورت کی چیزیں پہنچتی رہیں گی افسوس ہے کہ میں آپ لوگوں کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ بایں ہمہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے لکھ دیجئے۔ میں کئی مہینوں سے قلب کے عارضے میں مبتلا ہوں۔ دفتر اس لئے چلا آتا ہوں کہ میرے رفقا کو میری ضرورت ہے آپ لوگوں سے جبھی اس لئے نہیں مل سکا کہ پچھلے دو تین مہینوں میں میرے بھی، رفقا اور عزیزوں کو جن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اُن پر غور کرتا ہوں تو سخت وحشت اور اذیت ہوتی ہے۔
خدا پر بھروسہ کیجئے — ھوا لمستعان وعلیہ التکلان۔ انشاءاللہ مصائب کے یہ بادل خود بخود چھٹ جائیں گے۔
عزیزہ ہاجرہ صاحبہ کو میرا سلام کہہ دیجیے۔

نیاز مند

حسرت

نوٹ: ۱۹۵۱ء میں بہت سے اخبار نویس گرفتار کرلئے گئے تھے۔ ان میں ظہیر بابر بھی تھے۔ یہ خط انہی دنوں کی یادگار ہے۔

(۱)

کراچی ۲۷ر جولائی ۵۹ء

خدیجہ بہن تسلیم

میں نے کراچی آتے ہی ہاجرہ کو لکھا تھا کہ آپ کا پتہ مجھے بھیجیں، ان کا جواب تو اب تک نہیں آیا۔ آپ کا خط آ گیا واقعی اس دن آپ کے یہاں بہت ہی مزا آیا کیا کیا دنیا جہاں کے مسائل ہم نے حل کر ڈالے۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے رکھ دیا۔ میں بھی حضور والا آپ دونوں کو وہ نہیں سمجھتی تھی جو آپ ہیں گی۔ آپ دونوں بہت پُرخلوص اور NATURAL اور یعنی یہ کہ اصلی تے وڈتی ہینڈ وخانے کی ممبر نکلیں۔ طبیعت باغ باغ ہوئی۔ ہم سب کی بیشتر زندگیاں ایک دوسرے کے متعلق غلط تاثرات قائم کرنے میں گذر جاتی ہیں۔ اور غلط فہمیاں پھیلانے میں زیادہ ہاتھ دوسرے لوگوں کا ہوتا ہے۔
ہاجرہ سے ملیے تو کہیے کہ میرے خط کا جواب دیں اور بتلائیں کہ فہرست میں سے ان کو کون کون کتابیں مل گئیں؟ مجھے انشا اور مصحفی پر دو ایک کتابیں مل گئی ہیں جو میں ان کو بھیجنے والی ہوں، کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ میرا خط ہی ان کو نہیں ملا۔ آج کل "سیلاب" کا زمانہ جو ٹھہرا۔
آپ کے شوہر نامدار سے نہ مل سکنے کا مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ ان کا آنا ہوا۔ اپنا جانا ہوا (طبلہ) جنوری والی کانفرنس اگر ہوئی تو استغفرُ مرا باحسرت ویاس۔ یوں بھی لاہور کے ہنگاموں میں ہمارا جو رول رہا اس کے متعلق یہاں عجیب و غریب حکایتیں دہرائی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عقلوں پر رحم کرے۔

مگر لوگ بے چارے بھی کیا کریں۔ موضوعِ سخن کا فقدان ہے۔ کرکٹ ہوا، گلڈ ہوا، دل کو بہلائے رکھنے کے لئے خداوندِ عالم نے کیا کیا نعمتیں پیدا کی ہیں۔

اور کیا اب بھی تم اپنے پروردگار کی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

مخلص قرۃ العین حیدر

(۲)

کراچی ۱۶ر جولائی

پیاری خدیجہ

بھئی تم نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ تم بہت جلد لاہور سے باہر جانے والی ہو اور جس جگہ جا رہی تھیں اس کا کچھ پتہ نشان نہ لکھا کل ہاجرہ کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ ابھی مری نہیں گئیں اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ شاید تم بھی ابھی نہ گئی ہو۔ بہرحال اتنی دیر میں خط لکھنے کی معافی چاہتی ہوں۔ وغیرہ۔

تمہاری ساس کے انتقال کی اطلاع مجھے ہاجرہ نے دی تھی اور بتایا تھا کہ تم گاؤں گئی ہوئی ہو، بھلا تعزیت کا رسمی سا خط تم کو کیا لکھتی!

. . . . کے رپورتاژ کے تعلق میں سے جو گوہرافشانی کی ہے وہ ہاجرہ سے خط سے کر پڑھ لینا۔ ویسے یہ ضرور ہے کہ شاعر کی حیثیت سے یہ شخص امر ہو تا نہ ہوتا یہ مضمون لکھ کر ضرور اس نے خود کو اور ہم سب کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی خلعت عطا کر دی۔ بڑی عبرت کا مقام ہے بھئی۔ ذاتی طور پر تو میں یہ سمجھتی ہوں کہ ۲۴ر جولائی کو قیامت آئی یا ٹل گئی مگر اس خاکسار کا ستارہ پچھلے چند ماہ سے گردش میں ہے۔ پہلے وہ جنگ اخبار میں ناول کا ہنگامہ ہوا، پھر دیونی کے سینما ہال سے نکالا۔ اب . . . . . نے اپنے قلم کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ شمع، چنگاری اور گروگھنٹال کے فلمی رپورٹر بھی ان کے آگے پانی بھریں۔

اچھا بھئی جب اوکھلی میں سر دیا — الخ۔

نثار عزیز لاہور گئی ہوئی ہیں۔ تم لوگ جب بیٹھ کر چنڈو خانہ بنایا کرو تو اس حقیر پُرتقصیر کے اوپر بھی فاتحہ پڑھ لیا کرنا۔

فقط قرۃ العین حیدر

ارے بھئی زینت کیپ کیا قیامت کی کہانی لکھ ڈالی تم نے: واہ واہ واہ

(۱)

لاہور۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۶۷ء

پیاری ہاجرہ[1]، پیار

امید ہے کہ تم خیریت سے ہو گی۔ اپنی خیریت خداوندِ کریم سے نیک چاہتی ہوں۔ لو بھی معاملہ کچھ اُلٹا ہو گیا۔ تمہاری

---

[1] خدیجہ مستور کا خط، اپنی چھوٹی بہن ہاجرہ مسرور کے نام!

خیریت کو تو خداوند کریم نے نیک ہی نیک رکھا ہے مگر اپنی خیریت نظر نہیں آتی۔ کل سے کلیجہ تھامے بیٹھی ہوں۔ ہوا یوں کہ کل ایک صاحب مجھ سے ملنے تشریف لائے۔ باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آج کل آپ کیا لکھ رہی ہیں؟ میں نے عرض کی کہ آج کل کچھ نہیں لکھا" فرمایا "واہ آپ تو بالکل ہی خاموش ہو گئیں کچھ تو کیجیے۔ ہاجرہ صاحبہ نے تو اتنی زبردست ناول لکھ ڈالی" میں چونکی یعنی کہ مجھے خبر تک نہیں کی گئی۔ ناول لکھی، چھپوائی اور یہ صاحب مجھ سے پہلے پڑھ کر آ گئے۔ میں نے سوچا کہ تم تو ہو ہی سدا کی کمینی۔ مداریوں کی طرح اپنے ادب کے پٹارے سے کوئی چیز نکال کر مجھے حیران کرنے کی کوشش کرتی ہو۔ بہر حال ایسی باتوں کا ذکر غیروں کے سامنے کس طرح کرتی، صاف جھوٹ بول گئی ان سے کہا کہ "جی ہاں بہت خوب ناول لکھی ہے۔ میں نے تو اس کا مسودہ بھی پڑھا تھا ہاجرہ نے ایک کاپی مجھے بھی بھجوائی تھی جو مجھ تک نہیں پہنچی اب انہوں نے لکھا ہے کہ جلد ہی دوسری کاپی بھیج دوں گی۔" بولے "جی ہاں ڈاک کا انتظام بڑا گڑبڑ رہتا ہے، رسائل اور کتابیں عام طریقے سے غائب ہو جاتے ہیں مگر جن صاحب نے ہاجرہ صاحبہ کے "آنگن" کو غائب کیا ہے وہ یقیناً بڑے باذاق ہوں گے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے سر جھکا دیا۔ "سر دوستاں سلامت کہ تو ناول آزمائی" پھر بھی منمنا کر کہا کہ "یہ ناول تو آپ نے لکھی ہے"، ہاجرہ کی ناول کا نام ——— اچانک کوئی نام یاد نہ آیا کہ ان صاحب کو شرمندگی سے بچانے کے لئے رکھ لیا جا۔

تو لو بی بی۔ ناول پر بھی تمہارے نام کی چھاپ لگنا شروع ہو گئی۔ دکھ بھری بی فاختہ کوے انڈے کھائیں" اللہ کرے تم کوئی گندا انڈا بھی کھا لو۔

ناول لکھ کر میں نے بڑی مسرت محسوس کی تھی اور سوچا تھا کہ افسانوں کا کیا ہے، دس بارہ صفحے کی ہلکی پھلکی چیز ہوتی ہے لوگوں کو تمہارے نام پر چپکا دینے میں تکلیف نہ ہوتی ہو گی۔ اب ذرا میری ناول کو ہلا کر دیکھیں، مگر جناب اس معاملے میں بھی لوگوں کو ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔

تم کو لکھنے کی ترغیب دے کر میں نے کیا پھل پایا، کچھ حساب بھی رکھا ہے کہ میرے ہی سامنے میری کتنی کہانیوں کی تعریف تمہارے نام سے ہو چکی ہے، اور ان چھریوں کی دھار کا بھی اندازہ لگایا ہے جو میرے دل پر چلی ہیں۔ ایک بات تو بتاؤ، اس وقت تم کو کیسا لگتا ہوگا؟ یہی نا کہ میرے دونوں میٹھے؟

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر بات کیا ہے جو میری کہانیاں اور ناول، سب تمہارے نام پر لگتی جا رہی ہیں۔ میں نے تو جہاں تک سوچا ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا نام کچھ آسان سا ہے یعنی کہ ہر شخص آسانی سے لے سکتا ہے۔ میرا نام کچھ مشکل ہے ظاہر ہے کہ ابا میاں مرحوم دوسری بیٹی پا کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے ہوں گے۔ مجھے مشکل ہی سے قبول کیا ہوگا۔ یہ بات میرے نام سے بھی ظاہر ہے۔ تیسری بیٹی پر صبر آ گیا ہو گا، جو تمہارے نام سے ظاہر ہے اور ہمارے ملک کے لوگ اس قدر صابر ہیں کہ تمہارا نام پسند کرنا کچھ عجیب نہیں۔ مگر بی بی اب ہو کیا تم تو میرا صبر بھی سمیٹ رہی ہو۔

جہاں تک میری تصاویر کا تعلق ہے ان پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میری تصویر اور نام تمہارا، میں نے معاف کیا،

میرے ندا نے معاف کیا، کبھی کبھی ونسنگ کی تصویر پر تمہارا نام بھی آ جائے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ تمہیں اپنی تصویروں کا حال تو معلوم ہی ہے۔

جب سے تم کراچی گئی ہو بڑی تنہائی محسوس کر رہی ہوں، جی بجھ گیا ہے۔ اللہ میاں نے اگر یہ چپڑ پھر پیٹ انسان کے ساتھ نہ لگایا ہوتا تو فکرِ روزگار کیوں ہوتی اور تم لوگ یہاں سے کیوں جاتے۔

بہت دن سے کچھ نہیں لکھا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بجھ گئی ہوں پیاسی ہوں، بہت دور سے چل کر آئی ہوں، تھک گئی ہوں۔ دعا کرو کہ جلدی سے لکھنا شروع کر دوں اور تمہارا نام روشن کر دوں۔

کل ندیم لالہ کے گھر گئے تھے بھابی نے بہت سا شہد اور خالص گھی کے پراٹھے کھلائے۔ خدا ایسی پیاری بھابیاں سب کو دے۔

احمد میاں سے کہو کہ اپنی سالی سے بالکل ہی منہ پھیر لیا (واہ وہ کہتیں "خوش مذاق" نے بیوی کی بہن کو سالی کا نام دے کر اس کی عزت افزائی کی) بیوی کو خوش رکھنے کا ایک گر یہ بھی ہے کہ سالیوں کو خوش رکھو۔

ندیم لالہ، باجی اماں، بجیا اور تمام بچے خیریت سے ہیں۔ نوید اور نوشین کو میرے بہت سے پیار۔ تم لاہور کب آؤ گی؟

تمہاری پیاری

خدیجہ مستور

بنام اختر انصاری (دہلوی)

(۱)

برادر محترم، سلام شوق،

آپ سے رخصت ہونے کے بعد بہت پریشان حال رہا۔ حالات کی ناساعدت نے خط لکھنے کی مہلت نہ دی۔ امید ہے معاف فرمائیے گا۔ یہ عریضہ "شاہکار" کے سلسلے میں لکھا جارہا ہے۔ از راہ کرم اولین فرصت میں ایک مختصر افسانہ اور نظمیں بھجوا کر ممنون فرمایئے۔

امید ہے آپ مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ چھوٹے بھائی صاحب کو دعا کہیے۔ والسلام

آپ کا مخلص اختر (شیرانی)

(۱)

۲؍ دسمبر ۱۹۴۱ء

محبی! معاف فرمایئے کہ میں آپ کے عنایت نامے کا جواب بہت تاخیر کے بعد دے رہا ہوں۔

مجھے عذر نہیں ہے اگر آپ اپنی تازہ کتاب کو میرے نام سے منسوب فرمائیں۔ مگر آخر ایک مردہ کے نام سے نسبت حاصل کرنے کا خیال آپ کو کیوں پیدا ہوا۔ مجھے اس اخبار نویسی نے دنیائے ادب سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ حیدرآباد میں میری اخبار نویسی ایک مقبرہ ہے جس میں میں اپنے ادبی ذوق کو دفن کر چکا ہوں۔ دعا کیجیے کہ اس جنجال سے چھٹکارا پاؤں تو پھر شاید آپ صاحبوں کی محفل کے کسی گوشہ میں جگہ پا سکوں۔ بہرحال اب بھی اگر آپ میرے نفس کو معزز کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے۔

امید کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ نیازمند

محمد عبدالغفار

(۱)

مکرمی تسلیم ۱۴؍ نومبر ۹۳۵

آپ کا خط اور "روح نغمہ" کا ایک نسخہ ملا۔ تبصرہ تیار ہے۔ آپ کے ملاحظہ سے جو رسالے گزرتے ہوں اور جس میں اشاعت پسند کریں تحریر فرمایئے تاکہ وہیں بھیج دوں۔ بلکہ مناسب ہوگا کہ مضمون آپ کے پاس پہنچ جائے۔ پڑھ لیجیے اس کے بعد اشاعت کے متعلق فیصلہ کیجیے۔ میں نے مضمون اپنے نزدیک آزادی اور بلا رو رعایت لکھا ہے مگر زمانہ نازک ہے خدا معلوم آپ یا دیگر حضرات

اُسے کس روشنی میں دیکھیں، میں صدق دل سے یقین کرتا ہوں کہ آپ کے کلام میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن چند کمزوریاں بھی نظر آئیں۔ دونوں کا اظہار کر دیا ہے۔ اس مضمون سے آپ کی شہرت کو گزند نہ پہنچنا چاہیئے۔ چونکہ آپ کی خواہش پر لکھا ہے۔ اشاعت یا عدم اشاعت کا آپ کو مختار کرتا ہوں۔ نہ چھپے گا تو مجھے ہرگز ملال نہ ہوگا۔

آثر

(۱)

Bombay Talkies Studios,
Malad - (Bombay)

غالباً ۱۹۴۰ء

میں نے کہا سرکار میرے۔ ایک چھوڑ دو خط لکھ چکا ہے یہ خادم آپ کا۔ لیکن آپ دونوں پی گئے۔ آخر ایسی کیا خطا ہو گئی اس بندہ سے؟

آج رحمٰن کا خط آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم نے اُسے میرا طویل خط سنایا ہوگا۔ معلوم ہے حضرت کیا لکھتے ہیں؟ اختر کے نام جو خط تم نے لکھا ہے۔ (غالباً کامیابی کے نشہ میں چور ہو کر لکھا ہے) دیکھا۔ تمہاری آئندہ ترقیوں کا حال معلوم ہوا۔ مبارک باد!

اب کہیئے ایسے لوگوں کا کیا علاج؟ خط میں تمہیں دو گالیاں لکھ دیں تو لوگ سمجھنے لگے کہ کامیابی کے نشے میں لکھی گئی ہیں۔ ایسی ہی باتوں پر تو جی چاہتا ہے زبان سی کر بیٹھ رہا جائے۔ نہ کچھ کہو گے نہ لوگ معنی پہنانے کی کوشش کریں گے۔ بہر صورت کہیں تمہیں بھی تو میری ایک آدھ گالی بُری نہیں لگ گئی۔ کیا پتہ تمہاری یہ خاموشی اسی وجہ سے ہو۔

اچھا ہمارا ایک کام کر دو۔ رحمٰن کے منہ پر دو طمانچے زور سے لگاؤ۔ اور پھر ہماری طرف سے پیار کر لو۔ (کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی)

بھئی اب تو کام کرتے کرتے تھکن جسم کا جزو بن کر رہ گئی ہے۔ کچھ دنوں کو یہاں سے بھاگنے کو جی چاہتا ہے۔ اسی خیال سے تمہیں لکھا تھا کہ دسمبر میں علی گڑھ کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اُمید تھی کہ تم دعوت دو گے۔ لیکن تم خاموش ہو رہے۔ بھائی میرے ایسی بدگمانی بھی کس کام کی۔ اچھا یار حسن عبداللہ کے ہاں عبداللہ لاج میں ٹھہر جاؤں گا۔ تم مجھے اپنے ہاں ملنے کے لئے آنے کی اجازت تو دے دو گے نا۔

"کامیابی کا نشہ" عنوان کچھ ایسا برا نہیں۔ افسانہ لکھ ڈالو۔ تم اعتراف نہ کرو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن ہم تو ہمیشہ تمہارے ہی فائدے کی بات کہتے ہیں۔

رحمٰن نے لکھا ہے وہ کشمیر جا رہا ہے۔ ٹھاٹ کر رہا ہے میرا یار۔ ہاں بھئی جوانی ہے جس کو بزرگوں نے دیوانی بھی کہا ہے ہم لوگ تو اب ادھیڑوں میں شمار ہونے لگے۔ یہ دال روٹی کی باتیں سچ مچ بوڑھا بنا دیتی ہیں۔ ہاں ابھی سے بال سفید ہونا شروع ہو گئے۔ اور بمبئی کے ایک سال کے قیام میں دس پونڈ وزن بھی کم ہو گیا۔ اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں میں بقول شخصے سوکھ کے کانٹا ہو جائیں گے۔

اچھا ایک خوشخبری سنو۔ ہماری ایک مختصر سی توند نکل آئی ہے ابھی حال میں۔ ایک دن نہاتے ہیں جو نظر پڑی تو بے ساختہ

تمہاری یاد آگئی، بس کیا تھا کہاں کا نہان اور کہاں کا غسل، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ کر ہر زاویہ سے اس کا موازنہ کیا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہوا کہ تمہاری سی بات نہیں۔ لیکن پھر ہم نے اپنے دل کو سمجھا لیا کہ ہماری معمولی توند بھلا کس طرح اختر کی خاندانی توند کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ قسم قرآن کی یہ کامیابی کے نشہ میں چور ہو کر نہیں لکھ رہا ہوں! - That is what I feel - جی ہاں، انگریزی بھی جانتا ہوں۔ رشید صاحب قبلہ نے جھانپلزم کا لفظ ایجاد کیا۔ بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا بلا ہے۔ ایسے لوگوں کو عبارت مندرجۂ بالا پڑھ کر سنا دو اور کہو "حضرات جھانپلزم کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے۔"

اچھا یہ تو بتاؤ تم کس حال میں ہو؟ کیا کر رہے ہو اور کیا کرنے کے ارادے ہیں؟ کیا اس سال بھی ایم۔ اے کر رہے ہو یا نہیں؟ ہماری پڑھائی تو اب ختم ہی سمجھو۔ افسوس ہوتا ہے اور وہ فاقہ مستی کے دن یاد آتے ہیں۔
ہاں، میں نے شادی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ دو تین بدنصیب لڑکیاں بھی مل گئی تھیں جو مجھ سے شادی کرنے کو تیار تھیں۔ میری جو شامت آئی تو ایک دن ہالی وڈ کا ایک فلم Birth of a Child دیکھنے چلا گیا۔ اس فلم میں ایک سچ مچ عورت کے بچہ ہوتے ہوئے دکھایا ہے۔ میرے یار "قطب" نفرت آگئی دیکھ کے۔ آتے ہی چار نفل شکرانے کے با وضو پڑھے اور اس پاک پروردگار کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں اس خندق میں گرنے سے عین وقت پر روک لیا۔ بڑی کارساز ہے اس کی ذات بھی۔ اب انہیں باتوں کو دیکھ کر تو میرا دل چاہتا ہے کہ ایمان لے آؤں۔ ہمارا یار رحمٰن کوئی ایسی ہی چیز دیکھ کر ایمان لے آیا ہوگا پھر سے۔
اور کہو بھگوان داس کے کیا حال ہیں؟ اس نے تو کچھ لکھا نہیں۔
اچھا اب شرافت سے میرے خط کا جواب دینا۔
آج ماہر صاحب قبلہ نے پھر یاد کیا ہے۔ نمونہ کے لئے خط ارسال خدمت ہے۔
آخر میں کچھ Art - Artist — اور پھر Art - Artist کے بارے میں لکھا ہے اور آخر میں کچھ Sincere کے لفظ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کا ترجمہ کرا کے (انہیں سے) ذرا سیدھی سادی ہندوستانی میں لکھ بھیجنا۔
میں چاہتا ہوں کہ اس قسم کے ارشادات سے میں پورا پورا فائدہ اٹھا سکوں۔
معلوم ہوتا ہے ماہر صاحب مجھ سے کافی small feel کرتے ہیں۔ گالیاں تو مجھے کافی دیتا ہوگا میرا یار۔ کیوں ہے نا یہ بات؟

تمہارا اپنا : شاہد لطیف

(۲)

اختر۔ ہوا یوں کہ میں ۱۷ اگست کی شب کو لکھنؤ سے گاڑی میں سوار ہوا۔ گو میں انٹر میں سفر کر رہا تھا لیکن رکھشا بندھن کے میلہ کی وجہ سے گاڑی میں اس قدر بھیڑ تھی کہ بیٹھنے کو بھی بمشکل جگہ ملی۔ تین بجے تک سخت تکلیف میں کٹی۔ پھر مجھے اوپر کے

برقع پر جگہ مل گئی اور میں سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو خواجہ پہنچ چکا تھا۔ اس طرح علی گڑھ نہ اتر سکا۔ جس کا مجھے سخت ملال ہے۔

کرشن چندر (مصنف طلسم خیال) جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں لاہور سے منتقل ہو کر دلی آ گئے ہیں۔ یہ نئے زاویئے اڈٹ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان سے مفصل باتیں ہوئیں۔ ان کا خیال تھا کہ نئے زاویئے کے پہلے نمبر کو صرف پنجاب کے ترقی پسند ادیبوں تک محدود رکھا جائے، لیکن مجھ سے ملنے کے بعد اور تفصیلی باتیں ہو جانے پر انہوں نے اپنی رائے بدل دی اور اب وہ سب ہی ترقی پسندوں کو شامل کر رہے ہیں۔ میں نے آٹھ دس آدمیوں سے مضمون اور افسانے حاصل کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ ان میں سے ایک تم بھی ہو۔ بلئے کرم تم ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر اندر دو ایک نہایت اچھے افسانے لکھ کر مجھے یا کرشن چندر۔ آل انڈیا ریڈیو۔ ۱۸ المی پور روڈ۔ کو روانہ کر دو۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے ہی روانہ کرو۔ میں آج اسی قسم کے خطوط حیات اللہ انصاری، رشید جہاں، وغیرہ کو لکھ رہا ہوں۔

میرا ایک کام کر دو تو بڑی عنایت ہو۔ مکتبہ اُردو والے میرے افسانے شائع کر رہے ہیں۔ اور جلد نام تجویز کرنے میں بڑی دقت ہوئی۔ بہر صورت کرشن چندر نے ایک ایسا نام تجویز کر دیا جو سب کو پسند ہے "تازیانے"۔ شاید تم کو بھی پسند ہو۔ چودھری نذیر احمد نے لکھا ہے کہ اختر صاحب نے اپنی کتاب آبگینے کا بہت ہی خوب اشتہار بنایا ہے اور چاہتے ہیں کہ میں اپنی کتاب کا اشتہار بھی تم ہی سے بنواؤں۔ میں نے قید و بند کا اشتہار دکھایا تھا وہ انہیں پسند نہ آیا۔ بہر صورت تم یہ کام جلد ہی کر ڈالو۔ مجھے امید ہے کہ اب تک تم میری کتاب کا مقدمہ پورا کر چکے ہو گے۔

اگر جذبی کا پتہ معلوم ہو تو لکھو۔

میں نئے زاویئے کے لیے ایک افسانہ "اندھیرے میں" لکھ رہا ہوں۔

تمہارا

شاہد لطیف

(۱)

۱۳؍ جنوری

محترمی و مکرمی تسلیم

امید ہے کہ آپ نے اب تک سالنامے کا بالتفصیل مطالعہ کر لیا ہو گا۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو از راہ کرم اس کے متعلق اپنی گرامی قدر رائے کے اظہار سے مجھے ممنون فرمائیں۔

جنوری کا پرچہ ارسالِ خدمت کیا جا چکا ہے۔ ادبی دنیا آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اس لیے نا موزوں نہ ہو گا

اگر آپ اسے اپنے قیمتی مضامین نظم و نثر سے التزاماً سرفراز فرماتے رہیں۔
امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ بخیر و عافیت ہوں گے۔

خاکسار

صلاح الدین

(۱)

۱۱ جون ——— سنہ ؟

محبی!

آپ "ادب لطیف" کے خاص عنایت فرما ہیں۔ یہ امر آپ سے پوشیدہ نہیں کہ اردو افسانہ نگاری کے دورِ جدید کی تعمیر میں اس رسالہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے سالانہ افسانہ نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اس سال بھی اس رسم کی تجدید ہو رہی ہے اور ہزار دِقتوں کے باوجود یہ تہیہ کرتے وقت آپ کے تعاون کے یقین نے رسالہ کے ناشروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

"ادب لطیف" کی نگرانی اب میرے سپرد ہو گئی ہے۔ افسانہ نمبر جولائی میں شائع ہوگا۔ اور اردو کے تقریباً سب ممتاز افسانہ نگار اس میں شرکت کریں گے۔ براہ کرم اپنا کوئی غیر مطبوعہ افسانہ اوّلین فرصت میں مرحمت فرمائیں، اگر مسودہ یکم جولائی تک وصول ہو جائے تو ترتیب میں بڑی آسانی ہو۔

اُمید ہے کہ آپ اس درخواست کی طرف فوراً توجہ کریں گے۔

مخلص

اختر حسین رائے پوری

(۱)

لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ ——— ۱۹، فروری ۱۹۵۰ء

محبی تسلیم!

کیا بتاؤں آپ سے کس قدر محجوب ہوں، علی گڑھ جاؤں تو آپ سے مل نہ سکوں، آپ لکھنؤ آئیں اور غریب خانہ تک زحمت فرمائیں اور میں ملاقات سے محروم رہوں۔ شرمندگی ہی نہیں ناکامی اور نارسائی کا احساس بھی ہے۔ اب آپ کا تحفہ پاکر شرمندگی اور بڑھی ہے۔

علی گڑھ جانا ایک طرح کا کاروباری فعل معلوم ہوتا ہے۔ صبح کو پہنچتا ہوں، انجمن ترقی اردو کے جلسوں میں شریک ہوتا ہوں، شام کو چھ سات بجے فرصت ہوتی ہے واپسی کی فکر مسلط ہو جاتی ہے۔ دو چار حضرات سے سرِراہ ملاقات

ہو گئی تو ہو گئی ورنہ چپکے سے لکھنؤ واپس۔ اگر اتوار نہ ہوا تو دو چار منٹ کے لئے ڈیپارٹمنٹ ہو آتا ہوں وہاں کچھ لوگ مل جاتے ہیں۔ ایسے میں کیا ملاقات ہو۔ ہر دفعہ یہ سوچتا ہوں کہ کم سے کم ایک دن ٹھہر جاؤں گا اور آپ سے ضرور ملوں گا لیکن جب یہاں سے چلتا ہوں تو دوسرے دن لکھنؤ میں بھی کوئی ضروری کام چھوڑ کر جاتا ہوں جس کے لیے واپس آنا ضروری ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بہت اہم آدمی ہوں، نہ یہ مقصد ہے کہ بہت مصروف ہوں۔ پھر بھی نہ جانے کس طرح دن رات گزرتے جاتے ہیں اور کسی وقت یہ احساس نہیں ہوتا کہ وقت میرے بس میں ہے، اس زندگی پر بار ہا لعنت بھیجتا ہوں لیکن اس کے ہاتھ میں کچھ بے بس سا ہوں۔

کبھی اس بات کے ظاہر کرنے کا موقع نہیں آیا کہ میں آپ کی شاعری سے کس قدر لطف اندوز ہوتا ہوں۔ نغمۂ روح سے لے کر روحِ عصر تک ہر جگہ مجھے اپنی ذہنی اور جذباتی تسکین کا سامان ملا ہے۔ شاید اس کا سبب کسی مقام پر ذہنی مناسبت ہو، آپ کے یہاں فکر کے ساتھ جذبے کی جو آمیزش ہے، فن کا جو شگفتہ احساس ہے اس کا کون قائل نہ ہوگا لیکن جہاں شاعری دوسروں کے دلوں کو چھوتی اور اپنے گرفت میں لیتی ہے۔ وہ ہر شخص کے یہاں نہیں ہوتی۔ آپ کی شاعری میں یہ عنصر بڑی فراوانی کے ساتھ موجود ہے۔ یہ انتخاب بھی بہت اچھا ہے اور اس میں آپ کے سارے رنگ آ گئے ہیں نغمۂ روح کے جذبات کی شدت بھی اور روحِ عصر کی فکری توانائی بھی۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

مخلص

احتشام حسین۔

(۱)

۲۲، ٹیپٹ خانہ۔ ڈھاکہ

۴۸ / ۸ / ۲۹

پیارے اختر تمہارا ۲۵۔ اگست کا خط ملا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے "ایک تابناک ستارہ" کو بہت پسند کیا۔ شاید تمہیں یاد ہو، کئی برس ہوئے ادبِ لطیف میں غالباً اثر صاحب کا ایک مضمون تمہاری شاعری کے متعلق شائع ہوا تھا۔ میں نے تمہیں لکھا تھا کہ یہ مضمون بالکل تشنہ ہے اور تم نے جو آباد وہی جملوں میں اس پر جامع تنقید کر دی تھی کہ "بعض اچھے اور بعض بُرے اشعار پیش کر دیئے ہیں اور بس۔ شاعر کے رجحانات سے بحث نہیں کی" فی الواقع یہ بہت صحیح تنقید تھی۔ نہ صرف اس وقت بلکہ اس سے بہت پہلے سے میرا ارادہ تھا کہ تمہارے متعلق اور تمہاری شاعری کے متعلق ایک مضمون لکھوں۔ مناسب وقت کا انتظار تھا۔ اُس وقت "رسالوں کی ادبی دنیا میں" مجھ کو کوئی نہ جانتا تھا میرے تعارف سے تمہیں کوئی کیا پہچانتا مجھے یقین تھا کہ جس وقت میں صحافتی دنیا میں داخل ہوں گا تو رسوا ہونے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کل تین برس کے اندر (جو ایک ادبی زندگی کے لحاظ سے نہایت ہی مختصر وقفہ ہے) شادانی اور پریم پجاری

دونوں اپنے اپنے رنگ میں ماشا اللہ کافی سے زیادہ بدنام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میری اس دیرینہ خواہش نے اپنے سر انجام کے لیے موجودہ وقت کو غنیمت جانا اور مجھے جو کچھ کہنا تھا میں نے کہہ دیا اس مضمون کی بنا پر چاروں طرف سے مجھ پر "لے دے" شروع ہوگئی ہے مگر مجھے یقین کامل ہے کہ اس میں خالص "حسد" کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کو مجھ سے حسد ہے اور بعض کو تم سے۔ مگر جس چیز میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ ضرور زندہ رہتی ہے۔ اور اس لئے مجھے یقین ہے کہ اختر کی ادبی شہرت نہ صرف زندہ رہے گی بلکہ بڑھتی جائے گی۔ چند مہینے صبر کرو اس کے بعد "ایک تابناک ستارہ" کی دوسری قسط (جو تمہارے اُس کلام کے متعلق ہوگی جو "نغمہ روح" میں شائع نہیں ہوا) شائع ہوگی اور دوستوں کے لیے لطف و مسرت اور حاسدوں کے لئے کوفت و ملال کا تازہ سامان ہو جائے گا۔ جیسا کہ میں پیشتر بھی لکھ چکا ہوں۔ اپنے چند اشعار ہر مہینے ساقی میں شائع کرا دیا کرو سات سے زیادہ ہرگز نہیں۔ کم سے کم چھ مہینے یہ سلسلہ جاری رہے اس کے بعد میں کچھ لکھوں گا ساقی کے علاوہ ادب لطیف یا ادبی دنیا میں بھی تمہارا کلام بالالتزام چھپتا رہے تو میرے مضمون کے لیے ایک بیک گراونڈ کا کام دے گا۔ لیکن کسی ایک نمبر میں، شعر سے زیادہ نہ ہوں، انتہا دس، اس سے زائد ہرگز نہیں۔

دورِ حاضر اور اردو غزل گوئی کے متعلق ابھی بہت کچھ مواد میرے دماغ میں موجود ہے مگر کیا کروں گوناگوں افکار نے ایسا بدحواس کیا ہے کہ کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی۔ بہرحال اس کی ایک قسط اکتوبر کے ساقی میں شائع ہوگی اور خدا نے چاہا تو تا اختتامِ مضمون یہ سلسلہ بے انقطاع جاری رہے گا۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نظم میں تم جو درجہ حاصل کر چکے ہو نثر میں اُس تک پہنچنے کے لیے ابھی برسوں تمہیں قلم گھسنا پڑے گا۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم نثر کے بجائے اپنی تمام توجہ نظم کے لیے مخصوص کر دو۔ تم فطرتاً شاعر پیدا ہوئے ہو۔ ان قدرتی صلاحیتوں سے تمہیں فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ضرورت ہے کہ تم زبان کی صفائی اور بندشوں کی چُستی پر خصوصیت کے ساتھ زور دو۔ جب تک زبان اور بیان کی ناہمواریاں دور نہ ہوں بہترین اشعار بھی ناتراشیدہ ہیرے کی مانند ہوتے ہیں۔

والسلام۔

تمہارا شادانی

شاہکار والا مضمون اصغر کو ضرور بھیج دینا اسے سخت انتظار ہے۔ فقط۔

(ا)

۲۹، اکتوبر ۱۹۴۶ء

مکرمی تسلیم۔

بہت دنوں سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ چند دنوں پہلے شاہین کے والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ۔ وہ ابھی تک سنبھل نہیں سکے ہیں۔ اور بہت دنوں تک نیا دور کا کام بھی نہ دیکھ سکے۔ اسی لیے نمبر ۹

کے نکلنے میں تاخیر ہوگئی۔ اس کے علاوہ یہاں بھی فسادات شروع ہوگئے تھے اور خصوصاً چھاؤنی میں جہاں نیا دور کی کتابت طباعت ہوتی ہے آگ بڑے زور سے بھڑکی تھی۔ اس لیے کچھ دنوں تک نیا دور کا کام بالکل رُک گیا گو صرف آخری فارم باقی تھا۔

آپ کے افسانے یا مضمون کے لیے نیا دور کی آنکھیں فرشِ راہ بنی رہیں، نہ جانے کیوں آپ آج کل بالکل نہیں لکھ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اب ہماری ایک تجویز ہے۔ ہم نمبر ۱۰ ایک خاص نمبر کے طور پر نکال رہے ہیں۔ یہ بنگالی افسانہ نمبر ہوگا اس میں دورِ جدید کے نمائندہ بنگالی افسانہ نگاروں کے بہت اچھے افسانوں کا انتخاب شائع ہوگا۔ انتخاب ہم نے کیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ ان کے ترجمے بھی مشہور اہلِ قلم سے کرائیں۔ (یہ انگریزی میں ترجمہ شدہ افسانے ہیں) اب آپ سے بھی درخواست ہے کہ ان میں سے ایک کا ترجمہ عنایت کریں، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ افسانہ نہیں، مضمون نہیں، ترجمہ ہی سہی۔ آخر آپ کی کوئی چیز تو نیا دور میں شائع ہو۔

ترجمہ کرنا آپ کو منظور ہو تو افسانہ آپ کی خدمت میں جلد ہی بھیج دیا جائے گا۔ بہت سے ادیبوں نے ہمارے اس اقدام کو پسند کیا ہے۔ بنگالی ادیبوں نے بھی مبارک باد دی ہے اور اپنے اجازت نامے اور فوٹو بھجوائے ہیں۔

بنگالی نمبر کے مسودے قریب قریب تیار ہیں، دس بارہ ترجمے موصول ہو چکے ہیں۔ اب صرف آپ ہی کی عنایت کا انتظار ہے۔ آپ کا ترجمہ آجائے تو کام شروع ہو جائے گا۔ یا آپ صرف یہ لکھ دیں کہ آپ کو منظور ہے تو ہم اس افسانے کو جسے ہم آپ کو بھیجنا چاہتے ہیں۔ ترتیب میں شامل کر کے، پہلے افسانے کتابت کے لیے دے دیں گے۔ پھر آپ ترجمہ ۱۵۔۲۰ دن میں بھی بھیج سکیں تو مضائقہ نہیں۔

ہمیں امید ہے آپ ضرور اس درخواست کو قبول کریں گے۔ ہمیں اب تک آپ سے یہ پوچھنے میں جھجک اس لئے تھی کہ آپ نے پہلے کبھی ترجمہ نہیں کیا ہے۔ نہ جانے آپ یہ کام پسند کریں بھی یا نہیں، لیکن اب ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ ضرور ہمارے اس [illegible] میں مدد دیں گے۔

سید احتشام حسین، سہیل عظیم آبادی۔ احمد ندیم قاسمی۔ شبلی بی کام۔ سید محمد اختر وغیرہ نے ترجمے کے کام میں ہماری اعانت کی ہے۔

شاہین بہت بہت سلام کہتی اور یاد کرتی ہیں۔ جب سے ان کے والد کا انتقال ہوا ہے وہ پریشان ہیں میں ہی نیا دور کی خط و کتابت وغیرہ کا سارا کام دیکھ رہی ہوں۔ اور وہ بہت مصروف بھی ہیں۔ کیونکہ امسال وہ ایم اے کا امتحان دے رہے ہیں۔

آپ کے خط کا بہت انتظار رہے گا۔

نیازمند

ممتاز شیریں

(۱)

اردو محل معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن۔ ۱۸، جون ۴۳ء

مکرمی تسلیم!

میں نے "بھوکا ہے بنگال" کے نام سے مضامین نظم و نثر کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جو انجمن ترقی اردو شاخ حیدرآباد دکن سے شائع ہو رہا ہے۔ اس مجموعہ کے لیے میں نے جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، کرشن چندر، اختر شیرانی دیوندر ستیارتھی، اختر اورینوی، حفیظ ہوشیارپوری، صدیقہ بیگم سیوہاروی، سبط حسن، وامق، مخدوم محی الدین، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، علی سردار جعفری، کامریڈ پی۔ سی جوشی، احمد ندیم قاسمی وغیرہ وغیرہ کی نگارشات حاصل کر لی ہے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ آپ کے نام اور آپ کی نظم کے بغیر نامکمل ہے۔

صدیقہ بیگم صاحبہ سیوہاروی نے اطلاع دی ہے کہ آپ کی چند نظمیں بنگال کے حادثے سے متعلق "قومی جنگ" میں شائع ہو چکی ہیں۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ اگر آپ اپنی نظم —— یا اس کا تراشہ مجھے عنایت فرمائیں۔ اس سلسلے میں میں آپ کو ایک اور زحمت دے رہا ہوں۔ (اس کے لیے پہلے معافی کا خواستگار ہوں) کلرکی کی زندگی نے میرا مطالعہ بہت ہی محدود کر دیا ہے۔ اس لیے بہت ممکن ہے بنگال کے حزینے سے متعلق اور بھی مضامین، افسانے اور نظمیں ایسی بھی ہوں گی جو میری نظر سے نہ گزری ہوں گی۔ اگر آپ کو ان کا علم ہے تو مجھے مطلع فرما کر اس کام میں میری اعانت فرمائیے۔ (جس کا میں بجا طور پر مستحق ہوں) میں دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کی نظم —— یا افسانے کا میں ہر ڈاک پر انتظار کروں گا۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص

ابراہیم جلیس بی۔ اے (علیگ)

بنام ممتاز شیریں[1]

KOOVER LODGE
VERSOVA ROAD
ANDHERI (BOMBAY)

محترمہ!

دیکھیے تو کس قدر سست الوجود ہو گیا ہوں۔ بھلا کتنے دن ہو گئے مجھے آپ کو لکھے ہوئے کہ میں اپنے ناول "بندرگاہ" کا ایک باب آپ کو بھیج رہا ہوں۔

اپنی صفائی کے خیال سے نہیں، بلکہ اظہارِ حقیقت جان کر آپ کو بتاتا ہوں کہ میرے لیے ناول لکھنا محال ہو گیا ہے! میری ساری ادبی زندگی میں یہ پہلا موقع ہے جب میں کوشش کے باوجود نہیں لکھنے پاتا۔

عام طور پر میں اپنی چیز، وہ افسانہ ہو یا مضمون، ایک ہی نشست میں ختم کر دیا کرتا ہوں۔ میرا قلم اور میرا ذہن چونکہ برابر کی رفتار سے کام کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے کاٹنے کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ اور اگر کبھی خیال کوئی نئی کروٹ لیتا بھی ہے تو بس دو چار حرف ادل بدل کر دینے کافی ہوتے ہیں۔ مگر "بندرگاہ" کی تکمیل کے لیے میں جب بھی بیٹھا ہوں یہ ساری روایات میرا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں اور میں چار سطریں لکھتا ہوں تو انہیں آٹھ جگہ سے کاٹتا ہوں، حتیٰ کہ طبیعت بولا جاتی ہے۔ اور میں اٹھ کھڑا ہوتا ہوں ——

اور پھر جوں جوں ملک کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی جاتی ہے۔ میں اتنی ہی شدت سے لکھنا چاہتا ہوں۔ گویا تو میرا قلم ذہن کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتا، یا میرے خیالات یوں خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ انہیں سلیقے سے پرونا دشوار ہو جاتا ہے۔ بہرحال کچھ نہ کچھ ہو ضرور جاتا ہے، اور میں "بندرگاہ" کا باب نہیں لکھ سکتا۔

آخر میں جز بز ہو کر کچھ اور لکھنے بیٹھ جاتا ہوں اور "چھٹی حس"، جیسی ادنیٰ درجے کی چیزیں لکھ مارتا ہوں اور اپنے

---

[1] کچھ خطوط ممتاز شیریں کے شوہر جناب صمد شاہین کے نام ہیں۔

آپ کو دلاسا دینے کی کوشش کرتا ہوں، مگر اتنا بڑا فریب کھانے کے لیے یہ طفل تسلیاں نہیں، کچھ اور چاہیے!
آپ سے میرا وعدہ اپنی جگہ قائم ہے۔ "بندرگاہ" کا باب جب بھی مکمل ہو گیا وہ آپ ہی کو ملے گا۔
تب تک آپ انتظار کیجئے۔ اور میں کوشش۔ اور جواب بھی میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا تو اپنے
لئے، جیتے جی، فیض کی طرح دعائے مغفرت پڑھ ڈالوں گا!

مخلص
کرشن چندر

(۲)

KOOVER LODGE
VERSOVA ROAD
ANDHERI, (BOMBAY)

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء

محترمی!

جی نہیں، فسادات نمبر کے لیے "میرا بچہ" میرے ناول میں موزوں نہیں رہے گا۔ اس کے لیے میں آپ کو ایک اور لکھا ہوا افسانہ روانہ کر دوں گا۔ "میرا بچہ" ان فسادات کی نہیں امن کے دنوں کی پیداوار ہے۔ ایسی افراتفری میں آپ نے لیے جگہ نہ دی تو وہ بالکل گمنام ہو کر رہ جائے گا۔

میں نے شاید آپ کو لکھا نہیں کہ "بندرگاہ" کی تکمیل کا خیال میں نے بھی عارضی طور پر ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں جن ملکی اور سیاسی حالات کو پیش ہونا تھا، اُن کی اہمیت اور شدت موجودہ فسادات اور ان کی پھیلائی ہوئی تباہ و بربادی کے آگے ہیچ معلوم دینے لگی تھی، اس لئے ان فسادات پر توجہ مبذول کرنا مجھے زیادہ معقول نظر آیا۔ ویسے بھی "بندرگاہ" میں تو میری فسادات کے بارے میں پیشینگوئی ہی ہے جو کہ ظاہر ہے اب بے موقع معلوم دینے لگی تھی۔

چنانچہ اب میں نے براہِ راست فسادات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ان کی ہولناکی پر کئی زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ کچھ افسانے ہو گئے ہیں، کچھ اس مہینے کے اختتام تک ہو جائیں گے اور نومبر کے آخر میں "ہم وحشی ہیں" مارکٹ میں ہوگی۔

اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ فسادات نمبر کب ترتیب دے رہے ہیں؟ اگر نمبر ۴ کو فسادات نمبر بنانا مقصود ہے تو اس کے لیے میں آپ کو اپنی اس نئی کتاب "ہم وحشی ہیں" کا ایک افسانہ بھیج دوں گا۔ "میرا بچہ" آپ اس سے اگلے نمبر کے لیے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور جو نمبر ۴ وہ خصوصی شمارہ نہیں ہے تو بیشک "میرا بچہ" اس میں شامل ہو سکتا ہے۔ فسادات نمبر کے لیے میں آپ کو بہر کیف ایک خون میں لت پت افسانہ بھیجوں گا۔

شاہین کے خط کا مجھے ابھی تک انتظار ہے۔

نیا دور نمبر ۲ ا پہنچ گیا تھا۔ اور بنگال نمبر کی دو کاپیاں بھی، شکریہ۔

کیا ممکن ہے کہ آئندہ آپ مجھے نیا دور کی ایک کی بجائے دو کاپیاں روانہ کرا دیا کریں۔ کیوں کہ ان میں سے ایک

میں ریکارڈ میں رکھنا چاہتا ہوں۔

مخلص،
کرشن چندر

(۳)

112. GRAND HOTEL
SHIMLA –

۲۱ر مئی ۔

برادرم!

کیسی عجیب بات ہے کہ میں شملہ میں بیٹھا حافظہ پر زور دے رہا ہوں کہ آپ کا پتہ کیا ہے!! اور آپ کا خط ملتا ہے۔ اگر خفگی ہوتی تو دل سے دل کو یہ راہ کیسے نکلتی۔

آپ میری شرمندگی کا اندازہ کیسے لگا سکتے ہیں۔ یہ میری کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ عین اس وقت جب میں اپنے میں لکھنے کی صلاحیت ابھرتے ہوتے پاتا ہوں، یہ بھی دیکھتا ہوں کہ وقت میرا خادم نہیں بلکہ میں وقت کا غلام ہوں۔ کاش میرے قلم کو اتنی مہلت ملتی کہ وہ دل و نگاہ کی ترجمانی کر سکتا۔

نیا دور کا بنگالی افسانہ نمبر بلا تکلف بر طرف، آپ کی محنت اور ذوق قابلِ داد ہے۔ مجموعی اعتبار سے بہت کامیاب کوشش ہے۔ کوئی افسانہ یا کوئی ترجمہ میرے معیار پر پورا نہ اترا تو اسے میں اپنی تنگ نظری پر محمول کرتا ہوں۔

اب سنیے، مجھے ۲۹ر مئی کو بنگلور پہنچنا ہے۔ دلی سے ہوائی جہاز صبح چلے گا اور شام کو ۵ بجے وہاں پہنچے گا۔ ۳۰ر کو ایک میٹنگ ہے۔ یکم جون کو وہاں سے روانہ ہو کر حیدرآباد ہوتا ہوا دلی اور پھر شملہ آجاؤں گا، اور اواخر جون تک بمبئی رہوں گا۔ میں بنگلور سے ناواقف ہوں۔ آپ کے سوا کسی کو نہیں جانتا، بدحواسی کا یہ عالم کہ اب تک آپ کا پتہ یاد نہ آیا۔ اگر یہ خط مل جائے تو طیارہ گاہ پر مل جائیں۔ میں نے سرجے سی گھوش کو تار دیا ہے کہ اپنے انسٹیٹیوٹ کے آس پاس (میٹنگ وہیں ہے) کسی ہوٹل کا انتظام کر دیں۔ بہرحال آپ فکر نہ کریں۔ البتہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ ممتاز شیریں کو میرا اسلام۔

زیادہ شوقِ ملاقات ۔ مخلص
اختر حسین

(۴)

کراچی
۴ر اکتوبر ۴۷ء

محترمہ۔ تسلیم۔

آپ کا نوازش نامہ کوئی دو مہینے کی صحرا نوردی کے بعد اگلے روز یہاں پہنچا۔ میں خود "کراچی چلو" کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ جولائی کے اخیر میں کٹک چھوڑا، اور دلی، پنجاب اور کشمیر کی پُر آشوبیوں کو دیکھتا ہوا پچھلے ہفتہ کراچی پہنچا، اگر خدا مجھے خون کا قلم عطا فرمائے تو ضرور ایک تازہ افسانہ لکھوں!

اگر اخباروں کے کالم سچ ہیں، تو بنگلور کے حالات بھی کچھ زیادہ پُرسکون نظر نہیں آتے۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔ 'نیا دور' کے تازہ شمارے کا بڑے شدید شوق سے منتظر رہا ہوں۔ خدا کرے آپ نے میرا پرچہ کلک کے پتہ پر نہ بھیج دیا ہو۔ کیونکہ آجکل ان اطراف وکنار سے ڈاک حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کچھ کم نہیں ہے!

کراچی کا رنگ ڈھنگ تو ابھی تک کچھ انوکھا ہی نظر آتا ہے۔ لیکن قرینہ ہے کہ یہاں ادبی مذاق کی کمی نہیں۔ ادبی زمین زرخیز ہے۔ فقط آب یاری کی ضرورت ہے۔ کاش کہ کوئی اس سرزمین میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا بیڑہ اٹھائے جو اردو ادب کو پہلے پاکستان اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان میں مستحکم اور اولے حیثیت عطا کرے۔ اگر آپ کا ارادہ اس موضوع پر کچھ سوچ بچار کرنے کا ہو، تو میں آپ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔

بھائی صمد کی خدمت میں آداب۔

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

میرا موجودہ پتہ یہ ہے۔

MINISTRY. OF. COMMERCE. PAKISTAN

Govt, KARACHI

(۵)

کراچی۔

۱۴؍ اکتوبر ۴۷ء

محترمہ۔ تسلیم

آپ کا نوازش نامہ اور 'نیا دور' ۱۲۔۱۱ یکے بعد دیگرے ملے۔ بہت بہت شکریہ۔

۴۵ء، ۴۶ء کے افسانوں کے جائزے میں آپ نے جو ہمت افزا کلمے میرے افسانوں پر ارشاد فرمائے ہیں، ان پر مجھے فخر ہے۔ اصولی اور اکیڈیمک تنقید تو بہتیرے لکھتے ہیں، لیکن عملی اور DISPASSIONATE تنقید کی جو داغ بیل آپ نے ڈالی ہے وہ اُردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اعلےٰ تنقید آرٹ ہی پیدا نہیں کرتی، بلکہ آرٹسٹ بھی بناتی ہے۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ آپ کے نوکِ قلم کی جُنبش میں کتنے فنکاروں کی تعمیر پنہاں ہے! — یقین مانیے اگر آپ نے میرے افسانوں کے بخیئے بھی ادھیڑ دیئے ہوتے، پھر بھی میں یہی کہتا۔

شاہین کا کراچی میں ہونا میرے لیے باعثِ مسرت ہے۔ میں نے حسبِ عادت 'تلاش' شروع کر دی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ بھی کچھ میرا ہاتھ بٹاتیں۔ اگر آپ مجھے ان کا پتہ عنایت فرما دیں، تو بڑی سہولت ہو۔

تصویر کے متعلق آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر، لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ میں نے اپنے پاس کبھی اپنی تصویر رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کون اس خود بینی کے جھنجھٹ میں پڑے۔ جس وقت آپ کا خط ملا تو ایک مہربان میرے پاس دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کا نام سُنا تو مچل گئے، اور زبردستی چھین کر خط پڑھنے لگے۔ اگلے روز آئے تو کیمرہ سے مسلح تھے۔ پورا

گھنٹہ بھر پریڈ کروانے کے بعد تصویر لی۔ نتیجہ حاضر ہے۔ اسے بھی کیمرے کا اعجاز ہی سمجھئے۔ ورنہ میری تو یہی آرزو ہے کہ کاش میں یہ تصویر ہی ہوتا! یہ تفصیل میں نے احتیاطاً بیان کر دی ہے۔ کیونکہ ایک صاحب نے جب اس فوٹو کو دیکھا، تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا: "یہ تصویر تمہاری ہے؟ لعنت! انگریز چھوڑ انگریزوں کے باپ بھی چلے گئے۔ لیکن آپ لوگوں پر ابھی تک دفتر کا سنیار چھایا ہوا ہے ... ..." میری مجبوریوں کے مدِ نظر مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے دل میں ایسا خیال نہ آنے دیں گی۔ اگر کوئی ڈھب کی تصویر میسر ہوتی تو ضرور بھیج دیتا۔

آج میں نے ایک گہرے سُرخ رنگ کی خون آشام پنسل منگوا کے رکھ لی ہے۔ تاکہ جب بھی 'احساس' کا پیمانہ چھلکے تو قلمبند کر کے رکھ لوں۔ نیا دور کے فساد نمبر کی ساری کتابت سُرخ ہو تو بہت موزوں ہو۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

شاہین کے کراچی ایڈریس کا منتظر رہوں گا۔

نیاز کیش
قدرت اللہ شہاب

(۶)

۷، ربیرو روڈ۔ لکھنؤ
۱۹، اکتوبر

بہن ممتاز شیریں۔ تسلیم۔

آپ کے اور صمد شاہین کے متعدد خطوط ملے۔ جی چاہتا تھا کہ مفصل لکھوں۔ فسادات نمبر جب سے ملا تو زیادہ تر لوگ دیکھنے کو لے جاتے رہے ہیں، میں اسے ذرا دیر میں دیکھ سکا۔ اب تین چار دن ہوئے آزادی نمبر موصول ہوا۔ دونوں نمبروں میں سنجیدہ اور عالمانہ مضمون کافی ہیں۔ عام معیار خاصا بلند ہے۔ سوچی اور سمجھی ہوئی باتیں لکھی گئی ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بحیثیتِ مجموعی آپ کے پرچے کی اگلی پالیسی اور سمت بدل گئی ہے۔ عام طور پر جو پرچے دریا کے بہاؤ کو دیکھ کر اپنی رفتار متعین کر لیتے ہیں، یا کشتی کو موڑ لیتے ہیں، ان پر نہ تعجب ہوتا ہے نہ افسوس۔ آپ کی ایک مخصوص ترقی پسند، انسان دوست، جدید اور سائنٹیفک نگاہ تھی۔ اس میں فرق معلوم ہوتا ہے، تو افسوس ہوتا ہے۔ جن دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ ہم لوگ ایک ادبی کارواں میں چلتے رہے اور ایک دوسرے سے دور ہو کر بھی جن کو قریب پاتے رہے، وہ اس طرح وقتی جذبات کا شکار ہو کر کچھ بدل جائیں اور نادانی سے یا دانستہ کہیں اور پہنچ جائیں، تو افسوس اور رنج لازمی ہے۔ میرا جذبہ اس وقت یہی ہے۔

گزشتہ مئی میں، میں میسور گیا تھا۔ وہاں اُردو کے پروفیسر کے تقرر کا مسئلہ تھا۔ عبدالقادر، سہیل اور دوسرے آپ کے دوستوں اور ملاقاتیوں سے ملاقاتیں میں آپ لوگوں کا ذکر قدرتی طور پر بار بار آیا۔ نیا دور کی اُٹھان اس کے علمی معیار، اس کے سنجیدہ اور آزاد لب و لہجے کا میں شروع سے معترف رہا۔ اب حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اپنے پچھلے خیالات کو اتنی جلدی کیسے بھلا سکتے ہیں۔ آزادی نمبر میں آپ کا اداریہ، اور عسکری کا مضمون انسان اور آدمی، میں نے نہایت غور سے پڑھے۔ روس میں جو کچھ ہوا ہے، وہ آج تو نہیں ہوا۔ وہ سب تاریخ کا حصہ ہے۔ آخر آج آپ میں یہ روس دشمنی کیوں ہے اور شخصی آزادی

کے مقدس بُت کی اس قدر پرستش کس لیے ہے؟ عام معاشی بے انصافی کو دور کرنے پر سب سے زیادہ توجہ کیوں نہیں ہے؟ جب کہ آپ اُسے ضروری بھی سمجھتے ہیں۔

عسکری بڑے ذہین اور قابل نوجوان ہیں۔ میں ان کے مضامین ہمیشہ غور سے اور شوق سے پڑھتا ہوں۔ یہ مضمون بھی نہایت مخلصانہ ہے مگر نہایت خطرناک اور غلط۔ اگر عسکری ڈیڑھ سو سال کے ادب سے ذرا آگے نکلتے اور انسانیت کے ادب پر نگاہ ڈالتے تو وہ انسانیت کی اتنی توہین نہ کرتے، اس مضمون کے متعلق اپنے خیالات پھر پیش کروں گا۔

میرے متعلق عطا محمد نے جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق کیا عرض کروں؟ غالباً انہوں نے میرے مضامین کو یا تو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی یا غور سے نہیں پڑھا۔ دیباچوں کو پڑھ کر ہی خفا ہو گئے۔ بہ ہر حال کاش کوئی انہیں بتاتا کہ تنقید ایک سائنٹیفک تجزیہ اور تجربات کی پرکھ ہے محض ایک ذاتی تاثر کا اظہار نہیں ہے۔ یہاں صحیح بات کہنا، نئی بات کہنے سے زیادہ اہم ہے۔

افسانہ نمبر میں یا خدا کی عام طور پر بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مجھے شاہد کی ڈائری زیادہ پسند آئی۔ ایسا لٹریچر ہمارے لیے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ یا خدا میں فسادات سے زیادہ عورت کی مظلومیت آگئی ہے یعنی فوکس غلط ہو گیا ہے۔ باقی پھر کبھی!

نیاز مند

آل احمد سرور

(۷)

جامعہ عثمانیہ

یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء

محترمہ! "نیا دور" نمبر ۱۲ ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ ایک اور پرچہ بھیج دیجیے گا، تاکہ "زرخرید" کی ایک نقل نئے مجموعے "بیکار دن بیکار راتیں" کے پبلشرز کو روانہ کر دی جائے۔ پرچہ اچھا خاصا ہے، اور مضامین دلچسپ ہیں۔ آپ کا مضمون "ہماری افسانہ نگاری" میں نے تفصیل سے پڑھا۔ میرے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا میں بہت ممنون ہوں۔

اجازت ہو تو میں عرض کروں کہ ڈی۔ ایچ۔ لارنس کی کہانیاں تو میں نے سب کی سب پڑھی ہیں، لیکن اس کا ناول ابھی تک صرف ایک پڑھا ہے LADY CHATTERLY'S LOVER۔ اردو کے اکثر ناقد محض سطحی جنسی موضوع کی مشابہت کے زیرِ نظر یہ تصفیہ کرتے ہیں کہ میں نے ڈی۔ ایچ۔ لارنس کو اپنا استاد بنایا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مجھ پر انفرادی طور پر یورپ کے صرف ناول نگاروں کا اثر ہے۔ ایک آلڈس ہکسلے اور دوسرے ای۔ ایم۔ فارسٹر۔ ان دونوں کے ساتھ میں نے بہت وقت گذارا ہے اور ان سے بہت سیکھا ہے۔ لارنس کو میں چند در چند وجوہات سے ناپسند کرتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میرے خیال میں فرائڈ اور مارکس کو ایک جگہ یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے نفسیاتِ تحلیل میں بھی فرائڈ سے زیادہ اس کے ان متبعین کو

اہمیت دیتا ہوں، جنھوں نے لاشعور میں جنس کی اہمیت کو اتنا زیادہ مقام نہیں دیا۔

جنس کا بیان میری تمام تحریروں میں طنزیہ ہے۔ یہ طنز اسلوبی نہیں ہے۔ اس لئے پہلی نظر میں دکھائی نہیں دیتا جب تک ہکسلے کی BRAVE NEW WORLD شائع نہیں ہوئی تھی۔ اس کے متعلق بھی ناقدین کو غلط فہمی رہی کہ وہ کس محاذ پر لڑ رہا ہے۔ میں نے بھی ہکسلے کی طرح طنز کو "حیاتی" بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر آپ کے خیال میں اس سے واقعتاً بجائے تلذذ کے منافرت اور بے اطمینانی کا احساس پیدا ہوتا ہے تو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہوں۔

پنڈت اندر سہائے کیفی کاشمیری (پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کاشمیری) کا تعارف زیادہ تفصیل سے اس لیے نہیں کرایا گیا کہ ان کے نام کی PARODY خود بتا دیتی ہے کہ اس کردار کا اصل کون ہے؟ اس کے علاوہ "اور بستی نہیں یہ ..." میں وہ کردار کی حیثیت سے نہیں بلکہ چند خیالات کے مجموعے کے طور پر روشناس کرائے گئے ہیں۔ دو جرنلسٹ جو دراصل ایک ہی شخص کے دو اخلاقی اور غیر اخلاقی PROJECTIONS ہیں) کیوں کر دو ہفتہ کے اندر کسی "کردار" کا مطالعہ کر سکے؟ ناممکن تھا۔ سوائے سطحی بیان کے اس سے زیادہ کی توقع بھی تو نہیں کی جا سکتی۔

"مدن سینا اور صدیاں" کے متعلق بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجیے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، ہیئتی تجربہ دراصل یہ کیا گیا ہے کہ "افسانہ" اور "تخلیقی تنقید" کو ایک آمیزش دی جائے۔ اس صدی میں اور گذشتہ صدی میں ایک حد تک افسانے کو تنقید سے الگ کر دیا گیا ہے۔ یہ بات پہلے نہیں تھی۔ کتاب الاغانی کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہر افسانہ فن موسیقی یا معاشرت پر تنقید بھی کرتا ہے۔ داخلی تنقید ہی نہیں بلکہ ادبی تنقید بھی۔ یہ خصوصیت انگریزی ناول میں تھیکرے تک ملتی ہے اب ہکسلے نے انگلستان میں اور تامس مان نے جرمنی میں ——— اس کو پھر سے رائج کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ "مدن سینا اور صدیاں" محض نصف افسانہ ہے اور نصف تخلیقی ادبی تنقید۔ شیریں کی داستان میں "کم ظرفی" دراصل فیاضی کی معکوس صورت ہے اور اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی کعب وضع کے مکان میں محض یک آہنگی اور MONOTONY کو رفع کرنے کے لیے کوئی مدور حصہ بنا یا جائے، یا ایسا DISCORDAUT NOTE یکساں قسم کی SYMPHONY میں عمداً داخل کیا جائے۔ خسرو اور شیریں کا واقعہ ایک ایسے زمانے کی یادگار ہے جو مدن سینا اور پھر اس کے بعد سمدر گپت کے پُرامن ——— افسوس یہ ہے کہ اب یہ زمانہ بھی پُرامن نہیں رہا ——— زمانے کے مقابل عظیم الشان تخریب اور قدروں کی تضاد کا زمانہ تھا۔ سلطنت العثمان شہنشاہی کے دور میں سوال کی نوعیت کا بدل جانا ضروری تھا۔ "نسلی" سلسلوں کو ملانے کی میں نے قطعی کوشش نہیں کی ہے۔ کوشش "تاریخی" یا "تمدنی" سلسلوں کے ملانے کی کی گئی ہے۔ میں تاریخ تمدن عالم میں وکیز اور پیری وغیرہ کی طرح DIFFUSIONIST نظریے کا اس حد تک قائل ہوں کہ تاریخ تمدن میں جابجا نمایاں ترین حقیقت تسلسل ہے۔ اور یہ تسلسل ایک عالم گیر تسلسل میں حل ہو سکتا ہے۔ تاریخ کی مادی تعبیر جو ہیگل نے کی ہے اور جس کو مارکسی اب عام طور پر مانتے ہیں اس کے لحاظ سے بھی ربط قائم کرنے کی ضرورت تھی، کیوں کہ تاریخ محض "واقعات" کا مجموعہ نہیں بلکہ خود ایک جامع منفرد واقعہ ہے اور انسانی زندگی اور انسانی فطرت کا PANORAMA

بغیر تاریخی ربط کے مُرتب نہیں کیا جا سکتا ۔

لیکن آپ کی تنقید بڑی سلجھی ہوئی اور بہت دلچسپ ہے ۔

تبصروں کی حد تک مجھے آپ سے احتجاج کرنا ہے ۔ تبصرے آپ "منجھے ہوئے" ادیبوں سے لکھوائیے یا آپ اور صمد شاہین صاحب خود لکھیں ۔ اب آپ ہی دیکھئے نا کہ ایک طرف تو آپ نے اختر انصاری اور محمد حسن عسکری کے تبصرے لکھے ہیں ۔ دوسری طرف مظہر ممتاز یا رفعت بنگلوری وغیرہ کے بچپنے کی تحریریں ہیں ۔ اس طرح تنقیدی رطب و یابس میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا ۔ آخر میں آپ سے پھر گذارش ہے کہ گریز اور رقص و سرود پر آپ کا ریویو کب شائع ہوگا ؟ کیا آئندہ نمبر میں دیرینہ وعدے کے پورا ہونے کی توقع رکھوں ؟

میں نے آل احمد سرور کے نئے اور پرانے چراغ اور علی عباس حسینی کی اردو ناول کی تاریخ و تنقید پر ریویو کیا ہے ۔ کہیے تو نیا دور کے لیے بھیج دوں ۔ مگر پھر تبصروں میں اس کا لحاظ رکھئے کہ وہ مظہر ممتاز یا اس قسم کے کسی اور " ادیب " کے تبصروں کے ساتھ شائع نہوں جنہوں نے صرف میٹریکولیشن تک تعلیم پائی ہے ۔ ہمارا مقصد ادب کی خدمت اور اس کا معیار مقرر کرنا بھی ہے ۔ ہاں اگر کوئی ایسا ادیب کوئی "تخلیقی" چیز لکھے اور وہ معیاری ہو تو ضرور شائع کیجئے ۔ امید ہے کہ آپ اور صمد شاہین صاحب مع الخیر ہوں گے ۔ حرفِ آغاز میں " عزیز احمدوں " والے حصے کا بہت شکریہ ۔

مخلص

عزیز احمد

(۸)

میسوری

۲ ر اپریل ۱۹۴۸ء

مکرمی !

معہ ہذا " میسورین " کا چندہ ، بلغ ۔۔۔ اور کمشن کے ۲ ۔ ۔ ۔ کا چیک مرسل ہے ۔ براہِ عنایت اسے مینجر صاحب کے پاس بھیج دیجئے ۔

آپ سے عرصہ دراز سے ملاقات نہ ہو سکی ۔ اور شاید قریب میں میرے بنگلور آنے کا کوئی قرینہ بھی نہیں ہے ۔ آپ اکثر میسور آتے جاتے رہتے ہیں ۔ کبھی فرصت ہو جائے تو کرم کیجئے ۔

فروری کی ۱۶ کو ڈاکٹر ندر صاحب بنگلور تشریف لائے تھے ۔ میں اندوہ آپ سے ملنے کے لیے آ رہے تھے کہ راستے میں سٹر ولی اللہ اڈووکیٹ سے معلوم ہوا کہ آپ انتخابات کے سلسلے میں " دہلی گئے " ہوئے ہیں ۔ امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا ۔

اخبار میں پڑھا تھا کہ قاضی عبدالغفار صاحب بنگلور تشریف لا رہے ہیں ۔ اور آپ کی بھی اسی سلسلے میں تقریر ہوگی ۔ غالباً موصوف آ چکے ہوں گے ۔ پتہ نہیں کہ قیام کہاں ہے ؟ میرا سلام انہیں پہنچا دیجئے تو عنایت ہوگی ۔ اگر وہ میسور تشریف لائے ہوں تو آپ بھی ان کے ساتھ آ جائیے اور انہیں غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمانے اور قیام کرنے کی دعوت دیجئے ۔ اگر فرصت نہ

صاحب کا پتہ معلوم ہو جائے تو میں خود انہیں لکھتا ہوں۔

مخلص

عبدالقادر سروری

(۹)

PRESIDENCY COLLEGE

CALCUTTA

۲۳ رجنوری ۱۹۵۶ء

مکرم۔ تسلیم۔ آپ کا خط ملا شکریہ۔ مصروفیتوں کی وجہ سے جواب جلد نہ دے سکا۔ امید ہے معاف فرمائیں گی۔ نگار کی پر مضمون بھی نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ دو ایک روز میں روانہ کروں گا۔ MAN AND A GIRL کا ترجمہ بھی پڑا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ آپ فی الحال تو نگار کی نمبر نکال نہیں رہے ہیں اس لیے یقین ہے کہ آپ کو ان چیزوں کی جلدی نہ ہو گی۔

چین نومبر میں جانا تھا۔ لیکن میں نے موسم بہار تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی مدد درکار ہے۔ چونکہ چین بار بار جانا نہیں ہوتا، میرا خیال ہے کہ لگے ہاتھوں اپنی کلچر کا کچھ حصہ بھی وہاں کر دوں۔ اس بات کی دراصل مجھ کو خاص دعوت دی گئی ہے۔ اردو زبان اور شاعری کی بنیادوں پر تو میں مواد ایک سال سے تیار کر رہا ہوں، لیکن ایک زبان، قوم اور ادب کا بہترین چہرہ افسانوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آج کل میں اردو افسانوں کا ایک مجموعہ مرتب کرنے کی نیت سے بہت سے افسانہ نگاروں کو پڑھ رہا تھا اور کچھ افسانے چھانٹ بھی لیے ہیں۔ ان کو میں انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے چینی زبان میں شائع ہونے کے لیے چین میں مختلف رسالوں میں دوں گا۔

براہ کرم آپ مجھ کو مندرجہ ذیل افسانہ نگاروں کے پتے فوراً بھیج دیں تاکہ میں ان سے اجازت منگوا سکوں۔

میرے ساتھ بیلجیم سے بھی اس کام کی فرمائش آئی ہے اور یہ لوگ افسانوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر کے بیلجیم فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں شائع کریں گے۔

جن مصنفوں کے پتوں کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:-

۱۔ عصمت چغتائی
۲۔ راجندر سنگھ بیدی
۳۔ ممتاز مفتی
۴۔ احمد ندیم قاسمی
۵۔ اختر اورینوی
۶۔ سعادت حسن منٹو

اردو کے بہتے تو میرے پاس ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے نہیں ہیں۔ اُمید ہے آپ تکلیف فرما کر یہ کام فوراً کر دیں گی۔ اگر آپ چاہیں تو اس کا تذکرہ حرفِ آغاز میں بھی کر سکتی ہیں۔

"موت سے پہلے" پر تبصرہ ابھی تک نگاہ سے نہیں گذرا۔ کیا آپ کے تبصرہ نویس کو کتاب اس قدر ناپسند ہوئی؟ بہرحال کوئی بات نہیں۔ کچھ تصانیف شائع ہونے کے ۲۵ اور ۵۰ سال بعد سمجھی جاتی ہیں اور سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

اُردو افسانوں کو مرتب کرتے وقت اپنے افسانے کی ترقی پر کچھ NOTES لکھے تھے۔ کبھی فرصت کے وقت آپ کو بھیج دوں گا۔ ممکن ہے آپ شائع کرنا پسند کریں۔

نیا دور نمبر ۹ ضرور بھیج دیجئے۔ حالانکہ میں ایک صاحب کا پرچہ لے کر دیکھ چکا ہوں۔ لیکن میرے پاس ہونا اس لئے ضروری ہے کہ چھپن میں شاید کام آئے۔

اُمید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

نیازمند

احمد علی

(۱۰)

برکت روڈ۔ نذیر باغ

۲۵ رجون

محترمہ۔ تسلیم۔ میں ایک طویل سفر کے بعد لکھنؤ واپس آیا ہوں۔ نیا دور کا پرچہ اور ری پرنٹ آ رہے چکے تھے۔ اب آپ کا خط بھی ملا۔ ان سب کا شکریہ۔

آپ نے جس مضمون کی فرمائش کی تھی اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا، بشرط فرصت۔ یہ سلسلہ آپ نے اچھا چھیڑا ہے۔

میرے اوپر جو تنقید ہے وہ بھی میں نے پڑھی۔ تنقید نگار صاحب میں ہمت اور شوق تو ہے۔ پر ابھی خود اعتمادی کی کمی ہے۔ ان کی سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ ان کو پرکھنے کے لئے کسوٹیاں نہیں ملتیں۔ یہ دشواری آج کل سب نقادوں کو درپیش ہے۔ ایسی کسوٹیاں کچھ دن ہوئے کمیونسٹوں نے مفت تقسیم کی تھیں، اور انہوں نے کچھ دنوں کام بھی دیا۔ لیکن اب ان کے تضاد بہت نمایاں ہو گئے۔ چنانچہ کمیونسٹ نقادوں کا قلم بھی مذبذب ہو گیا ہے۔ یعنی ان کو اپنے تذبذب کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک کوئی نقاد کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔ کیا حسین ہے اور کیا بدصورت کی منزلوں کو پار نہیں کر لیتا ہے۔ اس کا قلم کچھ بتاتا نہیں ہے۔ صرف کیا کہوں کیا نہ کہوں میں پھنسا رہ جاتا ہے۔

اگر آپ سے نقاد صاحب کی کافی بے تکلفی ہو، اور وہ بات سن کر بُرا نہ مانتے ہوں تو میرے یہ چند جملے ان تک پہنچا دیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا کچھ بھلا ہو جائے۔ اور ہاں میرا شکریہ بھی۔

آپ نے ماں بیٹیا پر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی میں نے پڑھا۔

ہندوستان سے اڈیٹروں کا جو وفد جا رہا ہے پاکستان، اس کا ایک ممبر میں بھی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کراچی آنا ہو۔ ایسی صورت

میں آپ کو لکھوں گا۔ شاہین صاحب کو آداب عرض۔ وقار صاحب کہاں ہیں؟

حیات اللہ

(۱۱)

علی گڈھ، احاطہ اُودے بیر سنگھ

۱۴ ستمبر ۱۹۴۴ء

محبِ گرامی! تسلیم۔ کل آپ کا خط اور آج نیا دور ملا۔ دونوں چیزوں کے لیے آپ کا ممنون ہوں۔ نیا دور کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ نہایت حسین اور مبارک اقدام ہے۔ نیورائٹنگ کی وضع موجودہ دور کے ہندوستانی جرائد کے لیے بے حد موزوں ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اس وضع کا ایک رسالہ جاری کیا۔ نیا دور کی ظاہری آب و تاب حد درجہ نظر افروز ہے۔ مواد کے لحاظ سے بھی معیار حسبِ دلخواہ ہے۔ آج کل ٹھیک اسی قسم کے ادب کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ رسالے کی آئندہ اشاعتوں کی ترتیب میں "جدید ادب" اور "ترقی پسند ادب" کے نازک مگر اہم فرق کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔ نیا دور کو ترقی پسند ادب کا آرگن ہونا چاہیئے۔ جو قدیم و جدید ہر نقطۂ نظر سے مردود و مذموم ہے۔

افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس کوئی کہانی یا ادبی مضمون تیار نہیں ہے۔ البتہ چند قطعات، ایک غزل اور ایک نظم ارسال کرتا ہوں۔ یہ سب چیزیں تازہ ترین اور غیر مطبوعہ ہیں۔ ہاں پہلا قطعہ "چاندنی رات" ایک غیر معروف زنانہ رسالے میں چھپ چکا ہے اس لئے غیر مطبوعہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ چاہیں تو اسے شریکِ اشاعت نہ کیجیئے گا۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ سب چیزیں میری پچھلی شاعری کے انداز سے یکسر مختلف ہیں۔ میں آج کل اسی نوع کی شاعری کر رہا ہوں۔ اور خوش ہوں کہ بالآخر میں کچھ ایسی شعری تخلیقات پیش کرنے کے قابل ہو سکا ہوں جو میرے ادبی عقائد سے پورے طور پر ہم آہنگ ہیں۔ کیا آپ اس پر وقاری غزل کی داد نہ دیجیئے گا؟

"ڈائری" کے اکثر حصے چھپ چکے ہیں۔ ابھی کچھ قابلِ اشاعت حصے باقی ہیں۔ مگر ان دنوں میں بہت مصروف رہتا ہوں، نقل کرنے کے لیے وقت نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا اصرار ہو گا تو کچھ حصے نقل کرا کے بھیج دوں گا۔

عبدالقادر صاحب آجکل کہاں ہیں؟ اگر آپ سے دور نہ ہوں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ میں انہیں بہت زیادہ یاد کرتا ہوں۔

انگریزی اخبار میسورین برابر پہنچ رہا ہے۔ آپ کا اور صادق صاحب کا بہت ممنون ہوں۔ ہندستان فی الحال بند ہے۔

آپ کا اختر انصاری۔

(۱۲)

SAMUNDRA TARENG

CADELL ROAD BOMBAY-28

2.6.48

محترمہ۔ تسلیم۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا — آپ کے "فسادات

نمبر" کی اشاعت میں اتنی تاخیر ہوئی کہ میں نے بھولے کو "سردارجی" لاہور بھیج دیا ورنہ میرا ارادہ ایک ہی افسانے کو پاکستان کے دو رسالوں میں بھیجنے کا نہ تھا۔ آپ کے ان فقروں کا مطلب میں نہ سمجھ سکا :۔

"آپ کے اور کرشن چندر وغیرہ کے مطبوعہ افسانے ماہِ نو میں پھر چھپ جانے پر ماہِ نو کے خلاف یہاں کی پبلک بھڑ اٹھی۔ اخباروں نے بھی ایک مہم شروع کر دی کہ آپ کا افسانہ "داستان" حیدرآباد میں چھپا تھا پھر "افکار" بھوپال میں چھپا اور یہاں بھی چھپ گیا۔"

غرض یہ ہے کہ

۱۔ اردو کے رسائل مضمون نگاروں یا افسانہ نگاروں کو کوئی معاوضہ نہیں دیتے۔ اس میں "ماہِ نو" جیسا سرکاری پرچہ بھی شامل ہے۔

۲۔ افسانہ اگر منگواتے ہیں جنوری میں تو پرچہ شائع ہوتا ہے دسمبر میں! ماہِ نو کی اشاعت میں اتنی تاخیر ہوئی کہ میں نے افسانے کا انگریزی ترجمہ SHORT STORY MAGAZINE میں چھپوا دیا۔ اس پر "افکار" اور "داستان" کی حماقت دیکھئے کہ انہوں نے (بلا میری اجازت کے) انگریزی سے اس افسانے کا ترجمہ کرکے اردو میں شائع کیا جو اولاً اردو ہی میں لکھا گیا تھا۔

۳۔ یہ پبلک۔ کیوں "بھڑ اٹھی" ؟ اور اخباروں نے کیوں "ایک مہم شروع کر دی" ؟ ایسا ہم نے کونسا گردن زدنی گناہ کیا تھا؟ یا اس "بھڑنے" اور اس "مہم" کی وجہ کچھ اور تھی!

میں نے فسادات پر دو ایک افسانے اور ڈرامے اور لکھے ہیں مگر وہ کہیں نہ کہیں بھیجے جا چکے ہیں۔ اب جو کچھ لکھا جائے گا وہ آپ کو بھیجوں گا۔ اگر دیر ہو جائے تو "فسادات نمبر" کو نہ روکے رکھیں۔

راما نند ساگر کا افسانہ ملفوف ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس پر ایک سُرخی لکھ کر آپ کو بھیج دوں۔ میں نے ایک کی بجائے دو لکھ دی ہیں۔ آپ ان میں سے ایک پسند کر لیں۔

شاہین صاحب کی خدمت میں سلام۔

آپ کا خادم
احمد عباس

(۱۳)

RAMA RAO'S BUNGALOW
MALAD, BOMBAY

۱۱ اگست ۴۹ء ۔ بمبئی ۔

آپ کا خط اور "نقوش" کے دونوں نمبر ملے۔ مشکور ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس سے پہلے آپ کا کوئی خط مجھے نہیں مل سکا لیکن اس میں قصور آپ کا نہیں، "آل انڈیا ریڈیو" چھوڑنے کے بعد میں بھی کہیں ٹک کر نہیں بیٹھا۔ اب امید ہے کہ ایک دو سال اس مکان میں رہوں گا۔ دو سال کا کرایہ پیشگی دے چکا ہوں۔ (اگرچہ اپنی گذشتہ زندگی کے پیشِ نظر یہ امید صرف اُمید ہی ہے۔

میں آتے ہی مصروف ہو گیا ہوں۔ اس وقت فلم اپنے کلائمکس پر ہے اور دم مارنے کی فرصت نہیں، جونہی اس فلم کا شوٹنگ ختم ہوا اور مجھے کچھ فرصت ملی، میں یقیناً آپ کے لیے کوئی نئی چیز لکھوں گا۔

آپ چھپوا رہے ہیں کا اشتہار چھپ رہے ہیں اس کے لیے میرا شکریہ قبول کیجیے۔ اگر آپ نے وہ مجموعہ دیکھا ہو تو آپ نے اس کے لیے شروع میں مختار صدیقی کا "چھپوا رہے کا ایک مطالعہ" نام سے مضمون بھی پڑھا ہوگا۔ درحقیقت مختار صاحب نے اسے ایک مضمون ہی کی صورت میں لکھا تھا، لیکن انہوں نے اس کامیابی سے میرے ڈراموں کا تجزیہ کیا کہ میں نے اسے کتاب کے شروع میں شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس خیال سے اس میں ایک دو معمولی تبدیلیاں انہوں نے کر دیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے آپ ایک مضمون کی صورت میں "نیا دور" میں شائع کر سکتے ہیں۔ میں مختار صاحب کو لکھ دوں گا، اور آپ کے لیے نظمیں بھیجنے کے لیے بھی لکھوں گا۔

باقی خیریت ہے۔ اتنا کام رہتا ہے کہ وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا، جنوری میں آیا تھا، سات مہینے گزر گئے۔ زندگی تیزی سے گزری جا رہی ہے۔ کبھی کبھی افسوس سا ہونے لگتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس بات پر بھی غور کرنے کا موقع نہیں ملتا، کیونکہ زندگی کی گاڑی بغیر رُکے منزل کی طرف اندھا دھند بھاگی جا رہی ہے۔

آپ بمبئی بھی آیا کرتے ہیں یا نہیں؟ کبھی آئیں تو ضرور خبر دیجیے گا۔

خاکسار

اُوپندر ناتھ اشک

(۱۴)

پبلک ریلیشنز ڈائریکٹریٹ

ڈھوکری روڈ راولپنڈی

۲۶ مئی ۴۹ء

صمد بھائی:

السلام علیکم۔ میرا پی سی جانے کا معاملہ طول کھینچتا جا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ذہنی انتشار کب ختم ہوگا۔ راولپنڈی میں میں بالکل منجمد ہو کے رہ گیا ہوں۔ اور اب تو میں رفتہ رفتہ اس نتیجہ پر پہنچتا جا رہا ہوں کہ میری ادبی صلاحیتوں کے لیے کراچی زیادہ بہتر تھا۔

بھابی جان (مسز شاہین) اپنی تنقیدی تحریروں میں مجھے جتنی اہمیت دیتی ہیں۔ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا، بہر حال ان کی نوازشوں کے لیے ممنون ہوں۔ ترقی پسند رسائل میں ان کے خلاف جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ اس سے ان کو دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ بھی وطن ہی کی خدمت ہے۔

قدرت اللہ شہاب سے اب تک ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کا دفتر مظفر آباد میں ہے۔ اور زیادہ تر وہیں رہتے ہیں۔

عسکری صاحب نے "آنندی" پر ایک لمبا چوڑا ریویو کیا ہے۔ جو ریڈیو پاکستان لاہور سے براڈ کاسٹ کیا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے میری کہانیوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں آپ سے اور بھابی جان سے سخت شرمندہ ہوں کہ باوجود دلی تمنا کے میں "نیا دور" کے لئے اب تک کچھ نہیں لکھ سکا۔ لیکن یقین کیجئے کہ مجھے اس کا سخت ملال ہے۔ اور میں عنقریب اس داغ کو دھو ڈالوں گا۔ والسلام۔

بھابی جان مسز شاہین کی خدمت میں نیازمندانہ سلام عرض کر دیجئے گا۔

خاکسار

غلام عباس

(۱۵)

الٰہ آباد۔ ۲ ستمبر ۱۹۴۸ء

ڈیوی جی۔

میں تین ماہ سے مسوری میں مقیم تھا۔ واپسی پر ادارہ "افسانہ" کو لکھا ہوا آپ کا گرامی نامہ نظر سے گزرا۔ ہمارے رسالے کے بارے میں آپ نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ان کے لیے نہ صرف ادارے کی طرف سے بلکہ اپنی جانب سے بھی میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

سر دست لاہور کو تو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اس لیے آئندہ کے لیے میرا پرائیویٹ پتہ نوٹ فرمالیں:

بتوسط امپیریل ہوٹل۔

چوک - الٰہ آباد (یو۔پی)

"نیا دور" کا بنگال نمبر REDIRECT ہو کر مسوری ہی میں مل گیا تھا۔ بہت پسند آیا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کا شمار ملک کی ان چند ہستیوں میں کیا جانا چاہیئے جو جدید اردو ادب کی ٹھوس خدمت کرنے میں مصروف ہیں۔

افسانہ کا پہلا پرچہ میری غیر حاضری میں شائع کیا گیا تھا چنانچہ اس کے جو خامیاں رہ گئیں ہیں۔ آئندہ حتی الامکان دور کر دی جائیں گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی "افسانہ" میں دلچسپی لیتی رہیں گی۔

بندہ

بلونت سنگھ

براہِ کرم اپنا فوٹو اور مضامین جس قدر جلد ہو بھجوائیں۔ تاکہ ہمیں آسانی ہو جائے۔

(۱۶)

MANORA, KARACHI.

۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء

شاہین صاحب! آپ کا بہت انتظار کیا۔ آپ سے رائے کے سلسلے میں بہت باتیں کرنا تھیں۔ اور بھی انتظار کرتا۔ لیکن روزے سے ہونے کی وجہ سے اور روزہ کھولنے کے بعد کھانا کھانے کے خیال سے مجھے واپس آنا پڑا۔ معلوم نہیں آپ نے

اس دن کہاں دیر کر دی ؛

یقین کیجئے ، یہ رائے میری بالکل مخلص رائے ہے ۔ میں نے فسادات نمبر میں واقعی کوئی CLASSIC معیار کی چیز نہیں پائی ۔ جو چیزیں مجھے پسند آئیں ، میں نے ان کا ذکر کر دیا ہے اور جن چیزوں کو دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی ان کا ذکر بھی ۔ سب سے زیادہ مایوسی بلکہ غصہ مجھے " منٹو فسادات پر " پڑھ کر ہوئی ۔ یہ بالکل فسادات نمبر میں فٹ نہیں آتا ۔ یہ ایک کمزور کوشش ہے منٹو کے شرعت سے ادبی معیار سے گرنے کی حقیقت کو چھپانے کی ۔ اور اسی لیے شیریں کے " ٹھنڈا گوشت " کو اچھی چیز کہنا بھی مجھے پسند نہیں آیا ۔ وہ لاہور کے سب ادبی حلقوں میں ایک بہت گھٹیا افسانہ سمجھا گیا ہے ۔ اور مجھے اس خیال سے اتفاق ہے ۔

معاف کیجئے ، مجھے آپ کا عسکری سے مرعوب ہونا بہت ناگوار گزرتا ہے ۔ " منٹو فسادات پر " آپ نے عسکری سے مرعوب ہو کر چھاپ دیا ہے ۔ یا پھر اس لیے کہ آپ نے " ٹھنڈا گوشت " واپس کر دیا تھا ۔

ابھی ابھی یہ خیال میرے ذہن میں پیدا ہو گیا ہے کہ میری ان باتوں سے مجھے آپ مخالف کیمپ میں شامل سمجھ لیں گے ۔ نہیں یہ بات نہیں ۔ میں آپ کو انتہائی سنجیدگی سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے ۔ میں پہلے کی طرح اب بھی اور آئندہ بھی آپ کا ایک مخلص دوست ہوں اور رہوں گا ۔ اور اسی لیے میں آپ سے اس قسم کی باتیں ضرور کیا کروں گا اور کرتا ہوں ۔

پھر جہاں مجھے شیریں کا ترقی پسندوں پر دلیر ، منطقی اور مدلل حملہ پسند آیا تھا ، وہاں چند گھٹیا افسانوں کو اور معمولی افسانہ نگاروں کو ملکوتی عظمت دینے کی کوشش بھی بری لگی تھی ۔ اس لئے نہیں کہ اس چیز سے ان افسانہ نگاروں اور افسانوں کا کوئی فائدہ پہنچ گیا ۔ بلکہ اس لیے کہ اس نے شیریں کے تنقیدی معیار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے ۔ اور اگرچہ اس حقیقت کو " آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا " کہہ کے بھلا دینا آسان ہے ۔ لیکن یہی حقیقت غیر معلوم طور پر شیاد در کو ، اور شیریں کو اور آپ کو دوسرے درجے کے ادب میں دھکیل سکتی ہے ۔ کیونکہ یہ سب باتیں اردو ادب میں ایک نہایت قابل نفرین آواز کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہیں ، جس کو عسکری کی آواز کہتے ہیں ۔ اور عسکری یقیناً ہمارے ادب میں ایک انتہائی REACTIONARY خو میا ہے ۔ یہ آواز منٹو کو بری طرح سے ڈبونے پر آمادہ ہے ۔ اور اس کا ایک بھرپور وار آپ پر بھی پڑا ہے ۔

ان سب حالات کا اثر ایک دوسرے دروازے سے بھی مجھ تک پہنچا ہے ۔ شیریں کی تنقید کا ایک گہرا اثر مجھ پر یہ پڑا تھا ، کہ مجھے " کلو بیڑا " ، " جہاد " اور " انگاروں کے اوپر " کی قسم کے افسانوں میں جس نوعیت کی بغاوت ملتی ہے ، اس سے نفرت ہو گئی تھی اور میرا انداز SEMI - ROMANTIC ہو گیا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ میں SOUTH INDIAN SCHOOL OF THOUGHT سے متعلق ہو گیا ہوں ۔ چنانچہ میرے افسانوں کی فارم میں یکلخت ایک غیر معمولی تبدیلی آ گئی تھی ۔ میں " جہاد " اور " انگاروں کے اوپر " کا ڈرامائی قسم کا ٹریٹمنٹ چھوڑ کر " فرہاد " اور " جنت کے دروازے پر " جیسا لکھنا شروع ہو گیا تھا ۔ لیکن نئے حالات نے مجھ پر شیریں کی گرفت کافی ڈھیلی کر دی ہے ۔ اور میرے افسانہ لکھنے کا انداز اگرچہ وہی ہے ۔ لیکن میری فطری بغاوت مجھ پر حاوی ہوتی جا رہی ہے BANGALORE — یا SCHOOL OF THOUGHT

SCHOOL OF THOUGHT سے دور سرکتا جا رہا ہوں، اور جُوں جُوں میں شیریں سے دُور ہوتا جا رہا ہوں اتنا ہی آپ میرے افسانوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ "شاہراہ" اس کی مثال ہے اور ایک دوسرا افسانہ "لغزش" جو میں نے حال ہی میں مکمل کیا تھا۔ بھی ایسا ثابت ہوا۔ اس میں "میری" کی قسم کی جھلک ATMOSPHERE ہے۔ گفتگو کا وہ انداز جو دو بے تکلف دوستوں، فیروزؔ اور مجھ میں، حقیقی زندگی میں موجود ہے۔ "میری" کی طرح اس میں پایا جاتا ہے۔ صرف اس میں PLATONIC قسم کی وہ محبت جو میں نے فیروز کی نفسانی محبت کے مقابلہ کے طور پر اس میں انٹروڈیوس کر دی تھی۔ اس میں نہیں ہے۔ اور پھر "لغزش" اپنی ایک حد پر جا کر "شاہراہ" سے مل گیا ہے۔ "شاہراہ" آپ کو پسند نہ آیا۔ "لغزش" بھی پسند نہ آتا اس لئے میں نے وہ افسانہ "نقوش" کو بھیج دیا ہے۔ کیونکہ اسی دن مجھے "مسٹر طفیل" کا ایک خط آزادی نمبر کے لیے افسانہ بھیجنے کے لیے آ گیا تھا۔

یہ باتیں تھیں جو مجھے آپ سے کرنا تھیں۔

مخلص

انور

بنام قتیل شفائی

محبی و مخلصی قتیل صاحب! سلام محبت،

میں بستر علالت سے چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ زندگی اور صحت سے تنگ آ گیا ہوں۔ میرٹھ کے قیام کے دوران میں ذیابیطس کا دورہ پڑ گیا، اتنا صعب و سخت کہ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال زندہ تو ہوں، لیکن کس طرح، اب یہ کیا لکھوں؟

احباب گورکھپور ایک انڈو پاک مشاعرہ ۸ اور ۹ کو کر رہے ہیں۔ مجھ سے امداد طلب ہیں ہندوستان کے مسلمانوں کی مالی حالت سقیم ہے۔ تاہم ان حضرات نے حوصلہ کیا ہے۔ منتظمین مشاعرہ بلند کردار ہیں۔ ظاہر ہے کہ مشاعرہ کے سلسلے میں مجھ سے طلب امداد کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ میں آپ حضرات کا نقصان بھی نہیں چاہتا اور ان صاحبان مشاعرہ کے ساتھ ہمدردی بھی ہے اس لیے صاف اور واضح الفاظ میں مصارف و اعزازیہ کے متعلق لکھیے۔ میں بیحد شکر گزار ہوں گا۔ اپنی طرف سے جو کچھ ایثار کر سکتے ہوں کر گزریئے۔

میں نفس نفیس یہ آپ ہوں۔ اس بہانے ملاقات ہو جائے گی۔

جگر

(۲)

دیال سنگھ کالج لاہور

۴ مارچ ۱۹۴۴ء

مکرمی قتیل صاحب، سلام مسنون

یاد آوری کا شکریہ۔ ہاں میں راولپنڈی نہ جا سکا اور جب اس جلسے کا حال سنا تو شکر کیا کہ اچھا ہوا نہ گیا۔

جس مصرعے کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے میری رائے ناقص میں تو بالکل صحیح ہے اگرچہ بات بنا ہوا مصدر بنتا ہے۔ مگر دلی اسکول کے شعراء نبھانا بھی لکھتے ہیں۔ اس وقت ذہن میں کوئی شعر نہیں جسے مثال میں پیش کروں لیکن جانتا ہوں کہ دلی والوں نے نبھائیگے بھی لکھا ہے۔

آپ کا کلام پشاور میں سن کر طبیعت بہت پرلطف ہوئی۔ ہری پور کے پہاڑی علاقے میں ایسا خوش نوا شاعر! شاعر کی خوش نصیبی ہو نہ ہو کوہستان کی خوش قسمتی میں تو شک نہیں۔ والسلام مع نیاز

نیاز مند

تاجور

(۳)

باسمہٖ تعالیٰ

۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء

محبی، السلام علیکم۔ خط ملا۔ میں لائلپور نہیں جا رہا ہوں۔ "ہریالی" آگرہ کے پتہ سے بھیج دیجئے۔
"سفرنامہ" "شاعر" میں شائع کرنا بیکار ہے ۔ سوچ رہا ہوں کہ صوبۂ سرحد کے کسی ایسے اخبار میں شائع ہو جو صوبۂ سرحد میں زیادہ پڑھا جاتا ہو تاکہ سرحد والوں کی نگاہ سے گزر سکے۔ مجھے انتظار ہے کہ میرے خطبے جو میں نے پشاور اور کوہاٹ میں پڑھے تھے۔ کون سے اخبار میں شائع ہوتے ہیں۔ اسی اخبار میں سفرنامہ بھی بھیج دوں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ "شاعر" میں سفرناموں کی اشاعت کے لئے گنجائش بھی نہیں ہے۔ امید کہ آپ مع الخیر اور مسرور ہوں گے۔

دعاگو

سیماب

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے "میں نے دو دن کے لیے اپنے وطن جانا تھا" یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔ "مجھے ... جانا تھا" ہونا چاہیے چونکہ آپ اردو کے شاعر ہیں، اردو بولتے ہیں، اردو لکھتے ہیں۔ اس لئے فصیح اردو لکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۴)

باسمہٖ تعالیٰ

۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء

محبی، السلام علیکم - کل آپ کا ایک لفافہ اور آج ایک کارڈ پہونچا۔ میں اس سے پہلے اپنے آگرہ پہونچنے کی اطلاع آپ کو دے چکا تھا۔ پتے میں صرف راولپنڈی لکھ دیا تھا۔ خدا کرے وہ خط بھی مل گیا ہو۔ اب آپ کا پورا پتہ معلوم ہوگیا۔ میں نے اپنے پچھلے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ شکیل صاحب ۱۶ مارچ کو پشاور نہ جا سکیں گے اس لئے آپ اپنا ملتان جانا ملتوی نہ کریں۔
آج شکیل صاحب کا خط آیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ میں نے قتیل شفائی صاحب کو خط لکھ دیا ہے۔ میں نے اُن سے دہلی میں بتاکید کہہ دیا تھا کہ وہ آپ کو ایک خط ضرور لکھ دیں۔
آپ کے مکتوب مورخہ ۱۲ مارچ نے آپ کے خلوص کو میرے دل میں اور بھی راسخ کر دیا ہے۔ میں آپ کی ترقی و مقبولیت کے لئے دست بدعا ہوں۔ اگر زندگی ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر کہیں نہ کہیں ملاقات ہو جائے گی۔ اُمید ہے آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں گے۔

دعاگو سیماب

مجموعۂ کلام چھپ جائے تو ایک جلد مجھے ضرور بھیج دیجئے۔

(۵)

RING ROAD MOTI BAGH. NEW DELHI

۱۴ مارچ ۱۹۶۱ء - پیارے قتیل - دعا اور سلام ——— آپ کا دعوت نامہ پرسوں ملا۔ اس سے پہلے شمع

اور بیسویں صدی کے دفتر سے بذریعہ فون اطلاع مل چکی تھی اور میں بالکل آمادہ ہو گیا تھا۔ اور یہ آرزو دل میں چٹکیاں لینے لگی تھی کہ وطنِ مالوف کی فضا میں سانس لینے کا موقع ایک بار پھر مل گیا۔

لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ خود کو معذور پاتا ہوں بہت مخدوش ہے اور ان ہی دنوں مجھے کانپور جانا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا شکریہ کے ساتھ معذرت گزار ہوں۔ امید کہ آپ ناراض نہ ہوں گے۔ ع غالبِ خستہ کے بغیر کونسے کام بند ہیں۔

خیر اندیش

تلوک چند محروم

(۶)

آپ کی تخلیق روزن مجھے مل گئی تھی۔ اور میں کئی روز اس کا مطالعہ بھی کرتا رہا۔ آپ کی ندرت اور اثر آفرینی کا کمال ہے کہ ہر جذبے سے آزادی اور شگفتگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور دل میں آرزو ایک ایسی کسک پیدا کر دیتی ہے۔ جو فراموش نہیں کی جا سکتی۔ ہر موضوع جو آپ کے سامنے آتا ہے محض تقلید پر نہیں ہے اس میں والہانہ جوش و مستی نظر آتی ہے۔ جو شعر اور شاعر کی سچی تعریف ہے۔ خدا کا شکر ہے آج شعرا کی دنیا میں روزی کا سوال اتنا اہم نہیں رہا۔ جتنا کل یہ مسئلہ پیچیدہ تھا۔ وہ انفرادیت جس سے شاعر اپنے آپ کو دوسروں سے بلند محسوس کرتا ہے۔ بہتر کر ایسے ہاتھوں میں ڈھل جانی چاہیے کہ ہم زید اور بکر دونوں کے فرق مراتب کی تمیز کر سکیں۔

جب کبھی بھی آپ کا نام اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں یہی خیال کرتا ہوں کوئی شخص معاشی خوشحالی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کی تخشش کے جوہر عشق کی میتوں میں نہ ڈوب جائیں۔ میں آپ کو یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں۔ آپ اپنی تدریجی نشوونما کے لئے فلم کی دنیا میں اپنے آپ کو الجھا ہوا نہ خیال کیا کریں اور ان رموز کا پیچھا کرتے رہیں، جن کے وجود سے آپ قتیل شفائی کہلاتے ہیں۔ گو میں خود بھی اپنی روزی رنگوں اور خطوں سے پیدا کرتا ہوں مگر میرے سامنے تجارت بن کر یہ تصور کبھی نہیں آیا۔ فلمی کمپنیوں میں تراپ ضرور ہے۔ مگر وہ دوام نہیں کہ زندہ رکھ سکیں۔

خدا کرے آپ کئی زرد زرد بنا ڈالیں جس سے انسان اور اس کی انسانیت استوار ہو۔

خدا کرے کہانی ٹھنڈیاں ہیا داں سکرین پر آسکے جو کچھ ہے آپ کے لئے اور آپ کا ہے۔

جلد مسودہ دے دوں گا۔

خدا کرے زہرِ عشق تریاق ثابت ہو اور ہماری فلم انڈسٹری اس سے بلند ہو۔

چغتائی

(۷)

کراچی۔

مکرمی قتیل شفائی صاحب السلام علیکم

اپنی جان پہچان صرف امروز تک تھی۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا ہے مسٹر خورشید انور صاحب نے تو حد کر دی ہے۔ جس سے اتا ہوں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں اور اکثر سمجھ بھی یہی رہے ہیں کہ میں آرٹ چھوڑ چھاڑ فلم انڈسٹری میں گھس آیا ہوں۔ ایک ایسی خاتون نے بھی

ذکر کیا جو غالباً اردو اخبار پڑھنا تو درکنار سرکار نے مشکل سے کوئی اخبار دیکھا ہوگا۔ میں تو اکثر خود سے بھی انکاری ہو جاتا ہوں۔ فلم انڈسٹری ایک ایسی سکنڈل ہے جس سے پہلوتہی کرنا بڑا مشکل سا کام ہے۔ اسی خاتون نے مجھے بتایا فیض صاحب بھی ایک فلمی کہانی لکھ رہے ہیں۔ کہانی۔ مکالمے اور گیت سب کچھ وہ خود لکھیں گے۔ یہ کوئی ایسی تعجب کی بات تو نہیں تھی آدمی کیا کچھ کہہ گزرتا ہے۔ اور کر گزرتا ہے موصوف نے فرمایا باقاعدہ معاہدہ کر کے زرِ پیشگی وصول کر کے لے گئے ہیں۔ روپے سے تو وہ بلند ہیں۔ خدا کرے ان کا یہ اقدام مبارک ہو۔ ایک دفعہ ڈاکٹر تاثیر نے مجھے کہا تھا۔ چغتائی کبھی کبھار کوئی ننگی تصویر بھی بنایا کرو۔ میں نے کہا بھئی خیال تو اچھا ہے مگر کیا کہا جائے ابھی تو آپ ننگ دھڑنگ ہیں۔ ذرا اوڑھنے کا وقت آئے تو خود بخود ننگی تصویریں بنتی چلی جائیں گی۔ اس فلم انڈسٹری کا ستر فیض اور آپ جیسے شاعر توڑنے پر اتر آئے تو یقیناً یہ ننگ رنگ لائے گا۔ پچھلے دنوں مجھے امتیاز ملے تو وہ فلم انڈسٹری سے بہت مایوس تھے۔ ان کی مایوسی بھی غالباً اچھے اداروں کی کمی ہے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ فلم انڈسٹری میں گزارا ہے۔ اس پر بھی وہ مسٹر خورشید انور صاحب کی بہت تعریف کرتے تھے مجھے علم نہیں تھا ٹھنڈیاں چھاواں کے ساتھ انہوں نے یہ کچھ کر رکھا ہے تو میں بھی تعریف کر دیتا۔ خدا کرے ان کا ساز اور اس کی آواز نیا آہنگ پیدا کرے

کراچی میرا آنا پہلا وار سمجھیے بس یہی کہ دو ایک روز میں واپس آ رہا ہوں۔

عبدالرحمٰن چغتائی

(۸)

مکرمی و معظمی امتیاز علی صاحب

سلام مسنون

میں کئی روز تک آپ کے خط کا منتظر رہا۔ ملاقات نہ ہونے کا صدمہ ضرور رہے گا۔ میں مجرم کم ہوں ہمیشہ لکھنا بھلا آیا ہوں گا نہ آئے گا تو خود ہی تکلیف دوں گا۔

کہانی کے سلسلہ میں بالکل غافل نہیں۔ اس لئے بھی کہ وہ میرے نام سے کئی روز تک ادھر ادھر موضوع بنی رہی ہے۔ آپ کی محبت اور خورشید انور صاحب کا خلوص میرے لئے قابل قدر ہے۔ کہانی میں بھی کچھ ہے۔ کہانی کا موضوع اور کرداروں کی انفرادیت میں ایک اجنبیت ضرور ہے۔ لوگ تسلیم کریں گے اور کہیں گے چغتائی آرٹسٹ کی لکھی ہوئی ہے۔ ویسے بھی میں نے رنگ اور خطوں سے کنارہ کشی کر کے توجہ دی ہے۔ اسے ایک BREIEF STORY سمجھئے وہ ایک SCRIPT کی صورت میں ہوگی جس سے اس کے کمپلیٹ ہونے میں بہت سی الجھنیں کم ہو جائیں گی۔ یہ تو ایک یقینی امر ہے کہ اس کو فلمانے کے لئے اپنے مسعود پرویز ہوں گے۔ وہ اور مسٹر خورشید انور صاحب جو کچھ بھی کریں گے میرے لئے اطمینان کا باعث ہوگا۔ پھر بھی میں خیال کرتا ہوں تھوڑے سے تعاون کی ضرورت ہوگی مثلاً بیک کاسٹیوم، ڈائرکشن اور میوزک نیا نیا معلوم ہو۔ اظہار میں وہ انفرادیت پائی جائے کہ لوگ اسے بار بار دیکھنے پر مجبور ہوں۔ یہ تو آپ کو علم ہے میں خود اپنے فرائض میں اس قدر منہمک اور مصروف ہوں کہ وہ کام جس کے لئے آپ لوگوں نے زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ کس طرح باتوں باتوں میں انجام دے سکوں گا۔ جہاں تک کامیابی اور کہانی کو کامیاب بنانے کا تعلق ہے۔ تعاون کی ضرورت محسوس ہوئی تو دریغ

بھی: کروں گا۔ مگر یہ سب کچھ خورشید انور صاحب کی مرضی پر ہے۔

ہمارے ہاں کہانی کی THEME کیا ہو گی ایک لڑکی EXPLOITATION کے سوا کیا ہوتا ہے پھر بھی THEME ہو یا موڑ اس کے ساتھ PROSTITUTION نہیں کی۔ میں آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ یہ کہانی ان دنوں کی یادگار ہے جن دنوں بنگال کا قحط ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا باوجود اس کے ہر گھڑی یہی احساس ہوتا ہے وہ آج اور پاکستان کے موجودہ حالات میں لکھی گئی ہے۔ کچھ گیتوں کے بنانے اور کچھ سکالے بھی موجود ہیں۔ بلکہ بہ جگہ ایسی چیزیں موجود ہیں۔ جو وقت کی زیادتی کو بچانے میں مددگار ثابت ہوں گی اگر مسودہ کی ضرورت جلد ہو تو مجھے لکھیں ورنہ اکتوبر کے شروع یا ستمبر کے آخر میں ضرور مل جائے گا۔ یہ قوت۔ کوشش اور محنت بالکل نیک نیتی پر ہے۔

امید ہے زیرِ عشق کا کام امیدوں سے بھی زیادہ انجام پا رہا ہو گا۔

خورشید انور صاحب کی خدمت میں میرا سلام ضرور پہنچا دیں اور انہیں کہہ دیں میں غافل نہیں، مجھے اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہے۔ والسلام۔

مخلص چغتائی

(۹)

برادرم قتیل۔

السلام علیکم

گذشتہ چند دن نقلِ مکان میں مصروف تھا۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ تساہل کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

آج کل دماغ غیر حاضر ہے۔ کوئی تفصیلی چیز لکھنے کی سکت نہیں اور آپ کو اب اس کی احتیاج بھی نہیں۔ اپنا مجموعہ ضرور بھجوائیے۔ دماغ اور قلم نے جتنا ساتھ دیا کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

فقط

مخلص فیض

(۱۰)

بیرون بوہڑ دروازہ

ملتان شہر

۱۷ر جون ۱۹۴۱ء

کرمی۔ وعلیکم السلام

گرامی نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا ممنون ہوں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ کا نام کسی رسالے میں دیکھا ضرور تھا لیکن چونکہ یہ یاد دھندلی ہے۔ اس لئے میں یہ اعتراف کرتے ہوئے معافی چاہتا ہوں کہ میں آپ سے متعارف نہیں ہوں۔

بغیر کسی قسم کی کسرِ نفسی کے عرض کرتا ہوں کہ میں تصحیح کے فن سے قطعی طور پر نابلد ہوں میرا کوئی رہنما نہیں۔ اس لئے میں نہیں

جاتا کردہ کو نسے اصول ہیں جن کے مدِنظر ایک شاعر کے خیالات کا "اپریشن" کیا جاتا ہے۔ میں اس تصحیح کو "اپریشن" سمجھتا ہوں جو ہمارے نوجوان شعرا کے دماغ میں سما چکی ہے، دیسے چونکہ آپ کا خلوص مجھے مجبور کر رہا ہے اس لئے یہ ضرور عرض کروں گا کہ میں برادرانہ مشورہ کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، مجھے بہت بڑا شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں۔ میں نے اپنے جذبات و احساسات کو الفاظ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ فن کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر اور عروض و قوافی کی قیود سے آنکھیں پھیر کر۔ میں نے "عریاں" اور "جانا" کو ہم قافیہ باندھا ہے۔ میں نے "کرنیں" اور "بکھرنے" کو ہم قافیہ باندھا ہے۔ اور اگر آپ ایک ایسے انسان سے مشورہ لینا چاہیں جو الفاظ کی شکل و صورت کے بجائے ان کی موسیقی کے مدِنظر بحر و قوافی کا پابند ہو تو جس طرح پہلے عرض کیا ہے میں آپ کو برادرانہ مشورہ دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ ہاں یہ جتا دینا بے حد ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نہ آپ کا رہنما بننا چاہتا ہوں نہ استاد۔ میں آپ کو صرف اس لئے مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ آپ شاعر ہیں اور میں بھی شاعر ہوں۔ یعنی صاف الفاظ میں یہ کہ ہم "ہم مکتب" ہیں۔۔ کائنات کے مکتب کے نوخیز متعلم!

آپ اپنی دو چار نظمیں بھیج دیجئے۔ اگر آپ کو میرے مشورے پسند آئیں تو فبہا، ورنہ باور کیجئے کہ میں ریاکاری سے کام نہیں لے رہا۔ میری بساط ہی یہی ہے۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا

احمد ندیم قاسمی

(۱۱)

انگہ ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء

برادرِ عزیز۔ سلام مسنون

گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔

میں نے ایک حقیر مشورہ پیش کیا تھا۔ اور آپ پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ آپ کی ادبی شخصیت کو عظیم سے بلند تر ہوتے دیکھنا میری عزیز ترین آرزو ہے۔ آپ کا میرا الگ دنیا نہیں، اور نہ رسمی ہے اور نہ فانی ہے۔ میں نے آپ سے شکوہ کیا تھا، تو محض اس لئے کہ تبلیغ محبت شکایت کی جان ہوتی ہے، ورنہ یقین کیجئے کہ اگر میری تجویز پر اس نوع کا اعتراض کسی اور گوشے سے ہوتا، تو شکایت تو بجائے خود رہی، میں کوئی اور طرزِ عمل اختیار کر لیتا۔

دراصل آپ کو آپ کی خفگی کا احساس دلا کر میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں آپ کے بھلے کی بات کروں گا، خدا کرے میں کسی کے بارے میں کچھ نہ کرسکوں، اور پھر قتیل کے بارے میں ۔۔ جو مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہے، اور جس کے مستقبل کی تابانی میری چند عزیز دعاؤں میں سے ہے، ۔۔ سو اب اس قصہ کو چھوڑیئے۔

میں نے ادبِ لطیف کی ادارت سے مجبوری ظاہر کر دی تھی۔ دراصل مالکان مجھے لاہور بلاتے ہیں۔ اور میں ابھی یہاں سے باہر جانے کے قابل نہیں ہوں۔ سالنامہ پر بہت محنت کی، گزارش صرف یہ ہے کہ سالنامہ ہی سے کسی نئے ایڈیٹر کا نام لکھوانا شروع کیجئے۔ اس طرح میری خط و کتابت وغیرہ میں گڑبڑ پڑ جاتی ہے۔ اب میں نے چار سو صفحات کے مدنظر مضامین ترتیب دیئے اور اگر انہیں دو سو یا اڑھائی سو صفحات کی جائے

ملی ہے۔ وہ خود ہی کانٹ چھانٹ کریں گے، خدا کرے معیار قائم رہے
کل پشاور میں مشاعرہ ہے۔ مجھے بلایا گیا تھا۔ شاید اب کے آ نکلتا۔ مگر بارشوں نے سڑکیں بہا دی ہیں اور یہاں سے نکلنا مشکل ہے۔
اب کے حلقۂ خوشاب سے جیت بھاری تھی۔ لیکن تعجب کی حد نہیں رہی، جب معلوم ہوا کہ لیگ کی پانچ ہزار کی جیت یونینسٹ کی تین ہزار کی جیت میں بدل گئی۔ میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ صاف دھوکا ہوا ہے۔ گورنمنٹ گزٹ کا اعلان اور تردید وغیرہ آپ نے پڑھے ہوں گے، یہ کس چیز کی غمازی کرتے ہیں؟ بہرکیف مجموعی حیثیت سے پنجاب نے ٹوڈی پنے کا کلنک اپنے ماتھے سے دھو ڈالا ہے۔
خدا کا شکر ہے۔

والسلام

آپ کا بھائی

ندیم

(۱۲)

پشاور

۲۴ اگست ۱۹۵۱ء

محبی! ۔۔ "گجر" کا نسخہ موصول ہوا ——— اس سے پہلے ایک جلد خرید کر پروفیسر بخاری کو نیویارک کے پتے سے بھجوا چکا ہوں۔ خود اب اسے اطمینان سے پڑھوں گا۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے کرم فرمایا۔

لاہور میں آپ سے ملنے کی کوشش کی۔ مرزا ادیب سے ملاقات، ان کے دفتر میں ہوئی۔ آپ شاید اب وہاں کام نہیں کرتے۔ اپنے بارے میں کسی قدر مفصل لکھئے تاکہ گذشتہ دو سال کی خلیج ایک حد تک پُر ہو۔ آپ کو پشاور کسی قدر زیادہ آنا چاہئے، آپ کا اپنا گھر ہے، اگر "آسے بانس بریلی کو" کا اندیشہ نہ ہو تو!

مخلص راشد

(۱۳)

ڈیر قاسمی!

تمہارا خط ملا، اور اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملی کہ پاکستان میں "آئینۂ ادب" والوں نے "تخیل" چھاپ دی ہے، اور انور کمال صاحب نے "میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے" اپنی فلم میں شامل کر لی ہے۔ یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد اول الذکر ادارہ مجھے رائلٹی بھیجنا چاہتا ہے، اور موخر الذکر فلمساز معاوضہ، جب کہ قانونی طور پر اس کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تم پاکستان میں نہ ہوتے تو شاید یہ لوگ اتنا بھی تکلف نہ کرتے۔ کیونکہ اگر ان کے اخلاق میں مصنف کو اطلاع بھیجنے اور اس سے اجازت لئے بغیر اس کی نظمیں چھاپنا اور فلموں میں شامل کرنا جائز ہے، تو اس کی رائلٹی یا معاوضہ قبول کرنا کیوں جائز نہیں۔

بہرحال، تم ان سے تفصیلی گفتگو کر کے مجھے لکھو، کہ انہوں نے کتنی کتاب چھاپی ہے؟ اور چوہدری نذیر کی طرح کب تک چھاپتے رہنے کا ارادہ ہے؟ اور انور کمال صاحب میری نظم کا معاوضہ کیا مناسب سمجھتے ہیں؟ اسکے بعد ہی تمہیں ان صاحب کا پتہ

بھجوا دوں گا۔ جنہیں میں چاہتا ہوں کہ وہ رقم دے دی جائے۔

اور کہو؟ پچھلے دنوں اخباروں میں تمہاری شادی کی خبر پڑھی تھی، اپنی "اقبال مندی" پر میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔

تمہارا

ساحر

اور ہاں، میرے ہاں فون لگ گیا ہے، نمبر یہ ہے۔ 80859 کبھی ضرورت پڑے، یا موڈ آئے تو کر سکتے ہو۔

ساحر

(۱۴)

پیاری پیاری مسرت

تسلیم دعا پیار۔ تمہارا خط ملا۔ میں تمہاری دلچسپ مصروفیات کا حال پڑھ کر بہت خوش ہوں۔ تم نے لکھا ہے کہ میری دنیا کتابوں اور رسالوں کی دنیا ہے۔ انسانوں سے نفرت ہوتی جا رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں دور چلی جاؤں۔

ازراہ کرم بہت دور مت جانا۔ اپنے گھر سے صرف دو چار فرلانگ دور چلی جاسکتی ہو۔ تم مسرت ہو خدا ہر وقت تمہیں ہمارے دلوں کے قریب رکھے — میری تصویر دیکھ کر تم خوش ہوئی ہو اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ میں انسانوں کی صورت سے بیزار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے انسان نہیں کوئی کتابی کیڑا سمجھتی ہو۔ خیر کوئی حرج نہیں۔

تم نے مجھ سے کوئی مشورہ مانگا ہے اور لکھا ہے کہ بڑے آدمیوں کے مشورے بہت کارآمد ہوتے ہیں — میں بڑا آدمی تو نہیں ہوں البتہ عمر کافی بڑی ہو گئی ہے۔

ہر شخص زندگی میں کچھ کرنے آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر تم بھی ضرور دنیا میں کوئی اہم کارنامہ سرانجام دو گی۔ اگر تمہیں افسانوں کا شوق ہو تو دنیا کی سب سے بڑی افسانہ نگار بن کر دکھا دو۔ اگر شاعری سے دلچسپی ہے تو دنیا کی سب سے بڑی شاعر بن جاؤ۔ اس قدر بلند ہو جاؤ کہ میں اور قتیل مارے حسد کے تمہیں دیکھ دیکھ کر ایک دوسرے کے گلے مل کر روئیں کہ یہ لونڈیا تو شہرت اور عزت میں ہم دونوں کو بہت پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

خیر ہم دونوں رو دھو کر اپنے دل کو یہ تسلی دے کر خاموش ہو جائیں کہ چلو مسرت ہم سے بڑھ گئی ہے تو کیا ہوا، ہماری ہی بچی ہے نا۔ کاش یہ دن جلدی آئے۔

ظاہر ہے کہ تم انگلینڈ جاتے وقت بمبئی سے گزرو گی۔ تم میرے ہی یہاں قیام کرنا۔ جاتے وقت اور واپسی پر بھی۔ تمہاری چچی اتو کے کوفتے بہت مزیدار پکاتی ہے۔

قتیل صاحب نے تم پر جو نظم لکھی تھی اس کی ایک نقل مجھے بھی بھیج دو۔ مجھے اس نظم کے دوبارہ پڑھنے کا شوق ہے۔

"بیسویں صدی" کے مئی کے پرچے میں یا "جاڑے" میں وہ مضمون پڑھ لو جس کا عنوان ہے۔ راجہ مہدی علی خاں سے ایک انٹرویو۔ مضمون نریش کمار شاد کا لکھا ہوا ہے۔

اپنی امی جان اور ابا جان سے ہم دونوں کا سلام کہہ دو اور بہنوں سے بھی!

تمہارا چچا راجہ مہدی علی خاں

بنام اختر جمال

کوور لاج - ۴ بنگلو - آندھری بمبئی
۴ ستمبر ۴۸ء

میری اچھی بہن!

آپ کا خط ملا۔ راکھی بھی مل گئی۔ اس عزت افزائی اور پُر خلوص محبت کے جذبے کے لیے میں جس قدر اپنی بہن کا شکریہ ادا کروں کم ہے۔ میں اس سے بہت پہلے آپ کو خط لکھتا مگر تیوہار کے دوسرے روز ہی مجھے بمبئی سے باہر جانا پڑا، اور مسافت میں خط نہ لکھ سکا۔ اس تاخیر کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی راکھی ہماری دوسری افسانہ نگار بہن سرلا دیوی نے باندھی تھی۔ اس طرح سے یہ سمجھئے کہ یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ سرلا بہن اور بھابی آپ کو سلام کہتی ہیں۔ آپ اپنے گھر میں سب کو میرا سلام کہیے۔

آپ شاہد کے لیے کیوں نہیں لکھتی ہیں؟

آپ کا بھائی
کرشن چندر!

(۲)

کوور لاج - ۴ - بنگلو - آندھری بمبئی -
۱۰ نومبر ۴۹ء

عزیز بہن!

دونوں خط مل گئے۔ مگر میں والد صاحب کی علالت کے سلسلے میں اس قدر مصروف تھا کہ جواب کی فرصت نہ مل سکی۔ اس دوران مجھے دو مرتبہ دہلی جانا پڑا۔ گذشتہ ماہ کی تیس تاریخ کو والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ میں ابھی تین روز ہوئے دہلی سے لوٹا ہوں۔ اور ابھی تک مختلف قسم کی گھریلو پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ ممکن ہے اسی ماہ مجھے پھر دہلی جانا پڑے۔ جہاں میری والدہ، بہن سرلا اور چھوٹے بھائی مقیم ہیں۔

آپ کی اور احسن کی پریشانی کا حال پڑھ کے بہت افسوس ہوا۔ مگر کیا کیا جائے؟ ابھی تو یہ دن اور کھنچیں گے۔ ایک جرأت آمیز

صبر کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ "فریڈم روڈ" کے ترجمے کے سلسلے میں میں دلی لکھوں گا۔ کیونکہ یہاں تو کوئی پبلشر نظر نہیں آتا۔ وہاں سے جواب آنے پر پتہ چلے گا کہ کتاب کہاں اور کن شرائط پر چھپ سکے گی؟

یہ اچھا ہوا آپ علی گڑھ میں داخل ہو گئیں۔ بھوپال کی تنگ نسنا اب ساز گار بھی نہیں رہی تھی۔ اور وہاں کے لوگ بہت تنگ سے نظر آتے تھے۔ آپ کے والدین کب تک علی گڑھ آنے کی سوچ رہے ہیں؟

فروری یا مارچ تک غالباً سرلا کی شادی ہو جائے گی۔ اس کے بعد مہندر بھائی کی شادی کی بات کریں گے۔ اور اس سلسلے میں آپ سے مزید مشورہ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ امسال یہ دونوں کام نپٹالوں تاکہ سر سے یہ بوجھ دور ہو جائے اور اس سلسلے میں یقیناً آپ کی مدد چاہوں گا۔ آپ مہندر بھائی کے لیے لڑکیاں نگاہ میں رکھیے۔

محاذ کا کونسا نمبر آپ کو نہیں ملا ہے۔ وہ کونسا خط ہے میرا جو اس میں چھپا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ میرا کوئی خط محاذ میں نہیں چھپا ہے۔ آپ ذرا تفصیل سے لکھیے تاکہ میں آپ کو وہ نمبر یہیں سے تلاش کر کے بھجوا سکوں کیونکہ دفتر میں تو محاذ کی ایک کاپی بھی نہیں پہنچی۔

محاذ کے گذشتہ نمبر میں کیا آپ نے میری کہانی "تالاطم" پڑھی تھی؟ علی گڑھ کے حلقوں میں اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ یہاں مزدور طبقے میں یہ کہانی خاص طور پر پسند کی گئی تھی۔

دہلی میں پریشانیاں اس نوعیت کی تھیں کہ علی گڑھ آنہ سکا۔ ورنہ آپ سے ملنے کو بہت ہی چاہ رہا ہے۔ پھر کبھی آؤں گا۔ لکھیے پڑھائی اور صحت اور کام کا کیا حال ہے؟

آپ کا بھائی
کرشن چندر

(۴)

THE "SAQI" MONTHLY
KARACHI-5

۴ جنوری ۶۲ء

محترمہ۔ سلام مسنون۔

آپ کا ۸ دسمبر کا خط مجھے آج ملا۔ آپ نے "نقوش" کے پتہ پر خط بھیجا۔ وہاں یہ خط پڑا رہا۔ آئندہ ساقی کے پتہ سے خط بھیجیے۔ "نقوش" سے میرا تعلق صرف برائے نام ہے۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر محمد طفیل صاحب ہیں جو میرے دوست ہیں۔ انتخاب مضامین بھی وہی کرتے ہیں۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ میرا مشورہ قبول کر لیتے ہیں۔ اکثر بیمار رہتے ہیں۔ اس لیے کام کرنے کا وقت انہیں کم ملتا ہے۔ آپ کا اور کوئی افسانہ انہیں وقت کے وقت نہیں ملا ہوگا۔ جو مل گیا اسی کو انہوں نے شامل کیا۔ غالباً اسی لیے ترتیب میں بھی اسے غلط جگہ ملی۔

یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ پڑھتی پڑھاتی بھی رہتی ہیں اور لکھتی لکھاتی بھی رہتی ہیں۔ آپ پسند فرمائیں تو کبھی ساقی

کے لیے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ ساقی کے چند پرچے کچھ دن بعد بھیجوں گا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ خط کس پتہ پر بھیجوں کیوں کہ پورے ایک مہینے کی تاخیر ہو چکی ہے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق کاکول کے پتہ پر بھیج رہا ہوں۔

مجھ سے زیادہ نہیں لکھا جاتا، کبھی کبھی کچھ لکھ لیتا ہوں۔ اکثر پڑھنے والوں کو خاکے پسند آئے ہیں، اور انہی کی فرمائش کرتے ہیں۔ آپ نے بھی انہیں پسند فرمایا، اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے ان کا تجزیہ بھی اچھا کیا ہے۔ جوش صاحب کے بارے میں میں نے ایک بات بھی مبالغے سے نہیں لکھی ہے۔ وہ تو اس سے بھی بہت آگے ہیں، یعنی اتنے آگے کہ وہ باتیں لکھی ہی نہیں جاسکتیں۔ آپ نے غالباً جوش نمبر (ساقی کا) نہیں دیکھا۔ آپ کا جواب آنے پر یہ خاص نمبر بھی آپ کو بھیج دوں گا۔ اس کے مطالعہ سے جوش صاحب کے چند اور کمالات بھی آپ کے سامنے آجائیں گے۔

اجتماعِ ضدّین اگرچہ محال ہے مگر ہر جگہ دیکھنے میں آتا ہے۔ میر ناصر علی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونیست
از فرشتہ سرشتہ وز حیوان

میر ناصر علی کے مضامین کا انتخاب اب سے ۵، ۶ سال پہلے میں شائع کرنا چاہتا تھا۔ مگر ان کے ورثا نے کہا کہ ہم خود چھاپیں گے مگر وہ انتخاب بھی خدا جانے اب ان کے پاس ہے یا نہیں۔

بھائی رازق الخیری سے میں کہتا رہتا ہوں کہ کچھ لکھیں گے۔ وہ بہت پریشان رہتے ہیں۔ آپ کا سلام انہیں پہونچادوں گا، اور آپ کی شخصیت انہیں یاد دلادوں گا۔

آپ کا خط پاکر مجھے واقعی خوشی ہوئی۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

خاکسار
شاہد احمد

(۴)

گلن لینڈز ہوم سٹیٹ، کوہ مری۔
۵ جولائی ۱۹۴۷ء۔

محترمہ اختر جمال صاحبہ۔

سلام مسنون۔ آپ کا مورخہ ۶ جون ۱۹۴۷ء کا گرامی نامہ مجھے لاہور سے ہوتا ہوا یہاں ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو ملا۔ گویا ایک ماہ کے بعد، لاہور کا پچھلے دنوں ڈاک کا انتظام بہت خراب رہا ہے۔ اور فتنہ و فساد کی آگ خوفناک صورت اختیار کر گئی تھی۔ کئی بازار، کئی محلے، کئی گلیاں جل کر خاک ہو گئی ہیں، سینکڑوں آدمی مکانات میں جل مرے ہیں۔ کوئی ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ ہندو لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ پردے کے خلاف ہیں۔ اور آپ کے نقطۂ نظر سے مسلمان عورتوں کی بداخلاقی کا باعث پردہ ہے معاف

فرمائیے معلوم ہوتا ہے آپ نے قرآن حکیم کا مطالعہ نہیں کیا۔ آپ پردہ کو ناپسند فرماتی ہیں اور آپ کا خدا قرآن حکیم میں آپ کو غیر محرموں سے پردہ کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمالیں کہ آپ کا خیال درست ہے یا خدا تعالیٰ کا حکم اور حضور سرورِ کائنات صلعم کی تعلیم! لیکن آپ تو اپنے خط میں ارشاد فرما چکی ہیں کہ ایک وقت آپ کو خدا کے وجود سے بھی شک ہونے لگا۔ اس لیے آپ کے دل میں احکامِ ربانی کی کیا تکریم ہو سکتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مسلمان عورت کی اخلاقی پستی کا باعث اس کا اسلام کی تعلیم سے بے خبر ہونا ہے۔ ہاں! آپ یہ فرما سکتی ہیں کہ یہ آزادی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں مذہب کو کون پوچھتا ہے۔

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ نے ترقی پسندوں کو صرف دور سے دیکھا ہے۔ اگر آپ نے نزدیک سے دیکھا ہوتا یا دیکھنے کی کوشش کی ہوتی تو آپ کا نظریہ بھی کچھ اور ہوتا!

محترمہ! ہم اور آپ مسلمان ہیں۔ ہمیں ہر چیز کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے۔ آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ میرے نقطۂ نظر سے "ترقی پسندی" کس چیز کا نام ہے؟ اس کا جواب تو میں کم و بیش اپنے پہلے خط میں دے چکا ہوں۔ ترقی پسند اس کو کہتے ہیں جو دنیا کی ہر اچھی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، تمدن کی اچھی چیز، تہذیب کی اچھی چیز، معاشرت کی اچھی چیز، علم و ادب کا روشن پہلو، عادات و اطوار کا اچھا پہلو! یہ ہے میرا خیال۔ اور اگر اب آپ غور فرمائیں تو یہ نقطۂ نظر آپ اچھی طرح سمجھ سکیں گی۔ وہ لوگ جو اپنے ترقی پسند ہونے کی ڈونڈی پیٹ رہے ہیں، ان میں، ان میں سے ایک بات بھی نہیں دیکھتا۔ وہ لوگ جو ہمیں ادب کے ذریعہ اپنی بھولی ہوئی روایات زندہ کرنے کی تعلیم دیں۔ ہمیں ہر نقطۂ نظر سے ایک مہذب انسان بننے کا راستہ دکھائیں۔ سچے معنوں میں ترقی پسند ہیں۔ اور آجکل کا نوجوان طبقہ ان صفات سے یکسر خالی ہے۔ ان کی تہذیب، ان کا تمدن، ان کی معاشرت، ان کا لٹریچر قوم کو ترقی کی طرف نہیں بلکہ تنزل کی طرف لے جا رہا ہے۔ ان کا ادب تعمیری نہیں تخریبی ہے۔ یہ لوگ خدا سے بیزار، اخلاق سے کورے، گندی تہذیب کے دلدادہ، قومی روایات کو زندہ کرنے کی بجائے تباہ کرنے کے درپے، مذہب کے دشمن اور نام ترقی پسند۔ میں نے ان لوگوں کے لٹریچر کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے، اس میں تخریب کے پہلو کے سوا مجھے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے آج کل زمانہ صرف وہی ادیب ترقی پسند متصور ہوتا ہے جس کے ادب میں لغویات کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ آپ لکھتی ہیں کہ آپ اقبالؒ کو بڑا ترقی پسند سمجھتی ہیں، لیکن آپ کے ترقی پسند تو اقبالؒ کے نام سے بیزار ہیں۔ اقبال اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ انسان کو فرشتوں کے اوصاف حاصل کرنے کی جرأت دلاتا ہے۔ وہ آپ کو اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کو کہتا ہے۔ کیا آپ بھی اپنے ترقی پسندوں میں سے کسی کا نام بتا سکتی ہیں جو ان باتوں کی تعلیم دے!

حضرت اقبالؒ کالج میں میرے استاد تھے۔ کالج کے بعد جب تک وہ زندہ رہے، گہرے مراسم رہے۔ انہوں نے ہی مجھے اس ڈگر پر ڈالا۔ میں نے جو کچھ لکھا اور جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اقبالؒ کی تعلیم جو بالکل اسلام کی تعلیم ہے، ہر جگہ نمایاں ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اقبالؒ کا کلام پسند کریں لیکن خیالات آپ کے کچھ اور ہوں؟

آپ فرماتی ہیں پرانے ادیب بعید از قیاس باتیں لکھتے تھے، عشقیہ کہانیاں لکھتے تھے۔ سب سچ ہے۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اپنے ماحول کے مطابق لکھتے تھے۔ اور ہم جو کچھ لکھتے ہیں اپنے ماحول کے مطابق لکھتے ہیں اور ہمارے بعد کے جو لکھنے والے آئیں گے وہ

بھی اپنے ماحول کے مطابق لکھیں گے - آج کیا ہو رہا ہے ؟ کونسا ادیب ہے جس کے افسانوں اور ناولوں میں عشق و محبت کا پہلو نمایاں نہیں - جب زندگی محبت سے عبارت ہے ، جب دنیا کا نظام محبت کی نسوں سے چل رہا ہے تو محبت کو آپ کیوں مطعون کریں - ہاں ! اگر کسی نے محبت اور عشق کے نام پر دھبّہ لگایا ہے تو آپ کے ان ترقی پسند ادیبوں نے لگایا ہے - بحث کی ضرورت نہیں تحریر موجود ہے - اور میرا ایمان ہے کہ آپ نے بھی پڑھی ہوگی ۔

ترقی پسندوں کا نظریہ جو آپ نے اپنے خط میں پیش کیا ہے ، بہت خوب ہے - لیکن صرف باتیں ہی باتیں ، عمل صفر کے برابر فحاشی اور عریانی ترقی پسندوں کا دلچسپ موضوع ہے - اور کیسے نہ ہو - جب رگوں میں جوانی کا خون تڑپ رہا ہو - جب جذبات کا طوفان برپا ہو - جب مذہب اور اخلاق کے نام سے بھی نفرت ہو ، تو قلم سے بھی اس قسم کے الفاظ نکلتے ہیں - اور پڑھنے والے چٹخارے لے لے کر پڑھتے ہیں - آپ نے لکھا ہے کہ ترقی پسند ادیب جو کچھ دیکھتا ہے وہی لکھتا ہے - مجھے بھی اس سے انکار نہیں جو چکلے میں جائے گا ، وہاں جو کچھ دیکھے گا ، وہی لکھے گا - جو عورت بے راہروی کی راہ پر گامزن ہوگی ، وہ اپنے گرد و پیش کے مناظر سے ضرور متاثر ہوگی - اور اگر وہ ادیبہ ہے تو اس کی تحریروں میں بھی وہی رنگ ہوگا - فرمائیے کچھ غلط تو نہیں کہا میں نے ؟

میں نے آج تک اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا - کیونکہ میں ایسے ترقی پسندوں کو جو صحیح معنوں میں تعمیر کا کام کریں ، ملک اور ادب کے لیے ایک نعمت اور برکت سمجھتا ہوں - اور اس اُمید میں ہوں کہ شاید کسی وقت یہ لوگ بھی سیدھے راستہ پر آجائیں لیکن فی الحال تو یہ اُمید پوری ہوتی نظر نہیں آتی - لطف کی بات یہ ہے کہ اکثر پڑھی لکھی عورتیں مجھ سے اس موضوع پر خط و کتابت کرتی ہیں اور اصلاح یا مشورہ کے لیے افسانے بھیجتی ہیں ، لیکن ان کے افسانوں میں بھی عشق و الفت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ، اور عشق و الفت بھی وہی آج کل کا ترقی پسندانہ ! والسلام -

خیر طلب

ایم اسلم

(۵)

بنام محمود الحسن صدیقی

مدراس ۔ ۲۰ ستمبر ۳۹ء

برادرم - السلام علیکم -

کارڈ پہونچا ، شکریہ - ممی کا ناول موجود ہے - ترمیم کی جہاں ضرورت ہوتی ہے ، میں کر دیتی ہوں - میں مرحومہ کے خیالات سے کما حقہٗ واقف ہوں - میں اون کی بہترین سہیلیوں میں سے اک تھی -

یہ ناول ، جس کے باب میں آپ کے اخبار کے لیے نقل کر کے بھیجتی ہوں ، ہماری خوابیدہ سوسائٹی کے لیے بے انتہا مفید ہے ، اس کے اور بہت سے باب ہیں ، مرحومہ کی سہیلیوں نے رائے دی کہ اس کو کتابی صورت میں چھپوا دوں - تو مجھے اردو مطبعوں کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں - اس لیے اس کا انگریزی میں میں خود ترجمہ کر رہی ہوں - چاہتی ہوں کہ " انڈین ریویو "

پریس میں میرے اپنے انگریزی ناول کے ساتھ اس کو بھی شائع کراؤں۔ مسٹر مانٹے سش ایڈیٹر انڈین ریویو کو میں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔

کملا نامی ایک اور نامکمل ناول وہ چھوڑ گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیا کروں؟ انشاءاللہ اس کو بھی چھپوادوں گی۔ مجھے اپنے پریس کے کاموں میں سے فرصت نہیں ملتی، اور آپ جانتے ہیں کہ انگریزی پریس کی ذمہ داریاں اردو سے کہیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

میں انگریزی فلم کے لیے کہانیاں طیار کرتی ہوں۔ اور ہر لحظہ مجھے یہ کام لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو رسائل کی طرف کم توجہ کر سکتی ہوں۔

آپ نے سر بشش لاہور میں میرا طبع زاد افسانہ "بلوچی" دیکھا ہوگا؟ یہ بھی اک فلم کے لیے طیار کیا ہے۔ انگریزی میں لکھا تھا، اردو بھی کر دیا۔

اُمید ہے کہ میں نے آپ کے سوالات کے جواب دے دیئے۔ والسلام۔

دل فگار: حجاب اسماعیل

(۶)

بنام احسن علیخان

بھائی ارے بھائی احسن بھائی۔ جیتے رہو، ہر پیتے رہو۔

مدتیں گزریں آپ کا خط موصول ہوا۔ جواب کی توفیق آج میسر آئی ہے۔ جس طرح ہماری آپ کی بسر ہو رہی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ان باتوں میں عذر و معذرت کے لیے گنجائش کہاں، اب نہ یہ باتیں لطف دیتی ہیں نہ تکلیف:

کراچی کی ہنگامہ پسند زندگی میں میں ہنوز کوئی جگہ اپنے لیے منتخب نہیں کر سکا ہوں۔ عجیب بے ہنگم جگہ ہے۔ ہمدردی۔ محبت۔ سچائی۔ رکھ رکھاؤ۔ قسم کی کوئی چیز یہاں نہ ادنیٰ سوسائٹی میں پائی جاتی ہے نہ اعلیٰ محفلوں میں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اس مشینی دور میں خود بھی مشین بن کر رہ گیا ہے۔ جو ہر قسم کے انسانی احساس سے عاری ہوتی ہے۔ تم یقین کرنا مجھے یہاں پانچ سال لوگوں کے چہرے تکنے میں گزر گئے ہیں کہ کسی کے چہرے سے کوئی محبت کی کرن پھوٹتی ہوئی نظر آجائے، اپنے پن کا نور دکھائی دے جائے۔ یا اس انسانی بدحالی کے افسوس کا کوئی سایہ ہی کسی چہرے پر نظر آجائے۔ لیکن ہنوز تجربہ جاری ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ یہاں کوئی گوشۂ عافیت کہاں جہاں بیٹھ کر یاروں سے باتیں کی جائیں، خیریت دریافت کی جائے، آپ بیتی سنائی جائے۔ تقویٰ لے چرخ گرداں تقوٰ۔ بہت چاہا کہ خود کو بھی مشین بنالوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی اب نہ مشین بن سکتا ہوں نہ آدمی ایک عجیب کش مکش میں مبتلا رہتا ہوں۔ کوئی چیز نہیں بھاتی، دیوانوں کی طرح جینا ہے وہ بھی بدمزہ۔

یہ تو تمہارے علم میں ہے کہ میں یہاں سرکاری ملازم کی حیثیت سے ملازم ہوں اور پونے دو سو روپیہ مشاہرہ پاتا ہوں بڑے

بھائی صاحب کے ساتھ رہتا ہوں۔ رشید، سعید، سہیل، اور منو لڑکی، اس طرح تین لڑکے، ایک لڑکی میرے ساتھ ہے۔ ناہید جو سہیل سے بڑی لڑکی ہے اندور میں داروغہ صاحب کے پاس ہے۔ کیونکہ مرحومہ زبیدہ وہ انہیں کو سونپ گئی تھی۔ داروغہ صاحب لاولد ہیں اور ان کی بیوی میری مرحوم بیوی کی منہ بولی بہن :

رشید، آٹھویں جماعت میں، سعید ساتویں میں، اور منو گھر پر پڑھتی ہے۔ سہیل ابھی چھوٹا ہے۔ یہ سب روز بروز بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ آمدنی قلیل۔ اس پر مہنگائی۔ خدا جانے کیا ہوگا۔ معصوم بچے ہیں۔ عمر کے ساتھ ان کی ضروریات بھی بڑھ رہی ہیں۔ لیکن آمدنی اپنی جگہ قائم ہے۔ بھائی صاحب کے ساتھ رہنے میں ذہنی الجھنیں اس کے علاوہ سخت پریشان ہوں۔ سال بھر ہوا بھائی جان بھی ملازمت چھوڑ بیٹھے ہیں۔ پانچ سو روپے کی آمدنی یک لخت موقوف ہوگئی۔ نوکری وہ کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ الگ ہو نہیں سکتا۔ لوگ لعن طعن کریں گے۔ اگر اسے برداشت بھی کر لیا جائے تو مکان کہاں سے ملے۔ مکان ملے تو پگڑی پر۔ یہاں نہ پگڑی نہ جوتا۔ ننگے سر ننگے پیر۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ کتنا لطف رہتا ہے۔ فرصت ملے تو خط لکھنا شاید مزید اور کچھ بتا سکوں۔ فخری کو خط لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ پروفیسر احمد اللہ خاں صاحب کا پتہ اگر مل جاتا تو اچھا ہوتا۔ ان کے پتہ ملنے پر میں بتاؤں گا کہ ان کے پتے کی ضرورت کیوں تھی؟ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے اور اشد ضروری۔ تم فخری کو خط لکھو تو احمد اللہ صاحب کے متعلق ضرور دریافت کرنا۔ تمہاری بیوی کو دعا، بچوں کو پیار۔

۶ر اکتوبر ۱۹۵۳ء ادیب سہارنپوری

گجرات کیسی جگہ ہے؟ آپ کیا پڑھا رہے ہیں؟ والدہ اور والد صاحب کہاں ہیں؟ کیا تنخواہ ملتی ہے؟ شعر و شاعری کا کیا رنگ ہے؟ سب بتاؤ!

پتہ:- ادیب سہارنپوری۔ آر۔ پی۔ این۔ بیرکس لائبریری۔ کوئینز روڈ — کراچی

بنام مظہر ممتاز

بہار - ۱۴ اگست ۱۹۵۴ء

مکرمی نیاز!

واقعی آپ نے برسوں بعد خط لکھا ہے! اور ملاحظہ کیجئے کہ شام کو آپ کا خط آیا اور اب صبح کو میں جواب لکھنے بیٹھ گئی ہوں یوں نہ سمجھئے گا کہ میری عادت گئی! جی نہیں! قصہ یہ ہے کہ آج شب کی گاڑی سے ہم لوگ ایک ماہ کے لئے علی گڑھ جا رہے ہیں! اور وہاں پہنچ کر کچھ لکھنا پڑھنا قطعی ناممکن ہے۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ "نقوش" کے شخصیات نمبر کے لئے آپ نے مضمون نگاری کے لئے میری شخصیت کا انتخاب کیا ہے! آپ کی توجہ میرے لئے باعث مسرت ہے مگر سنئے! کیا آپ مجھے شخصی اعتبار سے اس حد تک جانتے ہیں کہ میری ذات پہ مضمون لکھ دیں؟ کیا آپ محض کہی سنی کا سہارا نہیں لیں گے؟

آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ میرے باپ نواب چھتاری ہیں وہ آپ کے حیدرآباد میں اتنا رہ لئے ہیں کہ غالباً آپ ان پر مقابلتہً زیادہ آسانی سے مضمون لکھ سکیں گے! مگر آپ کو یہ پتہ نہیں کہ یہ نوابزادی صاحبہ سہیلیوں اور کنیزوں کے ساتھ سیر میں وقت نہیں گزارتی! بلکہ میں نے ایک ڈیری فارم خریدا ہے۔ صبح شام مکھن، کریم اور دودھ کا حساب کیا کرتی ہوں، جب کبھی خریدار میرے ڈیری فارم کی خالص اور تازہ سپلائی کا تذکرہ کرتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتی ہوں اور جب کوئی حضرت مہینوں کے لئے میرا بل دبا جاتے ہیں تو مجھے بہت غصہ آتا ہے ....!

سلیم صاحب کی بابت آپ کو پتہ ہے کہ انہیں بھی خوش قسمتی سے (یا بدقسمتی سے) یہی نواب زادگی کی علت لگ گئی ہے، مگر داستانوں کہانیوں (اور فلموں) والے نوابزادوں کی طرح پتنگ اڑا کر یا تیتر بٹیر لڑا کر وقت گزارنے کا موقعہ کبھی نہیں ملا۔ عین ممکن ہے انہیں تیتر اور بٹیر کا درمیانی فرق بھی معلوم نہ ہو! آج کل جب وہ پسینہ سے تر تھکے ہوئے کام سے واپس آتے ہیں تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے کہ میں ذرا بھی ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی!

تو میرا کہنا یہ تھا کہ آپ نے کبھی مجھے دیکھا نہیں، مجھ سے بات نہیں کی.... پھر اگر دوسروں کی کہی دہرا دی تو کیا فائدہ؟ ——

اپنے سے متعلق کسی مضمون کو اشاعت سے قبل دیکھنا یا اس میں ترمیم کرنا میرے نزدیک اصولاً غلط ہے، لہٰذا آپ وہ مضمون مجھے نہ بھیجیں۔

ہاں آپ نے یہ عجیب بات کہی کہ آپ اپنے مضمون میں سے وہ حصہ نکالنا چاہتے ہیں جس میں آپ نے سعادت حسن منٹو کے اس بیان کا تذکرہ کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب میں بمبئی گئی تو ان سے ملنے کا اشتیاق تھا۔

اگر آپ کے نزدیک یہ بات اتنی اہم تھی کہ شامل مضمون کی جائے تو اب اس کو ہٹانے کا خیال کیوں؟ میرے نزدیک وہ بات سچ اور بہت سیدھی سی تھی (یہ الگ بات ہے کہ جب منٹو میرے اظہار اشتیاق پر ملنے آئے تو میں ان سے نہیں ملی اور تمام وقت صفیہ سے بڑی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ بیچارے منٹو سیلون کی نشست گاہ میں بیٹھے غالباً ہم عورتوں کو گالیاں دیتے ہوں گے)

کیا ایسے واقعات میری شخصیت پر روشنی ڈال سکتے ہیں، اگر ایسا ہو تو ضرور لکھیے، مجھے اعتراض نہیں۔ مجھے منٹو سے کوئی شکایت بھی نہیں۔ میں ان کا احترام کرتی ہوں، انسان کو وقتی مجبوریاں بہت سے احمقانہ اقدام پر مجبور کر دیتی ہیں! پھر بسیار نویس افسانہ نگاروں کو اپنی تخلیقات کے لئے مواد ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے۔ سلیم کے متعلق اپنے ایک مضمون میں منٹو نے عجیب غریب باتیں لکھ کر ہمیں حیران ضرور کر دیا تھا، مگر پھر سلیم ہنسنے لگے، میں بھی ہنس پڑی، میں نے سوچا کہ اگر واقعتاً سلیم کا کردار وہی ہوتا جو منٹو نے اپنے مضمون (گنجے فرشتے میں شامل کیا ہے) میں پیش کیا ہے۔ تو مجھے اطمینان رہتا کہ میں نے اسی دنیا میں رہنے والے عام انسانوں میں سے ایک کو اپنی رفاقت کے لئے چنا ہے، آسمان کے کسی انتہائی معصوم اور ناکردہ گناہ فرشتہ کو دھوکے سے نہیں گھیر لیا!

عید کی مبارکباد کا شکریہ! ہم نے بھی یہاں ۱۰ اگست کو عید منائی، آج کل یہاں بڑا سخت سیلاب آیا ہوا ہے لاکھوں انسان تباہ ہو گئے ہیں، فصلیں برباد ہو گئی ہیں تاحدِ نظر محض پانی دکھائی دیتا ہے۔ راستے بند ہو گئے ہیں، ہمیں اپنا سفر لکھنؤ کے بجائے پٹنہ ہو کے کرنا پڑ رہا ہے۔ سخت کوفت ہے۔

آپ ہمیشہ تبسم کو پوچھتے ہیں اور کسی کا ذکر نہیں کرتے، خطا میری ہے میں نے ننھی انیس اور چھوٹے فرید کا آپ سے تعارف ہی نہیں کرایا...... تو آپ کا خیال ہے میں صرف افسانے ہی لکھا کرتی ہوں....؟

سلیم بھی آپ کو سلام کہتے ہیں۔

تسلیم

تسنیم سلیم

(۲)

بنام حمید اختر

لکھنؤ۔ ۹ فروری ۱۹۵۲ء ——— میرے بہت پیارے بھیا، میرے بہت اچھے حمید اختر۔ میرا بہت سا پیار، بہت سی

دعائیں۔ کہ تم جلد اس مصیبت سے نجات پاؤ، ہم لوگوں سے ملو۔ پھر پاکستان ہندوستان گلے ملیں، پھر ہمارا خلوص مخالفوں کی ریاکاری پر کامیاب ہو! میں نے شاہراہ کے سالنامے میں تمہارا خط دیکھا اور اس سے مجھے معلوم ہوا کہ تم ملتان کے جیلخانے میں ہو۔ میں تو اب تک اس خیال میں تھی کہ تم لاہور کے جیل میں ہو۔ لیکن اس خط کو دیکھ کر دل پر کیا کچھ گزر گئی۔ وہ جذبہ لفظوں کے جال میں پھنس کر پھڑپھڑا کر رہ جاتا ہے! ہماری عظیم تحریک کے سرفروش سپاہی! اپنے کو اکیلا محسوس نہ کر! زندان کی سلاخوں سے کان لگا کر سن تو سہی، نغمۂ جمہور اب دنیا پر چھایا ہی چاہتا ہے! مبارک ہے وہ زمین جس پہ سونے سے تیری کمر دکھے لگتی ہے! کہ دیکھو گے کائنات کی نبضیں رکی ہوئی جس وقت سیدھی ہوں گی یہ کمر یہ جھکی ہوئی! اسی زمین سے آسمان پیدا ہوگا۔ اسی خاک سے اسیر زندان کی یہ دیواریں جن میں تم لوگوں سے رتن محبوس ہیں ہمیشہ نہیں کھڑی رہیں گی۔ تم تو نظام قید و بند کو مٹانے والے ہیں حمید اختر۔ گھبراؤ نہیں —— ... اچھا اب میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں — میرے اب ایک منی سی بچی (۲ سال کی) اور ہے! اگر تم نے تو غالباً اسے دیکھا تھا۔ نجمہ نسیم کو تو تم خوب جانتے ہو نہ! اگر یہ خط ٹھیک سے تمہیں پہنچ گیا اور تمہارا جواب آیا تو تمہیں اپنی بچیوں کی تصویریں بھیجوں گی۔ اور کچھ رسالے وغیرہ۔ تمہارے بھائی صاحب کے خطوط برابر آتے رہتے ہیں اور فیض کا بھی ایک خط آیا۔ میں نے اکتوبر میں پاکستان آنے کا پرمٹ بنوایا تھا مگر روانگی سے چار پانچ دن قبل لیاقت علی خاں مرحوم کے انتقال کی خبر آئی۔ یہاں سب نے کہا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں۔ پھر یہاں یونیورسٹی میں ایک جگہ خالی ہوئی ہے اردو کے لیکچرر کی۔ اس کیلئے کوشش کر رہی ہوں۔ لہٰذا یہاں رکنا پڑا۔ اب وہی گرمی کی چھٹیوں میں آؤں گی۔ تمہیں اگر رشتہ داروں کے علاوہ دوستوں سے بھی ملنے کی اجازت ہو تو میں ضرور ملتان بھی آؤں گی۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے حمید کہ رشتہ دار کتنے الگ ہوتے ہیں پھر بھی ان کو اجازت مل جاتی ہے، اور دوست اتنے قریب ہو کر بھی غیر کہلاتے ہیں! ایک ہی مقصد کے چاہنے والے ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔ اس کا اندازہ ہمارا یہ کھوکھلا سماج، ہمارے یہ حکمران کیا کر سکتے ہیں!

اچھا میرے ساتھی، میرے بھائی، میرے ہمسفر! اب فی الحال رخصت —— خط کا جواب جلد دینا اور ضرور دینا —— میں برابر تمہیں خط لکھوں گی —— تم پریشان نہ ہو۔

شہر زاغ و زغن در بند قید و لبت نیست این سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

تمہاری دور اُفتادہ آپا : رضیہ سجاد ظہیر

اپنے بارے میں سب کچھ لکھنا۔ تمہارا حال معلوم کرنے کو دل بہت پریشان ہے۔ ہر ڈاک سے تمہارے خط کا انتظار رہے گا۔

(۴)

۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء

بھائی صاحب۔ آداب عرض ہے۔ روز روز یہی سوچتی رہی کہ آج خط لکھ دوں گی۔ لیکن طبیعت کی خرابی اور مسلسل مصروفیت نے موقع نہ دیا۔ جس دن بخار زیادہ ہو جاتا ہے۔ کھانسی زیادہ آنے لگتی ہے اور سر میں

درد شدت کا ہوتا ہے تو خیال ہونے لگتا ہے کہ کاش ٹیڑھی لکیر جیسی کئی ایک کتابیں ہوتیں تاکہ صبح سے شام تک ان کو پڑھ پڑھ کر میں اپنے آپ کو بھول سکتی، مجھے وہ بے حد پسند آئی۔ اسی لئے خیال تھا کہ آپ بھی پسند کریں گے۔ میں تو خود اپنی کتابوں کی حفاظت نہیں کر سکتی تو آپ کی کتاب کی کیونکر حفاظت ہو سکے گی۔ پڑھ ڈالئے اس کے بعد رکھنے کو جی نہ چاہے تو چولھا بہرحال موجود ہے گھر سے نکلنے سے کیوں ڈرتے ہیں آپ۔ اچھی کتابیں اتنی دفعہ بار بار پڑھی جاتی ہیں کہ ہیئت بگڑنا ناگزیر ہے۔

بابو کہہ رہے تھے۔ باب کے دفتر میں یوسفران کی طرف سے کوئی افسانہ آیا ہے، اس کے پڑھنے کے بعد میں سوچوں گی آپ ہی بتائیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ان کے خاندان والوں کی کج سیمی کنبیر تو ادر کیا ہے کہ ایک افسانہ پڑھ کر کردار پر شبہ کرنے لگے اور بعد میں فریدہ کے افسانہ سے معلوم بھی ہو گیا کہ خادم کی ہستی محض ایک دھوکا ہے۔ اصل میں تو وہ نزہت ہے۔ کل میں نے اپنے ایک بزرگ سے اس کا ذکر کیا، کہنے لگے اگر محض اس وجہ سے اس کی شادی نہیں ہو سکتی تو ہم لڑکا ڈھونڈ دیں گے۔ اب فرمائیے۔

آپ تو زلیخا کو جانتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ ان جھگڑوں سے نجات پانے کا شرف بخشیں کی ادریہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ جو ہمارے حلقۂ احباب میں داخل ہو جانے وہ اداس کبھی نہیں رہ سکتا۔

زلیخا کو شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ایسے عقل کے دشمن سے واسطہ نہیں پڑا جو ذرا سی غلط فہمی پر رشتہ توڑنے پر آمادہ ہو جائے ایسے امتحان تو کردار کو پرکھنے کیلئے ضروری ہیں۔

اچھا وہ البم والی بات۔ میں نے پہلے بھی یہی لکھا تھا اور اب بھی کہ آپ کو تکلیف ہو تو تصاویر نہ جمع کریں۔ میرا نام اس لئے نہ لکھوائیے گا کہ میں ان لوگوں کو ذاتی طور پر جانتی ہوں۔ پھر وہ کیسے WITH BEST WISHES لکھیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ البم میں ایک عزیز ترین دوست کو تحفہ دینا چاہتی ہوں۔ جسے ادب سے کبھی دلچسپی نہ تھی مگر جس نے میری خاطر نئے ادب کی ساری کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اور سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک مہینہ اس لئے کہ اس کی شادی کو اب ایک ہی مہینہ باقی رہ گیا ہے۔

مشاعرہ ہونے والا ہے۔ بہت سے شعراء باہر سے آ رہے ہیں۔ کیا آپ کے دوست اعتزاز الایمان بھی آئیں گے۔

سنا ہے کہ آپ کے محلہ کی آب و ہوا خراب ہو گئی ہے اس لئے آپ گھر رہے ہیں کیا الیکٹ یونیورسٹی روڈ کا ارادہ ہے!

آج کل ادھر بہت سارے سنسان اور غیر آباد گھر آباد نظر آ رہے ہیں۔

مجلہ کے نئے مضمون پورا کر سکی نہ کسی اور رسالے کے لئے کیونکہ ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کے نہیں ملا۔ ان تعطیلات میں میں بھی ایک ایک دن مصروف ہے۔

آپ ہر خط میں احسان احسان کی رٹ لگایا کرتے ہیں۔ مجھے بڑا برا معلوم ہوتا ہے۔ اول تو بہن بھائی کا سلوک کسی طرح بھی احسان ہو نہیں سکتا۔ دوسرے ہمیشہ یاد رکھئے کہ خلوص کا بدلہ چکانا مخلص کی توہین ہے میں تو کبھی کسی مخلص کا شکریہ تک ادا نہیں کرتی۔ میں نے آپ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔ فقط

آپ کی بہن۔ زینت ساجدہ

متفرق خطوط

خطوط بنام مسعود حسن رضوی ادیب

(۱)

مارہرہ ۔ ضلع ایٹہ　　　　　　　　۱۶-۹-۳۳ء

مکرمی و شفیقی السلام وعلیکم وعلیٰ من لدیکم

اگست ۳۳ء کے رسالہ زمانہ میں "روحِ انیس" کا تبصرہ پڑھا ۔ کیا میں اس تالیف لطیف سے شرفِ اندوزِ مطالعہ ہو سکتا ہوں ؟

اگرچہ اس وقت تک تعارفِ روشناسی سے محروم ہوں لیکن بلحاظ تعلقات روحانی اجنبی نہیں ۔ اگر اس معنوی خصوصیت کی نسبت سے کتاب مذکور قابل عطانہ ہو تو بے تکلف وی پی بھیجا کر ممنونِ کرم فرمایا جائے ۔

میں بہ سلسلہ تعطیل کلاں یکم اکتوبر تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے جدا رہوں گا ۔ لہٰذا جواب مارہرہ ضلع ایٹہ کے پتے سے بھیجا جائے ۔ امید ہے کہ مزاجِ عالی ہم آغوشِ عافیت ہوگا ۔ والسلام خیر ختام !

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱)

فیروز آباد　　　　　　　　۱۱-۵-۴۸ء

محترمی و مطاعی ، سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

رجسٹری ۸ کو وصول ہوئی تھی اور اس روز میں اپنے کاروباری سلسلے میں یہاں آ رہا تھا ۔ عرض نہیں کر سکتا کتنی مسرت ہوئی ؟ واقعی میں ناامید ہو گیا تھا لیکن اچانک آپ کے خط سے دونی مسرت ہو گئی ۔ میں ان شاء اللہ جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکریہ ادا کروں گا ۔ سردست آپ سے یہ عرض ہے کہ میں فیروز آباد اکثر آتا ہوں اور یہاں کی چوڑیاں ہندوستان بھر میں مشہور ہیں ۔ اگر آپ اپنی بچیوں کا ناپ بھیج دیں تو یہاں سے بچیوں کیلئے نفیس قسم کی چوڑیاں لیتا آؤں ۔ امید ہے آپ جن جن ناپوں کی چوڑیاں چاہیں گے وہ ناپ کسی کاغذ پر کھینچ کر یہ پوند بھیج دیں گے ۔ میں یہاں ۱۲ کو پھر آؤں گا ۔ حضرت مولانا صفی صاحب قبلہ کے لئے بھی چوڑیاں لانا ہیں ، باقی سب خیریت ہے ۔

عجیب اتفاق ہے کہ ترجمے میں اکثر الفاظ کے معنی وہی میرے ذہن میں آئے جو آپ نے لکھے ہیں ۔ چند الفاظ البتہ غلط ہو

گئے تھے آپ کی مہربانی سے وہ بھی ٹھیک ہو گئے۔

نیازمند

مدّاح

(۱)

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء

محترمی تسلیم

ادھر مصروفیت ایسی رہی کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں نے بیک ریڈروں کے خلاف کونسل میں ایک قرارداد پیش کی ہے۔
اس پہ ایک بحث ۲۹ ستمبر کو ہو چکی ہے۔ اب دوسری بحث ۲۰ اکتوبر کو ہو گی۔ امید ہے اس کا اثر اچھا پڑے گا اور ریڈریں بدل جائیں گی۔ اس بحث کی تیاری میں کافی وقت لگ گیا۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو ۲۰ اکتوبر کو ۱ بجے کونسل میں تشریف لائیے۔

گورکھپور اور بنارس میں تو اچھی کامیابی ہوئی ہے۔ یہ تو سنگلاخ زمینیں تھیں۔ بنارس میں حکومت نے اپنا بیان واپس لے لیا اور گورکھپور میں کئی اسکولوں میں اردو رائج ہو گئی۔ ان میں سے ایک اسکول میں اردو طالب علموں میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے۔

یونیورسٹی کے طالب علموں کی ایک اردو کانفرنس ہونی چاہیے۔ خیال اچھا ہے اس سے پبلسٹی ہو جائے گی۔ ہم نے اشتراکِ عمل کا وعدہ کیا ہے۔ اس موقع پر ہم بھی اپنی صوبائی کونسل کا جلسہ بلا لیں تو کیسا رہے؟ ۱۹، ۲۰ نومبر ان لوگوں نے مقرر کی ہے۔
یہ بھی خیال ہے کہ اسی موقع پر مینا بازار اور اردو بازار بھی لگائے جائیں اور اردو کی تحریک کے لئے چندہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

نومبر کی پہلی اتوار کو انجمن ترقی اردو کا جلسہ بلا رہا ہوں اس میں الکشن بھی ہو جائیں گے اور آئندہ کا پروگرام بھی بن جائے گا۔
حد بندی کمیشن کی رپورٹ نے لسانی اقلیتوں کا مسئلہ بہت اچھی طرح پیش کیا ہے۔ کاش مرکزی انجمن میں کوئی جان ہوتی اور اور وہ سب لسانی اقلیتوں سے مل کر کوئی محاذ بنا کر کمیشن کی تائید کرا سکتی اور کچھ تفصیلی باتیں حکومت کے سامنے پیش کر سکتی۔ ذاکر صاحب سے اس کے بارے میں باتیں کرنا چاہیئے۔

تین سو کا چیک بھیج رہا ہوں اس پر دستخط فرما دیجیے۔

حیات اللہ

(۱)

مکرم و محترم، تسلیم

آج آپ کی مشایعت کے واسطے اسٹیشن جانے کا مصمم ارادہ تھا مگر رات سے بخار ہے، اس وجہ سے بالکل مجبور ہوں۔
وداعی ملاقات نہ ہونے کا دل صدمہ ہے۔ بہر طور خدا آپ کو تمام مقاصد میں کامیاب کرے اور مع الخیر وطن جلد واپس لائے۔

---

[1] مترجم تاریخ ادبِ اردو، مرتبہ "ادبی خطوطِ غالب"، "زاور"، "من کیستم" وغیرہ

اس طویل سفر[1] میں میرا خیال کہیں نہ کہیں ضرور کر لیجئے گا کیونکہ اگر صحت و سن مساعد ہوتے تو ہم سفری کا لطف ہوتا تھوڑے سے آم آپ کے واسطے بھیجتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کو لکھنو کے اسٹیشن سے امرتسر یا لاہور تک کھا ڈالیئے گا۔ ان سے نہ ثقل ہو گا نہ بار سفر بڑھے گا۔

آپ کی خیریت کا طالب اور مع الخیر واپسی کا منتظر۔

محمد عسکری

۲۴ جون ۴۳ء

(۲)

۲۴ جنوری ۱۹۴۴ء

مخدومی تسلیم!

عزیزی آفاق سلمہ کی زبانی نوید شرکت دعوت پہنچی۔ خیال فرمایئے آپ کی دعوت ، ڈاکٹر صاحب[2] کی شرکت اور میری غیر حاضری اس سے بڑھ کر تعجب خیز و حسرت انگیز کون سا واقعہ ہو سکتا ہے مگر دنیا میں ایسے واقعات کی کمی نہیں ہے جو عقل انسانی کی رسائی سے باہر ہیں۔ منجملہ انہی واقعات ہائلہ کے ایک یہ بھی ہے، چار پانچ روز سے قدیم شکایت میں مبتلا ہوں اور غذائے ثقیل و مشتی طویل سے پرہیز کرتا ہوں۔ آفاق صاحب نے یہ پرہیزی اور ہلکے کھانوں کا وعدہ کیا مگر آپ کے چرب و نرم پلاؤ اور گرم گرم کبابوں سے منہ موڑنا ہمارے شعرا کی اصطلاح میں اسے توبہ !) مجھ سے ممکن نہ تھا۔ اس لئے بصد حسرت و افسوس معافی کا خواستگار ہوں اور دوسری معافی جناب ڈاکٹر صاحب سے بھی میرے ذمے ہے یعنی وہ تشریف لائیں اور میں نہ ملوں!

محمد عسکری

(۱)

مکرمی و معظمی دامت معالیکم تسلیمات

حامل ہذا مسیّب عباس سلمہ میرا عزیز قریب ہے۔ اس وجہ سے عزیز تر ہے کہ اس سے میری کچھ امیدیں وابستہ ہیں یہ اردو میں آنرز کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یونیورسٹی میں کام چلا ہی لے گا۔ اگر وقتی طور پر بھی اس کی حوصلہ افزائی کا کچھ سامان ہو جاتا تو میری آرزو کے پورے ہونے کا انشاء اللہ تعالیٰ سامان ہو جاتا۔

ان خاص عنایات کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم شائستہ عنایات ہو بھی۔ اگر مسیّب سلمہ میں قابلیت ہوئی تو یہ خود آپ کے اوپر ثابت کر دیں گے اور اگر خدانخواستہ اسی چیز کی کمی ہوئی تو نہ مجھ کو کوئی شکایت ہو سکتی ہے نہ اس لڑکے کو!

نیاز مند ، محمد علی عفی عنہ ردولی

---

[1] مکتوب الیہ کا سفر ایران و عراق [2] ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

(۲)

جانِ من تسلیم!

استشہاد چاہتا ہوں بہ حق اور گواہی چاہتا ہوں بہ صدق، اگر "صلاحِ کار" نوجوانوں کے لئے مفید ہو تو اپنے اخبار میں تقریظ سے مشکور فرمایئے۔ اگر آپ کے نزدیک مضر یا بیکار ہو تو کہنے میں باک نہ کیجئے، کوئی شکایت نہ ہوگی۔ بیتوا و توجروا۔ نرخ اشتہار یا نرخ کمیشن جس میں اشتہار کی بھی قیمت شامل ہو۔ اس سے مطلع فرمایئے۔ جس پرچے میں اس پر تنقید ہو۔ اس نمبر کا خریدار ہوں۔ جس وقت پرچہ موصول ہوگا ٹکٹ ارسالِ خدمت ہوں گے۔

محمد علی عفی عنہ۔ ردولی، اودھ

یہی پتہ کتاب ملنے کا ہے

(یہ رقعہ خوشخط لکھا ہوا کسی اخبار یا رسالے کے مدیر کے نام ہے۔ "صلاحِ کار" چودھری صاحب مرحوم کی تصنیف ہے۔ آپ اودھ پنچ میں "چپرو" کے نام سے مضمون لکھتے تھے۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ "کشکولِ محمد علی شاہ فقیر" کے نام سے شائع ہو چکا ہے (نیر مسعود رضوی)

(۱)

پارہ ۔ نونہرہ ۔ غازی پور   ۴؍ جولائی ۱۹۲۸ء

مُحبی ۔ تسلیم عرض ہے

حسبِ معمولِ سابق میں امسال پھر ۸؍ جولائی اتوار کو آپ کے ہاں نازل ہوں گا اور غالباً تلاشِ مکان کے سلسلے میں کئی روز قیام کروں گا۔

میری بیوی کی علالت طول کھینچتی جا رہی ہے۔ یکم محرم سے ایک طبیبِ حاذق کے زیرِ علاج ہیں، اگر اب بھی اچھی نہیں ہوئیں تو پھر قطعی مایوسی ہے۔

منصوری کا سبزہ دیدہ افروزی میں مشہور ہے۔ امید ہے کہ آپ کی آنکھوں کی تکلیف اب بالکل جاتی رہی ہوگی۔ بھابی صاحبہ کی خدمت میں تسلیم۔

علی عباس حسینی

اردو کا پرچہ کل اورنگ آباد سے آیا، شرر کے متعلق صرف ایک جملہ انہوں نے بڑھا دیا ہے ورنہ اور سب کچھ بعینہٖ چھاپ دیا ہے۔

(۲)

پارہ ۔ غازی پور   یکم دسمبر ۴۶ء

مُحب محترم ۔ تسلیم

آپ کا تعزیت نامہ بارہ بنکی میں ملا تھا۔ والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد میں صرف ایک بار لکھنؤ چند گھنٹوں کے لئے گیا تھا، وہ

مجھے ۲۲ نومبر کو جب سیکریٹریٹ سے یہ معلوم ہوا کہ میری تقرری کا حکم نامہ جاری ہو گیا۔ اس دن سے برابر سامان باندھنے اور دوسرے انتظامات میں لگا رہا۔ ۲۸ نومبر کو غازی پور پہنچا اور ۲۹ جمعہ کو وکٹوریہ ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کا چارج لے کر ایک گھنٹے بعد اسکول بند کر کے گھر محرم کرنے چلا آیا ہوں۔ اب ۲ دسمبر کو پھر غازی پور واپس جاؤں گا۔

اس تقرری و تبادلہ میں سب سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد سب کچھ ہوا۔ ۲۹ ستمبر کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ۲۹ نومبر کو میں نے چارج لیا۔ کاش وہ اس وقت موجود ہوتیں تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہتی! خیر! اس وقت تو حسین کے غم کے سامنے کسی غم کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کا بھی افسوس ہے کہ آپ حضرات سے رخصت ہو کر نہ آ سکا۔ وقت بہت کم تھا اور کام بہت زیادہ تھے۔ انشاءاللہ جلد سے جلد لکھنؤ آ کر اس فروگذاشت کی تلافی کی کوشش کروں گا۔ بھابی صاحبہ کی خدمت میں تسلیم، آفاق کو، بچوں کو دعائیں۔ اسد سلمہ، بھی ساتھ ہیں، تسلیم کہتے ہیں۔ انشاءاللہ بعد محرم وہ لکھنؤ جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔

شمیم سلمہ، بارہ بنکی آئے تھے۔ میں نے ان سے تاکید کر دی تھی کہ وہ آپ کو میری مصروفیتوں سے مطلع کر دیں گے اور جواب خط میں جو تاخیر ہوئی ہے اس کے اسباب سے مطلع کر دیں گے۔ خدا کرے وہ بھول نہ گئے ہوں

احقر الناس

علی عباس

ایک والی ریاست[1] کے مکتوب گرامی کے جواب میں (۱)

بعد مدت کے ملا شوقِ ملاقات کا خط
کچھ قصور اس میں تمہارا ہی نہیں ہے اے دوست!
میں بھی اس جرم کا مجرم ہوں مگر کیا کہیے
تیری دنیا میری دنیا ہی نہیں ہے اے دوست!

فرش خاک اس پہ فقط بوریا یہ میری بساط
گوشے گوشے میں ترے قصر کے سنجاب و سمور
میری دنیا میں مرے عجز کا اک سوز و گداز
تیری دنیا میں صد آہنگ ترا کبر و غرور

میرا یہ جام سفال کہ ہے بے کیف و سرور
اور محفل میں تری ساغر و مینا و شراب
میری دنیا میں یہ جلتے ہوئے کھیت اور ببول
تیری دنیا میں چمن اور چمن بھی شاداب

[1] غالباً نواب بھوپال (ادارہ)

میری دنیا میں نہ کوئی در و دیوار و سقف
تیری دنیا میں سرا پردہ و دربان و نقیب
تو امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر
میں غریب ابن غریب ابن غریب ابن غریب

کبھی ہم تم میں یہ سچ ہے کہ شناسائی تھی
پر یہ اس وقت کا قصہ ہے کہ نادان تھے ہم
یوں بسر ہوتے تھے بچپن میں ہمارے شب و روز
لوگ کہتے ہیں کہ دو قالب و یک جان تھے ہم

جب ذرا ہوش سنبھالا تو ہمارے دل میں،
کچھ کھٹکنے لگا انسان کے درجوں کا شعور
ہم ذرا گھٹنے لگے آپ ذرا بڑھنے لگے،
تجھ سے کیا شکوہ کہ دنیا کا یہی ہے دستور

اس کو تقدیر کی خوبی کہیں یا شومیٔ بخت
تیری دنیا میری دنیا سے ہوئی کوسوں دور
ہاں! کجا رفعتِ افلاک کجا پستیٔ خاک
ہاں! کجا ملکِ سلیمان کجا خانۂ مور

تو سلامت رہے دنیا تری آباد رہے،
زندگی اپنی بھی جیسے ہو گزر جائے گی
تیری دنیا بھی ترے ساتھ ہی ہو گی رخصت
میری دنیا بھی مرے ساتھ ہی مر جائے گی

خاک میں مل کے رہے گی نہ کوئی اونچ نہ نیچ
موت کر دے گی یہ خود ساختہ سطحیں ہموار
وقت آتا ہے کہ مل جائیں گے بچھڑے ہوئے دوست
تجھ کو مجھ سے نہ جدا رکھے گی کوئی دیوار!

حکیم احمد شجاع
(ستارۂ امتیاز)

بنام جگن ناتھ آزاد

(۱)

ادبی دنیا، لاہور ۔ ۱۷ مارچ ۸۴۸ء

عزیز گرامی آزاد، سلامت باشد

آپ کا خط مورخہ ۱۰ مارچ مع تراشے کے ملا ۔ اس سے پہلے آپ کا رجسٹری خط بھی مل گیا تھا ۔ میں افکار و آلام میں بدستور مبتلا ہوں ۔ پرچہ اب تک جاری نہیں ہو سکا ۔ آج کاغذ کی صورت پیدا ہوئی ہے لیکن ایک تو ڈیکلریشن کے متعلق کچھ الجھنیں بھی ساتھ ہی پیدا ہو گئی ہیں ۔ دوسرے اب وہ شے کہاں سے لاؤں جس سے کاغذ خرید سکوں ویسے تو مارچ ہی سے کاروبار خراب ہو گیا تھا اور کاروبار تھا ہی کیا ایک بہانہ گزر اوقات کا تھا ۔ لیکن اگست کے بعد سے آج تک تو آمدن کے خانے میں صفر ہی رہا ۔ دیکھیے دورِ فلک ابھی کیا کیا دکھاتا ہے ۔

میں نے کل ایک مضمون رجسٹری کے ذریعے سے محروم صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا ۔ دیر اس لئے ہوئی کہ نقل دستیاب نہیں ہوئی تھی ۔ یہ ایک تقریر ہے جو ریڈیو پر براڈکاسٹ ہو چکی ہے ۔ اگرچہ ریڈیو والے اسے براڈکاسٹ کرنے کے بعد کچھ متاسف سے معلوم ہوتے تھے چونکہ ایک ہلکی پھلکی سی چیز ہے اس لئے ایک ہفتہ وار کے لئے مناسب معلوم ہوں ۔ آپ ازراہ کرم کاپی خود درست کر لیجیے گا تاکہ کوئی غلطی نہ رہے ۔

میں نے ایک مضمون لکھا ہے "تقسیم ملک کا اثر زبان و ادب پر" ایک حصہ یعنی جو زبان کے متعلق ہے لکھ چکا ہوں ۔ ادب والا حصہ ابھی باقی ہے ۔ اسے ہونے والی کانفرنس میں پڑھوں گا ۔ کاش آپ یہاں موجود ہوتے تو کچھ پڑھنے پڑھانے کچھ کہنے سننے کا لطف آتا ۔ اب میں کہنے کی باتیں کسے سناؤں ۔ سننے والوں کی ذہنیتیں قطعی طور پر ماؤف ہو چکی ہیں ۔ اپنا ہم زبان و ہم خیال کہاں سے لاؤں ۔ غالب کو تو روح القدس سے ہی کچھ داد مل جاتی تھی مجھے کون دے ؟

آپ نے جو تراشہ بھیجا ہے وہ سچ پوچھو اردو ہندی کے اس فقدان کا قطعی ثبوت ہے جو اس بدنصیب قوم کا مابہ الامتیاز ہو چکا ہے ۔ آپ کو یاد ہوگا ہم نے اردو کو میراث مشترک ثابت کرنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے اور کیسے کیسے جتن کئے اور آج ایک نام نہاد سیاسی اٹھتا ہے اور بزعم خویش ایک ایسا نیزہ مارتا ہے جو نشانے پر بیٹھنے کی بجائے خود چلانے والے ہی کو چھید کر رکھ دیتا ہے جب کوئی قوم گمراہ ہو جاتی ہے تو خداوند اس میں ایسے ہی رہبر پیدا کیا کرتا ہے اور تقدیر الٰہی کے سامنے ہر کوشش ہیچ ہے ۔

آزاد ۔ اب زندگی ایک بار گراں سے کم نہیں ۔ ہر وہ شے جو کچھ قدر و قیمت رکھتی تھی گم ہو چکی ہے ۔ شے سے میری مراد کوئی مادی ملکیت نہیں بلکہ مثلاً وہ جنس لطیف ہے جسے ہم دوستان بے ریا کے خلوص اور یاران باوفا کی محبت میں ڈھونڈتے اور پاتے تھے اے کاش ! اے کاش !!

والد صاحب کی خدمت میں میرا ہدیہ نیاز پہنچا دیں ۔ والسلام

مخلص صلاح الدین

بنام تاجور نجیب آبادی

(۱)

۲۸ دسمبر

مشفقی و مخدومی زاد لطفکم! سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ یاد آوری کے لیے شکریہ۔

خدا جانے سلیم ہاشمی صاحب نے آپ سے کیا کہا؟ اگر آپ انکو لکھ کر بھیں حقیقت عرض کرتا ہوں کہ میں نے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ مرحوم اظہر کے حالات کو میں جانتا تھا۔ مجھے علم ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کے پس ماندگان کا کیا حال ہے؟ اس لیے اگر میرے کلمہ خیر کہہ دینے سے ان کی کوئی مدد ہو جائے تو میں اس نیکی سے کیوں محروم رہوں۔

اظہر صاحب کی زندگی میں بھی میری ان سے کوئی عداوت نہ تھی، وہ مجبور تھے اور موت کے بعد تو کوئی اختلاف باقی ہی نہیں رہتا۔ خدا مرحوم کی مغفرت کرے۔

اگر آپ یہ نہ بھی لکھتے کہ خط ذاتی ہے تو میں ہرگز اسے شائع نہ کرتا، اخبار میں اپنی تعریف میں خط چھاپنا بڑی بد مذاقی سمجھتا ہوں۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

طالب دعا

مخلص حمید نظامی

(۱)

سنٹرل جیل منٹگمری

۵ فروری ۱۹۴۲ء

حضرت مولانا مدظلہ العالی!

سلام عقیدت!!

عزیز بھائی کاوش سلمہ اللہ تعالیٰ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ نے میری استدعا قبول فرمالی ہے۔ میں آپ کی اس بزرگانہ شفقت، ادبی احسان، اور علمی نوازش کا بہ صمیم قلب ممنون ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میری پیہم جستجو آپ کی ادبی رہنمائی کے حصول میں کامیاب ہو گئی ہے۔

اس سچائی سے روگردانی عظیم کفر ہے کہ آپ کے شہرہ آفاق قلم کی چند خوبصورت جنبشوں نے اکثر اہل قلم پیدا کئے ہیں۔ اور اردو کے دورِ جدید کی ادبی اماتوں کا غالب حصہ آپ ہی کے مدرسہ شعر و ادب کا تربیت یافتہ ہے!!

کیا آپ اس تشنہ کام کو بھی اپنے عظیم الشان اور زندہ، جاوید میکدہ سے چند سبو عنایت فرما سکتے ہیں۔

عقیدت کیش

شورش کاشمیری، پولیٹیکل قیدی

سنٹرل جیل منٹگمری۔ پنجاب

بنام میکش اکبرآبادی

(۱)

لاتور دکن

۲۰ اکتوبر ۴۳ء

محبی و مخلصی زاد لطفکم ۔ سلام شوق !

میں بحمد اللہ بخیر و عافیت ہوں ۔ امید ہے کہ اب آگرے کی حالت رو بہ اصلاح ہوگی ۔ میں نے ان لوگوں کو لکھ دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس کبھی کبھی حاضر ہوا کریں ۔ ایک آدھ سبق آپ سے پڑھ لیں باعث فیض و برکت ہوگا ۔ آپ اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ اس طبقہ کے ایک رکن ہیں جس کا شعار تھا بندگان خدا کی اصلاح و تربیت ، یہ بچہ اپنے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہے ۔ پڑھنے لکھنے کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتا ۔ آپ سے جتنا ممکن ہو اس کے خیالات اور رجحانات کی اصلاح فرمائیں ۔ ممکن ہے کسی بندۂ خدا کے فیض صحبت سے اس کے چلن درست ہو جائیں اسے سمجھائیے کہ تم کون ہو اور تمہیں کیا کرنا چاہیئے ؟

مرزا یگانہ چنگیزی

(۲)

لاتور دکن

۷ - ۴ - ۴۷

مکرم بندہ حضرت میکش دامت الطافکم

تسلیمات ۔ بہت دنوں سے آپ کا کچھ حال معلوم نہیں امید ہے مزاج بخیر ہوگا ۔ آج ایک ضرورت سے خط لکھ رہا ہوں اک ادبی مسئلہ ہے جو غالباً آپ کے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ بڑا افسوس ہے کہ اب اہل لکھنؤ کو اپنی جہالت ہی پہ ناز ہے ناحق کوشی ہی ان کا معیار اخلاق ہے ۔ ایک صاحب ہیں . . . . شاعر اور نقاد ۔ زیادہ نہیں بس پانچ نمونے ان کی تنقید کے ارسال کرتا ہوں ۔ براہ کرم اس تنقید پر آپ لکھنؤ کے دو نامی گرامی اساتذہ (صفی و آرزو) کی رائے دریافت فرمائیے خواہ اپنے نام سے استفسار فرمائیے یا اور کسی نام سے ۔

ان حضرات کی رائیں حاصل ہو جانے کے بعد میں بھی کچھ عرض کروں گا اور دکھاؤں گا کہ لکھنؤ کے لئے ایسے لغو اعتراضات کس قدر شرمناک ہیں ۔ گذشتہ تیس سال کے اندر کوئی اعتراض ایسا نظر نہ آیا جسے میں تسلیم کر سکتا اتنے دنوں میں فقط نثر کی اک عبارت میں اور وہ بھی روا روی کے سبب اک سہو القلم واقع ہوا تھا جس کا میں نے فوراً اعتراف کر لیا ورنہ اب تک کسی مصرعے پر میں نے کوئی صحیح اعتراض نہیں دیکھا ۔ ان لوگوں کی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کے ہنر میں (اپنی مجموعی طاقتوں کے ساتھ) اب تک کوئی معقول عیب نہ نکال سکے امید ہے کہ اس خط کی رسید سے مطلع فرمائیں گے اور "اساتذہ لکھنؤ" کا جو کچھ جواب آئے وہ میرے پاس روانہ فرمائیں گے ۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ یہ حضرات شاید ہی جواب دیں اور دیں گے بھی تو غالباً پرانی پالیسی کے تحت ۔ کمترین

مرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی سب رجسٹرار

اساتذہ مذکور کو آپ جو خط لکھیں تو جوابی ٹکٹ بھی ضرور بھیج دیں ۔

(۱)

جودھپور

۱۴ جنوری ۳۳ء

مکرمی سلام علیکم

مجھے آپ کی کتاب نغمہ اور اسلام کی اشد ضرورت ہے غالباً آپ نے دیکھا ہوگا کہ اخبار میں میرے خلاف سخت پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ میں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے گانا سنا ، براہ کرم مطلع فرمایئے کہ کہاں سے ملے گی ؟ پڑھے ابانے کہا تھا کہ آپ نے کسی ادارہ کو یا اور کسی کو دے دی ہے ۔ از راہ کرم مجھے پتہ بتایئے اور نیز اس میں سے اقتباسات بصورت پمفلٹ شائع کرنے کی اجازت مرحمت کیجئے ۔ امید کہ جناب مع الخیر ہوں گے ۔ فقط والسلام

عظیم بیگ چغتائی

(۱)

دریا آباد بارہ بنکی

بسم اللہ

مکرمی وعلیکم السلام ۔ آپ کا مراسلہ مع اپنے نوٹ کے اگلے شمارہ (نمبر ۱۰) میں ان شاء اللہ نکلے گا ۔ آپ کا مکتوب جس لہجہ میں ہے کاش چغتائی صاحب آپ ہی سے اسے سیکھ لیتے ۔ سماع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ تو مدتوں سے زیر بحث چلا آرہا ہے ۔ اور کوئی اصولی ، اساسی مسئلہ ہے بھی نہیں لیکن یہ لکھنے کی آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ گانا سننا اور ناچ دیکھنا سنت رسول ہے ؛ معاذ اللہ ! آپ ہی فرمایئے ایسی گستاخیوں پر کوئی مسلمان کیسے صبر کرے ۔

یا مثلاً یہ لکھ بیٹھنا کہ . . . . . بخدا ایسے الفاظ نقل کرتے ہوئے میرا دل لرزجاتا ہے ، یہ چغتائی صاحب کیسے مسلمان ہیں کہ بے تکلف ان خرافات کے مدعی ہو بیٹھتے ہیں ۔ والسلام

عبدالماجد

نمبر ۹ جو چھپ چکا ہے اس میں لفظ "سلالہ" کے معنی پر ایک مفصل نوٹ ہے ۔
دفتر لکھ رہا ہوں کہ ایک پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے ۔

(۱)

بنارسی باغ لکھنو ۔

۱۴ – ۵ – ۷

مخلص ، یاد آوری کا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ محبت کی نزاکت رسمیات کا بار نہیں اٹھا سکتی اس طرح جواب میں تاخیر ہو جانے کی معذرت خواہی بھی فضول ہے ، اس وجہ سے کہ روزی ۔ وقت کی پابندی نہیں ہو سکتی ۔

میکش صاحب ۔ ہمارے آپ کے راستے کس قدر ایک دوسرے سے جدا ، اور ہماری زندگیاں کس درجہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہم ایک دوسرے کی طرف کھنچنے پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں ۔ لہٰذا ایک دوسرے کو عالم تصور کے رومانی

معندے میں محوِ خرام دیکھا کرتے ہیں ۔ میں دل میں آپ کے خط آنے سے دو تین روز پیشتر یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بیکش بھی عجیب شخصیت کا مالک ہے، جو فرصت کے لمحوں میں میرا تعاقب کرتا رہتا ہے۔ شاید آپ اس وقت مجھے خط لکھ رہے ہوں گے۔ اور اسی کی لہریں میرے دل سے مس ہو رہی ہوں گی۔

مدت سے آگرے آنے کو جی چاہ رہا ہے، وہاں کے در و دیوار آنکھوں کے نیچے پھرا کرتے ہیں اور بعض اوقات تڑپ تڑپ کر اڑ جانے کی آرزو کرنے لگتا ہوں، مگر حالات کی عدم مساعدت اُٹھنے تک کی اجازت نہیں دیتی۔

گرمی یہاں شدت کے ساتھ پڑ رہی ہے اس وقت بھی جب کہ شام کا وقت قریب ہے پسینے میں نہایا ہوا بیٹھا ہوں اور سخت بے کیفی کے عالم میں خط لکھ رہا ہوں۔ کشمیر جانے کا ارادہ ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ "پروردگارِ عالم کی رحمت کا ل نشانہ بن" بننا بھی ہونے دے گی کہ نہیں۔ ایک میرے مکان کے سامنے کی زندہ عجائب گھر کی نرا گا ہے جو پہاڑ جا چکی ہے اور ہر سال جایا کرتی ہے۔ ایک ہم گناہ گار بندے ہیں جو لکھنو کی گرمی میں جلنے اور گلنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔

سو سال اگر خزاں کے تو دو دن بہار کے
قرباں ہجومِ رحمتِ پروردگار کے

آپ کا

مرحوم جوش

(۲)

دہلی ۱۱-۱۱-۳۸

برادرِ ذہنی، رفیقِ روحانی، کس قدر پرمغز عبارت ہے خط کی اور محبت کے نازک پہلوؤں پر کس قدر اختصار آمیز روشنی ڈالی ہے۔ مگر یہ باتیں آپ کو معلوم ہوئیں کہاں سے؟ بسم اللہ کے گنبد کے اندر یہ۔ باب بھا! کس سے یکھا ہے یہ "ز" کرنے کی مدیا ہے "آپ نے نظری طور سے محبت کے بھید کیونکر معلوم کر لئے؟

ممکن ہے اس پردۂ زہد و ورع کے پیچھے کوئی کافر ادا تبسم ریز رہا کرتی ہو، کیسے معلوم، آپ ہی روشنی ڈالیں۔

میرے حالات نہ پوچھئے۔ سر چکرانے اور دل دھڑکنے لگا۔ صرف اس تصور سے کہ اب تک سانس لے رہا ہوں۔

دلِ برباد کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا چاہتا ہے کہ اس راہ سے لشکر گزرا (میر)

بس۔ الحفیظ والاماں۔ میرے سینے کے اندر بادل گرج رہے ہیں، خوفناک بادل۔ طوفانی بادل۔

جوش

ذرا غور تو کیجئے میری حالت پر فکرِ معاش بھی ہے، غمِ عشق بھی ہے اور تمنائے معرفت بھی ہے۔ تقدیر نے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اپنے تمام حربوں کے ساتھ حملہ آور ہو رہی ہے اگر میں اس طوفان میں قائم رہا تو نپولین اور سکندر کی عظمتیں میرے پاؤں چومیں گی

بنام معین الدین

(۱)

۱۷ علی پور روڈ سول لائنز   دہلی ۲۸ جنوری ۵۰ء

میرے مہربان معین صاحب!

تسلیم! ۲۵ دن کا عنایت نامہ کل پہنچا۔ شکریہ اشتہار خفیف سی ترمیم کے ساتھ واپس ہے۔ نہتا رانا آپ نے پڑھا ہی۔ یہاں میری تو ساری عمر اسی تلقین و تبلیغ میں کٹی کہ ہندو مسلمان باہم آشتی اور رواداری سے رہیں۔ مگر — جب کیفیہ چھپ جائے تو ایک کاپی خط کے ساتھ ان کو ضرور بھیجیے۔ سمجھ لیجیے یہ میرے بھتیجے ہیں اور بیٹے جیسے عزیز۔ گوڑگاؤں سے نکلے ہوئے مہاجر ہیں:—

MOHAMMAD ZAFAR M.A LL.B. VAKIL, MIAN WALI

اب یہ سنیے۔ ہماری ایک کوٹھی آپ کے ماڈل ٹاؤن میں ہے۔ چودہ کنال زمین (دو بلاٹ) پر بنی ہے اوپر کی منزل پر بھی تین کمرے بجلی اور فلش ہے۔ شاگرد پیشہ اور موٹر گراج ہے ۸۷-۷۷ ڈی بلاک اس کا نمبر اور پہ گول باغ درمیں بھی ہے — سیدھی سڑک ختم ہو کر جہاں چکر کی سڑک شروع ہوتی ہے داہنے ہاتھ کو تھوڑی دور جا کر اسی گول سڑک پر ہے پاکستان نے متروکہ جائدادوں کی بابت اب کچھ سہولتیں دے دی ہیں۔ اس لئے اسے علیحدہ کرنا منظور ہے آپ اس معاملے میں کیا مدد کر سکتے ہیں۔

کوئی صاحب ہیں (محبوب عالم) SHEIKH MAHBUB ALAM. P.O. BOX NO 207, 26

THE MALL, LAHORE, ALLODINE PROPERTY BROKERS

انہوں نے پوچھا ہے اور تبادلہ یا فروخت کے بارے میں اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔ امید کہ اس بارے میں آپ مفصل مشورہ دیں گے۔ میں نے ان صاحب کو ابھی جواب نہیں بھیجا ہے۔

بھائی صاحب کو سلام و شوق۔ امید کہ سب خیریت ہوگی۔   اخلاص کیش

برجموہن دتاتریہ کیفی

(۲)

۱۷ علی پور روڈ، سول لائنز دہلی   ۲۲ نومبر ۵۰ء

میرے محب و مکرم معین صاحب

سلام و دعا، عنایت نامے کا شکریہ، اس سے پہلے منشورات کا پیکٹ پہنچا تھا۔ چھ کاپیاں تھیں۔ گویا کاغذ اور طباعت وغیرہ کی جو کمی کیفیہ میں تھی وہ بہ درجہ احسن منشورات میں پوری کر دی گئی۔ کیا دیدہ زیب بنی ہے!

جی ہاں، ابھی تک کہیں سے روپیہ نہیں آیا۔ امید ہے آپ کی تاکید کارگر نکلے گی۔ مکتبہ ابراہیمیہ والوں کی اس حرکت کا سن کر افسوس ہوا معلوم نہیں ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟

دوسرے پارسل کا انتظار ہے جس میں آپ فرماتے ہیں واردات اور نہتا رانا وغیرہ ہیں۔ بہت خوشی سے آپ کے مضمون پڑھوں گا۔ خوش اور ناخوش ایک بات سے میں نہیں ہوا کرتا مگر نہتا رانا کی نسبت آپ کے جذبات کے مخلصانہ اظہار نے مجھے ضرور خوش کیا۔ بھائی بُرائی سے مبرّا تو ذات اللہ کی ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اپنی عمر کا بڑا حصہ اسی تلقین اور تبلیغ میں گزرا کہ دونوں آشتی اور محبت سے رہو۔ میں فارغ البال کبھی نہ تھا۔ لیکن نہتا رانا کی بہت سی کاپیاں میں نے مفت تقسیم کیں۔ واردات میں دیکھئے ایک ترکیب بند صدائے کیفی اور اسی میں ابیات نامے کے عنوان کے نیچے ملیات وغیرہ۔ یہ میرا مزاحیہ یا طنزیہ کلام ہے۔ خیر یہ ایک سزا ہو کسی بہت بڑے گناہ کی کہ میں ۱۹۴۷ء اور اس کے ملتہ ہنگاموں کے دیکھنے کو زندہ رہا۔ کاش لوگ ابھی کچھ سمجھتے۔ حضرت بلھے شاہ کی اس کافی کو دوہراتا ہوں :- "موڑ دلاں دی باگاں نوں" اور دیکھ رہا ہوں جو کچھ ہو رہا ہے۔ معاف کیجیے خط لمبا ہوا جاتا ہے بھائی صاحب کو سلام و شوق اور سب کو دعا۔

صحت میری اب کچھ گرنے لگی ہے، سردیوں میں میری تکلیفیں بڑھ جایا کرتی ہیں، جو اللہ کی مرضی۔

کیفیؔ

(۳)

۱۷، علی پور روڈ۔ سول لائنز دہلی

۲۸ دسمبر ۴۹ء

مہربان میرے

آداب۔ مجھ سے مولوی عبدالحق صاحب نے پوچھا تھا میں نے لکھ دیا کہ آپ میری اجازت سے کیفیہ چھاپ رہے ہیں۔ آپ اطمینان رکھئے۔ مولوی صاحب کے اور میرے تعلقات ایسے نہیں کہ ایک کتاب کے پیچھے ٹوٹ جائیں۔

میں آپ کو بتا دوں انجمن نے اسے کیوں چھاپا تھا آپ کو معلوم ہوگا حیدرآباد کے عطیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ ہر سال خاص تعداد کتابوں کی شائع کریں اس میں کمی پڑی۔ میری یہ کتاب تیار تھی۔ مولوی صاحب کو معلوم تھا۔ ان کو دے دی۔ اس شرط پر کہ ایک اڈیشن چھاپ کر جو خالص منافع ہو وہ میری طرف سے فنڈ میں جمع ہو۔ بس کوئی معاوضہ کیفیہ کے لئے میں نے نہیں لیا۔

معاف کیجئے مضامین پطرس کی رسید اور شکریہ تو بھول ہی گیا تھا۔ شکریہ قبول فرمایئے۔ تصویر کے لئے اور بھی ممنون ہوں۔

ایک تکلیف کے لئے معاف کیجئے میری ایک کتاب ایک تمثیل مشاعرہ کہیں بکتا ہو تو دو کاپیاں اس کی لے کر مجھے بھیج دیجئے اور واردات (میرے دیوان) کی چار پانچ کاپیاں میرے لئے خرید لیجئے اور خرچ کیفیہ کی رقم میں سے منہا کر لیجئے۔

اپنے والد محترم کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے اور شوق ملاقات۔

نیازمند

برجموہن دتاتریہ کیفیؔ

(۱)

ایرٹوپا، کوہ مری ۱۶ راگست

عزیزم معین

آپ کی فرستادہ سب کتابیں مل گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ نسخۂ حمیدیہ نہ ملا اور نہ طباطبائی کی شرح میں نے آپ کے بھائی سے کہا تھا کہ شعر العجم کی چار یا پانچ جلدیں بھجوا دیں۔ کیونکہ مجھے غالب کے فارسی فلسفیانہ اشعار کی شرح میں وہاں سے حوالے لینے ہوں گے امید ہے کہ وہ پیغام آپ کو مل گیا ہوگا۔

میں نے آپ کی کتاب کا کام شروع کر دیا ہے انشاء اللہ تین ماہ میں یہ کتاب مکمل ہو جائے گی۔ اور اچھی کتاب ہوگی۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کو میں نے اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کی شرائط قبول کر لیں۔ آپ اب ان کو براہِ راست بھی لکھ سکتے ہیں اور تصنیف کر سکتے ہیں۔ ان کو لکھ دیجئے کہ زیادہ رقم کا وعدہ کرنے والے ناشر اکثر دھوکا دیتے ہیں اور زیادہ کتابیں چھاپ لیتے ہیں۔ ہم ایسے لوگ نہیں ہیں اور خلیفہ صاحب ہماری دیانتداری کے ضامن ہیں۔ بہر حال ان سے معاملہ کر لیجئے۔ میں ابھی ایک ادھ ماہ نہیں آؤں گا۔ آئندہ ماہ کے وسط میں لاہور پہنچوں گا۔ تب تک آپ کی کتاب ایک تہائی ہو چکی ہوگی۔ نیاز مند

عبدالحکیم

(۲)

پنسنز ہوٹل، نتھیا گلی یکم جولائی

عزیزم معین الدین

خط آپ کا ملا آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک خط لکھا تھا وہ خط مجھے نہیں ملا ورنہ میں ضرور جواب دیتا ' افکار غالب ' کے باقی کی دُم برسوں سے اٹکی ہوئی ہے۔ اب مجھے یاد بھی نہیں۔ کہ کہاں تک لکھا تھا اور کیا باقی رہ گیا تھا۔ اتنا یاد ہے کہ فارسی دیوان کے اشعار اور کچھ مضامین پر لکھنا باقی تھا۔ اب میرے پاس یہاں کچھ مسالہ نہیں۔ فارسی دیوان بھی لاہور میں چھوٹ گیا اور کچھ منتخب اشعار بھی جو میں نے درج کئے تھے وہ کاغذات بھی وہیں چھوٹ گئے یہاں سے تو میں ابھی تین مہینے نہیں ہلوں گا۔ ایک انگریزی تصنیف میں مبتلا ہوں۔ اب یہاں بیٹھے ہوئے افکار غالب کی تکمیل ایک ہی صورت میں ہو سکتی ہے کہ فارسی کا دیوان کہیں سے مستعار لے کر مجھے بھیج دیجئے، اور پریس میں بھیجی ہوئی تمام کاپیاں آخری پروف دیکھنے کے لئے مجھے پارسل کر دیجئے پروف بھی پڑھ لوں گا اور یہ بھی دیکھوں گا کہ کہاں تان ٹوٹی تھی اور اس کے آگے کتنا راگ الاپنا باقی ہے۔ جتنی توفیق ہو گی اتنے صفحات اور لکھ کر ان پروفوں کے ساتھ قلیل مدت کے اندر واپس کر دیئے جائیں گے۔ اس کے سوا کتاب کے جلد مکمل ہونے اور شائع ہونے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔ یہ بھی غیر شعوری طور پہ غالب ہی کا مصرعہ ہو گیا۔

عبدالحکیم

(۳)

پی او اپر ٹوپا ، مری ہلز

۱۱ ، جولائی ۹۴۹ء

برخوردار معین الدین

اسلام علیکم - آپ کا خط مل گیا تھا ، کتابیں آپ کی فرستادہ پہنچ گئی ہیں - چغتائی کے نسخہ کی کچھ ضرورت نہیں وہ نہ بھیجئے البتہ نسخہ حمیدیہ (بھوپالی نسخہ) مل جائے تو ضرور بھیجئے - اس کے علاوہ غالب کے مکاتیب اردو اور فارسی جہاں سے ملیں مہیا کر بھیجئے اور وہ خطوط زیادہ تر اردوئے معلیٰ میں ہیں - وہ بھی بھیج دیجئے اور اس کے علاوہ اگر کچھ چھپے ہوں تو وہ بھی - غلام رسول مہر کی کتاب غالب پر لاہور میں مل جائے گی وہ بھی بھیجئے ، اور طباطبائی کی شرح کی بھی تلاش رکھئے - یہ دو چار چیزیں آجائیں تو کتاب اچھی لکھی جائے گی ورنہ ان کے بغیر ہی کام چلایا جائے گا میں عنقریب لکھنا شروع کردوں گا - تین چار ماہ میں انشا اللہ آپ کو کتاب مل جائے گی -

ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کو میں نے آپ کے متعلق ایک اور خط لکھ دیا ہے کہ آپ سے معقول سودا کرلیں اور زیادہ کڑی شرطیں نہ لگائیں دیکھیں کیا کرتے ہیں - آپ اپنا گھر دیکھ کر سودا کیجئے گا ایسا نہ ہو کہ ناشریت شروع کرتے ہی سر پر اسے پڑ جائیں -

عبدالحکیم

(۱)

عزیزی معین الدین - دعا - تمہارا کارڈ ملا - خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے بحیثیت والدہ کے یاد کیا ، میرا غم زدہ دل کافی متاثر ہوا ، خوش رہو ، خدا تمہارے کاروبار میں ترقی دے -

میں اپنی حالت کیا لکھوں - مرحوم ہی کی جدائی نے مجھے زندہ درگور کردیا تھا - اس پہ ۱۹ سال کی جوان اولاد شاید مرحوم کے داغ نے رہے سہے دل و دماغ کو بالکل ہی برباد کردیا - ادھر ایک سال سے مجھے بلڈ پریشر کی شکایت ہوگئی ہے - برابر دورہ پڑا کرتا ہے تاہم خدا کا شکر ہے - وہ جس حال میں رکھے -

تمہاری

والدہ

(۲)

عزیزی معین الدین

دعا ! چونکہ تم مجھے والدہ لکھتے ہو - اس لئے میں بجائے آپ کے تم لکھ رہی ہوں - میں نے جو کچھ تمہیں لکھا اس کی وجہ صرف اجنبیت تھی - بے اعتباری نہیں - لہٰذا جس روز میں نے تمہیں کارڈ لکھا - اسی روز جناب شیخ مبارک علی صاحب کو بھی ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے متعلق لکھا تھا - اب ان کے جواب کا انتظار ہے - جواب آنے پر میں تمہیں اس کے بارہ میں لکھوں گی - خاندانی خطوط کی اشاعت کا بھی عرصہ سے ارادہ ہے - اس کے متعلق بھی میں نے انہیں لکھا ہے -

ہاں! مکاتیب مہدی کی قیمت ۸ روپے ہے۔ صرف تاجروں کو ۲۵ فی صد کمیشن دینی تھی۔ لیکن شیخ صاحب کو میں نے کافی رعایت کے ساتھ کتابیں بھیجیں۔ اس لئے کہ جب اول بار میں نے خود افادات کی اشاعت کرائی تھی تو اس وقت شیخ صاحب نے میری بہت امداد کی تھی لیکن ایک اور تاجر نے اب مکاتیب کی جلدیں مانگیں تو انہیں میں نے اسی حساب سے بھیجیں، یعنی اصل قیمت پر ۲۵ فی صدی کمیشن۔ جیسا کہ تمہیں لکھ چکی ہوں۔

مہدی بیگم

۱۸ - ۱ - ۴۲

ملک احمد نواز

اشاریہ[1]
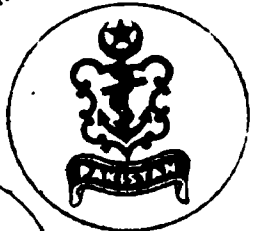
رسالہ نقوش

(مصنف وار)

نمبر ۱ ———— ۱۰۸

۱۹۴۸ ———— ۱۹۶۷ء

آرزو، رضا بلگرامی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۶۹۶ -- ۶۹۷، نومبر ۱۹۵۷ء -

آرزو، سراج الدین علی خاں - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۴۴۹ — ۴۵۱ جون ۱۹۶۴ء -

آرزو، مختار الدین احمد ا- ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۰۲ — ۱۰۰۴ نومبر ۱۹۵۷ء

۲- شمس العلماء ڈاکٹر ضیاء الدین احمد خاں دہلوی - ۹۶ : ۱۲۳ - ۱۳۴ جنوری ۱۹۶۳ء

۳- قتیل دہلوی تھا یا فرید آبادی ؟ - ۲۹ -- ۳۰ : ۱۷ - ۲۹ فروری، مارچ ۱۹۵۳ء - (رسالہ نمبر ۷۹ - ۸۰ : ۶۴ - ۶۸ اپریل ۱۹۶۰ء)

۴- کربل کتھا - ۱۰۵ : ۲۵ - ۵۱ مئی، جون ۱۹۶۶ء - (مالک رام : شریک مقالہ -)

۵- مالک رام - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۴۶۱ - ۱۴۶۷ - اکتوبر ۱۹۵۶ء

۶- مختار الدین احمد آرزو (خود نوشت سوانح) - ۱۰۳ : ۱۹ - ۲۸ - ستمبر ۱۹۶۵ء

۷- مصر کا ایک نامور مصنف — احمد امین (تاثرات) - ۱۰۷ : ۲۶ — ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء

۸- مکاتیب سرسید - ۳۱ - ۳۲ : ۴۳ - ۴۸ مئی، جون ۱۹۵۲ء —

آرزو لکھنوی، سید انور حسین - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۶۸۱ - ۶۸۴ نومبر ۱۹۵۷ء

آزاد، ابو الکلام - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۷۰ - ۹۷۱ نومبر ۱۹۵۷ء

آزاد، اظہر علی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۷۹۵ — ۷۹۶ نومبر ۱۹۵۷ء

---

[1] صرف مضامین کی حد تک !

آزاد، جگن ناتھ - ۱- برٹش میوزیم اور سکول آف اورینٹل سٹڈیز- ۱۰۱ : ۱۴۱ - ۱۴۶ نومبر ۱۹۶۴ء -

۲- تلوک چند محروم- (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۹۰ : ۹۵۶ - ۹۶۹ - اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۳- بہجت والد - ۱۰۸ : ۱۸۱ — ۱۹۲ ستمبر ۱۹۶۷ء -

آزاد، محمد حسین - ۱- خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۲۱ — ۱۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء -

۲- مکاتیب - (دس سالہ نمبر) ۷۹ — ۸۰ : ۵۸۸ — ۵۸۹ اپریل ۱۹۶۰ء -

آزاد۔ انصاری الطاف احمد ، خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۲۳ — ۸۲۴ - نومبر ۱۹۵۷ء -

آزاد سُبحانی، عبدالقادر - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۲۰ نومبر ۱۹۵۷ء -

آسمان جاہ، سر - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۷۹۴ — ۷۹۵ نومبر ۱۹۵۷ء -

آسی، عبدالباری - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۱۶ — ۸۲۰ نومبر ۱۹۵۷ء -

آغا مرزا دہلوی، نواب سرور الملک - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) ۱۰۰ : ۶۲۳ — ۶۶۹ جون ۱۹۶۴ء -

آغا یمین - عشقی ہمدانی ——— ایران کا ایک انقلابی اور شہید وطن شاعر - ۶۹ - ۷۰ : ۲۴۰ — ۲۴۵ جون ۱۹۵۸ء -

آفتاب احمد - ۱- بنام مرشد نازک خیالاں ! ——— فراق صاحب کی خدمت میں چند گذارشات - ۳۳ - ۳۴ : ۸ — ۱۴ اگست، ستمبر ۱۹۵۳ء -

۲- غالب اور جدید شاعری - ۶۹ - ۷۰ : ۲۲۵ — ۲۳۲ - اکتوبر ۱۹۵۰ء -

۳- قدیم مشاعرے کی ادبی اہمیت - ۶۱ - ۶۲ : ۲۸۲ — ۲۸۵ - جنوری / فروری ۱۹۵۷ء -

آفتاب احمد، سر - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۰۹ — ۸۸۱ نومبر ۱۹۵۷ء -

ابنِ سعید - قرۃ العین حیدر - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۴۲۹ — ۴۳۵ - جنوری ۱۹۵۵ء -

ابوسعید قریشی - رحمدل دہشت پسند - ۴۹ - ۵۰ : ۳۳۹ — ۳۴۰ ، ۱۹۵۵ء -

ابوطالب خان اصفہانی، میرزا - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) ۱۰۰ : ۶۱۴ — ۶۲۲ جون ۱۹۶۴ء -

ابواللیث صدیقی - ۱ - اردو ادب کے موجودہ میلانات - ۱۵ - ۱۶ : ۳۲ - ۳۷ ۔ دسمبر ۱۹۵۰ء

۲ - اردو غزل - ۳۵ - ۳۶ : ۴۹ — ۵۲ ، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء (یہ مضمون اردو غزل تقسیم کے بعد کا ابتدائی حصہ ہے)

۳ - مجاز - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۹۰ : ۹۱۴ — ۹۱۶ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۴ - مصحفی کی غزل - ۱۱ - ۱۲ : ۴۱ - ۴۸ مئی ۱۹۵۰ء -

۵ - تذکرہ - ۴۹ — ۵۰ : ۲۶۱ - ۲۶۶ ، ۱۹۵۵ء -

۶ - نظیر اکبر آبادی کا عہد —— ان کے کلام کی روشنی میں - ۲۱ - ۲۲ : ۱۴۳ — ۱۴۸ مئی ۱۹۵۲ء -

۷ - واجد علی شاہ کی ایک نایاب تصنیف —— بنی - ۲۹ — ۳۰ : ۳۵ - ۵۵ فروری، مارچ ۱۹۵۳ء -

۸ - واجد علی شاہ کی ایک نادر تصنیف —— (دس سالہ نمبر ۱) - ۷۹ — ۸۰ : ۲۴۰ — ۲۶۳ اپریل ۱۹۶۰ء -

۹ - ہمیں کیا کرنا چاہیے - ۵ ، ۶۳ — ۶۸

اثر، امداد امام، خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۲۵۶ — ۲۵۸ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

اثر صہبائی ، ا.ن. اے - رحمٰن - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ — ۶۰ : ۱۲۱۷ — ۱۲۲۵ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

اثر لکھنوی جعفر علی خان - ۱ - امریکی بنجارہ نامہ - ۲۱-۲۲ : ۲۴۰ — ۲۴۲ مئی ۱۹۵۲ء -

۲ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۱۰۰۰ — ۱۰۰۱ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۳ - پطرس کے مضامین - (پطرس نمبر) - ۷۵-۷۶ : ۱۶۲ — ۱۶۳ ، ستمبر ۱۹۵۹ء -

۴ - خالص شاعری (جے مڈلٹن مرے کے ایک مضمون کا اُردو زبان میں خلاصہ) - ۲۷-۲۸ : ۷۰ — ۷۷ ، نومبر، دسمبر ۱۹۵۲ء -

۵ - رام بابو سکسینہ - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ — ۶۰ : ۹۴۹ — ۹۵۰ - اکتوبر ۱۹۵۶ء

۶ - شوکت — ہم عصروں کی نظر میں - (شوکت نمبر) - ۹۹ : ۲۳ — ۳۷ ، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۷ - کیا میرؔ کی شاعری میں فکر و نظر کی کمی ہے؟ - ۷۷ — ۷۸ : ۲۲۰ — ۲۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء -

اجمل خاں، حکیم - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ — ۶۶ : ۳۸۶ — ۳۸۹ نومبر ۱۹۵۷ء -

احتشام حسین، سید - ۱ - آتش کی صوفیانہ شاعری - ۸ : ۱۳ — ۱۷ ، ۱۹۴۹ء - (دس سالہ نمبر) - ۷۹-۸۰ : ۱۵۴ — ۱۶۰ ، اپریل ۱۹۶۰ء -

۲ - ادیب ، حب الوطنی اور وفاداری - ۴ : ۵۴ - ۱۵[1]

۳ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ — ۶۶ : ۱۰۰۵ — ۱۰۰۶ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۴ - جوشؔ ملیح آبادی - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷-۴۸ : ۶۱۶ — ۶۲۴ ، جنوری ۱۹۵۵ء -

۵ - سید اعجاز حسین - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ — ۶۰ : ۱۰۴۵ — ۱۰۵۱ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۶ - قطب مشتری کی لسانی خصوصیات - ۱۹ — ۲۰ : ۱۸۵ — ۱۹۰ -

اسرار نقوی - ایچی بی نارکا قضیہ - ۱۰۱ : ۱۴۷ — ۱۵۲ ، نومبر ۱۹۶۴ء -

۲ - سرشار بہ حیثیت انشائیہ نگار - ۱۰۴ : ۲۶۱ — ۲۶۷ ، جنوری ۱۹۶۶ء -

احسن علی خاں - جنوب مشرقی ایشیا کی سیاست - ۱۰۱ : ۵۴۰ — ۵۵۴ ، نومبر ۱۹۶۴ء

احسن فاروقی ، محمد ۱ - اسلامی ادب کیوں نہیں ! ۳۱ - ۳۲ : ۹ — ۱۴ ، مئی ، جون ۱۹۵۳ء -

۲ - انگریزی ناول کا اُردو ناول پر اثر - ۲۹ - ۳۰ : ۱۵۰ — ۱۵۷ فروری ، مارچ ۱۹۵۳ء -

۳ - بیکیچیو کی ڈیکامیرون - ۴۷ - ۴۸ : ۶۷ — ۷۳ ، مئی ۱۹۵۵ء -

۴ - پطرس بہ حیثیت مزاح نگار - (پطرس نمبر) ۷۵ - ۷۶ : ۱۲۶ - ۱۳۲ ، ستمبر ۱۹۵۹ء -

۵ - تخلیق اور تکنیک - ۱۰۷ : ۹۰ — ۹۲ - مئی ۱۹۶۷ء -

۶ - شعور کی رو اور ناول نگاری - ۱۰۴ : ۱۸۶ — ۱۹۳ ، جنوری ۱۹۶۶ء -

۷ - کولرج کی بائیوگرافیہ لٹریریہ - ۹۰ : ۸۳ — ۹۴ ، اکتوبر ۱۹۶۱ء -

۸ - مغرب کے بہترین افسانے - ۸۷ : ۷۴ — ۸۱ ، فروری ۱۹۶۱ء -

---

[1] بعض پرچوں پر صرف شمارہ نمبر ہیں - سن اور مہینہ نہیں -

اختر مسعود ۔ (مترجم) کیا مذہب کا امکان ہے؟ (IS-RELIGION POSSIBLE.) کا ترجمہ ۱۳ : ۱۹ — ۲۶ ۔

اختر الایمان ۔ میراجی کے آخری لمحے ۔ ۲۷ - ۲۸ : ۱۲۲ - ۱۲۳ ، نومبر، دسمبر ۱۹۵۲ء ۔ (بنام قیوم نظر)

اخلاق احمد دہلوی ۔ ۱ ۔ ادب برائے ماتمیت ۔ ۳۹ - ۴۰ : ۲۰ - ۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء ۔

۲ ۔ ردی کے بھاؤ ۔ ۱۵ - ۱۶ : ۹۱ - ۹۴ دسمبر ۱۹۵۰ء ۔

۳ ۔ سر اٹھایا تھا کہ سنگ یاد آیا : ۲۱ - ۲۲ : ۱۶۵ - ۱۶۸ ، مئی ۱۹۵۲ء ۔

۴ ۔ عصمت چغتائی ۔ ۳۷ - ۳۸ : ۴۲۰ - ۴۲۱ جنوری ۱۹۵۴ء ۔

ادا جعفری ۔ شگوفے ۔ میری پہلی نظم ۔ ۱۰۳ : ۵ — ۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء ۔

ادارہ ۔ ۱ ۔ روسو اور والٹیر کی سرزمین، رودادِ عالمگیر امن کانگرس پیرس ۔ (عالمگیر امن نمبر) ۷ : ۳۶ — ۴۰ ۔

۲ ۔ عالمگیر امن کانگرس (پیرس) کا منشور (عالمگیر امن نمبر) ۔ ۷ : ۵۰ - ۵۱ ۔

ادیب، مسعود حسن سید ۔ ۱ ۔ ایک خط ۔ (مکاتیب نمبر) ۔ ۶۵ — ۶۶ : ۹۹۰ - ۹۹۱ ، نومبر ۱۹۵۷ء

۲ ۔ برج بھاشا کی پہلی گرامر ۔ ۵۱ - ۵۲ : ۲۰۶ - ۲۱۹ ، جولائی ۱۹۵۵ء ——— (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۱۹۹ - ۲۱۳ ، اپریل ۱۹۶۰ء

۳ ۔ شہر آشوب ۔ ۱۰۲ : ۵ - ۴۵ ۔ ۱۹۶۵ء ۔

۴ ۔ نواز اور شکنتلا ناٹک ۔ ۹۸ : ۲۲ — ۳۸ ، جون ۱۹۶۳ء

ادیب، میرزا ۔ مخفی کہستانی ۔

ادیب بزمی ۔ (شخصیات نمبر ۱) ۔ ۴۷ - ۴۸ : ۳۴۳ - ۳۴۰

ابو سعید بزمی ۔ (شخصیات نمبر ۲) ۔ ۵۹ — ۶۰ : ۹۰۱ — ۹۰۹ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء ۔

اردو افسانے میں روایت اور تجربہ (مذاکرہ) ۔ ۳۷ - ۳۸ : ۴۶۵ — ۵۰۱ جنوری ۱۹۵۴ء

حصہ لینے والے : وقار عظیم، عبادت بریلوی، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، حمید اختر اور شوکت تھانوی ۔

اردو افسانے میں روایت اور تجربہ ۔ (مذاکرہ) ۵۳ - ۵۴ : ۱۰۲۰ — ۱۰۶۲ ، ستمبر ۱۹۵۵ء ۔

حصہ لینے والے : منٹو، ندیم، وقار عظیم، عبادت بریلوی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ، انتظار، شوکت اور حمید اختر ۔

ارشد تھانوی ۔ ۱ ۔ رئیس احمد جعفری ۔ (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ — ۶۰ : ۱۰۱۵ — ۱۰۱۸ ۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء ۔

۲ ۔ شوکت سلمہ ۔ جناب مرحوم و مغفور ہو گیا ۔ (شوکت نمبر) ۔ ۶۹ : ۴۳۵ — ۴۵۴ ، ستمبر ۱۹۶۳ء ۔

اردو غزل کا مستقبل ۔ (ضمیمہ غزل نمبر) ۔ ۴۳ — ۴۴ : ۲۳۳ - ۲۴۷ ، جولائی، اگست ۱۹۵۴ء

حصہ لینے والے : ۔ چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، ابواللیث صدیقی، وقار عظیم، عبادت بریلوی، حفیظ جالندھری، حامد علی خاں، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، احمد ندیم قاسمی، سبط حسن، احسان دانش، ظہیر کاشمیری اور حبیب اشعر ۔

ازہر، غلام رسول ۔ ملک حبیب احمد خان ۔ ۶۳ - ۶۴ : ۲۸۵ — ۲۹۸ جون ۱۹۵۷ء ۔

اسلامی ادب کا مسئلہ —— چند اہلِ قلم کے تاثرات - ۳۹ - ۴۰ : ۴۱ —— ۵۰، مارچ ۱۹۵۴ء
لکھنے والے :- آفتاب احمد، محمد احسن فاروقی، حامد حسن قادری، عبادت بریلوی اور ابو اللیث صدیقی -
اسلم، ایم - مولوی شاہد احمد دہلوی - ۱۰۸ : ۵ - ۱۵، ستمبر ۱۹۶۷ء
اسلم جیراجپوری - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۱۸، نومبر ۱۹۵۷ء -
اسلوب احمد انصاری - ۱ - ادب میں روایت اور تجربہ - ۹۸ : ۷۳ —— ۷۷، جون ۱۹۶۳ء -
۲ - ادبی تاریخ اور ادبی تنقید - ۱۰۷ : ۵۵ - ۶۲، مئی ۱۹۶۷ء -
۳ - گنج ہائے گراں مایہ - ۴۵ - ۴۶ : ۱۹۵ - ۱۹۹، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۴ء -
۴ - شگفتہ - ۸۸ : ۶۹ - ۷۳، مئی ۱۹۶۱ء -
اسمٰعیل احمد مینائی - امیر مینائی - (شخصیات نمبر۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۳۹۶ - ۱۴۰۳، اکتوبر ۱۹۵۶ء -
اسمٰعیل حسن خان ملک - ۱ - غالب کے اردو قصائد - ۱۰۶ : ۹۸ —— ۱۱۲، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء -
۲ - یگانہ بہ حیثیت غزل گو - ۱۰۳ : ۲۷۵ —— ۳۰۰، ستمبر ۱۹۶۵ء -
اسیر، فدا حسین - مندر - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۶۷۵ —— ۶۸۲ : فروری ۱۹۶۲ء -
اشرف صبوحی - مرزا محمد سعید - (شخصیات نمبر۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۲۷۵ -- ۲۷۹، جنوری ۱۹۵۵ء -
اشک، اوپندر ناتھ - ۱ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ —— ۶۶ : ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱، نومبر ۱۹۵۷ء -
۲ - منٹو —— میرا دوست - (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۵۰۳ - ۵۲۷، اپریل ۱۹۶۰ء -
۳ - منٹو —— میرا دشمن - ۴۹ —— ۵۰، ۳۱۱ - ۳۴۳ -
اصغر گونڈوی - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۶۰۱ - ۶۰۹، نومبر ۱۹۵۷ء -
اطہر پرویز - ڈرامے کا فن - ۹۷ : ۸۱ - ۹۱، مارچ ۱۹۶۳ء -
اطہر ہاپوڑی - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۶۹۰ - ۶۹۲، جون ۱۹۶۴ء -
اظہر قادری - رضا علی وحشت - (شخصیات نمبر۲) - ۵۹ —— ۶۰ : ۸۷۱ - ۸۷۷، اکتوبر ۱۹۵۶ء -
اعجاز حسین، سید - ۱ - ادب اور افادیت - ۸ : ۹ - ۱۲، ۱۹۴۹ء ۲ - سر تیج بہادر سپرو - (شخصیات نمبر۲) ۵۹ - ۶۰ : ۱۴۰۷ - ۱۴۰۹، اکتوبر ۱۹۵۶ء - ۳ - شاعری میں عظمتِ گناہ - ۹۶ : ۹۷ - ۱۰۶، جنوری ۱۹۶۲ء - ۴ - مومن کا ذہنی تجزیہ - ۹۰ : ۵ —— ۱۰، اکتوبر ۱۹۶۱ء - ۵ - نذیر احمد کا ذہنی تجزیہ - ۵۵ - ۵۶ : ۹ —— ۱۷، مارچ ۱۹۵۶ء - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ —— ۸۰ : ۳۲۹ - ۳۳۹، اپریل ۱۹۶۰ء - ۶ - ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت - (طنز و مزاح نمبر۱) ۷۱ - ۷۲ : ۱۱ - ۱۶، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء -
اعظم، سید اعظم حسین - میرزا یگانہ چنگیزی - (شخصیات نمبر۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۸۶۶ —— ۸۷۰، اکتوبر ۱۹۵۹ء

افتخار حسین، آغا - ۱ - عبدالعزیز خالد کی شاعری - ۱۰۶ : ۲۱۱ - ۲۲۵ ، اکتوبر ، دسمبر ۱۹۶۶ء -

۲ - عہدِ حاضر اور پسماندہ اقوام - ۱۰۹ : ۴۲ - ۴۸ - ستمبر ۱۹۶۷ء -

افضل حق، چودھری - آپ بیتی — تلخیص محمد عبداللہ قریشی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۵۸۰ - ۵۸۵ جون ۱۹۶۴ء -

اقبال، سر محمد اقبال - ۱ - آپ بیتی — مرتبہ محمد عبداللہ قریشی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۱ - ۱۷ ، جون ۱۹۶۴ء -

۲ - خط - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۹ ، ستمبر ۱۹۶۳ء - (بنام شوکت تھانوی مؤرخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء - شوکت کے کسی مجموعہ اشعار پر مختصر رائے دی گئی ہے -)

۳ - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۲۹۳ - ۳۱۷ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۴ - دو خط - بنام ملوک چند محروم ۱۰۸ : ۱۵۵ اور ۱۵۶ کے درمیان ستمبر ۱۹۶۷ء (عکس : ایک خط انگریزی میں، دوسرا اردو میں)

۵ - کیا مذہب کا امکان ہے؟ - مترجمہ اختر مسعود - ۱۳ : ۱۸ - ۲۶ -

۶ - مکاتیب - (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۶۱۳ - ۶۱۴ ، اپریل ۱۹۶۰ء -

اقبال صفی پوری - شوکت بھائی - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۴۰۸ - ۵۰۲ ، ستمبر ۱۹۶۳ء -

اقبال عظیم - ستارِ عظیم - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۶۴۲ - ۶۴۶ ، جنوری ۱۹۵۵ء -

اقتدار عالم خان - اردو میں ناول نگاری کی ابتدا — ایک نیا زاویۂ نظر - ۱۰۳ : ۲۵۰ - ۲۶۰ ، ستمبر ۱۹۶۵ء -

اکبر الہ آبادی، اکبر حسین - ۱ - اکبر نامہ - ۲۱ - ۲۲ : ۱۰۹ - ۱۱۰ مئی ۱۹۵۲ء -

۲ - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۱۹۹ - ۲۰۴ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۳ - مکاتیب - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ - ۸۰ : ۶۰۳ - ۶۰۴ ، ۱۹۶۰ء -

اکبر شاہ نجیب آبادی - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۸۳۵ - ۸۳۷ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

اکبر علی خان - ۱ - رشید حسن خان کی تحقیقی غلطیاں - ۱۰۴ : ۲۲۹ - ۲۵۴ ، جنوری ۱۹۶۶ء -

۲ - ضمیمہ نسخۂ عرشی - ۱۰۱ : ۱۹۶ - ۲۰۴ نومبر ۱۹۶۴ء -

۳ - نکات و واقعات — غالب کا ایک نادر مجموعہ - ۹۵ : ۲۲۷ - ۲۳۶ ، اکتوبر ۱۹۶۲ء -

اکرام الدین صدیقی، محمد ۱ - ڈاکٹر زور صاحب - ۹۶ : ۲۵۷ - ۲۶۵ ، جنوری ۱۹۶۳ء -

۲ - شامِ غریباں کا ایک نادر نسخہ - ۱۰۳ : ۲۶۱ - ۲۶۹ ، ستمبر ۱۹۶۵ء -

امجد حیدر آبادی - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۷۹۹ - ۸۱۱ ، جون ۱۹۶۴ء -

امداد صابری - حجاز کی صحافت - ۱۰۶ : ۱۱۷ - ۱۳۳ ، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء -

امن، آزادی، جمہوریت اور تہذیب کی حفاظت میں ہمارے قلم کی تمام طاقت اور فکر کی تمام صلاحیت صرف ہو گی:-

۱ - مغربی پنجاب کے دانشوروں کا اعلان ، ۲ - ہندوستان کے دانشوروں کا اعلان - (عالمگیر امن نمبر) ۷ : ۵۲ - ۵۴

۳- معارضۂ مظہر و آرزو - ۸۸ : ۴۲ - ۵۷، مئی ۱۹۶۱ء۔

خلیق الزمان، چودھری - بڑا سانحہ - (شوکت نمبر) - ۹۹ : ۲۲۹، ستمبر ۱۹۶۳ء۔

خلیل الرحمٰن اعظمی - ۱- ادبی تنقید کے مسائل - ۹۶ : ۲۰۰ - ۲۰۷، جنوری ۱۹۶۳ء۔

۲- علی گڑھ کی چند شخصیتیں - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۲۱۲ - ۱۲۳۹، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

خلیل الرحمٰن داؤدی - غلام رسول مہر - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۶۲۹ - ۶۴۱، جنوری ۱۹۵۵ء۔

خورشید، عبدالسلام - ۱- اردو صحافت - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۱۴۹ - ۸۵۸، فروری ۱۹۶۲ء۔

۲- اقبال ایک مستقبل شناس سیاست داں - ۱۰۴ : ۱۴۸ - ۱۵۱، جنوری ۱۹۶۶ء۔

۳- سالک ماجرائے عشق - ۱۰۷ : ۹۳ - ۱۰۹ مئی ۱۹۶۷ء

۴- فانوس خیال — نصف صدی پہلے کا ادبی مجلہ - ۱۰۵ : ۱۸۴ - ۱۹۸، مئی، جون ۱۹۶۶ء۔

۵- کہکشاں — تاج اور سالک - ۱۰۶ : ۱۸۲ - ۲۱۰، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء۔

۶- طنز و ظرافت - ۷۱ - ۷۲ : ۱۶ - ۲۴، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء۔

خورشید (عمر)، شوکت - پیارے ابا - (شوکت نمبر ۱) - ۹۹ : ۴۶۳ - ۴۷۲، ستمبر ۱۹۶۳ء۔

خیال عظیم آبادی، نصیر حسین خاں - ۱- خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۴۷۲ - ۴۷۸، نومبر ۱۹۵۷ء۔

۲- مکاتیب - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ - ۸۰ : ۶۲۰ - ۶۲۳، اپریل ۱۹۶۰ء۔

خیر بھوروی - غالب کی تصویریں - ۱۴ : ۳۲ - ۳۳ -

دادا بھائی نوروجی - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۲۱۲ - ۲۱۵، جون ۱۹۶۴ء۔

داغ - ۱- خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۳۰ - ۱۳۱، نومبر ۱۹۵۷ء۔

۲- مکاتیب - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ - ۸۰ : ۵۹۱ - ۵۹۱، اپریل ۱۹۶۰ء۔

دَور آفریدی - ظرافت نگار راجہ مہدی علی خاں - ۱۰۶ : ۵۶۱ - ۵۶۷، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء۔

دیوندر اسر - ۱- ادب اور نفسیاتی تاریخ - ۹۵ : ۲۵۱ - ۲۵۴، اکتوبر ۱۹۶۲ء۔

۲- جدید ادبی فکر - ۶۳ - ۶۴ : ۲۵۴ - ۲۹۲، جون ۱۹۵۷ء۔

۳- جدید افسانے کا ذہنی سفر - ۱۰۷ : ۱۳۲ - ۱۳۶، مئی ۱۹۶۷ء۔

۴- کہانی کا فن - ۵۷ - ۵۸ : ۱۹۵ - ۲۰۰، جون ۱۹۵۶ء۔

دیوندر ستیارتھی - اختر حسین رائے پوری - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۰۶۲ - ۱۰۷۱، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

ذاکر حسین - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۷۹ - ۹۸۰، نومبر ۱۹۵۷ء۔

ذکاء اللہ - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۱۳۲ - ۱۳۳، نومبر ۱۹۵۷ء۔

ذکرِ تاثیر نمبر ۱۵ - ۱۶ : ۱۰ - ۱۲، دسمبر ۱۹۵۰ء - (تاثیر کی وفات پر مختلف احباب کا نظم و نثر میں اظہار)

راز یزدانی - ۱- خان آرزو اور ان کا تذکرہ مجمع النفائس ۹۶ : ۱۶۳ - ۱۷۸، جنوری ۱۹۶۳ء -

۲- کیا داستان حمزہ کی اصل فارسی ہے؟ ۸۳ - ۸۴ : ۸۹ - ۹۲، اگست ۱۹۶۰ء -

راس مسعود، سر - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۵۶۶ - ۵۶۹، نومبر ۱۹۵۷ء -

راشد، ن-م - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱، نومبر ۱۹۵۷ء -

راشد الخیری ۱- خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۲۸۳ - ۲۸۵، نومبر ۱۹۵۷ء -

۲- مکاتیب - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ - ۸۰ : ۴۱۸ - ۴۱۹، اپریل ۱۹۶۰ء -

راشدی، سید حسام الدین - سندھ اور ایران کے تعلقات - ۱۰۶ : ۵۲۴ - ۵۴۰، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء -

ربیعہ سلطانہ - ہندوستان میں مغلیہ فن مصوری - ۱۹ - ۲۰ : ۲۱۵ - ۲۱۷،

رجب علی بیگ سرور - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) ۱۰۰ : ۱۴۱ - ۱۴۴، جون ۱۹۶۴ء -

رحمت قطبی - علامہ دتاتریہ کیفی - (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ - ۴۸ : ۲۴۲ - ۲۵۰، جنوری ۱۹۵۵ء -

رسا رامپوری - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۲۲۶ - ۲۲۸، نومبر ۱۹۵۷ء -

رسوا، مرزا محمد ہادی - خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۸۳۱ - ۸۳۲، نومبر ۱۹۵۷ء

رشدی، محمد حبیب اللہ - ۱- آغا شاعر - ۱۰۲ : ۱۴۷ - ۱۶۰، ۱۹۶۵ء -

۲- کوہ نور اور شاہ شجاع ۱۰۶ : ۴۳ - ۶۱، اکتوبر، دسمبر ۱۹۶۶ء -

رشید احمد صدیقی - ۱- ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۹۸۴ - ۹۸۵، نومبر ۱۹۵۷ء -

۲- جگر صاحب - (شخصیات) ۴۷ - ۴۸ : ۳۱۶ - ۳۲۱، جنوری ۱۹۵۵ء؛ (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۴۵۴ - ۴۶۱، اپریل ۱۹۶۰ء

۳- شوکت تھانوی، ہم عصروں کی نظروں میں - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۲۲ - ۲۶، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۴- کچھ فسانۂ عجائب کے بارہ میں - ۲۵ - ۲۶ : ۲۰۰ - ۲۰۳، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء -

۵- میری آرزو - (لاہور نمبر) ۹۲ : ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲، فروری ۱۹۶۲ء -

رشید احمد گنگوہی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۸۱۶، نومبر ۱۹۵۷ء -

رشید حسن خان - ۱- تنقیدی جانبداری کے اسباب اور اثرات - ۸۷ : ۵۰ - ۵۸، فروری ۱۹۶۱ء -

۲- زبان و بیان کے بعض پہلو - ۹۴ : ۷۳ - ۹۲، جولائی ۱۹۶۲ء -

۳- مشترک الفاظ - ۱۰۲ : ۱۱۰ - ۱۱۷، ۱۹۶۵ء -

رشید عمر - آبا - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۴۵۵ - ۴۵۹، ستمبر ۱۹۶۳ء -

رشید الوحیدی - مولانا حسین احمد مدنی - (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ - ۶۰ : ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

شوقؔ، سمت پرکاش - ۱ - بات چیت - فراق گورکھپوری سے ملاقات - ۱۰۳ : ۲۲۵ - ۲۲۹، ستمبر ۱۹۶۵ء
۱۰۵ : ۸۰ - ۸۳، مئی، جون ۱۹۶۶ء

۲ - لسانی بدتمیزی - (فراق گورکھپوری سے ایک ملاقات) - ۱۰۱ : ۴۱ - ۴۸، نومبر ۱۹۶۴ء -

شوکت تھانوی ۱ - امتیاز علی تاج - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۹۹۱ - ۹۹۴، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۲ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰، نومبر ۱۹۵۰ء -

۳ - بارِ خاطر - ۱۹ - ۲۰ : ۷۴ - ۷۸

۲۱ - ۲۲ : ۱۱۱ - ۱۱۵، مئی ۱۹۵۲ء -

۲۳ - ۲۴ : ۱۵۵ - ۱۶۱، جولائی ۱۹۵۲ء -

۴۳ - ۴۴ : ۱۱۰ - ۱۱۸، جولائی، اگست ۱۹۵۴ء -

۴ - بے قاعدہ - ۳۱ - ۳۲ : ۵ - ۸ مئی، جون ۱۹۵۳ء -

بے قاعدہ - (چند سبق اردو) - ۳۵ - ۳۶ : ۲۰۴ - ۲۰۶، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء -

۵ - بہت دیگر - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۱۱۳۸ - ۱۱۴۱، فروری ۱۹۶۲ء -

۶ - جناب امتیاز علی - (شخصیات نمبر) - ۴۷ - ۴۸ : ۴۵۸ - ۴۶۰، جنوری ۱۹۵۵ء -

۷ - خطوط بنام — سعیدہ خاتون و زہرہ شوکت - (شوکت نمبر) - ۹۹ : ۵۷۰ - ۵۷۹، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۸ - طوفان — شوکت تھانوی کا اپنا روزنامہ اور اس کے مندرجات - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۲۸۷ - ۲۹۹، ستمبر ۱۹۶۳ء

۹ - لکھنؤ کی چند ادبی شخصیتیں - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۵۳۲ - ۵۴۸، جنوری ۱۹۵۵ء -

۱۰ - میری سرگذشت - (ریڈیو کی ایک تقریر) - ۹۹ : ۷ - ۸، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۱۱ - میں میراجی کو نہیں جانتا - ۱۵ - ۱۶ : ۸۹ - ۹۰، دسمبر ۱۹۵۰ء

شوکت سبزواری - ۱ - اردو شاعری میں طنز - ۷۱ - ۷۲ : ۸۵ - ۹۵، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء -

۲ - اردو کی ہائیہ آوازیں - ۹۸ : ۴۸ - ۵۴، جون ۱۹۶۳ء -

۳ - اسلامی ادب - ۳۹ - ۴۰ : ۱۳ - ۱۹، مارچ ۱۹۵۴ء -

۴ - اشارہ یا استعارہ - ۶۳ - ۶۴ : ۲۲۷ - ۲۳۷، جون ۱۹۵۷ء -

۵ - تنقید میں نقطۂ نگاہ کی اہمیت - ۵۱ - ۵۲ : ۲۳۴ - ۲۴۲، جولائی ۱۹۵۵ء -

۶ - تنقید میں نقطۂ نظر کی اہمیت - (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۲۲۳ - ۲۳۲، اپریل ۱۹۶۰ء -

۷ - عندلیب شادانی - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۳۵۹ - ۳۶۵، جنوری ۱۹۵۵ء -

شوکت علی - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۳۶۷ - ۳۷۰، نومبر ۱۹۵۷ء -

صوفی تبسم - پطرس - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۶۰۹ - ۶۱۵، جنوری ۱۹۵۵ء -

صوفیہ فضل - شکیلہ اختر - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۱۵۲ - ۱۱۵۶، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

ضیاء الحسن فاروقی - عابد حسین - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۹۶۵ - ۹۸۱، اکتوبر ۱۹۵۶ء

ضیاء الدین - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۲۴ - ۸۲۵، نومبر ۱۹۵۷ء -

طاہر، اکمل سید - عہد جدید کے شاعر کا ماڈل - شاعر ندیم - ۱۰۴ : ۲۵۵ - ۲۶۰، جنوری ۱۹۶۶ء -

طاہر فاروقی، محمد - ۱ - اردو مثنوی - ۸۰ : ۳۷ - ۴۹، فروری ۱۹۶۱ء -

۲ - اردو مرثیہ - ۸۱ - ۸۲ : ۱۲ - ۳۶، جون ۱۹۶۰ء -

۳ - اردو نثر کا ایک رتن - ۶۳ - ۶۴ : ۲۱۵ - ۲۲۶، جون ۱۹۵۷ء -

طاہرہ اختر - شاہد فاروقی - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۱۳۲ - ۱۱۳۶، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

طفیل احمد خان - زبان کا مسئلہ - ۵ - ۶ : ۲۰ - ۲۶

طفیل احمد منگلوری، سید - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۲۷ - ۸۲۸، نومبر ۱۹۵۷ء -

طٰہٰ حسین - آپ بیتی - مترجمہ عبدالباقی سلطانی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۲۴۹ - ۲۶۳، جون ۱۹۶۴ء -

ظفر علی خان - (آپ بیتی نمبر) آپ بیتی - مرتبہ محمد عبداللہ قریشی - ۱۰۰ : ۷۲۱ - ۷۴۳، جون ۱۹۶۴ء -

ظفر الملک - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۴۲۵ - ۴۳۴، نومبر ۱۹۵۷ء -

ظہیر احمد صدیقی - پیروڈی، اردو ادب میں - ۷۱ - ۷۲ : ۱۱۳ - ۱۲۱، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء -

ظہیر الدین صدیقی - مومن کے ناقدین - ۹۰ : ۱۷۹ - ۱۹۹، جنوری ۱۹۶۳ء -

ظہیر بابر - ۱ - اے ماؤ، بہنو، بیٹیو - (خواتین عالم کی امن کانفرنس) - (عالمگیر امن نمبر) - ۷ : ۱۸ - ۲۰،

۲ - چراغ حسن حسرت - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۴۲۱ - ۴۲۵، جنوری ۱۹۵۵ء -

۳ - محبت پر کیا گزری - ترجمہ - ۲۳ - ۲۴ : ۲۲۲ - ۲۳۰، جولائی ۱۹۵۲ء -

۴ - یا خدا اور اس کا دیباچہ - ۵ : ۷۳ - ۸۳

ظہیر دہلوی - آپ بیتی - تلخیص خورشید مصطفیٰ رضوی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۵۰۲ - ۵۲۲، جون ۱۹۶۴ء -

ظہیر الدین محمد بابر - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۳۱۳ - ۳۴۵، جون ۱۹۶۴ء -

عابد، عابد علی - ۱ - چند بڑے ادیب - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۱۰۶۰ - ۱۱۰۱، فروری ۱۹۶۲ء -

۲ - حافظ شیرازی - ۲۳ - ۲۴ : ۱۸۶ - ۱۹۱، جولائی ۱۹۵۲ء -

۳ - فورٹ ولیم کالج کے ناول نگار - (ناولٹ نمبر) ۱۷ - ۱۸ : ۲۶۵ - ۲۶۹

۴ - گنجا فرشتہ - ۴۹ - ۵۰ : ۲۵۲ - ۲۶۰

۵- لاہور کی چند ادبی شخصیتیں - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷-۴۸ : ۵۰۵-۵۱۴ ، جنوری ۱۹۵۵ء -
۶- مجھے کس ادب پارے نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟ ۱۵-۱۶ : ۳۰-۳۱ ، دسمبر ۱۹۵۰ء -
۷- مصوری اور مصور - (لاہور نمبر ۱) - ۹۲ : ۱۱۱۴-۱۱۲۱ ، فروری ۱۹۶۲ء -
۸- موسیقی اور ہماری ثقافت کی ترجمانی - ۱۰۴ : ۲۷۳-۲۷۸ ، جنوری ۱۹۶۶ء -
۹- ناہید کی داستان - ۱۹-۲۰ : ۱۸۳-۱۸۴ -
عابد حسین، سید - ۱- ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵-۶۶ : ۹۸۳-۹۸۴ ، نومبر ۱۹۵۷ء -
۲- ڈاکٹر ذاکر حسین - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷-۴۸ : ۲۶۷-۲۷۴ ، جنوری ۱۹۵۵ء -
۳- ذاکر صاحب - (دس سالہ نمبر) ۷۹-۸۰ : ۴۶۲-۴۷۱ ، اپریل ۱۹۶۰ء -
۴- شہادت، اِس کی اہمیت اور معنویت - ۶۹-۷۰ : ۲۰۵-۲۰۸ ، اکتوبر ۱۹۵۸ء -
عادل رشید - جونہ مرتا کوئی دن اور - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۴۷۳-۴۷۸ ، ستمبر ۱۹۶۳ء -
عباد اللہ فاروقی - دروازے (لاہور نمبر ۱) ۹۲ : ۶۶۰-۶۷۴ ، فروری ۱۹۶۲ء -
عبادت بریلوی - ۱- احمد ندیم قاسمی - شخصیت اور فن (چند تنقیدی تاثرات) ۳۹-۴۰ : ۱۹۳-۱۹۸ ، مارچ ۱۹۵۴ء -
۲- اردو غزل کا تنقیدی مطالعہ ۲۹-۳۰ : ۷۹-۱۱۷ ، فروری - مارچ ۱۹۵۳ء -
۳- بلونت سنگھ ، ۳۷-۳۸ : ۴۲۲-۴۳۶ ، جنوری ۱۹۵۴ء -
۴- ترقی پسند تحریک، ایک تنقیدی جائزہ ، ۸ : ۳۳-۵۲ ، ۱۹۴۹ء -
۵- تین نقاد - ۱۳ : ۵-۱۲ (۱- وحید الدین سلیم - ۲- امداد امام اثر - ۳- مہدی افادی)
۶- جدید اردو ادب کے بعض مسائل - ۱۵-۱۶ : ۳۸-۴۵ ، دسمبر ۱۹۵۰ء -
۷- داغ کا تغزل اور اِس کے سماجی محرکات ۲۱-۲۲ : ۱۵-۴۲ مئی ، جون ۱۹۵۳ء -
۸- ڈاکٹر مولوی عبدالحق (شخصیات نمبر ۱) ۴۷-۴۸ : ۱۹۹-۲۳۴ ، جنوری ۱۹۵۵ء -
۹- روایت کی اہمیت - ۵ : ۳۷-۴۳ ÷ ۱۰- غزل اور تغزل - ۲۷-۲۸ : ۴۰-۵۷ ، نومبر، دسمبر ۱۹۵۲ء -
۱۱- غزل کا مستقبل - ۲۱-۲۲ : ۲۲۸-۲۳۹ - مئی ۱۹۵۲ء
۱۲- مختصر افسانہ کا فن - ۵۳-۵۴ : ۹۹۳-۱۰۰۴ ، ستمبر ۱۹۵۵ء ÷ ۱۳- منٹو کی حقیقت نگاری ۴۹-۵۰ : ۲۶۷-۲۸۸ ÷
۱۴- میر کا فنی شعور - ۴۵-۴۶ : ۱۷۱-۱۸۰ ، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۴ء ÷ ۱۵- ناولٹ کی تکنیک - ۱۹-۲۰ : ۲۰۴-۲۰۸ ÷
عباس حسین، قاری - ۱- ڈپٹی نذیر احمد (شخصیات نمبر ۱) ۴۷-۴۸ : ۵۶۳-۵۶۶ ، جنوری ۱۹۵۵ء -
عبدالباری، مولانا - ۱- خطوط - (مکاتیب نمبر) ۶۵-۶۶ : ۸۱۰ ، نومبر ۱۹۵۷ء -
عبدالحق، ابو محمد - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۷۹۳-۷۹۴ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

عبدالحق، مولوی (بابائے اردو) - ۱- آسان اردو - ۲۹-۳۰ : ۵-۱۲، فروری، مارچ ۱۹۵۳ء۔
۲- ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵-۶۶ : ۹۷۱-۹۷۳ نومبر ۱۹۵۷ء ۳- مکاتیب - ۹۶ : ۵۲-۸۶ جنوری ۱۹۶۳ء
۴- ——— ۹۷ : ۲۴۰-۲۵۹، مارچ ۱۹۶۳ء۔
۵- نواب عمادالملک - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹-۶۰ : ۶۳۰-۶۴۷، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔
——— (دس سالہ نمبر) - ۷۹-۸۰ : ۳۶۷-۳۸۹، اپریل ۱۹۶۰ء۔
عبدالحکیم، خلیفہ - اقبال - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷-۴۸ : ۱۰۸-۱۱۴، جنوری ۱۹۵۵ء۔
عبدالحمید یزدانی، خواجہ - ۱- فارسی شاعری میں لاہور کا ذکر - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۸۹۵-۹۱۱، فروری ۱۹۶۲ء۔
۲- فارسی گو شعرا - (لاہور نمبر) ۹۲ : ۸۵۹-۸۹۴ فروری ۱۹۶۲ء -
۳- لاہور ریکارڈ آفس کی چند اہم دستاویزات - ۹۷ : ۲۸۰-۳۰۷ مارچ ۱۹۶۳ء -
- ۹۸ : ۳۴۸-۳۸۱ جون ۱۹۶۳ء۔
عبدالحی، سید - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۷۹۹ نومبر ۱۹۵۷ء -
عبدالرحمٰن بجنوری - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۷۷۹-۷۸۳ نومبر ۱۹۵۷ء -
عبدالرحمٰن چغتائی - ۱- ایرانی مصوری کا زوال - ۱۰۵ : ۲۸۳ ——— ۲۹۲ مئی تا جون ۱۹۶۶ء -
۲- پاکستان میں مصوری کا مستقبل - ۱۱-۱۲ : ۲۷-۳۰، مئی ۱۹۵۰ء -
۳- تخلیق اور تخلیق کار - ۹۶ : ۸۷-۹۶، جنوری ۱۹۶۳ء۔
۴- تقاضا اور تقاضے ۱۵-۱۶ : ۲۰ ——— ۲۳ دسمبر ۱۹۵۰ء
۵- چند یادیں - ۲۹-۳۰ : ۱۴۵-۱۴۹، فروری، مارچ ۱۹۵۳ء -
۶- فنون اور ترکہ اسلام - ۴ : ۶۲-۷۶ ،
عبدالرزاق کانپوری، محمد ۱- آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۴۲۵-۴۴۰، جون ۱۹۶۴ء -
۲- خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۸۰۶-۸۰۷، نومبر ۱۹۵۷ء۔
عبدالرشید خواجہ - ۱- لاہور تاریخ قدیم کی نظر میں - (لاہور نمبر) - ۹۲ : ۱۷-۲۳، فروری ۱۹۶۲ء۔
۲- لاہور کے چند تاریخی عمارات اور ان کے کتبے - ۹۶ : ۲۷۸-۲۸۰ جنوری ۱۹۶۳ء -
عبدالرؤف عباسی، محمد - آہ شوکت - (شوکت نمبر) - ۹۹ : ۳۷۴-۳۷۸، ستمبر ۱۹۶۳ء -
عبدالستار صدیقی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۹۸۲-۹۸۳، نومبر ۱۹۵۷ء -
عبدالسلام ندوی - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵-۶۶ : ۷۷۰-۷۷۳، نومبر ۱۹۵۷ء -
عبدالشکور، شیخ - کچھ رواداری کی باتیں - (لاہور نمبر) ۹۲ : ۱۱۵۳-۱۱۹۰ فروری ۱۹۶۲ء -

۴- شوکت تھانوی- (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷-۴۸ : ۶۶۴-۶۷۹، جنوری ۱۹۵۵ء-

۵- شوکت تھانوی- چند یادیں - (شوکت نمبر ۱)- ۹۹ : ۵۱۵ - ۵۲۶ ستمبر ۱۹۶۳ء-

۶- مرشد رام پوری- (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۹۸۲- ۹۹۰، اکتوبر ۱۹۵۶ء-

۷- میر کا اسلوب قصیدہ گوئی - ۳۱-۳۲ : ۴۹ - ۵۷ مئی، جون ۱۹۵۳ء

عشرت لکھنوی، خواجہ- خطوط- (مکاتیب نمبر ۱) ۶۵- ۶۶ : ۳۸۱-۳۸۲ نومبر ۱۹۵۷ء-

عصمت چغتائی- ۱- ایک خط -(مکاتیب نمبر ۱)- ۶۵- ۶۶ : ۱۰۱۲، نومبر ۱۹۵۷ء-

۲- میرا دوست، میرا دشمن- ۴۹-۵۰ : ۲۹۶- ۳۱۰ -

(پہلا سالنامہ نمبر ۱ ۷۹- ۸۰ : ۴۸۷- ۵۰۲ - اپریل ۱۹۶۰ء-

عصمت اللہ بیگ، مرزا- مرزا فرحت اللہ بیگ- (شخصیات نمبر ۱) ۴۷- ۴۸ : ۱۶۰- ۱۶۷، جنوری ۱۹۵۵ء-

عطا محمد- ۱- فلسفہ عیش غم اور فانی کے اخلاقی مفروضات - ۱۱-۱۲ : ۹۱- ۹۵، مئی ۱۹۵۰ء-

۲- مومن مثنویوں کے آئینے میں- ۹ : ۱۴- ۲۳ ؛ ۳- میر کا تصورِ عشق- ۱۰ : ۱۶- ۱۹، ۱۹۴۹ء- (باقی)

عطاء اللہ سجاد- ن-م- راشد- (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹- ۶۰ : ۱۱۱۰- ۱۱۱۴، اکتوبر ۱۹۵۶ء-

عطاء اللہ شاہ بخاری، سید- آپ بیتی- مرتبہ محمد عبداللہ قریشی- (آپ بیتی نمبر) ۱۰۰ : ۷۱۵- ۷۱۹، جون ۱۹۶۴ء-

عظمت اللہ خان، محمد- خطوط- (آپ بیتی نمبر ۱) ۶۵- ۶۶ : ۵۶۱- ۵۶۵ نومبر ۱۹۵۷ء-

عظیم بیگ چغتائی، مرزا- شوکت تھانوی ہم عصروں کی نظر میں- (شوکت نمبر ۱)- ۹۹ : ۱۷- ۲۱، ستمبر ۱۹۶۳ء

عظیم الشان صدیقی- فسانۂ آزاد کی کہانی - ۱۰۷ : ۱۲۱ - ۱۳۱ مئی ۱۹۶۷ء-

علی بلگرامی، سید- خطوط- (مکاتیب نمبر) ۶۵- ۶۶ : ۸۰۳ - ۸۰۴ - نومبر ۱۹۵۷ء-

علی حسن خان، سید- ایک خط- (مکاتیب نمبر)- ۶۵- ۶۶ : ۸۷۲- ۸۷۳، نومبر ۱۹۵۷ء-

علی عباس جلال پوری، سید- ۱- اسلامی ادب --- یعنی چہ- ۳۹ - ۴۰ : ۲۷- ۳۴، مارچ ۱۹۵۴ء-

۲- تحلیل نفسی پر ایک نظر - ۳۱- ۳۲ : ۵۸ - ۶۳ مئی، جون ۱۹۵۳ء-

۳- تہذیب کی بنیادیں- ۲۱- ۲۲ : ۲۵۳- ۲۵۶، مئی ۱۹۵۲ء-

۴- شیوہ جوانمردی کا آغاز - ۶۷- ۶۸ : ۴۳۵ - ۴۴۵ جون ۱۹۵۸ء-

۵- مرقع اکبر تجریدی - ۶۳- ۶۴ : ۲۳۸- ۲۴۴، جولائی ۱۹۵۷ء-

علی عباس حسینی- ۱- آنسوؤں کا ہار- ۷۷- ۷۸ : ۲۴۰- ۲۴۵، دسمبر ۱۹۵۹ء-

۲- ایک خط، (مکاتیب نمبر)- ۶۵- ۶۶ : ۱۰۱۵- ۱۰۱۶، نومبر ۱۹۵۷ء؛ ۳- عظیم بزبانِ کلیم- ۹۰ : ۱۱- ۶۳- اکتوبر ۱۹۶۱ء-

۴- مرزا رسوا- (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۶۸- ۷۲ جنوری ۱۹۵۵ء-

۵- مسعود حسن رضوی- (شخصیات نمبر ۲) ۵۹- ۶۰ : ۹۹۹ - ۱۰۰۳، اکتوبر ۱۹۵۶ء-

---

[1] رسالے میں مصنف کا نام غلام حسین مصطفیٰ چھپا تھا - جو کہ صحیح نہ تھا

فقیر محمد چشتی، حکیم - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۳ نومبر ۱۹۵۷ء

فکر تونسوی - ۱ - ادیب اور عوامی تقاضے - ۴ : ۷۷ - ۸۱

۲ - زبان کا مسئلہ - ۳ : ۲۲ - ۲۴

۳ - کنہیا لعل کپور - (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ - ۴۸ : ۴۸۰ - ۴۸۴ ، جنوری ۱۹۵۵ء -

فلک پیما، عبدالعزیز - اردو زبان - ۱ : ۱۸ - ۱۹

فوق، محمد دین - ۱ - آپ بیتی - تلخیص محمد عبداللہ قریشی - سرگذشت فوق (غیر مطبوعہ) - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۶۷۰ - ۶۷۶ جون ۱۹۶۴ء -

۲ - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۳۹۹ - ۴۰۳ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۳ - مآثر لاہور - باغات و مزارات ، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی - (لاہور نمبر) ۹۲ : ۱۴۰ - ۱۴۴ فروری ۱۹۶۲ء -

فیض، فیض احمد - ۱ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) ، ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ نومبر ۱۹۵۷ء -

۲ - جہاں نو ہو رہا ہے پیدا - ۲ : ۵ - ۷

۳ - شوکت تھانوی کی یادیں - (شوکت نمبر) - ۹۹ : ۵۲ ستمبر ۱۹۶۳ء -

قاصد، سید علی اکبر - احمد علی - (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۱۱۵ - ۱۱۱۹ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

+ **قائد اعظم محمد علی جناح** - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۱ - ۱۴ ، جون ۱۹۶۴ء -

قرۃ العین حیدر - ۱ - ایک مہذب ظرافت نگار - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۳۴۲ - ۳۴۶ ، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۲ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۳ - تخلیق کی جمہوریت - ۳۹ - ۴۰ : ۵ - ۱۲ ، مارچ ۱۹۵۴ء -

۴ - سید سجاد حیدر یلدرم - (شخصیات نمبر ۱) - ۴۷ - ۴۸ : ۱۳۰ - ۱۴۲ ، جنوری ۱۹۵۵ء -

قطب النسائ ہاشمی - حیدر آباد دکن کی چند ادبی شخصیتیں - (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ - ۴۸ : ۵۴۹ - ۵۵۸ ، جنوری ۱۹۵۵ء -

قمر تمکین - شبلی کی کام - (شخصیات نمبر ۱) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۰۱۹ - ۱۰۲۶ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

قیوم نظر - اندر سبھا - ۱۱ - ۱۲ : ۶۶ - ۷۸ ، مئی ۱۹۵۰ء -

کارلر، ڈائکس - محبت پر کیا گذری ، مترجم ظہیر بابر ۲۳ - ۲۴ : ۲۲۲ - ۲۳۰ ، جولائی ۱۹۵۲ء -

کاسموڈ عائینسکایا - کیا ہمارے بچوں کا خون رائیگاں جائے گا؟ - زویا کی ماں کا سوال دنیا بھر کے دانشوروں سے مترجمہ احمد راہی - (عالمگیر امن نمبر) - ۷ : ۴۷ - ۴۹ -

کامل، محمد وارث - ۱ - احسان دانش - (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ - ۶۰ : ۱۴۶۹ - ۱۴۷۶ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۲ - تاجور نجیب آبادی - (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ - ۶۰ : ۱۴۴۰ - ۱۴۴۶ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

۳ - شورش کاشمیری (شخصیات نمبر ۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۲۳۰ - ۱۲۳۴ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

کرم حیدری — ہندی شاعری میں تصورِ محبوب — ۱۰۸ : ۱۰۹ — ۱۳۲ ، ستمبر ۱۹۶۷ء۔

کریم الدین، مولوی — آپ بیتی، مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی۔ (آپ بیتی نمبر) — ۱۰۰ : ۴۵۲ — ۴۵۵ ، جون ۱۹۶۴ء۔

کسریٰ منہاس — ۱۔ تاریخ گوئی کے متنازعہ فیہ مسائل — محض تسلیم کی روشنی — ۸۱ — ۸۲ : ۱۰۲ — ۱۱۲ ، جون ۱۹۵۹ء۔

۲۔ تحقیقاتِ امیر مینائی (خطوط کی روشنی میں) — ۹۶ : ۲۳۰ — ۲۴۶ جنوری ۱۹۶۳ء۔

۳۔ تنظیم الحیات — ۸۸ : ۵۸ — ۶۸ ، مئی ۱۹۶۱ء۔

۴۔ جلیل غزل کے آئینے میں — ۱۰۵ : ۲۲۷ — ۲۵۷ مئی، جون ۱۹۶۶ء۔

۵۔ رڈیارڈ کپلنگ — ۱۰۳ : ۲۶۹ — ۲۷۴ ستمبر ۱۹۶۵ء۔

۶۔ فروختِ تاریخ — ۹۰ : ۱۰۸ — ۱۱۴ ، اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

۷۔ زبُردبنیات — ۷۷ — ۷۸ : ۲۵۸ — ۲۷۷ ، دسمبر ۱۹۵۹ء۔

۸۔ لاہور کا ایک مورخ — دیوان امر ناتھ اکبری — ۱۰۸ : ۱۴۱ — ۱۴۹ ، ستمبر ۱۹۶۷ء۔

۹۔ مورخین — (لاہور نمبر) — ۹۲ : ۹۵۶ — ۱۰۲۳ فروری ۱۹۶۲ء۔

کشن پرشاد کول — خطوط۔ (مکاتیب نمبر) — ۶۵ — ۶۶ : ۸۱۲ — ۸۱۳ نومبر ۱۹۵۷ء۔

کشور بنیاد زیدی — علی عباس حسینی۔ (شخصیات نمبر ۲) — ۵۹ — ۶۰ : ۱۰۰۴ — ۱۰۰۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

کفایت اللہ، مفتی — خطوط۔ (مکاتیب نمبر) — ۶۵ — ۶۶ : ۵۷۶ — ۵۷۸ نومبر ۱۹۵۷ء۔

کلیم، سید عطا حسین — شوکت — میرا دوست — (شوکت نمبر) ۹۹ : ۴۰۶ — ۴۱۰ ستمبر ۱۹۶۳ء۔

کلیم، مکین احسن — ۱۔ حیات اللہ انصاری۔ نقوش — ۳۷ — ۳۸ : ۴۳۷ — ۴۴۱ ، جنوری ۱۹۵۴ء۔

۲۔ عبادت بریلوی — (شخصیات نمبر ۱) — ۴۷ — ۴۸ : ۶۵۱ — ۶۵۴ — جنوری ۱۹۵۵ء۔

۳۔ فراق کی شخصیت — ۳۵ — ۳۶ : ۲۲۷ — ۲۳۴ ، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء۔

کلیم الدین، احمد — ۱۔ احتشام حسین کی تنقید — ۶۱ — ۶۲ : ۲۱۵ — ۲۲۶ جنوری، فروری ۱۹۵۷ء۔

۲۔ اردو ادب میں طنز و ظرافت — ۷۱ — ۷۲ : ۴۹ — ۸۴ ، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء۔

۳۔ تنقید کیا ہے؟ ۱۰۵ : ۱ — ۸ ، مئی، جون ۱۹۶۶ء۔

کنہیا لعل کپور — ۱۔ ایک خط۔ (مکاتیب نمبر) — ۶۵ — ۶۶ : ۱۰۲۸ — ۱۰۲۹ ، نومبر ۱۹۵۷ء۔

۲۔ راجندر سنگھ بیدی — (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ — ۴۸ : ۳۹۶ — ۴۰۰ ، جنوری ۱۹۵۵ء۔

۳۔ صاحب — ۵۵ — ۵۶ : ۹۶ — ۱۰۰ مارچ ۱۹۵۶ء؛ ۴۔ گوہر مخزنِ ظرافت۔ (شوکت نمبر) ۹۹ : ۳۵۳ — ۳۵۶ ستمبر ۱۹۶۳ء۔

کوشلیا اشک — اوپندر ناتھ اشک۔ (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ — ۶۰ : ۱۰۹۵ — ۱۱۰۵ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

کیا موجودہ ادب روبہ تنزل ہے؟ (مذاکرہ) ۷۷ — ۷۸ : ۲۸۰ — ۲۷۲ (عہدِ حاضر کے بڑے ادیبوں کی آرا)

محمد شفیع، مولوی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۹۴ - ۹۹۵، نومبر ۱۹۵۷ء -

محمد صفدر - اسے عندلیب گلشنِ ناآفریدہ - ۶ : ۲۴ - ۲۹

محمد طفیل - ۱ - اختر صاحب - ۱۰۲ : ۴۵۳ - ۴۵۶، ۱۹۶۵ء

۲ - بیگمات نے کہا - انٹرویو - (شوکت نمبر) ۹۹ : ۴۱۱ - ۴۲۶، ستمبر ۱۹۶۳ء -

۳ - جگر صاحب - ۳۳ - ۳۴ : ۱۹۴ - ۲۰۶، اگست، دسمبر ۱۹۵۳ء -

۴ - جوش صاحب (سکیچ) ۱۰۴ : ۱۱۸ - ۱۴۷، جنوری ۱۹۶۶ء -

۵ - شب بیداری ——— ناصر کاظمی کے مجموعہ کلام پر نیم خوابیدہ سے تاثرات - ۴۵ - ۴۶ : ۲۵۷ - ۲۶۰، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۴ء -

۶ - شوکت صاحب - ۲۷ - ۲۸ : ۴۴۲ - ۴۴۹، جنوری ۱۹۵۴ء -

۷ - صاحب کے بعد جناب - ۸۹ : ۶۸ - ۷۶، اگست ۱۹۶۱ء -

مختلف ادیبوں کی آراء ص ۶۸ — ۷۲

۸ - عابد صاحب - (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ - ۴۸ : ۳۳۷ - ۳۴۲ جنوری ۱۹۵۵ء -

۹ - فراق صاحب — ایک ملاقات - ۳۵ - ۳۶ : ۲۳۵ - ۲۳۹، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۳ء -

۱۰ - منٹو صاحب - ۳۱ - ۳۲ : ۱۹۷ - ۲۰۷ مئی، جون ۱۹۵۳ء -

——— (دس سالہ نمبر) ۷۹ - ۸۰ : ۵۲۸ - ۵۴۴، اپریل - ۱۹۶۰ء -

۱۱ - منٹو کا ایک خط - ۴۹ - ۵۰ : ۳۵۵ - ۳۵۸

۱۲ - ندیم صاحب - ۳۹ - ۴۰ : ۱۹۹ - ۲۱۱، مارچ ۱۹۵۴ء -

محمد عثمان - غلام جیلانی برق - (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ - ۶۰ : ۱۰۳۰ - ۱۰۳۹، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

محمد عرفان، مولانا - خطوط، (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۹۱۶ - ۹۱۷، نومبر ۱۹۵۷ء -

محمد عسکری، مرزا - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۴۶ - ۸۴۷، نومبر ۱۹۵۷ء -

محمد عقیل، سید - ۱ - تحقیق اور مواد کی فراہمی کا مسئلہ - ۱۰۷ : ۶۳ - ۷۴، مئی ۱۹۶۷ء -

۲ - تنقید کا تاریخی شعور اور انفرادیت - ۱۰۳ : ۲۴۰ - ۲۴۹، ستمبر ۱۹۶۵ء -

۳ - مثنوی میں فوق فطری عناصر - ۱۰۱ : ۹۰ - ۱۱۴، نومبر ۱۹۶۴ء -

۴ - مثنوی میں مقامی رنگ - ۹۵ : ۲۶۵ — ۲۸۱، اکتوبر ۱۹۶۲ء -

محمد علی، مولانا - تقریظ - (دس سالہ نمبر) - ۷۹ - ۸۰ : ۴۵ - ۵۲، اپریل ۱۹۶۰ء -

محمد علی رودولوی - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۰۹، نومبر ۱۹۵۷ء -

محمد عمر - ۱ - شہر آشوب - حاتم دہلوی - ۹۱ : ۲۴۱ — ۲۴۵ دسمبر ۱۹۶۱ء -

۲ - مخمس اور احوال دہلی - شہر آشوب بہ نیت قلی خان حسرت - ۹۵ : ۲۴۴ — ۲۵۰، اکتوبر ۱۹۶۲ء -

مسولینی۔ آپ بیتی۔ تلخیص نسیم عباسی۔ (آپ بیتی نمبر)۔ ۱۰۰ : ۵۳۹ — ۵۵۶، جون ۱۹۶۴ء۔

مسیح الحسن رضوی۔ حیات اللہ انصاری۔ (شخصیات نمبر ۲)۔ ۵۹ — ۶۰ : ۱۰۸۶ — ۱۰۹۴، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

مسیح الدین خان سفیر اودھ۔ آپ بیتی۔ (آپ بیتی نمبر)۔ ۱۰۰ : ۳۷۰ — ۳۸۴ جون ۱۹۶۴ء۔

مشتاق احمد خان، نواب۔ میری ڈائری کے چند اوراق۔ ۱۰۵ : ۱۰۰ — ۱۰۵ مئی، جون ۱۹۶۶ء۔

—— ۱۰۶ : ۲۷۷ — ۵۸۳ اکتوبر دسمبر ۱۹۶۶ء۔

—— ۱۰۷ : ۷۵ — ۹۹ مئی ۱۹۶۷ء۔

—— ۱۰۸ : ۸۲ — ۹۳ ستمبر ۱۹۶۷ء۔

مشرف انصاری۔ ۱۔ سودا ہجویات کے آئینے میں۔ ۱۱ — ۱۲ : ۷۹ — ۸۹ مئی ۔ ۱۹۵ء۔

۲۔ نقوش ہجا۔ ۱۵ — ۱۶ : ۷۳ — ۸۱، ۱۹۵۰ء

مشکور عظیم، سید۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ (شخصیات نمبر ۱)۔ ۴۷ — ۴۸ : ۳۶۶ — ۳۷۲، جنوری ۱۹۵۵ء۔

مظفر علی، سید۔ ۱۔ اثر اور مثنوی خواب و خیال۔ ۵ : ۴۸ — ۶۲

۲۔ اردو ادب اور تحقیق۔ ۸۳ — ۸۴ : ۲۳۳ — ۲۴۴، اگست ۱۹۶۰ء

۳۔ اقبال کی نظم پر عملی تنقید۔ ۱۴ : ۱۸ — ۲۱

مظہر جان جاناں، مرزا۔ آپ بیتی۔ (آپ بیتی نمبر)۔ ۱۰۰ : ۲۸۹ — ۲۹۲ جون ۱۹۶۴ء۔

مظہر علی سندیلوی، سید۔ آپ بیتی۔ (آپ بیتی نمبر)۔ ۱۰۰ : ۲۹۷ — ۳۰۲ جون ۱۹۶۴ء۔

مظہر ممتاز۔ نیاز جی میں — بحیثیت انسان چند تاثرات۔ ۱۴ : ۲۲ — ۳۱

معین الرحمٰن۔ ذکر عبدالحق۔ ۱۰۲ : ۴۹ — ۸۰، ۱۹۶۵ء۔

ملا واحدی۔ خواجہ حسن نظامی۔ (شخصیات نمبر ۱) ۴۷ — ۴۸ : ۲۵۱ — ۲۵۷ جنوری ۱۹۵۵ء۔

ممتاز حسین۔ ۱۔ ایک نیا منصور۔ ۲۷ — ۲۸ : ۵۸ — ۶۲ نومبر، دسمبر ۱۹۵۲ء۔

۲۔ جمالیاتی خط اور افادیت۔ ۲۱ — ۲۲ : ۲۱۸ — ۲۲۷، مئی ۱۹۵۲ء۔

۳۔ سعادت حسن منٹو کی یاد میں۔ ۴۹ — ۵۰ : ۲۸۹ — ۲۹۵

۴۔ غالب کا نظریہ شعر۔ ۱۵ — ۱۶ : ۴۶ — ۵۱، دسمبر ۱۹۵۰ء

۵۔ ماضی کے ادب عالیہ سے متعلق۔ ۸ : ۱۸ — ۲۷، ۱۹۴۹ء

—— (دس سالہ نمبر)۔ ۷۹ — ۸۰ : ۳۴۰ — ۳۵۰، اپریل ۱۹۶۰ء

ممتاز حسین جونپوری، شیخ۔ ۱۔ اثر لکھنوی۔ (شخصیات نمبر ۱)۔ ۴۷ — ۴۸ : ۳۱۲ — ۳۱۵، جنوری ۱۹۵۵ء

۲۔ منشی سجاد حسین — ایڈیٹر اودھ پنچ۔ (شخصیات نمبر ۲)۔ ۵۹ — ۶۰ : ۱۴۲۱ — ۱۴۲۴، اکتوبر ۱۹۵۶ء

۳۔ مولانا صفی لکھنوی۔ (شخصیات نمبر ۲) ۵۹ — ۶۰ : ۱۴۳۳ — ۱۴۳۹، اکتوبر ۱۹۵۶ء

۳ - خطرہ ہائے دل - ۱۱-۱۲ : ۲۵ - ۲۶ ، مئی ۱۹۵۰ء -

ناصر کاظمی - حفیظ ہوشیارپوری - (شخصیات نمبر۲) - ۵۹ - ۶۰ : ۱۱۰۶-۱۱۰۹ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

ناطق گلاوٹھی - خطوط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۸۹۳ — ۸۹۷ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

ناطق لکھنوی - آپ بیتی - (آپ بیتی نمبر) - ۱۰۰ : ۷۴۹ — ۷۵۵ ، جون ۱۹۶۴ء -

ناظر، خوشی محمد - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ — ۶۶ : ۸۱۴ نومبر ۱۹۵۷ء -

ناظم سیوہاروی - ہجو گوئی کی تاریخ - ۷۱-۷۲ : ۹۹ — ۱۱۲ ، جنوری ، فروری ۱۹۵۹ء -

نثار اٹاوی - سیماب اکبرآبادی - (شخصیات نمبر۲) - ۵۹-۶۰ : ۸۵۹ - ۸۶۵ ، اکتوبر ۱۹۵۶ء -

نثار احمد فاروقی - ۱ - اردو کا ایک ہند برطانوی شاعر اور اس کا روزنامچہ - ۸۲ : ۷ — ۳۶ فروری ۱۹۶۱ء

۲ - اردو میں خاکہ نگاری - ۴۳-۴۷ : ۴۷ — ۱۰۸ ، مئی ۱۹۵۹ء -

۳ - اسلوب کیا ہے ؟ - ۹۸ : ۵۵ — ۷۲ ، جون ۱۹۶۳ء -

۴ - بات چیت — تلوک چند محروم سے انٹرویو - ۱۰۸ : ۱۹۵ — ۲۱۷ ستمبر ۱۹۶۷ء -

۵ - تلامذۂ غالب پر ایک نظر - ۷۷-۷۸ : ۲۴۹ — ۲۵۷ ، دسمبر ۱۹۵۹ء -

۶ - حادثۂ اسیری اور غالب - ۹۴ : ۲۸ — ۳۰ ، جولائی ۱۹۶۲ء -

۷ - شہرآشوب قائم چاندپوری - ۹۰ : ۹۵ — ۱۰۰ ، اکتوبر ۱۹۶۴ء -

۸ - مثنویات قائم چاندپوری - ۹۱ : ۲۵۳ — ۲۶۱ ، دسمبر ۱۹۶۱ء -

۹ - مرزا محمد حسن قتیل اور ہفت تماشا - ۱۰۷ : ۳۱ — ۵۴ ، مئی ۱۹۶۷ء -

۱۰ - میر بہادر علی واثق - ۶۹-۷۰ : ۲۲۷ — ۲۳۴ ، اکتوبر ۱۹۵۸ء -

۱۱ - میر کا آرٹ — پس منظر اور عناصر ترکیبی - ۱۰۶ : ۱۷ — ۴۲ ، ۱۹۶۶ء

۱۲ - میر کی مثنوی "شعلۂ شوق" کا ماخذ - ۹۵ : ۲۸۲ — ۲۹۸ ، اکتوبر ۱۹۶۲ء -

۱۳ - نقوش کے خاص نمبر - (دس سالہ نمبر) ۷۹ — ۸۰ : ۱۶ — ۳۲

۱۴ - نوادرِ غالب — ۱۲ غیر مطبوعہ خطوط - ۹۶ : ۷ — ۲۷ ، جنوری ۱۹۶۳ء -

نجم الاسلام - ۱ - بیاض مرزا جان طپش - ۱۰۸ : ۶۲ — ۸۱ ، ستمبر ۱۹۶۷ء -

۲ - تین نثری نوادر - ۱۰۵ : ۱۴۴ — ۱۶۳ ، مئی ، جون ۱۹۶۶ء -

۳ - دو آہنگ - ۱۰۵ : ۱۶۴ — ۱۷۱ مئی ، جون ۱۹۶۶ء -

ندیم قاسمی، احمد - ۱ - ایک خط - (مکاتیب نمبر) - ۶۵ - ۶۶ : ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ ، نومبر ۱۹۵۷ء -

۲ - ترقی پسند مصنفین - ۹ : ۴-۹ ، ۱۹۴۹ء -

۳ - حقیقت اور فنی حقیقت - ۵۷ - ۵۸ : ۱۸۳ - ۱۸۶ ، جون ۱۹۵۶ء -

۴۔ رو کلائے کھنڈروں کا پس منظر۔ روداد رو کلا امن کانگرس۔ (عالمگیر امن نمبر)۔ ۷ : ۱۱ — ۱۵

۵۔ عبدالمجید سالک۔ (شخصیات نمبر ا)۔ ۴۷ — ۴۸ : ۶۲۵ — ۶۳۰، جنوری ۱۹۵۵ء۔

۶۔ منٹو کی چند یادیں اور چند خطوط۔ ۴۹ — ۵۰ : ۲۵۹ — ۲۷۲

۷۔ 'نیا ادب' کا خاص نمبر۔ ۶ : ۳۰ — ۳۶

۸۔ ہاجرہ مسرور۔ (شخصیات نمبر ا) ۴۷ — ۴۸ : ۶۹۱ — ۷۰۳، جنوری ۱۹۵۵ء۔

نذیر احمد۔ ۱۔ ابن حسام۔ ۱۰۵ : ۵۲ — ۶۹، مئی، جون ۱۹۶۶ء۔

۲۔ تحقیق و تصحیح متن کے مسائل۔ ۹۷ : ۵ — ۲۰، مارچ ۱۹۶۳ء۔

نذیر احمد، ڈپٹی۔ ۱۔ آپ بیتی۔ مرتبہ عظیم الشان صدیقی۔ (آپ بیتی نمبر)۔ ۱۰۰ : ۴۲ — ۶۹، جون ۱۹۶۴ء۔

۲۔ خطوط۔ (مکاتیب نمبر)۔ ۶۵ — ۶۶ : ۱۳۴ — ۱۳۶، نومبر ۱۹۵۷ء۔

۳۔ مکاتیب۔ (دس سالہ نمبر)۔ ۷۹ — ۸۰ : ۴۹۵ — ۵۹۳، اپریل ۱۹۶۰ء۔

نذیر حسین محدث دہلوی۔ ایک خط۔ (مکاتیب نمبر)۔ ۶۵ — ۶۶ : ۷۹۱، نومبر ۱۹۵۷ء۔

نذیر مومن۔ اقبال اور رومی۔ ۵ : ۳۱ — ۳۶

نساخ، عبدالغفور۔ آپ بیتی۔ ایک غیر مطبوعہ نسخہ سے، مرتبہ سید مقیلنت الحسن۔ (آپ بیتی نمبر) ۱۰۰ : ۵۲۳ — ۵۴۸، جون ۱۹۶۴ء

نسیم انہونوی۔ شوکت اور نسیم۔ (شوکت نمبر)۔ ۹۹ : ۳۹۰ — ۳۹۹، ستمبر ۱۹۶۳ء۔

نسیم بھرت پوری، شبیر حسین۔ ایک خط۔ (مکاتیب نمبر)۔ ۶۵ — ۶۶ : ۸۱۳، نومبر ۱۹۵۷ء۔

نسیم ممتاز۔ مرد خوش گفتار۔ (شوکت نمبر)۔ ۹۹ : ۵۴۶ — ۵۵۵، ستمبر ۱۹۶۳ء۔

نصیر انور۔ یکی سے موچی تک۔ (لاہور نمبر)۔ ۹۲ : ۱۱۶۳ — ۱۱۷۹، فروری ۱۹۶۲ء۔

نصیر حیدر۔ ادب اور نظریہ۔ ۲۳ — ۲۴ : ۲۰۴ — ۲۱۱، جولائی ۱۹۵۲ء

نصیر الدین ہاشمی۔ ۱۔ اردو غزل کا تنقیدی مطالعہ پر ایک تنقیدی نظر۔ ۳۱ — ۳۲ : ۶۴ — ۷۱ مئی، جون ۱۹۵۳ء

۲۔ امجد حیدر آبادی۔ (شخصیات نمبر ا) ۴۷ — ۴۸ : ۳۲۹ — ۳۳۶، جنوری ۱۹۵۵ء۔

۳۔ اہل نوایط کی اردو خدمات۔ ۱۰۲ : ۱۲۹ — ۱۴۶، ۱۹۶۵ء (مسلسل)

۴۔ پہلا نسوانی اردو دیوان۔ ۹۱ : ۲۴۶ — ۲۵۷، دسمبر ۱۹۶۱ء۔

۵۔ حیدر آباد کے مزاح اور طنز نگار۔ ۸۳ — ۸۴ : ۶۴ — ۸۲ اگست ۱۹۶۰ء۔

۶۔ غالب اور حیدر آباد۔ ۲۹ — ۳۰ : ۱۵۸ — ۱۶۷ فروری، مارچ ۱۹۵۳ء۔

۷۔ قدیم اردو کی رزمیہ مثنویاں۔ ۱۵ — ۱۶ : ۵۹ — ۶۲، دسمبر ۱۹۵۰ء۔

۸۔ قطب شاہی دور میں اردو ادب کی رفتار۔ (دس سالہ نمبر)۔ ۶۷ — ۶۸ : ۴۲۸ — ۴۴۴ جون ۱۹۵۸ء۔

۹۔ ماہ لقابائی چندا۔ ۱۹ — ۲۰ : ۲۱۸ — ۲۲۴

وحید الحسن ہاشمی۔ کالج۔ (لاہور نمبر)۔۹۲: ۶۸۶۔ ۶۸۷ فروری ۱۹۶۲ء۔
وحید قریشی۔ ۱۔ آتش کی غزل گوئی۔ ۸۱۔۸۲: ۳۷۔۴۶ جون ۱۹۶۰ء۔
۲۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ ۶۱۔۶۲: ۲۷۴۔۲۸۱ جنوری، فروری ۱۹۵۷ء
۳۔ شعرائے کے مختصر حالات۔ (غزل نمبر)۔ ۴۱۔۴۲: ۵۶۴۔۴۷۳ (ولی سے لے کر عہد حاضر تک)
۴۔ فیضی کا نظریۂ شعر ۳۵۔۳۶: ۵۳۔۵۹ اکتوبر، نومبر ۱۹۵۲ء۔
——— (دس سالہ نمبر)۔ ۷۹۔۸۰: ۱۹۱۔۱۹۸ اپریل ۱۹۶۰ء۔
۵۔ میر حسن کی غزل گوئی۔ ۷۳۔۷۴: ۳۹۔۵۰، مئی ۱۹۵۹ء۔
وحید قیصر ندوی، سید۔ ۱۔ قاضی نذرالاسلام کا ایک تاریخی خطبہ۔ ۱۰۱: ۴۹۔۵۳، نومبر ۱۹۶۴ء
۲۔ مشرقی پاکستان کی اردو صحافت ۹۷: ۲۷۴۔۲۷۹ مارچ ۱۹۶۳ء۔
وزیر آغا۔ ۱۔ ۱۸۵۷ء کی اردو شاعری۔ ۷۳۔۷۴: ۱۲۱۔۱۲۸، مئی ۱۹۵۹ء۔
۲۔ پطرس کی تحریف نگاری۔ (پطرس نمبر) ۷۵۔۷۶: ۱۵۷۔۱۶۱ ستمبر ۱۹۵۹ء۔
۳۔ مزاح اور مزاح نگاری۔ ۷۱۔۷۲: ۲۵۔۴۸، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء۔
۴۔ مولانا صلاح الدین احمد۔ (شخصیات نمبر ۱) ۴۷۔۴۸: ۳۴۹۔۳۵۳، جنوری ۱۹۵۵ء۔
وفا راشدی۔ ڈھاکہ تاریخ کی روشنی میں۔ ۹۸: ۳۴۰۔۳۴۷ جون ۱۹۶۳ء۔
وقار عظیم۔ ۱۔ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا قضیہ۔ ۳۳۔۳۴: ۲۲۔۳۸، اگست، ستمبر ۱۹۵۳ء۔
۲۔ باغ و بہار اور قبولِ عام۔ ۴۵۔۴۶: ۱۴۱۔۱۶۱، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۴ء۔
۳۔ باغ و بہار کے نسوانی کردار۔ ۲۹۔۳۰: ۵۶۔۷۳، فروری، مارچ ۱۹۵۳ء۔
۴۔ داستان سے افسانے تک۔ (افسانہ نمبر)۔ ۵۳۔۵۴: ۹۸۰۔۹۹۲، ستمبر ۱۹۵۵ء۔
۵۔ سرور صاحب۔ (شخصیات نمبر ۱) ۴۷۔۴۸: ۴۹۷۔۵۰۴، جنوری ۱۹۵۵ء۔
۶۔ شخصیت نگار شوکت۔ (شوکت نمبر)۔ ۹۹: ۴۰۔۴۸، ستمبر ۱۹۶۳ء۔
۷۔ مقتنم روایتیں۔ ۱۳۔۱۴: ۲۷۔۳۱
۸۔ منٹو کا فن۔ ۴۹۔۵۰: ۲۲۲۔۲۴۸۔
——— (دس سالہ نمبر)۔ ۷۹۔۸۰: ۵۴۵۔۵۷۶، اپریل ۱۹۶۰ء۔
۹۔ ہماری داستانیں۔ ۲۱۔۲۲: ۲۱۰۔۲۱۷ مئی ۱۹۵۲ء۔
——— (دس سالہ نمبر)۔ ۷۹۔۸۰: ۲۶۴۔۲۷۵، اپریل ۱۹۶۰ء۔
۱۰۔ ہمارے مختصر افسانہ میں زندگی اور فن کا امتزاج۔ ۲۵۔۲۶: ۳۸۴۔۳۹۴، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۲ء۔
وقار الملک۔ ۱۔ خطوط۔ (مکاتیب نمبر)۔ ۶۵۔۶۶: ۱۶۵۔۱۶۹، نومبر ۱۹۵۷ء

نئی کتابیں

تبصرے

MY BELOVED PAKISTAN

از رحیم بخش خاں۔ قیمت دس روپے

پبلشرز: ٹریڈ اینڈ انڈسٹری پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ ۱۴ ویسٹ وہارف روڈ کراچی

انگریزی زبان میں یہ کتاب ایک محب وطن پاکستانی، اور ترقی پسند صنعت کار، ایک سچائی پسند انسان اور ایک ایسے انسان دوست شخص کی زندگی کے واقعات کی یادداشتیں ہیں، جس کے پیش نظر ہمیشہ اسلام اور وطن عزیز کی بڑائی کا جذبہ رہا اور یہی جذبہ اس کے ہر کام کے سلسلے میں مشعل راہ بنا۔ اس نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے۔ ملک ملک گھوما پھرا، اپنی ابتدائی زندگی میں ملازمت کے سلسلے میں، پھر اپنے علاج معالجے کے سلسلے میں، لیکن اسلام اور وطن عزیز کی بڑائی اور سربلندی کا عظیم ترین مقصد کہیں بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا۔ اس کی مہم جو طبیعت اسے کشاں کشاں لیے پھری اور وہ زندگی میں ہر ہر قدم پر نئے سے نئے تجربوں سے دوچار ہوا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے والوں اور ناکامیوں سے دل برداشتہ ہو کر ہمت ہار دینے والوں اور عملی زندگی میں داخل ہونے والوں کے لیے یہ تجربات نشان راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ کتاب کی دلچسپی ابتدا سے انتہا تک جوں کی توں قائم رہتی ہے اور قاری کہیں بھی پڑھتے پڑھتے لیور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ دلچسپ تجربات کے علاوہ مصنف کی رواں دواں زبان بھی ہے۔ مشاہدات میں خلوص جھلکتا ہے اور اس لیے ان کی اثر پذیری سے انکار ممکن نہیں۔ غلطیوں سے پاک کتاب عمدہ چکنے کاغذ پر بڑی عمدگی سے چھاپی گئی ہے اور مضبوط جلد بہت اعلیٰ ڈسٹ کور سے مزین ہے

(عزیز اللہ خاں)

ایمن

مصنف .. .. .. رفعت سلطان

ناشر .. ادارہ فروغ اردو لاہور

قیمت .. .. .. پانچ روپے

رفعت سلطان بہت سادہ غزل کہتے ہیں اور شاعری میں شروع سے آخر تک سادگی کو برقرار رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ شاعر کو یہ جوہر مشق و ریاض ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور رفعت سلطان کی غزل اس محنت اور لگن کی آئینہ دار ہے۔ بیان کی یہی سادگی جس نے رفعت سلطان کے احساسات و خیالات میں بھی سلاست پیدا کر دی ہے۔ وہ جو بھی شعر کہتے ہیں اس میں کوئی پیچ نہیں ہوتا۔ ایک بے داغ بے ساختگی ہوتی ہے جو پڑھنے یا سننے والے کے ذہن پر فوری طور سے، کوندے کی لپک کی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ انسان کے جبلی جذبات کی شاعری ہے جس میں اظہار کی نوعیت براہ راست قسم کی ہوتی ہے۔ یہ سادہ گوئی اور سادہ خیالی اردو غزل کی ایک مقبول اور پسندیدہ روایت ہے، جسے مسائل اور الجھنوں سے اٹے ہوئے اس دور میں بھی عدم اور رفعت کے سے غزل گویوں نے زندہ رکھا ہے۔ رفعت سلطان نے سادگی کی اس روایت میں نغمہ کاری کا اضافہ کیا ہے۔ انہیں موسیقی پر عبور حاصل

ہے۔ اس لیے وہ مصرعوں میں الفاظ کی نشست و برخاست سے جو صوتی آہنگ اور گنگناہٹ سی پیدا کرتے ہیں، وہ کچھ انہی کا حصہ ہے۔ اس خلص رنگ میں غزل کہنے والے بہت کم شعراء کو اظہار کے معاملے میں رفعت سلطان کی سی نغمہ ریز سادگی نصیب ہوتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی

پانچ کتابیں ——— ایک مصنف

○ نورتن ○ مولانا ظفر علی خاں ○ حمید نظامی

○ میاں افتخار الدین ○ سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مصنف: شورش کاشمیری

قیمتیں علی الترتیب ۵ روپے، ۲ روپے، ۲ روپے ۲۵ پیسے، ایک روپیہ پچاس پیسے، ۲ روپے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ نہ دیکھو کہ "کس نے کہا" بلکہ یہ دیکھو "کہا کیا؟" میں اس کے برعکس سوچتا ہوں۔ اگر یوں نہ سوچوں تو بہت سی باتیں ادھوری رہ جائیں۔ کم از کم میری یہ گزارش شخصیت نگاری کی حد تک قبول کر لیجیے۔

اس میدان کے پہلے شہسوار انشاء اللہ خاں انشا ہیں۔ پھر محمد حسین آزاد نے نام پیدا کیا۔ فرحت اللہ بیگ سے تو اس صنف کے خط و خال سامنے آ گئے۔ فرحت اللہ بیگ کے بعد، جن شخصیت نگاروں نے کمال حاصل کیا۔ ان میں مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی اور چراغ حسن حسرت زیادہ قدآور نکلے۔

یوں تو طبع آزمائی خواجہ حسن نظامی نے بھی کی، مولوی عبدالرزاق کانپوری نے بھی، مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی مولانا عبدالمجید سالک نے بھی، مگر ثابت ہوا کہ یہ ان لوگوں کا میدان نہ تھا۔ چونکہ بڑے لکھنے والے تھے اس لیے کام کے مضمون لکھ گئے۔ اگر ہم ان مضمونوں سے ان ادیبوں کا مقام متعین کرنا چاہیں گے تو ان کے ساتھ زیادتی ہو جائے گی۔

شورش صاحب نے ابوالکلام آزاد سے تو علم حاصل کیا۔ ظفر علی خاں سے سیاسی شعور اور عطاء اللہ شاہ بخاری سے خطابت، یہی وجہ ہے کہ میں انہیں سہ آتشہ کہتا ہوں۔ ابوالکلام ہی کی طرح ان کے ہاں الفاظ کا شکوہ ہے۔ ظفر علی خاں ہی کی طرح، ان کے ہاں سیاسی بھڑک ہے۔ اور عطاء اللہ شاہ بخاری ہی کی طرح کی جادوگری!

شورش صاحب کھلے دشمن اور کھلے دوست ہیں۔ مجھے ان کی یہی ادا پسند ہے اور بعضوں کو ان کی یہی ادا ناپسند ہے۔

اس پس منظر میں "نورتن"، "مولانا ظفر علی خاں"، "حمید نظامی"، "میاں افتخار الدین" اور "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" کا مطالعہ کرنا چاہیے نکتہ ہاتھ آ گیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس کا حق کیسے ادا ہو۔ جبکہ ڈر یہ بھی ہو کہ معاملہ طول پکڑ جائے گا۔ مثال کے طور پر جب یہ کوئی فقرہ میاں افتخار الدین کے "حق" میں لکھتے ہیں تو یہ سوچنے والا مقام تو ہے کہ کیوں؟ اور جب یہ کوئی فقرہ حمید نظامی کے "خلاف" لکھتے ہیں تو کیوں —؟

میں شورش کاشمیری کو ادب و صحافت کا محمد حسین آزاد سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ اتنے بڑے جادوگر ہیں کہ جسے چاہیں آسمان پر بٹھا دیں

اور جسے چاہیں تحت الثریٰ میں گرا دیں۔ آزاد کی نوازش صرف شاعروں اور ادیبوں تک بھی اِن کا دائرہ وسیع ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ، ان کے نرغے میں سیاسی شخصیتیں بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم ریشم کی سی نرمی کے ساتھ تلوار کی سی کاٹ بھی رکھتا ہے۔ پھر فقروں کی چھبن ایسی کہ دہائی! میاں افتخار الدین کے بارے میں ایک چھوٹا سا فقرہ سُن لیجئے:-

"ابوالکلام نے انہیں گود میں کھلایا، جواہر لال نے جھولے میں جھلایا اور مہاتما گاندھی نے نگہداشت کی۔"

یہ تو ہوئی "سیاسی چوٹ" اب ادب و انشا کی شان ملاحظہ کیجئے۔ میں تو ان کی تحریر کے تیوروں کا مدّاح ہوں۔ آپ کا حال اللہ جانے!

"بنگال دہقان کے کھیتوں کی سرزمین ہے۔ بنگال ثقافت کا بلدہ ہے۔ بنگال ساز و آواز کا نگار خانہ ہے۔ بنگال شہنائی کے سُروں سے تلوار کے نغمے ڈھلنے والوں کی رزم گاہ ہے۔ آج اس کی گود میں وہ شخص سو رہا ہے جو خود ایک زندگی تھا۔ لیکن اس کی زندگی کئی زندگیوں کا مجموعہ تھی۔ اس کے اُٹھ جانے سے سیر چشمی، فیاضی، فہم و ذکا، تدبّر و فراست اور سیاست و ذہانت کی ایک دُنیا اُجڑ گئی۔"[1]

شورش صاحب کو چہرہ نمائی میں بھی کمال حاصل ہے۔ محمد حسین آزاد اور خواجہ حسن نظامی کی روح بھی داد دینے پر مجبور ہوگی۔ کم از کم میرا تو یہی خیال ہے۔

"اظہر امرت سری کا نام تو بہت پہلے سنا تھا، لیکن دیکھا انہیں شہید گنج کی تحریک کے دنوں میں، جب وہ نظر بندی سے رہا ہو کے لاہور آئے تھے اور دفتر زمیندار میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شکل و صورت کے اعتبار سے شاعر اور ادیب صحافی یا خطیب کچھ نظر نہ آتے تھے۔ چہرہ مہرہ واجبی ہی تھا۔ گہرا گندمی رنگ، میانہ قد، اکہرا بدن، لمبی ناک، آنکھوں میں سگریٹ اور حقے کے دھوئیں کی نمی ہوتی تھی، خشخشی ڈاڑھی، مونچھوں میں عمر بھر اُتار چڑھاؤ آتے رہے، یعنی کبھی زاویہ قائمہ بناتی ہوئیں، کبھی بالکل ہی غائب، کبھی چھوٹی بحریں اور کبھی برائے وزنِ بیت، دانتوں میں کھڑکیاں، لیکن نشوں کی سیاہ رنگت سے افلاطون آواز میں خرخراہٹ، حسنِ صورت بتدریج ہو گیا تھا۔ چال ڈھال سے لے کر حال و قال تک کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جس سے گمان ہو کہ اس پیکرِ خاکی میں کوئی صاحبِ قلم ہے۔"[2]

چہرہ نمائی میں جب علم کی شان بھی شامل ہو جائے تو وہ اس صورت میں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی خال خال ہی پہنچا ہوگا۔

"شاہ جی کے چہرے مہرے سے عنانِ خیال معاً ان یونانی فلسفیوں کی طرف مُڑتی ہے جن سے فکر و نظر کی بہت سی راہیں صدیوں کی کھینچا تانی کے باوجود روشن ہیں اور جن کے تصویری پیراہن ان شاہ دماغوں کی یاد دلاتے ہیں جن کی صورتوں سے ایک دلآویز طنطنے کا اظہار ہوتا ہے۔ شاہ جی کا نک سُک قرونِ وسطیٰ کے ان حکما و فقہا اور علما و خطبا سے مشابہ ہے جو طلوعِ تاریخ سے پہلے یونان و روما میں اور طلوعِ تاریخ کے بعد بغداد و دہلی میں پائے جاتے تھے۔"[3]

---

[1] حسین شہید سہروردی ص ۱۳۱ ——— [2] نورتن ص ۱۴۹ ——— [3] سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۳

الفاظ کی آمد کا جیسا جادو یہ جگاتے ہیں، وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ تحریر و تقریر کا یہ خاص انداز، اس دور میں انہی کا حصہ ہے۔ ورنہ مجھے کوئی اور نام بتائیے؟

کالی داس نے عورت کے رُوپ کی تصویر کھینچتے ہوئے کائنات کی جن تصوری اور نظری خوب صورتیوں کو یکجا کیا ہے ان تمام خوب صورتیوں کا مرقع شاہ جی کی خطابت ہے۔ رعد کی گونج، بادل کی گرج، ہوا کا فراٹا، فضا کا سناٹا، صبح کا اجالا، چاندنی کا اجالا، ریشم کی جھلملاہٹ، ہوا کی سرسراہٹ، گلاب کی مہک، سبزے کی لہک، آبشار کا بہاؤ، شاخوں کا جھکاؤ، طوفان کی کڑک، سمندروں کا خروش، پہاڑوں کی سنجیدگی، صبا کی چال، اوس کا نم، چنبیلی کا پیراہن، تلوار کا لہجہ، بانسری کی دھن، عشق کا بانکپن، حسن کا اغماض اور کہکشاں کی مسجع و مقفیٰ عبارتیں انسانی آواز میں ڈھلتے ہی خطابت کی جو صورت اختیار کرتی ہیں، اس کا جیتا جاگتا مرقع شاہ جی کی ذات ہے[1]

ادب و انشا کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ آخر میں وہ بھی سُن لیجیے۔ جو بات مجھے پہلے کہنی چاہیے تھی۔ وہ آخر میں کہہ رہا ہوں۔ میری مرضی!

"مجھے بہت کم لوگوں کی تحریریں متاثر کرتی ہیں۔ پچھلے ۲۵ برس میں جن اہلِ قلم کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ ان میں گنے چُنے لوگ ہوں گے۔ جنہوں نے مجھے متاثر کیا۔ یا جن کے چمنستانِ نگارش میں میرے قلم نے گلگشت کی ہے۔ ان میں دو شخصیتیں واضح طور پر ایسی ہیں جن میں سے ایک کا جادو خود میرے افکار پر چھایا ہوا ہے اور وہ ہیں مولانا ابوالکلام آزاد — دوسری شخصیت پروفیسر رشید احمد صدیقی کی ہے۔ جن کے طرزِ تحریر میں صدیق اکبرؓ کی للّٰہیت، فاروقِ اعظمؓ کی سطوت، عثمانِ غنیؓ کی حیا اور علیؓ مرتضیٰ کی شجاعت پائی جاتی ہے۔ ان کے خیالوں کی سلطنت میں ابوذر غفاری کا فقر ہے[2]

بات طول پکڑتی جاتی ہے۔ قصہ مختصر، یہ کتابیں بصیرت دیتی ہیں، شعور دیتی ہیں، اسلوب دیتی ہیں، علم دیتی ہیں، یہ میری رائے ہے۔ آپ بھی تصدیق کر دیں تو سبحان اللہ!

محمد طفیل

---

[1] عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۲۰۱ — [2] انتساب نورتن۔

JAMIA
CHAMPION
GREASE
COMMANDO
GREASE
JAMIA INDUSTRIES LTD., KARACHI
CHAMPION

PRINTEDS
DAWOOD COTTON MILLS LTD.
KARACHI

مستقل مزاج
کیوینڈرز کو
پسند کرتے ہیں
NAVY CUT

آپکی ضرورت کے مطابق